خطاباتِ شوریٰ

(۱۹۴۴ء تا ۱۹۶۱ء)

جلد سوم

نام کتاب	:	خطاباتِ شوریٰ جلد سوم
فرمودات	:	حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ
طبع اول	:	
طبع اول انڈیا	:	اکتوبر 2015ء
تعداد	:	1000
مقام اشاعت	:	قادیان
ناشر	:	نظارت نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ قادیان، ضلع گورداسپور، پنجاب-143516-انڈیا
مطبع	:	فضل عمر پرنٹنگ پریس قادیان

Khitabat-e-Shura (Vol III)

Sermons Delivered by

Hadrat Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad

Khalifatul Masih II رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ISBN: 978-93-82882-64-9

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

شوریٰ کا نظام ارشاد باری تعالیٰ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ یعنی اہم معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کر کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثالی دینی معاشرہ اور دین کی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے شوریٰ کو ضروری قرار دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک طریق تھا کہ اہم دینی اور امور مملکت کے معاملات میں اپنے صحابہ کرام سے ضرور مشورہ لیا کرتے تھے۔ اس کی اتباع میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی احباب جماعت سے انفرادی و اجتماعی صورت میں مشورے لیتے رہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقاعدہ مشاورت کا قیام سن 1922ء میں فرمایا اور شوریٰ کے افتتاحی خطاب میں تفصیل کے ساتھ شوریٰ کی غرض و غایت اور اہمیت پر زریں ہدایات دیں۔ نیز حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ 1922ء تا 1960ء تک مجلس شوریٰ میں بنفس نفیس شمولیت فرماتے رہے اور قدم قدم پر احباب جماعت کی رہنمائی فرمائی۔

آپؓ کے ان خطابات کو جو نظام شوریٰ کی اہمیت اور جماعتی ترقی و تربیت کے لئے مشعل راہ ہیں فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ نے خطابات شوریٰ کے نام سے مرتب کر کے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے شائع کیا ہے۔ اس کی ترتیب و تیاری میں جن احباب نے خدمات سرانجام دی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں محض اپنے فضل سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ خطابات احباب جماعت کی تعلیمی، تربیتی، روحانی اور جسمانی ترقی کے لئے بے حد مفید اور بابرکت ہیں۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان خطابات شوریٰ کی ان جلدوں کی قادیان سے پہلی بار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے اور احباب جماعت کو ان ارشادات و ہدایات کو پڑھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

خاکسار

حافظ مخدوم شریف

ناظر نشر و اشاعت قادیان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پیش لفظ

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ فضل عمر فاؤنڈیشن کو سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے حقائق و معارف سے پُر خطابات برموقع مجالس شوریٰ الموسوم ''خطاباتِ شوریٰ'' کی تیسری جلد احباب جماعت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت مل رہی ہے۔جلد ھٰذا 1944ء تا 1961ء کی مجالس شوریٰ کے خطابات پر مشتمل ہے۔

جلد ھٰذا کے مسودہ کے ایک حصہ کا ابتدائی کام مکرم چوہدری رشیدالدین صاحب مربی سلسلہ نے سرانجام دیا۔فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ۔

محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کا بھی خاکسار تہہ دل سے ممنون ہے جنہوں نے ہماری درخواست پر مجالس مشاورت کی تمام رپورٹس کو پڑھا، بعض ضروری امور کی نشان دہی کی اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ۔

محترم سید عبدالحیٔ شاہ صاحب ناظر اشاعت و نائب صدر فضل عمر فاؤنڈیشن نے بھی ''خطاباتِ شوریٰ'' کی تیاری کے سلسلہ میں جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی انہوں نے کمال بشاشت سے متعلقہ عبارتوں کو پڑھ کر بعض بنیادی امور میں ہماری راہنمائی فرمائی۔اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء دے۔

جلد ھٰذا کی اشاعت سے قبل ہی محترم سید عبدالحیٔ صاحب ناظر اشاعت وفات پا کر اپنے مولیٰ حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ. ان کی وفات کے بعد محترم ملک مسعود احمد صاحب خالد کا تقرر بطور ناظر اشاعت اور ڈائریکٹر فضل عمر فاؤنڈیشن حضور انور نے منظور فرمایا ہے۔محترم ملک صاحب نے بھی اپنے پیش رو کی روایت کو آگے

بڑھاتے ہوئے 1956ء تا 1961ء کا سارا مواد ملاحظہ فرما کر بعض غلطیوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ نہایت قیمتی مشوروں سے بھی نوازا۔ خاکسار ان کا بھی دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔ **فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔**

جلد ھٰذا میں 1944ء تا 1960ء تک حضورؓ کے خطابات شامل اشاعت کیے جارہے ہیں۔ 1961ء میں حضور کا پیغام حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے پڑھ کر سنایا وہ بھی اس جلد کی زینت ہے۔ بعد میں 1962ء تا 1965ء حضرت مصلح موعودؓ اپنی علالت کی وجہ سے مجلس مشاورت میں شمولیت نہیں فرما سکے۔ 1962ء، 1963ء میں حضور کے ارشاد پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور 1964ء، 1965ء میں حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع فیصل آباد صدارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

مکرم عبدالرشید اٹھوال صاحب، مکرم حبیب اللہ باجوہ صاحب، مکرم فضل احمد شاہد صاحب، مکرم عبدالشکور باجوہ صاحب، مکرم عدیل احمد گوندل صاحب اور مکرم ظہور احمد مقبول صاحب مربیان سلسلہ کا بھی خاکسار خصوصی شکریہ ادا کرتا ہے کہ اس جلد کی تدوین و اشاعت کے مختلف مراحل مسودات کی ترتیب و تصحیح، پروف ریڈنگ اور حوالہ جات کی تلاش، Rechecking اور اعراب کی درستی کے سلسلہ میں ان سب نے نہایت محنت، لگن، خلوص اور دلی بشاشت سے کام کیا اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ **فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔**

مکرم بشارت احمد صابر صاحب کارکن دفتر فضل عمر فاؤنڈیشن بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس جلد کی تیاری میں معاونت کی۔ **فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔**

اللہ تعالیٰ ہماری اس علمی کاوش کو قبول فرماوے اور ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں احسن رنگ میں بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ؕ

پیشگوئی مصلح موعود

’’اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃُ اللہ ہے کیونکہ خُدا کی رحمت وغیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دِل کا حلیم اور علومِ ظاہری وباطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظۡهَرُ الۡاَوَّلِ وَالۡاٰخِرِ۔ مَظۡهَرُ الۡحَقِّ وَالۡعَلَآءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نُور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خُدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا۔‘‘

(اشتہار ۲۰/فروری ۱۸۸۶ء)

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدّین محمود احمد المصلح الموعود
خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	**مجلس مشاورت اپریل ۱۹۴۴ء**	
	افتتاحی تقریر	۴
	صحابہ سے ملنے کے معنے	۵
	ہماری زندگی کا اولین مقصد	۱۷
	غیر احمدی لڑکیوں سے رشتہ ناطہ کی بابت	۲۷
	حفاظت خاص	۲۹
	وقف اولاد کی اہمیت	۳۴
	چندہ جلسہ سالانہ کی شرح دس فیصد	۳۷
	ریزروفنڈ	۴۰
	پانچ ہزار مبلغین کی ضرورت	۴۳
	زندگی کا یادگار واقعہ	۴۶
	پہلی قوموں کی دین کیلئے عظیم الشان قربانیاں	۵۲
	بجٹ اخراجات کے سلسلہ میں ہدایات	۵۹
	سال میں دو دفعہ مجلس شوریٰ	۶۷
	اختتامی تقریر	۶۹
	وقف جائیداد	۶۹
	وقف آمد	۷۵
	کالج میں تعلیم کے لئے لڑکے بھجوائیں	۷۷
	کالج کے اجراء کا مقصد	۷۸
	وقف زندگی	۸۰
	امداد گندم	۸۳
	اسلامی تعلیم اور اعلیٰ تربیت کے حصول کا کامیاب طریق	۸۶
	نمایاں کام کرنے والوں کے قائمقام پیدا کرنے کی ضرورت واہمیت	۹۳
	زندہ قوم کی علامت	۹۷
	مسلمانوں کے تنزل اور ادبار کا بڑا سبب	۹۷
۲	**مجلس مشاورت ۱۹۴۵ء**	
	افتتاحی تقریر	۱۰۴
	ردّ شدہ تجاویز کی وجوہ بیان کی جائیں	۱۰۵
	ہسپتال کے لئے زمین کی خرید	۱۰۵
	آمد بڑھانے کے لئے نئے ذرائع اختیار کیے جائیں	۱۰۹
	دیہاتی مبلغین کی سکیم	۱۱۷
	تبلیغ دو حصوں میں	۱۲۰
	تفسیر کبیر کی اشاعت	۱۲۲
	لائبریری کے متعلق تجاویز پر تبصرہ	۱۲۹

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	حسابات کا ہر روز معائنہ ہونا چاہئے	۱۳۵
	دارالشیوخ میں صرف مستحق افراد کو داخل کیا جائے	۱۴۳
	خلیفۂ وقت کے فیصلہ کی تعمیل لازمی ہے	۱۴۸
	ایک انتباہ	۱۴۹
	اختتامی اجلاس	۱۵۳
	افضالِ الٰہیہ پر سجدۂ شکر	۱۵۴
۳	**مجلس مشاورت ۱۹۴۶ء**	
	افتتاحی تقریر	۱۵۹
	مذہب کے دو حصے	۱۶۱
	جماعتی کاموں میں وسعت	۱۶۱
	تبلیغی منصوبہ اور مال کی ضرورت	۱۶۴
	وظائف برائے طلباء جامعہ	۱۶۸
	علماء تیار کرنے کی سکیم	۱۷۱
	عورتوں کی تعلیم	۱۷۱
	مغربی افریقہ کے لئے تعلیمی سکیم	۱۷۲
	اقتصادی حالت کی بہتری کی سکیم	۱۷۳
	صنعت وحرفت کی اہمیت	۱۷۵
	جماعتی کارخانوں کا مال خریدیں	۱۷۸
	ہر احمدی سال میں کم از کم ایک احمدی بنانے کا عہد کرے	۱۸۰
	احبابِ جماعت اور امراء کو نہایت	

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	قیمتی نصائح	۱۸۳
	جماعتی کاموں کے اصول	۱۸۸
	اسلام کے زریں اصول	۱۸۹
	امراء کے اختیارات	۱۹۲
	اختتامی تقریر	۱۹۶
	تقویٰ کی اہمیت	۱۹۶
	بغداد کی تباہی کا سبب	۱۹۹
	صراطِ مستقیم کی دعا	۲۰۰
	خطرناک زمانہ میں جماعت کی ذمہ داری	۲۰۲
	خلیفۂ وقت پر تقدم جائز نہیں	۲۰۹
	افریقہ سے مبلغین کا مطالبہ	۲۱۰
	تجارتی کاموں میں تعاون	۲۱۱
	تحریک جدید کا دفتر دوم	۲۱۴
	مرکز سے تعلق کی اہمیت	۲۱۶
	ہر شخص قربانی کا عزم صمیم کرے	۲۱۹
	جامعہ احمدیہ کے بارہ میں ہدایات	۲۲۱
۴	**مجلس مشاورت ۱۹۴۷ء**	
	افتتاحی تقریر	۲۲۶
	ہمارا نصب العین اور ترقی	۲۲۶
	بیعت کے وقت کی کیفیت	۲۲۷
	کانٹوں پر چلے بغیر ہم منزل مقصود کو حاصل نہیں کر سکتے	۲۲۹

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	اپنے دلوں اور فکروں میں تبدیلی پیدا کریں	۲۳۰
	جماعت کی تعداد کو اربوں تک پہنچایا جائے	۲۳۲
	نازک دور کے مطابق ذمہ داریاں نبھانے کی تلقین	۲۳۵
	بجٹ کے متعلق ہدایات	۲۴۰
	واقفین اور گذارہ الاؤنس	۲۴۴
	کثرتِ ازدواج کی اہمیت	۲۴۷
	رشتہ ناطہ کے بارہ میں ضروری ہدایات	۲۴۸
	صدر انجمن احمدیہ سے اظہار ناراضگی	۲۵۹
	قربانیاں کرنے والوں کا ذکر	۲۶۰
	تعلیم کے اخراجات کم کر کے تبلیغ پر زور دیں	۲۶۹
	حفاظت مرکز کے متعلق جماعت سے مالی قربانیوں کا مطالبہ	۲۷۸
	دوست اپنا روپیہ بطور امانت قادیان بھجوائیں	۲۸۱
	وقف جائیداد کی تحریک	۲۸۳
	ہر احمدی وصیت کرے	۲۸۷
	قادیان میں زمین فروخت کرنے والے نصف منافع جماعت کو دیں	۲۹۳
	اختتامی تقریر	۲۹۷
	ہر جمعرات کو نفلی روزہ کی تحریک	۲۹۹
	بعض سوالوں کے جواب	۲۹۹
	جامع نصائح	۳۰۲

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۵	**مجلس مشاورت ۱۹۴۸ء**	
	افتتاحی تقریر	۳۰۷
	ردشدہ تجاویز کی وجوہ بھی بتانی چاہئیں	۳۰۸
	جس جماعت کا اوسط چندہ ماہوار کم از کم ۵۰۰ روپیہ ہو وہ مدرسہ احمدیہ میں تعلیم دلوانے کے لئے ایک طالب علم لازمی بھیجے	۳۰۹
	تعلیم القرآن کلاس میں نمائندگان بھجوانے اور مستورات کی شمولیت کی بابت	۳۱۱
	بجٹ کے دو حصے	۳۱۶
	چندوں کا معیار بڑھائیں	۳۱۸
	حفاظت قادیان	۳۲۰
	چندہ میں سستی کرنے والوں کی بابت نصائح	۳۲۳
	مجھے سفارش پسند نہیں	۳۲۸
	کامیابی کے لئے ایک قسم کی دیوانگی کی ضرورت ہے	۳۲۹
	عورتوں کا چندہ	۳۳۲
	قابل نوجوانوں کو زندگی وقف کرنے کی تحریک	۳۳۲
	ماہرینِ فن اساتذہ تیار کئے جائیں	۳۳۴
	رسول اللہ ﷺ ایک عظیم حساب دان	۳۳۸
	سیکرٹریان زکوٰۃ مقرر کرنے کی تحریک	۳۴۴
	بچوں کی تعلیم کے سلسلہ کو جاری رکھنے کی تحریک	۳۴۴

نمبرشمار	عناوین	صفحہ
	قربانیوں کا پھل کبھی رائیگاں نہیں جاتا	۳۴۶
	بندہ کی پیدائش کا مقصد خدا کا مثل بننا ہے	۳۴۹
	عظیم الشان تاریخی عہد	۳۵۲
۶	**مجلس مشاورت ۱۹۴۹ء**	
	افتتاحی تقریر	۳۵۴
	قادیان کی حفاظت کے لئے رقم ریزرو رکھنے کی ضرورت	۳۵۵
	ربوہ میں عمارتوں کی تعمیر کے لئے رقم ریزرو رکھنے کی ضرورت	۳۵۹
	چندہ جات میں دیانت داری کی تلقین	۳۶۲
	چندہ بڑھانے کی تجاویز	۳۶۵
	مجلس شوریٰ کی ممبری کے لئے وصیت ضروری نہیں	۳۷۳
	اختتامی تقریر	۳۷۵
	وصیت کی اہمیت	۳۷۵
	اولاد کو جنت کا حقدار بنائیں	۳۷۵
۷	**مجلس مشاورت ۱۹۵۰ء**	
	افتتاحی تقریر	۳۷۸
	نمائندگان اور زائرین کے بیٹھنے کیلئے کرسیوں کا انتظام کیا جائے	۳۷۹
	کارکنوں کے لئے بیج کی ہدایت	۳۸۰
	احمدیوں کو فوج میں بھرتی کی تحریک	۳۸۳
	جہاد اور جنگ کی اہمیت	۳۸۸
	پٹھانوں کی بہادری کی تعریف	۳۹۴
	ایک رؤیا	۳۹۷
	فوجی ٹریننگ	۳۹۸
	جہاد سنت اللہ میں داخل ہے	۴۰۰
	جہاد بالسیف کی صورت	۴۰۱
	اسمبلی کے انتخابات میں جماعت احمدیہ کی پالیسی	۴۰۶
	جلسہ سالانہ کی تواریخ کی بابت	۴۱۰
	جماعت احمدیہ اور سالانہ جلسہ	۴۱۱
	احمدیہ تعلیمی کانفرنس کی تجویز	۴۱۲
	غیر احمدی لڑکیوں سے شادی	۴۱۳
	دوستوں کا فرض ہے کہ وہ مرکز کو ہمیشہ صحیح حالات سے باخبر رکھیں	۴۱۷
	بیرونی ممالک کے لئے کانسٹی ٹیوشن کی اشد ضرورت	۴۲۵
	کتب حضرت مسیح موعودؑ کی اشاعت کی اہمیت	۴۲۶
	آمد بڑھانے کی ضرورت	۴۲۶
	ہمارا اصل مرکز قادیان ہی ہے	۴۲۸
	ایک سوال کا جواب	۴۳۴
	قابلِ گرفت غلطی	۴۳۸
	مالی حالت درست کرنے کا ایک طریق	۴۳۹

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	صنعت وحرفت کی طرف توجہ کی ضرورت	۴۴۰
	نشرواشاعت کی ذمہ داری	۴۴۲
	نئی تعمیرات کے متعلق ہدایات	۴۴۴
	اختتامی خطاب	۴۵۱
۸	**مجلس مشاورت ۱۹۵۱ء**	
	افتتاحی تقریر	۴۵۳
	دعا کی ضرورت	۴۵۴
	بجٹ بروقت تیار ہو	۴۵۵
	تالیف وتصنیف کی اہمیت	۴۵۶
	تحریک جدید کے کام کی اہمیت	۴۵۷
	نوجوانوں کی تربیت اور تبلیغ کی طرف توجہ دی جائے	۴۵۹
۹	**مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء**	
	افتتاحی تقریر	۴۶۷
	بجٹ کی بعض مدات کے متعلق ہدایات	۴۶۷
	خلافت لائبریری	۴۶۹
	لائبریری کی اہمیت	۴۶۹
	لائبریری کی کتب میں اضافہ کی تلقین	۴۷۱
	لائبریرین کے فرائض	۴۷۲
	ہر شخص کی لائبریری ہونی چاہئے	۴۷۶
	بیرونی ممالک میں تعمیر مساجد کی اہمیت	۴۷۹
	منصوبہ بندی کی ضرورت	۴۸۱
	انڈونیشیا میں احمدیت کا آغاز	۴۸۴
	امورِ عامہ کے فرائض	۴۸۵
	صوبہ داری کا نظام	۴۸۷
	نظارت تعلیم کا کام	۴۸۷
	محکمہ تصنیف واشاعت کا کام	۴۸۹
	تحریک جدید کے بجٹ کے متعلق	۴۹۳
	زراعت	۴۹۹
	محاسبہ کی ضرورت	۵۰۰
	نائب ناظر تیار کیے جائیں	۵۰۱
	غلبۂ اسلام کی لئے سکیم کی ضرورت	۵۰۲
	مصارف کی نگرانی	۵۰۲
	پنشنرز اپنی خدمات پیش کریں	۵۰۴
	ناظر اور وکلاء نائبین کو کام سکھائیں	۵۰۴
	تمام محکمے اپنی سکیم جماعت کے سامنے لائیں	۵۰۵
	تبلیغ کی طرف توجہ کی ضرورت	۵۰۶
	وقف کی شرائط	۵۰۷
	اخراجات میں تقدم وتأخر کو ملحوظ رکھا جائے	۵۰۹
	مجلس مشاورت میں صحابہ کی نمائندگی	۵۱۰
	جماعتی کاموں کو ترقی دینے کے لئے زریں ہدایات	۵۱۲
	کارکنوں کی تنخواہیں	۵۱۳
	رسول اکرم ﷺ کا طریقِ حکومت	۵۱۶

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	مجلس شوریٰ کا حال	۵۱۷
	ربوہ کی عمارات کی تاریخ	۵۱۸
	زکوٰۃ	۵۱۹
	بیوت الذکر کے لئے چندہ کی تحریک	۵۲۱
	اشاعت لٹریچر کے متعلق ایک خصوصی ہدایت	۵۲۶
	احمدیہ لٹریچر کے اثرات	۵۲۷
	اپنے اپنے طبقہ میں تبلیغ کرو	۵۲۹
	صاحبِ پوزیشن لوگوں کو تبلیغ	۵۳۴
	ہر مومن اپنے آپ کو ساری دنیا کا مبلغ سمجھے	۵۳۷
	ایمان کی قدر کریں	۵۳۹
	موصی کی جائداد وہی شمار ہوگی جو وفات کے وقت ثابت ہو	۵۳۹
	بہشتی مقبرہ میں قبر کے لئے جگہ ریزرو کروانا	۵۴۱
	اختتامی تقریر	۵۴۳
۱۰	**مجلس شوریٰ ۱۹۵۴ء**	
	نمائندگان مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء سے خطاب	۵۴۷
	مخالفت اور ہماری ذمہ داری	۵۵۳
	خلیفۂ وقت کی حفاظت	۵۵۴
	رسول کریم ﷺ کی الٰہی حفاظت	۵۵۵
	اسلام ذہنیت بدلنے کا نام ہے	۵۵۷
	صحابہؓ کا کردار	۵۶۲

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	اپنے آپ کو کُلّی طور پر خدا کے حوالہ کرو	۵۶۴
	ایک ریزولیوشن پر تبصرہ	۵۶۶
	اپنی آمد میں گزارہ کریں	۵۷۰
	وقف کے فوائد	۵۷۱
	بچوں کو وقف کی تحریک کرو	۵۷۴
	عورتوں کو ان کے حقوق دو	۵۷۴
	شوریٰ چار دن	۵۷۶
۱۱	**مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء**	
	مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء کے موقع پر احباب جماعت کے نام حضور کا پیغام	۵۷۹
۱۲	**مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء**	
	کن امور کے لئے دعا کرنی چاہئے	۵۸۳
	جائداد کی تقسیم	۵۸۹
	افتتاحی تقریر	۵۹۱
	احمدیت کی ترقی کی رَو	۵۹۱
	قرآن مجید کا دیگر زبانوں میں ترجمہ نہایت اہم کام ہے	۵۹۶
	تراجمِ قرآن کی اہمیت	۵۹۷
	خلافت اور تنظیم کی برکات	۶۰۰
	جماعتی مشاورت میں حصہ لینا بڑے اعزاز کا کام ہے	۶۰۱
	سلسلہ کی میٹنگز میں حاضری کی اہمیت	۶۰۲

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	خدمتِ سلسلہ کا اعزاز	۶۰۳
	مربیان کی تیاری اور ان سے کام لینے کے سلسلہ میں ہدایات	۶۰۴
	تحریک وقفِ زندگی اور والدین کی ذمہ داری	۶۰۴
	رپورٹ دورہ جات ناظر صاحبان	۶۱۱
	احمدی زمیندار محنت اور دعاؤں سے کام لے کر پیداوار بڑھائیں	۶۱۳
	اپنے اندر ایمان پیدا کریں	۶۱۹
	دعاؤں کی برکت	۶۲۰
	اہلِ یورپ کی محنت	۶۲۱
	ہر مبلغ کو کوئی نہ کوئی فن آنا چاہئے	۶۲۴
	زراعتی کمیٹیاں	۶۲۶
	ایک رؤیا	۶۳۲
	نوجوانوں کو جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے کی تحریک	۶۳۴
	اختتامی تقریر	۶۳۸
۱۳	**مجلس مشاورت ۱۹۵۷ء**	
	انتخابِ خلافت کے متعلق ایک ریزولیشن	۶۴۳
	مجلس انتخاب خلافت کے اراکین میں اضافہ	۶۵۱
	مجلس انتخابِ خلافت کا دستور العمل	۶۵۲
	بنیادی قانون	۶۵۴
	افتتاحی تقریر	۶۵۴
	انتخابِ خلافت کے ریزولیشن پر تبصرہ	۶۵۵
	خلافت کی غرض	۶۶۰
	ناظر اعلیٰ کے فرائض	۶۶۱
	محکمہ زراعت کے متعلق ہدایات	۶۶۳
	نظارت تعلیم کو ہدایات	۶۶۷
	وصیت کے لئے عورت کی اصل جائداد اس کا مہر ہے	۶۷۲
	ورثہ میں لڑکیوں کا حصہ	۶۷۳
	غیر شادی شدہ عورتوں کی وصیت	۶۷۵
	بیویوں کے حقوق	۶۷۶
	وصیت کی آمد کا ۱/۱۰۰ حصہ مقبرہ بہشتی کی سجاوٹ پر خرچ کیا جائے	۶۷۹
	یومِ جمہوریہ پاکستان کے موقع پر قراردادِ مبارکباد	۶۸۱
	یومِ آزادی منانے کا جماعتی طریق	۶۸۳
	مقامی جماعتوں کو ضرورت کے مطابق گرانٹ دی جایا کرے، فیصدی والا سسٹم نقصان دہ ہے	۶۸۵
	تحریک جدید کے دَورِ ثانی کے لئے نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی تحریک	۶۹۰
	بیرونی مشنوں کی ترقی خوشکن ہے	۶۹۱

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	احمدیت مشرقی افریقہ میں	۶۹۴
	بجٹ اخراجات اور دو نئے مشن فلپائن اور فجی کھولنے کی تجویز	۶۹۷
	بیرونی مشنوں کے لئے ہدایات	۶۹۷
	ڈچ گی آنا میں احمدیت کی ترقی	۶۹۸
	کم خرچ سے زیادہ کام کریں	۶۹۹
	تحریک جدید کے وکلاء کو مشورہ کی ہدایت	۷۰۲
	ایک رؤیا	۷۱۰
	اختتامی تقریر	۷۱۱
۱۴	**مجلس مشاورت ۱۹۵۸ء**	
	افتتاحی تقریر	۷۱۳
	توکل کے ثمرات	۷۱۵
	صحابہؓ کا اخلاص وفدائیت	۷۱۷
	احمدیت کی ترقی کے لئے دعاؤں کی ضرورت	۷۲۱
	ضرورت کے مطابق مناسب اور سستا لٹریچر شائع کریں	۷۲۲
	ہم اپنے غیر ملکی بھائیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں	۷۲۳
	اختتامی تقریر	۷۲۴
۱۵	**مجلس مشاورت ۱۹۵۹ء**	
	افتتاحی تقریر	۷۳۱
	یورپ میں مساجد کی تعمیر کا پروگرام	۷۳۲

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	دفتر دوم کے چندہ کے متعلق تحریک	۷۳۳
	اختتامی تقریر	۷۳۴
۱۶	**مجلس مشاورت ۱۹۶۰ء**	
	دعا اور افتتاحی کلمات	۷۳۷
	اختتامی تقریر	۷۳۸
	تقویٰ کے حصول کی کوشش کرو	۷۳۸
۱۷	**مجلس مشاورت ۱۹۶۱ء**	
	تحریری پیغام برائے افتتاحی اجلاس مجلس مشاورت ۱۹۶۱ء	۷۴۱
	احتیاط اور غور وفکر سے مشورہ دیں	۷۴۲
	بجٹ بڑھانے کا طریق	۷۴۳

خطاباتِ شوریٰ

(۱۹۴۴ء تا ۱۹۶۱ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۴۴ء

(منعقدہ ۷ تا ۹/اپریل ۱۹۴۴ء۔ بمقام قادیان)

پہلا دن

دُعا جماعت احمدیہ کی چوبیسویں مجلس مشاورت تعلیم الاسلام کالج قادیان کے ہال میں ۷ تا ۹/اپریل ۱۹۴۴ء منعقد ہوئی۔ افتتاحی اجلاس ۷/اپریل کو نماز ظہر وعصر کے بعد پانچ بجے شروع ہوا۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد حضور نے فرمایا:-

''اب میں دعا کر دیتا ہوں سب دوست میرے ساتھ دعا میں شریک ہوں جیسا کہ میں نے بار بار ان دنوں میں اعلان کرایا ہے قرآن کریم کی بعض دعائیں ایسی ہیں جو رسولوں کے صحابہ اور ان کے زمانہ کے لوگوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اِن دعاؤں میں مشکلات کی دُوری اور حصولِ امداد کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن سب کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ پس وہ دعائیں اس لحاظ سے بہترین دعائیں ہیں کہ ان میں تمام ایسی باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ التجا کی گئی ہے جو قوموں کی ترقی کے لئے ضروری ہیں اور اُن تمام روکوں کو دور کرنے کی استدعا کی گئی ہے جو انبیاء کی جماعتوں کی ترقی میں حائل ہوتی ہیں۔ پس بجائے خاموش دعا کرنے کے مَیں وہ دعائیں بلند آواز پڑھتا جاتا ہوں تاکہ دوست میرے ساتھ ان دعاؤں میں شریک ہوں۔''

اِس کے بعد حضور نے حسب ذیل قرآنی دعائیں نہایت رقت اور سوز کے ساتھ باآواز بلند پڑھیں اور ایک ایک دعا کو بار بار دُہرایا۔ حضور کے ساتھ تمام مجمع بھی یہ دعائیں

پوری رقّت اور سوز سے دُہراتا گیا۔

۱: رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَآ اَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ. رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ.رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَا اَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ.

۲: رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ.

۳: رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ

۴: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ. رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ.

۵: رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

۶: رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ. رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ. رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ.

۷: بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

افتتاحی تقریر

دُعا کے بعد حضور نے افتتاحی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور فرمایا:-

''مومن کا ہر ایک کام ہی غیر معمولی ہوتا اور اپنے اندر ایک بیج کی سی کیفیت رکھتا ہے لیکن بعض کام اپنی ذات میں خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں اور بہت بڑے نتائج پیدا کرنے کا موجب بن جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ہمارا آج کا اجلاس بھی اِسی قسم کا ایک رنگ رکھتا ہے کیونکہ یہ پہلا اجلاس ہے جو اللہ تعالیٰ کے اِس انکشاف کے بعد منعقد ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئیاں جو اُن کے ایک بیٹے کے زمانہ میں اسلام اور احمدیت کی فتوحات کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں وہ آج خدا نے میرے ساتھ وابستہ فرمائی ہیں۔ ہزاروں لوگ ہماری جماعت میں ایسے تھے جن کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی

کہ کاش! وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہوتے اور اُن کو آپ سے ملنے اور باتیں کرنے کا موقع ملتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں مجھے چونکہ خدا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بروز قرار دیا ہے اِس لئے

ع صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

وہ شخص جس نے مجھ کو پالیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ وہ صحابہؓ سے جا ملے گا۔

صحابہ سے ملنے کے معنے

میں گزشتہ ایام میں اپنے ایک خطبہ کے ذریعہ واضح کر چکا ہوں کہ صحابہؓ سے ملنے کے معنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے نہیں ہیں بلکہ صحابیت کا مقام حاصل کرنے میں خود انسان کے اعمال کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد آنے والوں میں سے کئی ایسے لوگ ہیں جو گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہیں دیکھ سکے تھے مگر انہوں نے ایسے رنگ میں اعمال کئے جن سے اُن کی اِس کوتاہی کا کفّارہ ہو گیا اور باوجود اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وہ جسمانی طور پر نہیں ملے تھے خدا تعالیٰ نے روحانی طور پر آپؐ سے ملا دیا اور اس طرح آپؐ کے صحابہؓ میں وہ شامل ہو گئے۔ اس کے مقابلہ میں کئی لوگ ایسے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں تھے اور وہ آپ سے ملتے بھی رہتے تھے مگر ان کے دلوں میں چونکہ ایسی تبدیلی پیدا نہ ہوئی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے قُرب میں بڑھا دیتی اس لئے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صُحبت میں بیٹھنے کے اور باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلام سُننے کے وہ صحابی نہیں کہلائے بلکہ منافق کہلائے۔ صحابیؓ ایک ایسا لفظ ہے جو صرف کسی نبی کی صُحبت میں بیٹھنے والے پر اطلاق نہیں پاتا بلکہ اِس میں یہ حقیقت بھی مضمر ہوتی ہے کہ اس شخص کے اندر ایمان اور اخلاص اور ایثار کے لحاظ سے ایسی تبدیلی پیدا ہو جو اُسے اپنے متبوع کا مصاحب بننے کے قابل بنا دے۔ دیکھو بادشاہ کے دربار میں بیٹھنے کا اُن لوگوں کو اِتنا موقع نہیں ملتا جتنا ملازموں اور خادموں کو ملتا ہے مگر ملازموں کو مصاحب نہیں کہتے حالانکہ جہاں تک بادشاہ کے دربار میں آنے جانے کا سوال ہے یہ موقع ملازموں کو زیادہ حاصل ہوتا ہے مگر نہ تو

یورپین اصطلاح میں ان کو کورٹیر (COURTIER) کہا جاتا ہے اور نہ ہماری زبان میں ان کو مصاحب کہا جاتا ہے۔ گویا وہ جن کو ملنے کا کم موقع ملتا ہے اُن کو تو مصاحب کہا جاتا ہے مگر جنہیں اکثر آنے جانے کا موقع ملتا ہے اُنہیں مصاحب نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ مصاحب میں صرف اِسی بات کا پایا جانا ضروری نہیں کہ وہ اپنے آقا کے پاس ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی صورت میں پاس ہو کہ اُس کے نقش کو قبول کرلے۔ پس مصاحبت آقا سے اشتراک چاہتی ہے ایسا اشتراک جو عقائد میں بھی ہو، اعمال میں بھی ہو اور اخلاق میں بھی ہو۔ جب تک عقائد اور اعمال اور اخلاق میں یہ اشتراک پیدا نہ ہو اُس وقت تک صرف پاس بیٹھ رہنے سے مصاحبت کا شرف حاصل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ جہاں یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں سے ہزاروں ایسے تھے جو صحابیؓ کہلائے، وہاں یہ بھی درست ہے کہ امتِ محمدیہ میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ گو انہوں نے جسمانی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہیں دیکھا مگر صحابیت کا مقام اُنہوں نے حاصل کرلیا کیونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق میں ایسے گداز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے قُرب میں ایسے جوش اور اخلاص کے ساتھ بڑھے کہ زمانہ کے بُعد کے باوجود اُنہوں نے وہ مقام حاصل کرلیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ نے حاصل کیا تھا۔ فرق یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں صرف ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ ہی صحابی نہیں کہلائے بلکہ ہر وہ شخص جو اپنے اندر ذرا بھی اخلاص اور محبت رکھتا تھا صحابی کہلانے کا مستحق بن گیا لیکن بعد میں آنے والوں کو اِس غرض کے لئے بہت بڑی جدوجہد اور قربانی کرنی پڑی۔ چنانچہ دیکھ لو بعض ایسے لوگ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں صحابی کہلائے جو صرف اِتنا بیان کرتے ہیں کہ ہم چھوٹے بچے تھے کہ ہماری ماں ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اُٹھا کر لے گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمارے منہ پر پانی کی کُلّی کی۔ اس کے مقابلہ میں وہ شخص جس نے تلواروں کے سایہ کے نیچے شہادت کا مرتبہ حاصل کیا اُسے بھی ہم صحابیؓ ہی کہتے ہیں حالانکہ ایک وہ تھا جس نے پانی کی کُلّی کا مزہ چکھا اور دوسرا وہ تھا جس نے تلوار کی دھار کا مزہ چکھا لیکن باوجود اس کے یہ بھی صحابیؓ کہلایا اور وہ بھی صحابیؓ کہلایا۔ تو رؤیت کی وجہ سے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں صحابیت کے درجہ کا حصول نہایت آسان تھا اور ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی صحابی کہلا سکتا تھا مگر وہ لوگ جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رؤیت کا موقع نہیں ملا اُن میں سے صرف وہی صحابیت کا مقام حاصل کر سکے جنہوں نے اپنے دل کی آنکھ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا اور انتہائی قربانیوں سے اپنے آپ کو اس مقام کا مستحق ثابت کیا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اِس زمانہ میں بہت سے لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں یہ خواہش تھی کہ کاش وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتے اور اس طرح صحابیت کا مقام حاصل کر سکتے یہ رستہ کھول دیا کہ اُس نے میری زبان پر یہ الہام جاری فرما دیا کہ اَنا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِیْلُہٗ وَ خَلِیْفَتُہٗ مَیں بھی مسیح موعود ہوں اور مسیح موعودؑ کا مثیل اور اُس کا خلیفہ ہوں۔ مَثِیْلُہٗ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے جہاں اس امر کا اظہار فرما دیا کہ مصلح موعود سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیاں میری ہی ذات سے وابستہ ہیں وہاں تم میں سے اُن لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں صحابیت کا مقام حاصل کرنے کی تڑپ تھی اللہ تعالیٰ نے ایک اَور دروازہ کھول دیا۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ؎

مبارک وہ جو اَب ایمان لایا　　صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا

اِسی طرح وہ لوگ جن کا میرے ساتھ محبت اور اخلاص کا تعلق ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف خدمات میں میرا ہاتھ بٹانے کی توفیق عطا فرمائی ہے اُن کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جب مجھ کو پا لیا تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ سے جا ملے۔ ہزاروں ہزار اور لاکھوں لاکھ افراد جو اس وسیع دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اُن کے متعلق خدا نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اِس زمانہ میں تلوار سے اسلام نہیں پھیل رہا بلکہ دلائل اور براہین کے ذریعہ پھیل رہا ہے اور دلائل اور براہین کے ذریعہ ہمیشہ آہستہ آہستہ لوگ سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے صحابیت کے ظِلّ اور اس کے سایہ کو لمبا کر دیا ہے تا کہ ایک عرصہ دراز تک دنیا اِس نعمت سے مستفیض ہوتی رہے۔ اور صحابیت کے فیض سے مستفیض ہونے والے لاکھوں افراد دنیا میں اسلام اور احمدیت کو پھیلاتے رہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ ایک نیا باب کھول کر اپنی عظیم الشان رحمتوں سے ہمیں نوازا ہے، مگر اِس کے ساتھ ہی

اُس نے اپنی بعض حکمتوں سے ہمیں بعض ابتلاؤں میں بھی ڈال دیا۔ اور جیسا کہ میں بارہا بیان کر چکا ہوں ترقیٔ ایمان کے لئے ابتلاؤں کا آنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ابتلاؤں کے ذریعہ بعض دفعہ اپنے بندوں کو کئی قسم کے بندھنوں سے آزاد کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کے دین کی خدمت پوری خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکیں۔ اور بعض دفعہ ابتلاؤں کے ذریعے وہ قدرت نمائی بھی کرنا چاہتا ہے اور یہ دکھانا چاہتا ہے کہ کام کرنے والا میں ہوں، میرا سلسلہ کسی بندے کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔

یہ انکشاف مجھ کو غالباً ۸ اور ۹ جنوری کے درمیان ہؤا جب کہ اُمِّ طاہر شدید بیمار تھیں۔ میں اس دوران میں ایک دو دفعہ قادیان میں بھی آیا لیکن اُن کی بیماری کی وجہ سے مجھے اکثر لاہور میں ہی ٹھہرنا پڑا اور وہیں ان کی وفات ہوئی جو ذاتی طور پر میرے لئے ایک ابتلاء تھا مگر میں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ یہ ابتلاء مجھ پر اس لئے لایا ہے تاکہ میں ہر قسم کے بندھنوں سے آزاد ہو کر اُس کے آستانہ پر اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دوں۔ اس وفات کے ۱۲ دن بعد میر محمد اسحاق صاحب فوت ہو گئے۔ اُن کے کام کی وسعت ایسی تھی کہ وہ ایک ہی وقت میں مدرسہ احمدیہ کے بھی ہیڈ ماسٹر تھے، مہمان خانہ کے بھی افسر تھے، درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے اور غرباء کی ضروریات کا بھی خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد کئی لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہؤا کہ اب کیا ہوگا۔ حالانکہ الٰہی کاموں کے متعلق یہ سوال کبھی پیدا نہیں ہوتا کہ اب کیا ہو جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب وفات پا گئے اور صحابہؓ اس صدمہ کو برداشت نہ کرتے ہوئے یہ خیال کرنے لگے کہ اب نہ معلوم کیا ہوگا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر انسان نے کہا کہ جو شخص کہے گا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو گئے ہیں میں تلوار سے اُس کی گردن اُڑا دوں گا[1] اُس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے بڑے زور سے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ. تم میں سے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا وہ سُن لے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ[2] مگر جو شخص

اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارا خدا زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ تو خدا اپنے مومن بندوں کو کئی قسم کے ابتلاؤں میں سے گزارتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اُن کے ایمان کا امتحان لے، اُن کے عشق کا نمونہ دنیا پر ظاہر کرے اور ابتلاؤں اور آفات پر ثابت قدم رہنے کے نتیجہ میں اُن پر انعامات کی بارش نازل کرے اِسی لئے وہ اُن کو ایسے نازک حالات میں ڈالتا ہے کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے اُن کے لئے موت کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے مگر مومن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جہاں اُس کا دل ان صدمات کی وجہ سے خون بہا رہا ہوتا ہے وہاں اُس کا قدم دلیری سے عشق و وفا کے میدان میں آگے بڑھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اِس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے قلب کی کیا کیفیت ہے اور کس طرح اُس کا دل صدمات کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ وہ ایک ہی بات جانتا ہے کہ میں نے آگے بڑھ کر اپنے رب کے آستانہ پر قربان ہو جانا ہے۔ آخر ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اگر واقعہ میں دنیا کے صدمات اور رنج ہمارے دلوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں تو ان صدمات اور غموں سے آزاد ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کونسا طریق ہوسکتا ہے کہ اسلام اور احمدیت کی راہ میں ہم اپنے نفوس کو قربان کر دیں اور اِس عارضی حیات کو ابدی اور دائمی حیات میں تبدیل کر لیں۔

میرے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور وہ مجھے کہنے لگا دنیا کتنے بڑے غموں اور ابتلاؤں کی جگہ ہے اور خدا نے ہمیں اِس دنیا میں پیدا کر کے کتنی بڑی مصیبت میں ڈال دیا ہے کہ ہر طرف رنج اور بلائیں اور مصیبتیں اور دکھ ہی دکھ ہیں اور عذاب ہی عذاب چاروں طرف نظر آتا ہے۔ کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جو حقیقی سُکھ اور راحت کا موجب ہو اور جب حالت یہ ہے تو خدا نے ہمیں اِس دنیا میں کیوں پیدا کیا؟ میں نے اُسے بار بار سمجھایا کہ تمہارا یہ نظریہ درست نہیں۔ دنیا محض مصائب اور آلام کی جگہ نہیں بلکہ ترقی کا ایک زینہ ہے جو ہمارے سامنے رکھا گیا ہے مگر وہ اتنا بھرا بیٹھا تھا کہ میرے اِس توجہ دلانے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بار بار یہی کہتا چلا گیا کہ آخر خدا کو یہ کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ وہ مجھے اِس دنیا میں بھیجتا۔ مَیں مانتا ہوں کہ دنیا میں کچھ راحت اور آرام کے سامان بھی ہیں مگر اس راحت اور آرام کے باوجود میں اس دنیا کے مصائب سے تنگ ہوں اور میں حیران ہوتا ہوں کہ خدا مجھے اِس دنیا میں کیوں لایا۔ جب میں نے اُس کی یہ دماغی کیفیت دیکھی تو میں نے کہا مَیں

آپ کو اِس تکلیف کے رفع کرنے کا ایک آسان رستہ بتا دیتا ہوں اُس پر عمل کرنے سے آپ کا یہ غم اور دُکھ فوراً دُور ہو جائے گا۔ میرے سامنے اُس وقت چنار کا ایک درخت کھڑا تھا اور چنار کی لمبی شاخیں ہوتی ہیں میں نے کہا جب آپ دنیا سے ایسے ہی دل برداشتہ ہو چکے ہیں تو گھبراتے کیوں ہیں۔ دُنیا کے غموں سے نجات حاصل کرنے کا آسان ترین طریق یہ ہے کہ آپ اس چنار کے درخت کی شاخ کا چِھلکا اُتار کر اپنے گلے میں ڈال لیں اور اس درخت کی کسی موٹی سی ٹہنی سے لٹک کر مر جائیں، دنیا کے تمام دکھوں اور غموں سے آپ فوراً آزاد ہو جائیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ چند پیسوں کا سنکھیا خرید کر کھا لیں کیونکہ ممکن ہے آپ کہہ دیں میں غریب آدمی ہوں میرے پاس تو کوئی پیسہ نہیں مَیں سنکھیا کہاں سے خریدوں اور کس طرح دنیا کے مصائب سے نجات حاصل کروں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ آگ میں گر کر اپنے آپ کو ہلاک کر دیں کیونکہ ممکن ہے آپ کہہ دیں میرے پاس اتنی طاقت بھی نہیں کہ مَیں دیا سلائی خریدوں، لکڑیوں کا انبار جلانا تو دُور کی بات ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ جائیں اور کسی دریا میں کُود کر دنیا کے دُکھوں سے نجات پا جائیں کیونکہ ممکن ہے آپ کہہ دیں مَیں کمزور آدمی ہوں مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں دریا تک چل کر جا سکوں۔ آپ کے سامنے بالکل قریب پانچ سات قدم کے فاصلہ پر چنار کا درخت کھڑا ہے آپ اس کا چِھلکا گلے میں ڈال کر اور اِسی کی موٹی شاخ سے لٹک کر مر جائیں۔ آپ دنیا کے تمام افکار اور تمام ہموم سے جنہوں نے آپ کی زندگی کو تلخ بنا رکھا ہے اور جن کی وجہ سے آپ خدا تعالیٰ کے فعل پر معترض ہو رہے ہیں آزاد ہو جائیں گے اور ہمیشہ کی راحت آپ کو حاصل ہو جائے گی۔ میری یہ بات سن کر اس کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا اور وہ کہنے لگا آپ تو مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ میں نے کہا مَیں نے کوئی گالی نہیں دی میں نے تو آپ پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ مَیں دنیا کے مصائب سے تنگ آ گیا ہوں تو آپ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ دنیا آپ کو بھی پیاری ہے اور آپ بھی نہیں چاہتے کہ اس دنیا سے نجات حاصل کریں۔ اگر حقیقت میں دنیا ایک مصیبت ہوتی، ایک آفت اور ایک بَلاء ہوتی تو آپ ایک منٹ کے لئے بھی اس دنیا میں رہنا برداشت نہ کر سکتے مگر آپ کا اس دنیا میں رہنا اور اس دنیا سے نکلنے کے لئے کوشش نہ کرنا بلکہ اگر اس دنیا سے نکلنے کا آپ کو

کوئی راستہ بتایا جائے تو آپ کا اسے اپنی ہتک سمجھنا بتا رہا ہے کہ آپ بھی اس دنیا کو راحت اور آرام کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور گو منہ سے یہی کہتے ہیں کہ خدا نے بڑا ظلم کیا کہ آپ کو اس دنیا میں اُس نے بھیج دیا لیکن حقیقت اِس کے خلاف ہے۔ آپ کا دل محسوس کرتا ہے کہ میری زبان جو کچھ کہہ رہی ہے وہ غلط ہے کیونکہ مَیں اِس ظلم سے بچنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا حالانکہ میرے سامنے ایسے راستے موجود ہیں جن پر چل کر میں اپنے آپ کو اس ظلم کا مورِد بننے سے محفوظ رکھ سکتا ہوں۔

گزشتہ دنوں جب میں لاہور میں تھا تو ایک ایم۔ اے کا سٹوڈنٹ مجھ سے ملنے کے لئے آیا اور اس نے بھی میرے سامنے اسی بات کو پیش کیا کہ دنیا بڑے مصائب کا مقام ہے اور میں نہیں سمجھ سکا کہ خدا نے ایسے مقام میں ہمیں کیوں بھیج دیا؟ میں نے اُسے یہی قصّہ سنایا اور بتایا کہ میں نے ایک شخص کو جو یہی اعتراض لے کر آیا تھا یہ علاج بتایا تھا مگر وہ اُلٹا ناراض ہو گیا اور کہنے لگا آپ مجھے گالیاں دے رہے ہیں حالانکہ اگر واقع میں دنیا مصائب کا مقام ہے تو وجہ کیا ہے کہ اِس دنیا سے نجات حاصل کرنے کا طریق اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہ طالب علم پہلے سے زیادہ ہوشیار تھا۔ کہنے لگا اُس کا ناراض ہونا تو درست نہیں تھا لیکن آپ مجھے بتائیں اگر مَیں خودکشی کر لوں تو کیا آپ مان لیں گے کہ یہ دنیا مصائب و آلام کی جگہ ہے؟ میں نے کہا صرف تمہاری خودکشی سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا میں بعض لوگ پاگل بھی ہوتے ہیں اور عقلمند اُن کے پیچھے چلا نہیں کرتے۔ اکثریت ہی ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ عقل سے کام لے رہی ہے۔ پس اگر دنیا کی اکثریت خودکشی کر لے تو پھر بے شک مَیں مان لوں گا کہ دنیا میں غم ہی غم ہے، دکھ ہی دُکھ ہے، تکلیف ہی تکلیف ہے اور رنج ہی رنج ہے لیکن اگر اکثریت دنیا میں رہنے پر خوش ہے، اگر اکثریت دنیا میں رہنا اپنے لئے کسی عذاب کا موجب نہیں سمجھتی تو استثنائی طور پر اگر کوئی شخص اپنی دماغی خرابی کی وجہ سے دنیا کو مصیبت کی جگہ سمجھتا ہے اور اِس خیال کے غالب آجانے کی وجہ سے وہ خودکشی بھی کر لیتا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے جس مقصد کے لئے خودکشی کی تھی وہ صحیح اور درست تھا۔ ہاں اگر ساٹھ فی صدی لوگ خودکشی کر لیں تو پھر بے شک میں مان لوں گا کہ دنیا مصیبت کی جگہ ہے کیونکہ اکثریت نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اِس دنیا میں

رہنا پسند نہیں کرتی۔

غرض دنیا اگر ہمیں تکلیف کی چیز نظر آتی ہے تو پھر آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دے دینا ہمارے لئے بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ بِالخصوص وہ قوم جو سمجھتی ہے کہ اُس کے لئے دنیا میں مشکلات ہی مشکلات ہیں اور جس کے سروں پر ہر وقت مصائب کے بادل چھائے رہتے ہیں اور جس کی حالت ساری دنیا کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے بتّیس دانتوں میں زبان ہوتی ہے میں اُس کے افراد سے کہتا ہوں کہ وہ ان مشکلات اور مصائب کی موجودگی میں کیوں اپنا قدم آگے نہیں بڑھاتے اور کیوں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے آستانہ پر قربانی کے لئے پیش نہیں کر دیتے۔ مومن وہ ہوتا ہے کہ جب وہ کوئی ابتلاء دیکھتا ہے تو پرواہ نہیں کرتا بلکہ سمجھتا ہے کہ اگر مجھ سے پہلے لوگ قربانی کے راستہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کے قُرب اور اس کی محبت کو حاصل کر گئے تو اب میرے لئے بھی صحیح راستہ یہی ہے کہ میں اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کو قربان کر دوں اور درحقیقت جب بھی کسی شخص کے دل میں خدا تعالیٰ کا سچا عشق ہو گا وہ اپنی جان کو ہر وقت ہتھیلی پر لے کر پھرتا رہے گا اور موقع ملنے پر خدا تعالیٰ کے سامنے اپنی اس حقیر قربانی کو پیش کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا۔

احد کی جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں چونکہ اس جنگ کی ابتداء میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو چکی تھی اور اس امر کا کوئی خیال نہیں تھا کہ کفّار پہاڑ کے پیچھے سے دوبارہ حملہ کر دیں گے اس لئے اکثر صحابہؓ اس خیال سے کہ وہ میدان تو اب جیت چکے ہیں اِدھر اُدھر پھیل گئے تھے۔ صرف چند صحابہؓ ایسے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِرد گرد موجود تھے۔ اسی دوران میں دشمن نے شدید حملہ کیا اور اس نے اپنے حملے کا تمام زور اس جگہ پر صَرف کر دیا جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے تھے۔ تیروں کی بوچھاڑ کی وجہ سے یکے بعد دیگرے صحابہؓ زخمی ہو ہو کر گرنے شروع ہوئے یہاں تک کہ آخر میں زخموں سے نڈھال ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ایک گڑھے میں گر گئے اور لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ خبر سُنی تو وہ ایک ٹیلے پر بیٹھ کر رونے

لگ گئے۔ اِسی دَوران میں حضرت انسؓ بن مالک کے چچا وہاں سے گزرے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ فتح کے بعد پھر شکست کی ایک صورت پیدا ہو چکی ہے۔ انہوں نے جب حضرت عمرؓ کو سر نیچے ڈال کر روتے ہوئے دیکھا تو حیرت سے کہا عمرؓ! یہ بھلا کونسا رونے کا مقام ہے۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری عقل ماری گئی ہے، یہ خوشی کا وقت ہے، یہ اُچھلنے اور کُودنے کی گھڑیاں ہیں کہ اسلام کو فتح حاصل ہوئی مگر تم ہو کہ سب سے الگ بیٹھ کر عورتوں کی طرح رو رہے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مالکؓ! معلوم ہوتا ہے تمہیں پتہ نہیں کہ کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا پتہ کیوں نہیں اسلام کو فتح حاصل ہوئی ہے اور کفّار شکست کھا گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو پہلا واقعہ ہے تمہیں معلوم نہیں بعد میں کیا ہؤا۔ اِس فتح کے بعد جب مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول تھے تو کفّار نے میدان خالی پا کر پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ صرف چند آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِردگرد تھے اُنہوں نے خوب مقابلہ کیا مگر وہ مارے گئے اور آخر یہ نتیجہ ہؤا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ان کے حملہ سے شہید ہو گئے۔ جب مالکؓ نے یہ بات سُنی تو اُس وقت ان کے ہاتھ میں ایک کھجور تھی۔ پانچ دس کھجوریں اُنہیں کہیں سے ملی تھیں اور وہ بھوک کی شدت میں اُن کو کھا رہے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے اُن سے یہ بات کہی تو اُس وقت آخری کھجور اُن کے ہاتھ میں تھی۔ اُنہوں نے اُس کھجور کو اُٹھایا اور کہا میری جنت اور میرے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان سوائے اِس کھجور کے اور روک ہی کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔ عمرؓ! اگر یہ بات ہے تو پھر بھی رونے کا کوئی مقام نہیں جہاں ہمارا پیارا گیا ہے وہیں ہمیں بھی جانا چاہئے۔ یہ کہہ کر انہوں نے کھجور اپنے ہاتھ سے پھینک دی، تلوار اُٹھائی اور اکیلے ہی دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور اس شدت سے لڑائی کی کہ کفّار کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا مگر آخر ایک آدمی لشکر کا کہاں مقابلہ کر سکتا تھا، دشمن نے اُن کو شہید کر دیا۔ جب جنگ کے بعد شہید ہونے والے صحابہؓ کی نعشیں اکٹھی کی گئیں تو اُن میں مالکؓ کی لاش کا کہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ آخر سارے مُردے گِنے گئے تو معلوم ہؤا کہ ایک لاش ایسی ہے جس کے ستّر ٹکڑے ہو چکے ہیں اور وہ پہچانی نہیں جاتی تھی کہ کس کی لاش ہے۔ تب مالکؓ کی بہن آگے بڑھیں اور اُنہوں نے ایک اُنگلی کے

نشان سے اُنہیں پہچان لیا اور کہا یہ میرے بھائی مالکؓ کی لاش ہے۔[۳]

تو اگر واقع میں ہم محبت کی حقیقت کو سمجھیں، اگر ہم قطعی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ یہ دنیا کفر کی دنیا ہے، یہ ابتلاؤں کی دنیا ہے، یہ آزمائش کی دنیا ہے تو خدا کے لئے موت کو قبول کرنا ہمارے لئے بالکل آسان ہو جاتا ہے اور بڑی سے بڑی قربانی بھی ہماری نگاہوں میں ہیچ ہو جاتی ہے۔ اُس وقت یہ خیال ایک مومن کے دل میں نہیں آتا اور نہیں آنا چاہئے کہ میری قربانیوں کا کیا نتیجہ نکلا کیونکہ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ہماری قربانیوں کا کوئی نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں۔ ہمارے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ ہم نے اسلام کے اعلاء اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اُس کی رضا کے حصول کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینا ہے۔

دیکھو! اگر ایک کفر کا قلعہ ہو اور مومنوں کی فوج کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ جاؤ اور اس قلعہ کی دیوار کو پھاند کر اندر داخل ہو جاؤ۔ تو پھر وہ مومن جو اس قلعہ کی دیوار کے ساتھ اپنی جان دے گا وہ اسلام کی فتح کے لئے ایک بنیاد رکھنے والا قرار پائے گا کیونکہ وہ ایک سیڑھی بن جائے گا جس سے اُس قلعہ کی دیوار تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔ اگر ایک مسلمان اُس دیوار کے پاس مر جاتا ہے تو دوسرا مسلمان اُس کے سینہ پر پاؤں رکھ کر قلعہ کی دیوار سے دو فٹ قریب ہو سکتا ہے۔ پھر اگر ایک اور مسلمان اس پر گر کر مر جاتا ہے تو مسلمان چار فٹ اَور اونچے ہو جائیں گے۔ اِسی طرح اگر آٹھ دس مسلمان یکے بعد دیگرے مرتے چلے جاتے ہیں تو اُس قلعہ کو فتح کرنا فوج کے لئے بالکل آسان ہو جائے گا کیونکہ وہ ان مرنے والوں کے سینہ پر چڑھ کر قلعہ کی دیوار کو پھاند کر اندر داخل ہو سکیں گے۔ پس گو وہ مرنے والے آدمی بظاہر بے وقت مرے ہوں گے مگر انہوں نے اپنی موت سے کفر کے قلعہ کو فتح کرنے کے لئے ایک راستہ تیار کر دیا ہوگا۔ پس ہمیں اِس بات کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے کہ ہم میں سے بعض وجود وفات پا کر ہم سے الگ ہو گئے ہیں۔ اگر ہمارا اصل مقصد اسلام کی فتح اور احمدیت کی کامیابی ہے تو یکے بعد دیگرے ہم میں سے بعض لوگوں کا مرتے چلے جانا ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر ہمیں ایسا غم محسوس ہو جو ہمارے کاموں میں رُکاوٹ کا باعث بن جائے۔
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑا اور کون ہو سکتا ہے مگر دیکھو خدا تعالیٰ کس استغناء سے

آپؐ کی وفات کا ذکر کرتا ہے۔ فرماتا ہے مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ[۴] ارے محمد کیا ہیں؟ میرے ہی ایک رسول تو ہیں۔ اگر وہ مرجائیں یا مار دیئے جائیں تو کیا تم یہ سمجھنے لگ جاؤ گے کہ اب اسلام کی فتح نہیں ہوسکتی۔ یہ کام کسی انسان کا نہیں میرا ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے ہیں تو محض اِس لئے کہ اُنہوں نے دوسروں سے زیادہ دین کی خدمت کی اور دوسروں سے زیادہ قربانی اور ایثار سے کام لیا لیکن اگر یہ مرجائیں تو تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، خدا تعالیٰ اِن کے خادموں میں اَور آدمی کھڑے کر دے گا جو دینِ اسلام کی مدد کریں گے۔

دیکھو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کتنے عظیم الشان انسان ہیں۔ اگلوں اور پچھلوں تمام لوگوں کے آپؐ سردار ہیں، نہ صرف عام لوگوں کے بلکہ تمام گزشتہ انبیاءؑ اور بعد میں آنے والے انبیاءؑ کے بھی آپؐ سردار ہیں مگر کس استغناء سے اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے۔ کہ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ اگر یہ مرجائیں یا مار دیئے جائیں تو کیا تم ان کی موت پر کمزوری کا اظہار کرنے لگ جاؤ گے اور کہو گے کہ ہائے یہ کیا ہوگیا یا آئندہ کیا ہوگا۔ ہونا کیا ہے ہم خود دینِ اسلام کے محافظ اور نگران ہیں، کسی انسان کی موت خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت میں روک نہیں بن سکتی۔

مجھے ایک نہایت ہی پیارا واقعہ بار بار یاد آیا کرتا ہے۔ معلوم نہیں وہ آدمی جس کا ذکر کیا جاتا ہے متقی بھی تھا یا نہیں، مگر بہرحال اُس نے قربانی کا ایک شاندار نمونہ دکھایا۔ اور نمونہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر جگہ کام دے سکتا ہے۔ دنیا کا نمونہ دین میں کام آجاتا ہے اور دین کا نمونہ دنیا میں کام آجاتا ہے۔ یونان کی جب جنگ ہوئی تو پہاڑ کی چوٹی پر دشمن کا ایک قلعہ تھا جس کو فتح کرنا تُرکوں کے لئے بڑا مشکل ہوگیا۔ آخر اُس قلعہ کو سر کرنے کا کام ایک کرنیل کے سپرد کیا گیا۔ وہ اپنی فوج سے انتہاء درجہ کی محبت اور پیار کا سلوک کرنے والا تھا اور سپاہی بھی اُس سے ایسی محبت رکھتے تھے کہ اُس کے پسینے کی جگہ خون بہانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ وہ کرنیل اپنے سپاہیوں کو لے کر اُس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھا مگر چونکہ وہ قلعہ چوٹی پر تھا اور فوج کو نیچے سے اوپر کی طرف چڑھنا پڑتا تھا اِس لئے جب فوج

کے سپاہی قلعہ کو سر کرنے کے لئے پہاڑ پر چڑھنے لگتے تو اوپر سے دشمن گولیوں کا مینہہ برسانا شروع کر دیتا۔ ان کا نیچے ہونے کی وجہ سے نشانہ ٹھیک نہیں بیٹھتا تھا لیکن دشمن کی تمام گولیاں بوجہ اوپر ہونے کے عین نشانہ پر لگتیں۔ پھر وہ چوٹی ایسی تھی جو بالکل سیدھی تھی اور جس پر سپاہیوں کو گُھٹنوں کے بل چڑھنا پڑتا تھا۔ غرض ان کی تو یہ حالت تھی کہ یہ بڑی آہستگی سے گھٹنوں کے بل اوپر کی طرف چڑھتے مگر دشمن آسانی سے ان کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنا لیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یکے بعد دیگرے سپاہی ہلاک ہونے لگ گئے مگر انہوں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری جو زندہ رہے وہ گرتے اور گر کر پھر سنبھلتے اور چڑھنے کی کوشش کرتے یہاں تک کہ اس کوشش میں کئی سپاہیوں کے ناخن تک اُتر گئے اور اُن کے گُھٹنے بالکل لہولہان ہو گئے۔ اُس وقت سپاہیوں نے اپنے افسر سے کہا کہ ہمیں اجازت دیں کہ اِس وقت اپنے بُوٹ اُتار دیں مگر اس افسر نے کہا بُوٹ اُتارنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ بُوٹ اُتارنا فوج کے قانون کے خلاف ہے آخر سپاہی اسی حالت میں اوپر کی طرف چڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔ سینکڑوں مر گئے اور جو باقی بچے وہ اپنی کوشش میں مشغول رہے، یہاں تک کہ وہ نصف سے زیادہ فاصلہ طے کر گئے۔ جب وہ نصف سے زیادہ فاصلہ طے کر چکے تو یکدم ایک گولی آئی اور اُس کرنیل کے سینہ میں لگی اور گولی لگتے ہی وہ گر پڑا۔ یہ حالت دیکھتے ہی سپاہی اپنے افسر کی طرف دَوڑے کیونکہ وہ بڑی محبت اور شفقت کرنے والا افسر تھا اور ان کے لئے یہ بالکل ناقابلِ برداشت تھا کہ وہ افسر جس پر وہ اپنی جان تک فدا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اُن کے سامنے دم توڑ رہا ہو۔ وہ اُسی وقت اُس کی طرف گئے تا کہ وہ اس کو اٹھا کر کسی محفوظ مقام پر لے جائیں اور اُس کی زندگی کی آخری گھڑیوں کو آرام دہ بنا دیں۔ جب وہ سپاہی اُس کے قریب پہنچے اور انہوں نے اپنے افسر کو اٹھانا چاہا تو وہ افسر اُن سے کہنے لگا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم میرے جسم کو ہاتھ مت لگاؤ۔ تم میری لاش کو کُتّوں اور چِیلوں کے لئے چھوڑ دو کہ وہ آئیں اور میرے گوشت کو نوچ نوچ کر کھا جائیں۔ ہاں اگر تم مجھے دفن کرنے کا شوق رکھتے ہو تو پھر میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اِس قلعہ کے اندر دفن کرو اگر تم مجھے اِس قلعہ کے اندر دفن کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تب تو بے شک میرے جسم کو ہاتھ لگا لینا ورنہ کُتّوں اور چِیلوں کے لئے چھوڑ دینا۔ اُن سپاہیوں کو اپنے افسر سے جس قسم کی

محبت تھی گو وہ ویسی محبت نہیں ہو سکتی تھی جیسے انبیاء اور ان کے خلفاء کے ساتھ لوگوں کو ہوتی ہے لیکن بہر حال وہ ایک والہانہ محبت تھی۔ اس افسر کے یہ الفاظ اپنی زبان سے نکالنا تھا کہ اُن کو یہ یاد ہی نہ رہا کہ وہ انسان ہیں یا جانور ہیں یا اوپر سے دشمن گولیوں کا مینہہ برسا رہا ہے۔ وہ چیخیں مارتے ہوئے بے تحاشا آگے کی طرف بڑھے اور دو گھنٹہ کی مجنونانہ جدوجہد کے بعد انہوں نے اس قلعہ کو فتح کر لیا اور اپنے افسر کو نہایت عزت اور احترام کے ساتھ اُس قلعہ کے اندر دفن کیا۔ تو جس جگہ پر اعلیٰ درجہ کی محبت اور اُلفت ہوتی ہے وہ ادنیٰ درجہ کی محبتوں کو بالکل مٹا دیتی ہے اور انسان ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے پوری بشاشت اور صدقِ نیت سے تیار ہو جاتا ہے۔

ہماری زندگی کا اوّلین مقصد

ہمارے سامنے بھی ایک بہت بڑا مقصد ہے، بہت بڑی ذمہ داری ہے جو ہم پر عائد ہوتی ہے، خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنا اور اس کی توحید کو دنیا کے کونہ کونہ بلکہ انسانی قلب کے گوشہ گوشہ میں قائم کر دینا ہماری زندگی کا اوّلین مقصد ہے۔ اور اس توحید کے جیسے غلام ہم ہیں ویسے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، ویسے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور ویسے ہی حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور خدا تعالیٰ کے دوسرے انبیاء خدا تعالیٰ کی توحید کے غلام تھے۔ ازلی ابدی ہستی کے سامنے ایک انسان ہستی ہی کیا رکھتا ہے کہ وہ اس کی غلامی سے باہر رہ سکے۔ اِسی وجہ سے دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں خواہ وہ ہمیں کس قدر خوبصورت نظر آئیں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسی ہی ہیں جیسے ایک سمندر کے مقابلہ میں بلبلہ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی کمتر۔ پس خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد ایک عظیم الشان کام کیا ہے اور جیسا کہ اُس کی سنت ہے مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئی قسم کی آزمائشیں بھی آتی ہیں اور خدا تعالیٰ اُن آزمائشوں کے ذریعہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ مومن کتنے پانی میں ہیں، وہ مجھ پر کتنا یقین رکھتے ہیں اور کتنی محبت اور اخلاص میرے ساتھ رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فطرتِ انسانی اپنے پیاروں سے جُدا ہونے پر غم محسوس کرتی ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ رنج والم کی گھڑیوں میں اپنے آقا کی رضا پر راضی رہنا اور اپنے آپ کو ہنسی خوشی اُس کی طرف سے آئی ہوئی تلخ قاش کے کھانے پر آمادہ کر لینا یہ بھی ایک بہت بڑے ایمان کی

علامت ہوتی ہے۔

مثنوی رومی والوں نے حضرت لقمانؑ کا ایک قصّہ لکھا ہے کہ انہیں بچپن میں ہی ڈاکوؤں نے پکڑ کر فروخت کر دیا تھا۔ جس شخص کے پاس وہ تھے چونکہ ہمیشہ دیانتداری اور محنت کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے وہ اُن سے بہت محبت رکھتا تھا ایک دفعہ ان کے آقا کے پاس کسی نے بے موسم کا خربوزہ تحفتاً بھجوا دیا۔ اس خربوزہ کی ظاہری شکل بہت اچھی تھی اور خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اندر سے بہت میٹھا ہوگا۔ حضرت لقمان چونکہ اپنے آقا کے بہت محبوب تھے اِس لئے اُس نے خربوزہ کی قاش کاٹ کر سب سے پہلے حضرت لقمان کو کھانے کے لئے دی۔ انہوں نے قاش لی اور ایسے مزے لے لے کر کھایا کہ آقا کو یہ خیال گزرا کہ یہ خربوزہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ لقمان اسے بڑے مزے سے کھا رہا ہے۔ چنانچہ ایک کے بعد دوسری قاش اُس نے کاٹی اور وہ بھی حضرت لقمان کو دے دی۔ انہوں نے پھر اسے اسی شوق اور اسی لطف کے ساتھ کھایا جس شوق اور لطف کے ساتھ انہوں نے پہلی قاش کھائی تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے تیسری قاش بھی حضرت لقمان کو دے دی اور پھر اِس خیال سے کہ میں بھی تو چکھوں کہ یہ کیسا خربوزہ ہے ایک قاش کاٹ کر اپنے منہ میں ڈال لی۔ اُس قاش کا منہ میں ڈالنا تھا کہ اُسے سخت متلی معلوم ہوئی کیونکہ وہ سخت بدمزہ اور کڑوی قاش تھی، اِتنی کڑوی اور اتنی بدبودار کہ اس کے کھانے سے قَے آتی تھی۔ یہ دیکھ کر آقا لقمان کی طرف متوجہ ہوُا اور ان سے کہا کہ لقمان! تُو نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔ میں تو بار بار خربوزہ کی قاشیں تجھے اس لئے دیتا رہا کہ میں نے سمجھا یہ بڑی میٹھی قاشیں ہیں اور تُو خود بھی ان قاشوں کو ایسے مزے لے لے کر کھاتا رہا کہ جس کی وجہ سے مجھے اس دھوکے کا لگ جانا بالکل طبعی امر تھا مگر جب میں نے ایک قاش اپنے منہ میں ڈالی تو اِتنی بدمزہ نکلی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ تم تو میرے عزیز اور پیارے ہو مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ میں دھوکا کی وجہ سے تمہیں بار بار دُکھ دیتا رہا اور یکے بعد دیگرے ایسی قاشیں کِھلاتا رہا جو سخت کڑوی اور بدمزہ تھیں۔ حضرت لقمان کہنے لگے میرے آقا! آپ کے ہاتھ سے کتنی ہی میٹھی قاشیں میں نے آج تک کھائی ہیں۔ پھر اگر اسی ہاتھ سے ایک کڑوی قاش میری طرف آ گئی تو مجھ سے زیادہ بے مہر اور بے مروّت اور کون ہو سکتا تھا اگر میں اس کڑوی قاش کو ردّ کر دیتا اور آپ

کا شکوہ کرنے لگ جاتا کہ آپ نے مجھے کیوں کڑوی قاش دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر اس قدر احسان ہوتا ہے، اِس قدر احسان ہوتا ہے کہ اس کے بعد اگر وہ اپنے بندے سے کسی قربانی کا مطالبہ کرے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی حقیقی بندہ اس قربانی کو اپنے لئے تکلیف کا موجب سمجھے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اس قربانی کو بھی احسان سمجھتا ہے۔ یہ خیال اپنے دل میں نہیں لاتا کہ خدا نے مجھے دکھ میں ڈال دیا ہے۔ باقی رہا کسی مصیبت کے پہنچنے پر طبعی رنج سو اس کے اظہار سے شریعت نے منع نہیں کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک نواسہ فوت ہو گیا۔ اُس کی آخری گھڑیوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی موجود تھے۔ آپؐ کی آنکھوں میں اُس کی تکلیف کی حالت دیکھ کر آنسو ڈبڈبا آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ اُنہوں نے آپؐ کی آنکھ سے آنسوؤں کو بہتے دیکھا تو عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا آپؐ بھی روتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، دل غمگین ہے مگر میں اپنی زبان سے وہی کچھ کہتا ہوں جس کو میرا رب پسند کرتا ہے۔[5] تو کسی رنج کے پہنچنے پر فطرت انسانی کا طبعی تقاضا بالکل اور چیز ہے۔ بے شک اُس وقت رِستا ہوا دل خون کے قطرات ٹپکاتا ہے مگر وہ خون کسی قربانی میں روک نہیں بن سکتا، وہ رنج خدا تعالیٰ کے کلمہ کے اِعلاء اور اُس کے دین کی اشاعت کی کوششوں میں قطعاً حائل نہیں ہو سکتا بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جب انسان اپنے رنج کو بھول کر خدا تعالیٰ کے دین کے کام میں مصروف ہو جاتا ہے تو وہ خدا کو اور بھی پیارا معلوم ہونے لگتا ہے۔ جس طرح لقمان نے کڑوی قاش کھا کر منہ نہیں بنایا تھا بلکہ وہ اپنے آقا کی مہربانی کی تعریف کرتا چلا گیا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خون ٹپکاتے ہوئے دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتا ہے تو ایسی حالت میں جو مروڑ اور پیچ اس کے قلب میں پیدا ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو بہت ہی محبوب نظر آتا ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کہتا ہے دیکھو میرا بندہ اِس وقت بھی دین کی خدمت کر رہا ہے جب بہت سے لوگ ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دیکھو غموں کی وجہ سے اس کی کمر خم ہے، اس کی آنکھیں نمناک ہیں، اس کا دل جذبات کا ایک تلاطم اپنے اندر لئے ہوئے ہے مگر وہ میری خاطر، میرے دین کی خاطر، میری رضا کی خاطر اپنی جُھکی ہوئی کمر سیدھی کر رہا ہے۔

اپنے آنسوؤں کو پُونچھ رہا ہے اپنے چہرہ کو بشّاش بنا رہا ہے۔ اس کے افکار پریشان ہیں اور ہمّ اور غم اس کے دل پر چھایا ہؤا ہے مگر وہ اپنے ہمّ اور اپنے غم اور اپنے افکار کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اپنے جذبات کو دبا کر دین کی خدمت کرتا چلا جاتا ہے۔ پس بے شک دنیا میں مشکلات اور تکالیف آتی ہیں اور آتی چلی جائیں گی مگر جو سچا مومن ہوتا ہے وہ ان مشکلات اور تکالیف کی پرواہ کئے بغیر اپنے رب کی طرف محبت اور جوش سے بڑھتا چلا جاتا ہے اور جب خدا کی آواز اُس کے کانوں میں پڑتی ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ ٹھہرو اور مجھے صبر کرنے دو، ٹھہرو اور مجھے اپنے گھر کی مصیبتوں سے تھوڑی دیر کے لئے نپٹنے دو، ٹھہرو اور مجھے اپنے بچوں اور عزیزوں کے کاموں کی طرف تھوڑی دیر کے لئے متوجہ ہونے دو بلکہ وہ خواہ کیسے ہی رنج میں ہو، کیسی ہی مصیبت میں ہو، کیسے ہی دکھ میں ہو جب خدا تعالیٰ کی آواز اس کے کان میں پڑتی ہے وہ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے اس کی طرف دَوڑ پڑتا ہے کہ اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔ اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔

احزاب کی جنگ میں جب دشمن بڑا طاقتور تھا اور مسلمانوں کی حالت نہایت غربت اور بیکسی کی تھی، شدید سردی کا موسم تھا اور غریب مسلمانوں کے پاس اپنا تن ڈھانکنے کے لئے بھی کپڑا نہیں تھا ایک رات اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر دی کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نے تیرے دشمن کو بھگا دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس الہام کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ کو آواز دی اور فرمایا کہ کوئی ہے؟ ایک صحابیؓ کہتے ہیں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آواز دی اُس وقت مَیں جاگ رہا تھا مگر میری زبان یخ ہو رہی تھی اور میرا جسم بھی یخ ہو رہا تھا کیونکہ میرے پاس کپڑے کافی نہ تھے اور موسم نہایت شدید سرد تھا، چنانچہ باوجود اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز کان میں پڑ رہی تھی، ہم جو آپؐ پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اُس وقت ہماری زبان سے کوئی بات تک نہیں نکلتی تھی۔ میں نے چاہا کہ بولوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات کا جواب دوں مگر میری زبان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں جواب دے سکتا لیکن ایک اور صحابیؓ بول اُٹھا اور اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے اس کے جواب کو سنا مگر خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے

پھر فرمایا کہ کوئی ہے؟ تب پھر وہی صحابی کہتے ہیں کہ میں اُس وقت بھی جاگ رہا تھا مگر مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ بول سکتا، سردی کی شدت نے میری قوتِ گویائی کو سلب کر دیا اور باوجود انتہائی خواہش رکھنے کے کہ مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات کا جواب دوں حسرت اور افسوس کے ساتھ خاموش رہا کیونکہ میری زبان نے میرے دل کے جذبات کا ساتھ نہ دیا۔ اِس پر پھر وہی صحابی جنہوں نے پہلے کہا تھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں حاضر ہوں بول پڑے اور کہنے لگے یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں حاضر ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم نہیں کوئی اور بولے مگر کسی اور صحابی کو اُس وقت بولنے کی ہمت نہ پڑی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پھر خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے سہ بارہ فرمایا کہ کوئی ہے؟ اس پر بھی دوسرے صحابہؓ بول نہ سکے مگر وہ صحابی جنہوں نے دو دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات کا جواب دیا تھا اِس دفعہ بھی بول اُٹھے کہ یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکرائے اور آپؐ نے فرمایا باہر جاؤ اور دیکھو کہ دشمن کا کیا حال ہے؟ وہ گئے اور واپس آ کر کہنے لگے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میدان بالکل خالی پڑا ہے اور دشمن کا کوئی خیمہ وہاں نظر نہیں آتا۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اسی لئے تم کو باہر بھجوایا تھا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ دشمن کو بھگا دیا گیا ہے۔[6] تو دیکھو یہ عشق کی کیفیت ہوتی ہے کہ باوجود اس کے کہ شدید سردی تھی، باوجود اس کے کہ سردی کی وجہ سے زبان تک یخ ہو رہی تھی، باوجود اس کے کہ تن پر کپڑے بھی کافی نہیں تھے پھر بھی وہ صحابیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز پر ''یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں حاضر ہوں'' کہنے کی توفیق پا رہا تھا۔ یہی روح ہے جو مُردوں کو زندہ کرتی ہے، یہی روح ہے جو اللہ تعالیٰ کی بادشاہت زمین پر قائم کرتی ہے، یہی روح ہے جو انبیاء کی جماعتوں کو احیاء بخشتی ہے، یہی روح ہے جو قوموں کو ابدی زندگی عطا کرتی ہے۔ جب تک یہ روح زندہ رہے دنیا مر نہیں سکتی اور جس دن یہ روح مر گئی اس دن کے بعد دنیا زندہ نہیں رہ سکتی۔ مومن کے دل میں ایک جوش ہوتا ہے، ایک جنون ہوتا ہے، ایک تڑپ ہوتی ہے کہ میں ساری دنیا کو خدا تعالیٰ کے آستانہ کی طرف کھینچ لاؤں اور اس جوش اور جنون کی حالت میں جب بھی خدا کی آواز اس کے کان میں آتی ہے کہ کوئی ہے جو میری آواز کو سنے؟ تو وہ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے

اس کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔ اِسی کام کے لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو کھڑا کیا ہے، اِسی کام کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آئے، اسی کام کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور اِسی کام کے لئے میرے کمزور کندھوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بوجھ رکھا گیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آسمان یا زمین سے خدا تعالیٰ اُن لوگوں کو کھڑا کر دے گا جو میری آواز پر لَبَّیْکَ کہنے والے ہوں گے اور جو اپنی جان اور اپنی عزت اور اپنی دولت اور اپنا وطن اور اپنی ہر چیز اس راستہ میں خوشی سے قربان کر دیں گے کیونکہ وہ مجھ کمزور اور ناتواں انسان کی آواز نہیں سنیں گے بلکہ اس آواز کے پیچھے انہیں خدا کی آواز بلند ہوتی نظر آئے گی۔

پس مجھے یہ فکر نہیں کہ یہ کام کس طرح ہوگا۔ جب خدا نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے تو یقیناً وہ کام ہو کر رہے گا، خواہ وہ میری زندگی میں ہو اور خواہ میری موت کے بعد ہو، خواہ تمہارے ذریعہ سے ہو خواہ تمہاری نسلوں کے ذریعے سے ہو، بہر حال یہ ناممکن اور بالکل ناممکن ہے کہ جو کام خدا نے میرے سپرد کیا ہے وہ نہ ہو۔ **زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر توحید کا قیام، خدائے واحد کے کلمہ کا اِعلاء اور اُس کے دین کا دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلنا کبھی رُک نہیں سکتا۔ یورپ کا فلسفہ، یورپ کی سیاست اور یورپ کا تمدن اب اس کے رستہ میں حائل نہیں رہ سکتا۔ خدا کے فرشتے اس کی دیواروں پر اپنی توپیں داغنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں اور قریب ہے کہ خدا کا حکم جاری ہو جائے۔ پھر وہ عمارتیں اسلام اور احمدیت کے مقابلہ میں اس طرح منہدم ہو جائیں گی جس طرح ایک چھوٹی اور کمزور سے کمزور دیواروں والی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔** پس ان حالات کے ماتحت ان کمیٹیوں میں جو ابھی بنائی جائیں گی آپ لوگوں کو غور کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ مومن کے اندر اگر ایک طرف عقل پائی جاتی ہے تو دوسری طرف اس میں جنون پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی نبیؑ ایسا نہیں آیا جس کی قوم کو دنیا نے بہترین عقلمند نہیں کہا اور کوئی نبیؑ دنیا میں ایسا نہیں آیا جس کی قوم کو دنیا نے مجنون نہیں کہا۔ انبیاءؑ کے ماننے والوں کی خوبی ہی اس بات میں ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں پاگل بھی ہوتے ہیں اور عقلمند بھی ہوتے ہیں۔ وہ عقلمند ہوتے ہیں کیونکہ وہ کوئی بات ایسی نہیں کرتے جو عقل کے خلاف ہو لیکن دوسری طرف جب قربانی کا سوال ہو تو وہ کوئی شرط پیش نہیں کرتے کسی فکر اور تردّد کا اظہار نہیں کرتے بلکہ وہ

ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے خدا کی آواز پر اِس طرح گرتے چلے جاتے ہیں جس طرح پروانہ شمع پر گرتا ہے۔ لوگ جب اُن کے عقل کے کاموں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی عقل مند نہیں مگر جب وہ اس بات کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ ہر قسم کے خوف سے نڈر ہو کر اور ہر قسم کے انجام سے بے نیاز ہو کر قربانیوں پر قربانیاں کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنی طاقت اور وسعت سے بھی بڑھ کر قربانیاں کر رہے ہیں تو وہ حیران ہو کر کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے بڑھ کر اور کوئی پاگل نہیں۔ یہی مجموعۂ قوم جو ایک ہی وقت میں عالم بھی ہوتا ہے اور پاگل بھی ہوتا ہے، عارف بھی ہوتا ہے اور مجنون بھی ہوتا ہے، ایک ایسا مجموعہ ہے جو ہمیشہ دنیا کو فتح کرتا آیا اور یہی وہ مجموعۂ قوم ہے جس پر کہ آئندہ دنیا کی تمام ترقی اور فتوحات کا انحصار ہے۔

اِس وقت ہمارے سامنے جو تجاویز پیش ہیں وہ جماعت کے دوستوں کی طرف سے پرانے اصول پر ہی پیش کی گئی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں اب ہمارے کام کئی قسم کے تغیّرات کے مستحق ہیں اور میرے نزدیک اب وقت آ گیا ہے جب کہ جماعت کے بہترین دماغوں کو محض اِس لئے فارغ رکھا جائے کہ وہ اعلیٰ مسائل کے متعلق غور وخوض کر سکیں اور جماعت کو اپنے مفید مشوروں سے آگاہ کریں۔ میں نے ایک عرصہ تک جماعت کے جذبات اور اُس کے احساسات کا خیال رکھا اور باوجود دوستوں کی ناتجربہ کاری، ان کی سیاست سے ناواقفیت اور دینی جماعتوں کے اصول سے لَاعلم ہونے کے ہمیشہ اُن کے مشوروں کو قبول کیا اور اگر اپنی کوتاہ نظری سے گرد وپیش کے حالات سے غلط طور پر متأثر ہو کر انہوں نے بعض مشورے دیئے تو میں نے اُن کو بھی ردّ نہیں کیا مگر اب وقت آ گیا ہے کہ میں ایسے مشوروں کو قبول نہ کروں اور دوستوں کے جذبات اور ان کے احساسات کا خیال رکھے بغیر اُن کو کُھلے طور پر ردّ کر دوں۔ میں جانتا ہوں کہ درحقیقت بات یہی ہے کہ اب جو کچھ میں کہوں گا اُسی پر جماعت کا چلنا مفید اور بابرکت ہو گا نہ اُس راہ پر چلنا جس کو وہ خود اپنے لئے تجویز کرے۔ اگر خدا نے مجھ پر یہ انکشاف کیا ہے کہ میں حُسن واحسان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نظیر ہوں تو درحقیقت اِس کے یہی معنی ہیں کہ اب تمہاری ذمہ داری بحیثیت ایک شخص کے ہے، بحیثیت جماعت جو ذمہ واری سمجھی جاتی تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔

اب میں خدا تعالیٰ کے سامنے اُس کے دین کی اشاعت اور اسلام کے احیاء کے لئے ذاتی طور پر ذمہ وار ہوں اس لئے اب مجھے جماعت کے مشوروں کی زیادہ پرواہ نہیں ہوگی۔ اگر کسی معاملہ میں جماعت کی شدید رائے کو بھی ردّ کرنا پڑا تو میں اُسے کھلے طور پر ردّ کر دوں گا اور اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کروں گا کہ یہ وہ مشورہ ہے جو جماعت نے متفقہ طور پر دیا ہے۔ اب خدا کے سامنے میں صرف اپنے آپ کو ذمہ وار سمجھتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے الہامات اور اس کی تائید کی روشنی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا منشاء تھا یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کس تعلیم کو لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ پس آئندہ مَیں صرف اُس آواز کو سُنوں گا جو خدا تعالیٰ کی ہوگی دوسرا کوئی لفظ میرے کان برداشت نہیں کر سکتے۔ میرا فرض ہے کہ اب میں اُس کی طرف بڑھتا چلا جاؤں اور خواہ میرے سامنے کوئی بات کیسی ہی خوبصورت شکل میں پیش کی جائے اس کی پرواہ نہ کروں جبکہ میرا دل یہ گواہی دے رہا ہو کہ مَیں وہی کام کر رہا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا اور مَیں وہی کام کر رہا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کام تھا۔ درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میری زبان پر تصرف دینے کے معنے ہی یہی تھے کہ تم اس آواز کو سنو جو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں کہیں اور تم اس آواز کو سنو جو براہ راست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں کہیں۔

کوئی شخص اِس کے یہ معنے نہ سمجھے کہ باوجود خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کی نصوصِ صریحہ کے مَیں کوئی ایسا کام بھی کر سکتا ہوں جو اُس کی تعلیم کے خلاف ہو۔ میرے اس بیان کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ میرے قول کا مفہوم یہ ہے کہ تمام نصوصِ صریحہ سچائی کی طرف جاتی ہیں اور غلطی کی طرف وہ بات جاتی ہے جو خدا اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہوتی ہے۔ پس یہ نہیں کہ جو کچھ میں کہوں گا وہ خدا اور اس کے رسول کے منشاء کے خلاف ہو سکتا ہے بلکہ جو کچھ میں کہوں گا وہی خدا اور اس کے رسول کے منشاء کے مطابق ہوگا اور میرے مقابلہ میں جو کچھ دوسرا سمجھے گا وہ خدا اور اس کے رسول کے منشاء کے خلاف ہوگا مگر یہ چیزیں ساری کی ساری قیاسی اور وہمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پاک جماعت کو ہمیشہ ایسی ٹھوکروں سے بچا لیتا ہے

جو اُس کے ایمان کو ضائع کرنے والی ہوں۔ جب میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہیں اور اس زمانہ کے لوگ ہیں جن کو خدا تباہ نہیں کیا کرتا۔ اور جبکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ باوجود اپنی ساری کمزوریوں اور نالائقیوں کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی تعلیم کی اشاعت کی ذمہ واری میرے کمزور کندھوں پر ڈالی گئی ہے تو میں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے کوئی بات ایسی نہیں کہلوائے گا جو خدا اور اُس کے رسول کے منشاء کے خلاف ہو۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تم سے بھی کبھی اس بات کا انکار نہیں کرائے گا جو خدا اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ہو۔ آخر میں بھی اُس کے قبضہ میں ہوں اور آپ لوگ بھی اُسی کے قبضہ میں ہیں۔

پس آپ لوگ جو مشورہ دیں اُس میں اِس امر کو ملحوظ رکھیں کہ عقل کا دامن اپنے ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑ دیں مگر دوسری طرف یہ امر بھی مدنظر رکھیں کہ مومن مجنون ہوتا ہے اور وہ دین کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ پس ہمیں عظیم الشان کاموں کو محض اس لئے نہیں چھوڑ دینا چاہئے کہ ہمارے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا مال خدا کے راستہ میں پیش کر دے اور اِس راہ میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ سے کام نہ لے۔ حضرت مسیح ناصریؑ کے زمانہ میں ایسے کئی لوگ موجود تھے جنہوں نے اپنی تمام جائدادیں دین کے لئے دے دیں اور خدا کے لئے قلاش اور مفلس بن گئے۔ ان لوگوں کو فقیر کہا جاتا تھا کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنا تمام مال خدا کے لئے لُٹا دیا۔ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ کے پاس ایک دفعہ ایک مال دار شخص آیا اور آ کر کہنے لگا اے نیک استاد! میں تیری جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے اسے دیکھا اور کہا اونٹ کا سُوئی کے ناکہ میں سے نکل جانا آسان ہے مگر دولت مند کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے، اگر تم سچے دل سے خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو تو جاؤ اور پہلے اپنی تمام دولت خدا کے لئے قربان کر دو[۷] تو سچی بات یہی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آتا ہے جب جماعت کے افراد سے انتہائی قربانیوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور اگر مطالبہ نہ کیا جائے تو ہر فرد کو اِس غرض کے لئے تیار ضرور کیا جاتا ہے کہ وہ اشارہ پاتے ہی

اپنی ساری دولت پھینک دے گا اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرے گا۔ یہ کیفیت ہے جو امیر اور غریب دونوں کے دلوں میں پیدا ہونی چاہئے۔ بے شک ایک امیر آدمی کے پاس دولت ہوتی ہے اور غریب اس دولت سے محروم ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کے راستے امیر اور غریب دونوں کے لئے کُھلے رکھے ہیں۔ دولت مند اگر اپنے اموال کی قربانی سے خدا تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرتا ہے تو ایک غریب شخص صرف ارادہ کے ساتھ اُس کی برکتوں کو جمع کر لیتا ہے۔ جب تک ہمارے کام اس بنیاد پر نہیں ہوں گے ہم اپنے فرائض کی ادائیگی میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہمیں یہ امر ہر وقت اپنے مدنظر رکھنا چاہئے کہ جس کام کو ہم نے سرانجام دینا ہے وہ اتنا عظیم الشان اور اس قدر اہم ہے کہ اس کے لئے ہمیں کسی قربانی کی بھی پروانہیں ہوسکتی۔ خواہ ہمارے کپڑے بِک جائیں، ہمارے گھر فروخت ہو جائیں، ہماری جائدادیں جاتی رہیں، ہماری عزت اور ہمارا ناموس قربان ہو جائے، ہمیں دوسروں کی غلامی کرنی پڑے تب بھی ہم اپنے مقصد کو حاصل کر کے رہیں گے اور ہم یہ خیال بھی اپنے دل میں نہیں لائیں گے کہ ہم نے کوئی کام کیا ہے۔ خدا کا دین دنیا میں پھیلانا اور اس کے نام کو بلند کرنا ہمارا مقصد ہے۔ اِس مقصد میں اگر ہم اپنے آپ کو بیچ کر بھی کامیاب ہو سکتے ہیں، اگر ہم اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کو قربان کر کے بھی کامیاب ہو سکتے ہیں تو ہمیں اِس میں کوئی دریغ نہیں ہونا چاہئے، یہ عزم ہے جو ہمارے اندر پیدا ہونا چاہئے اور یہ دلیری کی روح ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو پیدا کرنی چاہئے۔ جب تک ہم اپنے اندر یہ دلیری پیدا نہیں کر لیتے اُس وقت تک ہم اس کام کے اہل نہیں بن سکتے اور نہ اس کام کو کسی صورت میں سرانجام دے سکتے ہیں۔

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے بجٹ میں اس سال بعض غلطیاں رہ گئی ہیں مثلاً کالج کے قیام کا اعلان کر دیا گیا ہے مگر اِس کے اخراجات کا بجٹ میں کوئی ذکر نہیں حالانکہ یہ اخراجات ایسے ضروری ہیں کہ کالج کا اعلان ہو جانے کے بعد اِن کو کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اِسی طرح بجٹ کمیٹی کو یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ میرے نزدیک نظارتوں کا عملہ اِس قسم کا نہیں جو تمام کام کو سنبھال سکے۔ وہ عملہ صرف اتنا کام کر سکتا ہے

کہ چٹھیوں وغیرہ کا جواب دے دے مگر اس سے بڑھ کر کوئی اور کام کرنے کی اس میں اہلیت نہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناظروں کو چھوٹے چھوٹے دفتری کاموں میں بھی حصہ لینا پڑتا ہے۔ اِس نقص کو دُور کرنے کے لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ بعض نائب ناظر مقرر کئے جائیں۔ یہ نائب ناظر گریجوایٹ یا ایم اے ہوں گے اور اُن کا کام یہ ہوگا کہ دفتری کام کا تجربہ حاصل کریں اور رفتہ رفتہ اِس کام کو سنبھال لیں جو ناظرانِ سلسلہ کر رہے ہیں۔ میری غرض اِس سکیم سے یہ ہے کہ ان نائب ناظروں کے تقرر کے نتیجہ میں ناظر بالکل فارغ کر دیئے جائیں تاکہ وہ سلسلہ کی ترقی کے لئے اصولی اور بنیادی امور پر غور کر سکیں اور ایسی سکیمیں تیار کریں جو ترقی کے لئے مفید ہوں۔ اس مقصد کے لئے بجٹ میں چار رقمیں تجویز ہونی چاہئیں تاکہ شروع سال سے اِس سکیم کے مطابق کام کیا جا سکے۔

پھر یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ مَیں دیہاتی مبلّغین کو آجکل تعلیم دے رہا ہوں۔ یہ لوگ مدرّس بھی ہوں گے اور مبلّغ بھی۔ چھ مہینہ تک یہ لوگ فارغ ہو جائیں گے، پندرہ، بیس ان کی تعداد ہے، ان دیہاتی مبلّغین کو بھی ہم نے بڑے بڑے قصبات میں تبلیغ اور درس و تدریس کے لئے مقرر کرنا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ایک ایک مبلّغ کے سپرد پندرہ پندرہ بیس بیس گاؤں کر دیئے جائیں تا وہ ان کی نگرانی رکھے اور ان میں تبلیغ اور تعلیم کا سلسلہ جاری کرے۔ ان کے لئے بھی بجٹ میں گنجائش رکھنی چاہیۓ کیونکہ جب یہ لوگ نکلیں گے انہیں صدر انجمن احمدیہ کے سپرد ہی کرنا پڑے گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی نظر میں رکھنا چاہیۓ کہ ہم نے بجٹ کا توازن ایسا رکھنا ہے کہ پانچ چھ سال کے اندر اندر ہم پچیس لاکھ روپیہ کا ریزروفنڈ قائم کر سکیں تاکہ اگر کسی وقت ہماری مالی حالت کمزور ہو جائے یا یکدم کوئی زیادہ خرچ آ جائے تو اِس ریزروفنڈ سے مدد لی جا سکے۔ یہ باتیں ہیں جن کو مدنظر رکھ کر بجٹ پر غور کرنا چاہیۓ۔''

دوسرا دن

غیر احمدی لڑکیوں سے رشتہ ناطہ کی بابت

نظارت امور عامہ کی طرف سے ایک یہ تجویز تھی کہ مجلس مشاورت ۱۹۳۵ء

میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ آئندہ تین سال تک بغیر منظوری مرکز غیر احمدی لڑکی سے شادی نہ کی جائے۔ اِس کے بعد اس فیصلہ میں ہر تین سال کے بعد توسیع ہوتی رہی۔ اب آخری فیصلہ کا تیسرا سال گزر رہا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ کو مزید فیصلہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔''

حضور نے فرمایا۔

''جو دوست اس کے متعلق کچھ کہنا چاہیں وہ اپنے نام لکھوا دیں۔''

اِس پر چند ممبران نے اپنے نام لکھوائے اور اپنی آراء پیش کیں۔ اِس کے بعد حضور نے فرمایا:-

''اِس کے متعلق تین ترامیم پیش ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر سال اس کے متعلق فیصلہ ہؤا کرے۔ دوسرے یہ کہ تین سال کے بعد۔ اور تیسرے یہ کہ پانچ سال کے بعد۔

تین سال کے بعد پیش ہونے کا تو پہلے قاعدہ ہے ہی۔ دو ترامیم رہ جاتی ہیں۔ دوستوں نے مختلف قسم کے خیالات سُن لئے ہیں۔ یہ مسئلہ بار بار جماعت کے سامنے آتا رہا ہے۔ اور اس کے فوائد اور نقائص اچھی طرح سامنے آچکے ہیں۔ فائدہ اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر احمدیوں کے ہاں شادی کرنے سے نئے خاندانوں سے تعلقات قائم ہوتے ہیں اور تبلیغ کا رستہ کھل جاتا ہے۔ نقصان یہ ہے کہ احمدی لڑکوں کے غیر احمدیوں کے ہاں رشتے ہو جانے سے احمدی لڑکیوں کے لئے رشتے ملنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ یہ دونوں نقطہ ہائے نگاہ ہیں جو جماعت کے سامنے ہیں۔

جماعت نے کثرت رائے سے فیصلہ کیا تھا کہ یہ پابندی لگا دی جائے کہ تین سال تک بغیر اجازت غیر احمدی لڑکی سے شادی نہ کی جائے۔ اب ایک دوست نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ تیسرے سال یہ سوال اٹھانا درست نہیں بلکہ اس پابندی کو دس سال تک ممتد کر دیا جائے۔ بعض مجبوریاں بھی پیش آسکتی ہیں۔ مثلاً احمدیت میں داخل ہونے سے قبل کے بعض رشتے کئے ہوئے ہوتے ہیں اُن کو چھوڑ دینے سے لوگوں پر بُرا اثر پڑتا ہے اور بلاوجہ لوگوں پر بُرا اثر نہ ڈالنا چاہئے۔ پھر ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر کسی بااثر خاندان میں شادی کر لی جائے تو آہستہ آہستہ وہ لوگ قریب آجاتے ہیں اور تبلیغ کا رستہ کُھل جاتا ہے اس لئے اجازت لے کر شادی کر لینے کا رستہ کُھلا رہنا چاہئے۔ عام اجازت اس لئے نہیں ہونی چاہئے

کہ اس طرح احمدی لڑکیوں کے لئے رشتوں کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جو دوست چاہتے ہیں کہ یہ پابندی قائم رہے۔ جسے ضرورت پیش آئے وہ اجازت لے کر کرے اور دس سال تک یہ پابندی مسلسل رہے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اِس پر ۱۱۰ دوست کھڑے ہوئے۔ پانچ سال کے لئے یہ پابندی لگانے کے حق میں ۱۷ اور ہر سال اس کے پیش ہونے کے حق میں صرف ۶ دوستوں نے رائے دی۔ اور موجودہ قاعدہ یعنی تین سال کے بعد اسے دوبارہ پیش کرنے کے حق میں ۱۹۴ دوستوں نے رائے دی۔ حضور نے فرمایا:-

''آخری تجویز یعنی موجودہ قاعدہ کے حق میں ۱۹۴ دوست ہیں۔ یہ تعداد پہلی تین تجاویز کے حق میں آراء کے مجموعہ سے بھی زیادہ ہے۔ وہ کُل ۱۳۳ ہیں اور یہ ۱۹۴۔ اِس لئے مَیں کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں۔''

حفاظتِ خاص

نظارت امور عامہ کی دوسری تجویز حفاظتِ خاص کے متعلق تھی۔ سب کمیٹی نے تجویز کی تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی حفاظت کے لئے کم از کم تین ہزار روپیہ ماہوار خرچ منظور کیا جائے۔ اور تفصیلی انتظام محکمہ متعلقہ پر چھوڑ دیا جائے۔''

یہ تجویز چونکہ حضور کی ذات سے متعلق تھی اس لئے آپ نے فرمایا کہ:-

''اِس پر گفتگو کے دوران میں مَیں مجلس میں موجود نہیں رہنا چاہتا .... نماز سے قبل میں چلا جاؤں گا اور جماعت جو فیصلہ چاہے اِس بارہ میں کر دے۔''

اِس پر ایک دوست نے عرض کیا کہ یہ حضور کا ذاتی سوال نہیں کہلا سکتا کیونکہ یہ خلیفہ کی حفاظت کے بارہ میں ہے۔ حضور نے فرمایا:-

''گو یہ سوال اس رنگ میں ذاتی نہیں مگر پھر بھی اِس کا تعلق میری ذات سے ہے۔ اور میں شرم محسوس کرتا ہوں کہ جس مجلس میں اس پر گفتگو ہو اس میں مَیں موجود ہوں۔ دراصل بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں ذات سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد آیا ہے۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب جو پہلے غیر مبایعین میں سے تھے اب خدا کے فضل سے بیعت کر چکے ہیں۔ حساب اچھا جانتے تھے

اور مدرسہ میں حساب کے استاد تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے شکایت کی کہ یہ حساب میں بہت کمزور ہے اور پھر حساب کی گھنٹیوں میں اکثر غیر حاضر بھی رہتا ہے۔ میری صحت اُس وقت ایسی ہی تھی کہ میں زیادہ توجہ بھی نہ کر سکتا تھا اور آنکھیں بھی کمزور تھیں۔ بورڈ کی طرف زیادہ دیر تک نہ دیکھ سکتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ شکایت سن کر فرمایا کہ ہم نے اس سے کوئی وکالت تو کروانی نہیں آپ پڑھا دیا کریں جتنا آ جائے گا اتنا ہی سہی۔ یہ بات سن کر میں نے حساب کی گھنٹیوں میں جانا ہی بند کر دیا۔ اس کے بعد مولوی یار محمد صاحب حساب کے ماسٹر مقرر ہوئے۔ وہ سکول کے وقت کے علاوہ میرے پاس آ جاتے اور کہتے تمہاری آنکھیں دُکھتی ہیں تم نہ دیکھو میں زبانی حساب پڑھاتا ہوں۔ اِسی طرح انہوں نے مجھے کچھ حساب سکھا دیا۔ ان مولوی صاحب کے دماغ میں کچھ نقص تھا۔ وہ خیال کرنے لگے کہ محمدی بیگم میں ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب مسجد میں نماز کے لئے تشریف لاتے تو وہ حضور کے دائیں بائیں، آگے پیچھے کوشش کر کے کھڑے ہو جاتے۔ اور جیسے میاں بیوی میں محبت و پیار کا اظہار ہوتا ہے حضور کے کبھی پیر کو کبھی ہاتھ کو پکڑتے۔ حضور علیہ السلام کو اس سے تکلیف ہوتی تھی اور نماز میں بھی خلل آتا تھا۔ آپ نے بہت انہیں روکا مگر وہ نہ رُکے۔ آخر آپ نے بعض دوستوں سے بیان کیا۔ اُن دنوں سیّد ناصر شاہ صاحب مرحوم اور بعض اَور دوست یہاں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے باہم فیصلہ کیا کہ ہم پہرہ دیا کریں گے اور مولوی صاحب کو حضور کے پاس نہ آنے دیں گے۔ لیکن جس شخص کے دماغ میں نقص ہو اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ لوگ اگر بارہ گھنٹے بیٹھتے تو مولوی صاحب چودہ گھنٹے۔ اور اگر یہ بیس گھنٹے بیٹھیں تو وہ چوبیس گھنٹے بیٹھے رہتے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ قادیان سے چلے جائیں اور حکم لکھ کر مجھے ہی دیا کہ ان کو پہنچا دوں۔ چنانچہ میں یہ حکم لے کر ان کے پاس گیا۔ انہوں نے پڑھ کر جواب میں لکھا کہ میں مرزا غلام احمد ابن مرزا غلام مرتضیٰ کو نہیں جانتا اور نہ میں نے ان کی بیعت کی ہوئی ہے۔ مَیں نے بیعت مسیح موعود کی کی ہوئی ہے اور ان کے حکم کو مان سکتا ہوں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں لکھا کہ میں مسیح موعود کی حیثیت سے آپ کو حکم دیتا ہوں کہ یہاں سے چلے جائیں۔ آخر وہ چلے گئے۔ یہاں سے وہ شاید جالندھر گئے

وہاں سے لاہور پہنچے۔ لاہور سے لدھیانہ اور پھر ہوشیار پور گئے اور ۴۸ یا ۷۲ گھنٹہ میں یہ تمام سفر کر کے پھر واپس یہاں پہنچ گئے۔ اور کہا کہ مَیں توبہ کرتا ہوں آئندہ مَیں کوئی ایسی حرکت نہ کروں گا لیکن میں قادیان سے باہر نہیں رہ سکتا۔ اب دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہرہ کا حکم کر سکتے تھے مگر آپ نے جماعت کو ایسا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ بوجہ اس سے آپ کی ذات کا تعلق ہونے کے آپ نے شرم محسوس کی۔ گو یہ حفاظت کا سوال ایک حیثیت سے ذاتی نہیں بھی مگر پھر بھی میری فطرت ایسی ہے کہ میں شرم محسوس کرتا ہوں کہ میری موجودگی میں اس پر گفتگو ہو۔ اس لئے میں نے کہا ہے کہ یہ میرے چلے جانے کے بعد پیش ہو۔‘‘

چنانچہ حضور انور کے تشریف لے جانے کے بعد حفاظتِ خاص کی تجویز کی بابت درج ذیل کارروائی ہوئی۔

ناظر صاحب امور عامہ:- سب کمیٹی کی رپورٹ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی حفاظت کے لئے بالمقطع ۳۰۰۰ روپیہ منظور کیا جائے۔ تفصیلی انتظامات نظارتِ امور عامہ پر چھوڑ دیئے جائیں۔

اس وقت دو کارکنوں کی منظوری ہے ایک کے لئے ۱۵ روپیہ کی اور دوسرے کے لئے ۲۰ روپیہ کی گنجائش ہے۔ نظارت نے مقامی طور پر اور اخبارات میں اعلان کئے۔ اس پر صرف ایک کارکن ملا جس کو ۱۵ روپیہ ماہانہ پر رکھ لیا گیا۔ بوجہ کم تنخواہ کے دوسرا کارکن مہیا نہیں ہؤا۔ اس محافظ کا فرض ہے کہ وہ سفر میں اور حضر میں ہر وقت حضور کی معیت میں رہے۔ اس کے علاوہ ایک مستقل محافظ ہے جو پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے ماتحت ہے۔

۲۔ نیشنل لیگ کور کے ماتحت ایک آنریری انتظام بھی ہے جب حضور باہر تشریف لے جارہے ہوں تو کور والوں کو اطلاع کر دی جاتی ہے۔

۳۔ اس کے علاوہ قادیان کے محلہ جات سے باری باری لوگ آتے ہیں جو دن رات مسجد مبارک میں حفاظت کا انتظام کرتے ہیں۔

۴۔ کارِ خاص کا انتظام بھی ہے۔ ان کا بھی فرض ہے کہ حضور جب باہر تشریف لے جائیں تو ایسے موقعوں پر ڈیوٹی پر رہیں۔

۵۔ مجھے ابھی بتایا گیا ہے کہ خدام الاحمدیہ کے ماتحت بھی حفاظت کا انتظام ہے جو

نہایت تندہی سے اسے سرانجام دیتے ہیں۔

مگر پھر بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضور کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام نہیں۔ اس اہم خدمت کے لئے قابل آدمی کم تنخواہ پر مہیا نہیں ہوتے۔

اِس کے بعد بعض نمائندگان نے اپنی آراء پیش کیں۔ آخر پر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خانصاحب صدر مجلس نے فرمایا:-

''تجویزیں اتنی ہی ہیں جتنے احباب اِس وقت بولے ہیں۔ ہر ایک پر رائے لینا مشکل بلکہ شاید ناممکن ہو۔ اِس لئے میں اِن میں سے اصولی تجاویز بیان کر دیتا ہوں۔ ان کے متعلق پھر رائے لے لی جائے گی۔

پہلی تجویز یہ ہے کہ یہ مسئلہ چونکہ جلدی میں فیصلہ کرنے کا نہیں اِس لئے اِسے ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے جو حضور کی حفاظت کے متعلق تمام تفاصیل طے کرے۔ مگر اِس میں ایک مشکل ہے۔ مجلس مشاورت کل ختم ہو جاوے گی۔ کمیٹی کل تک یہ کام نہیں کر سکتی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ کمیٹی اگلے سال مجلس مشاورت میں اپنی تجاویز پیش کر سکے گی۔ اِس لئے مَیں اِس کی وضاحت کر دیتا ہوں کہ حضور سے درخواست کی جائے کہ ایک کمیٹی مقرر فرما دیں ایسے احباب کی جو تجربہ رکھتے ہوں۔ ....

....

...... یہ کمیٹی جلد سے جلد فیصلہ کرے کہ حضور کی حفاظت کا کیا انتظام ہو۔ کس صیغہ سے متعلق ہو۔ نظارت امور عامہ سے یا پرائیویٹ سیکرٹری سے (جیسا کہ بعض احباب نے کہا ہے) پہرے کا کونسا حصہ والنٹیرز کے سپرد ہو اور کونسا تنخواہ داروں کے۔ خرچ کے لئے کتنا بجٹ رکھا جائے۔ یہ کمیٹی حضور کی خدمت میں رپورٹ کرے۔ اس رپورٹ کا مالی پہلو اس کمیٹی میں پیش ہو جو بجٹ پر غور کرنے کے لئے حضور بنائیں۔ ہماری طرف سے حضور کی خدمت میں یہ سفارش ہو کہ اِس کمیٹی اور مالی کمیٹی کی رپورٹوں پر حضور خود فیصلہ فرماویں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ اس کے متعلق ہم خود فیصلہ کریں کہ حضور کی حفاظت کا کیا انتظام ہونا چاہئے۔ اِس کے متعلق جو تجاویز اِس وقت دوستوں نے بیان کی ہیں انہیں ایک ایک کر کے میں پیش کرتا چلا جاؤں گا۔

ایک تجویز یہ ہے کہ حضور کی حفاظت کے لئے دوست زندگی وقف کریں۔ تحریک جدید کے اصول کے مطابق انہیں گزارہ دیا جائے۔
دوسری تجویز یہ ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ حضور کی حفاظت کے لئے پہرے کا انتظام کس محکمہ کے سپرد ہو؟ نظارت امور عامہ یا پرائیویٹ سیکرٹری کے؟
تیسری تجویز یہ ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ اس غرض کے لئے ۲۰۷ روپیہ کی رقم منظور کیا جائے یا ۶۰۰۰ یا ۳۰۰۰۔

جو دوست پہلی تجویز کے حق میں ہوں کہ حضور کی خدمت میں سفارش کی جائے کہ حضور ماہر اصحاب کی ایک کمیٹی مقرر فرما دیں جو حضور کی خدمت میں رپورٹ پیش کرے۔ اس کا مالی حصّہ بجٹ کمیٹی میں پیش کر دیا جائے۔ حضور دونوں رپورٹوں کے بعد اس کے متعلق خود فیصلہ فرماویں۔ ایسے دوست کھڑے ہو جائیں۔

رائے شماری کے بعد چوہدری صاحب نے فرمایا:۔ ''اکثریت اِس تجویز کے حق میں ہے۔

نوٹ: مورخہ ۹؍اپریل کو اجلاس شروع ہونے سے پہلے چوہدری صاحب موصوف نے اعلان کیا کہ حضور نے ناظر صاحب امور عامہ، چوہدری فتح محمد صاحب، حضرت میاں بشیر احمد صاحب اور شیخ نیاز احمد صاحب پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی ہے جو ۱۵ دن کے اندر حضور کی خدمت میں رپورٹ پیش کرے۔''

نشرو اشاعت کا بجٹ پانچ ہزار سے پندرہ ہزار کئے جانے کی تجویز

مشاورت کے دوسرے دن ۸؍اپریل کو سب کمیٹی نظارت دعوۃ و تبلیغ کی رپورٹ پیش ہوئی۔ نئے مبلّغین اور ان کے لئے تیس ہزار روپے بجٹ میں رکھنے کی تجویز کے بعد سب کمیٹی کی ایک تجویز یہ تھی کہ نشرو اشاعت کے موجودہ بجٹ کو پانچ ہزار سے بڑھا کر پندرہ ہزار کر دیا جائے۔ اِس کی بابت حضور نے فرمایا:۔

''اِس کا بھی شوریٰ سے تعلق نہیں یہ کوئی مستقل چندہ نہیں بلکہ طوعی چندہ ہے۔ یہ کہنا

کہ مجھے اجازت دی جائے کہ مَیں جماعت سے پندرہ ہزار روپیہ مانگوں یہ بے معنی بات ہے۔ طوعی چندہ نظارت پندرہ ہزار چھوڑ پندرہ لاکھ لے لے کسی کو اِس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

میں یہ امید نہیں کرتا کہ دوست خوش ہوں گے کہ وہ تیس ہزار کے بوجھ سے بچ گئے۔ جنہوں نے مخالفت کی اِس وجہ سے نہیں کی کہ جماعت زائد بوجھ سے بچ جائے بلکہ اِس وجہ سے کی کہ ابھی اس بوجھ کے اُٹھانے کا موقع نہیں، کیونکہ مبلّغ میسر نہیں۔ بعض دوست خوش ہوتے ہیں کہ ناظر صاحب شرمندہ ہوئے اور وہ مبلّغ پیش نہیں کر سکے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ناظر کوئی ایسی مرغی نہیں کہ جو انڈے دے کر مبلّغ پیدا کر دے۔ اگر وہ نام پیش نہیں کر سکے تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ آپ لوگ ناکام رہے ہیں کہ اپنی ذمہ واری کو ادا کرسکیں اور آج جب کہ ہر طرف سے اسلام کی تبلیغ کے لئے آوازیں آ رہی ہیں آپ کی تیاری کا یہ حال ہے کہ اب تک تیس مبلّغ بھی تیار نہیں کر سکے۔

وقف اولاد کی اہمیت

کئی سال ہوئے میں نے وقفِ اولاد کی تحریک کی تھی اگر آپ لوگ اس پر توجہ کرتے تو آج یہ حالت نہ ہوتی۔ جب آپ لوگ ہنس رہے تھے کہ ناظر صاحب پھنس گئے تو فرشتے آسمان پر ہنسے کہ آپ لوگوں نے خود اپنے خلاف ڈگری دے دی۔ کوئی ایک انسان اِس ضرورت کو کبھی پورا نہیں کرسکتا۔ ہر ایک پر ذمہ واری ہے اور ہر ایک اپنی ذمہ واری کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور جواب دِہ ہے۔ آپ بھی جواب دِہ ہیں اور میں بھی۔ مگر میں نہیں بھی ہوں اس لئے کہ میں نے اپنا ہر ایک بچہ خدا تعالیٰ کے دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ میاں ناصر احمد وقف ہیں اور دین کا کام کر رہے ہیں۔ چھوٹا بھی وقف ہے اور مَیں سوچ رہا ہوں کہ اسے کس طرح دین کے کام پر لگایا جائے۔ اس سے چھوٹا ڈاکٹر ہے وہ امتحان پاس کر چکا ہے اور اب ٹریننگ حاصل کر رہا ہے تا سلسلہ کی خدمت کر سکے (اس عرصہ میں دوسرے دونوں سلسلہ کے کام پر لگ چکے ہیں۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ) باقی چھوٹے پڑھ رہے ہیں اور وہ سب بھی دین کے لئے پڑھ رہے ہیں۔ میرے تیرہ لڑکے ہیں اور تیرہ کے تیرہ دین کے لئے وقف ہیں مگر آپ لوگ سوچیں کہ آپ نے کیا کیا ہے؟ دوست خوش ہیں کہ ہماری جماعت ایک تبلیغی جماعت ہے مگر ایک تبلیغی جماعت

کے لئے تیس مبلّغین کا بھی پیدا نہ کرسکنا کتنے افسوس کی بات ہے۔ ہمارے ذمہ تمام دنیا میں تبلیغ کرنا ہے اور اس کام کے لئے تیس کیا تیس ہزار مبلّغ بھی کافی نہیں۔ کیا جُوں جُوں ضرورت پڑے گی ہر قدم پر مَیں ناظر سے پوچھا کروں گا کہ کون سے آدمی آپ کے پاس ہیں اور وہ اس طرح جواب میں خاموش ہو جایا کرے گا؟ یاد رکھیں کہ ہر دفعہ ناظر کا خاموش ہونا آپ کے لئے تازیانۂ غیرت ہے۔ مبلّغ ناظر نے نہیں بلکہ آپ نے پیدا کرنے ہیں، یہ اس کا کام نہیں بلکہ آپ کا ہے۔ چاہئے کہ ہر وقت دو تین ہزار مبلّغ تیار کھڑے ہوں تا جب بھی آواز آئے فوراً بھیجے جاسکیں مگر یہ نہیں ہوسکتا جب تک آپ لوگ اپنے فرض کو ادا نہ کریں۔ آپ لوگ سوچیں کہ کتنے کھاتے پیتے لوگ ہیں جو اپنے بچوں کو مدرسہ احمدیہ میں پڑھاتے ہیں۔ اس سکول میں پڑھنے والے اکثر طالب علم وہ ہیں جو اگر یہاں نہ پڑھتے تو بھیک مانگتے۔ ان کا اس سکول میں پڑھنے کے لئے آنا سلسلہ پر احسان نہیں بلکہ ان کو پڑھانا سلسلہ کا احسان ہے۔ ان پر اور ان کے ماں باپ پر کہ ان کے بچے بھیک مانگنے کے بجائے تعلیم پاتے ہیں۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میرا بچہ بھیک مانگنے کے لئے تیار تھا یا چپڑاسی بننے کے لئے تیار تھا مگر میں نے اسے مدرسہ احمدیہ میں داخل کرا دیا کہ وہ دین کی خدمت کرسکے؟ غرض یہ بہت بڑا حرف جماعت پر ہے کہ آج وہ تیس مبلّغ بھی پیش نہیں کرسکتی۔ میں نے بار بار دوستوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو وقف کریں۔ جماعت اخلاص اور جوش تو دین کے لئے بہت ظاہر کرتی ہے، مگر عملی حالت جو ہے اِس سے ظاہر ہے کہ ہمارے پاس تیس مبلّغ بھی نہیں جن کو کام پر لگایا جاسکے۔ یہ تو وہی بات ہے کہ سَو گز واروں ایک گز نہ پھاڑوں۔ میں جانتا ہوں کہ دوسری کوئی قربانی نہیں جس سے جماعت نے دریغ کیا ہو۔ مالی لحاظ سے جماعت کی قربانیاں شاندار ہیں اور اگر اب بھی میں اس تیس ہزار کی منظوری دے دیتا تو مجھے یقین ہے کہ جماعت یہ بھی پورا کر دیتی، مگر جب مصرف ہی نہیں تو میں کیوں لوں۔ بعض مخالف کہتے ہیں کہ مَیں چندوں کا روپیہ کھا لیتا ہوں مگر میں تو جب تک سلسلہ کو ضرورت نہ ہو انجمن کو چندہ کی اجازت دینے کو تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر مبلّغ ہوں، وہ باہر جائیں تو ان کے لئے اور ان کے بیوی بچوں کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوسکتی ہے مگر جب ہمارے پاس مبلّغ ہی نہیں ہیں تو روپیہ کی کیا ضرورت ہے۔

پس میں دوستوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافی مہلت دی ہے۔ اب وہ ترقی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اب وہ شاید زیادہ مہلت نہیں دے گا اس لئے جماعت کو چاہیئے کہ فرض شناسی سے کام کرے۔ ضلعوں کے ضلعے ایسے ہیں کہ جہاں سے کسی کھاتے پیتے زمیندار، تاجر یا دوسرے ایسے لوگوں کے لڑکے جو اپنے دو تین یا زیادہ بچوں میں سے ایک کو بڑی آسانی سے دین کے لئے وقف کر سکتے ہیں، احمدیہ سکول میں داخل نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ تین، ساڑھے تین لاکھ جماعت ہندوستان میں ہے۔ عورتیں، بچے اور ناکارہ کو اگر نکال دیا جائے تو چالیس پچاس ہزار کی تعداد رہ جاتی ہے۔ ان میں سے اگر پانچ ہزار بھی کھاتے پیتے سمجھ لئے جائیں اور وہ اپنا ایک ایک لڑکا بھی دین کے لئے پیش کریں تو پانچ ہزار مبلّغ مل سکتا ہے۔ ایک بچہ کو دین کے لئے وقف کرنے میں کوئی مشکل نہیں۔ دوسروں کو کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے تمہیں اعلیٰ تعلیم دلوائی یا دوسرے اچھے کاموں پر لگایا اب یہ گویا ایک ٹیکس تمہارے ذمہ ہے کہ اپنے اس بھائی کو خرچ دیتے رہو اِس طرح اُن کے اپنے رزق میں بھی برکت ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آئے اور دھرنا مار کر بیٹھ گئے حتّٰی کہ مسجد سے نکلنا بھی بند کر دیا۔ اُن کا ایک اَور بھائی تھا جس کے کام میں یہ پہلے مدد دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اُن کا بھائی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرا بھائی تو اب میرے لئے گویا ایک چٹّی ہے دو چار ماہ بعد آتا ہوں تو اُسے کچھ خرچ دے جاتا ہوں اور یہ پہلے کام میں جو مجھے مدد دیتا تھا اُس سے محروم ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی رزق اس کے طفیل دیتا ہے۔[8]

میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم کو جب حضرت خلیفہ اوّل نے دینی علوم کی تعلیم دینی شروع کی تو ایک دن حضرت نانا جان مرحوم نے کہا کہ میرے دل پر یہ بوجھ ہے کہ یہ کھائے گا کیا؟ اسے کوئی فن بھی سکھا دیا جائے۔ اِس پر حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا اِس کے بڑے بھائی کو اللہ تعالیٰ اِسی کے لئے تو رزق دے گا تا وہ اِس کی خدمت کرے اور دین کی خدمت کے ثواب میں شریک ہو۔ تو دین کے لئے بیٹوں کو وقف کرنا اہم ذمہ واری ہے۔ جس میں اب تک جماعت نے اپنی ذمہ واری کو ادا کیا ہوتا تو آج ناظر صاحب سے جب پوچھا گیا تھا

کہ تمیں مبلّغوں کے نام بتائیں تو وہ کھسیانے ہو کر یہ نہ کہتے کہ میں نے سوچا نہیں۔ واقع یہ ہے کہ مبلّغ ہیں ہی نہیں۔ ناظر صاحب کے نام نہ پیش کرنے پر بعض لوگ ہنسے لیکن جن لوگوں نے خود اپنی ذمہ واری کو ادا نہ کیا اُنہیں ہنسنے کا کیا حق ہے۔ ہاں جس نے اپنے بیٹوں میں سے کم سے کم ایک کو اچھی تعلیم دلا کر دین کے لئے وقف کر دیا اور باقی بیٹوں پر فرض کر دیا کہ وہ اسے خرچ دیں، وہ بے شک ہنسے۔ مگر ایسا تو شاید سَو دوسَو میں سے ایک ہوگا باقی سب وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذمہ واری کو ادا نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ استغفار کا موقع تھا اور انہیں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہئے تھی۔ پس میں بار بار جماعت کو توجہ دلا چکا ہوں اور اب پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے بچوں کو دین کے لئے وقف کرو۔ اگر کسی کے زیادہ بچے ہیں تو وہ ایک کو وقف کرے اور اُس کے بھائیوں کے ذمہ لگائے کہ اسے خرچ دیتے رہیں اور انہیں کہے کہ یہ دین کا کام کرتا ہے اِس لئے تمہارا فرض ہے کہ اپنی آمد کا اتنا حصّہ اِس کو دیتے رہو اور یا پھر وہ اپنی جائداد کا کچھ حصّہ اُس کے لئے وقف کر سکتا ہے۔ وصیّت تو زیادہ سے زیادہ تیسرے حصّہ کی جائز ہے اور یہ اسی لئے ہے کہ تا انسان چاہے تو دوسرے کاموں کے لئے بھی وقف کر سکے۔ پس چاہئے کہ جائداد کا کچھ حصّہ اِس رنگ میں وقف کر دیا جائے کہ جو تبلیغ کرے گا یہ اُسے ملے گا۔ پس وہ قربانی کرو جو سچے مومن کے شایانِ شان ہے اور اپنے بچوں کو مدرسہ احمدیہ میں تعلیم کے لئے بھیجو۔ بِالخصوص کھاتے پیتے لوگوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔“

چندہ جلسہ سالانہ کی شرح دس فیصد

سب کمیٹی بیت المال کی ایک تجویز یہ تھی کہ ”چندہ جلسہ سالانہ کی شرح سال حال کے مطابق دس فیصدی مقرر کی جائے۔“

اِس کی بابت بعض نمائندگان کی آراء کے بعد حضور نے فرمایا:-

”گزشتہ سال ناظر صاحب نے چندہ جلسہ سالانہ پندرہ فیصدی تجویز کیا تھا مگر مَیں نے دس فیصدی رکھا۔ اب فہرست شائع ہوگئی ہے اس میں قریباً ۱۸۴ جماعتیں ہیں جنہوں نے ایک فیصدی چندہ بھی نہیں دیا۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اتنی بڑی تعداد جماعتوں کی

ایسی ہے جس نے جلسہ سالانہ کا چندہ نہیں دیا۔ ایسی جماعتیں یقیناً اس قابل ہیں کہ انہیں سرزنش کی جائے۔ ۳۰، ۳۵ جماعتیں ایسی ہیں جنہوں نے ۲۵ فیصدی سے کم دیا ہے۔ اور اتنی ہی تعداد ایسی ہے جس نے پچاس فیصدی سے کم دیا ہے۔ یہ اتنی بڑی غفلت ہے جو ذہن میں بھی نہیں آ سکتی۔ اگر شرح چندہ پندرہ فیصدی ہوتی تو اس کا اثر یہی ہوتا کہ ان مخلصین پر جو باقاعدہ چندہ دیتے ہیں اَور زیادہ بار پڑتا اور نہ دینے والے اِسی طرح ہنستے رہتے۔

پس اِس لئے میں یہ ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ جو شرح مقرر ہو اُس سے دو فیصدی زیادہ ان جماعتوں کے لئے ہو جنہوں نے غفلت کی ہے اور چندہ دیا نہیں۔ اور جنہوں نے پچاس فیصدی سے کم دیا ہے اُن کے لئے دوسروں سے ایک فیصدی زیادہ رکھی جائے۔ اب جو دوست اِس بات کے حق میں ہوں کہ چندہ جلسہ سالانہ کی شرح دس فیصدی سے زائد نہ ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

اِس پر ۳۵۰ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

’’مَیں کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ دیتا ہوں۔‘‘

تیسرا دن

بفضل خدا ہماری آمد بڑھ رہی ہے

مجلس مشاورت کے تیسرے دن سب کمیٹی بیت المال کی طرف سے صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ آمد پیش ہوا۔ اِس پر بعض ممبران نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد حضور نے جماعتی چندوں کی وصولی کے سلسلہ میں اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:-

’’اِس وقت دوستوں کے سامنے صدر انجمن احمدیہ کا تجویز کردہ اور سب کمیٹی مشاورت کا تصدیق کردہ بجٹ آمد پیش ہے۔ بعض دوستوں نے بوجہ اس کے کہ بجٹ آمد و اخراجات اکٹھا ہے بجائے آمد کے متعلق بحث کرنے کے اخراجات کا سوال اُٹھا دیا ہے حالانکہ اخراجات کا بجٹ بعد میں پیش ہوگا۔ ابھی صرف آمد کا بجٹ پیش ہے اور اس کے متعلق

دوستوں کے سامنے یہ سوال ہے کہ آیا اسے منظور کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ جہاں تک آمد کا سوال ہے اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا احسان ہے کہ ہماری آمد میں گزشتہ سالوں کے مقابلہ میں زیادتی ہو رہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں آجکل جنگ کی وجہ سے دنیا پر ایک مصیبت اور بلاء آئی ہوئی ہے وہاں میری تحریک پر ہماری جماعت کے ہزاروں نوجوان فوج میں بھرتی ہوئے اور اُن کے چندوں کی وجہ سے ہماری آمد میں اضافہ ہو گیا۔ اِسی طرح بعض اور سامان بھی جنگ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے پیدا فرما دیئے کہ جن کی وجہ سے ہماری آمد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ میں محکمہ بیتُ المال سے امید رکھتا ہوں کہ وہ آئندہ اس سے بھی بڑھ کر اپنی آمد میں زیادتی کی کوشش کرے گا تاکہ ہم جلد سے جلد ایک ریزروفنڈ قائم کر سکیں۔ اس بجٹ میں جو آمد دکھائی گئی ہے میرے نزدیک وہ کم ہے۔ درحقیقت پچھلے سالوں میں ڈیڑھ لاکھ کی زیادتی ہوتی رہی ہے اور جب گزشتہ سالوں میں یہ نسبت رہی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر محکمہ صحیح طور پر کوشش کرے تو اَب یہ زیادتی ڈیڑھ لاکھ سے دو تین لاکھ روپیہ تک نہ پہنچ جائے۔ بجٹ میں دس ماہ کی آمد ۵,۶۹,۵۶۰ روپیہ دکھائی گئی ہے۔ جس میں گزشتہ سال کی دس ماہ کی آمد کے مقابلہ میں ۱,۷۲,۰۴۷ روپیہ کی زیادتی ہے۔ کیونکہ یکم مئی ۱۹۴۲ء سے ۲۸؍فروری ۱۹۴۳ء تک جو آمد دس ماہ میں ہوئی وہ صرف ۳,۹۷,۵۱۳ روپیہ تھی مگر جلسہ سالانہ کا چندہ اس میں بہت کم دکھایا گیا ہے یعنی جلسہ سالانہ کے چندہ کی آمد ۳۴,۱۷۶ روپیہ دکھائی گئی ہے۔ حالانکہ اگر صحیح طور پر کوشش کی جاتی تو چندہ عام، حصہ آمد اور چندہ مستورات پر جس کی مجموعی آمد ۴,۷۴,۳۰۰ روپیہ ہے چندہ جلسہ سالانہ کی آمد صرف دس فیصدی شرح کے حساب سے ہی ۴۷ ہزار روپیہ ہو سکتی تھی اور اگر زیادہ کوشش کی جاتی تو پچاس ساٹھ ہزار روپیہ تک بھی یہ آمد پہنچ سکتی تھی۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں عملی رنگ میں ہمارے چندوں میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب زیادتی ہوتی چلی آئی ہے۔ اگر محکمہ پوری تندہی سے کام لے تو بجائے ۷,۴۰,۱۱۴ روپیہ آمد کے ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ آمد کا انداز ہو سکتا ہے۔ اس میں تجارتی صیغہ جات کی آمد شامل کی جائے تو یہ ۹,۸۲,۴۸۷ روپیہ تک جا پہنچتی ہے۔ اور اگر اضافہ بجٹ کے اخراجات شامل کر لئے جائیں تو گیارہ لاکھ پچاس ہزار روپیہ کے قریب بن جاتا ہے۔ اس صورت میں ہمارے لئے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم قریب ترین

عرصہ میں ایک مضبوط ریزرو فنڈ قائم کرسکیں۔ درحقیقت آمد کی زیادتی کے ساتھ ہی ریزرو فنڈ کے قیام کا تعلق ہے اور اس کا قائم ہونا بہت ضروری ہے۔

ریزرو فنڈ

میں نے اپنی آخری تقریر کے لئے جو نوٹ لکھے ہوئے ہیں، اُن میں سے ایک نوٹ یہ بھی ہے کہ جماعت کو جلد سے جلد ایک مضبوط ریزرو فنڈ قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض اخراجات ایسے لازمی ہوتے ہیں جو عادتاً ہر سال پورے کرنے پڑتے ہیں۔ ایسے اخراجات کے لئے بجائے اس کے کہ ماہوار چندوں پر بوجھ ڈالا جائے ضروری ہے کہ ہم ایک ریزرو فنڈ قائم کردیں جس کی آمد سے یہ اخراجات پورے ہوتے رہیں۔ جیسے تعلیمی اخراجات ہیں یا ہسپتال کے اخراجات ہیں اور جو ماہوار چندوں کے ذریعہ آمد ہو وہ تبلیغی اخراجات پر خرچ ہوتی رہے۔ یہی طریق ہے جس سے ہم اپنے تبلیغی نظام کو وسیع کر سکتے ہیں اور یہی طریق ہے جو ہماری مالی حالت کو ہمیشہ کے لئے مضبوط بنا سکتا ہے۔ میں نے پہلے بھی کچھ عرصہ ہؤا ۲۵ لاکھ ریزرو فنڈ قائم کرنے کی جماعت کو تحریک کی تھی مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت نے اِس طرف بہت ہی کم توجہ کی۔ بعض نے کہا تھا کہ ہم اس میں لاکھ لاکھ روپیہ چندہ جمع کر کے دیں گے مگر بعد میں اُنہیں ایک ہزار روپیہ دینا بھی نصیب نہ ہؤا۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بعض اَور لوگوں کے دلوں میں یہ نیک تحریک پیدا کردی کہ وہ لوگوں سے ریزرو فنڈ کے لئے چندہ جمع کریں۔ چنانچہ مجھے معلوم ہؤا ہے کہ اس سلسلہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب جمع ہو چکا ہے۔ اگر ریزرو فنڈ کو بڑھانے کی کوشش کی جائے اور دوسری طرف چندوں میں مستقل اضافہ کی جدوجہد برابر جاری رکھی جائے تو کوئی تعجب نہیں کہ ہم دو لاکھ روپیہ اَور ریزرو فنڈ میں جمع کرسکیں۔ اور اس طرح چار پانچ سال کے عرصہ میں اتنا روپیہ ہمارے پاس جمع ہو جائے جسے ۲۵ لاکھ ریزرو فنڈ کے لئے پہلا قدم قرار دیا جاسکے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت نے اس عرصہ میں ایک اَور ریزرو فنڈ قائم کرنے کی بہت کوشش کی ہے جو تحریک جدید کا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دو تین سال میں جائداد کی صورت میں ۲۵ لاکھ روپیہ کا ریزرو فنڈ اِس طرح قائم ہو جائے گا لیکن صدر انجمن احمدیہ کا ریزرو فنڈ بہت کمزور ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ جماعت

اپنی کوششوں کو تیز کرے اور اپنے قدم کو سُست نہ ہونے دے۔ ہمارے پچھلے دو سال تو صدرانجمن احمدیہ کا قرض اُتارنے کی جدوجہد میں ہی صَرف ہوگئے۔ اب خدا کے فضل سے صدرانجمن احمدیہ پر بہت کم بار رہ گیا ہے۔ ورنہ پہلے قرض کی کثرت کی وجہ سے ہمارے تمام کام درہم برہم ہو رہے تھے اور صدرانجمن احمدیہ کی حالت ایسی ہی تھی جیسے کوئی شخص بھیک مانگ رہا ہو۔ جو شخص بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے وہ کوئی سکیم نہیں بنا سکتا، کوئی معیّن مقصود اپنے سامنے نہیں رکھ سکتا، کوئی اعلیٰ پروگرام اپنے لئے تیار نہیں کرسکتا، کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھا سکتا جو اُس کے خاندان کو یا اُس کی قوم کو یا اس کے ملک کو ترقی کی طرف لے جانے والا ہو۔ اُس کا کام صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ بھیک مانگے اور گزارہ کرلے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ شام کو مجھے روٹی میسر آئے گی یا نہیں۔ وہ ہر وقت اِسی فکر اور اِسی اضطراب میں رہتا ہے اور اسی اضطراب میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔ یہی حالت صدرانجمن احمدیہ پر ایک لمبے عرصہ تک رہی، یا یوں سمجھ لو کہ وہ سالہا سال ایسے رنگ میں رہی ہے جو کابوس کے مریض کا ہوتا ہے۔ سوتے ہوئے اُسے مرض کا دَورہ ہوتا ہے، وہ دَوڑنا چاہتا ہے مگر دَوڑ نہیں سکتا، اُٹھنا چاہتا ہے مگر اُٹھ نہیں سکتا، دیکھتا ہے کہ چور اُس کے گھر میں آ گیا ہے یا آگ اُس کے مکان کو لگ گئی ہے وہ قدم اُٹھانا چاہتا ہے مگر اُس کی ٹانگیں جواب دے رہی ہوتی ہیں، یہ چور کو پکڑنا چاہتا ہے مگر ہاتھوں میں سکت نہیں ہوتی، دَوڑنا چاہتا ہے مگر اس میں رینگنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی۔ یہ حالت بعض لوگوں پر اِتنی شدت سے طاری ہوتی ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی رات میں اُن کے سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی جوانی میں ہی بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ اِسی قسم کی حالت صدرانجمن احمدیہ پر رہی۔ اِس حرص کی وجہ سے کہ محکمے چلتے رہیں وہ سائر کو کاٹ کاٹ کر اپنے اخراجات کو پورا کرتی رہی حالانکہ سائر کے بغیر کوئی کام کس طرح چل سکتا ہے۔ گویا ہماری مثال بالکل اُس فوج کی طرح تھی جو ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد میدانِ جنگ میں تو چلی جائے مگر گولہ و بارود اور توپیں اور رائفلیں اور اَور ہزاروں قسم کا سامان اُس کے پاس موجود نہ ہو۔ وہ فوج اپنے افسروں کو کہے کہ ہمیں سامانِ جنگ دو اور افسر حکومت کے بالا نمائندوں اور وزراء وغیرہ کو لکھیں تو وہ جواب دے دیں کہ ہم کیا کریں، مُلک کی حالت اس قابل نہیں کہ تمہارے لئے کوئی

ہتھیار مہیا کیا جا سکے۔ ہمارے پاس تو نہ توپیں ہیں نہ تلواریں ہیں، نہ نیزے ہیں نہ بندوقیں، نہ موٹریں ہیں نہ ہوائی جہاز ہیں، نہ گولہ اور بارود ہے تم جس طرح چاہو دشمن کا مقابلہ کرو، ظاہر ہے کہ ایسی فوج دشمن کے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جب اس کے پاس سواریاں نہیں ہوں گی، جب اُس کے پاس توپیں اور بندوقیں اور تلواریں نہیں ہوں گی، جب اُس کے پاس گولہ اور بارود نہیں ہوگا تو اُس نے مقابلہ کیا کرنا ہے۔ محض آدمیوں سے تو مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ مقابلہ کے لئے سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک سامان نہ ہو کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ تربیت یافتہ فوج بھی اپنے کارنامے نہیں دکھا سکتی۔ یہی حال صدر انجمن احمدیہ کا تھا۔ کام کرنے والے موجود تھے مگر ان کے پاس کام کے سامان مفقود تھے۔ ظاہر یہ ہوتا تھا کہ وہ کام کر رہے ہیں لیکن حقیقتاً صرف انفرادی جدوجہد کے ماتحت ایک مخلص آدمی جس قدر کام کرسکتا ہے اُسی قدر کام ہمارے شعبوں میں ہو رہا تھا۔ ورنہ سامان اور روپیہ کے فُقدان کی وجہ ہمارے کاموں میں ایک تعطّل سا پیدا ہو چکا تھا۔

غرض ہم پر ایک بہت بڑی مصیبت کا زمانہ گزرا ہے مگر اب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے موجودہ دَور میں ہماری مشکلات کو دور کرنے کے سامان پیدا فرما دیئے ہیں۔ چنانچہ قرض جو صدر انجمن احمدیہ پر دیر سے چلا آ رہا تھا قریباً قریباً اُتر چکا ہے صرف تھوڑا سا باقی ہے جس کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ جماعت کے دوست تعاون سے کام لیں اور اپنی سُستیوں کو ترک کر کے چندوں کی باشرح ادائیگی میں اعلیٰ نمونہ دکھائیں۔ ابھی بہت سا حصّہ ہماری جماعت میں ایسے لوگوں کا موجود ہے جو چندہ نہیں دیتے، بہت سا حصّہ ایسے لوگوں کا موجود ہے جو پورا چندہ نہیں دیتے، بہت سا حصّہ ایسے لوگوں کا موجود ہے جو اپنے بقایوں کو ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتے، بہت سا حصّہ ایسے لوگوں کا موجود ہے جو چندہ جلسہ سالانہ تو ادا کرتے ہیں مگر شرح کے مطابق ادا نہیں کرتے۔ پھر بہت سا حصّہ ایسے لوگوں کا بھی موجود ہے جو اپنی قربانیوں میں ترقی نہیں کر رہا حالانکہ سلسلہ کے کام روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ پس تمام دوستوں کو چاہئے کہ وہ ایسے لوگوں پر گرفت کریں اور اُن کو سلسلہ کی ضروریات کی طرف توجہ دلائیں۔ جو لوگ چندہ نہیں دیتے اُن کو چندہ دینے پر مجبور کریں۔ جو لوگ چندہ تو دیتے ہیں مگر پوری شرح سے نہیں دیتے اُن کو باشرح چندہ ادا کرنے پر مجبور

کریں۔ جو لوگ باشرح چندہ ادا کرتے ہیں اُن کو اخلاص سے اپیل کریں کہ وہ اپنی قربانی اور اپنے ایثار کا اَور بھی نمونہ دکھائیں اور سلسلہ کے لئے موجودہ حالت سے بڑھ کر قربانی کریں۔ اِسی طرح جن لوگوں نے ریزرو فنڈ میں حصّہ نہیں لیا اُن سے ریزرو فنڈ کے لئے روپیہ طلب کریں اور اپنی کوششوں کو جاری رکھیں یہاں تک کہ ہم ۲۵ لاکھ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم کرنے میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہو جائیں۔ اور یہ ۲۵ لاکھ کا ریزرو فنڈ تو ہمارا ابتدائی قدم ہے ورنہ تبلیغی کاموں کی وسعت کے مقابلہ میں یہ ۲۵ لاکھ بھی کچھ چیز نہیں۔

پانچ ہزار مبلّغین کی ضرورت

میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ہمیں اپنی تبلیغی ضروریات کے لئے پانچ ہزار مبلّغ رکھنے چاہئیں اور یہ بھی پہلا قدم ہے جو تبلیغ کے لئے ہمیں اُٹھانا چاہیئے۔ یہ پانچ ہزار مبلّغ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس رؤیا کے مطابق ہوں گے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا تھا۔ کہ تمہیں

"پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔"[9]

میں سمجھتا ہوں اس سے ایک یہ بھی مراد ہے کہ سلسلہ کی تبلیغی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں جب تک پانچ ہزار مبلّغ نہ رکھا جائے مگر یہ بھی ابتدائی قدم ہے کیونکہ جب کوئی نبیؑ کام شروع کرتا ہے اُسے ابتداء میں کام کے مناسبِ حال فوج دی جاتی ہے۔ پھر جوں جوں کام وسیع ہوتا ہے فوج میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس درحقیقت یہ پانچ ہزار سپاہی ابتداء کے لئے ہیں ورنہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کشفی حالت میں خود مطالبہ کیا ایک لاکھ سپاہیوں کی ہمیں ضرورت ہے۔ پس ہم اپنی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا ابتدائی کام صحیح پیمانہ پر اُس وقت تک شروع نہیں کر سکتے جب تک ہم پانچ ہزار مبلّغ نہیں رکھتے۔ مگر ابھی چونکہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم پانچ ہزار مبلّغ رکھ سکیں، میں نے اس رؤیا کو پورا کرنے کے لئے تحریک جدید کا اجراء کیا جس میں **اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے پانچ ہزار چندہ دینے والے سپاہی مہیا فرما دیئے** اور انہوں نے ہر سال اپنی قربانی کا شاندار مظاہرہ کیا مگر بہر حال یہ اس رؤیا کے پورا ہونے کا پہلا قدم ہے۔ دوسرا قدم یہ ہوگا کہ ہم پانچ ہزار مبلّغ رکھیں گے جن کے خرچ کا اندازہ دو کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ ہمیں اپنی موجودہ حالت

کے لحاظ سے یہ کام بہت بڑا دکھائی دیتا ہے لیکن اگر ہم ۲۵ لاکھ روپیہ کا پہلا ریزروفنڈ قائم کر دیں، اس کے بعد دوسرا ریزروفنڈ پچاس لاکھ روپیہ کا قائم کر دیں، پھر تیسرا ریزروفنڈ ۷۵ لاکھ کا قائم کر دیں تو چوتھا ریزروفنڈ ایک کروڑ روپیہ کا قائم ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مالی وسعت کے بعض اَور سامان بھی پیدا کر دے گا اور اِس طرح جلد ہی یہ آمد دو کروڑ روپیہ تک پہنچ جائے گی اور ہم پانچ ہزار مبلّغ رکھ کر اُن کے اخراجات کو آسانی سے پورا کر سکیں گے۔

عیسائیوں کو دیکھو وہ شرک کی اشاعت کے لئے پانچ کروڑ پونڈ سالانہ مشنری سوسائٹیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ پانچ کروڑ پونڈ کے معنے ہیں ۷۵ کروڑ روپیہ سالانہ۔ اگر وہ ایک جھوٹے خدا کو منوانے کے لئے ۷۵ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کر سکتے ہیں تو کیا ہم سچے خدا کے نام کو بلند کرنے اور اس کے دین کو پھیلانے کے لئے دو کروڑ روپیہ سے پہلا تبلیغی قدم نہیں اُٹھا سکتے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسائی بہت مالدار ہیں اور حکومتیں ان کے قبضہ میں ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ روپیہ سے زیادہ نفس کی قربانی کام دیا کرتی ہے مال تو کوئی چیز ہی نہیں۔ جب انسان اپنے نفس کی قربانی خوشی سے پیش کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو مال کی قربانی اُس پر ذرا بھی گراں نہیں گزرتی۔ لیکن وہ جو نفس کی قربانی میں کمزور ہوتے ہیں قربانی کا وقت آنے پر کچّا دھاگا ثابت ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے مورِد بن جاتے ہیں۔

حسین کامی جب قادیان میں آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس سے یہی فرمایا کہ ترکی گورنمنٹ کے شیرازہ میں بعض ایسے کچّے دھاگے ہیں جو وقت پر ٹوٹنے والے اور غداری کی سرشت ظاہر کرنے والے ہیں۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کے مستقبل کو خراب کرنے والے اور اُسے تباہی و بربادی کے گڑھے میں گرانے والے یہی قوم کے کچّے دھاگے ہوتے ہیں جو وقت پر ٹُوٹ کر نِفاق اور غدّاری کی سرشت کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اگر اِس قسم کے منافق اور بُزدل اور کمزور ہمت لوگ جو غداری کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہوں قوم میں

موجود نہ ہوں تو وہ قوم خواہ تعداد کے لحاظ سے کس قدر چھوٹی ہو دنیا پر غالب آ جاتی ہے اور بڑی سے بڑی قربانی بھی اُس کی نگاہ میں بالکل حقیر ہوتی ہے۔

دیکھو میں نے پانچ ہزار مبلّغین کا خرچ دو کروڑ روپیہ سالانہ بتایا ہے اور یہ اتنا بڑا خرچ ہے جو ہماری موجودہ حالت کے لحاظ سے بالکل ناقابلِ برداشت ہے۔ لیکن ایک اور نکتہ نگاہ سے اگر دیکھو تو ہماری جماعت اِس وقت چار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ اس میں سے ہندوستان کی جماعت اڑھائی تین لاکھ سے کسی طرح کم نہیں۔ اگر اس اندازہ کو صحیح سمجھ لیا جائے تو کم از کم بیس ہزار بالغ مرد ہماری ہندوستان کی جماعت میں ہی موجود ہیں۔ ان بیس ہزار میں سے پانچ ہزار مبلّغین کا ملنا کونسی مشکل بات ہے۔ اگر ہر شخص دین کی اہمیت کو سمجھ جائے، اگر ہر شخص خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت اور کامیابی سمجھے اور اگر وہ سلسلہ سے ایک پیسہ لئے بغیر خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے دنیا میں نکل کھڑا ہو تو پانچ ہزار مبلّغین جن کا اِس وقت مہیا ہونا ہمیں سخت مشکل دکھائی دیتا ہے نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ میدان میں نکل آئیں اور دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جائیں اور کفر پر اس طرح چھا جائیں کہ اسلام کے مقابلہ میں اُسے سر اُٹھانے کی تاب نہ رہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہر شخص اپنے ایمان کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کیا وہ صحیح معنوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رنگ اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام کی اشاعت کی اُسی طرح مَیں اسلام کی اشاعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر یہ ایمان جماعت کے ہر فرد میں پیدا ہو جائے تو یہ سوال ہی باقی نہ رہے کہ روپیہ کہاں سے آئے گا۔ آخر یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا تنخواہ لے کر کام کیا کرتے تھے؟ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی انجمن سے روپیہ لے کر تبلیغ کا کام شروع کیا تھا؟ آپ کو کسی انجمن کی طرف سے وظیفہ نہیں ملتا تھا، کوئی ماہوار تنخواہ مقرر نہیں تھی لیکن پھر بھی آپ دین کی خدمت کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپ نے فیصلہ کیا کہ اب دین کی خدمت کرنا ہی میرا کام ہوگا۔ میں دن کو بھی خدمت کروں گا اور رات کو بھی اور اُس وقت تک آرام نہیں کروں گا جب تک اس تاریک دنیا کو خدا تعالیٰ کے نور سے منوّر

نہ کرلوں۔ یہ روح ہے جو ہم میں سے ہر فرد کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے۔ اور یہی وہ روح ہے جس کے پیدا ہونے کے بعد یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ ہمیں اپنے کاموں کے لئے ایک کروڑ روپیہ کی ضرورت ہے یا دو کروڑ روپیہ کی۔ صرف نیّت اور ارادہ کی دیر ہے۔ اگر نیّت درست ہو، اگر ارادہ میں پختگی ہو، اگر ایمان میں مضبوطی ہو تو کوئی روک مقابل میں نہیں آسکتی۔ ہاں اگر ایمان ہی نہ ہو یا ارادے ہی کوتاہ ہوں تو پھر بے شک کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ کروڑوں روپیہ بھی اُس وقت تک کام نہیں دے سکتا جب تک ایمان کی چنگاری انسانی روح کو گرما نہ رہی ہو اور جب تک ایمان کی حرارت اُس کے قلب کو زندہ نہ رکھ رہی ہو۔

میں سمجھتا ہوں پانچ ہزار مبلّغین کا رکھنا گو بظاہر بڑا مشکل نظر آتا ہے لیکن میرے نزدیک ہمارے پاس پانچ ہزار مبلّغین سے بھی زیادہ مبلّغ رکھنے کے سامان موجود ہیں صرف نیت اور ارادہ کی ضرورت ہے۔ اگر سچی نیت کر لی جائے اور خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اُس کے دین کی خدمت کا کام شروع کیا جائے تو اللہ تعالیٰ غیب سے برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور ایسی ایسی جگہوں سے کامیابی کے سامان مہیا کرتا ہے جو انسانی واہمہ اور خیال میں بھی نہیں ہوتیں۔ یہ ہماری کمزوری ہوتی ہے کہ ہم قربانی کرنے سے پہلے سوچتے ہیں کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ گویا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کام ہماری کوششوں سے ہوگا حالانکہ جو کچھ کرنا ہے خدا نے کرنا ہے بندوں کو تو وہ محض ثواب دینے کے لئے شمولیت کا موقع عطا فرما دیتا ہے۔

زندگی کا یادگار واقعہ

مجھے اپنی زندگی کے چند نہایت ہی پسندیدہ خیالوں میں سے جن کو میں اپنی ہزاروں نمازوں اور ہزاروں روزوں اور ہزاروں قربانیوں اور ہزاروں چندوں سے بڑھ کر سمجھتا ہوں اپنا وہ واقعہ ہمیشہ یاد رہتا ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہؤا اور جماعت کے ایک حصّہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب نہ معلوم کیا ہوگا۔ میری عمر اُس وقت اٹھارہ سال کی تھی۔ جب میں نے بعض لوگوں کی زبان سے اس قسم کے فقرات سنے تو میں اُس کمرہ میں گیا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد اطہر چارپائی پر پڑا تھا اور میں نے آپ کے سرہانے

کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ اے خدا! میں تیرے مسیحؑ کی نعش کے پاس کھڑے ہو کر یہ اقرار کرتا ہوں کہ اگر ساری جماعت بھی اس سلسلہ سے منحرف ہو جائے تب بھی میں اکیلا اس کام کو جاری رکھوں گا جس کام کے لئے تُو نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ اُس موقع کے لحاظ سے اور اس مصیبت عظمیٰ کے لحاظ سے جو جماعت پر اُس وقت آئی میرا اِس قسم کا عہد کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جو مجھے اپنی زندگی کے نہایت ہی شاندار کارناموں میں سے ایک سنہری کارنامہ نظر آتا ہے اور میں خدا تعالیٰ کا بے انتہا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے اپنے فضل سے مجھے ہمیشہ اِس عہد کو نباہنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اِسی سے ملتا جُلتا واقعہ ایک صحابیؓ کا بھی ہے جو مجھے نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے اور جسے میں بار بار اپنی تقریروں اور خطبات میں بیان کر چکا ہوں۔ جب بدر کی جنگ ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس غرض کے لئے مدینہ سے باہر نکلے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت آپؐ نے صحابہؓ کو یہ بتایا نہیں تھا کہ ہم ایک جنگ پر جا رہے ہیں۔ صحابہؓ کا خیال یہ تھا کہ صرف شام سے آنے والے قافلہ کو روکا جائے گا مگر جب عین بدر کے مقام پر پہنچے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا کہ الٰہی منشاء یہ ہے کہ ہماری اِس مقام پر کفار سے جنگ ہو اِس لئے بتاؤ اب تمہاری کیا رائے ہے؟ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا مہاجر اُٹھنا شروع ہوا اور اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم ہر قربانی کے لئے تیار ہیں ہمیں جنگ کرنے میں ہرگز کوئی عذر نہیں مگر جب بھی کوئی مہاجر مشورہ دے کر بیٹھ جاتا آپؐ فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آخر جب آپؐ نے بار بار یہ بات کہی تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کی مراد شاید ہم انصار سے ہے کہ ہم اِس موقع پر اپنی رائے کا اظہار کریں کیونکہ مشورہ تو آپؐ کو مل رہا ہے اور ایک کے بعد دوسرا مہاجر کہہ رہا ہے کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں لیکن اِس کے باوجود آپؐ کا یہ بار بار فرمانا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو بتاتا ہے کہ آپؐ کی مراد ہم انصار سے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہاں درست ہے۔ اِس پر اُس صحابی نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم تو اس لئے چُپ تھے کہ جن سے لڑائی ہونی ہے وہ ان مہاجرین کے رشتہ دار ہیں۔ اگر ہم نے کہا کہ ہم اُن کا سر پھوڑنے کے لئے تیار ہیں تو مہاجرین کے دلوں کو تکلیف ہوگی کہ دیکھو!

یہ انصار ہمارے بھائیوں اور بھتیجوں اور دوستوں اور رشتہ داروں کا گلا کاٹنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں مگر اب جبکہ آپ ہم سے مشورہ پوچھتے ہیں تو یَارَسُوْلَ اللہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن اُس وقت تک آپ کے پاس نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو رَوندتا ہوا نہ گزرے۔ پھر اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! آپ کا اشارہ شاید اُس معاہدہ کی طرف ہے جو آپؐ کی مدینہ میں تشریف آوری کے موقع پر ہم نے کیا تھا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو ہم آپؐ کا ساتھ دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر جنگ ہوئی تو ہم ساتھ نہیں دیں گے۔ یَارَسُوْلَ اللہ! یہ اُس وقت کی باتیں ہیں جب ہم پر آپؐ کی حقیقت پوری طرح نہیں کُھلی تھی مگر اب جبکہ ہمیں پتہ لگ چکا ہے کہ ایمان کیا چیز ہے اور آپؐ کس عظمت اور شان کے رسول ہیں تو اب کسی شرط کا سوال نہیں۔ سامنے سمندر تھا اُس کی طرف اشارہ کر کے وہ صحابی کہنے لگے یَارَسُوْلَ اللہ! آپؐ اگر ہمیں حکم دیں تو ہم اس سمندر میں اپنے گھوڑے ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور ہر اُس خدمت کے لئے تیار ہیں جس کا آپؐ کی طرف سے ہمیں حکم ملے۔[10] ایک دوسرے صحابی کہتے ہیں۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کئی جنگوں میں شامل ہوا مگر میری ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ کاش میں ان جنگوں میں شامل نہ ہوتا اور یہ فقرہ میرے منہ سے نکل جاتا۔[11] اب دیکھو باوجود اس کے کہ اس فقرہ کے کہنے میں بظاہر اُس صحابی کو کوئی قربانی نہیں کرنی پڑی، کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔ ایک اور شخص کہہ سکتا ہے کہ محض جذباتی رنگ میں ایک بات کہہ دی گئی ہے مگر جس ایمان اور اخلاص اور محبت اور ایثار اور قربانی کی روح کے ساتھ یہ الفاظ اُس صحابی کی زبان سے نکلے تھے وہ ہزاروں اعمال سے زیادہ وزنی، وہ ہزاروں اعمال سے زیادہ شاندار تھی، وہ ہزاروں اعمال سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی برکت کو جذب کرنے والی تھی اُن اعمال سے جن میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے، تکلیف زیادہ اُٹھانی پڑتی ہے، قربانی زیادہ کرنی پڑتی ہے۔

تو اصل چیز جس سے روحانی کام سرانجام پاتے ہیں نیت اور ارادہ کی درستی ہے۔ یہی وہ حکمت ہے جس کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ[12] عمل چیز ہی کیا ہیں تم پکّی نیت کرسکو تو عمل آپ ہی آپ پیدا ہونے شروع

ہو جائیں گے۔ اِس حدیث کے مختلف لوگ مختلف معنے کرتے ہیں مگر اصل معنے اس کے یہی ہیں کہ اعمال تابع ہیں انسانی نیّات کے۔ جب کوئی قوم ایک کام کی نیت کر لیتی ہے تو پھر اس قوم کے افراد اُس کام کو بہر حال کر لیتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ سچی نیت اور ارادہ کے باوجود کوئی کام نہ ہو۔ وہ نیّت ہزاروں اعمال کا موجب ہوتی ہے اس لئے کہ وہ نیک نیت خدا کی نیّت سے مل جاتی ہے اور جب خدا اور بندے دونوں کی نیّتیں مل جائیں تو کام رُک نہیں سکتا۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس شعر میں بیان فرمائی کہ

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا اس قدر قُرب حاصل کر لیتا ہے کہ خدا اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے، اُس کے پاؤں ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے، اس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے، اُس کے کان ہو جاتا ہے جن سے وہ سُنتا ہے [۱۳] غرض جب مومن سچی نیّت کر لے تو کوئی چیز دنیا کی ایسی نہیں ہو سکتی جو اس کام کو ٹلا سکے کیونکہ اُس کی زبان خدا کی زبان اور اس کی نیّت خدا کی نیّت ہوتی ہے اور جو بات خدا کی زبان سے نکل جائے وہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ ع

ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

کبھی ٹل نہیں سکتی۔

پس اصل بات یہ ہے کہ پانچ ہزار مبلّغین کا مہیّا ہونا ہمارے لئے ہرگز کوئی مشکل امر نہیں مگر اس کے لئے جماعت کو وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے جس راستہ کو اختیار کرنے کی ہدایت حضرت مسیح موعود علیہ السلام دے چکے ہیں۔ اگر اِسی قسم کے لوگ ہمارے سلسلہ میں پیدا ہو جائیں جن کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:-

''اگر ہماری جماعت میں چالیس آدمی بھی ایسے مضبوط رشتہ کے ہوں جو رنج و راحت، عُسر و یُسر میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم کریں تو ہم جان لیں کہ ہم جس مطلب کے لئے آئے تھے وہ پورا ہو چکا اور جو کچھ

کرنا تھا وہ کرلیا۔'' [۱۴]

تو ہماری فتح یقینی اور قطعی ہے کیونکہ اُس وقت یہ سوال ہی نہیں ہوگا کہ اُن کو سلسلہ کی طرف سے ملتا کیا ہے بلکہ وہ خدا کے دین کی اشاعت کے لئے دیوانہ وار نکل کھڑے ہوں گے اور ہر قربانی کے لئے شرح صدر سے تیار ہوں گے۔ اُنہیں اگر پہاڑوں کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرانے کے لئے کہا جائے گا تو وہ ہر پہاڑ سے گرنے کے لئے تیار ہوں گے، اُنہیں اگر سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے کہا جائے گا تو وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہوں گے، اُنہیں اگر اپنے آپ کو جلتی ہوئی آگ میں جھونکنے کے لئے کہا جائے گا تو وہ ہر جلتی آگ میں اپنے آپ کو بھسم کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ ایسے لوگ اگر پانچ ہزار ہماری جماعت میں پیدا ہو جائیں تو فتح کا سوال ایک آن میں حل ہو جائے اور کُفر کی شوکت دیکھتے ہی دیکھتے خاک میں مل جائے مگر چونکہ ابھی تک جماعت کے لوگ اِس بلند معیار تک نہیں آئے اس لئے واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں کہنا چاہئے کہ پانچ ہزار سپاہی اگر اُن سامانوں کے ساتھ آگے آئیں جن سے ادنیٰ درجہ کی تبلیغ ساری دنیا میں کی جا سکتی ہے تو اِس کے لئے دو کروڑ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہوگی مگر یہ اتنی بڑی مالی قربانی ہے جو جماعت کی موجودہ حالت کے لحاظ سے ایک لمبے وقت کا مطالبہ کرتی ہے لیکن وقت کے لمبا ہونے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اِس کام کو شروع بھی نہ کیا جائے۔ اگر ہم اعلیٰ پیمانہ پر اِس کام کو جاری نہیں رکھ سکتے تو ادنیٰ پیمانہ پر تو اس کام کو شروع کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس کام کو شروع کر دیں اور ادنیٰ ادنیٰ قربانیوں میں دلی شوق کے ساتھ حصہ لیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ ایک دن ہمیں بڑی قربانیوں میں حصّہ لینے کی بھی توفیق عطا فرما دے گا۔

ایک قربانی دوسری قربانی کی محرک ہوتی ہے

میں بار بار بتا چکا ہوں کہ ایک قربانی دوسری قربانی کی محرک ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے جس کے خلاف تم کبھی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتے کہ جب ایک نیکی کی جاتی ہے تو وہ دوسری نیکی کی محرک بن جاتی ہے۔ پس اگر ہم سچے دل کے ساتھ ادنیٰ درجہ کی مالی قربانیوں میں حصہ لیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق عطا فرما دے گا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی مالی قربانیوں میں بھی حصہ لے اور اُن ذمہ واریوں کو پورا کرے جو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے اُس پر عائد ہوتی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم قربانی کے لئے جماعت کو بُلاتے چلے جائیں تاکہ ہر قربانی کے بعد اُس سے بڑی قربانی کی ہماری جماعت کو توفیق ملے۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر انتہائی قربانی سے کام لیا گیا تو جماعت کی کمرِ ہمت ٹُوٹ جائے گی مگر میں سمجھتا ہوں یہ بات بالکل غلط ہے۔ جب بھی ٹوٹے گا منافق ہی ٹوٹے گا، مومن کبھی قربانیوں سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ جو شخص قربانیاں کرتے وقت اپنے دائیں اور اپنے بائیں دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا فلاں بھی قربانی کر رہا ہے یا نہیں؟ فلاں نے بھی حصہ لیا ہے یا میں ہی حصّہ لے رہا ہوں؟ وہ کبھی قربانیوں کے میدان میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ جو خدا کے لئے محض اس کی رضا کے لئے دنیا کے لئے نہیں بلکہ دین کے لئے اپنا انتہائی زور بغیر دائیں بائیں دیکھنے کے صَرف کر دیتا ہے وہ ٹوٹا نہیں کرتا بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جایا کرتا ہے۔ گارڈر کے اوپر جب لکڑیاں ڈالی جاتی ہیں تو وہ ٹوٹا نہیں کرتیں، خواہ اُن پر چھت کی مٹی کا کس قدر بوجھ ہو کیونکہ شہتیر اُن کو سنبھالنے کے لئے موجود ہوتا ہے۔ اِسی طرح مومن کی کمرِ ہمت ہمیشہ مضبوط رہتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ میں اُس کے دین کے لئے قربانیاں کروں اور تباہ و برباد ہو جاؤں۔

صحابہؓ نے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! جہاد فی سبیل اللہ کے کیا معنے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جہاد مختلف نیّتوں سے کئے جاتے ہیں۔ کوئی شخص دوسری قوم کے بُغض کی وجہ سے جو اس کے دل میں مخفی ہوتا ہے جنگ میں شامل ہوتا ہے اور کوئی حَمِیَّۃُ الْجَاھِلِیَّہ کی وجہ سے جنگ کرتا ہے، کوئی محض نام و نمود اور شُہرت کے لئے جنگ کرتا ہے لیکن اصل مجاہد وہ ہے جو صرف خدا کی رضاء جوئی کے لئے جہاد میں شامل ہوتا ہے۔ پس قربانی وہی ہے جو خدا تعالیٰ کے لئے کی جائے اور جو شخص خدا کے لئے قربانی کرتا ہے وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ پس ہمیں اُس وقت کے آنے سے پہلے جبکہ وہ پانچ ہزار مبلّغ آویں جنہیں ہم تبلیغ کے لئے دنیا میں پھیلا سکیں بغیر کسی اور طرف نظر ڈالنے کے قربانیوں کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دینا چاہیئے۔ تاکہ خدا ہماری اِن حقیر قربانیوں کو قبول فرماتے ہوئے ہمیں توفیق عطا کرے کہ جب بڑی قربانیوں کا مطالبہ ہو تو اُس وقت ہم خوشی سے

اپنی ہر چیز خدا تعالیٰ کے آستانہ پر قربان کرنے کے لئے پیش کر دیں۔

ہماری مثال اِس وقت بالکل اُس شخص کی سی ہے جو اپنے مکان کی چھت کے لئے گارڈر کی تلاش کرتا ہے اور جب اُسے گارڈر نہیں ملتا تو وہ بانس کے چھوٹے چھوٹے ٹکروں سے ہی کام لے لیتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اب اُسے گارڈروں کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ گارڈروں کی ضرورت کو اُس وقت بھی تسلیم کرتا ہے جب اُس کے مکان کی چھت پر بانس کی لکڑیاں پڑی ہوتی ہیں مگر چونکہ گارڈر اُسے ملتے نہیں اس لئے وہ معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزوں سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اِسی طرح جب تک ہمیں وہ پانچ ہزار مبلّغ نہیں ملتے جو دنیا کے ایک معتد بہ حصّہ میں تبلیغِ اسلام کا فرض سرانجام دیں اُس وقت تک ضروری ہے کہ تبلیغِ اسلام کے لئے ادنیٰ اور معمولی درجہ کے اُن سامانوں کو اختیار کریں جو اِس وقت ہمارے امکان میں ہیں اور اگر پانچ ہزار مبلّغ نہیں ملتے تو پانچ دس پچاس یا سَو مبلّغوں سے ہی اِس کام کی ابتداء کر دیں لیکن بہر حال یہ ایک عارضی عمارت ہو گی۔ اس عمارت پر ہم اسلام کی آئندہ تعمیر کا کُلّیۃً انحصار نہیں رکھ سکتے کیونکہ عمارت جس قدر بلند ہو اُسی قدر اُس عمارت کی بنیادوں کا مضبوط ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جب ہمارا مقصد ساری دنیا میں اسلام اور قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی اشاعت ہے تو اِس کے لئے ہمارا یہ خیال کر لینا کہ ہم اپنی موجودہ کوششوں سے ہی کامیاب ہوسکیں گے اوّل درجہ کی غلطی اور نادانی ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم اپنے کاموں کو بڑھاتے چلے جائیں یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے جب ہم انتہائی قربانیوں سے کام لیتے ہوئے پانچ ہزار مبلّغین کے اخراجات آسانی سے برداشت کرسکیں اور اُن کو ساری دنیا میں احمدیت کی اشاعت کے لئے پھیلا دیں۔

پہلی قوموں کی دین کیلئے عظیم الشان قربانیاں

دیکھو ہم سے پہلے جو قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں انہوں نے دین کے لئے ایسی عظیم الشان قربانیاں کی ہیں کہ اُن کے واقعات پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ وہ واقعات ایسے ہیں کہ آج بھی ہمارے لئے اپنے اندر بیسیوں سبق پنہاں رکھتے ہیں اور ہمیں اِس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ خدا کے لئے قربانی کرنے والے دنیا میں کبھی

ضائع نہیں کئے جاتے۔

حضرت بدھ علیہ السلام کے حالات جو بدھ مذہب کی کتابوں میں آج تک لکھے ہوئے نظر آتے ہیں ایسے پاکیزہ اور اتنے اعلیٰ درجہ کے ہیں کہ اگر انسان کے دل میں تعصّب کا مادہ نہ ہوتو وہ اُن واقعات کو پڑھ کر بغیر کسی تردّد اور ہچکچاہٹ کے کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص یقیناً نبی تھا۔ حضرت بدھ علیہ السلام نے جب شہزادگی کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت اور مذہب کی تبلیغ میں اپنے تمام اوقات کو صَرف کرنا شروع کر دیا تو اُن کا معمول تھا کہ جب انہیں بھوک لگتی وہ لوگوں کے گھروں سے بھیک مانگ لیتے بلکہ اب تک بدھ مذہب کے بھکشو اِسی طریق پر کار بند ہیں۔ بدھ مذہب کے مبلّغین کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اپنی روزی کمانے کے لئے کوئی ہُنر یا پیشہ اختیار کریں۔ اُنہیں یہی حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں نکل جاؤ اور تبلیغ کرو اور جب تمہیں بھوک لگے تو لوگوں سے بھیک مانگ لو۔ اگر وہ تمہیں کھانا دیں تو کھالو اور اگر نہ دیں تو اُن کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں چلے جاؤ اور وہاں کے رہنے والوں سے کھانا مانگو۔ خود حضرت بدھ علیہ السلام بھی لوگوں سے بھیک مانگ کر گزارہ کیا کرتے تھے جس کا اُن کے باپ کو سخت قلق تھا۔ ایک دفعہ وہ اِسی طرح تبلیغ کرتے کرتے اپنے علاقہ میں آئے تو اُن کا باپ اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا بیٹا! تم نے تو میرا ناک کاٹ دیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضور کا ناک کس طرح کاٹ دیا ہے؟ باپ نے کہا تم بھیک مانگتے ہو اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتے ہو۔ حضرت بدھؑ نے کہا مہاراج! میں وہی کام کرتا ہوں جو میرے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ باپ نے یہ بات سُنی تو وہ کہنے لگا نہ میں نے کبھی لوگوں سے بھیک مانگی ہے نہ تمہارے دادا نے لوگوں سے کبھی مانگی تھی۔ بدھؑ نے کہا مہاراج! یہ بات سچ ہے مگر میرے باپ دادا وہ سابق انبیاء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اُنہیں خدا کے نام کو پھیلانے کے لئے لوگوں سے بھیک مانگنے میں کوئی عار نہیں تھا اور یہی وہ کام ہے جو مَیں کر رہا ہوں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے حواریوں کو یہی نصیحت کی کہ:-

”نہ سونا اپنے کمر بند میں رکھنا نہ چاندی نہ پیسے۔ راستہ کے لئے نہ جھولی لینا نہ دو دو کُرتے۔ نہ جُوتیاں نہ لاٹھی کیونکہ مزدور اپنی خوراک کا

حقدار ہے۔ اور جس شہر یا گاؤں میں داخل ہو دریافت کرو کہ اس میں کون لائق ہے۔ اور جب تک وہاں سے روانہ نہ ہو اُسی کے ہاں رہو۔ اور گھر میں داخل ہوتے وقت اُسے دعائے خیر دو۔ اور اگر وہ گھر لائق ہو تو تمہارا سلام اُسے پہنچے۔ اور اگر لائق نہ ہو تو تمہارا سلام تم پر پھر آئے۔ اور اگر کوئی تمہیں قبول نہ کرے اور تمہاری باتیں نہ سُنے تو اُس گھر یا اُس شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو۔‘‘[15]

اِس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ جب تم تبلیغ کے لئے جاؤ تو تمہیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ اپنی جیب میں پیسہ رکھو یا کھانے کا فکر کرو۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم یہ دعا کرتے رہو کہ:-

’’اے خدا ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے۔‘‘[16]

چنانچہ جس شہر یا گاؤں میں جاؤ، وہاں کے رہنے والوں سے اپنے لئے روٹی مانگو۔ اگر وہ دے دیں تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھا لو اور اگر وہ انکار کریں تو اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ کر وہاں سے نکل جاؤ اور اپنی زبان پر شکوہ کا کوئی حرف مت لاؤ۔

اگر اس طرح کام کرنے والے ہمیں بھی میسر آ جائیں تو پھر پانچ ہزار مبلّغوں کا بھی سوال نہیں، دو لاکھ مبلّغ اِس وقت ہمیں اپنی جماعت میں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے اندر وہی روح پیدا کریں جو پہلے لوگوں نے پیدا کی۔ اگر ہماری جماعت کا ہر فرد قربانی اور ایثار کے اس معیار پر آ جائے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے تو پھر اس امر کا بھی کوئی سوال نہیں رہے گا کہ کوئی شخص بی۔اے یا ایم۔اے پاس ہے یا نہیں، یا مولوی فاضل ہے یا نہیں کیونکہ اُس وقت ڈگریوں کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ وہ مانگتے اور تبلیغ کرتے چلے جائیں گے۔ ایک مدرِّس ہوگا تو وہ بھی یہی طریق اختیار کرے گا، ایک پروفیسر ہوگا تو وہ بھی ایسا ہی کرے گا، پھر ہماری تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں اور تبلیغ کا سوال جو روپیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے بعض دفعہ پریشان کُن صورت اختیار کر لیتا ہے وہ دیکھتے ہی دیکھتے حل ہو سکتا ہے۔

درحقیقت بلند کاموں کی سرانجام دہی کے لئے ایک مستقل عزم اور ارادہ کی ضرورت

ہؤا کرتی ہے اور مستقل ارادہ اور عزم کے لئے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہؤا کرتی ہے جو اپنے دلوں میں اخلاص اور ایمان رکھتے ہوں۔ اگر ایسے آدمی میسر آجائیں تو پھر روپیہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی اخلاص خود بخود کام کے رستے تلاش کر لیا کرتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو تحریک جدید کے شروع میں مَیں نے کہی کہ اس تحریک کی بنیاد آدمیوں پر ہے روپیہ پر نہیں۔ روپیہ اگر لیا جاتا ہے تو اِس لئے کہ درمیانی وقفہ میں اُس روپیہ سے کام لیا جاسکے ورنہ درحقیقت ہمیں ضرورت اُن اخلاص و ایمان رکھنے والے مبلّغین کی ہے جو دنیا میں نکل جائیں اور خدائے قدوس کا نام بلند کرنے کے لئے اپنی عمریں صَرف کر دیں۔ یہ وہ مبلّغ ہیں جن کی ہمیں ضرورت ہے اور یہی وہ مبلّغ ہیں جو صحیح رنگ میں اسلام کے سپاہی کہلا سکتے ہیں۔

آج سے ساڑھے تیرہ سَو سال پہلے صحابہؓ کرام پر جو حالات آئے اُن کو دیکھو اور غور کرو۔ وہ زمانہ ایسا تھا جس میں نہ ریل تھی، نہ تار تھی، نہ آمد و رفت کی آسانیاں تھیں مگر اُس زمانہ میں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی صحابہ باہر نکل گئے اِس ارادہ اور نیّت کے ساتھ کہ ہم اسلام کو اب دنیا میں پھیلائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری سالوں میں ہی جب فتنہ و فساد کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے، بعض صحابہؓ چین کی طرف چلے گئے، بعض ہندوستان کی طرف آگئے، بعض دوسرے ممالک کی طرف چلے گئے اِس طرح ہزاروں میل انہوں نے پیدل سفر طے کیا اور ایسے دشوار گزار علاقوں میں سے گزرے جہاں سواریوں والے بھی جانے سے گھبراتے ہیں۔ درحقیقت تبلیغ کا سوال ایک مستقل عزم اور ارادہ کے بغیر حل ہی نہیں ہوسکتا۔ ایسا مستقل عزم جو ہر قسم کی روکوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا دے اور ہر قربانی خواہ وہ کتنی بڑی ہو انسان کو آسان اور سہل نظر آنے لگے۔ لیکن جب تک یہ وقت نہیں آتا ہماری جماعت کے افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ چھوٹے پیمانے پر اپنی جان کو قربان کرنے کے لئے تیار رہیں، اپنے مال کو قربان کرنے کے لئے تیار رہیں تاکہ جن کاموں کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اُن کو ہم زیادہ سے زیادہ وسیع کرسکیں۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ تبلیغ کے لئے ہمیں موجودہ تعداد سے بہت زیادہ مبلّغین کی ضرورت ہے لیکن اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ روپیہ کا موجود ہونا بھی اپنی ذات میں نہایت ضروری ہے کیونکہ روپیہ سے تبلیغ کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم صرف

پانچ ہزار مبلّغ رکھیں تو وہ ایک وقت میں پانچ ہزار افراد کو ہی تبلیغ کر سکتے ہیں لیکن اگر ہم کافی تعداد میں اُن کو لٹریچر اور اشتہارات وغیرہ مہیا کر دیں تو ایک ایک آدمی کی آواز ملک کے لاکھوں لوگوں تک پہنچ سکتی ہے۔ پس تبلیغ کو وسیع کرنے اور دنیا کے اکثر حصوں میں اسلام اور احمدیت کے نام پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے پاس روپیہ ہو اور ضروری ہے کہ ہمارے پاس آدمی ہوں تا کہ ہم ایک وقت میں اِن دونوں چیزوں سے کام لے کر کفر کے مقابلہ کے لئے نکل سکیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں سے کئی مخلصین ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کی ہیں لیکن اُن کی تیاری اور پھر اُن کا بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے بھجوایا جانا ابھی دُور کی بات ہے۔ میں تو جب اِن حالات کو دیکھتا ہوں تو مجھے بعض دفعہ یہ مثل یاد آجاتی ہے۔ کہ ’’تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود۔‘‘ جنگ نہ معلوم کب ختم ہو۔ پھر اگر جنگ ختم ہو جائے اور ہماری تیاری ابھی نامکمل ہو تو پیشتر اس کے کہ ہم کوئی نئی عمارت کھڑی کریں کفر اس کی جگہ ایک اور عمارت کھڑی کر دے گا۔ اوّل تو پرانی عمارت کو توڑنا ہی آسان کام نہیں، تین چار سَو سال سے عیسائیوں نے مسلمانوں کو سیاسی اور صنعتی اور اقتصادی میدانوں میں شکست دے کر اُن کو اتنا کمزور کر دیا ہے اور عیسائیت دنیا پر اِس قدر غالب آچکی ہے نہ صرف مذہب کے لحاظ سے بلکہ تمدن اور سیاست اور اقتصاد کے لحاظ سے بھی کہ کفر کی مضبوط اور پرانی عمارت کو توڑنا ہمارے لئے کوئی آسان بات نہیں۔ پھر ہمارا کام صرف یہی نہیں کہ ہم کفر کی عمارت کو توڑ دیں بلکہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اُس کی جگہ اسلام کی بلند و بالا عمارت کو اپنی پوری شان اور عظمت کے ساتھ کھڑا کریں۔ اگر جنگ کے بعد جبکہ پرانی عمارت الٰہی ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہو گی ہم نے جلد سے جلد اسلام کی عمارت کھڑی نہ کی تو دشمن اِس وقفہ سے فائدہ اٹھا کر پھر کفر کی ایک عمارت کھڑی کر دے گا اور پھر ہمارا زور اُس عمارت کو توڑنے پر صَرف ہونے لگ جائے گا اور اسلام کی عمارت کو از سرِ نَو تعمیر کرنے کا کام اور زیادہ التواء میں پڑ جائے گا۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس عزمِ مصمم کو لے کر کھڑے ہو جائیں کہ ہم کفر کی قائم کردہ عمارت کو منہدم کر کے رکھ دیں گے، ہم اسلام کی مضبوط ترین عمارت دوبارہ دنیا میں

کھڑی کریں گے اور اِس غرض کے لئے ہمیں جس قربانی سے بھی کام لینا پڑا اُس سے دریغ نہیں کریں گے۔ اگر جانی قربانی کا سوال آیا تو ہم اپنی جان قربان کر دیں گے، اگر مالی قربانی کا سوال آیا تو ہم اپنا مال قربان کر دیں گے اور اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کریں گے کہ ہم پر اور ہمارے عیال پر کیا گزر رہی ہے۔ مگر چونکہ جماعت کے تمام افراد میں یکساں جوش اور اخلاص نہیں ہوتا بلکہ کوئی اپنے اخلاص کے لحاظ سے اوّل درجہ کے ہوتے ہیں تو کوئی دوسرے درجہ کے اور کوئی تیسرے درجے کے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ جماعت کے ہر فرد پر جانی اور مالی قربانی کی اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جائے اور جب اکثریت اپنے اندر ایک تغیر پیدا کر لے تو ہر شخص اپنے ہمسایہ کی اصلاح کرے۔ ہر شخص جماعت کے سُست اور غافل لوگوں کے پاس جائے اور خود اُسے کہے اے میرے بھائی! اسلام پر ایک نازک وقت آیا ہؤا ہے، ہمیں تو اِس غرض کے لئے غیر سے بھی بھیک مانگنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے مگر تم تو ہمارے بھائی ہو، تم سے نہ کہیں تو اور کس سے کہیں۔ تم چندہ میں کوتاہی کرتے ہو، تم مالی مطالبات میں دلیری سے حصہ نہیں لیتے جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ سلسلہ کے کاموں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ میں تو امید کرتا تھا کہ سلسلہ اگر ایک روپیہ مانگے گا تو تم دو روپے دو گے، سلسلہ اگر دس روپے مانگے گا تو تم بیس روپے دو گے مگر تم تو فرض چندوں کی ادائیگی میں بھی کوتاہی سے کام لے رہے ہو، پھر یہ کام کس طرح ہو گا؟ خدا کے لئے اپنی غفلت کو ترک کرو اور سلسلہ کے مالی مطالبات پر زیادہ سے زیادہ قربانی کا نمونہ دکھاؤ کہ یہی وہ چیز ہے جو تمہارے کام آئے گی، یہی وہ نیکی ہے جو تمہاری نجات کا ذریعہ ہو گی۔ اگر اس طرح جماعت کا ہر فرد مجنونانہ رنگ میں کام کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے تو ۲۵ لاکھ کا ریزرو فنڈ نہایت آسانی کے ساتھ قلیل سے قلیل عرصہ میں قائم ہو سکتا ہے۔

میرے نزدیک اس امر کی یاددہانی ناظر صاحب بیت المال کے ذمہ ہے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ جماعت کو بار بار توجہ دلائیں کہ وہ ریزرو فنڈ کی فراہمی میں حصہ لے۔ یہ ثواب حاصل کرنے کا کیسا اچھا موقع ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُنکے لئے مہیّا فرما دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں جو شخص دوسرے کو نیک تحریک کرتا ہے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے جو ثواب عملِ صالح کرنے والے کو ملے گا ویسا ہی ثواب نیک تحریک

کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جائے گا۔ اس نقطۂ نگاہ سے ناظر صاحب بیتُ المال اگر چاہیں تو بہت بڑا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر جماعت دس لاکھ روپیہ چندہ دیتی ہے تو دس لاکھ روپیہ چندہ دینے کی وجہ سے جو ثواب فرداً فرداً مختلف لوگوں کو ملے گا وہ تمام ثواب مجموعی طور پر ناظر صاحب بیت المال کو بھی ملے گا کیونکہ انہوں نے ہی یہ تحریک جماعت کے سامنے کی ہوگی اور اُنہی کی متواتر یاددہانیوں کے نتیجہ میں یہ چندہ جمع ہؤا ہوگا۔ حالانکہ دس لاکھ روپیہ اگر کوئی ناظر اپنے طور پر چندہ میں دینا چاہے تو وہ ساری عمر میں بھی نہیں دے سکتا لیکن اس ذریعہ سے وہ بڑی آسانی سے دس لاکھ روپیہ چندہ دینے کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ اِسی طرح ہر انسپکٹر بیتُ المال جو اِس سلسلہ میں کام کرتا ہے اگر وہ دیانت داری سے کام کرتا ہے، اگر وہ اخلاص سے کام کرتا ہے، اگر وہ محنت سے کام کرتا ہے اور سلسلہ کا چندہ دس ہزار روپیہ سے پندرہ ہزار روپیہ تک ترقی کر جاتا ہے تو جہاں پانچ ہزار روپیہ دینے کا ثواب اُن لوگوں کو ملے گا جنہوں نے اس چندہ میں حصہ لیا، وہاں پانچ ہزار روپیہ اللہ تعالیٰ کے حضور انسپکٹر بیتُ المال کے نام بھی لکھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ پانچ ہزار روپیہ فلاں انسپکٹر بیتُ المال نے بطور چندہ دیا ہے حالانکہ اگر وہ کوشش بھی کرے تو ساری عمر میں پانچ ہزار روپیہ چندہ نہیں دے سکتا۔ گویا ذراسی محنت اور ذراسی کوشش سے وہ ایک دَورہ میں ہی اتنا ثواب حاصل کر سکتا ہے جو اُسے ساری عمر انفرادی جدوجہد کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح ہر سیکرٹری مال جو اس کوشش اور جدوجہد میں اپنے اوقات لگا دیتا ہے اُس کی اس کوشش اور سعی سے جتنا جتنا چندہ اکٹھا ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے دفتر میں وہ سب اُس کے نام پر لکھا جاتا ہے کیونکہ ہمارا خدا جس طرح نیک عمل میں حصہ لینے والوں کو ثواب عطا کرتا ہے اُسی طرح وہ عملِ صالح کی تحریک کرنے والوں کو بھی ثواب دیتا ہے۔ پس ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب حاصل کرنے کے عظیم الشان مواقع ہیں۔ اگر ان عظیم الشان مواقع کے ہوتے ہوئے پھر بھی ہم غفلت سے کام لیں اور کوتاہی کا ارتکاب کریں تو یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہوگی ورنہ خدا نے ہمارے لئے ثواب کے مواقع بہم پہنچانے میں قطعاً بُخل سے کام نہیں لیا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ پچیس لاکھ روپیہ کا ریزرو فنڈ صرف ہمارا ابتدائی قدم ہے ورنہ ہماری خواہش تو یہ ہونی چاہیئے

کہ ہمارے پاس پچیس کروڑ روپیہ کا ریزروفنڈ ہو۔ پس کمریں کس لو اور اشاعت اسلام کی خاطر ایک مضبوط بنیاد قائم کرنے کی کوشش کرو۔ جب یہ پہلا قدم اُٹھا لو گے اور پچیس لاکھ روپیہ کا ریزروفنڈ قائم کر لو گے تب تم میں سے کئی لوگوں کو اللہ تعالیٰ اِس بات کی بھی توفیق عطا فرما دے گا کہ وہ مرنے سے پہلے اپنی جانوں کو بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیں اور اُس کی ابدی رضا اور دائمی جنت کے مستحق ہو جائیں۔‘‘

بجٹ اخراجات کے سلسلہ میں ہدایات

حضور کے ارشاد پر مکرم ناظر صاحب بیت المال نے صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ اخراجات کا بجٹ پیش کیا۔ جب چند ناظر صاحبان اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تو حضور نے فرمایا:-

’’اِس دفعہ کے بجٹ میں پھر بعض نقائص رہ گئے ہیں۔ میں نے یہ تو تجویز کیا تھا کہ اس سال کا بجٹ ناظر صاحب بیت المال بنائیں کیونکہ گزشتہ سال انجمن نے بجٹ بنانے میں بہت دیر لگا دی تھی مگر ناظر صاحب نے بھی قریباً اُتنی ہی دیر لگا دی اور پھر مزید نقص یہ ہوا کہ انجمن میں بھی بجٹ پیش نہ کیا گیا حالانکہ میرا مطلب یہ نہ تھا کہ انجمن میں بجٹ پیش ہی نہ ہو۔ بہرحال بجٹ بغیر انجمن میں پیش ہونے کے یہاں آ گیا اور چونکہ محکموں کی طرف سے اضافہ کی جو رقوم پیش کی گئی تھیں اُن کی وجوہ سب کمیٹی کو معلوم نہیں تھیں اس لئے سب کمیٹی کو وجوہ کے معلوم کرنے کے لئے بہت سا وقت یہاں صَرف کرنا پڑا حالانکہ سب کمیٹی والوں کا فرض تھا کہ جب اُنہوں نے بجٹ پر غور کیا تھا تو اُسی وقت متعلقہ ناظروں کو پیغام بھجوا دیتے کہ آپ خود تشریف لے آئیں یا اپنا کوئی نمائندہ بھجوائیں جو اضافۂ اخراجات کے دلائل بتلائے تاکہ فیصلہ کیا جا سکے کہ یہ رقوم رکھی جائیں یا اُن کو کاٹ دیا جائے۔ مگر چونکہ انہوں نے ایسا نہ کیا اس لئے جو کمیٹی کا کام تھا وہ ہم سب کو کرنا پڑا اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دوست خاموش بیٹھے رہے کیونکہ ان سے رائے لینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک اور نقص یہ بھی واقعہ ہو گیا کہ سب کمیٹی کے تمام ممبر اکٹھے بیٹھے ہوئے نہیں تھے۔ اگر اکٹھے بیٹھے ہوتے تو سب سے رائے لی جا سکتی تھی اور پھر اکثریت کے مشورہ کے مطابق فیصلہ ہوتا کہ فلاں رقم رہنے دی جائے یا اُس کو اُڑا دیا جائے مگر اب ممبران سب کمیٹی تو متفرق

جگہوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور ناظر صاحب بیت المال بحیثیت سیکرٹری سب کمیٹی اور صدر صاحب سب کمیٹی بیتُ المال دونوں اپنی ذمہ واری پر فیصلہ کرتے رہے۔ یہ ایک نقص تھا جو واقعہ ہؤا۔ اِس کی طرف ایک ممبر نے توجہ بھی دلائی ہے کہ اگر سب ممبر اکٹھے ہوں تو ممکن ہے وہ ناظرانِ سلسلہ کے بیانات سُن کر اپنی رائے بدل لیں۔

پس آئندہ کے متعلق میری تجویز یہ ہے کہ سب کمیٹی بیت المال کے ممبران جب اضافہ بجٹ کی رقوم کے متعلق ناظرانِ سلسلہ کے بیانات سن کر اپنی رائے بدلنا چاہیں تو وہ ایک چِٹ بھجوا دیا کریں کہ اس بارہ میں فیصلہ سنانے سے قبل ہماری رائے بھی دریافت کر لی جائے۔

میری دوسری تجویز یہ ہے کہ جب سب کمیٹی بیتُ المال کی رپورٹ پیش ہو تو سارے ممبر اکٹھے ہو کر پاس پاس بیٹھ جائیں۔ اس صورت میں صدر سب کمیٹی اُن کے سامنے معاملات بہت جلد رکھ سکتا اور ان کی رائے معلوم کر سکتا ہے۔ پس آئندہ جب کسی محکمہ کے متعلق سب کمیٹی اپنی رپورٹ پیش کرے تو سب ممبر سٹیج کے پاس جمع ہو جایا کریں تا کہ اگر وہ اپنی رائے بدلنا چاہیں تو مشورہ دے سکیں۔

دوسرا امر یہ نوٹ کر لیا جائے کہ سب کمیٹی بیت المال کی طرف سے جب بجٹ پر غور ہو تو متعلقہ ناظروں کو وہ لکھ کر بھجوا دیا کریں کہ چونکہ بجٹ میں آپ کے فلاں فلاں معاملات زیر بحث آئیں گے اِس لئے آپ خود تشریف لے آئیں یا اپنا نمائندہ فلاں وقت تک بھجوا دیں تا کہ ہم آپ کے محکمہ کے دلائل سُن کر اِس بارہ میں کوئی فیصلہ کر سکیں اور ہمیں معلوم ہو کہ زیادتی اخراجات کیوں اور کس غرض کے لئے کی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر اس طرح کام کیا جائے تو وہ مشکلات جو اِس وقت پیدا ہوئی ہیں انشاء اللہ دُور ہو جائیں گی۔ بہر حال جو غلطی ہو چکی ہو چکی، آئندہ کے لئے جو طریق مناسب ہے وہ میں نے بیان کر دیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بجٹ انجمن میں پیش ہو تو ہر ناظر اپنا اپنا نقطۂ نگاہ پوری وضاحت سے پیش کر دے اور ناظر بیتُ المال اُن دلائل کو نوٹ کر لے۔ جب سب کمیٹی کے سامنے بجٹ پیش ہو تو وہ ان دلائل کو پورے زور سے کمیٹی کے سامنے ویسا ہی پیش کرے جیسے خود متعلقہ ناظر کمیٹی میں بیٹھا ہؤا ہے۔ کمیٹی والے بے شک جرح کریں اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ

آخر فیصلہ کثرتِ رائے کے مطابق ہی ہوگا۔ بہرحال سب کمیٹی اضافہ اخراجات کے متعلق جو منظوریاں دے سکتی تھی وہ اُس نے دے دی ہیں۔ اب ناظروں کا اختیار نہیں کہ وہ ردّ شدہ تجاویز کو دوبارہ پیش کریں۔ ہاں ممبروں کو اختیار ہے کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ بعض نظارتوں نے جو مطالبات کئے ہیں وہ درست ہیں مثلاً امورِ عامہ کا کلرک اُڑا دیا گیا ہے تو یہ غلطی ہے کلرک ضرور ہونا چاہئے۔ یا اِسی قسم کے اَور امور پیش کرنا چاہیں تو ممبروں کی طرف سے یہ امور زیر بحث آ سکتے ہیں وہ اِس بارہ میں ترمیم پیش کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ فلاں مد میں زیادتی ہونی چاہئے جیسے وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فلاں مد میں اتنی کمی ہونی چاہئے۔

باقی رہا اُس سَو روپیہ کا سوال جو نظارت دعوۃ وتبلیغ کی طرف سے کتبِ حوالجات خریدنے کے لئے بجٹ میں رکھا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ تو کوئی چیز ہی نہیں یہ اتنی معمولی رقم ہے کہ اس سے وہ مقصد ہرگز پورا نہیں ہو سکتا جس کے لئے یہ اضافہ کیا گیا ہے۔ میں متواتر بیس سال سے جماعت کو توجہ دلا رہا ہوں کہ مخالفوں کا لٹریچر غائب کیا جا رہا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو اکٹھا کر کے اپنی لائبریریوں میں محفوظ کر لیں۔ اگر ہم نے اس لٹریچر کو مہیّا نہ کیا تو کچھ دنوں کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں لوگ ان کا ذکر پڑھیں گے اور انہیں دنیا میں وہ لٹریچر نظر نہیں آئے گا جو ہمارے خلاف شائع ہوا تو وہ سمجھیں گے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلط لکھا ہے۔ اس بارہ میں مَیں نے مخالفوں کی ذہنیتیں یہاں تک گری ہوئی دیکھی ہیں کہ گزشتہ دنوں جب میں لاہور میں تھا ایک دن میڈیکل کالج کے کچھ طالب علم مجھے ملنے کے لئے آئے۔ اُن میں سوائے ایک لڑکے کے باقی سب لڑکیاں تھیں۔ لڑکا فورمن کرسچن کالج کا تھا اور لڑکیاں سب میڈیکل کالج میں پڑھتی تھیں۔ ان کے آنے سے پہلے جب میں نماز پڑھا رہا تھا، نماز کا آخری سجدہ تھا کہ یکدم مجھے الہام ہوا ''عظمت کے بُھوکے ہیں۔'' اس سے پہلے بھی کوئی فقرہ تھا جو مجھے بُھول گیا مگر وہ اسی قسم کا تھا۔

شُہرت کے طالب ہیں۔ عظمت کے بُھوکے ہیں

میں حیران ہوا کہ نہ معلوم کون شخص آج مجھ سے ملنے والا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میڈیکل کالج کے چند طالب علم آئے اور انہوں نے مجھ سے ملاقات کا وقت لیا۔ گفتگو کے دوران میں

اُنہوں نے کہا کہ مرزا صاحب کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے انہیں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ یہ اصلاحات فرمائی ہیں، ان اصلاحات کے بغیر اسلام کبھی زندہ نہیں ہوسکتا تھا۔ مثال کے طور پر میں نے اُنہیں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسیح ناصریؑ کی وفات کا مسئلہ پیش کیا حالانکہ سب مسلمان یہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ میری یہ بات سُن کر وہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کہنے لگیں آپ عجیب بات کہتے ہیں، دنیا میں کون مسلمان ہے جو حیاتِ مسیح کا قائل ہو۔ سب مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ مر چکے ہیں۔ اب جو شخص تمام مسلّمات کے خلاف اِس طرح کہہ دے اُسے کیا جواب دیا جاسکتا ہے۔ میں نے اُن کو کہا کہ آپ اپنے والدین کو خط لکھیں اور دریافت کریں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ درست ہے یا نہیں؟ آپ کے والدین تو ہمیشہ ہم سے اِسی بات پر جھگڑتے رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور تم اُنہیں وفات یافتہ تسلیم کرتی ہو۔ پرانی کتابیں موجود ہیں جن میں لوگوں نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ ہیں۔ اِس پر وہ کہنے لگیں وہ کتابیں آپ کی اپنی لکھی ہوئی ہوں گی ہماری کتابوں میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ جس قوم میں اس قسم کی ڈھٹائی پیدا ہوجائے اُس کے لئے اپنا لٹریچر بدل لینا کون سی بڑی بات ہے۔ گو وہ اس لٹریچر کے متعلق بھی جو ہم اکٹھا کریں غالباً یہی کہہ دیں گے کہ یہ تم نے خود چھپوا لیا ہوگا۔ مگر بہرحال سب سے مضبوط حجت تو وہ لٹریچر ہی ہوسکتا ہے۔

دوسری بات ناسخ و منسوخ کے متعلق میں نے پیش کی اور کہا کہ شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے بعض پارے بالکل غائب ہیں۔ میری یہ بات سنتے ہی وہ کہنے لگے آپ تو شیعوں پر اتّہام لگاتے ہیں، وہ قرآن کریم کو بالکل مکمل مانتے ہیں۔ میں نے اُن کو پھر وضاحت سے سمجھایا تو اُن میں سے بعض نے اِتنی دلیری سے جھوٹ بولا کہ میں حیران ہوگیا۔ اُنہوں نے کہا ہمارے بعض رشتہ دار خود شیعہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ شیعوں کا یہی عقیدہ ہے کہ قرآن بالکل محفوظ ہے۔ اِس سے بڑھ کر ڈھٹائی اور کیا ہوسکتی ہے۔ پھر عیسائیوں کے متعلق میں نے کہا کہ وہ حضرت مسیح ناصریؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیت کے اِس بنیادی مسئلہ کو بیخ و بُن سے اُکھیڑ

دیا ہے۔ اِسے سُنتے ہی وہ لڑکا جو فورمن کرسچن کالج میں پڑھتا تھا بولا کہ توبہ توبہ یہ عیسائیوں پر بڑا اتہام ہے۔ میں عیسائی کالج میں پڑھتا ہوں ہمارے پروفیسر نے کبھی یہ نہیں کہا۔ جب اِس قسم کی ڈھیٹ قوم سے ہمارا مقابلہ ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن کے لٹریچر کو محفوظ رکھیں۔ اگر یہ لٹریچر محفوظ نہیں ہوگا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آنے والی نسلوں کو اعتراض کا موقع ملے گا اور وہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ باتیں کیوں لکھیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بظاہر نظر بعض سخت الفاظ لکھے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے گالیاں دی ہیں۔ اب جب تک ہمارے پاس وہ لٹریچر نہ ہو جس میں دشمنوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی ہیں، وہ اشتہارات نہ ہوں جن میں انہوں نے گالیاں دی ہیں، وہ ٹریکٹ نہ ہوں جن میں انہوں نے گالیاں دی ہیں تو تھوڑے دنوں کے بعد ہی لوگ یہ کہنا شروع کر دیں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نعوذ باللہ سخت کلامی کی۔

پس ہمارے علماء اور مبلّغین کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کا لٹریچر جمع کریں اور اُسے لائبریریوں میں محفوظ کر دیں مگر بعض مبلّغوں کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ لائبریری سے کوئی ایسا ٹریکٹ یا رسالہ پڑھنے کے لئے لے جاتے ہیں تو چند دنوں کے بعد ہنس کر کہہ دیتے ہیں وہ تو گُم ہو گیا حالانکہ وہ دو یا چار صفحہ کا ٹریکٹ ایک کروڑ روپیہ سے بھی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ وہ ایک حربہ ہوتا ہے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کرنے والے دشمن کو ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ جب کوئی شخص اِس حربہ کو ضائع کر دیتا ہے تو وہ سلسلہ کو اپنی معمولی سی غفلت سے بہت بڑا نقصان پہنچانے والا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ لَا نُبْقِیْ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔ ہم تیرے متعلق کوئی ایسی بات باقی نہیں رہنے دیں گے جو تیرے لئے ذلّت اور رُسوائی کا موجب ہو۔ ہم خود ان مخزیات کو مٹا دیں گے اور تیری عزت کو دنیا میں قائم کریں گے۔ دوسرے الفاظ میں اِس الہام کے معنے یہ ہیں کہ ہم مومنوں کے دلوں میں خود تحریک کریں گے کہ وہ اِن مخزیات کا ردّ کریں۔ پس ہر شخص جو اِن مخزیات کو ردّ کرنے میں حصّہ لیتا ہے، ہر شخص جو اِس لٹریچر کو اِس لئے جمع کرتا ہے تا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دشمنوں

کے مظالم کا اندازہ لگانے کا دنیا کو موقع مل سکے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ظاہر ہو وہ اللہ تعالیٰ کے الہام لَانُبْقِیْ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا کو پورا کرنے والا ہے۔ وہ خدا کا ایک ہتھیار ہے اور بہت بڑے اجر اور ثواب کا مستحق ہے۔ پس یہ بہت بڑا کام ہے جو نظارت دعوۃ و تبلیغ کے ذمہ ہے اور اِس میں کوتاہی یقیناً ایک مجرمانہ فعل ہے مگر اِس غرض کے لئے سَو روپیہ کی رقم بہت ہی حقیر ہے۔ اور چونکہ یہ کام خاص اہمیت رکھتا ہے اس لئے مَیں اپنی طرف سے یہ پیشکش کرتا ہوں کہ سَو نہیں اگر دو ہزار چار ہزار بلکہ دس ہزار روپیہ کی بھی انہیں ضرورت ہو تو یہ سارا روپیہ مَیں اُنہیں خود دوں گا وہ لٹریچر مہیا کریں اور روپیہ مجھ سے لیں۔

اب بجٹ اخراجات پیش ہے جو دوست کسی خرچ میں کمی یا زیادتی کرنے کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہوں وہ اپنا نام لکھوا دیں۔''

اِس پر کئی نمائندگان نے نام لکھوائے اور بجٹ اخراجات کی بابت ابھی چند احباب نے اپنی آراء کا اظہار کیا تھا اور بہت سے باقی تھے کہ حضور نے احباب کو وقت کی کمی سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا:-

''اِس وقت ساڑھے چار بجے ہیں بلکہ میری گھڑی پر چار بج کر ۳۵ منٹ ہو چکے ہیں اور ساڑھے چھ بجے یہاں سے گاڑی روانہ ہو جاتی ہے درمیانی وقفہ میں دوستوں نے اسباب وغیرہ لینا ہے اور جانے کے لئے تیاری کرنی ہے۔ اگر ایک گھنٹہ بھی جانے کی تیاری کے لئے رکھ لیا جائے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اب ہمارے پاس صرف پچپن منٹ باقی ہیں لیکن دوسری طرف یہ حالت ہے کہ ابھی ۱۳ دوست باقی رہتے ہیں جنہوں نے اظہارِ خیالات کرنا ہے۔ آج کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ایک ایک دوست نے ۵ منٹ سے لے کر دس دس منٹ تک تقریر کے لئے لئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ان ۱۳ دوستوں کو اظہارِ خیالات کا موقع دیا جائے تو وہ ۱۳ دوست صرف تقریریں کر کے بیٹھ جائیں گے اور ہم جماعت سے یہ بھی مشورہ نہیں لے سکیں گے کہ سب کمیٹی کا تجویز کردہ بجٹ منظور کر لیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اور اگر باقاعدہ آراء شماری ہو تو اِس وقت تک بائیس تیئیس ترمیمیں آ چکی ہیں۔ اگر ایک ترمیم کے لئے پانچ منٹ وقت بھی رکھا جائے تو پونے دو گھنٹے صرف ترمیموں کے متعلق

دوستوں کی آراء معلوم کرنے کے لئے چاہئیں۔ پچپن منٹ وہ، اور پونے دو گھنٹے یہ۔ گویا پونے تین گھنٹے صرف دوستوں کی تقاریر اور ترمیموں کے متعلق آراء شماری کے لئے درکار ہیں۔ اِس کے بعد اگر دس پندرہ منٹ دعا وغیرہ کے لئے رکھے جائیں اور میں اپنے خیالات کا اظہار نہ کروں تب بھی اِس حساب سے ساڑھے سات بجے آپ لوگوں کو یہاں سے فراغت ہوسکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں جو دوست باہر سے آتے ہیں وہ اِس بات کا حق رکھتے ہیں کہ بجٹ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کریں اور ہمیں اپنے مشوروں سے آگاہ کریں لیکن پھر بھی اُنہیں سمجھ لینا چاہئے کہ بجٹ پر صدر انجمن احمدیہ بھی غور کرتی ہے اور پھر سب کمیٹی بھی کافی غور کرتی ہے۔ اس لئے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ عام طور پر کوئی ایسی بات بجٹ میں نہیں ہوتی جو قابلِ اعتراض ہو یا جس کا رکھا جانا غیر ضروری ہو۔ مگر میں نے دیکھا ہے بعض دفعہ دوستوں کی طرف سے ایسی ترمیمیں پیش ہو جاتی ہیں جو بالکل غیر ضروری ہوتی ہیں۔ دو چار یا دس روپوں کا سوال ہوتا ہے مگر اِتنی سی بات پر اپنا اور دوسرے تمام لوگوں کا بہت بڑا وقت ضائع کر دیا جاتا ہے حالانکہ انہیں سوچنا چاہئے کہ آخر صدر انجمن احمدیہ کے افسروں اور سب کمیٹی کے افراد نے ان پانچ دس روپوں کے خرچ کو کسی مصلحت کے ماتحت ہی رکھا ہوگا اور انہوں نے سوچ بچار سے بھی کام لیا ہوگا یہ تو نہیں ہوسکتا کہ وہ بغیر سوچے سمجھے کوئی رقم رکھ دیں اور سلسلہ کے اموال کو ضائع کریں۔ جماعت کا مشورہ تو اصولی باتوں کے متعلق ہونا چاہئے نہ یہ کہ سارے ہندوستان کے لوگ اس لئے جمع ہوں کہ پانچ روپے موسمی اخراجات کی مد سے اُڑا دیئے جائیں اور دس فلاں محکمہ کی سٹیشنری کی مد سے اُڑا دیئے جائیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ جہاں غیر ضروری باتیں دوستوں کی طرف سے پیش ہو جاتی ہیں وہاں بہت سی ایسی باتیں بھی اُن کی طرف سے پیش ہوتی ہیں جو غور کے قابل ہوتی ہیں مگر جو غیر ضروری باتیں ہیں ان سے ہمیں ضرور بچنا چاہئے۔

آج سے آٹھ دس سال پہلے دوستوں کو اعتراضات کا موقع دیا جاتا تھا جو کئی سال تک جاری رہا۔ ناظرانِ سلسلہ کی طرف سے اُن اعتراضات کا جواب دیا جاتا تھا اور چونکہ اِس ذریعہ سے بار بار جماعت کے سامنے اصل حالات آتے رہتے تھے اِس لئے رفتہ رفتہ وہ سوالات سب غائب ہو گئے لیکن بعض سوالات کچھ عرصہ غائب رہنے کے بعد اِس سال پھر

پیش کر دیئے گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات آٹھ سال کے بعد وہ دلائل دوستوں کو بُھول گئے ہیں جن کی وجہ سے اُن کاموں کو اختیار کیا گیا تھا۔ بہرحال اب وقت اتنا قلیل رہ گیا ہے کہ میں تمام دوستوں کو تقاریر کا موقع دینا، بائیس تئیس ترامیم کو پیش کرنا اور ایک ایک ترمیم کے متعلق دوستوں کی آراء معلوم کرنا، اس کے بعد میرا نصائح کرنا اور پھر دعا کر کے سامان ساتھ لے کر ٹھیک وقت پر گاڑی پر پہنچ جانا انسانی طاقت سے بالا ہے اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ اگر اِس کام کو جاری رکھا جائے تو وقت کے اندر اس کو ختم کیا جا سکے۔ اس لئے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو احباب فیصلہ کریں کہ وہ ایک دن اَور یہاں ٹھہریں گے پھر بے شک اس طریق کو جاری رکھا جا سکتا ہے۔ اور یا پھر وہ یہ فیصلہ کریں کہ بجٹ کو درمیان میں ہی چھوڑ دیا جائے اور شوریٰ کے کام کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن اس صورت میں شوریٰ کا کام ختم کرنے کے یہ معنے ہوں گے کہ تین چار گھنٹے جو بجٹ پر صَرف ہو چکے ہیں اُن کو ضائع کر دیا جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے وہ وقت رائیگاں کھو دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک طرف تو یہ بات بھی درست ہے کہ بعض لوگ ایسی باتیں پیش کر دیتے ہیں جو غلط ہوتی ہیں اور بعض خواہ مخواہ اپنی بات کو طول دیتے چلے جاتے ہیں حالانکہ وہ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو یا تو غیر ضروری ہوتی ہیں اور یا پھر اور دوست اُن سے پہلے اُن باتوں کے متعلق اظہارِ خیالات کر چکے ہوتے ہیں۔ مگر وہ اس طرح بات میں سے بات اور پہلو میں سے پہلو نکالتے چلے جاتے ہیں کہ گویا یہاں ایک مناظرہ شروع ہے اور اُن کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کی پیش کردہ باتوں کا ردّ کریں اور ایک ایک بات کے خلاف دلائل پیش کریں۔ لیکن جہاں یہ ایک نقص ہے جو دیکھنے میں آیا ہے وہاں اکثر باتیں ایسی بھی کہی گئی ہیں جو یقیناً قابلِ توجہ ہیں۔ اگر کام کو اس طرح ادھورا چھوڑ دیا جائے تو بجٹ پر پورا غور نہیں ہو سکتا حالانکہ ہمارا منشاء یہ ہوتا ہے کہ بجٹ پر پورا غور ہو اور اس کے کسی حصّہ پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا ہو۔ اِن وجوہ کی بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہو تو سب سے پہلے بجٹ پر ہی بحث کی جائے۔ اور اگر شوریٰ میں تینوں دن بجٹ پر ہی بحث ہوتی رہے تو بے شک تینوں دن یہ بحث جاری رہے اور دوسرے مسائل ترک کر دیئے جائیں۔ اُن معاملات پر غور کرنے کے لئے جون جولائی یا اگست میں دوبارہ مجلس شوریٰ کا اجلاس

منعقد ہوا کرے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ بار بار قادیان آنا اور اِس گرانی کے زمانہ میں اخراجات برداشت کرنا بعض طبائع پر گراں گزرتا ہے مگر جُوں جُوں جماعت بڑھتی چلی جائے گی اِن امور کو برداشت کرنا پڑے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ آئندہ کسی وقت وہ زمانہ بھی آجائے جب بعض لوگوں کو شوریٰ کے لئے اپنے اکثر اوقات فارغ کر کے مستقل طور پر قادیان میں ہی رہنا پڑے۔ جیسے پارلیمنٹوں کے ممبروں کو اپنے اوقات خرچ کرنے پڑتے ہیں کیونکہ اِس کے بغیر سلسلہ کے اہم امور پر غور نہیں ہو سکے گا۔ بہرحال وہ وقت تو جب آئے گا دیکھا جائے گا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم ایسٹر کی تعطیلات کے دنوں میں جو مجلسِ شوریٰ منعقد کرتے ہیں وہ بعض دفعہ تمسخر بن کر رہ جاتی ہے کیونکہ سلسلہ کے جتنے معاملات ہوتے ہیں اُن پر سنجیدگی اور عمدگی سے غور نہیں کیا جا سکتا۔ میں مانتا ہوں کہ کچھ وقت ضائع بھی ہو جاتا ہے اور جہاں ایسی خرابی ہو وہاں دوستوں کو روکنا ضروری ہوتا ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروری بحثوں کو تنگیٔ وقت کی وجہ سے ترک کرنا پڑتا ہے اور بجٹ پر عمدگی کے ساتھ غور نہیں ہو سکتا۔

سال میں دو دفعہ مجلس شوریٰ

اِن حالات میں مَیں فیصلہ کرتا ہوں کہ آئندہ سال میں دو دفعہ مجلسِ شوریٰ منعقد ہوا کرے۔ ایک دفعہ تو انہی ایسٹر کی تعطیلات میں اور اس میں مقدم بجٹ کو رکھا جائے اور سب سے پہلے اسی پر غور ہو۔ اگر بجٹ پر غور کرنے کے بعد کوئی وقت بچے تو دوسرے امور کو بھی لے لیا جائے ورنہ نہیں۔ اور جب دوسرے معاملات ادھورے رہ جائیں یا بالکل ہی رہ جائیں تو جون، جولائی میں کسی وقت دوسری مجلس مشاورت منعقد کی جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ایسے ایام ہوں جب سرکاری طور پر تعطیلات ہوا کرتی ہیں کیونکہ اس میں ہر جماعت کی طرف سے ایک ایک یا دو دو نمائندہ بھی آسکتے ہیں۔ اب تو بعض دفعہ ایک ایک جماعت کی طرف سے تین تین چار چار نمائندے آجاتے ہیں اور اگر کوئی بڑا شہر ہو تو وہاں کے نمائندے اِس سے بھی زیادہ ہوتے ہیں لیکن جون، جولائی یا اگست کے ایّام میں اگر سرکاری طور چھٹیاں نہ ہوں تو ہر جماعت کی طرف سے ایک ایک نمائندہ کا آنا بھی کافی ہو سکتا ہے، گورنمنٹ کے ملازم بھی ایسے موقع پر آسکتے ہیں۔ آخر ہر شخص کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ سال میں دس بیس روز کی

چُھٹی لے سکے اِس حق سے فائدہ اُٹھا کر مجلس مشاورت میں شامل ہونا اُن کے لئے کوئی بڑی بات نہیں پس آئندہ کے لئے تو مَیں یہ فیصلہ کرتا ہوں۔ اور موجودہ بجٹ کے متعلق یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ دوستوں کی طرف سے جس قدر ترمیمات پیش ہوئی ہیں وہ سب کمیٹی بجٹ کے سپرد کر دی جائیں۔ کمیٹی کسی آئندہ اجلاس میں اِن ترمیمات پر غور کر کے مناسب فیصلہ کر دے گی۔ اِس سب کمیٹی میں علاوہ ممبران تحقیقاتی کمیشن کے سب ناظرانِ سلسلہ شامل ہوں گے۔ اِسی طرح پیر اکبر علی صاحب، خان بہادر چوہدری نعمت خان صاحب اور نواب محمد دین صاحب بھی اِس کمیٹی میں شامل ہوں گے۔ میں اِس کمیٹی کے لئے کوئی تاریخ مقرر کر دوں گا اُس وقت یہ تمام دوست جمع ہو جائیں گے اور ان ترمیموں پر غور کر لیں گے۔ فِی الحال جہاں تک اس بجٹ کا سوال ہے جس پر سب کمیٹی نے کافی غور کر لیا ہے میں اُسی کو پیش کرتا ہوں۔ جو ترمیمیں ہیں اُن کے متعلق میں نے ایک سب کمیٹی تجویز کر دی ہے جو بعد میں اُن پر غور کرے گی۔ اِس وقت اِن ترمیموں کے علاوہ اصل بجٹ کا سوال ہے جس پر سب کمیٹی بیت المال کافی غور وخوض کر چکی ہے۔ میں وہ بجٹ دوستوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ دوست مجھے رائے دیں کہ آیا اِس بجٹ کو منظور کر لیا جائے یا نہیں؟‘‘

تمام دوست تائید میں کھڑے ہوئے اور حضور نے سب کمیٹی کے پیش کردہ بجٹ کو منظور کرنے کا اعلان فرمایا۔ اِس کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’بجٹ میں جو جدید اخراجات ہیں اُن میں سے کچھ تو سب کمیٹی منظور کر چکی ہے اور کچھ اخراجات اُن کے علاوہ بھی میری ہدایت کے مطابق بجٹ میں شامل کئے جا چکے ہیں۔ جیسے کالج کا خرچ ہے یا نائب ناظروں کا خرچ ہے یا دیہاتی مبلّغین کا خرچ ہے۔ میں سب کمیٹی کے اِس مجوزہ بجٹ کو دوستوں کی رائے کے مطابق منظور کرتا ہوں۔ ایک سب کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے جو اُن ترمیموں پر غور کرے گی جو اِس وقت دوستوں کی طرف سے پیش ہوئی ہیں۔ اگر اِن ترمیوں کو منظور کرنے کی وجہ سے بجٹ میں کوئی تغیر پیدا کرنا پڑا تو یہ جائز ہوگا اور اگر سب کمیٹی کسی اضافہ کو ردّ کرے گی تو اُس کو ردّ کر دیا جائے گا۔ بہر حال مَیں ہدایت کرتا ہوں کہ سوائے ترمیموں والے حصّہ کے باقی بجٹ کو صدر انجمن احمدیہ فوراً جاری کر دے تاکہ یکم مئی سے اِس پر عمل شروع ہو جائے۔ ترمیموں والا حصّہ ریزرو رہے گا اور

اس کے متعلق بعد میں فیصلہ ہوگا۔ اب آخر میں کچھ اور باتیں کہہ کر اس اجلاس کو برخواست کرتا ہوں۔

اختتامی تقریر

وقفِ جائیداد

سب سے پہلے میں دوستوں کو پھر دوبارہ وقف جائیداد کی تحریک کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس کی طرف میں اپنے دو گزشتہ خطبوں میں بھی توجہ دلا چکا ہوں۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں میری تحریک پر خدا تعالیٰ کے فضل سے قادیان کی بہت بڑی اکثریت نے اپنی جائیدادوں کو دین کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اِسی طرح بیرونجات میں سے بھی سینکڑوں کی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنی جائیدادوں اور آمدنیوں کو اِس غرض کے لئے وقف کیا ہے لیکن لاکھوں کی جماعت میں سے سینکڑوں کا وقف قربانی کا وہ شاندار مظاہرہ نہیں جس کی جماعت سے توقع کی جاتی تھی۔ ابھی علاقوں کے علاقے، گاؤں کے گاؤں، تحصیلوں کی تحصیلیں اور ضلعوں کے ضلعے ایسے ہیں جن میں رہنے والے ہزاروں احمدیوں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی جائیداد کو وقف نہیں کیا۔ یا بڑے بڑے وسیع علاقوں میں سے صرف ایک دو نے تحریک وقف میں حصّہ لیا ہے، باقی لوگوں نے ابھی تک کوئی حصہ نہیں لیا۔ اِس وقت تمام جماعتوں کے نمائندے یہاں موجود ہیں اِس لئے مَیں ایک بار پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارا وعدہ جس کو ہم بار بار اپنی زبان سے دُہراتے رہتے ہیں یہ ہے کہ ہماری ہر چیز خدا تعالیٰ کے لئے قربان ہے، ہمیں اپنی جانوں کی پرواہ نہیں، ہمیں اپنے مالوں کی پرواہ نہیں، ہم مٹ جائیں گے مگر یہ برداشت نہیں کریں گے کہ دین کو کوئی ضُعف پہنچے، یہ وعدہ ہے جو ہم منہ سے بارہا دہراتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اسی وعدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ [2] اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانیں بھی لے لیں اور اُن کے مال بھی لے لئے اِس بات کے بدلہ میں کہ انہیں جنت عطا کی جائے گی۔ جب ہماری جانیں اور ہمارے اموال خدا نے ہم سے لے لئے اور ہم نے اِس معاہدہ کو قبول کر لیا تو اس کے بعد ہمارا یہ کہنا کہ ہم جان کیوں

قربان کریں یا مال کا قلیل حصّہ تو قربان کر سکتے ہیں مگر کثیر نہیں قطعی طور پر قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہم سے اگر جانیں لی گئیں، ہم سے اگر مال لئے گئے تو اِس لئے کہ ہمیں جنت ملے گی اور جنت وہ چیز ہے جس کا ہم میں سے ہر شخص خواہش مند ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا ہو جو کھڑا ہو کر کہے کہ مَیں یہ خواہش نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمائے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ نہ میں نے جنت کا کبھی مطالبہ کیا نہ مجھے جنت ملنے کی کوئی امید ہے اس لئے میرے لئے جان اور مال کو قربان کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اِس وقت میں آپ لوگوں سے یہ سوال کروں کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جنت کی کوئی ضرورت نہیں بے شک مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں دوزخ میں ڈال دے تو میں سمجھتا ہوں آپ لوگوں میں سے ایک شخص بھی کھڑا نہ ہوگا بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ میں تو چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا کرے۔ اور جب آپ لوگ جنت کے طلب گار ہیں اور آپ لوگوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو یہ کہہ سکے کہ اُسے جنت کی ضرورت نہیں تو اِس کے یہ معنے ہوئے کہ آپ لوگوں نے اِس سَودے کو منظور کر لیا ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر آتا ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک سَودا ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اِس کو ردّ کر دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو اختیار کرنا انسان کی اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ خدا کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ ضرور ہدایت کا راستہ اختیار کرے اور خدا کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ ضرور گمراہی کا راستہ اختیار کرے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مجبور نہیں کرتا کہ لوگ ضرور اپنی جانیں اور اپنے مال قربان کریں۔ وہ جنت پیش کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم چاہو تو دنیا اپنے پاس رہنے دو اور ہمارے پاس آکر دوزخ کو قبول کر لو۔ اور اگر چاہو تو اپنی جانیں اور اپنے اموال مجھے دے دو اور میرے پاس آکر مجھ سے جنت لے لو۔ یہ سَودا ہے جو خدا اور اُس کے مومن بندوں کے درمیان ہوتا ہے۔ جو شخص اس سَودے کو قبول کر لیتا ہے اُس کے لئے یہ سوال قطعاً باقی نہیں رہ سکتا کہ اب جان اُس کی جان ہے یا مال اُس کا مال ہے۔ اگر اِس اقرار کے باوجود کسی شخص کے دل میں یہ خیال

موجود ہو کہ میری جان میری ہے، میرا مال میرا ہے تو یقیناً وہ ایک ایسی بات کا ارتکاب کرنے والا قرار پائے گا جسے کوئی مجنون ہی اپنے دل اور دماغ میں لا سکتا ہے۔

پھر میں کہتا ہوں احمدیوں کو بھی جانے دو، غیر احمدیوں، ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، یہودیوں اور پارسیوں وغیرہ میں سے کسی سے سوال کر کے پوچھو کہ آیا تم یہ پسند کرو گے کہ جنت میں داخل کیے جاؤ اور تمہارا ہر قدم ترقی کے میدان میں بڑھتا چلا جائے اور تم پر متواتر خدا تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں؟ یا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہیں کسی دن جنت میں داخل کر دیا جائے، کسی دن دوزخ میں جھونک دیا جائے، چند دن سایہ دار درختوں میں رکھا جائے اور چند دن کڑکتی دھوپ میں ویران اور سنسان جنگلوں میں پھینک دیا جائے؟ تو میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ اُن میں سے ہر شخص یہی کہے گا کہ میں تو جنت کی آرزو رکھتا ہوں اور اِسی لئے دنیا کی مشکلات مجھے بے حقیقت معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں باوجود اِس خواہش کے جو فطری طور پر انسان کے اندر پائی جاتی ہے پھر بھی اکثر لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک دن تو اُنہیں قربانیوں کا بے انتہا جوش ہوتا ہے مگر دوسرے دن ان کی طبیعت پر مُردنی چھائی ہوئی ہوتی ہے اور اُنہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ قربانیوں میں حصّہ لینا اپنے اموال کو ضائع کرنا ہے۔ گویا وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اِس کے مقابلہ میں اُن سے ایسا ہی سلوک کرے کہ کسی دن اُن کو جنت میں داخل کر دے اور کسی دن دوزخ کی گہرائیوں میں پھینک دے، ایک دن اُن کو سایہ دار درختوں اور ٹھنڈے اور شیریں پانیوں میں جگہ دی جائے اور دوسرے دن اُن کو جلتی ہوئی ریت پر لٹایا جائے۔

جنت دوزخ تو ایک تصویر ہے دنیا کے اعمال کی۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں کہ ایک وقت تو کہتے ہیں ہماری جان بھی قربان، ہمارا مال بھی قربان۔ نماز پڑھتے ہیں تو بڑی گریہ وزاری سے، چندہ دیتے ہیں تو ایک ایک پیسہ دینے پر ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری روح بلندیوں میں اُڑتی ہوئی آستانہ الوہیت پر سجدۂ شکرانہ بجا لا رہی ہے کہ اس نے اپنے فضل سے دین کی خدمت کی توفیق دی، مگر چند دنوں کے بعد جب کوئی چندہ مانگنے کے لئے آتا ہے تو ہم کہتے ہیں یہ کیسی مصیبت ہے کہ ہر وقت ہم سے چندہ مانگا جاتا ہے۔ اگر ہم چندے ہی دیتے رہیں تو اپنے اخراجات کا کیا انتظام کریں؟ اپنے بچوں اور اپنے عیال کا کس طرح

گزارہ کریں؟ اگر ہم اسی طرح اپنے رنگ بدلتے چلے جاتے ہیں، ایک دن سُست ہوتے ہیں دوسرے دن ہوشیار ہوتے ہیں۔ تیسرے دن پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ چوتھے دن طاقت سے بڑھ کر چندہ دے دیتے ہیں۔ پانچویں دن چندہ مانگنے والوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں۔ یا اگر اتنا نمایاں تغیر ہمارے اندر نہیں ہوتا تو کم سے کم یہ نظارہ ضرور نظر آتا ہے کہ ایک وقت چندے کی طرف دلی رغبت پائی جاتی ہے اور دوسرے وقت چندے کی طرف کوئی رغبت محسوس نہیں ہوتی۔ ایک دن نماز پڑھتے ہیں تو خوب گریہ وزاری سے کام لیتے ہیں مگر دوسرے دن نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو خیالات پراگندہ ہوتے ہیں۔ نہ نماز کے الفاظ کی طرف توجہ ہوتی ہے نہ اُس کی روح کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ ایک دن ہمارے اندر قربانیوں پر بشاشت پیدا ہوتی ہے تو دوسرے دن اِنقباض اور بوجھ سا محسوس ہوتا ہے۔ اگر ہم اِسی طرح اپنی زندگی بسر کر دیتے ہیں اور ساٹھ یا ستر سال کی زندگی ایک لیول پر بسر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو ہم کس طرح یہ امید کر سکتے ہیں کہ خدا ہمیں ابدی حیات میں اپنی دائمی رضاء اور دائمی جنت کا وارث بنائے۔ اگر ہم اپنی زندگی کے چالیس یا پچاس سالوں میں جو کام کے سال ہوتے ہیں اپنی ایک حالت نہیں رکھتے، کبھی خدا کے دین سے محبت کرتے ہیں تو کبھی اُس سے اپنا منہ پھیر لیتے ہیں۔ کبھی اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی خیال کرنے لگتے ہیں کہ جان کون قربان کرے جان قربان کرنا تو بڑی مشکل بات ہے۔ کبھی ہمارے اعمال میں نیکیوں کا زور ہوتا ہے اور کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ نیکی ہمارے قریب بھی نہیں پھٹکی، کبھی ہم خدا کو یاد کرتے ہیں اور کبھی اُس کو بُھول جاتے ہیں۔ اگر ہم اپنی ساٹھ یا سترّ یا اسّی سالہ زندگی میں خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے متواتر اپنا قدم آگے بڑھانے کے لئے تیار نہیں تو ہم کس طرح یہ امید کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے وہ سلوک کرے جس میں متواتر انعامات اور متواتر برکات کا نزول ہو۔ اگر ہم صحیح رنگ میں کوشش نہیں کرتے، اگر ہم ہمیشہ ترقی کی طرف اپنا قدم نہیں بڑھاتے تو ہمیں اللہ تعالیٰ سے بھی یہ امید نہیں رکھنی چاہئے کہ جنت کے اعلیٰ ترین انعامات یکے بعد دیگرے ہمیں حاصل ہوتے چلے جائیں گے۔ جنت ہمارے اعمال کے مطابق تیار ہوگی۔ تم اگر اپنے اعمال میں کبھی سُست اور غافل ہو جاتے ہو اور کبھی ہوشیار تو تم اِس بات کو ظاہر کرتے ہو

کہ تمہارا منشاء یہی ہے کہ خدا بھی کبھی تم پر انعام نازل کرے اور کبھی نازل نہ کرے۔ کبھی جنت کے انعامات دے اور کبھی اُن انعامات سے محروم کر دے۔ پس یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ تم سے اللہ تعالیٰ کا ویسا ہی معاملہ ہوگا جیسا تم اُس سے معاملہ کرو گے۔

میں نے تم سے مطالبہ کیا کہ تم اپنی جائیدادیں خدا تعالیٰ کے دین کے لئے وقف کر دو۔ اس میں یہ کوئی شرط نہیں تھی کہ تم ابھی اپنی تمام جائیدادیں فروخت کر کے ہمیں دے دو، یہ بھی کوئی شرط نہیں تھی کہ اُس کا نصف یا اُس کا چوتھائی ہمیں دے دو، صرف اتنا مطالبہ تھا کہ تم دین کے لئے اپنی جائیدادوں کو اب وقف کر دو مگر یہ جائیدادیں تمہارے پاس ہی رہیں گی۔ جب سلسلہ کے لئے ایسی قربانیوں کا وقت آیا جن کا بوجھ بیت الْمال برداشت نہ کر سکا یا جو ضروریات ہنگامی چندوں سے بھی پوری نہ ہوئیں تو اُس وقت بحصہ رسدی ہر صاحبِ جائیداد سے مطالبہ ہوگا کہ وہ اس کے مطابق اپنی جائیداد دے یا اتنی رقم سلسلہ کو مہیا کرے۔ ظاہر ہے کہ اس میں سرِ دست کوئی بوجھ جماعت پر نہیں ڈالا گیا تھا اور جس قربانی کا اُن سے مطالبہ کیا گیا تھا وہ وہی تھی جس کا وہ خدا سے اقرار کر چکے تھے مگر ابھی ایک فیصدی جائیدادیں بھی ہماری جماعت نے وقف نہیں کیں اور بہت بڑی اکثریت ایسی رہتی ہے جس نے اس تحریک کی طرف توجہ نہیں کی۔ منہ سے تو ہر شخص کہتا ہے کہ میں نے اپنی جان اور اپنا مال قربان کر دیا مگر جب مال مانگا گیا تو ایک فیصدی لوگ بھی ایسے کھڑے نہ ہوئے جو اپنی جائیدادیں وقف کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اِس نمونہ کے بعد ہم اپنی ترقی کی کیا امید کر سکتے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہم میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہ آتا جس نے اپنی جائیداد یا اپنی آمد کو خدا تعالیٰ کے دین کے لئے وقف نہ کر دیا ہو۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ بہت سے لوگوں کی حالت بالکل ویسی ہی ثابت ہوئی جیسے مشہور ہے کہ ایک پٹھان رئیس سے کسی بنیئے کی دوستی ہوگئی۔ ایک دن اُسے بہت ہی جوش پیدا ہوا اور اُس نے خاں صاحب سے یہ کہنا چاہا کہ خاں صاحب ہمارا مال آپ کا مال اور آپ کا مال ہمارا مال، ہم اب دو نہیں رہے بلکہ ایک ہی ہوگئے ہیں لیکن جب اُس نے اپنی زبان سے یہ بات کہنی چاہی تو اُس کے مُنہ سے صرف یہ نکلا۔ خاں صاحب! تمہارا مال سو ہمارا مال اور ہمارا مال سو ہَیں ہَیں ہَیں۔ گویا اپنا مال دوسرے کو دینا تو الگ رہا وہ اپنے منہ سے یہ بھی نہ کہہ سکا

کہ ہمارا مال تمہارا مال۔ بلکہ ہمارا مال کہنے کے ساتھ ہی ہَیں ہَیں ہَیں ہَیں اُس کی زبان سے نکل گیا۔ اِسی قسم کا نمونہ ہماری جماعت کے بہت سے لوگوں نے دکھایا کہ تمہارا مال ہمارا مال اور ہمارا مال ہَیں ہَیں ہَیں ہَیں۔ جب اپنے مال کا سوال آیا تو وہ خاموش ہو گئے حالانکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا جو ہماری جماعت کا ہوا مگر اِس امتحان پر بہت سے لوگوں کے دل گھبرا گئے اور اُنہوں نے سمجھا کہ معلوم نہیں اب کیا ہو جائے گا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ساروں نے ایسا نمونہ دکھایا ہے۔ بہت سے مخلص ایسے بھی ہیں جنہوں نے اِس آواز کے سُنتے ہی اپنی جائیدادیں وقف کر دیں بلکہ بعض عورتیں میرے پاس آئیں اور انہوں نے اصرار کیا کہ ہم سے زیوارت لے لئے جائیں۔ میں نے کہا ابھی ہم ایک پیسہ لینے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ اِس وقت صرف اس بات کا مطالبہ ہے کہ اپنی جائیدادوں کو وقف کرنے کا اقرار کیا جائے۔ یہ مطالبہ نہیں کہ اپنی جائیدادیں فروخت کر کے دے دی جائیں۔ بعض عورتوں نے یہ بھی کہا کہ ممکن ہے کسی اور ضرورت پر ہم سے یہ زیور فروخت ہو جائے اِس لئے ابھی ہم سے لے لیا جائے مگر میں نے کہا اب ہم کسی سے کوئی روپیہ نہیں لے رہے۔ ایک اَور عورت کا ذکر ہے وہ آئی اور اُس نے کہا میرا زیور لے لیا جائے مگر جب اُسے یہ جواب دیا گیا تو وہ میری ایک بیوی سے کہنے لگیں آپ میرا زیور اپنے پاس امانتاً رکھیں اور جب مطالبہ ہو اُس وقت دے دیں میں اپنے پاس نہیں رکھتی ممکن ہے کسی اور ضرورت پر خرچ ہو جائے۔ تو کئی مردوں اور عورتوں نے اپنے اخلاص کا نہایت ہی اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایسے لوگوں کی تعداد سینکڑوں سے کم نہیں ہے مگر ہزاروں لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ابھی تک اپنی جائیدادوں کو پیش نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں اب وقت آ گیا ہے کہ جماعت اپنی ہر چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور اس وسوسہ کو اپنے دل سے نکال دے کہ اگر میں نے اِس میں حصہ لیا تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔ دنیا میں بہت سی قربانیوں میں حصّہ لینے سے انسان اس لئے محروم رہتا ہے کہ وہ ڈرتا ہے اگر مَیں نے حصّہ لیا تو معلوم نہیں کیا ہو جائے گا۔ لیکن اگر انسان اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لے کہ کچھ بھی ہو مَیں اپنا مال سب کا سب قربان کر دوں گا تو پھر قربانی خواہ کسی شکل میں اُس کے سامنے آئے، امتحان خواہ کوئی رنگ بدل کر آئے، اُس کا

جواب ہر صورت اور ہر حالت میں ایک ہی ہوتا ہے کہ میرا مال حاضر ہے، اسے لے لیا جائے۔

وقفِ آمد

پس ایک تو میں جماعت کو وقفِ جائیداد اور وقفِ آمد کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور تحریک کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کے دوست اپنے دلوں میں یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ سَو فیصدی قربانی کرنے کے لئے تیار رہیں گے اور ہر قدم پر اپنے اخلاص کا پہلے سے زیادہ شاندار مظاہرہ کریں گے مگر میری اِن باتوں سے تم یہ مت سمجھو کہ میں صرف نام کے طور پر تمہاری جائیدادوں کا وقف چاہتا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ شاید کل ہی وہ دن آ جائے جب خدا کی آواز میرے ذریعہ سے یہ بلند ہو کہ آؤ اور اپنی ساری جائیدادیں دین کے لئے قربان کر دو۔ اگر خدا نے میرے دل میں یہی ڈالا کہ جماعت سے ساری جائیدادوں کا مطالبہ کیا جائے تو اُس وقت مَیں یقیناً ساری جائیدادوں کا مطالبہ کروں گا اور ہر وہ شخص جو اِس مطالبہ پر اپنی جائیدادوں کو قربان نہیں کرے گا وہ منافق ہوگا۔ بالکل ممکن ہے کہ کل ہی اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دے جن میں مجھے یہ اعلان کرنا پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عرصہ تک اِس بارہ میں کوئی بھی اعلان نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل میں تم سے صرف ایک فیصدی حصّہ جائیداد کا مطالبہ کروں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایک الٰہی تدبیر ہو۔ آج وہ میری زبان سے یہ کہلوا رہا ہو اور کل وہ یہ کہلوانا چاہتا ہو کہ اپنی جائیدادیں سب کی سب دین کے لئے قربان کر دو۔ یہ تمہارا اختیار ہے کہ تم اِسے جو چاہو سمجھو۔ چاہو تو اِسے خدا کی ایک تدبیر سمجھ لو اور چاہو تو یہ سمجھ لو کہ ابھی تم سے کوئی مطالبہ جائیداد کے بارہ میں نہیں ہوگا۔ بہر حال میں یہ جانتا ہوں کہ میں اِس وقت صرف اپنے موجودہ خیالات کو ظاہر کر رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ اگر کل خدا تعالیٰ کی طرف سے میری زبان پر یہ جاری ہوُا کہ جماعت سے ساری جائیدادیں لے لو تو میں یقیناً ساری جائیدادوں کا مطالبہ کروں گا اور یقیناً جو شخص پیچھے رہے گا وہ اپنے ایمان کا ثبوت دینے والا نہیں ہوگا۔

پھر مَیں دوستوں کو اس بات کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں کہ اُنہیں صرف جائیدادوں کے وقف میں ہی حصّہ نہیں لینا چاہیئے بلکہ اپنی آمدنیوں کو بھی اِس غرض کے لئے وقف کرنا چاہیئے۔ جو لوگ چاہیں وہ اپنی جائیداد اور اپنی آمد دونوں وقف کر سکتے ہیں اور جو لوگ چاہیں

وہ اِن میں سے کسی ایک کو بھی وقف کر سکتے ہیں لیکن وہ جن کے پاس جائیدادیں نہیں ہیں اُنہیں بہرحال اپنی آمدنیوں کو وقف کر کے اس تحریک میں شامل ہونا چاہئے۔

چندہ برائے کالج اِس کے بعد میں کالج کے چندہ کی طرف جماعت کو توجہ دلاتا ہوں۔ سیکرٹریانِ جماعت کو چاہئے کہ وہ لوگوں سے چندہ وصول کر کے قادیان میں بھجوائیں۔ ہم نے قرض لے کر اِس کام کو شروع کر دیا ہے لیکن چونکہ قرض کو جلد ادا کرنا ضروری ہے اِس لئے میں نے جماعت سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ چندہ کا مطالبہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں موجودہ زمانہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ مہیا کرنا ہماری جماعت کے لئے کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر ڈیڑھ سَو ایسے دوست کھڑے ہو جائیں جو ایک ایک ہزار روپیہ اس چندہ میں دے دیں تو یہ رقم فوراً پوری ہو سکتی ہے بلکہ اَور لوگوں کے چندوں کو ملا کر یہ رقم اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ ہمارے گھر کا چندہ ہی اِس وقت تک ۱۵ ہزار سے اوپر ہو چکا ہے، اور ممکن ہے یہ سترہ اٹھارہ بلکہ بیس ہزار روپیہ تک پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کو جو وسعت حاصل ہے اِس کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ ہزار ہزار دو دو ہزار چندہ دینے والے کافی تعداد میں میسر آسکتے ہیں۔ اگر صحیح طور پر کوشش کی جائے تو پانچ چھ سَو ایسے افراد مہیا ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر اتنی بڑی تعداد مہیا نہ ہو تو بھی سَو دو سَو آسانی سے ایسے دوست مل سکتے ہیں جو اس بوجھ کو اٹھا لیں لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ اِس چندہ میں وہی حصّہ لے جو امیر ہو بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص اس چندہ میں حصّہ لے۔ خواہ وہ ایک آنہ دے کر حصّہ لے اور خواہ ایک پیسہ دے کر حصّہ لے۔ بہرحال ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے جس کا اِس علم کی بنیاد رکھنے میں حصّہ نہ ہو۔ اگر کوئی ایک پیسہ دینے کی توفیق رکھتا ہے تو وہ ایک پیسہ دے۔ اگر کوئی مُٹھی بھر دانے دینے کی توفیق رکھتا ہے تو وہ مُٹھی بھر دانے دے دے اور اگر کوئی روٹی دینا چاہتا ہے تو روٹی دے دے۔ ایک روٹی بھی ایک آنے کو بِک سکتی ہے اور اس طرح وہ ثواب میں شریک ہو سکتا ہے۔ پس ہر گھر سے یہ چندہ وصول کرو اور ہر شخص کو اِس میں شریک کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کسی گھر سے تمہیں ایک پیسہ ملتا ہے تو تم ایک پیسہ لے لو۔ اگر روٹی ملتی ہے تو تم روٹی لے لو۔ اگر دھیلا یا دمڑی ملتا ہے تو دھیلا یا دمڑی لے لو۔ اگر اِس طرح کوشش کی جائے

تو صرف وہی لوگ اِس میں حصّہ لینے سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دینی کاموں کی کوئی اہمیت نہیں ہو گی باقی تمام افراد اس میں شریک ہو جائیں گے۔ جس طرح صدقۃ الفطر میں ہر مرد اور ہر عورت اور ہر بچہ حصّہ لیتا ہے اِسی طرح جماعت کے افراد کو چاہئے کہ وہ اِس تحریک کو اِس قدر عام کریں اور اِس قدر منظّم طور پر افرادِ جماعت تک پہنچائیں کہ کوئی ایک شخص بھی اس ثواب میں حصّہ لینے سے محروم نہ رہے۔ اگر کسی سے صرف ایک آنہ ملتا ہے تو ایک آنہ لے لو۔ اگر کوئی دھیلا دیتا ہے تو اُس دھیلے کو خوشی سے قبول کر لو۔ اس طرح ہر مرد اور ہر عورت سے چندہ وصول کر کے جلد سے جلد مرکز میں بھجوانے کی کوشش کرو۔ اور جن لوگوں کے پاس روپیہ موجود نہ ہو اُن سے وعدے لے کر بھجوا دو اور پھر کوشش کرو کہ چار یا پانچ ماہ میں اُن کے وعدے پورے ہو جائیں۔ مگر اِس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اگر کوئی شخص زیادہ دینا چاہے تو اُس سے زیادہ نہ لو۔ اگر کسی شخص کو خدا تعالیٰ نے زیادہ حصّہ لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق اِس تحریک میں حصّہ لے اور تھوڑے ثواب پر قناعت کرنے کی کوشش نہ کرے۔

کالج میں تعلیم کیلئے لڑکے بھجوائیں

اس کے ساتھ ہی میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جہاں تک ہو سکے کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر سے زیادہ سے زیادہ لڑکوں کو بھجوانے کی کوشش کریں۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے کم سے کم پانچ چھ سَو لڑکے پنجاب کے مختلف کالجوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اگر ان لڑکوں کا اکثر حصّہ ہمارے کالج میں داخل ہو جائے تو اگلے سال یا اگلے سے اگلے سال ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِس بات میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ بی اے کی کلاسز کھول دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت بڑا زہریلا اثر ہے جو بیرونی کالجوں کے ذریعہ نوجوانوں کے قلوب میں پیدا کیا جا رہا ہے۔ اگر ہماری جماعت کے دوست اس زہر کی اہمیت کا احساس کریں تو میں سمجھتا ہوں اُن کی کوششیں موجودہ حالت سے بہت بڑھ جائیں اور وہ پورے زور سے اس کالج میں اپنے لڑکوں کو بھجوانے کی کوشش کریں۔

ہزاروں قسم کے اعتراضات ہیں جو اسلام کے خلاف کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی

بنیاد سائنس پر بتائی جاتی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی سائنس پر اُن کی بنیاد نہیں ہوتی بلکہ تھیوریوں اور نظریوں پر ان اعتراضات کی بنیاد ہوتی ہے لیکن بتایا یہ جاتا ہے کہ مشاہدہ اسلامی تعلیم کو باطل ثابت کر رہا ہے۔ یہ ایک ایسا حربہ ہے جس کا نوجوانوں کے قلوب پر گہرا اثر ہوتا ہے اور وہ یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ اسلام سائنس کے خلاف تعلیم دیتا ہے۔ یہ ایک زہر ہے جو اندر ہی اندر قلوب میں پھیلایا جا رہا ہے۔ ایک آگ ہے جو اسلام کے خلاف بھڑکائی جا رہی ہے اور ہر شخص جو اسلام کے دشمنوں کی صف میں کھڑا ہے وہ اپنے اپنے علم کو لے کر اسلام پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ کوئی اقتصادی اصول کے ماتحت اسلام پر حملہ کر رہا ہے، کوئی فلسفی اصول کے ماتحت اسلام پر حملہ کر رہا ہے، کوئی منطقی اصول کے ماتحت اسلام پر حملہ کر رہا ہے، کوئی علم النفس کے ماتحت اسلام پر حملہ کر رہا ہے، کوئی کیمسٹری کے اصول کے ماتحت اسلام پر حملہ کر رہا ہے حالانکہ کئی نقطہ ہائے نگاہ سے غور کرنا ضروری ہوتا ہے مگر وہ اُن مختلف نقطہ ہائے نگاہ کی بجائے صرف ایک دو نظریوں پر اکتفا کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ باقاعدہ تحقیق اور علمی معلومات کے نتیجہ کے طور پر اُنہوں نے ایک بات پیش کی ہے۔ گویا وہ ایک تھیوری کو حقیقت کی شکل دے دیتے ہیں اور سائنس کا نام لے کر قلوب کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ایک چیز کے متعلق دو یا تین یا چار نظریے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ایک ہی نظریہ ہو اور نظریہ بھی ایسا جو ناقابلِ انکار ہو۔ وہ لوگ چونکہ اسلام کے خلاف ہمیشہ اپنی کوششوں کو جاری رکھتے ہیں اس لئے کوئی نہ کوئی تھیوری ایسی پیدا کر لیتے ہیں جس سے بادی النظر میں اسلام پر زد واقع ہوتی ہے لیکن ہمارے پروفیسر کبھی اِس بات کی جدوجہد نہیں کرتے کہ اُن امور پر اس نقطہ نگاہ سے غور کریں کہ وہ کہاں تک اسلامی تعلیم کے مطابق ہیں۔ اگر وہ کوشش کریں تو اِنہیں اسلام کی تائید میں اسی قسم کے بیسیوں نظریے مل سکتے ہیں بلکہ اِس سے بڑھ کر وہ حقیقی سائنس سے اسلامی اصول کی برتری اور اُن کی صداقت اور ان کی باریک در باریک حکمت کو بھی پیش کر سکتے ہیں۔

کالج کے اجراء کا مقصد

میرا مقصد اس کالج کے اجراء سے یہی ہے کہ ہمارے پروفیسر تازہ علوم پر اسلامی تعلیم کی روشنی میں غور کریں اور ایسی تحقیقات کریں جو سائنس کے علوم کے ماتحت اسلامی تعلیم کی برتری ثابت کرنے والی ہو۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ مشاہدات کو کس طرح بدلا جا سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ جن امور کو مشاہدہ قرار دیا جاتا ہے بِالعموم وہ مشاہدہ نہیں ہوتا بلکہ نظریہ ہوتا ہے۔ اگر سَو واقعات وہ پیش کریں گے تو اُن میں سے نوّے نظریے ہوں گے اور دس واقعات ہوں گئے اور جبکہ نوّے فیصدی حملے محض نظریوں کی بناء پر ہوتے ہیں۔ تو جن دلائل سے وہ ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں اگر اُن کے خلاف بعض اَور دلائل مہیا کر دیئے جائیں تو لازماً دوسرا نتیجہ پیدا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تھیوریاں ہمیشہ بدلتی چلی جاتی ہیں۔ آج سے دس سال پہلے اَور نظریے تھے اور آج اَور نظریے ہیں لیکن یہ نظریے خواہ کس قدر غلط اور بے بنیاد ہوں جب اِن کو بار بار پیش کیا جاتا ہے تو نوجوان ڈر جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ غالباً یہ نظریہ نہیں بلکہ ایک ثابت شُدہ حقیقت ہے۔ اگر ہمارے آدمی بھی اسلامی مسائل کی روشنی میں غور کرتے اور وہ اسلام کی تائید میں مختلف نظریات پیش کرتے تو لوگوں کو دو آوازیں اُٹھتی سُنائی دیتیں۔ اور وہ کہتے بعض پروفیسروں کا یہ نظریہ ہے جو اسلام کے خلاف ہے اور بعض پروفیسروں کا وہ نظریہ ہے جو اسلام کی تائید میں ہے، تب نوجوانوں کو ایک راستہ نظر آ جاتا اور وہ سمجھتے کہ ڈر کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم اسلام کے خلاف لوگوں کی پیدا کردہ مشکلات کا حل سوچ سکتے ہیں۔ ہم اسلام کو سچا ثابت کر سکتے ہیں کیونکہ اسلام کے خلاف محض ایک نظریہ پیش کیا جا رہا ہے جسے ایک دوسرا نظریہ ردّ بھی کر رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف دنیا کے اعتقادات سَو فیصدی اُن بنیادوں پر قائم ہیں جو کسی مشاہدہ کا نتیجہ نہیں بلکہ نظریوں کا نتیجہ ہیں۔ مگر چونکہ تمام کالجوں میں سے ایک ہی قسم کی آوازیں اُٹھتی ہیں۔ دیال سنگھ کالج کے پروفیسر بھی یہی کہتے ہیں، میڈیکل کالج کے پروفیسر بھی یہی کہتے ہیں، گورنمنٹ کالج کے پروفیسر بھی یہی کہتے ہیں اِس لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ جب سارے پروفیسر فلاں بات کی تائید کر رہے ہیں تو وہ محض نظریہ نہیں ہو سکتا بلکہ ثابت شُدہ واقعہ ہو گا۔ یہ چیز تبھی دُور ہو سکتی ہے جب ہمارا اپنا کالج ہو اور ہمارے پروفیسر اِن علوم پر اِس رنگ میں غور کریں کہ یہ کہاں تک اسلام کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اُنہوں نے ان علوم کا استعمال اسلام کے خلاف کیا لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اِن علوم کو اسلام کی تائید اور اس کی صداقت میں پیش کریں۔ اور چونکہ ہمارے پاس سچائی ہے

ہمیں یہ کامل یقین ہے کہ جب ہمارے پروفیسر اس نقطہ نگاہ سے مغربی علوم پر غور کریں گے تو وہ اُن مشاہدات کو پیش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو اسلام کا حُسن دنیا پر ظاہر کرنے والے ہوں گے اور دیگر نظریوں کو شکست دے کر اُن کو اس میدان سے ہمیشہ کے لئے نکال دیں گے۔

اِس کے بعد میں صدر انجمن احمدیہ کے ریزرو فنڈ کی طرف جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے اس کی فراہمی میں اُسے حصّہ لینا چاہئے۔ اِس وقت ریزرو فنڈ میں ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ ہم اپنے تبلیغی کاموں کو وسیع کر سکیں۔ اگر چار پانچ سال کے اندر اندر ہمارے پاس کافی رقم جمع ہو جائے تو یہ پچیس لاکھ ریزرو فنڈ کا ابتدائی قدم سمجھا جائے گا۔ ناظر صاحب بیتُ المال نے یقین دلایا ہے کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں گے کہ جلد سے جلد اس فنڈ میں معتدبہ رقم جمع ہو جائے۔ اگر وہ صحیح طور پر کوشش کریں تو میں سمجھتا ہوں اگلے سال تک ہی وہ چار پانچ لاکھ روپیہ ریزرو فنڈ میں جمع کر سکتے ہیں اور پھر بقیہ سالوں میں اِس کو بڑھا کر ۲۵ لاکھ روپیہ تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ بہرحال ضروری ہے کہ اِس فنڈ کی طرف جماعت کے تمام افراد توجہ کریں کیونکہ بغیر اس قسم کے فنڈ کے کالج کے اخراجات کا انتظام اور تبلیغی کاموں کی وسعت بہت مشکل ہے۔

وقفِ زندگی

وقفِ جائیداد اور وقفِ آمد کے علاوہ ایک تحریک وقف زندگی بھی ہے۔ ہمیں کالج کے لئے، مرکزی دفاتر کے لئے، تبلیغی ضروریات کے لئے اور سلسلہ کے بعض دوسرے کاموں کے لئے بہت سے ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ایم۔اے یا بی۔اے کے امتحان میں اچھے نمبروں پر کامیاب ہوئے ہوں۔ اِس وقت تک آٹھ درخواستیں آ چکی ہیں میں امید کرتا ہوں کہ جو لوگ سلسلہ کی خدمت کا شوق رکھتے ہیں وہ اپنے آپ کو جلد سے جلد وقف کریں گے تا کہ میرے مدنظر جو پروگرام ہے وہ آسانی سے پورا ہوتا چلا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقفِ زندگی ایک ایسا مطالبہ ہے جس پر لبیک کہنے کی ہر مخلص مومن کو کوشش کرنی چاہیے۔ وہ لوگ جنہوں نے میری زبان سے اس تحریک کو سُنا اور پھر وہ اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہے میں اُن سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے نفس کو ٹٹولیں اور اس امر پر غور کریں کہ خدا تعالیٰ کے دین کے لئے جس قدر قربانی کی ضرورت ہے کیا اُس قدر

قربانی اُن کی طرف سے ہو رہی ہے؟ اگر وہ اپنے فرض کو ادا نہیں کر رہے تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اگلے انعامات کا حصول تو الگ رہا انہوں نے ابھی تک اپنے گزشتہ گناہوں کا کفّارہ بھی ادا نہیں کیا۔ اگر وہ اس بات کی تمنا رکھتے ہیں کہ خدا اُن سے راضی ہو، وہ انہیں اپنی جنت کا وارث بنائے اور اپنے اعلیٰ انعامات سے ان کو حصّہ دے تو اُن کا اِس قربانی سے پیچھے قدم ہٹانا کوئی معنے ہی نہیں رکھتا۔ اُنہیں تو چاہئے کہ وہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آگے بڑھیں اور کہیں کہ ہماری جان بھی سلسلہ کے لئے حاضر ہے اور ہمارے اموال بھی سلسلہ کے لئے حاضر ہیں۔ بغیر اس نمونہ کے وہ اپنے دعویٰ بیعت میں سچے نہیں سمجھے جا سکتے۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ اس تحریک میں حصّہ لیں اور جو لوگ حصّہ لے چکے ہیں وہ دوسروں کو اس میں حصّہ لینے پر آمادہ کریں۔ ہم جن لوگوں کو اپنے کاموں کے لئے مفید سمجھیں گے لے لیں گے اور جن کی ضرورت نہیں ہوگی اُن کو اجازت دے دیں گے کہ وہ اپنے طور پر جو کام کرنا چاہیں کر لیں ہماری طرف سے اس میں کوئی روک نہیں ہوگی۔ سوائے اِس کے کہ سلسلہ کو کسی اور وقت اُن کی ضرورت پیش آجائے اُس وقت بے شک اُن کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے کاموں کو چھوڑ کر مرکز کے مطالبہ پر حاضر ہو جائیں لیکن جب تک سلسلہ اُن کو نہ بلائے وہ مختار ہوں گے کہ جو کام چاہیں کریں۔ اس سلسلہ میں وہ طلباء بھی درخواستیں بھجوا سکتے ہیں جنہوں نے انٹرنس پاس کیا ہو۔ مولوی فاضل نوجوانوں کی درخواستیں خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی تعداد میں آچکی ہیں۔ اِسی طرح اَور لوگوں نے بھی درخواستیں بھجوائی ہیں۔ میرے نزدیک وقف زندگی کے اعلان کے بعد اب تک ستّر اسّی درخواستیں آچکی ہیں۔ ان میں سے جس قدر آدمیوں کی ہمیں ضرورت ہوگی ہم اُن کو منتخب کر لیں گے اور جس جس مقصد کے لئے اُن کو لیا گیا ہوگا اُس مقصد کے مطابق اُن کو تعلیم دلائی جائے گی۔

اور جیسا کہ میں اپنے ایک گزشتہ خطبہ میں بیان کر چکا ہوں ہمیں اس وقت شدید ترین ضرورت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو زمیندارہ کام سے واقفیت رکھتے ہوں۔ ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جن کی معمولی تعلیم ہو اور وہ منشیوں وغیرہ کا کام کر سکیں۔ اور ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو اعلیٰ درجہ کی زمیندارہ تعلیم حاصل کئے ہوئے ہوں تاکہ اُن کو مینجر وغیرہ بنایا جا سکے۔ اگر پندرہ بیس ہمیں اعلیٰ درجہ کے مخلص نوجوان مل جائیں جو زمیندرہ کام

سے خوب واقفیت رکھتے ہوں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے تحریک جدید کی آمد کئی گُنا سالانہ بڑھ سکتی ہے اور اس آمد سے ۲۵ لاکھ روپیہ کا ریزروفنڈ بھی آسانی کے ساتھ قائم کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر ہم پانچ ہزار مبلّغ رکھیں تو ہمیں دو کروڑ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہوگی اور اگر ہم دوسَو مبلّغ رکھیں تو لٹریچر وغیرہ کے اخراجات شامل کر کے دس لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہوگی۔ مگر اتنا روپیہ ابھی ہمارے پاس نہیں لیکن بہر حال اگر آج نہیں تو آج سے چند سال بعد یہ بوجھ جماعت کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ اس کے بغیر ساری دنیا میں کبھی تبلیغِ اسلام نہیں ہوسکتی۔ اور جبکہ ہم نے ہی اس بوجھ کو اٹھانا ہے خواہ آج اٹھائیں یا آج سے چند سال بعد تو اس کی ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ ہم اپنی زمینوں کی آمد کو بڑھانے کی کوشش کریں مگر سندھ میں یہ حالت ہے کہ اگر دوسرا زمیندار ایک روپیہ کماتا ہے تو تحریک جدید کے ماتحت کام کرنے والا دو آنے کماتا ہے۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ سندھ میں ہمیں کام کرنے والے ابھی تک ایسے لوگ نہیں ملے جو اپنے فرض کو پوری محنت کے ساتھ سرانجام دینے والے ہوں۔ دوسرے زمیندار وقت پر ہل چلاتے ہیں، وقت پر پانی دیتے ہیں اور پھر فصل کی خوب نگرانی کرتے ہیں اور وقت پر کٹائی کرتے ہیں مگر سندھ میں ہماری جماعت کے بعض آدمیوں نے ایسا گندہ نمونہ دکھایا ہے جو نہایت ہی قابلِ افسوس ہے۔ وہ آپس کے لڑائی جھگڑوں میں ہی مصروف رہے اور سلسلہ کا ہزاروں روپیہ کا نقصان ہوگیا۔ پس ہمیں اِس وقت شدید ترین ضرورت ایسے لوگوں کی ہے جو سلسلہ کے لئے اپنی جانیں وقف کریں اور اس ایمان اور یقین کے ساتھ سلسلہ کی زمینوں پر کام کریں کہ وہ شخص جو سلسلہ کی خاطر ہل چلاتا ہے، وہ شخص جو سلسلہ کی خاطر بیج ڈالتا ہے، وہ شخص جو سلسلہ کی خاطر کھیت کو پانی دیتا ہے، وہ شخص جو سلسلہ کی خاطر فصل کی نگرانی کرتا ہے، وہ شخص جو سلسلہ کی خاطر فصل کی بروقت کٹائی کرتا ہے اور وہ شخص جو سلسلہ کی خاطر زیادہ سے زیادہ فصل پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے ہرگز اپنے درجہ کے لحاظ سے اُس مبلّغ سے کم نہیں ہے جو امریکہ یا انگلستان میں بیٹھا تبلیغِ اسلام کا فرض سرانجام دے رہا ہے کیونکہ اِس کی قربانی سے سلسلہ کی آمد میں اضافہ ہوگا۔ اور سلسلہ کی آمد میں اضافہ ہونے سے تبلیغ کو وسیع کیا جا سکے گا اور اس طرح جس قدر مبلّغ رکھیں جائیں گے اُن سب کے ثواب میں وہ حصّہ دار اور شریک ہوگا۔

یہ وہ یقین اور ایمان ہے جس کے ماتحت کام کرنے والے کامیاب ہو سکتے ہیں اور اِسی قسم کا ایمان رکھنے والے مخلص نوجوان ہمیں درکار ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زمیندارہ کام سے دلچسپی رکھنے والے نوجوان آگے بڑھیں اور اپنی زندگیاں سلسلہ کے مفاد کے لئے وقف کر دیں۔

امدادِ گندم

اِن تحریکات کے علاوہ ایک اَور تحریک میں ابھی کر دینا چاہتا ہوں جس کا تعلق جماعت کے غرباء کے ساتھ ہے۔ میں گزشتہ دو سال سے غرباء کے لئے غلّہ جمع کرنے کی تحریک کرتا چلا آ رہا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ اس سال بھی ویسے ہی ضرورت ہے جیسا کہ گزشتہ سالوں میں تھی۔ اگر جماعتیں اپنے اوپر یہ فرض قرار دے لیں کہ ہر دو مربع زمین والا ایک من غلّہ غرباء کے لئے دیا کرے گا تو میں سمجھتا ہوں یہ ایک ایسا ٹیکس ہے جس سے دو ہزار من غلّہ بڑی آسانی سے جمع ہو سکتا ہے۔ ہماری جماعت کی بہت بڑی تعداد زمینداروں پر مشتمل ہے اور میرا اندازہ یہ ہے کہ پنجاب اور سندھ میں ہماری جماعت کے پاس دو ہزار مربع زمین ہوگی۔ اِس دو ہزار مربع زمین کا اگر چوتھا حصّہ بھی گندم کے لئے مخصوص کر لیں تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ پنجاب اور سندھ میں ہماری جماعت کی طرف سے پانچ سَو مربع زمین گندم کاشت کی جاتی ہے۔ پانچ سَو مربع کے معنے ساڑھے بارہ ہزار ایکڑ کے ہیں۔ فی ایکڑ اگر بارہ من بھی ہم گندم کی پیداوار سمجھ لیں تو ایک لاکھ پچاس ہزار من گندم ہوگئی۔ یہ اتنی بڑی مقدار ہے کہ اگر جماعت کے دوست پچھتّر من پر بھی ایک من گندم دے دیں تب بھی دو ہزار من غلّہ قادیان کے غرباء کے لئے بڑی سہولت سے جمع ہو سکتا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ سب لوگ اِس تنظیم میں شامل نہیں ہو سکتے لیکن پھر بھی اگر دیانتداری اور محنت سے کام کیا جائے اور غرباء کی اعانت کا خیال رکھا جائے تو منٹگمری، شیخوپورہ، سرگودھا، لائل پور اور ملتان یہ پانچ اضلاع ہی آٹھ نو سَو من غلّہ بغیر کسی قسم کا بوجھ محسوس کرنے کے دے سکتے ہیں۔ اسی طرح سندھ کے احمدی اگر کوشش کریں تو وہ بھی اس تحریک میں نمایاں حصہ لے سکتے ہیں۔ سندھ میں ایک مشکل ہے جو پنجاب میں نہیں کہ وہاں بڑے بڑے زمیندار مل کر دوسروں سے کام کراتے ہیں اور اُن کی فصل کا ایک حصہ ہاریوں کو مل جاتا ہے لیکن پھر بھی اگر وہ زیادہ حصہ نہ لے سکیں تو چار سَو من غلّہ آسانی سے دے

سکتے ہیں۔ یہ بارہ سَو من غلّہ ہو گیا۔ پنجاب کے باقی زمیندار اور شہروں کے رہنے والے احمدی اگر اسی طرح کوشش کریں تو چھ سات سَو من غلّہ وہ بھی دے سکتے ہیں۔ اس طرح دو ہزار من غلّہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑی آسانی سے بغیر کوئی خاص بوجھ برداشت کرنے کے اکٹھا ہو سکتا ہے بلکہ تین سَو من کے قریب غلّہ تو قادیان سے بھی جمع ہو جاتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس دفعہ بھی جماعتیں اس تحریک میں نمایاں طور پر حصہ لینے کی کوشش کریں گی اور تعہّد سے غلّہ فراہم کر کے مرکز میں ارسال کریں گی تا کہ غرباء کی تکالیف کا انسداد ہو اور انہیں بروقت امداد دی جا سکے۔ میں امید کرتا ہوں کہ شہری اور دیہاتی جماعتیں بہت جلد اس طرف توجہ کریں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے کھانے کے ساتھ اپنے غریب بھائی کا خیال رکھنے کی توفیق بھی دے۔

ایک اور نصیحت بھی میں ابھی کر دینا چاہتا ہوں۔ شاید بعد میں اس کا موقع ملے یا نہ ملے کہ اس دفعہ فصلوں کی حالت سخت ناقص ہے اس لئے احمدی زمینداروں کو ساؤنی (خریف) کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے اور جوار اور مکئی اور باجرہ کی زیادہ سے زیادہ پیداوار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اِس دفعہ بارش ایسے موقع پر ہوئی ہے جب کہ فصل بالکل تیار کھڑی تھی اس لئے اس کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ہے اور ملک میں قحط کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے بھی اِس قسم کی تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے خطرہ ہے کہ پنجاب میں قحط پڑ جائے گا اور ڈر ہے کہ یہاں بھی ویسے ہی حالات پیدا نہ ہو جائیں جیسے بنگال میں پیدا ہوئے۔ ان حالات کے مقابلہ کے لئے ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ وہ ساؤنی کی فصل کی طرف خاص طور پر توجہ کریں تا کہ وہ اُن لوگوں کے لئے اپنی گندم کو فارغ کر سکیں جو مکئی یا باجرہ وغیرہ کھانے کے عادی نہیں ہوتے۔ یہ قربانی ہو گی جو ان کی طرف سے اپنے ہمسائیوں کے لئے سمجھی جائے گی۔ زمیندار چونکہ خود جوار، مکئی اور باجرہ کھانے کے عادی ہوتے ہیں اِس لئے اُنہیں چاہئے کہ وہ ساؤنی کی فصل کو زیادہ مضبوط بنائیں تا کہ وہ گندم شہروں میں رہنے والے دوستوں کے لئے مہیا کر سکیں اور قحط کی تکلیف سے ہمارے صوبہ کے لوگ محفوظ رہیں۔

بنگال میں قحط کی تکلیف سے دس لاکھ آدمی مرے ہیں اور یہ اندازہ بھی گورنمنٹ کا ہے

ورنہ پبلک کا اندازہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ ایسے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ بعض لوگوں کو جو کئی کئی دن کے بُھوکے تھے جب پینے کے لئے دودھ یا کھانے کے لئے چاول دیئے گئے تو دودھ کا ایک گھونٹ یا چاول کا ایک لُقمہ اُن کے معدہ میں جاتے ہی ایسی زہریلی کیفیت پیدا ہوگئی کہ وہ اُسی وقت مر گئے۔ میرا اپنا ایک بھتیجا کلکتہ میں ہے۔ اُنہوں نے ایک لڑکی کو جو کئی دن سے بُھوکی تھی دودھ دیا تو وہ اُس کے پیتے ہی مرگئی۔ ہندوؤں نے شور مچا دیا کہ اُسے زہر دی گئی ہے چنانچہ پولیس بھی آ گئی مگر چونکہ پولیس کے علم میں اِس قسم کے بیسیوں واقعات تھے اِس لئے اُس نے ہندوؤں کو ڈانٹا کہ اِس شخص نے تو احسان کیا تھا اور تم اُلٹا اِس کو ملزم قرار دیتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ بنگال میں اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہوئے ہیں کہ ایک شخص کو جو کئی دن سے بُھوکا تھا روٹی دی گئی تو لُقمہ کھاتے ہی وہ مرگیا اور روٹی اس کے معدہ میں جا کر اس طرح چُبھی جس طرح کسی کو خنجر مار دیا گیا ہو کیونکہ کئی کئی دن بُھوکا رہنے سے معدہ اتنا کمزور ہو جاتا ہے اور اِس قسم کی زہر اُس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے کہ دودھ یا روٹی کے ساتھ مل کر فوراً انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ یہ واقعات ہیں جو بنگال میں رونما ہو رہے ہیں مگر ہمارے پنجاب میں روٹی الگ ضائع کی جاتی ہے اور بچے الگ آٹے گھول گھول کر اس کے کھلونے وغیرہ بناتے رہتے ہیں۔ یہ کتنا ظلم ہے کہ ہمارے ہمسائے تو بُھوکے مر رہے ہیں اور لوگ اپنے بچوں کو کھلونوں کے لئے آٹا دے دیتے ہیں اور اِس طرح گندم کو ضائع کرتے ہیں۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ اگر خدانخواستہ قحط زیادہ ہو تو وہ کوشش کریں کہ اُن کی ساوُنی کی فصل اچھی ہو جائے۔ مکئی تو شہری لوگ کھا سکتے ہیں مگر باجرہ نہیں کھا سکتے مگر زمیندار اِن چیزوں کو آسانی سے کھا لیتے ہیں اس لئے وہ گندم دوسروں کو دے کر خود مکئی یا جوار یا باجرہ پر گزارہ کر سکتے ہیں اور یہ بات ان کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

ایک اَور بات جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ پیر اکبر علی صاحب مجھ سے اجازت لے کر مسٹر جناح سے ملے تھے اور اُن سے دریافت کیا تھا کہ کیا وہ کُھلے طور پر یہ اعلان کرنے کے لئے تیار ہیں کہ کسی شخص کو محض اِس لئے مسلم لیگ سے محروم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ احمدی ہے۔ چونکہ پہلی کمیٹی مسلم لیگ سے جماعت احمدیہ کو خارج قرار دے چکی تھی

اِس لئے ضروری تھا کہ اِس امر کی وضاحت کرائی جاتی۔ مسٹر جناح نے اُن سے کہا کہ صاف اعلان کرنا تو مشکل ہے کیونکہ اس طرح شورش پیدا ہو جائے گی مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ موجودہ کانسٹی ٹیوشن کے لحاظ سے مسلم لیگ میں شمولیت کے حق سے کسی شخص کو اس بناء پر محروم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ احمدی ہے۔ پس چونکہ مسٹر جناح نے کہہ دیا ہے کہ احمدی بھی مسلم لیگ میں شریک ہو سکتے ہیں، پہلی کمیٹی جو اِس کے خلاف فیصلہ کر چکی تھی اب اُس فیصلہ کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اِس لئے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ پیر اکبر علی صاحب کے ساتھ مسٹر جناح کی جو گفتگو ہوئی ہے وہ کسی انگریزی اخبار میں شائع کرا دی جائے اور پھر اُس پر نشان لگا کر وہ پرچہ مسٹر جناح کو اِس نوٹ کے ساتھ بھجوا دیا جائے کہ ہم آپ کو یہ اخبار بھیج رہے ہیں جس میں آپ کی وہ گفتگو درج ہے جو آپ نے مسلم لیگ میں احمدیوں کی شمولیت کے متعلق پیر اکبر علی صاحب سے کی، اگر یہ گفتگو غلط شائع ہوئی ہے تو آپ اِس کی تردید کر دیں اور اگر آپ نے تردید نہ کی تو ہم سمجھیں گے کہ جو کچھ اخبار میں آپ کے متعلق شائع کیا گیا ہے وہ درست ہے۔ اِس کے بعد اگر مسلم لیگ نے کوئی خلاف ورزی کی تو اُس کی ذمہ واری آپ پر ہوگی۔ ہم اُس وقت اس نوٹ کو پیش کر دیں گے کہ ہمارے ساتھ فلاں عہد کیا گیا تھا مگر مسلم لیگ نے اس کی خلاف ورزی کی۔ بہرحال مسٹر جناح نے اگر اس گفتگو کو تسلیم کر لیا تو ہمیں انفرادی طور پر مسلم لیگ میں شمولیت کے متعلق احمدیوں کو اجازت دینے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان اِس وقت ایسے نازک دَور میں سے گزر رہے ہیں کہ اگر آپس میں مل کر کام کرنے کی کوئی بھی صورت پیدا ہو تو ہمیں اُس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر وہ صرف اتنی ہی معذرت کرتے ہیں کہ پچھلی کمیٹی سے میرا کوئی واسطہ نہ تھا اب نئی کمیٹی بنی ہے جس نے پہلے قانون کو منسوخ کرتے ہوئے تسلیم کر لیا ہے کہ احمدی بھی مسلم لیگ میں شامل ہو سکتے ہیں تو ہمیں اُن کی اِتنی معذرت کو ہی قبول کر لینا چاہئے۔

اسلامی تعلیم اور اعلیٰ تربیت کے حصول کا کامیاب طریق

ایک اَور بات جس کی طرف میں دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جیسا کہ دوستوں کو اخبار کے ذریعہ معلوم

ہوتا رہتا ہے اب قریباً روزانہ مَیں باہر مجلس میں مغرب کی نماز کے بعد بیٹھتا ہوں اور دوست مجھ سے مختلف سوالات کرتے ہیں جن کے میں جوابات دیتا ہوں یا میرے ذہن میں کوئی بات آجائے تو میں خود ہی اُس کو بیان کر دیتا ہوں۔ گویا یہ ایک درس ہے جو جماعت کی علمی اور روحانی ترقی کے لئے روزانہ جاری رہتا ہے۔ اس درس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بیرونی جماعتوں کو بھی چاہئے کہ وہ ایک ایک شخص کو مختلف اوقات میں قادیان بھیجتے رہیں تا کہ وہ ہم سے مختلف باتیں سیکھ کر دوسروں تک پہنچائیں اور اس طرح فیوض کا ایک لمبا سلسلہ جاری رہے۔ میرے نزدیک مناسب صورت یہ ہے کہ بیرونی جماعتیں مختلف دوستوں کو مقرر کر دیں۔ جن میں سے کوئی یہاں جنوری میں آجائے، کوئی فروری میں آجائے، کوئی مارچ میں آجائے، کوئی اپریل میں آجائے، اس طرح یکے بعد دیگرے جماعتیں مختلف آدمیوں کو بھجواتی رہیں تا کہ ساری جماعت کی تربیت ہوتی رہے اور ساری جماعت اِن باتوں سے واقف رہے۔ بغیر اسلامی تعلیم سے کامل واقفیت پیدا کرنے کے کبھی کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ جو جماعتوں میں شور رہتا ہے کہ ہمارے پاس مبلّغ بھجوائے جائیں اِس کی اصل وجہ یہی ہے کہ جماعتیں اپنی علمی ترقی کے لئے کوشش نہیں کرتیں۔ ورنہ عام طور پر وہ مبلّغین سے بے نیاز ہو جائیں اور خود ہی تمام تبلیغی ضروریات کو سرانجام دینے لگ جائیں۔

اعلیٰ تربیت کے حصول کا طریق قرآن کریم نے یہی بیان کیا ہے کہ لوگ اپنے روحانی مرکز میں آئیں اور فیوض و برکات حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں اِرد گرد سے لوگ ہمیشہ آتے رہتے تھے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صُحبت میں رہ کر آپؐ سے خود بھی فائدہ اُٹھاتے اور دوسروں تک بھی وہ باتیں پہنچا دیتے۔ پس ہر بڑی جماعت کو چاہئے کہ وہ مختلف افراد کو قادیان میں بھجوانے کا انتظام کرے۔ کوئی مہینہ کے لئے آجائے، کسی کو پندرہ دن کی چُھٹی ملے تو وہ پندرہ دن کے لئے آجائے۔ اِس طرح یکے بعد دیگرے مختلف دوست مختلف اوقات میں آتے رہیں اور جماعت کے دلوں میں جو عام طور پر سوالات پیدا ہوتے ہیں اُن کو لکھ کر لے آئیں۔ خواہ وہ جماعت کے نظام اور اس کی ترقی کے متعلق ہوں یا مذہب اور روحانیت کے متعلق ہوں اور پھر وہ سوالات مجلس میں میرے سامنے پیش کر کے اُن کے جوابات سُنیں۔ اُن جوابات کو نوٹ کریں اور پھر واپس جا کر لوگوں کو بتائیں

کہ میں نے اُن کے سوالات کے کیا جوابات دیئے ہیں۔

حدیثوں سے پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں بعض لوگ آپؐ کے پاس آتے اور کہتے یا رسول اللہ! ہم آپ سے سوال کرنا چاہتے ہیں مگر وہ سوال ہم اپنی طرف سے نہیں کریں گے بلکہ اپنی قوم کی طرف سے کریں گے۔ چنانچہ وہ سوال کرتے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اُس کا جواب بیان فرماتے۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ مختلف جماعتوں کو اپنے اپنے حالات کے مطابق مختلف سوالات پیدا ہوتے ہوں جن کے جوابات معلوم کرنے کی اُن کے دلوں میں خواہش رہتی ہو۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ جب جماعتوں کی طرف سے نمائندے آئیں تو وہ ان سوالات کو لکھ کر لے آئیں۔ خواہ وہ جماعت کے نظام سے تعلق رکھتے ہوں یا روحانیت کی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا علم الاخلاق کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا غیر مذاہب کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا فلسفہ اور اقتصاد کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں اور پھر روزانہ ایک ایک دو دو کر کے وہ سوالات میرے سامنے پیش کرتے جائیں اور اُن کے جوابات نوٹ کرتے جائیں تا کہ واپس جا کر اپنی اپنی جماعتوں کو اُن جوابات سے آگاہ کرسکیں۔

یاد رکھو! انسان پورا فائدہ تبھی اٹھا سکتا ہے جب وہ علمی اور روحانی اور مذہبی باتوں کو نہ صرف خود سُنے بلکہ دوسروں تک اُن کو پہنچانے کی کوشش کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ خوبی اپنے اندر ایسے رنگ میں پیدا کی تھی کہ آج تک اِس کی مثال کسی اور قوم میں نظر نہیں آتی۔ اُن میں سے ہر شخص اپنے آپ کو روحانی خزانہ کی تقسیم کا ذمہ وار سمجھتا تھا۔ اور وہ اپنے فرائض میں سے اسے ایک اہم ترین فرض قرار دیتا تھا کہ جو کچھ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے اُسے دوسروں کے پاس بھی بیان کروں۔ پس اس غرض کے لئے جو دوست قادیان میں آئیں انہیں چاہیئے کہ وہ باتوں کو نوٹ کیا کریں اور جب اپنی اپنی جماعتوں میں واپس جائیں تو لوگوں کو بتائیں کہ ہم نے یہ سوال کیا تھا یا فلاں شخص نے خلیفۂ وقت سے یہ سوال کیا تھا اور اُنہوں نے اس کا یہ جواب دیا۔ اس طرح ہر شہر اور ہر گاؤں میں ان باتوں کو دُہرایا جائے اور اِس قدر تواتر اور تسلسل اور تکرار کے ساتھ بیان کیا جائے کہ ہماری جماعت کا کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ رہے جس کے کانوں تک یہ تمام باتیں نہ پہنچ جائیں۔

یہ طریق ہے جس سے کام لے کر جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتی ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں میں عام طور پر یہ نقص پایا جاتا ہے کہ وہ زبان کے چسکے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ باتیں سنتے ہیں، سن کر جھومتے ہیں، کبھی کبھی سُبْحَانَ اللّٰہ کے الفاظ بھی اُن کے منہ سے سنائی دیتے ہیں مگر جب مجلس سے اُٹھتے ہیں تو اُن کے دل اور دماغ پر کوئی ایک بات بھی نقش نہیں ہوتی اور اگر اُن سے کوئی بات پوچھی جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں تو یاد نہیں رہا کہ کیا کہا گیا تھا۔ وفاتِ مسیحؑ پر اُن کے سامنے بیسیوں دلائل دیتے چلے جاؤ۔ یوں معلوم ہوگا کہ ایک ایک لفظ اُن کے دلوں میں گڑتا چلا جاتا ہے مگر جب اُن سے کہا جائے کہ دو دلیلیں ہی سُنا دو تو کھسیانے ہو کر کہہ دیں گے کہ ہمیں تو یاد نہیں ہیں۔ حالانکہ کسی ایک دلیل یا کسی ایک بات کو یاد رکھنا زیادہ بہتر ہوتا ہے بہ نسبت اس بات کے کہ انسان ہزار باتیں سنے۔ کسی پر سُبْحَانَ اللّٰہ کہے، کسی پر سر مارنے لگ جائے اور جب اُٹھے تو ویسا ہی کورا ہو جیسے آتے وقت کورا تھا۔ مگر یہ نقص اُسی وقت دور ہوسکتا ہے جب لوگ یہاں بار بار آئیں، تمام باتوں کو نوٹ کریں اور پھر جماعتوں میں واپس جا کر درس کے طور پر اُن تمام لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ جس طرح قرآن کا درس ہوتا ہے یا حدیث کا درس ہوتا ہے اِسی طرح ضروری ہے کہ مجالس میں جو باتیں ہوتی ہیں اُن کا بھی جماعتوں میں باقاعدہ درس دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کا جو علم اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے، وہی موجودہ زمانہ کے مفاسد کا صحیح ترین علاج ہے، اگر ان باتوں کو چھوڑ کر کوئی شخص اسلام کی خدمت کرنا چاہے تو وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ بے شک قرآن وہی ہے جو پہلے تھا، حدیث وہی ہے جو پہلے تھی، مگر اس زمانہ کے لحاظ سے جو کچھ علوم خدا تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے ہیں صرف وہی علوم اِس زمانہ میں کام آسکتے ہیں، وہی اعتراضات کا ردّ کر سکتے ہیں اور انہی کے ذریعہ اسلام کا حُسن پھر دنیا پر اپنی پوری شان کے ساتھ ظاہر ہوسکتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ جماعتیں اِن باتوں کا درس دیں اور پھر اِس طرح بار بار ہر شخص کے سامنے دُہراتے رہیں جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم ہر شخص کے سامنے حدیثیں بیان کرتے تھے اور سنایا کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فلاں موقع پر

یوں کہا، فلاں موقع پر یوں کہا، یہاں تک کہ علاقوں کے علاقے ان باتوں سے واقف ہو جائیں اور انہیں مسائل سیکھنے کا اشتیاق ہر وقت بیدار اور ہوشیار رکھے۔ اگر گجرات کے لوگوں سے کوئی شخص پوچھے کہ زکوٰۃ کا فلاں مسئلہ کس طرح ہے؟ تو اُن کو معلوم ہو اور اگر معلوم نہ ہو تو وہ بتا سکیں کہ فلاں شخص جو جہلم کا رہنے والا ہے اُس نے ایک دفعہ ہمیں یہ مسئلہ خلیفۂ وقت سے سن کر بتایا تھا تم اُس کے پاس جاؤ اور اُس سے یہ مسئلہ دریافت کرو اور وہ اِس دُھن میں جہلم جائے اور اس سے مسئلہ دریافت کرے۔ یا جہلم میں کوئی شخص نماز کے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کرے تو جہلم کے لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کا کیا جواب ہے اور اگر ان کو خود جواب معلوم نہ ہو تو وہ کہہ سکیں کہ دہلی کا فلاں شخص ہمارے پاس آیا تھا اور اُس نے خلیفۂ وقت سے سن کر ہمیں یہ مسئلہ بتایا تھا، تم اُس کے پاس جاؤ اور دریافت کرو۔ اِس پر وہ دہلی جائے اور اُس مسئلہ کے متعلق اطمینان حاصل کرے۔ یہ طریق ہے جس پر عمل کر کے جماعت کے قلوب میں دینی مسائل کی اہمیت کا صحیح احساس پیدا ہو سکتا ہے اور یہی وہ طریق ہے جس کے بعد عمل کی قوت میں بھی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان صرف تقریریں اور لیکچر سنتا رہے تو احساسِ عمل اس کے اندر زیادہ زور سے پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر مسئلہ دریافت کرنے کے لئے کسی کو دہلی تک جانا پڑتا ہے یا جہلم یا گجرات کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے تو وہ اس مسئلے کو ساری عمر بھی بھول نہیں سکتا۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم باتیں تو بہت سنتے ہیں مگر عمل کا جوش ہمارے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ درحقیقت یہی ہے کہ اُن کے دلوں میں علم کی قدر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص نماز کے مسائل دریافت کرنے کے لئے دہلی جاتا ہے۔ وہاں سے اُسے پتہ لگتا ہے کہ بنارس میں کوئی شخص ان مسائل سے واقفیت رکھتا ہے اور وہ دہلی سے بنارس چلا جاتا ہے۔ یا اگر پشاور میں اُسے کسی عالم کا پتہ لگتا ہے تو وہ پشاور جانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو اس کے بعد وہ کبھی بھی اُن مسائل کو نہیں بُھول سکتا اور کبھی بھی عملی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ احساس کہ میں نے فلاں بات فلاں سے سُنی اور اس نے فلاں سے سُنی اور اُس نے مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سُنی یہ عمل کی قوت کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے اور مسائل کی اہمیت بھی واضح کر دیتا ہے۔ مثلاً نور الحق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

ایک کتاب ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے فلاں سے وہ کتاب پڑھی۔ اُس نے فلاں سے کتاب پڑھی تھی اور اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے یہ کتاب پڑھی تھی تو اِس کا اثر بالکل اَور ہوگا لیکن اگر کوئی شخص اپنے طور پر کتاب پڑھ لے تو اس کا اثر اَور ہوگا۔ پس یہ رنگ ہے جو ہماری جماعت کو اختیار کرنا چاہئے۔ جب یہ رنگ اختیار کرو گے تب صحیح علم پیدا ہوگا اور صحیح علم کے بعد صحیح معرفت پیدا ہوگی اور صحیح معرفت کے بعد صحیح عمل کی قوت پیدا ہوگی۔

سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے جہاں کالج کی تجویز کی ہے وہاں ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی مَیں نے قائم کی ہے جو سائنس کے مسائل کے متعلق اپنی تحقیق کا سلسلہ جاری کرے گی۔ چوہدری عبدالاحد صاحب ایم ایس سی جو لائل پور میں تھے اُنہوں نے اپنی زندگی وقف کی ہے اور میں نے اِس کام کی نگرانی اُن کے سپرد کی ہے۔ چار اَور نوجوان بھی سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ایک نے تو بی ایس سی کا امتحان دے دیا ہے اور اب وہ ایم ایس سی میں داخل ہوگا۔ باقی تین نے ابھی ایف ایس سی پاس کیا ہے اور وہ بی ایس سی کے پہلے سال میں داخل ہیں۔ یہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ جہاں ایک طرف علمی ترقی میں مُمِد ہوگی وہاں اِس کی یہ بھی کوشش ہوگی کہ اسلام پر جن علوم کے ذریعہ اعتراضات کئے جاتے ہیں اُن کو سائنس کی تحقیقات کی روشنی میں اسلام کے لئے مُمِد ثابت کیا جائے اور بتایا جائے کہ ان علوم کو اسلام کے خلاف پیش کرنا غلطی ہے یہ علوم تو خود اسلام کی صداقت ظاہر کرتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی اِس سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذریعہ ایسی ایجادات کی بھی کوشش کی جائے گی جو تجارتی طور پر سلسلہ کے اموال کی مضبوطی کا باعث ہوں اور عملی طور پر جماعت کا رُعب اور وقار قائم کرنے والی ہوں۔ اگر یہ انسٹی ٹیوٹ خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنے کام میں کامیاب ہوگئی تو مدراس، بمبئی، دہلی اور الٰہ آباد وغیرہ کے سائنس دان اور اعلیٰ علمی پایہ رکھنے والے لوگ جو اَب تک قادیان نہیں آئے شوق سے قادیان آئیں گے اور سمجھیں گے کہ یہ جماعت ایسا کام کر رہی ہے جو دنیا کی ترقی کے لئے بہت مفید ہے۔ اِسی طرح جب صنعت و حرفت کے میدان میں بعض ایجادات پیش کی گئیں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے مالی لحاظ سے بھی بہت کچھ ترقی کی امید ہے۔ انہوں نے ایک تجویز بتائی ہے جو میرے

ذہن میں ہے اگر ہم اُس میں کامیاب ہو گئے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ہندوستان کے علمی طبقہ پر ہماری جماعت کا بہت گہرا اور نمایاں اثر ہوگا۔ اور وہ اس بات پر مجبور ہوگا کہ ہماری جماعت کے حالات پر غور کرے اور بار بار قادیان آتا رہے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ تمام ہندوستان میں اِس لحاظ سے بے مثال ہوگی کہ اب تک مسلمان اِس پہلو سے بالکل غافل رہے ہیں اور کسی ایک جگہ بھی کوئی ایسا ادارہ قائم نہیں جو مسلمانوں کا ہو اور جس میں سائنس کی تحقیق اور اس کے تجربات کئے جاتے ہوں، نئی ایجادات ملک کے سامنے پیش کی جاتی ہوں یا اسلام پر سائنس کی طرف سے جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اُن کا سائنس کی روشنی میں ہی ردّ کیا جاتا ہو۔ بنگال میں ڈاکٹر بوس کی ایک انسٹیٹیوٹ ہے۔ اِسی طرح الٰہ آباد یا بنارس یونیورسٹی کی طرف سے بھی کام ہو رہا ہے۔ بنگلور میں میسور گورنمنٹ کی طرف سے ایک بڑی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ہے، دہلی میں مرکزی گورنمنٹ کی انسٹی ٹیوٹ ہے مگر یہ سب ادارے یا گورنمنٹ کی طرف سے جاری ہیں یا یونیورسٹیوں کی طرف سے ہندوؤں کی طرف سے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ادارہ قائم نہیں تھا جس کی وجہ سے ہمیشہ ہی میرے دل میں خلش رہتی تھی آخر اللہ تعالیٰ نے ایک احمدی کو جو سائنس کی اعلیٰ تعلیم رکھتے ہیں اِس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کریں۔ چنانچہ اب اس کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ بعض اور نوجوان بھی تیار کئے جا رہے ہیں جو دو تین سال تک انشاء اللہ تیار ہو جائیں گے۔ پہلے سال اس پر ۲۵، ۳۰ ہزار روپیہ خرچ آئے گا جو تحریک جدید سے ہی لے لیا گیا ہے مگر آئندہ چونکہ اِس کام کو وسیع کیا جائے گا اِس لئے دس بارہ ایکڑ زمین بھی لے لی جائے گی جس میں کارخانے قائم کئے جائیں گے۔ ممکن ہے اُس وقت تک ہمیں آمد بھی شروع ہو جائے اور چندہ کی ضرورت نہ رہے۔ یا اگر آمد نہ ہو تو چندہ مانگنا پڑے لیکن اس سال چندہ کی ضرورت نہیں ہے۔ عمارت اور مشینری وغیرہ کے لئے تحریک جدید سے ہی روپیہ لے لیا گیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ علمی اور سیاسی طبقہ پر بہت گہرا اثر پیدا کرے گی۔ اگر اس انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے بعض نئی ایجادات ہوئیں تو علمی طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ قادیان آنا جانا شروع کر دیں گے۔ گورنمنٹ کے بڑے بڑے عُہدہ دار بھی آنے جانے لگ جائیں گے اور مختلف کالجوں کے پروفیسر وغیرہ بھی

آتے رہیں گے۔ اِس طرح وہ ڈر جاتا رہے گا جو کہ آجکل بِالعموم لوگوں کے دلوں میں قادیان کے متعلق پایا جاتا ہے اور جس کی بناء پر وہ یہاں آنے سے گھبراتے ہیں۔

نمایاں کام کرنے والوں کے قائمقام پیدا کرنے کی ضرورت واہمیت

میں اِس وقت یہ بات بھی کہنی چاہتا ہوں کہ جماعت کے بعض لوگوں کے دلوں میں گھبراہٹ پائی جاتی ہے کہ میر محمد اسحاق صاحب فوت ہو گئے، فلاں فوت ہو گیا، اب کیا ہوگا، ایسا نہ ہو کہ جماعت کے کاموں کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ یہ خیال جو بعض لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے ایسا ہے جسے جلد سے جلد اپنے دلوں سے دور کر دینا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اِسی میں تھی کہ یہ وجود ہم سے جُدا ہو جائے۔

میں ابھی لاہور میں تھا کہ موجودہ انکشاف کے چند دن بعد ہی مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں قادیان میں اپنے گھر میں ہوں اور نیند سے اُٹھا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ فجر کا وقت ہے اور نماز پڑھنے میں کچھ دیر ہو گئی ہے۔ میں جلدی سے اُٹھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے سے پہلے ہی نماز پڑھ لوں کیونکہ دیر ہو رہی ہے مگر جب دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ ابھی اندھیرا ہے۔ اُس وقت میں نے کہا کہ پہلے حوائج سے فارغ ہو لوں پھر اطمینان سے نماز پڑھوں گا۔ اِسی حالت میں جب میں نے بیت الخلاء کی طرف جانے والا دروزاہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ ساتھ کے کمرے میں ایک کٹہرہ کے سامنے میر محمد اسحاق صاحب نہایت صاف سُتھرا لباس پہنے کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کہنے لگے حضور! دلیری کس کو کہتے ہیں؟ میں نے اُن سے کہا دلیری اِس بات کا نام ہے کہ خدا کے سِوا انسان کسی سے نہ ڈرے۔ مگر معاً میں نے کہا یہ تعریف مکمل نہیں اِس لئے کہ حدیثوں میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ آپؐ نے ایک شخص کی بُرائیاں بیان کرنی شروع کر دیں کہ وہ ایسا ہے، ایسا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ وہی شخص آ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے اُٹھے آپ نے اُسے احترام سے بٹھایا اور محبت سے اُس کے ساتھ باتیں کیں۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا آپؐ بھی ایسا کر لیتے ہیں کہ ایک طرف تو بعض لوگوں کے عیوب بیان کریں اور دوسری طرف جب وہ سامنے آ جائیں تو اُن کی خاطر تواضع کریں؟ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ! بعض لوگوں کے شر سے ڈر کر مَیں ایسا کیا کرتا ہوں[18] رؤیا میں مَیں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان الفاظ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں ڈرتا ہوں کوئی شر مجھے نہ پہنچ جائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر میں ایسے لوگوں سے خاطر مدارات کے ساتھ پیش نہ آؤں تو مَیں ڈرتا ہوں کہ وہ اَور زیادہ گمراہی میں نہ بڑھ جائیں اور اُن کی روحانیت کو مزید نقصان نہ پہنچ جائے۔

اِسی طرح مجھے ایک اَور مثال یاد آئی اور میں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا اے عائشہ! کعبہ جب بنایا گیا ہے اُس وقت تیری قوم کے پاس سامان کم ہو گیا تھا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ کعبہ کی چاردیواری جتنی وسیع ہونی چاہئے تھی اُتنی نہیں بلکہ اُس سے کچھ کم ہے۔ میں چاہتا تھا کہ کعبہ کو اِس کی اصل بنیادوں پر لے آؤں مگر میں ڈرتا ہوں کہ تیری قوم حدیثُ الْعہد بِالْاسلام ہے یعنی نئی نئی اسلام لائی ہے۔ اگر مَیں نے ایسا کیا تو اُس کے ایمان میں تزلزل واقع ہو جائے گا[19] یہاں بھی آپ نے ڈرنے کا لفظ استعمال فرمایا مگر اس جگہ بھی اس کے یہی معنے ہیں کہ میں ڈرتا ہوں تیری قوم کے ایمان کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ پس میں نے اُن سے کہا جو تعریف میں نے پہلے کی ہے وہ نامکمل ہے۔ اب میں اِس کی مکمل تعریف یہ کرتا ہوں کہ دلیری یہ ہے کہ انسان خدا کے سِوا کسی پر توکّل نہ کرے۔

اِسی طرح میر محمد اسحاق صاحب کی وفات سے پہلے جب مَیں قادیان آ کر دوبارہ لاہور گیا ہؤا تھا تو میں نے ایک رؤیا دیکھا جو اُسی دن مَیں نے لاہور کے بعض دوستوں کو سُنا دیا۔ وہ بدھ کا دن تھا دوسرے دن جمعرات کو ہم واپس آ گئے اور اُسی شام کو میر محمد اسحاق صاحب بیمار ہو کر دوسرے دن وفات پا گئے۔ اُس دن مَیں کھانا کھا کر لیٹا ہی تھا کہ نیم غنودگی کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ حضرت (اماں جان) کہہ رہی ہیں:-

"تالے کیوں نہ کھول لئے"

اور میں اُن کو جواب دیتے ہوئے کہتا ہوں :-

کس کی طاقت ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر تالے کھول سکے

حضرت (اماں جان) کا یہ فرمانا کہ ''تالے کیوں نہ کھول لئے۔'' بتاتا تھا کہ کوئی ایسا واقعہ ہوگا جس کا اُن کے ساتھ خاص طور پر تعلق ہوگا جس میں ہمیں ناکامی ہوگی۔ میں نے بھی یہی کہا کہ

''کس کی طاقت ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر تالے کھول سکے۔''

چنانچہ میرے لاہور سے واپس آتے ہی میر صاحب بیمار ہو گئے اور دعاؤں اور علاج کے باوجود کوئی فائدہ نہ ہؤا اور اُن کا انتقال ہو گیا۔

اس رؤیا کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بتایا تھا کہ خدا کی مشیّت اب ظاہر ہو کر رہے گی اور جب اُس کی طرف سے کوئی فیصلہ ہو جائے تو نہ دُنیوی تدابیر کام آتی ہیں اور نہ دینی تدابیر کوئی فائدہ پہنچاتی ہیں۔ بہرحال خدا تعالیٰ کی مشیّت پوری ہوئی اور میر صاحب وفات پا گئے۔ اُن کے انتقال سے جماعت کو اس لحاظ سے شدید صدمہ پہنچا ہے کہ وہ سلسلہ کے لئے ایک نہایت مفید وجود تھے مگر یاد رکھو مومن بہادر ہوتا ہے اور بہادر انسان کا یہ کام نہیں ہوتا کہ جب کوئی ابتلاء آئے تو وہ رونے لگ جائے یا اُس پر افسوس کرنے بیٹھ جائے۔ بہادر آدمی کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ فوراً اپنی غلطی کو درست کرنا شروع کر دیتا ہے اور نقصان کو پورا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جو رونے لگ جاتا ہے مگر اپنی غلطی کی اصلاح نہیں کرتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیاب ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ابتلاء کے بعد اپنے آپ کو ایسے رنگ میں تیار کرنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور باہمت ہو جاتا ہے۔ ہمارے لئے جو ابتلاء آئے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا تازیانہ ہیں کہ تم کیوں ایسی حالت میں بیٹھے ہوئے ہو کہ جب کوئی شخص چلا جاتا ہے تو تم کہتے ہو اب کیا ہوگا۔ تم کیوں اپنے آپ کو اس حالت میں تبدیل نہیں کر لیتے کہ جب کوئی شخص مشیّتِ ایزدی کے ماتحت فوت ہو جائے تو تمہیں ذرا بھی یہ فکر محسوس نہ ہو کہ اب سلسلہ کا کام کس طرح چلے گا بلکہ تم میں سینکڑوں لوگ اُس جیسا کام کرنے والے موجود ہوں۔ ایک غریب شخص جس کے پاس ایک ہی کوٹ ہو اگر اُس کا کوٹ ضائع ہو جائے تو اُسے سخت صدمہ ہوتا ہے لیکن ایک امیر شخص جس کے پاس پچاس کوٹ ہوں اُس کا اگر ایک کوٹ

ضائع بھی ہو جائے تو اُسے خاص صدمہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے میرے پاس ۴۹ کوٹ اور موجود ہیں۔ اِسی طرح ہماری جماعت اگر روحانی طور پر نہایت مال دار بن جائے تو اُسے کسی شخص کی موت پر کوئی گھبراہٹ لاحق نہیں ہوسکتی۔ تم اپنے آپ کو روحانی لحاظ سے مال دار بنانے کی کوشش کرو۔ تم میں سینکڑوں فقیہہ ہونے چاہئیں، تم میں سینکڑوں محدّث ہونے چاہئیں، تم میں سینکڑوں مفسّر ہونے چاہئیں، تم میں سینکڑوں علمِ کلام کے ماہر ہونے چاہئیں، تم میں سینکڑوں علمِ اخلاق کے ماہر ہونے چاہئیں، تم میں سینکڑوں علمِ تصوّف کے ماہر ہونے چاہئیں، تم میں سینکڑوں منطق اور فلسفہ اور فقہ اور لُغت کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں دنیا کے ہر علم کے ماہر ہونے چاہئیں تا کہ جب اُن سینکڑوں میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو تمہارے پاس ہر علم اور ہر فن کے ۴۹۹ عالم موجود ہوں اور تمہاری توجہ اِس طرف پھرنے ہی نہ پائے کہ اب کیا ہوگا۔ جو چیز ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مل سکتی ہو اس کے کسی حصہ کے ضائع ہونے پر انسان کو صدمہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسی سینکڑوں چیزیں میرے پاس موجود ہیں۔ اِسی طرح اگر ہم میں سے ہر شخص علوم وفنون کا ماہر ہو تو کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا کہ فلاں عالم تو مر گیا اب کیا ہوگا۔ یہ خیال اِسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے وجودوں کو نادر بننے دیتے ہیں اور اُن جیسے سینکڑوں نہیں ہزاروں وجود اَور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر اُن کے نادر ہونے کا احساس جاتا رہے جس کی سوائے اِس کے اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی کہ اُن کے قائم مقام ہزاروں کی تعداد میں ہمارے اندر موجود ہوں تو کبھی بھی جماعت کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ فلاں شخص تو فوت ہو گیا اب کیا ہوگا۔

دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ** [20] تم نیکی کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اگر ہم قرآن کریم کے اِس حکم کے مطابق یہ اشتیاق رکھتے کہ ہم دوسروں سے آگے بڑھ کر رہیں، اگر ہم میں سے ہر شخص اشتیاق کی روح کو اپنے اندر قائم رکھتا تو آج ہم میں سے ہر شخص بڑے سے بڑا محدّث ہوتا، بڑے سے بڑا مفسّرِ قرآن ہوتا، بڑے سے بڑا عالمِ دین ہوتا اور کسی کے دل میں یہ احساس تک پیدا نہ ہوتا کہ اب جماعت کا کیا بنے گا۔ جب کثرت سے علماء قوم میں موجود ہوں، جب کثرت سے فقہاء قوم میں موجود ہوں، جب کثرت سے ادباء قوم میں موجود ہوں،

جب کثرت سے قرآن اور حدیث کے ماہر قوم میں موجود ہوں تو کسی کی موت قوم کو متزلزل نہیں کرسکتی بلکہ کسی ایک شخص کی موت کی حیثیت ایسی ہی رہ جاتی ہے جیسے کسی کی جھولی میں بہت سے دانے موجود ہوں تو اُن میں سے کوئی ایک دانہ زمین پر گر جائے۔ جس طرح چنے چباتے وقت یا مکئی کے دانے کھاتے وقت کوئی ایک کھِیل زمین پر گر جاتی ہے تو انسان پرواہ بھی نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسے سینکڑوں دانے میری جھولی میں موجود ہیں۔ اِسی طرح جب قوم میں کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو علوم وفنون کے ماہر ہوں تو اُن میں سے کسی کی موت جماعت کے لئے پریشانی کا موجب نہیں ہوسکتی۔

زندہ قوم کی علامت

درحقیقت زندہ قوم کی علامت ہی یہی ہے کہ اُس کے اندر اِس قدر علماء کی کثرت ہوتی ہے کہ کسی ایک کے فوت ہونے پر اُسے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ آئندہ کام کس طرح چلے گا۔ بے شک شخصی لحاظ سے ایک شخص کی وفات دکھ اور رنج کا موجب ہوسکتی ہے اور ہمیشہ ہوتی ہے مگر بہرحال یہ ایک شخصی سوال ہوگا، قومی سوال نہیں ہوگا۔ ایک شخص کا باپ مرجاتا ہے، ایک شخص کی ماں مرجاتی ہے تو اُس کا دل زخمی ہوتا ہے، اُس میں سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوتے ہیں مگر وہ یہ نہیں کہتا کہ اب قوم کا کیا حال ہوگا۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا بس رہی ہے اور بستی چلی جائے گی۔ آج ایک مرتا ہے تو کل اَور پیدا ہو جاتا ہے۔ کل دوسرا مرتا ہے تو پرسوں تیسرا پیدا ہو جاتا ہے۔ بہرحال کسی قوم کی زندگی کی یہ علامت ہے کہ اُس میں علم کی کثرت ہو، اُس میں علماء کی کثرت ہو، اُس میں ایسے نفوس کی کثرت ہو جو قوم کے سرکردہ افراد کے مرنے پر اُسی وقت اُن کی جگہ کو پُر کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مسلمانوں کے تنزّل اور ادبار کا بڑا سبب

مسلمانوں کے تنزّل اور اُن کے ادبار کا سب سے بڑا باعث یہی ہؤا کہ جب ابوبکرؓ فوت ہوگیا تو دوسرا ابوبکر پیدا نہ ہؤا، جب عمرؓ فوت ہوگیا تو دوسرا عمر پیدا نہ ہؤا، جب عثمانؓ فوت ہوگیا تو دوسرا عثمان پیدا نہ ہؤا، جب علیؓ فوت ہوگیا تو دوسرا علی پیدا نہ ہؤا۔ اب ہم نے یہ تغیر پیدا کرنا ہے کہ جب ایک ابوبکرؓ مرے تو اُسی وقت دوسرا اور پھر تیسرا ابوبکر پیدا ہو جائے۔ جب ایک عمرؓ مرے تو اُسی وقت دوسرا اور تیسرا عمر پیدا ہو جائے، اور جب

ایک عثمانؓ مرے تو اُس کی جگہ اَور عثمان کام کرنے والے موجود ہوں اور جب ایک علیؓ مرے تو اُس کی جگہ اَور علی کام کرنے کے لئے موجود ہوں۔ جو قوم اِس مقام پر آ جائے وہ کبھی مر نہیں سکتی، وہ کبھی مٹ نہیں سکتی، وہ کبھی فنا اور برباد نہیں ہوسکتی۔ وہ زندہ رہتی ہے، وہ ابدی حیات پاتی ہے اور وہی قوم ہے جو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں خاتم الاقوام کہلاتی ہے۔ جیسے محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب نبیوںؑ سے افضل ہیں اِسی طرح وہ قوم تمام اقوام سے افضل کہلائے گی اور دنیا کی قومیں مجبور ہوں گی کہ اُس کے طریق پر چلیں۔ جب تک یہ حالت کسی قوم کی نہ ہو اُس وقت تک وہ خطرہ سے باہر نہیں ہوسکتی، وہ اپنے تنزّل کے خوف سے بے پرواہ نہیں ہوسکتی کیونکہ خوف سے وہی بے پرواہ ہوسکتا ہے جو ایمان کے کمال تک پہنچ چکا ہو۔ جیسے قرآن کریم نے کامل مومنوں کے متعلق بیان فرمایا کہ **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ**[۲۱] میری طرف سے اب یہ کوشش کی جارہی ہے کہ جماعت میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو اہم علوم کے ماہر ہوں۔ تاکہ ہم اپنی اس حقیر کوشش کے ذریعہ ایک ایسا بیج قائم کر دیں جو آئندہ ترقی کر کے جماعت کے لئے بابرکت اور مفید ثابت ہو سکے۔

دیکھو صحابہ کرامؓ میں علم کس قدر وسیع طور پر پھیلا ہوا تھا کہ ایک قوم کے چند افراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کچھ مبلّغ بھجوائے جائیں جو ہماری قوم کو اسلام کی تعلیم سے آگاہ کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی درخواست کو منظور فرماتے ہوئے ستّر (۷۰) قاری اُن کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہؓ میں علم حاصل کرنے کا کس قدر اشتیاق تھا۔ آج تعلیم کا زمانہ ہے اور ہماری جماعت لاکھوں تک پہنچ چکی ہے مگر آج بھی اگر ہم کسی ایک مقام میں رہنے والوں کے لئے ستّر قاری مہیا کرنا چاہیں تو مہیا نہیں کر سکتے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ستّر قاری اُسی وقت بھجوا دیئے۔ اُس قوم کے بدمعاش افراد نے دھوکا بازی سے کام لے کر تمام کو شہید کر دیا جس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو طبعی طور پر سخت صدمہ ہوا مگر کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس میں یہ ذکر آتا ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہو اب کیا ہوگا۔ اسی طرح کوئی ایسی

حدیث نہیں ملتی جس میں صحابہؓ کا یہ قول درج ہو کہ اب کیا ہوگا۔ پھر ایسی ایسی جنگوں کا بھی تاریخِ اسلام سے ثبوت ملتا ہے جن میں سے ایک ایک جنگ میں بعض دفعہ سَو سَو کے قریب صحابی کانے یا اندھے ہو گئے۔ عیسائی اِس طرح تاک کر نشانہ لگاتے کہ تیر سیدھے اُن کی آنکھوں میں آ کر لگتے اور وہ اندھے یا کانے ہو جاتے۔ یہ قربانیاں ہیں جو صحابہؓ نے کیں مگر اِن قربانیوں کے باوجود کسی ایک کی زبان سے بھی یہ فقرہ نہیں نکلا کہ اب کیا ہوگا۔ فلاں صحابی تو مر گیا، فلاں صحابی تو ناکارہ ہو گیا۔ یہ روح ہے جو ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے کیونکہ یہی روح ہے جو قوموں کو کامیاب بنایا کرتی ہے۔

ہمارے لئے یہ خطرہ کی بات نہیں ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا مولوی عبدالکریم صاحب بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے۔ یا مولوی برہان الدین صاحب بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے۔ یا حافظ روشن علی صاحب بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے۔ یا قاضی امیر حسین صاحب بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے۔ یا میر محمد اسحاق صاحب بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے بلکہ ہمارے لئے خطرہ کی بات یہ ہے کہ جماعت کسی وقت بحیثیت جماعت مر جائے اور ایک عالم کی جگہ دوسرا عالم ہمیں اپنی جماعت میں دکھائی نہ دے۔ پس اپنے آپ کو اِس مقام پر لاؤ اور جلد جلد ترقی کی طرف اپنے قدموں کو بڑھاؤ۔ میں نہیں جانتا کہ جب خدا نے میرے متعلق یہ کہا ہے کہ میں جلد جلد بڑھوں گا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میری موت جلد آنے والی ہے یا یہ مطلب ہے کہ میں جلد جلد ترقی کی منازل طے کرتا چلا جاؤں گا۔ تم اِن دو میں سے کوئی بھی پہلو لے لو۔ بہر حال اِس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ اب جماعت میں سے وہی شخص اپنے ایمان کو سلامت رکھ سکے گا اور وہی باایمان مر سکے گا جو خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور اس کے سلسلہ کی ترقی کے لئے جلد جلد قدم اُٹھائے گا۔ اگر تمہارا جرنیل دشمن کی فوج پر حملہ کر دے اور تم آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو تو کون تمہیں وفادار کہہ سکتا ہے؟ کون تمہاری اطاعت کا قائل ہو سکتا ہے؟ کون تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے؟ جب خدا نے مجھے کہا کہ میں جلد جلد قدم بڑھاؤں گا اور جب خدا نے مجھے یہ نظارہ دکھایا کہ میں بھاگتا چلا جا رہا ہوں اور زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے تو در حقیقت خدا نے تم کو کہا کہ تم جلد جلد بڑھو اور

جلد زمینوں کو طے کرتے چلو۔ جب ایک شخص کو افسر مقرر کیا جاتا ہے تو اُس افسر کو حکم دینے کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ماتحتوں کو اُس کے واسطہ سے حکم دیا جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اور ڈانٹتا شیطان کو ہے کہ تم نے کیوں سجدہ نہ کیا۔ شیطان میں نفسانیت سہی، ہزاروں گناہ سہی، مگر اُس میں اِتنی عقل ضرور تھی کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ اے خدا! تُو نے مجھے کب حکم دیا تھا، تُو نے تو فرشتوں کو حکم دیا تھا مجھے تو حکم دیا ہی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فرشتوں کو جب حکم دیا گیا تو اس کے معنے یہی تھے کہ میں بھی اس کی اتباع کروں۔ پس وہ نادان جو کہتا ہے کہ یہ تو مصلح موعود کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جلد جلد بڑھے گا، میرے متعلق تو نہیں کہا گیا کہ میں بھی جلد جلد بڑھوں وہ شیطان سے بھی اپنے آپ کو زیادہ احمق قرار دیتا ہے۔ شیطان نے تو تسلیم کر لیا تھا کہ جب فرشتوں کو حکم دیا گیا تو درحقیقت اُن کے واسطہ سے مجھے بھی حکم دیا گیا مگر یہ تسلیم نہیں کرتا کہ مصلح موعود کو جو حکم دیا گیا ہے اُس کے ماتحت وہ خود بھی آتا ہے۔

پس ہر احمدی کو سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر میرے متعلق جو یہ خبر دی ہے کہ میں جلد جلد بڑھوں گا، اس کے معنے یہ نہ تھے کہ دشمنوں کی صفوں کے بِالمقابل مَیں اکیلا کھڑا ہوں گا بلکہ یہ تھے کہ کام کی اہمیت کے پیشِ نظر میرا فرض ہو گا کہ میں تیزی اور سُرعت کے ساتھ اپنے قدم کو بڑھاتا چلا جاؤں اور جب میں دشمن کے مقابلہ میں جلد جلد قدم بڑھاؤں گا تو خدا تعالیٰ اُن لوگوں کو بھی جو مجھ پر ایمان لائیں گے اِس بات کی توفیق عطا فرما دے گا کہ وہ جلد جلد اپنے قدم بڑھائیں۔ اِسی طرح جب خدا نے مجھے خبر دی کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے اور میں تیزی کے ساتھ بھاگتا جا رہا ہوں تو اِس کے معنے بھی درحقیقت یہی تھے کہ جب میں تیزی کے ساتھ بھاگوں گا اور زمین میرے قدموں کے نیچے سمٹنی شروع ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان سچے مخلصوں کو بھی جنہیں میرے ساتھ وابستگی حاصل ہو گی اِس امر کی توفیق عطا فرما دے گا کہ وہ زمین کو جلد جلد طے کریں اور آناً فاناً دُور دراز فاصلوں کو طے کرتے ہوئے دنیا کے کِناروں تک پہنچ جائیں۔

پس اپنے اندر ایک غیر معمولی تغیر پیدا کرو اور جلد سے جلد عظیم الشان قربانیوں کے لئے

تیار ہو جاؤ، اب تم زیادہ انتظار مت کرو۔ پیشگوئیوں سے پتہ لگتا ہے کہ وہ وقت اب آ گیا ہے جب زیادہ انتظار نہیں کیا جائے گا۔ جب تمہیں دیر تک منتظر رہنا نہیں پڑے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اور قیامت اِس طرح اکٹھے ہیں جس طرح انگشتِ شہادت کے ساتھ دوسری اُنگلی ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ پس بہت بڑے تغیرات ہیں جو دنیا میں رونما ہونے والے ہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ تغیرات بڑی بھاری اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اب کیا ہو جائے گا مگر اِتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کسی عظیم الشان تغیر یا بہت بڑے عظیم الشان تغیرات کی بنیادیں جلد سے جلد رکھ دی جائیں گی اور وہ شخص جو اِن مُہمات میں میرا ساتھ نہیں دے گا، وہ شخص جو جلد جلد قدم کو نہیں بڑھائے گا، اُس کے دل پر زنگ لگ جائے گا اور وہ اِس خطرہ میں ہوگا کہ اپنے پہلے ایمان کو بھی کھو بیٹھے۔

اب مَیں دعا کر دیتا ہوں کیونکہ ساڑھے پانچ سے زیادہ وقت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے فضل سے اِس رنگ میں کام کرنے کی ہمت بخشے کہ ہم اُس کے دین کی باتیں لوگوں تک پہنچائیں۔ اُن پر خود عمل کریں اور دوسروں سے بھی عمل کرائیں۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اُن وعدوں کا اہل بنائے جو اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ اسلام کے دوبارہ احیاء کے متعلق کئے اور ہمارے ذریعہ سے وہ اسلام کا نور دنیا کے چاروں کونوں تک پھیلائے اور ہمیں ہر قسم کی کوتاہیوں اور ہر قسم کے گناہوں اور ہر قسم کی اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رکھے تاکہ قیامت کے دن جب آدم سے لے کر آخر وقت تک کے تمام بنی نوع انسان جمع ہوں گے اور ہمارے باپ دادا بھی اُن میں موجود ہوں گے ہم ذلیل و رُسوا نہ ہوں بلکہ وہ ہمیں عزت کے مقام پر جگہ دے۔ اور ہم اپنے رب سے یہ کہہ سکیں کہ اے خدا! جو فرض تُو نے ہمارے ذمہ لگایا تھا ہم اس کو پورا کر کے آئے ہیں اور تُو اور تیرے فرشتے اِس پر گواہ ہیں۔‘‘

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۴ء)

۱؎ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۱ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

۲؎ صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خلیلاً

۳؎ صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت۔
۴؎ اٰل عمران: ۱۴۵
۵؎ صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّابِکَ لَمَحْزُوْنُوْن۔
۶؎ السیرۃ الحلبیۃ جز دوم صفحہ ۳۲۶ تا ۳۲۸ از علی برھان الدین .... الناشر المکتبۃ الاسلامیہ بیروت. لبنان۔
۷؎ لوقا باب ۱۸ آیت ۲۵
۸؎ ترمذی کتاب الزھد باب فی التوکل علی اللّٰہ
۹؎ تذکرہ صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸۔ ایڈیشن چہارم
۱۰؎ السیرۃ الحلبیۃ جز دوم صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء
۱۱؎ صحیح بخاری کتاب المغازی باب قصۃ غزوۃ بدر
۱۲؎ صحیح بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ۔
۱۳؎ صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع۔
۱۴؎ الحکم ۳۰ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰
۱۵؎ متی باب ۱۰ آیت ۹ تا ۱۴
۱۶؎ متی باب ۶ آیت ۱۱
۱۷؎ التوبۃ: ۱۱۱
۱۸؎ ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی المدارۃ
۱۹؎ صحیح مسلم کتاب الحج باب نقض الکعبۃ
۲۰؎ المائدۃ: ۴۹　　۲۱؎ الاحقاف: ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۴۵ء

(منعقدہ ۳۰۔۳۱؍ مارچ و یکم اپریل ۱۹۴۵ء)

پہلا دن

دُعا جماعت احمدیہ کی پچیسویں مجلس مشاورت تیس، اکتیس مارچ اور یکم اپریل ۱۹۴۵ء کو تعلیم الاسلام کالج قادیان کے ہال میں منعقد ہوئی۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے حضور نے مختصر افتتاحی تقریر فرمائی۔ تقریر سے قبل دُعا سے متعلق آپ نے فرمایا:۔

''چونکہ اب مجلس مشاورت کی کارروائی شروع ہوتی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ سب دوست مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، سچا اخلاص اور اپنی سچی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے، ہمارے ارادوں میں محض اپنے فضل سے برکت ڈالے اور ہماری نیتوں کو درست فرمائے، ہمارے خیالوں اور ہماری راؤں کی اپنے فضل سے خود راہنمائی کرے۔ ہر قسم کا کِبر اور رعونت ہمارے دلوں سے نکال دے تا دین کا کام کرتے وقت ہم محض خدا تعالیٰ کا ہتھیار بن جائیں اور جو مشورے ہم دیں اُن میں اپنی بڑائی اور شان کے اظہار کا شائبہ بھی نہ ہو۔ ہمارے ذمہ جو کام لگایا ہے وہ اِتنا بڑا اور اہم اور اتنا مشکل کام ہے کہ ہماری طاقت اور ہمت اس کام کے کرنے کی طاقت اور ہمت کا ہزاروں بلکہ لاکھواں حصّہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اِسے کرنا ہے اور اُس کی نصرت اور مدد سے ہی وہ ہونا ہے۔ پس ہمیں اُسی سے اُس کی مدد اور نصرت طلب کرنی چاہئے تا ہماری اس مجلس مشاورت کے ایسے نتائج رونما ہوں جو خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے والے ہوں۔ تا اس کے ارادوں سے ہمارے ارادے مل جائیں اور اس کی تدبیروں سے ہماری تدبیریں مطابقت حاصل کرسکیں اور تا کوئی کونہ

ہمارے کام کا ایسا نہ رہ جائے جو خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق نہ ہو۔''

اِس کے بعد حضور نے تمام حاضرین سمیت لمبی دعا کروائی۔

افتتاحی تقریر

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''دعا کے بعد اب میں مجلس شوریٰ کا افتتاح کرتا ہوں اور جیسا کہ سابقہ طریق ہے مَیں اِس وقت ان سب کمیٹیوں کا تقرر کروں گا جو ایجنڈا میں درج شدہ تجاویز کے متعلق صلاح مشورہ کر کے رپورٹ مرتب کریں گی اور کل ہم انشاء اللہ ان رپورٹوں پر اجلاس عام میں غور کریں گے۔

میرا عام طریق یہ ہے کہ میں اِس موقع پر کچھ ہدایات دیا کرتا ہوں۔ مگر اس وقت تو مجھے بات کرتے ہوئے بھی ضُعف محسوس ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے مَیں پہلے طریق کے مطابق تقریر نہیں کر سکتا۔ صرف سب کمیٹیاں مقرر کر دیتا ہوں۔

نظارت بیت المال کی سب کمیٹی کے سپرد میں نظارت علیا کی کیڈر کی تجویز بھی کر دیتا ہوں اور نظارت تالیف وتصنیف کی تجویز بھی اور اِس سب کمیٹی کے ۳۱ ممبر قرار دیتا ہوں۔ احباب مناسب آدمیوں کے نام پیش کریں۔

دوسری سب کمیٹی نظارت دعوۃ وتبلیغ کی ہوگی۔ جس کے سپرد نظارت تعلیم وتربیت اور نظارت علیا کی بقیہ تجاویز بھی کی جاتی ہیں۔ اس سب کمیٹی کے ۲۳ ممبر ہوں گے۔''

سب کمیٹیوں کے تقرر کے بعد حضور نے فرمایا:۔

سب کمیٹیوں کو ہدایات

''کچھ سالوں سے تجربہ ہو رہا ہے کہ سب کمیٹیاں جو ایجنڈا کی تجاویز پر غور وفکر کر کے رپورٹ پیش کرنے کے لئے مقرر کی جاتی ہیں وہ پوری محنت اور کوشش سے کام نہیں کرتیں اور بعض تو کام ختم کئے بغیر ہی چھوڑ دیتی ہیں۔ اب کے صرف دو سب کمیٹیاں بنائی گئی ہیں تاکہ پوری طرح کام کر سکیں۔ امید ہے کہ اب پوری محنت اور پورے غور سے کام کیا جائے گا اور اُس وقت تک اجلاس ختم نہ کئے جائیں گے جب تک کام ختم نہ ہو جائے اور کل مقررہ وقت پر رپورٹیں پیش کی جائیں گی۔

مَیں طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ باتیں نہیں کہہ سکتا جو اِس موقع پر مجھے کہنی چاہئیں تھیں مگر ایک بات کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو سب کمیٹی بجٹ پر

غور کرے وہ آمد بڑھانے کے ذرائع پر پوری طرح غور کرے۔ اب جنگ کے ختم ہونے کے آثار نظر آرہے ہیں اور جنگ کے خاتمہ پر آمد پر بہت اثر پڑے گا۔ اِس سے پہلی جنگ کے متعلق ہمارا جو تجربہ ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کے ختم ہونے کے معاً بعد آمدنی کم ہوگئی اور یہ کمی برابر دس سال تک جاری رہی۔ پس اِس وقت غور کرنا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ آمدنی کس طرح بڑھائی جاسکتی ہے اور اِس طرح زیادہ سے زیادہ ریزروفنڈ قائم کر لینا چاہئے۔ اِس کے ساتھ ہی یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ جس قدر خرچ گھٹایا جاسکے گھٹا دیا جائے۔''

دوسرا دن

ردّ شدہ تجاویز کی وجوہ بیان کی جائیں

مجلس مشاورت کے دوسرے دن ۳۱؍مارچ ۱۹۴۵ء کو کارروائی شروع ہونے پر مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے حسب قاعدہ ردّ شُدہ تجاویز پڑھ کر سنائیں۔ اِس موقع پر حضور نے احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

''جو ابتدائی کارروائی تھی وہ تو ختم ہو چکی ہے اب بجٹ کے متعلق سب کمیٹی کی رپورٹ دوستوں کے سامنے پیش کی جانے والی ہے۔ بعض باتیں میں رپورٹ سنائے جانے کے بعد کہوں گا مگر اِس امر کی طرف مَیں رپورٹ سے پہلے ہی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جو تجاویز ابھی آپ لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائی گئی ہیں جس کو صدر انجمن احمدیہ نے ردّ کر دیا ہے مناسب یہ تھا کہ صدر انجمن احمدیہ اُن کو ردّ کرنے کی وجوہ بھی ساتھ ہی بیان کر دیتی تاکہ دلوں پر یہ اثر پیدا نہ ہوتا کہ صدر انجمن احمدیہ نے بعض نہایت ہی مفید تجاویز کو بغیر غور و فکر کرنے کے یونہی ردّ کر دیا ہے اور اگر اُن کے جواب کے بعد بھی کسی قسم کی کمزوری باقی رہ جاتی تو جماعت کو غور کرنے کا موقع مل جاتا اور صدر انجمن احمدیہ کو صحیح مشورہ حاصل ہو جاتا۔

ہسپتال کے لئے زمین کی خرید

مثلاً جو تجاویز ابھی سُنائی گئی ہیں اُن میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ہسپتال کو باہر لے جایا جائے اور اس کے لئے کم سے کم چار ایکڑ زمین خریدی جائے۔ جہاں تک سلسلہ کے اداروں کا تعلّق ہے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر اور واضح ہے کہ اُن کے لئے جگہ کی بہت ہی قلّت پیدا ہو چکی ہے۔

ہمارے ادارے جس وقت قائم ہوئے تھے اُس وقت خیال کیا جاتا تھا کہ ہم نے اسراف سے کام لیا ہے اور ضرورت سے بہت زیادہ جگہ لے لی ہے مگر واقعات نے ثابت کر دیا کہ اب جگہیں اتنی تنگ ہو چکی ہیں کہ اُن میں ہمارا گزارہ کرنا بالکل ناممکن ہو گیا ہے۔ یہی جگہ جو ہائی سکول کے لئے لی گئی تھی اس کو اتنا بڑا سمجھا گیا تھا کہ اس کے بعض ٹکڑے مکانات کے لئے فروخت کر دیئے گئے تھے۔ بعد میں اُن میں ہسپتال بھی بنا لیا گیا اور سمجھا گیا کہ باقی جگہ سکول کے لئے کافی ہوگی۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ ساری کی ساری زمین سکول کے لئے ہی رہتی تب بھی وہ سکول کی ضروریات کے لئے بمشکل کافی ہوتی۔ اور اب تو جگہ کی قلّت کی وجہ سے سکول کی عمارت کالج کو دے دی گئی ہے اور سکول کے لئے اسی زمین میں ایک نئی عمارت بنائی گئی ہے مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ نہ کالج کے لئے کھیلنے کے لئے زمین باقی ہے اور نہ سکول کے لئے کافی زمین ہے۔ یہی حال ہسپتال کا ہے۔ ایک چھوٹی سی جگہ میں اُسے سمٹ سمٹا کر رکھا گیا ہے۔ جس طرح تھرڈ کلاس پیسنجرز اپنا اسباب تھوڑی سی جگہ میں اوپر نیچے رکھ لیتے ہیں۔ مگر اُن کو تو پھر بھی اطمینان ہوتا ہے کہ ہم دو تین گھنٹہ کے بعد گاڑی سے اُتر جائیں گے مگر اِن کے لئے یہ بات بھی نہیں۔ اگر ہسپتال کے لئے کسی اور جگہ کا انتظام نہ کیا گیا تو ہسپتال میں کام کرنے والوں کی عمریں اِسی تنگ جگہ میں گزر جائیں گی اور مریضوں کے صحیح علاج میں وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج سے کئی سال پہلے صدر انجمن احمدیہ کو اپنے اداروں کے لئے زمین خریدنے کا فکر کرنا چاہئے تھا اور بڑھتے ہوئے کام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو ہوشیار ہو جانا چاہئے تھا کہ کہیں ہمارے لئے مشکلات پیدا نہ ہو جائیں مگر اب حالت یہ ہے کہ وہی قادیان جہاں بارہ بارہ تیرہ تیرہ روپیہ مرلہ زمین بِکتی تھی اور لوگ کہتے تھے ہمیں لُوٹا جاتا ہے۔ اسی قادیان میں ہزار ہزار روپیہ مرلہ پر بھی زمین خریدی گئی ہے اور سَو روپیہ مرلہ زمین تو عام طور پر فروخت ہو رہی ہے۔ اِسی طرح وہ علاقے جہاں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ روپیہ گھماؤں زمین مل جاتی تھی، وہاں اِس زمین کی قیمت ایک ہزار روپیہ ایکڑ تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے ہماری ادنیٰ ضرورتیں جو دس بارہ سال کے قریب ترین عرصہ میں ہمیں پیش آ سکتی ہیں اُن کے لئے ہمیں پانچ سَو ایکڑ زمین کی ضرورت ہے۔ انجمن احمدیہ تو ہسپتال کے لئے

چار ایکڑ زمین کی تجویز کو مسترد کر رہی ہے اور حالت یہ ہے کہ ہمیں کالج اور ہسپتال اور لائبریری اور دوسرے اداروں کے لئے پانچ سَو ایکڑ مزید زمین کی ضرورت ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ وہی پانچ سَو ایکڑ جو پہلے ۲۵۔۳۰ ہزار یا پچاس ہزار میں خریدا جا سکتا تھا آج پانچ لاکھ روپیہ میں خریدا جا سکتا ہے اور اگر انجمن اب بھی غفلت کرے گی تو پانچ لاکھ نہیں پچاس لاکھ میں یہ زمین ملے گی اور پھر بھی سلسلہ کی ضروریات پوری نہیں ہوں گی۔ انجمن کے سامنے نمونہ موجود ہے۔ اس نے گرلز سکول قائم کیا۔ یہ سکول جس دن سے قائم ہوا میں نے اُسی دن سے انجمن والوں سے کہنا شروع کر دیا کہ اِس کے اِرد گِرد زمین لے لو ورنہ مشکلات بڑھ جائیں گی۔ اُس وقت دوسَو روپیہ کنال زمین بکتی تھی مگر انہوں نے سُستی کی اور سمجھا کہ ہم اتنا روپیہ کیوں ضائع کریں۔ اِس کے بعد خدا تعالیٰ کی اس سنت کے مطابق جو ہمارے سلسلہ کے ساتھ ہے سکول نے بڑھنا شروع کیا اور جس طرح بچے کے کپڑے جوان کے کام نہیں آسکتے اِسی طرح سکول کے کمرے ناکافی ثابت ہوئے اور انجمن والے مجبور ہوئے کہ وہ سکول کے لئے اور زمین خریدیں۔ جب وہ مارکیٹ میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ پانچ سَو سے ہزار روپیہ تک ایک کنال زمین کی قیمت مانگتے ہیں، انجمن والوں نے پھر بھی توجہ نہ کی اور انہوں نے سمجھا کہ لوگ ہمیں خواہ مخواہ دِق کرتے ہیں اور وہ گراں قیمت پر ہمارے پاس فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ اِس قیمت پر کون اُن سے زمین خریدتا ہے۔ مگر اُن کی آنکھیں اُس وقت کُھلیں جب دو ہزار روپیہ فی کنال اُن کو جماعت کے خزانہ میں سے دینا پڑا اور اب تو قادیان کی بعض زمینیں جن کا خریدنا سلسلہ کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے اتنی مہنگی ہو چکی ہیں کہ زمینوں والے بیس بیس ہزار روپیہ فی کنال مانگتے ہیں۔ حالانکہ یہی زمینیں دو دوسَو روپیہ کنال پر مل سکتی تھیں۔ پس میں حیران ہوں کہ انجمن نے ہسپتال کے لئے چار ایکڑ زمین خریدنے کی تجویز کو کس بنیاد پر ردّ کیا ہے۔ اگر تو اس بنیاد پر یہ تجویز ردّ کی گئی ہے کہ اِس کی ضرورت نہیں تو یہ بالکل خلافِ عقل بات ہے۔ اگر وہ چار ایکڑ زمین اِس وقت ایک ہزار روپیہ فی ایکڑ خریدنے پر تیار نہیں ہیں تو کل یہی زمین پچاس ہزار روپیہ فی ایکڑ وہ خریدنے پر مجبور ہوں گے۔ اور اگر اس تجویز کو ردّ کرتے وقت اُن کے مدنظر یہ تھا کہ اِتنی تھوڑی زمین ہماری ضروریات کے لئے کافی نہیں، ہم نے

ایک بہت بڑا پروگرام بنایا ہوا ہے تو وہ پروگرام پیش کرنا چاہیئے تھا جو اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے۔ پس نہیں کہا جا سکتا کہ کس بناء پر انہوں نے اس تجویز کو ردّ کیا ہے۔ بہرحال اُن کا تجاویز کو ردّ کر دینا ہی کافی نہیں بلکہ اُن کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اُن کو ردّ کرنے کی وجوہ بھی بیان کریں اور درحقیقت اگر وہ غور کریں تو اُن کا اپنا فائدہ اسی میں ہے۔ اگر وہ محض تجاویز پیش کر دیں اور اُن کو ردّ کرنے کے وجوہ بیان نہ کریں تو لوگ کہیں گے انجمن والے کیسے کم عقل ہیں کہ جن باتوں میں اُن کی اپنی عزت اور نیک نامی ہے، اُن کو بھی وہ ردّ کر رہے ہیں۔

پس انجمن کے ناظر اگر دنیا کی نگاہ میں کم عقل بننا نہیں چاہتے تو وہ تجاویز کو ردّ کرنے کے ساتھ ہی دلیل بھی دیا کریں تا کہ لوگ سمجھ سکیں کہ محض قلّتِ تدبّر سے نہیں بلکہ کسی معقولیّت کی بناء پر ان کو ردّ کیا گیا ہے۔ جیسے میں نے بتایا ہے کہ ہسپتال کے متعلق جو تجویز آئی تھی اُس کو ردّ کرنے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں بھی نہیں آتی اور یہ تو صرف ایک مثال ہے اَور بھی کئی ایسی تجاویز ہیں جن کو ردّ کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور چونکہ کوئی دلیل نہیں دی گئی اِس لئے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اُن تجاویز کو کیوں ردّ کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ بات جو خرید زمین کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اِتنی اہم اور اتنی ضروری ہے کہ اگر فوری طور پر اِس کی طرف توجہ نہ کی گئی تو ہمارا سارا ریزروفنڈ یہ زمین کھا جائے گی۔ تم خواہ پچیس لاکھ ریزروفنڈ قائم کرلو اور سلسلہ کی ضروریات کے لئے زمینیں نہ خریدو وہ دن یقیناً آنے والے ہیں کہ پھر زمینیں خریدنے کے لئے ہمارا سارے کا سارا ریزروفنڈ بھی کافی نہیں ہوگا۔ مثلاً لاہور میں ہی اگر بعض ادارے ہم وسیع کرنا چاہیں تو ایک کروڑ روپیہ کافی نہیں ہوسکتا۔ اِس صورت میں ہمارا ریزروفنڈ بالکل لغو اور فضول ہو جائے گا اور وہ سلسلہ کی آمد کو وسیع کرنے یا مستقل اخراجات کو چلانے کے لئے نہیں بلکہ زمین خریدنے کے لئے بھی بمشکل کافی ہوگا اِس لئے صدر انجمن احمدیہ کو چاہیئے کہ وہ ابھی سے اِس طرف توجہ کرے اور پوری ہوشیاری اور بیداری کے ساتھ آنے والے حالات پر غور کر کے سلسلہ کی ضروریات کے لئے پانچ سَو ایکڑ زمین خریدنے کا فکر کرے۔ مجھے شرم اور ندامت سے سر جُھکانا پڑتا ہے کہ باوجود اس باوقت انتباہ کے انجمن نے ایک سال گزر جانے پر بھی کچھ نہیں کیا۔ انجمن کا قریباً ہر ممبر اپنی ذات

کے لئے زمین خرید رہا ہے اور اس کے بڑھانے کی فکر میں ہے۔ مگر اُسے نہیں فکر تو سلسلہ کی ضرورتوں کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ‘‘

آمد بڑھانے کیلئے نئے ذرائع اختیار کئے جائیں

مکرم ناظر صاحب بیت المال نے سب کمیٹی مال کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے آمد بڑھانے کی کچھ تجاویز بیان کیں۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’اِس وقت جماعت کے سامنے سب سے پہلے بجٹ غور کے لئے پیش ہوگا، اُس کی آمد بھی اور اُس کا خرچ بھی۔ اِس وقت تک وقت کی کمی کی وجہ سے آمد پر بہت کم بحث کی جاتی تھی۔ زیادہ تر خرچ پر بحث کرنے میں ہی وقت کو صَرف کر دیا جاتا تھا لیکن جہاں تک اقتصادیات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے خرچ سے آمد کا مسئلہ کم اہم نہیں ہوتا۔ بہت سی مدّات ایسی ہوتی ہیں جن کے ذریعہ آمدنیں بڑھائی جا سکتی ہیں اور قوموں نے بڑھائی ہیں۔ ہندوستان اپنی چالیس کروڑ آبادی کے ساتھ قبل از جنگ ایک ارب روپیہ کا بجٹ رکھتا تھا۔ جبکہ انگلستان صرف چار کروڑ آبادی کے ساتھ ستّر کروڑ پاؤنڈ کا بجٹ رکھتا تھا۔ ستّر کروڑ پونڈ کے معنے ہیں سَوا نو ارب کا بجٹ۔ گویا دس فی صدی آبادی اپنا دس گُنا زیادہ بجٹ بناتی تھی اور دس گُنا زیادہ آبادی رکھنے والا ملک دس حصّہ کم بجٹ بناتا تھا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ ہر ہندوستانی جتنی رقم دیتا ہے، اُس سے سَو گُنی رقم انگلستان کا آدمی دیتا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ اُن مُلکوں میں خرچ کی نسبت آمد پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خرچ کی غلطی سے تو صرف چند روپوں کا فرق پڑے گا مگر آمدنی کی غلطی سے ہزاروں روپیہ کا فرق پڑ جائے گا۔ جب آمد پر صحیح طور پر غور کیا جائے تو اُس کے بڑھانے کے وسائل بھی نئے سے نئے نکل آتے ہیں اور اُن پر غور کر کے انسان صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ سال میں نے فیصلہ کیا تھا کہ بجائے اِس کے کہ دوسرے مطالب کو پہلے لیا جائے، سب سے پہلے بجٹ پر غور کیا جائے اور اگر بجٹ پر غور کرنے کی وجہ سے دوسرے مسائل زیرِ بحث نہ آسکیں تو اُن کے لئے سال میں مشاورت کا ایک دوسرا اجلاس منعقد کر لیا جائے۔ اِس فیصلہ کے ماتحت آج سب سے پہلے آپ لوگوں کے سامنے بجٹ پیش کیا جا رہا ہے

اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے آپ لوگوں کے لئے موقع ہے کہ جب آپ کو وقت زیادہ مل گیا ہے تو آپ خرچ اور آمد پر بھی پوری طرح بحث کریں۔ اِس وقت تک ہمارے سامنے آمد بڑھانے کا صرف ایک ہی ذریعہ رہا ہے کہ لوگوں سے چندہ وصول کر لیا جائے، چنانچہ اِس وقت جو رپورٹ سنائی گئی ہے اُس میں بھی سارا زور اسی بات پر صَرف کیا گیا ہے کہ چندہ بڑھا کر اپنی آمد میں زیادتی کی جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب سے اہم چیز چندہ ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ اِس سے روپیہ جمع ہوتا ہے بلکہ اِس لئے بھی کہ یہ جماعت کے اخلاص اور اس کے جوش کو قائم رکھنے والی چیز ہے۔ وہ شخص جو چندہ دینے میں سُستی سے کام لیتا ہے اُس کا جوش اور اخلاص رفتہ رفتہ مرتا چلا جاتا ہے۔

چندہ کی وصولی کی اہمیت

پس جماعت کے خزانوں کو بھرنے کے لئے نہیں، اپنے کاموں کو وسیع کرنے کے لئے نہیں بلکہ جماعت کے اخلاص اور اُس کے ایمان کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم چندہ کی وصولی پر زور دیں اور دیتے چلے جائیں۔ جب کسی قوم میں قربانی کی روح کمزور ہو جاتی ہے، اُس کا ایمان بھی کمزور ہو جاتا ہے اور وہ تنزّل میں گر جاتی ہے۔ پس بے شک یہ بھی ایک اہم ذریعہ ہے اپنی آمد کو بڑھانے کا مگر یہ ضروری نہیں کہ باوجود سارے اخلاص کے جماعت ان ضرورتوں کو پورا کر سکے جو اس کے سامنے آئیں۔ مثلاً اِس سال مَیں نے دیہاتی مبلّغین کا ایک طریق جاری کیا ہے۔ پندرہ دیہاتی مبلّغین پچھلے سال تیار کئے گئے تھے جو مختلف مقامات پر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اُن کو ابھی کام پر لگے صرف ڈیڑھ مہینہ ہی ہوا ہے لیکن اُن کی جدوجہد کے جو نتائج نکل رہے ہیں وہ نہایت ہی خوشکن ہیں۔ نہ صرف اُن کے ذریعہ تبلیغ وسیع ہو رہی ہے بلکہ اِرد گرد کی جماعتوں میں بھی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی ترقی میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ گزشتہ سال سارے سال کی اندرونِ ہند کی بیعت پندرہ سَو سے کچھ اوپر تھی لیکن اِس سال صرف تین مہینہ کی بیعت ہی گیارہ سَو سے اوپر ہے اور ابھی یہ رَو ترقی کی طرف جا رہی ہے اور بیعت کی رفتار خدا تعالیٰ کے فضل سے تیز ہو رہی ہے۔ اگر یہ رفتار قائم رہے تو اِس سال کی بیعت خدا تعالیٰ کے فضل سے گزشتہ سالوں کی بیعت کے ریکارڈ کو توڑنے والی ثابت ہوگی۔ ہم نہیں جانتے

کہ مستقبل میں کیا ہوگا۔ مگر اِس وقت جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہی ہے کہ جن جن جماعتوں میں ہمارے یہ مبلّغ گئے ہیں اُن میں ایک بیداری پیدا ہوگئی ہے اور اِرد گرد کے علاقوں پر بھی اِس متواتر اور منظّم تبلیغ کا ایسا خوشگوار اثر پڑا ہے کہ وہ لوگ ہماری باتیں سُننے کے لئے تیار ہو گئے ہیں اور دیہات میں سے کئی لوگ بیعت میں شامل ہوگئے ہیں۔

جیسا کہ مَیں نے بارہا بتایا ہے کہ میری سکیم یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں اپنی تبلیغ کو اتنا وسیع کر دیں کہ ہر سات آٹھ گاؤں پر ہمارا ایک مبلّغ ہو۔ ہندوستان میں اندازاً آٹھ لاکھ گاؤں ہیں، اگر آٹھ گاؤں پر ہمارا ایک مبلّغ ہو تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ ہمیں صرف ہندوستان کے دیہات میں تبلیغ کرنے کے لئے ایک لاکھ مبلغّین کی ضرورت ہے۔ ایک مبلّغ کا کم سے کم خرچ جو درحقیقت بعض حالات میں نقصان دِہ ہوتا ہے اور جس میں لٹریچر وغیرہ کے اخراجات بھی شامل ہیں اگر پچاس روپیہ فرض کیا جائے تو اندازاً پچاس لاکھ روپیہ ماہوار کی ہمیں ضرورت ہوگی۔ اب یا تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس روپیہ کو اکٹھا کریں اور یا پھر ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور کہیں کہ اگر خدا کو منظور ہوُا تو ایسا ہو جائے گا اور اگر خدا کو منظور نہ ہوُا تو نہ ہوگا۔ مگر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور کہیں کہ اگر خدا کو منظور ہوُا تو ایسا ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے جبری قانون دنیا میں جاری کرنا ہوتا تو اُسے کسی مامور کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ اُس کا اپنے ایک مامور کو دنیا میں بھیجنا، لوگوں کو اُس پر ایمان لانے کی تحریک کرنا، قربانی اور ایثار کا سبق دینا، کوشش اور جدوجہد کی ترغیب دینا اور لوگوں کی ہدایت کا کام اپنی جماعت کے سپرد کرنا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہیں اور کہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی مرضی ہوئی تو ہدایت پھیل جائے گی اور اگر خدا کی مرضی نہ ہوئی تو ہدایت نہیں پھیلے گی۔ اگر خدا تعالیٰ کے ایک مامور پر ایمان لانے کے بعد بھی ہم یہی کہتے ہیں تو ہماری مثال بالکل ایسی ہی ہو جاتی ہے جیسے عورتوں سے بعض دفعہ کسی بات کے متعلق پوچھا جائے کہ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ کہہ دیتی ہیں کہ جس طرح آپ کی مرضی۔ حالانکہ پوچھنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اِس وقت مَیں اپنی مرضی نہیں بلکہ تمہاری مرضی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ جب اپنا مامور دنیا کی اصلاح کے لئے

بھیجتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب وہ ہماری مرضی پر اس کام کو چھوڑ رہا ہے۔ اُس وقت ہمارا یہ کہنا کہ جس طرح خدا کی مرضی ہے ہو جائے گا بالکل ویسا ہی ہوتا ہے جیسے ناواقف بچہ یا ناواقف عورت بعض دفعہ جواب دیتی ہے کہ جس طرح آپ کی مرضی۔ خداتعالیٰ جب اپنے کسی مامور کو بھیجتا ہے تو اس کے بھیجنے سے اُس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اب لوگ خود قربانی کریں اور میرے منشاء کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ اگر اُس نے اپنی مرضی ہی چلانی ہوتی تو اُسے کسی مامور کو بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ عرش پر بیٹھے بیٹھے تمام کام کرسکتا تھا۔ اُس کا لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور کو بھیجنا بتاتا ہے کہ وہ اس وقت اپنی مرضی کے ساتھ بندوں کی جدوجہد کو شامل کر دیتا ہے۔ پس جب کہ ہم ایک مامور کی جماعت میں شامل ہیں، ہمیں یہ امر مدنظر رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ہم اپنی عقل اور اپنی جدوجہد اور اپنی قربانی سے کام لیں اور اس طرح دین کی اشاعت کے کام کو سرانجام دیں۔ پس جو پروگرام بھی دین کی اشاعت کے لئے ضروری ہوگا اُس کے لئے سامان بہم پہنچانا اور اُس سامان کی فراہمی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنا ہمارا اپنا فرض ہوگا جس سے ہم کسی طرح بھی غفلت اختیار نہیں کرسکتے۔

مَیں نے بتایا ہے کہ اگر صرف ہندوستان کی تبلیغ ہمارے سامنے ہو تو ہمیں ایک لاکھ دیہاتی مبلّغوں کی ضرورت ہوگی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم صحیح طور پر تبلیغ کرنا چاہیں تو ہمیں ہر گاؤں میں ایک ایک مبلّغ رکھنا چاہئے بلکہ بعض گاؤں ایسے بھی ہوسکتے ہیں جن میں ایک ایک مبلّغ کا رکھنا بھی ناکافی ہو اور وہاں زیادہ مبلّغین کی ضرورت ہو۔ مثلاً قادیان جس کی چودہ ہزار آبادی ہے۔ اگر اتنی آبادی والا کوئی قصبہ ہو تو وہاں ایک مبلّغ کافی نہیں ہوسکتا بلکہ تبلیغ اور تعلیم و تربیت کے لئے چودہ پندرہ آدمیوں کی ضرورت ہوگی لیکن چونکہ کئی چھوٹے گاؤں بھی ہوسکتے ہیں اس لئے اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم قلیل ترین پروگرام یہ بنائیں کہ ہر گاؤں میں اپنا ایک ایک مبلّغ رکھیں تب بھی اِس کے لئے کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہے مگر ہماری موجودہ حالت ایسی نہیں کہ ہم اتنا بوجھ برداشت کرسکیں یا اس پر فوری طور پر عمل کرسکیں۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی یہ بات بالکل غلط ہے کہ جس راستہ پر ہم اب تک چلتے چلے آرہے ہیں اُسی راستہ پر چلتے چلے جائیں۔ ہمیں جلد سے جلد ایسی تدابیر پر غور کرنا

چاہئے جن سے ہم اپنی آمد کو بڑھا سکیں۔ تاکہ اِس پروگرام پر اگر ہم پورے طور پر عمل نہیں کر سکتے تو کم از کم اِس کے ایک حصّہ کو ہی جامۂ عمل پہنا سکیں۔ مثلاً صرف پنجاب کو لے لو، اس میں تیس ضلعے ہیں، ہر ضلع میں اوسطاً چار تحصیلیں ہوتی ہیں اور ہر تحصیل میں اندازاً پانچ سَو گاؤں ہوتے ہیں۔ اس طرح اندازاً ساٹھ ہزار گاؤں بلکہ اِس سے بھی زیادہ صرف پنجاب میں ہیں۔ میرے نزدیک ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ پنجاب میں اسّی نوے ہزار گاؤں ہیں کیونکہ بعض گاؤں بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں بِالخصوص پہاڑی گاؤں تو صرف چند گھروں پر ہی مشتمل ہوتے ہیں۔ اگر ہم صرف پنجاب کے ان دیہات میں ہی تبلیغ کریں اور ہندوستان کے باقی صوبہ جات کو نظر انداز کر دیں، تب بھی ہمیں کم از کم پانچ ہزار مبلّغوں کی ضرورت ہوگی۔ جن میں سے ایک ایک مبلّغ پندرہ پندرہ سولہ سولہ گاؤں کے لئے ہوگا مگر یہ سکیم بھی ایسی ہے جسے ہماری موجودہ مالی حالت برداشت نہیں کر سکتی۔

بہرحال ہم کوئی بھی سکیم بنائیں، خواہ وہ لوکل ہو یا آل انڈیا یا تمام دنیا سے تعلق رکھتی ہو ہماری موجودہ آمدنی کسی طرح بھی کسی معقول عرصہ میں اس کو پورا نہیں کر سکتی اِس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی آمد کو بڑھانے کے اور ذرائع اختیار کریں۔ مثلاً انہی تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ ہم جو دیہاتی مبلّغ رکھتے ہیں اُن کو جہاں سال بھر میں دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، وہاں انہیں طب بھی سکھائی جاتی ہے جس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے گزارہ کے لئے آمد پیدا کر سکیں۔ اگر طب کے بغیر انہیں اپنے گزارہ کے لئے پچاس روپیہ کی ضرورت ہو تو اس ذریعہ سے وہ صرف پچیس تیس میں ہی گزارہ کر سکتے ہیں اور انہیں کوئی خاص پریشانی لاحق نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ طب جانتے ہوں گے اور آسانی سے اپنے لئے اَور آمد پیدا کر سکیں گے۔ یہ ایک ایسی تدبیر ہے جس سے ہم اپنا تبلیغی خرچ نصف پر لے آتے ہیں لیکن اِس صورت میں بھی اگر اُن کے اخراجات کو پچیس پر لے آئیں تب بھی مزید پچیس روپے ہمیں اُن کے کرایوں اور لٹریچر وغیرہ کے لئے خرچ کرنا پڑے گا۔ گویا پچاس روپیہ ماہوار وہ قلیل ترین خرچ ہے جو ایک دیہاتی مبلّغ کو دیا جا سکتا ہے اور یہ خرچ ایسا ہے جو آٹھ لاکھ یا ایک لاکھ بلکہ ایک ہزار مبلّغین کے لئے بھی ہم موجودہ حالت میں برداشت نہیں کر سکتے۔

پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی آمد کو بڑھانے کے لئے بعض اَور وسائل اختیار کریں۔ اِسی حکمت کے ماتحت مَیں نے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو قائم کیا ہے تا کہ وہ تجارت اور صنعت وحرفت کے میدان میں جماعت کی ترقی کے لئے نئے راستے کھول سکے۔ اور پھر اِسی حکمت کے ماتحت مَیں نے ریزرو فنڈ قائم کرنے اور جائیدادیں خریدنے کی سکیم تیار کی۔ یہ تمام تدابیر ایسی ہیں جو چندوں کے علاوہ ہیں۔ بیشک ایک دفعہ جماعت پر بوجھ ڈال کر زیادہ چندہ لے لیا جائے گا لیکن اگر اِن تدابیر میں ہمیں کامیابی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے معقول آمد پیدا ہوتی رہے گی۔ حکومتوں کو دیکھ لو وہ بھی بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی تدبیروں اور بعض چیزوں کی موناپلی یعنی اُن کی کُلّی اجارہ داری سے لاکھوں روپیہ کما لیتی ہیں۔ مثلاً تیل کی موناپلی ہے یا موٹروں کی ہے یا ریلوں کی ہے۔ اِن چیزوں سے گورنمنٹ لاکھوں ہی نہیں کروڑوں اور اربوں روپیہ کماتی ہے۔ اِس ملک میں ریلوے گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کو جتنی آمد ٹیکسوں کے ذریعہ ہوتی ہے یا بعض دوسرے ذرائع سے ہوتی ہے اُتنی ہی آمد اُسے اس ذریعہ سے ہو جاتی ہے۔ ایک ارب روپیہ اگر اُسے ٹیکسوں وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا تو ایک ارب روپیہ ریلوے کے ذریعہ اُسے حاصل ہونے لگ گیا ہے۔ غرض جس طرح حکومتیں اور قومیں مختلف تجارتوں اور صنعتوں پر غور کر کے اپنی آمد کو بڑھانے کی تدابیر اختیار کرتی ہیں ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اُن تدابیر پر غور کریں جن سے سلسلہ کی آمد میں اضافہ ہو۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا بجٹ خدا کے فضل سے کئی گُنا بڑھ گیا ہے اور جماعت نے مالی لحاظ سے غیر معمولی ترقی کی ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہمیں اپنی آمد میں ابھی اَور زیادہ ترقی کی ضرورت ہے۔ جلسہ سالانہ پر مَیں نے بتایا تھا کہ مولوی محمد علی صاحب نے ہمارا اور اپنا مقابلہ کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا ہے کہ اُن کی آمدنی سال اوّل میں صرف سات ہزار تھی جو ترقی کر کے سَوا چار لاکھ تک جا پہنچی ہے، جو سالِ اوّل سے ساٹھ گُنا ہے اور ہماری جماعت دو لاکھ آمدنی سے ترقی کر کے صرف چھ لاکھ سالانہ آمد تک پہنچی ہے جو ابتدائی حالت سے تِگنی ہے۔ کُجا ساٹھ گُنا ترقی اور کُجا تین گُنا ترقی۔ میں نے بتایا تھا کہ اُن کا یہ اِدّعا سراسر غلط اور واقعات کے خلاف ہے۔ اب میں نے گزشتہ سالوں کے اعداد وشمار

بھی نکلوائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے جس بجٹ کو دو لاکھ کا قرار دے رہے ہیں وہ درحقیقت ۳۷ ہزار کا بجٹ تھا۔ چنانچہ ۱۹۱۲۔۱۹۱۳ء میں ۱۰۰۳۶۴ روپیہ کا بجٹ تھا۔ ۱۹۱۳ء۔۱۹۱۲ء میں ۱۱۹۶۳۷ روپیہ کا بجٹ تھا اور ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۳ء میں ۳۰۶۷ روپیہ کا بجٹ تھا۔ درحقیقت ۱۹۱۲ء۔۱۹۱۱ء، ۱۹۱۳ء۔۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۳ء میں جو زیادتی تھی اُس کی وجہ یہ تھی کہ بورڈنگ اور مدرسہ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے اس غرض کے لئے امداد مل رہی تھی۔ چنانچہ ۱۹۱۲ء۔۱۹۱۱ء میں تعمیر کا ۳۴۵۱۲ روپیہ آیا۔ ۱۹۱۳ء۔۱۹۱۲ء میں تعمیر کا ۵۳۶۰۵ روپیہ آیا۔ اور ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۳ء میں ۹۵۳۳ روپیہ آیا۔ اس سرکاری گرانٹ کو اگر نکال دیا جائے تو درحقیقت ۱۹۱۲ء۔۱۹۱۱ء میں ۶۵۸۵۲ روپیہ کی آمد ہوئی۔ ۱۹۱۳ء۔۱۹۱۲ء میں ۶۶۰۳۲ روپیہ کی آمد ہوئی اور ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۳ء میں ۶۳۵۳۴ روپیہ کی آمد ہوئی۔ غیر مبائعین دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلے سال اُن کا سات ہزار چندہ تھا۔ گویا اگر وہ ہمارے اندر شامل ہوتے تو ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۳ء میں ہمارا بجٹ ستّر ہزار روپیہ کا ہوتا مگر چونکہ وہ نکل گئے اس لئے ہمارا بجٹ ۶۳ ہزار روپیہ پر آ گیا۔ پس اُن کی یہ بات قطعاً غلط ہے کہ ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۳ء میں ہماری آمد دو لاکھ تھی۔ ہماری آمد اُس وقت ۶۳ ہزار روپیہ تھی لیکن اِس سال ہمارا بجٹ ۹۲۱۳۹۰ روپیہ کا ہے۔ اِس میں سے ۱۲۶۹۷۰ روپیہ جو مشروط بہ آمد ہے اُس کو اگر نکال دیا جائے تو ۷۹۴۴۲۰ روپیہ رہ جاتا ہے۔ تریسٹھ ہزار کے مقابل میں سات لاکھ ۹۴ ہزار کے معنے یہ ہیں کہ ہمارا بجٹ خدا کے فضل سے بارہ گُنا بڑھ گیا ہے بلکہ حقیقتاً ہماری آمد اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اِس سال پانچ لاکھ اَور چندہ اکٹھا ہؤا ہے جو اس میں شامل نہیں۔ تین لاکھ چالیس ہزار تحریک جدید کا چندہ اکٹھا ہؤا اور ڈیڑھ لاکھ کالج کا چندہ جمع ہؤا۔ چار لاکھ نوّے ہزار تو یہی ہو گیا۔ پچیس ہزار مسجد مبارک کے لئے اکٹھا ہؤا تھا اِس کو شامل کر لیا جائے تو تیرہ لاکھ روپیہ بن جاتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارا بجٹ ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۳ء سے بیس گُنا یا اکیس گُنا بڑھ گیا ہے۔ اِس کے مقابلہ میں غیر مبائعین جو اپنی آمد بتاتے ہیں وہ محض خیالی ہوتی ہے۔ مثلاً اُنہوں نے اپنے پہلے سال کی آمد سات ہزار روپیہ بتائی ہے۔ حالانکہ شیخ رحمت اللہ صاحب تین سَو روپیہ ماہوار چندہ دیا کرتے تھے۔ صرف اُن کا چندہ ہی ۳۶۰۰ سَو بن جاتا ہے۔ پھر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب،

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب یہ سب کے سب ایسے تھے جن کی آمدنیں ہزار ہزار روپیہ ماہوار سے زیادہ تھیں۔ پھر لائل پور کے تاجر جو مَلِکُ التجار کہلاتے ہیں اُن کا چندہ اگر شامل کر لیا جائے تو وہ سات ہزار میں کسی طرح سما ہی نہیں سکتا بلکہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اُنہیں بہت زیادہ آمد تھی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی مصلحت اور کسی خاص خرچ کو چُھپانے کے لئے وہ آمد حساب میں نہ لائی جاتی ہو۔ پھر اب جو وہ اپنی آمد بتاتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں۔ میں نے تو اپنے بجٹ کا حساب کرتے وقت مشروط بہ آمد رقوم کو نکال دیا ہے۔ مگر اُن کا طریق یہ ہے کہ وہ خیالی رقوم لکھ دیتے ہیں مثلاً لکھ دیں گے متفرق چالیس ہزار یا پچاس ہزار۔ حالانکہ وہ آمد نہیں ہوتی بلکہ ایک خیالی چیز ہوتی ہے۔ پھر اُن کی آمد میں کتابوں کی فروخت سے جو نفع ہوتا ہے وہ بھی شامل ہوتا ہے، زمینوں کی آمد بھی شامل ہوتی ہے لیکن ہمارے بجٹ میں یہ چیزیں شامل نہیں ہوتیں۔ اگر اِس قسم کی آمدنیں ہم اپنے بجٹ میں شامل کریں تو بیس بائیس لاکھ روپیہ تک ہمارا بجٹ جا پہنچتا ہے مگر ہمارا طریق یہ ہے کہ ہم اِس قسم کی آمدنیوں کو بجٹ میں شامل نہیں کرتے۔ اگر اُن کے بجٹ میں سے اِس قسم کی آمدنیوں کو نکال دیا جائے تو جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے اُن کا بجٹ خالص آمد کا پچاس ہزار روپیہ کے قریب رہ جاتا ہے۔ پس درحقیقت اُنہوں نے کوئی ترقی نہیں کی لیکن ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے کئی گُنا ترقی کر چکے ہیں۔

باقی غیر مبائعین جس طرح چندہ جمع کرتے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے گیارہ لاکھ روپیہ جمع کرنے کی تحریک کی اور کہا جماعت اگر اس قدر روپیہ اکٹھا کر لے تو یہ ایک معجزہ ہوگا۔ اِس کے بعد معجزہ یہ ہؤا کہ بمبئی میں مولوی محمد علی صاحب کا ایک رشتہ دار اعلیٰ عُہدہ پر مقرر ہؤا۔ مولوی صاحب وہاں چلے گئے اور اِس رشتہ دار نے وہاں کے بڑے بڑے تاجروں کو تحریک کر دی اور اُنہوں نے دُنیوی اغراض کے ماتحت بڑے بڑے چندے دے دیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک لاکھ روپیہ اکٹھا کیا۔ بعض کہتے ہیں اُنہیں پچاس ہزار روپے ملے اور بعض کہتے ہیں انہیں وہاں صرف ۲۵ ہزار روپے ملے۔ مختلف رپورٹیں ہیں۔ معلوم نہیں ان میں سے کونسی رپورٹ زیادہ صحیح ہے بہرحال یہ ۲۵ ہزار روپیہ ہو یا پچاس ہزار یا ایک لاکھ۔ یہ غیر احمدیوں کا چندہ ہے ان کا تو ہے ہی نہیں اگر گیارہ لاکھ روپیہ وہ اپنی جماعت سے اکٹھا کریں تو بیشک یہ اُن کی قربانی کی

علامت ہوگی لیکن اگر غیروں سے وہ گیارہ لاکھ روپیہ اکٹھا کر لیتے ہیں تو یہ اُن کی قربانی کی علامت نہیں بلکہ اس مداہنت کا نتیجہ ہوگا جو اُنہوں نے اپنے اندر پیدا کی ہوئی ہے۔

دیہاتی مبلّغین کی سکیم

غرض جہاں تک قربانی اور اخلاص کا سوال ہے غیر مبائعین نے ہماری جماعت کے مقابلہ میں کسی قسم کی ترقی نہیں کی۔ وہ تنزّل میں تو بے شک گر گئے ہیں مگر یہ نہیں ہوا کہ پہلی حالت سے انہوں نے کوئی ترقی کی ہو۔ بہرحال دشمن کا اعتراض درست ہو یا غلط ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنی آمد کو بڑھائیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت نے مالی لحاظ سے کئی گُنا ترقی کی ہے مگر جو کام ہمارے سامنے ہے اُس کے مقابلہ میں یہ ترقی بالکل ہیچ ہے۔ مثلاً مَیں نے بتایا ہے کہ ہم پندرہ مبلّغ مختلف دیہات میں پھیلا چکے ہیں اور اب ہماری سکیم یہ ہے کہ مبلّغین کے اس دائرہ کو وسیع کریں۔ اگر ہم فی ضلع پندرہ مبلّغ بھی رکھیں تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ سارے پنجاب میں ہمیں قریباً پانچ سَو مبلّغوں کی ضرورت ہوگی اور یہ سیدھی بات ہے کہ دو ہزار گاؤں میں پندرہ مبلّغ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ ہاں اِتنی بات ضرور ہے کہ اُن سے سارے پنجاب میں ہر وقت شور پڑا رہے گا کیونکہ سَو سَوا سَو گاؤں میں ہمارا ایک ایک مبلّغ ہو گا اور چونکہ ایک ایک آدمی آٹھ آٹھ دس دس میل کے حلقہ میں چکّر لگا سکتا ہے اس لئے پندرہ مبلّغین سارے ضلع میں شور ڈال سکتے ہیں لیکن یہ پانچ سَو مبلّغ جو اقلّ ترین تعداد ہے اور جو پنجاب کی ضرورت کے لئے بھی صحیح طور پر کافی نہیں ہو سکتے اگر ہم رکھ لیں تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ ۲۵ ہزار ماہوار یا ۳ لاکھ روپیہ سالانہ کی ہمیں ان کے لئے ضرورت ہوگی اور گو اِتنے روپیہ کا اُن کے لئے جمع ہونا بظاہر بڑا مشکل دکھائی دیتا ہے لیکن اگر یہ مبلّغ اپنے اخراجات خود برداشت کر لیں تو پنجاب میں ہم آسانی کے ساتھ پانچ سَو مبلّغ پھیلا سکتے ہیں۔

مَیں نے جیسا کہ ابھی بتایا ہے اُن مبلّغین کو جو مختلف دیہات میں مقرر کیے گئے ہیں یہ نصیحت کی ہے کہ وہ کوشش کریں کہ ایک سال کے اندر اندر اُن کا خرچ سلسلہ سے اُٹھ جائے تاکہ جو روپیہ اِس وقت اُن پر خرچ ہو رہا ہے اُس سے ہم ایک نیا مبلّغ رکھ سکیں۔ مَیں نے انہیں کہا ہے کہ تم جماعتوں کو منظّم کرو۔ اُن کے چندوں کو بڑھانے کی کوشش کرو

یہاں تک کہ سال کے بعد جب اُن جماعتوں کا بجٹ آئے تو ہم اُس کو دیکھ کر یہ کہہ سکیں کہ ان جماعتوں کے چندہ میں کم ازکم اِتنی زیادتی ضرور ہوگئی ہے کہ ایک نیا مبلّغ ہم آسانی کے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ اگر اِس رنگ میں اُن کی طرف سے کوشش جاری رہے تو پانچ چھ سال کے اندر اندر ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے پانچ سَو مبلّغ پنجاب میں آسانی کے ساتھ پھیلا سکتے ہیں۔ یہ سکیم ہے جو میرے مدنظر ہے اور یہ سکیم ہے جس کے ماتحت میں نے حُسنِ ظنی کرتے ہوئے اپنے خدا پر اور حُسنِ ظنی کرتے ہوئے اپنے نفس پر اور حُسنِ ظنی کرتے ہوئے اپنی جماعت پر اور حُسنِ ظنی کرتے ہوئے اُن مبلّغین پر جن کو باہر بھجوایا گیا ہے، پچاس دیہاتی مبلّغین کی ایک نئی کلاس کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ۳۵ مبلّغین کا تو انتخاب ہو چکا ہے اور کچھ نئی درخواستیں بھی آ رہی ہیں جس سے امید ہے کہ یہ تعداد انشاء اللہ پوری ہو جائے گی اور اگلے سال تک ہمیں پچاس اور ایسے مبلّغ مل جائیں گے جن کو ہم مختلف مقامات پر پھیلا سکیں گے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اگر ہماری جماعت میں بیداری کی رُوح کو قائم رکھا تو ہم کوشش کریں گے کہ اگلے سال سَو مبلّغین کی کلاس کھولی جائے۔ اس طرح چھ سال میں ہم پانچ سو دیہاتی مبلّغین رکھ سکتے ہیں سرِدست میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان میں سے دو تین سَو پنجاب میں رکھے جائیں گے اور باقی سرحد، سندھ، یوپی، بنگال، اور بہار، وغیرہ میں پھیلا دیئے جائیں گے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جو مبلّغ جاتے ہیں اگر اُن میں یہ رُوح پیدا کی جائے کہ انہیں ایک سال کے اندر اندر اپنا بوجھ خود اُٹھا لینا چاہئے جو ناممکن نہیں بلکہ ممکن ہے بلکہ مَیں سمجھتا ہوں مشکل بھی نہیں ہے تو پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے صوبہ جات کے دیہات میں ہم آسانی کے ساتھ نہایت وسیع پیمانہ پر اپنے مبلّغین مقرر کر سکتے ہیں۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ایک طرف جماعت اپنی آمد کو بڑھائے اور دوسری طرف مبلّغین جماعت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے، زیادہ سے زیادہ منظّم کرنے اور زیادہ سے زیادہ اپنے اخراجات کو کم کرنے کی کوشش کریں تا کہ تبلیغ کو وسیع کیا جا سکے۔

یہ خوشخبری آپ لوگ سُن چکے ہیں کہ بائیس سال سے صدر انجمن احمدیہ پر جو قرض چلا آ رہا تھا وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اُتر گیا ہے اور اِس وقت چار لاکھ پندرہ ہزار ریزروفنڈ میں جمع ہے۔ ہم نے اِس ریزروفنڈ کو پچیس لاکھ تک پہنچانا ہے۔ اگر ہم ۲۵ لاکھ کا ریزروفنڈ

قائم کر دیں تو اُس سے ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ کی آمد پیدا ہو جائے گی جس سے ہنگامی اخراجات کو پورا کیا جا سکے گا اور جن دنوں میں اِس قسم کے اخراجات نہیں ہوں گے یہ آمد پھر ریزرو فنڈ میں جمع ہوتی رہے گی۔ اِس طرح ہم اُمید کر سکتے ہیں کہ یہ ۲۵ لاکھ کا ریزرو فنڈ نَو دس سال میں اپنی آمد سے ہی ۵۰ لاکھ تک پہنچ جائے گا اور پچاس لاکھ روپیہ سے ہم اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ آمد پیدا کر سکیں گے جو خطرہ کے وقت سلسلہ کے کام آئے۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمارے تبلیغی کام میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی ہو رہی ہے۔ چار مبلّغ تحریک جدید کے ماتحت غیر ممالک میں جا چکے ہیں، ایک جانے کے لئے تیار ہے اور دس مبلّغین کو پاسپورٹ مل گئے ہیں اور اُمید ہے کہ تین چار ماہ میں وہ روانہ ہو سکیں گے۔ میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ کالج کے متعلق جہاں اِس سال کا بجٹ پیش ہے وہاں یہ امر ہمیں اپنے مدنظر رکھنا چاہئے کہ کالج کو صحیح طور پر چلانے کے لئے ہمیں دو لاکھ روپیہ کی اَور ضرورت ہوگی۔ اس کے بغیر ہم بی۔اے اور ایم۔اے کلاسز نہیں کھول سکتے۔ گزشتہ سال میں نے کالج کے لئے دو لاکھ روپیہ چندہ کی تحریک کی تھی مگر بوجہ اِس کے کہ اُن دنوں اور بھی بہت سی تحریکات جاری تھیں، جماعت اِس کی طرف پورے طور پر توجہ نہ کر سکی۔ پھر بھی جماعت نے ایک لاکھ چھپن ہزار کے وعدے کئے جس میں سے ایک لاکھ چودہ ہزار روپیہ آ چکا ہے اور بیالیس ہزار کی وصولی باقی ہے مگر اِس کے باوجود ہمیں دو لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اِس سال کالج والوں نے نئی جماعت کے سائنس کے اخراجات کے لئے پندرہ ہزار روپیہ مانگا ہے۔ اگر بی۔اے کلاسز کھولی جائیں تو پچیس تیس ہزار روپیہ کی ضرورت ہوگی اور بی۔ایس۔سی کلاسز کے لئے کم سے کم ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی اور اگر میڈیکل کلاس کھولی جائے تو پچاس ہزار روپیہ اس کے لئے ضروری ہوگا۔ بہرحال کالج کے لئے ہمیں مزید دو لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ کچھ اس کی عمارت کے لئے، کچھ سائنس کے سامانوں کے لئے اور کچھ نئی کلاسز کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے۔ اس صورت میں ہم بی۔اے، بی۔ایس۔سی کھول سکیں گے۔ اِس کے بعد ایم۔اے، ایم۔ایس۔سی کا سوال رہ جائے گا۔ اِسی طرح کالج کے متعلق ہمیں یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ اُس کا دس لاکھ ریزرو فنڈ قائم ہو تا کہ اُس سے پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی آمد پیدا

ہو سکے بلکہ اگر ممکن ہو تو ساٹھ ستّر ہزار آمد پیدا ہو جائے۔ عمدہ کالج کسی طرح بھی سَوا لاکھ روپیہ سالانہ کے خرچ سے کم میں نہیں چل سکتا۔ اگر کالج میں چھ سَو لڑکا ہو اور اوسط فیس پانچ ہزار روپیہ ماہوار یا ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ ہو اور پچھتّر ہزار کے قریب ریزرو فنڈ سے آمد ہو تو بغیر جماعت پر بوجھ ڈالنے کے عمدگی سے ہم اس کالج کو چلا سکتے ہیں۔

دوسرا پروگرام میرے مدنظر یہ ہے کہ ہم جلد سے جلد یہاں ایک میڈیکل سکول جاری کر دیں کیونکہ بعض ممالک میں ہم کامیاب طور پر تبلیغ نہیں کر سکتے جب تک کثرت سے ہماری جماعت میں ڈاکٹر نہ ہوں۔ دوسرے اس سکول کی ضرورت ہماری جماعت کو اِس لئے بھی ہے کہ عورتوں کے لئے ڈاکٹری تعلیم کا حصول دوسرے کالجوں میں اب بہت مشکل ہوگیا ہے۔ گورنمنٹ کا رُجحان اب اس طرف ہوگیا ہے کہ ایم۔ بی۔ ایس تک سب کو تعلیم دلائی جائے اور ایم۔ بی۔ ایس تک تعلیم دینے کے لئے کالجوں میں مرد پروفیسر مقرر ہوتے ہیں۔ اسلامی شعار چونکہ پردہ کرنا ہے اِس لئے آئندہ ہماری عورتوں کی میڈیکل تعلیم میں سخت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ مجھے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی طرف سے بتایا گیا ہے گو مجھے یقین نہیں آتا کہ بیس ہزار روپیہ سالانہ کے خرچ سے ہم میڈیکل سکول قادیان میں جاری کر سکتے ہیں۔ اگر یہ درست ہو تو شاید مَیں لمبا انتظار بھی نہ کروں اور فوراً اِس سکول کو جاری کر دوں۔ کیونکہ ایک تو ڈاکٹر عورتیں پیدا کرنا عورتوں میں ہمارے تبلیغی اثر کو بہت وسیع کر دے گا۔ دوسرے ہم اپنے مبلّغین کو دینیات کے ساتھ ڈاکٹری کی تعلیم آسانی کے ساتھ دلا سکتے ہیں۔ مثلاً وہ لڑکے جو انٹرنس پاس ہوں اور اُنہیں بطور مبلّغ ہم رکھنا چاہتے ہوں، اُن کے متعلق یہ ہوسکتا ہے کہ میڈیکل سکول میں داخل کر کے ہم اُن کو ڈاکٹری تعلیم دلا دیں اور دوسری طرف علیحدہ انہیں دینی تعلیم بھی دیتے رہیں۔ اس ذریعہ سے اچھوت اقوام میں اپنے تبلیغی اثر کو بہت وسیع کیا جا سکتا ہے۔ بِالخصوص جنوبی ہند اور افریقہ میں اِس سکیم کے ماتحت مبلّغ اپنی روزی بھی کما سکتے ہیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت بھی کر سکتے ہیں۔

تبلیغ دو حصوں میں

مَیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آئندہ تبلیغ کو مَیں نے دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ ہندوستان کی تبلیغ کو صدر انجمن احمدیہ کے ماتحت

کر دیا ہے اور بیرون ہند کی تبلیغ کو تحریک جدید کے ماتحت کر دیا ہے اور مَیں نے ہدایت دے دی ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اپنے موجودہ بیرون ہند کے بجٹ تحریک جدید کے سپرد کر دے اور تحریک جدید اپنے ہندوستانی مبلّغین اور اُن کے بجٹ کو صدر انجمن احمدیہ کے سپرد کر دے۔ ساتھ ہی میں نے فیصلہ کیا ہے کہ بیرونی جماعتوں کے بجٹ سوائے ہندوستانی جماعتوں کے جیسے نیروبی ہے فارن مشنوں کو مضبوط کرنے کے لئے ہی استعمال کئے جائیں اور ہر ملک کا روپیہ اُسی ملک کی تبلیغ پر خرچ ہو، یہاں تک کہ بیرونی مشن خوب مضبوط ہو جائیں مگر تحریک جدید کے ماتحت وہاں کے مقامی لوگوں کو خود خرچ کر لینے کا اختیار نہ ہو۔ اگر وہ روپیہ اُن کی ضروریات سے بڑھ جائے گا تو بیشک صدر انجمن احمدیہ کو مل جائے گا مگر جب تک وہ مشن مضبوط نہیں ہوتے، میرا فیصلہ یہی ہے کہ اُن کا چندہ اُنہی مشنوں پر خرچ ہوتا رہے۔ یہ چندے بہت تھوڑے ہیں اور غیر مُلکی جماعتیں بھی زیادہ نہیں ہیں۔ صرف عرب مصر، انگلستان، یونائٹڈ سٹیٹس آف امریکہ اور ویسٹ افریقہ یہی غیر ملکی جماعتیں کہلاتی ہیں اور اُن کا چندہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ ان غیر مُلکی جماعتوں کی طرف سے چندہ نہ آنے سے صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ پر کوئی غیر معمولی اثر نہیں پڑ سکتا لیکن اِس کے مقابلہ میں اگر یہ روپیہ انہی مشنوں پر خرچ کیا جائے تو اس سے ان کی ترقی میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے اور ان لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا کیا جا سکتا ہے کہ تمہارا روپیہ تمہارے ملک میں ہی تبلیغِ اسلام پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ اپنے مشن کو اور زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ چند سالوں میں ہی اِس طریق کے ماتحت بیرونی ممالک کے مشن انشاء اللہ مضبوط ہو جائیں گے اور جب اُن کی ضروریات سے چندہ بڑھ گیا تو وہ روپیہ پھر صدر انجمن احمدیہ کو ہی ملنا شروع ہو جائے گا۔

ترجمۃ القرآن انگریزی کے متعلق اِسی جگہ تین سال ہوئے فیصلہ ہوا تھا کہ اُس کو جلد سے جلد شائع کر دیا جائے۔ کام کرنے والوں کے لحاظ سے گو بڑے زور سے جدوجہد کی گئی ہے مگر حالات کے لحاظ سے وہ جدوجہد نہایت ہی سُست ثابت ہوئی ہے اور اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ تین سال کے بعد بھی ابھی وہ ترجمہ تیار نہیں ہوا۔ اِس سال چھپنا شروع ہوا ہے اور ۲۸۰ صفحات تک چھپ چکا ہے۔ مطبع والے کہتے ہیں کہ چھ ماہ میں وہ اس کی پہلی جلد جو

چودہ سَو صفحات پر مشتمل ہوگی تیار کر کے دے دیں گے۔

تفسیر کبیر کی اشاعت

تفسیر کبیر کے آخری پارہ کا مضمون ساڑھے سات سَو صفحات تک تیار ہو چکا ہے۔اب صرف آخری رُبع باقی ہے۔مجلس شوریٰ کے بعد اپریل میں یا مئی کے مہینہ میں یہ رُبع بھی انشاء اللہ ہو جائے گا اور اس سال تفسیر کبیر کے آخری پارہ کی جلد انشاء اللہ چھپ جائے گی۔ پریس کی دِقّتوں کی وجہ سے اب تک صرف ۱۸۰ صفحات چَھپ سکے ہیں۔لیکن اب چونکہ پریس اپنا خرید لیا گیا ہے اِس لئے آئندہ ان شاء اللہ مضمون ساتھ کا ساتھ چھپتا چلا جائے گا۔تفسیر کا یہ آخری پارہ انشاء اللہ عنقریب شائع ہو جائے گا اور دس بارہ روپے اس کی قیمت ہوگی اور گو یہ صرف ایک پارہ کی تفسیر ہوگی مگر اندازاً ایک ہزار صفحہ کی جلد ہوگی۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ تفسیر اِس زمانہ کے لحاظ سے بہت مفید معلومات اپنے اندر رکھتی ہے۔اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام اَور آپ کی جماعت کے متعلق اس پارہ میں زبردست پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں اور تبلیغ کے لئے یہ ایک بہت ہی مفید ہتھیار ثابت ہوگا۔ جماعت کو چاہئے کہ اس کی خریداری کا حلقہ وسیع کرنے کی کوشش کرے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اب تک صرف سَو دوسَو آدمیوں نے خریداری کے لئے نام لکھوایا ہے۔تفسیر کبیر کی پچھلی جلد تین ہزار چھپی تھی جس میں سے ۲۳ سَو کتاب جماعت نے خریدی اور سات سَو غیروں نے خریدی۔اب یہ حالت ہے کہ وہی کتاب جو چھ چھ روپے کو فروخت کی گئی تھی قادیان میں اِس کی ایک ایک جلد پچیس پچیس روپے پر بھی فروخت ہوئی ہے بلکہ پرسوں ہی میرے پاس عراق سے ایک خط آیا جسے پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ وہاں ایک احمدی ڈاکٹر ہیں انہوں نے کہا کہ مجھ سے تفسیر کبیر ایک غیر احمدی ڈاکٹر نے پڑھنے کے لئے لی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن کا تبادلہ ہوگیا اور مَیں نے اپنی کتاب واپس لے لی۔اُنہیں معلوم ہوا کہ ایک اَور احمدی کے پاس یہ کتاب ہے۔چنانچہ وہ غیر احمدی ڈاکٹر اُس کے پاس گئے اور ایک سَو روپیہ میں انہوں نے یہ کتاب اُس سے خرید لی۔گویا وہی کتاب جس کے لئے پانچ یا چھ روپے دینے بھی جماعت کو مشکل معلوم ہو رہے تھے اور تین ہزار میں سے صرف ۲۳ سَو جماعت نے خریدی، سَو سَو روپیہ پر فروخت ہو رہی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کی تفسیر تو ایسی قیمتی چیز ہے کہ اگر یہ آٹھ دس ہزار کی تعداد میں چھپے تب

بھی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جانی چاہئے۔ اب آخری پارہ کی تفسیر شائع ہونے والی ہے جس طرح پچھلی تفسیر کے بعد میں ۵ کی بجائے ۲۵ روپے دینے پڑے اِسی طرح اگر اب دوستوں نے اِس کے لئے دس بارہ روپے خرچ نہ کئے تو بعد میں پچاس بلکہ ممکن ہے سَو سَو روپیہ بھی خرچ کرنا پڑے اور پھر بھی مشکل سے حاصل ہو۔ پس آج ہی تمام دوست اپنے اپنے دلوں میں اس کی خریداری کے متعلق فیصلہ کر لیں۔ یہ کتاب انشاء اللہ جلد شائع ہو جائے گی۔ تین رُبع کی تفسیر ہو چکی ہے صرف ایک رُبع کی تفسیر رہتی ہے اور چونکہ اب اپنا پریس قائم ہو چکا ہے اِس لئے زور دینے کے بعد یہ کتاب انشاء اللہ جلد چھپ جائے گی۔

آج ڈاک میں ٹبورا مشرقی افریقہ کی احمدیہ مسجد کی جو حال ہی میں تعمیر کی گئی ہے تصویر ملی ہے جو بہت ہی خوبصورت ہے۔ دوستوں کو دُور سے نظر تو نہیں آئے گی مگر میں دکھا دیتا ہوں۔ اٹالین آرٹ کی بنی ہوئی ہے۔ گورنمنٹ نے اس مسجد کی تعمیر کے لئے اٹلی کے قیدی ہماری جماعت کو دیئے تھے۔''

اس موقع پر حضور نے یہ تصویر دوستوں کو دکھائی اور فرمایا:-

''ایک اور تصویر بھی مصر سے آئی ہے۔ یہ تصویر بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہے مگر اس کے پیچھے ایک ایسی تحریر تھی کہ پہلے تو میں دینی ذوقی طور پر تصویر دیکھ رہا تھا پھر جو اچانک اُس تحریر پر نظر پڑی تو فوراً میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ اس تصویر میں ایک طرف ایک مصری دوست بیٹھے ہیں، دوسری طرف ایک انگریز نَومسلم ہیں اور درمیان میں کوئی بچہ ہے پہلے تو میں نے اس تصویر کو دیکھا تو میں نے کہا یہ ہمارا نَومسلم انگریز بھائی ہے۔ یہ ہمارا مصری دوست ہے اور درمیان میں ان میں سے کسی کا بچہ بیٹھا ہے۔ مگر مَیں نے پیچھے نظر ڈالی تو مجھے قرآن کریم کی یہ آیت لکھی ہوئی نظر آئی۔ جسے پڑھتے ہی فوراً میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا [1] مصری لوگوں کو انگریزوں سے شدید دشمنی ہے۔ بظاہر اُن کی آپس میں صلح معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت مصریوں کی گھٹی میں انگریزوں کی دشمنی ہے۔ ہمارے مصر کے احمدی نوجوان زیادہ تر ایسی ہی جماعتوں میں سے آئے ہیں جو سیاسی تھیں اور انگریزوں سے شدید بُغض رکھتی تھیں۔ اِسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ کسی وقت میں

انگریز کا شدید دشمن تھا مگر آج احمدیت کی وجہ سے انگریز میرے پہلو میں بیٹھا ہؤا ہے اور میں اُسے اپنا بھائی سمجھ رہا ہوں۔ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا**۔ یہ خوشی کی خبریں ہیں اور ایسی ہی ہیں جیسے خدا تعالیٰ کی طرف سے نسیمِ صبا چلائی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ بھی ہمارے لئے خوشی کی ہوائیں چلا رہا ہے اور مختلف مُلکوں سے اسلام کی ترقی کی خبریں آ رہی ہیں۔ مگر اِس کے ساتھ ہی بعض ایسی خبریں بھی آ رہی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے قدم کو اَور زیادہ تیز کر دیں اور تبلیغ کو زیادہ زور اور سرگرمی کے ساتھ پھیلائیں۔

عیسائیوں کا حملہ

چنانچہ سیرالیون سے خبر آئی ہے کہ احمدیت کی ترقی کی وجہ سے وہاں عیسائیوں نے منظّم طور پر حملہ شروع کر دیا ہے۔ اُس ملک میں زیادہ تر تبلیغ مدرسوں اور سکولوں کے ذریعہ ہوتی ہے اور مدرّس چونکہ مسلمان نہیں ملتے اِس لئے عیسائیوں کو ملازم رکھ لیا جاتا ہے۔ اب عیسائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے عیسائی مدرّسین کو ہدایت کی ہے کہ وہ احمدی مدارس میں یہ مطالبہ کریں کہ انہیں اتوار کی چھٹّی دی جائے تاکہ وہ گرجا میں شامل ہو سکیں۔ اُن کی پالیسی یہ ہے کہ سرکاری گرانٹ کسی ایسے سکول کو نہیں مل سکتی جو ہفتہ میں چھ دن سے کم کُھلا رہے۔ ہمارے مدارس میں چونکہ جمعہ کو چھٹّی ہوتی ہے اور اسلامی احکام کے لحاظ سے ہونا بھی ایسا ہی چاہئے۔ اِس لئے انہوں نے یہ مطالبہ شروع کر دیا ہے کہ ہمیں اتوار کو چُھٹّی دی جائے۔ اِس سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ اگر اتوار کو بھی چُھٹّی دے دی گئی اور جمعہ کو پہلے ہی چھٹّی ہوتی ہے تو ہفتہ میں صرف پانچ دن پڑھائی ہوگی اور سرکاری گرانٹ بند ہو جائے گی۔ عیسائیوں نے اپنے مدرسین سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر احمدیہ مدارس سے اِس مطالبہ کی بناء پر تمہیں علیحدہ کر دیا جائے تو ہم تمہارے لئے نئے سکول کھول دیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ان کو ہٹا دیا گیا تو انہیں اپنے سکول بند کرنے پڑیں گے اور اگر اُن کا مطالبہ مان لیا تو سرکاری گرانٹ سے محروم رہنا پڑے گا۔ یہ ایک نیا حملہ ہے جو سیرالیوں میں عیسائیوں کی طرف سے ہماری جماعت پر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ دشمن کی اِن شرارتوں کے بداثرات کو دُور فرمائے اور اُسے اپنے ارادوں میں ناکام کرے۔

اِس مخالفت کا حقیقی علاج تو یہی ہے کہ ایسے مبلّغ ہمارے پاس کثرت سے تیار ہوں جو اُس مُلک میں مدرّسوں کا کام کریں اور عیسائی مدرّسین کی ہمیں ضرورت نہ رہے۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی دوسری تجویز میں نے یہ کی ہے کہ ایک نوجوان کو انگلستان بھجوانے کا فیصلہ کر دیا ہے وہ وہاں سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کر کے ویسٹ افریقہ جائے گا۔ اور لنڈن میٹرک کے اصول کے مطابق وہاں ایک سکول جاری کرے گا۔ جس میں پڑھے ہوئے نوجوانوں کو گورنمنٹ کے قانون کے مطابق بطور مدرّس رکھا جا سکے گا۔

اِس موقع پر مَیں پھر جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمیں فوری طور پر ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنی زندگیاں وقف کریں تا کہ انہیں افریقہ میں تبلیغ کے لئے بھجوایا جا سکے۔ اگر ایک سَو نوجوان ہمیں ایسے مل جائیں تو ہم مغربی افریقہ کی ضرورت کو ایک حد تک پورا کر سکتے ہیں۔ ابتداء میں بے شک کچھ خرچ ہو گا لیکن وہاں کی جماعتیں بہت جلد اُن کے اخراجات کو برداشت کرنے کا وعدہ کرتی ہیں۔ اِس صورت میں مرکز پر اُن کا کوئی بوجھ نہیں رہے گا اور وہ مقامی جماعتوں کے خرچ پر مغربی افریقہ میں تبلیغ کو وسیع کر سکیں گے۔‘‘

آمد بڑھانے کی تجاویز

حضور کے اس خطاب کے بعد کچھ ممبران نے سلسلہ کی آمد بڑھانے کے بارہ میں چند تجاویز پیش کیں۔ ان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

’’دوستوں نے عام اظہارِ خیالات آمدن کے متعلق کر لیا ہے۔ اس میں بعض اچھی تجویزیں بھی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو درحقیقت نئی نہیں بلکہ انتظام کو درست بنانے کے متعلق ہیں۔ اُن کا زیادہ تعلق نظارت بیت المال سے ہے۔ اُن کو نظر انداز کرتے ہوئے جو تجاویز پیش کی گئی ہیں اُن میں سے دو تجویزیں ایسی ہیں جو درحقیقت میری ہی پیش کردہ ہیں۔ یعنی ہندوستان میں تاجروں کی تنظیم اور ریزرو فنڈ کا جمع کرنا۔ تاجروں کی تنظیم کے متعلق میں نے ایک خطبہ میں تفصیلی طور پر توجہ دلائی تھی مگر مجھے افسوس ہے کہ تاجروں کی جماعت پر میرے اِس خطبہ کا اتنا اثر نہیں ہوُا جتنا اثر میرے خطبات کا عام جماعت پر ہوُا کرتا ہے۔ اب تک اِس تنظیم کے ماتحت صرف ڈیڑھ سَو تاجروں نے اپنے نام لکھوائے ہیں

حالانکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہماری جماعت میں ہزار دو ہزار سے کم تاجر نہیں ہیں پس یہ تعداد بہت ہی کم ہے اور پھر جس رنگ میں انہوں نے دلچسپی لی ہے وہ اَور بھی کم ہے اور عملی طور پر تو انہوں نے کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ اِس غرض کے لئے جماعت کے تاجروں میں جو چندہ کی تحریک کی گئی تھی اُس میں بھی صرف ایک دوست چوہدری شاہ نواز صاحب آگرہ نے ایک ہزار روپیہ دیا ہے اور کسی نے جہاں تک مجھے علم ہے ایک پیسہ بھی نہیں دیا حالانکہ مَیں نے بتایا تھا کہ تنظیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے آدمی باہر پھریں، تاجروں سے خط وکتابت کریں اور انہیں ایک مرکز پر لانے کی کوشش کریں۔ اب تک پانچ چھ سَو روپیہ ہمارا خرچ ہو چکا ہے اَور ابھی اور بھی بہت کچھ خرچ ہوگا کیونکہ اس محکمہ کو قائم ہوئے ابھی صرف تین چار ماہ ہوئے ہیں اور جبکہ یہ محکمہ محض تاجروں کے لئے قائم کیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جن کے لئے یہ محکمہ قائم ہوُا ہے اور جن کو قومی طور پر اِس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ اِس کی طرف توجہ نہ کریں۔ خصوصاً ایسی جماعت جو مالی لحاظ سے بھی دوسروں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اب تک صرف چوہدری شاہ نواز صاحب نے ہی اس تحریک میں حصہ لیا ہے اور کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی جو نہایت ہی قابلِ افسوس امر ہے۔

ایک دوست نے امانت فنڈ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ طریق بھی بہت سی مشکلات کو دُور کرنے والا ہے اور اس سے بہت سی جائیدادیں خریدی گئی ہیں جن کا مرکز کی مضبوطی کے لئے خریدنا ہمارے لئے ضروری تھا مگر ان کی طرف سے جو مشکلات بیان کی گئی ہیں میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ کوئی حقیقی مشکلات ہیں۔ موجودہ قاعدہ تو یہ ہے کہ لوگ جب چاہیں اپنی امانت کا روپیہ واپس لے سکتے ہیں۔ جس طرح لوگ بنک میں روپیہ جمع کراتے اور پھر اپنی مرضی پر نکلوا لیتے ہیں اِسی طرح ہمارے ہاں قانون ہے کہ جب کسی کو کوئی ضرورت پیش آئے وہ اپنا روپیہ نکلوا لے، اِس میں کسی قسم کی روک نہیں ہے۔ اِس وقت تک امانت فنڈ میں دو لاکھ سے اوپر روپیہ جمع ہوُا ہے حالانکہ اگر جماعت پوری توجہ کرے تو آٹھ دس لاکھ روپیہ جمع ہو سکتا ہے۔ اس سے لوگوں کی وقتی ضرورتیں بھی پوری ہو سکتی ہیں اور نصف سے زیادہ روپیہ سلسلہ کی جائیدادوں کو بڑھانے کے کام آ سکتا ہے۔

ایک تجویز کی طرف بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر نے توجہ دلائی ہے جو درحقیقت میری ہی

ایک پہلی تجویز ہے کہ جب مَیں نے ریزرو فنڈ قائم کیا تھا کہ غیر احمدی دوستوں، رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں سے اِس بارہ میں چندہ لے لیا جائے کیونکہ جماعت کی ایک خاص رقم دوسروں پر خرچ ہوتی ہے اور اُن کی ترقی سے تعلق رکھنے والے کاموں میں ہم ہمیشہ حصہ لیتے رہتے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اُن سے چندہ نہ لیا جائے۔ تعجب ہے کہ میری اِس قدر واضح ہدایت کے باوجود جماعت نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی حالانکہ جس وقت یہ تجویز ہوئی تھی اُس وقت ایک دوست نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ ایک لاکھ روپیہ تو صرف مَیں ہی جمع کر دوں گا، مگر بعد میں اُن کی طرف سے ایک پیسہ بھی نہ آیا حالانکہ مَیں نے تشریح بھی کر دی تھی کہ یہ روپیہ اسی قسم کے کاموں پر خرچ کیا جائے گا جس قسم کے کاموں پر ریڈکراس سوسائٹیاں روپیہ خرچ کیا کرتی ہیں۔ مثلاً کہیں زلزلہ آ گیا تو احمدی والنٹیئروں کو وہاں بھجوا دیا یا قحط پڑا تو اس روپیہ سے لوگوں کی مدد کر دی گئی یا کہیں بیماری پھیلی تو یہ روپیہ لوگوں کے علاج پر صَرف کر دیا گیا۔ غرض رفاہِ عام کے وہ کام جن سے اسلام کا اعزاز بڑھتا ہے، ہم اس روپیہ سے سرانجام دیں گے۔ اور میں نے بتایا تھا کہ جب ہم نے یہ روپیہ دوسرے لوگوں پر ہی خرچ کرنا ہے تو اُن سے چندہ مانگنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ہماری جماعت کو دلیری کے ساتھ اُن سے یہ چندہ مانگنا چاہئے اور انہیں کہنا چاہئے کہ تمہارے ہاں تو ایسی کوئی سکیم نہیں جس سے غرباء اور مصیبت زدوں کی امداد کی جائے لیکن ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں ایسے فنڈز موجود ہیں اور وہ مصیبت زدوں کی امداد کے لئے ہر جگہ فوراً پہنچ جاتے ہیں۔ تمہیں بھی اپنے اندر بیداری پیدا کرنی چاہئے اور رفاہِ عام کے کاموں کے لئے روپیہ صَرف کرنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کا اعزاز قائم ہو اور لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ پیدا ہو۔ اگر اس رنگ میں کام کیا جائے اور مسلمانوں کی غیرت کو بھڑکایا جائے تو اُن کے اندر بھی کام کرنے کی روح پیدا ہو جائے اور ہمیں بھی فائدہ پہنچ جائے۔ وہ رفاہِ عام کے کاموں کے لئے روپیہ صَرف کر کے نہ صرف ثواب حاصل کر سکتے ہیں بلکہ قربانی کی عادت بھی اُن میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور قربانی کی روح ہی ہے جو کسی قوم کو کامیاب کیا کرتی ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ آمد بڑھانے کی تجاویز کا ایک کافی مواد جمع ہو گیا ہے جس سے نظارت بیت المال بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ اِسی طرح تاجر پیشہ لوگ اگر چاہیں تو وہ

ترقی کی طرف اپنا قدم بڑھا سکتے ہیں۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کے تاجر نمائندے جو اِس وقت یہاں موجود ہیں وہ اپنے اپنے مقامات پر واپس جا کر تاجروں کی لسٹیں ہمیں جلد سے جلد بھجوانے کی کوشش کریں گے تا کہ اُن کو منظّم کیا جا سکے اور سلسلہ کا وہ حصہ جو تاجروں سے تعلق رکھتا ہے اُس کو بیدار کر کے اُس سے کام لیا جا سکے۔‘‘

سب کمیٹی مال بجٹ میں تبدیلی کرسکتی ہے

۳۱؍مارچ ۱۹۴۵ء کے دن مجلس مشاورت کے دوسرے اجلاس میں حضور نے ممبران کو موقع دیا کہ وہ بجٹ صدر انجمن میں اخراجات کم کرنے کے سلسلہ میں کوئی مفید تجویز پیش کرنا چاہتے ہوں تو پیش کریں۔ اِس پر چند احباب نے اپنی تجاویز پیش کیں۔ ان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

’’میرے نزدیک اِس وقت دوستوں سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ جب اُنہیں یہ کہا گیا تھا کہ اخراجات کے متعلق اگر کسی نے کوئی تفصیلی رائے دینی ہو تو دے دیں اُس وقت تو انہوں نے کوئی رائے نہ دی اور اب اِس کے متعلق رائے دی جا رہی ہے جبکہ اور سوال پیش ہے۔ جو تجاویز اِس وقت دوستوں کی طرف سے پیش کی گئی ہیں وہ اخراجات میں کمی کرنے کے متعلق نہیں بلکہ زیادتی کے متعلق ہیں حالانکہ اصل سوال یہ پیش تھا کہ اگر کسی کے نزدیک کوئی خرچ ناجائز ہو یا کسی رقم میں کمی کرنی ضروری ہو تو وہ اپنی رائے کا اظہار کر دیں۔ یہ سوال نہیں تھا کہ وہ اخراجات کو بڑھانے کی تجاویز پیش کرنی شروع کر دیں۔ یہ غلطی ہے جو دوستوں سے اِس دفعہ ہوئی ہے کہ جب اخراجات کے متعلق تفصیلی بحث کا وقت دیا گیا تھا اُس وقت تو وہ خاموش رہے اور اب جبکہ اَور سوال پیش ہے وہ زیادتی کے متعلق اپنی آراء کا اظہار کرنے لگ گئے۔ بہرحال آئندہ کے متعلق مَیں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ سب کمیٹی بیت المال کو ایسی تمام تجاویز پر غور کر لینا چاہیے جو اخراجات میں زیادتی کرنے کے متعلق اس کے سامنے پیش کی جائیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ سب کمیٹی نے اس دفعہ کہا کہ ہمیں خرچ کو بڑھانے کا اختیار نہیں ہے مگر میرے نزدیک یہ درست نہیں۔ سب کمیٹی کو خرچ کے بڑھانے کا اختیار ہے اور آئندہ کے متعلق یہ میرا فیصلہ ہے کہ اسے ایسی تمام تجاویز پر غور کر لینا چاہیے

اور چونکہ سب کمیٹی میں آئندہ تمام نظارتوں کے نمائندے بھی شامل ہونگے اِس لئے ہر نظارت کی رائے سب کمیٹی پر کُلّی طور پر واضح ہو جائے گی۔ بہرحال سب کمیٹی بیت المال اخراجات کو بڑھانے یا بجٹ میں تبدیلی کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ اور چونکہ آئندہ ایک خاصی تعداد انجمن کے نمائندوں کی اِس سب کمیٹی میں شامل ہوگی، مختلف نظارتوں کا نقطۂ نگاہ اس پر آسانی سے واضح ہو سکے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر سب کمیٹی خود بعض اخراجات نہ بڑھانا چاہے تو مجلس شوریٰ میں ان معاملات کو پیش کر کے لوگوں کی رائے طلب کر لے۔ بہرحال ایسے امور سب کمیٹی میں ہی طے ہو سکتے ہیں۔ یہاں اگر بعض اخراجات میں زیادتی کی رائے پیش کی جائے تو اس پر پوری طرح غور نہیں ہو سکتا۔ کمی کے متعلق کسی خاص غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پرانے اخراجات کے متعلق انسان کو تجربہ ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ان کو کس حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ مگر نئے اخراجات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان پر پورا غور کر لیا جائے۔ اس لئے میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ یہاں کسی خرچ میں اضافہ کرنے کے متعلق بحث کی جائے۔ اس قسم کی تجاویز کا دروازہ کھولنے سے راستہ بہت لمبا ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ پہلو ایسا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آئندہ کے متعلق سب کمیٹی کو میں نے اختیار دے دیا ہے اگر وہ کسی خرچ میں زیادتی مناسب سمجھے گی تو کر دے گی۔ دوستوں کو بھی یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ اگر ان کے نزدیک آئندہ کسی خرچ میں زیادتی ضروری ہو تو وہ اس معاملہ کو سب کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا کریں۔ سب کمیٹی میں نظارتوں کے کافی نمائندے ہوں گے اور وہ اس پر پوری طرح غور کر کے مناسب رائے قائم کر سکیں گے۔

لائبریری کے متعلق تجاویز پر تبصرہ

اِس وقت جو تجاویز پیش کی گئی ہیں ان میں لائبریری کئی طور پر زیر بحث آ گئی ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں انجمن کے ذہن پر جو چیز حاوی رہی ہے اور جس کا مجھے صدر انجمن احمدیہ کے ممبران کے گفتگوؤں سے پتہ چلتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اِس لائبریری کو اپنی لائبریری نہیں سمجھتی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ لائبریری میں اسّی فیصدی کتابیں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی ہیں اور انجمن ان کتابوں کی محض نگرانی کر رہی ہے۔ اُس کے پاس کوئی ایسی سند نہیں ہے جس سے وہ لائبریری کو اپنی ملکیت قرار دے سکے۔ اِس وجہ سے ان کی طبیعت پر ہمیشہ یہ اثر

رہتا ہے کہ ہم اس لائبریری کے اخراجات کیوں برداشت کریں۔ انجمن صرف ایسے ہی اخراجات برداشت کرتی ہے جن سے عارضی طور پر کام چلایا جا سکے۔ ایسے اخراجات جو کسی ملکیتی جائیداد کے متعلق ضروری ہوتے ہیں، انجمن ان کو برداشت نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ یہ لائبریری انجمن کی ملکیت تو نہیں کہ اس کے اخراجات برداشت کئے جائیں۔ میرے نزدیک لائبریری کے متعلق بہت سے سوالات ہیں جن کا حل ہونا ضروری ہے اور جن کے متعلق صدر انجمن احمدیہ کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد ان امور کا فیصلہ کرے۔ مثلاً اوّل اِس بات کو خواہ نہ بھی طے کیا جائے کہ یہ لائبریری صدر انجمن احمدیہ کی ہے یا حضرت خلیفہ اوّل کے ورثاء کی ہے، سوال ہے کہ بعض کتابیں ایسی ہیں جن کے صرف ایک یا دو ایڈیشن نکلتے ہیں اور پھر اُس کتاب کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اِس قسم کی کتابیں لائبریری میں موجود ہیں اور انجمن اُن کے کسی تازہ ایڈیشن کے خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ اگر یہ لائبریری حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کی ہے اور درحقیقت جیسا کہ ہم بھی سمجھتے ہیں یہ حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کی ہی ملکیت ہے تو جس وقت اُنہوں نے یہ کتابیں واپس لے لیں، انجمن کے لئے نئی کتابوں کا خریدنا سخت مشکل ہو جائے گا۔ نہ صرف اِس لحاظ سے کہ ممکن ہے کہ اُس وقت تک ان کتابوں کا ایڈیشن ختم ہو چکا ہو بلکہ اِس وجہ سے بھی کہ ہوسکتا ہے جو کتاب آج پانچ روپے کو مل جاتی ہو وہ اِس کے نایاب ہو جانے کی صورت میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ بلکہ سَو سَو روپے کو ملے۔ اب تو صدر انجمن احمدیہ خاموشی سے بیٹھی ہے اور سمجھتی ہے کہ کتابیں لائبریری میں موجود ہیں اور کتابوں کے خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن جب یہ کتابیں اپنی ملکیت کی وجہ سے حضرت خلیفہ اوّل کا خاندان لے لے گا تو اُس وقت صدر انجمن احمدیہ مجبور ہو گی کہ یا تو حضرت خلیفہ اوّل کے ورثاء سے اور یا پھر کسی اور جگہ سے وہ کتابیں نہایت گراں قیمت پر خریدے اور اِس طرح اپنی ضرورت کو پورا کرے۔ آج اگر وہ صفائی سے اِس امر کا تصفیہ کر لیں تو کم سے کم اتنا فائدہ انجمن والوں کو ضرور ہو جائے گا کہ جو کتابیں اُن کے نزدیک تبلیغی نقطہ نگاہ سے ضروری ہوں گی پیشتر اِس کے کہ اُن کی طباعت ختم ہو یا گراں قیمت پر خریدنی پڑیں وہ آج ہی اُن کو خرید لے گی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض کتب کی نوادر ہونے کے لحاظ سے تو بے شک بڑی اہمیت

ہوتی ہے مگر جہاں تک سلسلہ کی ضروریات کا تعلق ہے اُن کے لحاظ سے یا مطالعہ کے لحاظ سے اُنہیں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ مثلاً بخاری اڑھائی روپے میں عام مل جاتی ہے اب جہاں تک دین کی اشاعت کے لئے بخاری کی ضرورت کا سوال ہے، اڑھائی روپے کی بخاری اتنا ہی کام دے جائے گی جتنا کام ایک پرانی قلمی بخاری جو پانچ سَو سال کی لکھی ہوئی ہو دے سکتی ہے بلکہ پانچ سَو سال کی پرانی قلمی بخاری کے خریدنے پر جتنا روپیہ صَرف ہوسکتا ہے اتنے روپیہ سے شائع شدہ بخاری کی دس جلدیں خریدی جاسکتی ہیں۔ افراد بے شک بعض دفعہ اپنے ذاتی شوق کی وجہ سے اِس قسم کی کتابیں خرید لیتے ہیں مگر جہاں تک سلسلہ کی ضروریات کا سوال ہے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

ذاتی شوق کے لحاظ سے بعض لوگوں کو پرانے خطوط جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے، بعض کو تیتریاں جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے، بعض کو شوق ہوتا ہے کہ فلاں کتاب کا فلاں ایڈیشن مل جائے تو بڑی اچھی بات ہے، بعض کو پرانی قلمی کتابوں کے جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ بے شک جہاں تک کسی شخص کے ذاتی شوق کا سوال ہے، ہم اس کو برداشت کرلیں گے مگر جہاں تک ضروریاتِ سلسلہ کا تعلق ہے اِن چیزوں کی کوئی قیمت نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ ہم نے تو دین کی اشاعت کے لئے ضروری کتابوں پر اپنا روپیہ خرچ کرنا ہے۔ ہمیں یہ ضرورت نہیں کہ وہ پانچ سَو سال کی لکھی ہوئی ہو یا سات سَو سال کی۔ ہمیں تو صرف حوالہ کے لئے اِس کی ضرورت ہے اور حوالہ کے لئے قلمی نسخہ اتنا مفید نہیں ہوسکتا جتنا مطبع میں شائع شدہ نسخہ۔ قلمی نسخہ کے متعلق تو پھر یہ بحث آ جائے گی کہ یہ نسخہ صحیح بھی ہے یا نہیں لیکن مطبوعہ نسخہ کے متعلق اِس قسم کی کوئی بحث نہیں اُٹھ سکتی اس لئے قلمی نسخوں کی بجائے مطبوعہ نسخہ جات تبلیغی نقطۂ نگاہ سے زیادہ مفید ہوتے ہیں اور وہ قلمی نسخوں سے بہت کم قیمت پر مل جاتے ہیں حضرت خلیفہ اوّل کی لائبریری میں ایسی کئی کتابیں موجود ہیں کیونکہ آپ کو پرانی قلمی کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ ایسی کتابوں پر صرف خرچ ہی خرچ ہوتا ہے کیونکہ اُن کی خاص طور پر حفاظت کرنی پڑتی ہے لیکن جماعت کی ضروریات کے لحاظ سے وہ زیادہ مفید نہیں ہوتیں۔ مثلاً حضرت خلیفہ اوّل نے محلّٰی ابن حزم کا رام پور سے قلمی نسخہ منگوایا تھا مگر اب یہ کتاب چھپ چکی ہے اور میرے پاس موجود ہے۔ ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابوں کی حفاظت پر بھی

بہت کچھ خرچ ہوتا ہے۔ ان کی سیاہی کا بھی اور کاغذ کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے کیونکہ پرانی کتب کا کاغذ جلد کیڑے کا شکار ہو جاتا ہے۔ پس سات آنہ میں ایک چھپی ہوئی کتاب خرید کر لائبریری میں رکھ لی جائے تو اس کی حفاظت کا اتنا فکر نہیں ہوگا جتنا کہ ایک قلمی کتاب کا خواہ وہ کتنی قیمت پر آئی ہو۔

غرض لائبریری کے متعلق بہت سے سوالات ہیں جو غور کے قابل ہیں۔ میرے نزدیک جہاں تک تبلیغ کا سوال ہے لائبریری کی ساری کتب مفید نہیں ہیں اور نہ سلسلہ کو ان سب کی ضرورت ہوسکتی ہے مگر بہرحال اِس بارہ میں صدر انجمن احمدیہ نے جو کچھ فیصلہ کرنا ہے حضرت خلیفہ اوّل کے ورثاء سے ہی کرنا ہے کہ ہمارے پاس یہ کتابیں کس رنگ میں ہیں۔ اِس کے بعد اگر ضرورت ہوگی تو سلسلہ جن کتابوں کا خریدنا تبلیغی نقطۂ نگاہ سے ضروری سمجھے گا خرید لے گا اور جن کتابوں کے متعلق سلسلہ سمجھے گا کہ یہ چھپ چکی ہیں، ہمیں قلمی نسخوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کے متعلق وہ حضرت خلیفہ اوّل کے ورثاء سے کہہ سکتا ہے کہ آپ اِن کتابوں کو اپنے پاس رکھ لیں یا جی چاہے تو فروخت کر دیں، سلسلہ ان کی حفاظت کا خرچ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل کی لائبریری میں بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو قلمی ہیں اور جن کی خاص طور پر حفاظت کرنی پڑتی ہے بلکہ مجھے پتہ لگا ہے کہ بعض قیمتی کتابیں ضائع بھی ہوگئی ہیں مگر پھر بھی اُن کتابوں میں سے بہت سی کتابیں اب چھپ چکی ہیں اور آسانی سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ بہت سی کتابیں جو حضرت خلیفہ اوّل کی لائبریری میں ہیں، میری لائبریری میں بھی موجود ہیں اور بہت سی کتابیں جو بعد میں چھپی ہیں، میری لائبریری میں تو ہیں مگر حضرت خلیفہ اوّل کی لائبریری میں نہیں ہیں۔ پس انجمن اگر چاہے تو وہ بہت تھوڑے سے روپیہ پر اپنی تبلیغی ضروریات کو پورا کرسکتی ہے اور ان کتابوں کو منگوا سکتی ہے جن کی عام طور پر ضرورت پیش آتی رہتی ہے لیکن انجمن والے ایک دُبدھا کی حالت میں لٹکے چلے جاتے ہیں۔ نہ وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ لائبریری اُن کی ہے یا حضرت خلیفہ اوّل کے ورثاء کی ہے اور نہ وہ لائبریری کے لئے روپیہ خرچ کرتے ہیں انجمن والے سمجھتے ہیں کہ جب یہ لائبریری حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کی ملکیت ہے تو ہم اِس پر بلاوجہ کیوں روپیہ خرچ کریں اور حضرت خلیفہ اوّل کے ورثاء یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی کتابیں انجمن والوں کو

فائدہ کے لئے دی ہوئی ہیں مگر وہ اپنی غفلت سے اُن کو ضائع کر رہے ہیں۔ اس طرح دونوں طرف ایسا احساس پیدا ہو رہا ہے جو صحیح اور اچھے تعلقات کے لئے مُضر ہے۔ وہ اِن پر احسان سمجھتے ہیں اور یہ اُن پر احسان سمجھتے ہیں اور برابر تیس سال سے ایسا ہو رہا ہے۔ میرے نزدیک انجمن کو حضرت خلیفہ اوّل کے ورثاء سے گفتگو کر کے فیصلہ کرنا چاہئے کہ لائبریری کی کتابیں اُس کے پاس کس حیثیت سے ہیں۔ آیا انجمن صرف بطور محافظ کے ہے یا لائبریری کی کتابیں اُس کے پاس اُس کی ملکیت میں شامل ہیں؟ اِس فیصلہ کے بعد انجمن والے صحیح طریق کار اختیار کر سکتے ہیں اور درحقیقت اس فیصلہ کے بعد ہی لائبریری کی صحیح معنوں میں داغ بیل پڑے گی۔ اگر انجمن والے یہ فیصلہ کر لیں تو اِس کے بعد کوئی نہ کوئی رُخ ایسا ضرور نکل آئے گا جس سے نتائج پہلے سے زیادہ شاندار پیدا ہوں گے۔

دوسرا سوال حفاظت کا کیا گیا ہے۔ مجھے حفاظت کے محکمہ کو دیکھ کر ہمیشہ حضرت خلیفہ اوّل کا ایک لطیفہ یاد آیا کرتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جموں میں ایک بڑا رئیس تھا جس نے پندرہ بیس ہزار روپیہ خرچ کر کے ولایت سے ایک ترکی گھوڑا منگوایا اور سائیس کو تاکید کر دی کہ اِس کا خیال رکھنا۔ اُس وقت جموں میں تنخواہیں بہت کم ہؤا کرتی تھیں۔ سائیس کی تنخواہ صرف پانچ چھ روپے ہؤا کرتی تھی اور گو وہ سَستا سماں تھا مگر پھر بھی پانچ چھ روپے میں مشکل سے گزارہ ہؤا کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد رئیس نے دیکھا کہ گھوڑا دُبلا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ یہ دیکھ کر اسے سخت فکر ہؤا اور اُس نے سمجھا یہ نالائق آدمی ہے گھوڑے کی نگرانی صحیح طور پر نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے پہلے سائیس کے اوپر ایک اَور نگران مقرر کر دیا۔ اِس پر گھوڑا اور زیادہ دُبلا ہونے لگ گیا۔ رئیس نے یہ دیکھ کر دوسرا نگران مقرر کر دیا مگر وہ موٹا ہونے کی بجائے پہلے سے بھی دُبلا ہو گیا۔ آخر اس نے سب پر ایک اور نگران مقرر کر دیا مگر گھوڑا موٹا نہ ہؤا۔ یہ دیکھ کر اُس نے حضرت خلیفہ اوّل کے پاس شکایت کی کہ مَیں نے اتنا قیمتی گھوڑا منگوایا تھا اور چار آدمی بھی مقرر کئے مگر گھوڑا ہے کہ دُبلا ہی ہوتا جا رہا ہے، معلوم نہیں کیا وجہ ہے؟ حضرت خلیفہ اوّل نے بڑے نگران کو بلایا اور کہا کہ بتاؤ گھوڑا کیوں دُبلا ہو رہا ہے؟ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ گھوڑے کے لئے پانچ سیر دانہ مقرر ہے اور چونکہ ہماری تنخواہ بہت تھوڑی ہے۔ اس لئے پہلے سائیس کو جب پانچ سیر دانہ گھوڑے کے لئے دیا جاتا تو وہ

اُس میں سے سَوا سیر خود رکھ لیتا اور باقی دانہ گھوڑے کو کِھلا دیتا۔ اِس پر لازماً گھوڑے نے دُبلا ہونا تھا کیونکہ اسے غذا کم ملتی تھی۔ اس پر دوسرا سائیس آیا تو اُس سے پوچھا کہ یہ دُبلا کیوں ہو رہا ہے؟ اُس نے بتایا کہ بات یہ ہے کہ سَوا سیر دانہ میں فروخت کر لیا کرتا ہوں۔ وہ کہنے لگا تو اچھا سَوا سیر پھر میرے لئے بھی رکھ لیا کرنا، اب اسے اَور زیادہ تھوڑی غذا ملنے لگ گئی اور وہ پہلے سے بھی دُبلا ہو گیا۔ رئیس نے ایک تیسرا سائیس مقرر کر دیا۔ وہ آیا تو اُس نے بھی وجہ دریافت کر کے کہا کہ سَوا سیر میرا حصّہ بھی رکھا لیا کرنا۔ اب صرف سَوا سیر دانہ گھوڑے کے لئے رہ گیا۔ اتنے میں مجھے مقرر کر دیا گیا مَیں نے پوچھا کہ کیا جھگڑا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ قصّہ ہے۔ مَیں نے کہا کہ اب گو صرف سَوا سیر دانہ رہ گیا ہے مگر میں اپنا حق نہیں چھوڑ سکتا، مَیں تو بہرحال اپنا حصّہ لے کر رہوں گا۔ گھوڑا خواہ مرے یا جئے۔ اِس طرح مَیں دیکھتا ہوں جب ایک محافظ تھا تو وہ میرے آگے پیچھے زیادہ رہا کرتا تھا، جب دو ہوئے تو اُن کا آگے پیچھے رہنا کم ہو گیا، چار ہوئے تو اُن میں سے اکثر غائب رہنے لگ گئے، اب آٹھ ہو جائیں گے تو غالبًا کوئی بھی نہیں رہے گا۔ درحقیقت غلطی یہ ہے کہ کسی اصول کے ماتحت کام نہیں کیا جاتا۔ اگر ایک شخص زیادہ اخلاص کا اظہار کرتا تھا اور وہ چوبیس گھنٹے پہرے کے لئے تیار رہتا تھا تو بجائے اس کے کہ اِس کو ڈانٹا جاتا اور اس کو کام سے علیحدہ کیا جاتا اُس کی قدر کرنی چاہئے تھی مگر اخلاص کی قدر کرنے کی بجائے آدمیوں کی تعداد پر کام کا انحصار رکھ لیا گیا ہے حالانکہ خواہ تم آٹھ پہرے دار کر دو یا سولہ، بیس کر دو یا چالیس، کام ہمیشہ اخلاص کے نقطۂ نگاہ سے ہی ہو گا۔ مَیں نے بتایا ہے کہ ایک پہرے دار میرے اِرد گرد زیادہ رہتا تھا، دو رکھے گئے تو اِس میں کمی آ گئی، چار رکھے گئے تو وہ غائب رہنے لگ گئے۔

باقی لڑکیوں کے بورڈنگ کے متعلق جو سوال اُٹھایا گیا ہے اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ مَیں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس سال لڑکیوں کے لئے ہوسٹل بن جائے گا بلکہ میں نے یہ کہا تھا کہ اِس سال لڑکیوں کے ہوسٹل کے متعلق کوشش کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں پہلا سوال زمین کا ہے۔ عمارت کا سوال تو اِس وقت پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہم نے مدرسہ ہائی کی عمارت بنانی شروع کی تھی مگر چھت پر آ کر عمارت رُک گئی کیونکہ سامان ہی نہیں ملتا۔

سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی عمارت کا کام پچھلی مئی سے شروع ہے مگر ابھی تک اس کے لئے گارڈر نہیں ملے پس اِس وقت عمارت کا کوئی سوال نہیں بلکہ سوال صرف زمین خریدنے کا ہے۔ ممکن ہے اِس سال اللہ تعالیٰ حالات سازگار کر دے تو عمارت کے لئے بھی کوشش شروع کی جا سکے مگر اِس وقت صرف زمین خریدنے کا سوال ہے تاکہ لڑکیوں کے بورڈنگ کی بنیاد قائم ہو جائے۔ سو مَیں اپنے حُکم اور اختیارِ خاص سے نصرت گرلز سکول کے ہوسٹل کے لئے اِس سال کے بجٹ میں پانچ ہزار روپیہ رکھتا ہوں۔ صدر انجمن احمدیہ کو چاہئے کہ وہ اِس روپیہ کو بجٹ میں شامل کر لے تاکہ اِس روپیہ سے زمین خریدنے کی کوشش کی جا سکے۔ اگر دورانِ سال میں عمارت کے سامان ملنے شروع ہو گئے تو میں اپنے اختیارِ خاص سے جتنی رقم کی ضرورت ہوگی اُتنی رقم کی بورڈنگ کی عمارت کے لئے منظوری دے دوں گا۔ ابھی چونکہ عمارتی سامانوں کے ملنے کا امکان بہت کم ہے اِس لئے میں صرف زمین کے لئے پانچ ہزار روپیہ کی منظوری دیتا ہوں۔''

حسابات کا ہر روز معائنہ ہونا چاہئے

بجٹ پر بحث کے دوران میں نظارت دعوۃ وتبلیغ کی یہ تجویز زیرِ غور آئی کہ محرر حسابات کے لئے چوراسی روپے سالانہ ڈیوٹی الاؤنس منظور کیا جائے۔ اس بارہ میں کچھ احباب نے اپنی آراء پیش کیں۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

''میرے ذہن میں ہمیشہ یہ سوال رہا ہے اور میں نے کئی نقطہ نگاہ سے اس پر غور کیا ہے میری رائے ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ یہ نقص جو پیدا ہوتا ہے یہ لازمی ہے یا غیر لازمی، اور آیا اِس نقص کو تسلیم کرنے کی وجہ سے ہم آئندہ کے لئے بددیانتی کا راستہ تو نہیں کھول دیتے؟ جب ہم کہتے ہیں کہ یہ ڈیوٹی الاؤنس ہے اور یہ ڈیوٹی الاؤنس اس لئے ہے کہ کام کرنے والے سے غلطیاں ہو جاتی ہیں جن کی اِس ذریعہ سے تلافی کی جاتی ہے تو اِس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ غلطیاں ہونی ضروری ہیں اور جب کسی کے اندر یہ ذہنیت پیدا کر دی جائے تو اُس کی دیانت کا معیار گر جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے ہم بچے تھے کہ ہم نے ''تشحیذ الاذہان'' نام سے ایک انجمن قائم کی۔ ایک دوست جو ہماری اس انجمن کے ممبر تھے بہت بڑی قربانی کر کے اور باہر کی ملازمت کو ترک

کر کے قادیان آئے اور اُنہوں نے بہت تھوڑے معاوضہ پر کام کرنا شروع کر دیا مگر ایک دفعہ جب حساب کو چیک کیا گیا تو معلوم ہوا کچھ رقم کی کمی ہے۔ اِس پر تشحیذ الاذہان کی مجلس میں یہ سوال پیش ہوا۔ کالج کے سٹوڈنٹس نے اِس بات پر زور دینا شروع کر دیا کہ یہ سخت بددیانتی ہے اور اِس کی سزا دینی چاہیئے۔ میری رائے یہ تھی کہ غلطی ضرور ہے اور بے احتیاطی سے کام لے کر سلسلہ کے اموال کو نقصان پہنچایا گیا ہے مگر جس قسم کی قربانی کر کے یہ شخص قادیان آیا ہے، اُس کو دیکھتے ہوئے اِسے دیدہ دانستہ شرارت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ بددیانتی تو ہے مگر غفلت اور نادانی کی وجہ سے ہے، شرارت کی وجہ سے یہ بددیانتی نہیں کی گئی۔ اِس پر ایک اور دوست کھڑے ہوئے اور کہنے لگے میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ یہ کیا بحث جاری ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ روپیہ کس کا ہے؟ ہم نے کہا خدا کا۔ وہ کہنے لگے اب بتاؤ تشحیذ الاذہان کی مجلس کو کس کام کے لئے مقرر کیا ہے؟ ہم نے کہا خدا کے کام کے لئے وہ کہنے لگے تو پھر اگر خدا کا بندہ خدا کا مال کھا گیا تو تم ہو کون جو اِسے بددیانت اور خائن قرار دو۔ مَیں نے اُنہیں بڑا سمجھایا مگر وہ یہی کہتے چلے گئے کہ آپ کی بات درست نہیں۔ مال بھی خدا کا اور بندہ بھی خدا کا، میری سمجھ میں تو اور کوئی بات آتی ہی نہیں۔ تو اِس قسم کی ذہنیتیں بھی بعض لوگوں کی ہوتی ہیں اور جن کی ذہنیتیں اِس قسم کی ہوں اُن کی دیانت کا معیار جس قدر بھی گر جائے کم ہوگا۔

سندھ میں ایک اکاؤنٹنٹ تھا جس نے بہت اچھا کام کیا اور بعض دفعہ انعام حاصل کیا۔ بعد میں اُس کی ایک بددیانتی ثابت ہوئی، اُس پر مقدمہ چلا اور وہ قید ہو گیا مگر اس سے پہلے اُس کے اچھے کام پر انعام منظور ہوا۔ مقدمہ کے دوران میں ہی انعام کا بل منظور ہو کر وہاں پہنچا اور چونکہ اُس وقت اِس اکاؤنٹنٹ پر مقدمہ چل رہا تھا اور اُس کی جگہ ایک اور اکاؤنٹنٹ کام کر رہا تھا، اِس لئے اُس دوسرے اکاؤنٹنٹ کو یہ روپے پہنچا دیئے گئے اور اُسے کہہ دیا گیا کہ یہ فلاں کو پہنچا دینا۔ کچھ عرصہ کے بعد چیکنگ میں وہ رقم جو بطور انعام بھجوائی گئی تھی دفتر سے غائب معلوم ہوئی۔ اِس پر نئے اکاؤنٹنٹ سے دریافت کیا گیا تو اُس نے کہا کہ یہ تو اکاؤنٹنٹ کا انعام تھا چونکہ اُس کی جگہ میں کام کر رہا تھا اِس لئے وہ روپے میں نے خرچ کر لئے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ روپے مجھے اپنی ذات پر خرچ نہیں کرنے چاہیئے تھے

تو مَیں واپس دے دیتا ہوں۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ دیانتداری کا معیار بعض لوگوں کے نزدیک کتنا گر جاتا ہے کہ دوسرے کی چیز وہ اپنے استعمال میں لے آتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا درست اور صحیح کیا ہے۔

ڈیوٹی الاؤنس بعض دفعہ انجمن کے زور دینے پر میں نے منظور بھی کیا ہے مگر میرا نفس اِس پر کبھی مطمئن نہیں ہؤا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ گھروں میں روزانہ ہم سے حساب میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ہم بازار میں جاتے ہیں، سَودا خریدتے ہیں اور پھر گھر واپس آ کر جب حساب کرتے ہیں تو بعض رقوم میں کمی بیشی معلوم ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ ہمارا ذاتی حساب ہوتا ہے اور یہاں اُس شخص کا سوال ہے جسے تنخواہ محض اِس بات کی دی جاتی ہے کہ وہ باقاعدگی کے ساتھ حساب رکھے۔ اُس کا فرض ہے کہ شام کو دفتر میں سے اُس وقت تک جائے نہیں جب تک اپنے حساب کو درست نہ کر لے۔ اگر وہ اس میں غفلت سے کام لیتا ہے، اگر وہ روزانہ شام کے وقت اپنے حساب کو چیک نہیں کرتا تو اس کی ذمہ داری اُسی پر ہے۔ اگر ایک شخص حساب کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میری میزان ۵۰۰ روپیہ ہونی چاہئے تھی مگر ہوتی ۴۹۶ روپے ہے تو اُس کو فوراً فکر پیدا ہو جائے گا کہ باقی کے چار روپے کہاں گئے۔ اور وہ دماغ پر زور دے کر سوچے گا اور حساب کو درست کرنے کی کوشش کرے گا لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا وہ روزانہ حساب کرنے کی بجائے کئی کئی دن یا کئی کئی ہفتہ کے بعد پڑتال کرتا ہے تو یہ اُس کی اپنی غلطی ہے اور اِس غلطی کا خمیازہ اُسے بہرحال بُھگتنا پڑے گا۔ پس بیشک جہاں تک غلطی کا سوال ہے ہر شخص کر سکتا ہے مگر یہاں اور سوال ہے، یہاں سوال یہ ہے کہ ایک شخص کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ روزانہ اپنے حساب کی پڑتال کرے پھر کیوں وہ اپنے اس فرض کو ادا نہیں کرتا۔ اگر وہ روزانہ اپنی آمد اور خرچ کو ٹکراتا نہیں، اگر وہ روزانہ اپنے حساب کی پڑتال نہیں کرتا، اگر وہ روزانہ گھر کو جانے سے پہلے اپنے دل میں یہ اطمینان نہیں پاتا کہ اُس کا حساب سَو فیصدی درست ہے تو وہ بہرحال بددیانت ہے کیونکہ وہ قانون کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور جب وہ بددیانت ہے تو اُس کی غلطی کا خمیازہ اسے خود ہی بھگتنا پڑے گا۔ آخر ایک شخص کے حساب میں دوسَو یا چارسَو یا پانچ سَو کا فرق کیوں پڑ جاتا ہے؟ اسی لئے کہ وہ روزانہ حساب نہیں کرتا۔ وہ آمد اور خرچ کو ٹکراتا نہیں ہے، اگر وہ

ہر روز ایسا کرے تو جس دن کوئی غلطی واقع ہو اُسی دن تحقیق ہو جائے کہ یہ غلطی معافی کے قابل ہے یا سزا کے قابل ہے۔ مگر اس بارہ میں ہمارے مرکزی دفاتر اِس قدر غفلت اور کوتاہی سے کام لیتے ہیں کہ تھوڑے ہی دن ہوئے میرے پاس ایک مسل آئی جو ایک شخص کے خلاف تھی اور جس پر الزام یہ تھا کہ اس کے ذمہ بہت سا روپیہ نکلتا تھا۔ اِس معاملہ کی تحقیق کے دوران میں محاسب سے پوچھا گیا کہ اُس نے کیوں نگرانی نہیں کی جب کہ صدر انجمن احمدیہ کے قواعد میں محاسب کے فرائض میں یہ بات شامل کی گئی ہے کہ ''محاسب حساب کی کتابوں کو روزانہ پڑتال کر کے اُس پر دستخط کرے گا۔'' (قاعدہ نمبر ۲۲۱ الف) جب محاسب سے یہ بات پوچھی گئی تو اُس نے جواب یہ دیا کہ بے شک ایسا قانون ہے مگر ساری کاغذی باتیں ماننے والی تھوڑی ہوتی ہیں۔ جہاں اِس قسم کی ذہنیت کام کر رہی ہو وہاں اگر ہم کسی محرر کو ڈیوٹی الاؤنس دیں گے تو یقیناً اُس کے جُرم کو اور بھی بڑھانے کا موجب ہوں گے۔

میرے نزدیک تمام غلطیوں کی وجہ یہ ہے کہ روپیہ کی آمد اور اُس کے خرچ کو روزانہ ٹکرایا نہیں جاتا، حساب کو باقاعدہ چیک نہیں کیا جاتا اور ہر روز شام کو یہ اطمینان نہیں کیا جاتا کہ حساب درست ہے، اُس میں کسی قسم کی غلطی نہیں، نہ ماتحت محرر یہ کام کرتے ہیں نہ افسران صیغہ ان کی نگرانی کرتے ہیں اور نہ آڈیٹر دفاتر کا باقاعدہ معائنہ کر کے حساب کو چیک کرنے کی کبھی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں آڈیٹروں کا وجود اور عدمِ وجود قطعی طور پر برابر ہے اور مَیں اب تک کسی ایک آڈیٹر کے متعلق بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کیا ہے۔

جہاں تک روپیہ جمع کرنے کا سوال ہے مَیں چوہدری برکت علی خاں صاحب کے کام پر بہت ہی خوش ہوں۔ انہوں نے تحریک جدید میں حیرت انگیز طور پر روپیہ جمع کرنے کا کام کیا ہے۔ مگر جہاں تک آڈیٹر کے کام کا تعلق ہے، اُن کا کام بھی صفر ہے اور باقی آڈیٹروں کا کام بھی صفر ہے۔ انہوں نے قطعاً اِس ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا جو اِس عُہدہ پر قائم ہونے کے بعد اُن پر عائد ہوتی تھی۔ میرے نزدیک بجائے اس کے کہ کسی محرر حسابات کو ڈیوٹی الاؤنس دیا جائے اور اس طرح اُسے ایک رنگ میں اِس قسم کی غلطیوں پر جرأت دلائی جائے

ضروری ہے کہ جب کسی سے اِس رنگ کی کوئی غلطی ہو تو اُسے، اُس کے افسر اور آڈیٹر تینوں کو ذمہ دار قرار دیا جائے مگر اب یہ صورت ہے کہ جب کسی کارکن سے غلطی ہو تو افسر اور آڈیٹر ہنس کر کہہ دیتے ہیں کہ اُس سے حساب میں کچھ گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ حالانکہ جب اُن کا فرض تھا کہ وہ باقاعدہ حساب کو چیک کرتے اور جب کسی جگہ خرابی دیکھتے تو فوراً صدرانجمن احمدیہ میں اُس کی رپورٹ کرتے تو انہوں نے کیوں حساب چیک نہ کیا اور کیوں بددیانتی کا موقع آنے دیا؟ کتنی حیرت کی بات ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مصری جب یہاں سے گئے تو اُن کے جانے کے بعد جب حسابات کی چیکنگ ہوئی تو اُس وقت معلوم ہوا کہ کئی سال پہلے انجمن نے ایک رقم شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کو اِس لئے دی تھی کہ وہ یہ رقم فلاں کو پہنچا دیں مگر اُنہوں نے عرصہ تک وہ رقم اپنے پاس رکھی اور اُس شخص کو نہ پہنچائی۔ ان کے جانے کے بعد ہمیں پتہ لگا کہ اِس اِس طرح ہوا ہے۔ اگر آڈیٹر حسابات باقاعدگی کے ساتھ چیک کرتا تو یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ اتنے عرصہ تک وہ ایک رقم اپنے پاس ہی رکھ لیتے اور جس شخص کو پہنچانے کے لئے دی گئی تھی اُس کو نہ پہنچاتے۔ ہمارے ہاں قاعدہ ہے کہ:-

''آڈیٹر کا فرض ہوگا کہ کم از کم ہر تیسرے ماہ تمام صیغہ جات و دفاتر صدرانجمن احمدیہ کی مفصّل پڑتال کر کے رپورٹ کرے۔'' (قاعدہ نمبر ۲۳۶)

مگر اس قاعدہ پر کبھی عمل نہیں کیا گیا۔ کبھی اِس کے مطابق صیغہ جات و دفاتر کا معائنہ نہیں کیا گیا کبھی ہر تین ماہ کے بعد صدرانجمن کو اصل حالات سے آگاہ نہیں کیا گیا۔

پس میرے نزدیک ہمارے آڈیٹر قطعی طور پر کام نہیں کرتے حالانکہ اُن کا فرض ہے کہ وہ باقاعدگی سے تمام دفاتر کا معائنہ کریں اور حساب رکھنے والے محرر کا فرض ہے کہ وہ روزانہ اپنے کیش اور خرچ کو ٹکرائے اور دیکھے کہ کتنا خرچ ہوا اور کتنی رقم اس کے پاس موجود ہے۔ جب تک آڈیٹر اور افسر اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے اُس وقت تک ماتحت بھی اپنے کام میں ہوشیار نہیں ہو سکتے۔ بیشک جُرم ماتحت کا ہے مگر اسے دلیری افسر کے رویہ کے بعد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا افسر میرے حساب کا معائنہ نہیں کرے گا اِس لئے مجھے بھی ضرورت نہیں کہ مَیں زیادہ فکر کروں۔ اسی طرح محاسب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آمد و خرچ کا حساب روزانہ مکمل کرائے اور حساب کی کتابوں کو پڑتال کر کے اُن پر

دستخط کرے مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمارے ہاں یہ حالت ہے کہ محاسب سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ بے شک ایسا لکھا ہے مگر ہر لکھی ہوئی بات پر کون عمل کرتا ہے؟ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو کیا اِس کے بعد کوئی بھی قانون چل سکتا ہے اور کیا کسی محکمہ میں بھی امن رہ سکتا ہے؟ آڈیٹر اور محاسب دونوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ حسابات کا باقاعدہ معائنہ کریں، آمد اور خرچ کے رجسٹروں کو غور سے دیکھیں۔ اُن کی میزان پر نظر ڈالیں، خزانہ میں جو کچھ موجود ہو اُسے دیکھیں۔ جہاں جہاں خرچ ہؤا ہو اُس کو مدنظر رکھیں اور ایک پائی کی کمی کو بھی برداشت نہ کریں۔ اُن کا فرض ہے کہ جب کسی جگہ انہیں کوئی نقص معلوم ہو وہ اُس جگہ سے اُس وقت تک ہلیں نہیں جب تک اُس نقص کو دُور نہ کر لیں۔ یا جس نے نقص پیدا کیا ہے اُس کی رپورٹ افسرانِ بالا کے پاس نہ کر لیں مگر ہمارے آڈیٹر جس رنگ میں کام کرتے ہیں، اُس کا اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مَیں نے ایک دفعہ گورنمنٹ پنشنر آڈیٹر کو زمیندارہ کے حساب چیکنگ کے لئے سندھ اپنی زمینوں پر بھجوایا۔ وہ معائنہ کے بعد ہنستے ہوئے میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے لیجئے صاحب مبارک ہو، دس ہزار روپیہ نفع ہے۔ مَیں نے کہا دس ہزار روپیہ نفع نہیں یہ تو بیس ہزار گھاٹا ہے کیونکہ ان زمینوں پر قرض کا اِس اس قدر بار ہے جو ابھی قابلِ ادا ہے۔ وہ کہنے لگے ہمیں اِس سے کوئی غرض نہیں کہ کون کون سا قرض قابلِ ادا ہے یا زمین پر کتنا بار ہے۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ اتنی چیز فروخت ہوئی اور اس کے بدلہ میں اتنا روپیہ آ گیا۔ میں نے کہا آپ کو یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ اِس کے بعد کون کون سی رقوم قابلِ ادا رہتی ہیں تا کہ صحیح طور پر نفع نقصان کا اندازہ ہو سکے وہ کہنے لگے یہ ہماری آڈٹ کے اصول کے خلاف ہے۔ مَیں نے کہا تو پھر آپ جائیے، اِس قسم کے آڈیٹروں کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ آڈیٹر ایسا ہونا چاہئے جو تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد حسابات کا معائنہ کرتا رہے۔ اگر ایسا ہو تو فوراً پتہ لگ جائے گا کہ کس جگہ غفلت سے کام لیا گیا ہے۔ اگر افسر دستخط نہیں کرتا تو وہ پکڑا جائے گا اور اگر افسر دستخط کرتا ہے اور حسابات کا روزانہ معائنہ کرتا ہے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی غلطی واقعہ ہو۔ اگر افسروں کی طرف سے حسابات کی باقاعدہ چیکنگ ہو، حسابات کے رجسٹرات پر اُن کے دستخط ہوں تو کوئی خرابی پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اب جو چار چار، پانچ پانچ، سات سات سال کے بعد

بعض لوگوں کے خلاف اِس قسم کے کیس پیدا ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے غبن کیا یا بد دیانتی کی یا غلطی کی اِس کی وجہ یہی ہے کہ افسر اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے۔ اگر سال میں چار دفعہ ہر صیغے کا معائنہ ہو جائے تو پھر کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہی ہے کہ آج تک جو بھی آڈیٹر آیا ہے اُس نے حسابات کو آڈٹ نہیں کیا۔ بلکہ اُس نے اپنا کام صرف اتنا ہی سمجھا ہے کہ بل دیکھے اور اُن کی پڑتال کر کے خزانہ میں بھجوا دیئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دفاتر کے لئے جس قسم کے آڈٹ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے زیادہ عملہ کا ہونا ضروری ہے مگر ہمارے ہاں آڈیٹر صرف ایک آدمی ہی رکھا جاتا ہے اور اُس کے پاس اتنا کام ہوتا ہے کہ وہ بمشکل تمام دفاتر کے بِلوں کو ہی چیک کر سکتا ہے۔ اُس کے پاس اِتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ دفاتر میں جائے اور حسابات کا معائنہ کرے۔ پس میں کثرت رائے کی تائید کرتا ہوا اِس تجویز کو ردّ کرتا ہوں۔''

اس کے بعد جناب ناظر صاحب بیت المال نے دارالتبلیغ لاہور۔ پشاور۔ دہلی۔ کراچی اور مدراس کے اخراجات برائے منظوری پیش کئے۔ حضور نے فرمایا۔

''جو دوست اس بارہ میں کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ اپنے نام لکھوا دیں مگر تمہیدی طور پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ تجویز پرانی ہے لیکن اِس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ابھی ہمارے پاس سامانوں کی بہت قلّت ہے۔ مثلاً بمبئی میں ایک انگریزی دان مبلّغ کی ضرورت تھی مگر ہمارے پاس کوئی ایسا مبلّغ نہیں تھا آخر ہم نے نیّر صاحب کو جو ریٹائر ہو چکے ہیں یا شاید ہونے والے ہیں وہاں بھجوا دیا۔ وہ وہاں اَور چھ ماہ یا سال تک کام کر سکتے ہیں اِس کے بعد اُن میں کام کرنے کی طاقت نہیں رہے گی۔ اب اُن کی عمر پینسٹھ سال کے قریب ہے اور اِس عمر میں انسان اُس رنگ میں تبلیغ نہیں کر سکتا جس رنگ میں جوانی کے دنوں میں تبلیغ کر سکتا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک دن کسی جگہ لیکچر دے دیں یا جو دوست ملنے کے لئے آئیں اُن سے تبلیغی گفتگو کر لیں مگر یہ کہ وہ لوگوں کے گھروں تک پہنچیں اور اُن کو تبلیغ کریں یہ کام اب اِس عمر میں اُن سے نہیں ہو سکتا اور ہم جس قسم کے کام کا لوگوں سے مطالبہ کرتے ہیں وہ کام اِس عمر میں ہو بھی نہیں سکتا مگر ہمارے پاس کوئی اور ایسا انگریزی دان اِس وقت تیار نہیں ہے جسے بمبئی میں بھجوایا جا سکے۔ لاہور میں ہم ایسا مبلّغ رکھ سکتے ہیں جو مولوی فاضل ہو،

دہلی میں بھی وہ کچھ کام دے جائے گا، مگر انگریزی دان مبلّغ زیادہ مفید ہوسکتا ہے مگر کلکتہ۔ بمبئی۔ مدراس اور کراچی میں انگریزی دان مبلّغ ہی کام دے سکتے ہیں۔ کراچی میں سندھی زبان جاننے والے زیادہ ہیں۔ اِسی طرح اور لوگ ہیں جو انگریزی جانتے ہیں، اردو کا رواج وہاں بہت کم ہے۔ اگر ہم اردو دان مبلّغ بھجوائیں تو اُسے اُتنی کامیابی نہیں ہوسکتی جتنی ایک انگریزی دان مبلّغ کو ہوسکتی ہے۔ بمبئی میں اِس سے بھی زیادہ مشکلات ہیں اور مدراس میں تو اور بھی مشکل ہے۔ کلکتہ میں اگر ہم کسی اُردو دان مبلّغ کو بھجوائیں تو وہاں بھی وہ ایک محدود حلقہ میں ہی کام کرسکتا ہے، مگر ہمارے پاس اِس وقت انگریزی دان مبلّغ ہیں ہی نہیں کہ ہم ان مقامات کی ضرورت کو پورا کرسکیں۔

پچھلے سال کے بجٹ میں بھی جب انگریزی دان مبلّغوں کا رکھا جانا تجویز کیا گیا تھا تو میں نے ناظر صاحب سے کہا تھا کہ مہربانی کر کے مجھے وہ آدمی بتائیں جن کو وہ ان مقامات پر بھجوائیں گے مگر وہ کسی آدمی کا نام نہ بتلا سکے۔ اِس بارہ میں مَیں کئی سال سے صدرانجمن احمدیہ کو توجہ دلا رہا ہوں کہ وہ انگریزی دان مبلّغ تیار کرے مگر صدرانجمن احمدیہ نے اِس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اگر انگریزی دان مبلّغوں کی تجویز کو اس وقت منظور بھی کرلیا جائے اور ایک رقم رکھ لی جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ انگریزی دان مبلّغ ہمارے پاس ہیں ہی نہیں۔ تحریک جدید کے ماتحت جو مبلّغ تیار ہو رہے ہیں وہ ابھی بیرون ہند کی ضرورت پورا کرنے کے لئے ہی تیار کئے جا رہے ہیں۔ جب بیرون ممالک کے لئے ہم اپنے مبلّغ پوری طرح تیار کرلیں گے تب ہم اِس قابل ہوں گے کہ صدرانجمن احمدیہ کو قرض کے طور پر اپنے وہ مبلّغ کچھ عرصہ کے لئے دے دیں جو ولایت سے چُھٹی پر آئیں مگر جب تک وہ دن نہیں آتا۔ انگریزی دان مبلّغین کا تیار کرنا صدرانجمن احمدیہ کے ذمہ ہے۔ پس مَیں تو سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہ کونسے آدمی ہیں جو اِن مقامات پر رکھے جائیں گے۔ ناظر صاحب تبلیغ پہلے یہ بتا دیں کہ اُنہوں نے کونسے آدمی تجویز کئے ہیں تاکہ ہم یہ فیصلہ کرسکیں کہ اِس خرچ کی یہ ضرورت پیش آ گئی ہے۔''

اِس موقع پر حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر تعلیم و تربیت نے عرض کیا کہ کوئی معیّن آدمی نظارت کی نظر میں نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا۔

''ناظر صاحب کہتے ہیں کہ کوئی معیّن آدمی میری نظر میں نہیں ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ مدراس اِس صورت میں بہرحال خالی رہے گا۔ باقی جگہوں میں اُردو دان مبلّغ سے ہی کچھ کچھ گزارہ چل سکتا ہے۔ مثلاً دہلی۔ لاہور۔ پشاور اور کراچی میں۔ لاہور اور پشاور میں تو خالص عربی دان مبلّغ بھی کام کر سکتا ہے مگر کراچی اور دہلی میں کسی قدر انگریزی جاننے کی بھی ضرورت ہے مگر مدراس میں ایسا شخص کوئی زیادہ کام نہیں دے سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کے پاس اب مولوی فاضل مبلّغ بھی نہیں ہیں جن کو وہ بھجوا سکے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے سالوں میں نئے مبلّغ تیار کرنے میں صدر انجمن احمدیہ نے سخت کوتاہی سے کام لیا ہے۔ بہرحال مدراس میں دارالتبلیغ کے قیام کا سوال سرِدست ہم اُڑا دیتے ہیں۔ کلکتہ اور بمبئی کو ہم اپنا مرکز بنا چکے ہیں۔ اب سوال صرف دہلی، لاہور، پشاور اور کراچی کا ہے۔ میں یہ سوال دوستوں کی آراء کے لئے اُن کے سامنے پیش کرتا ہوں مگر اِس موقع پر مَیں صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ جلد سے جلد تین چار انگریزی دان مبلّغ تیار کرنے کی کوشش کرے تا کہ وہ ایسے شہروں میں تبلیغی کام کر سکیں جہاں انگریزی دان طبقہ زیادہ ہے۔''

نمائندگان کی آراء اور رائے شماری کے بعد حضور نے فرمایا:-

''کثرتِ رائے کے مطابق میں فیصلہ کرتا ہوں کہ دہلی، لاہور، پشاور اور کراچی میں تبلیغی مشن کھولے جائیں ان کے اخراجات کے لئے ۱۵۰۰۔ ۹۰۰۔ ۱۵۰۰ اور ۹۰۰ روپیہ حسبِ ترتیب منظور کیا جاتا ہے۔

کشمیر کے متعلق ایک دوست نے جو تجویز پیش کی ہے میرے نزدیک اُس کا خیال رکھنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے مَیں چاہتا ہوں آئندہ سال کے پروگرام میں کشمیر کو بھی مدنظر رکھ لیا جائے وہ واقعہ میں مرکز ہے بہت سے راستوں کا اور ہم کشمیر میں اپنا مرکز قائم کر کے چین وغیرہ کی طرف اپنی تبلیغ کو پھیلا سکتے ہیں۔''

دارالشیوخ میں صرف مستحق افراد کو داخل کیا جائے

نظارت ضیافت کی طرف سے دارالشیوخ کے لئے ایک بڑی رقم کا مطالبہ مشاورت میں زیرِ بحث آیا۔ چند ممبران کی آراء کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’یہ سوال بظاہر ایک عقدہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے سید ولی اللہ شاہ صاحب نے بھی اِس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ پہلے یہ رقم کہاں سے آتی تھی لیکن اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ جس شخص نے یہ کام شروع کیا تھا وہ جس طرح بھی ہوتا تھا یہ رقم مہیّا کر لیتا تھا۔ کسی شخص سے متعلق یہ امید کرنا کہ وہ اُسی معیار کے مطابق کام کرے جس معیار کے مطابق پہلے نے کیا تھا، بسا اوقات اُس کے متعلق ایک غلط اندازہ ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب بھی میرے سامنے کاغذات آئے ہیں اور آٹھ دس دفعہ آچکے ہیں مجھے حیرت ہوئی ہے کہ میر صاحب☆ ۲۴ ہزار سالانہ دارالشیوخ کے اخراجات کے لئے کہاں سے لاتے تھے۔ میں نے جرح بھی کی، اخراجات پر کئی اعتراضات بھی کئے اور بہت کچھ مطالبات کم بھی کر دیئے مگر ہمیشہ بیس ہزار کے لگ بھگ یہ رقم رہی ہے اور کہا گیا ہے کہ اِس کے بغیر قطعاً کام نہیں چل سکتا۔ پس اصل بات تو یہ ہے کہ ایک شخص نے یہ کام شروع کیا اور اُسے کر کے دکھا دیا مگر دوسرا آدمی صاف طور پر کہہ رہا ہے کہ میں یہ روپیہ مہیّا نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کام کو جاری رکھنے کے لئے امداد کریں اور یہ نہ دیکھیں کہ پہلا شخص کہاں سے روپیہ جمع کر لیا کرتا تھا۔ یا تو ہمارے سامنے ایسا آدمی پیش کرنا چاہئے جو یہ سمجھتا ہو کہ مَیں میر صاحب کی طرح لوگوں سے روپیہ جمع کر لوں گا تب بیشک اِس امداد کی ضرورت نہیں ہو سکتی لیکن اگر کوئی ایسا آدمی پیش نہیں کیا جا سکتا تو انجمن کے لئے ضروری ہے کہ وہ روپیہ منظور کرے۔ اگر انجمن کسی ایک ایسے شخص کا نام پیش نہیں کر سکتی جو میر صاحب کی طرح اِس کام کو کرنے کے لئے تیار ہو اور دوسرے لوگ جو اِن کی جگہ کام کر رہے ہیں وہ خود اپنی عدمِ قابلیت کا اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم وہ روپیہ کہاں سے لاتے تھے۔ تو بہرحال اُن کا نقطۂ نگاہ ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کچھ یہ بھی وجہ ہے کہ آجکل اخراجات بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ یہ تغیر زیادہ تر ۱۹۴۴ء کے آخر میں ہوا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں ممکن ہے اگر میر صاحب مرحوم بھی زندہ ہوتے تو اُن کو یہ مشکلات پیش آجاتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو نیک نامی کے زمانہ میں ہی اُٹھا لیا اور اب دوسرے لوگ اِس بوجھ کو اُٹھانے سے قاصر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جب تک انجمن ہماری مدد نہ کرے ہم اس بوجھ کو

☆ میر محمد اسحٰق صاحب

اُٹھا نہیں سکتے۔

دوسرا سوال یہ اُٹھایا گیا ہے کہ جن لوگوں کی امداد کی جاتی ہے وہ سب کے سب امداد کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ ایک حصّہ ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنا بوجھ آپ اُٹھا سکتا ہے مگر اس کا بار بھی سلسلہ پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اِس قسم کی مشکلات میر صاحب کے لئے اُن کی زندگی میں ہی پیدا ہوگئی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ غلّہ فنڈ میں سے اُنہوں نے امداد کا مطالبہ کیا۔ مَیں نے اُنہیں کہا کہ آپ کا یہ مطالبہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ آپ لڑکوں کی فہرست بھجوادیں تا کہ اُس کو دیکھ کر غور کیا جا سکے کہ کون کون سے واقعہ میں قابلِ امداد ہیں، اور کون کون سے نہیں، انہوں نے جو فہرست بھجوائی اُس سے بھی مجھ پر یہی اثر تھا کہ جہاں تک یہ خیال ہے کہ غرباء کی پرورش کرنی چاہئے اُس حد تک تو اُن کا مطالبہ درست ہے مگر جہاں تک اِس امر کا تعلق ہے کہ سلسلہ اپنی موجودہ مالی مشکلات میں کس کس قسم کے لوگوں کا خرچ برداشت کرسکتا ہے اور کِس کِس قسم کے لوگوں کا خرچ برداشت نہیں کرسکتا، اس کے لحاظ سے اِس میں بعض خامیاں بھی تھیں اور مجھ پر یہ اثر تھا کہ اِن طلباء میں سے کافی تعداد ایسے لڑکوں کی ہے کہ اگر وہ براہِ راست سلسلہ احمدیہ کے سامنے مدد کے لئے پیش ہوں تو اُن کا پورا بوجھ اُٹھانے کے لئے سلسلہ قطعاً تیار نہ ہو۔

پس جہاں تک چوہدری فتح محمد صاحب کے سوال کا تعلق ہے، مَیں ان سے پوری طرح متفق ہوں۔ میر صاحب مرحوم چونکہ مہمانوں کی خدمت اور اُن کی خاطر تواضع میں بڑے ماہر تھے اور لوگوں سے اُن کے بڑے وسیع تعلقات تھے، لوگ اُن کی تحریک پر بڑی بڑی رقوم غرباء کی امداد کے لئے بھجوادیتے تھے اور وہ بھی دلیری سے ایسے تمام اخراجات کو برداشت کرتے ہوئے غرباء کو جمع کرتے جاتے تھے لیکن عقلی طور پر یہ درست طریق نہیں۔ اور پھر بعض جگہ اِس سے یہ نقصان بھی ہوا کہ بعض خاندان بجائے اس کے کہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونے کی کوشش کرتے، وہ اِس امداد کی وجہ سے اور بھی سُست ہو گئے اور اُنہوں نے جدوجہد سے کام لینا بالکل ترک کر دیا۔ اگر ان لوگوں کو نکال دیا جائے تب بھی ایک گروہ ایسا رہ جاتا ہے جس کے اخراجات سلسلہ کو برداشت کرنے پڑیں گے۔ یتامیٰ کے متعلق تو میں نے فوری طور پر حکم دے دیا ہے کہ اُن سب کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کر دیا جائے

اور اُن کے اخراجات انجمن ادا کرے۔ اِسی طرح بیواؤں اور بوڑھوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کے اخراجات پورے طور پر اور بعض ایسے ہیں جن کے اخراجات ایک حد تک سلسلہ کے ذمہ ہیں مگر ایک حصّہ ایسے لڑکوں کا بھی ہے جو طالب علم کی حیثیت سے یہاں آئے، میر صاحب کی انہوں نے خوشامد کی اور چونکہ اُن کو روپیہ لوگوں سے مل جاتا تھا، انہوں نے ان لڑکوں کو دارالشیوخ میں داخل کر لیا۔ اِس قسم کے لڑکوں میں سے بعض غیر احمدی بھی ہیں جو یہاں آئے اور انہوں نے اُن کو امداد دینی شروع کر دی حالانکہ اگر یہ طلباء براہ راست سلسلہ کے سامنے پیش ہوتے تو غالبًا سلسلہ اُن کو وظائف کا مستحق قرار نہ دیتا۔ بہر حال جو داخل ہو چکے ہیں اُن کو جلدی نکالنا تو مشکل ہے۔ کم سے کم ہمیں اُن کو اِس حد تک تعلیم دلا دینی چاہئے کہ اس کے بعد ہم اُن سے یہ کہہ سکیں کہ اب تم اپنے گزارہ کے لئے کوئی کاروبار شروع کر دو، سلسلہ تمہارا بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اِس وقت ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور بغیر اس کے کہ ہمارا ضمیر ہم کو ملامت کرے، ہم اُن کو نکال نہیں سکتے۔ لیکن آئندہ کے لئے مَیں یہ قاعدہ مقرر کرتا ہوں کہ سوائے اُن یتامیٰ کے جو ہماری جماعت سے تعلق رکھتے ہوں اور جن کی پرورش اور امداد بہر حال ہمارے ذمہ ہے، اِسی طرح اُن بیواؤں اور بوڑھوں اور نابینوں کے سِوا جو کام نہیں کر سکتے اور جو مدد کے حقیقتًا محتاج ہوتے ہیں اس ادارہ میں اَور کسی کو شامل نہ کیا جائے مگر ضروری ہوگا کہ اِن میں سے ہر ایک کا معاملہ پوری چھان بین کے بعد صدر انجمن احمدیہ کے سامنے پیش ہو، اور صدر انجمن احمدیہ کی منظوری کے بعد اُن کا دارالشیوخ میں داخلہ ہو۔ ان کے علاوہ اگر کوئی ایسا طالب علم آئے جو یتیم نہ ہو بلکہ محض غربت کی وجہ سے امداد کا طالب ہو تو اُسے دارالشیوخ میں نہ لیا جائے بلکہ اُس کا معاملہ براہ راست انجمن کے سامنے پیش کیا جائے۔ اگر وظائف کی مد میں گنجائش ہو اور صدر انجمن احمدیہ اُس کو واقعی قابلِ امداد سمجھتی ہو تو وظائف کی مد سے اُس کو امداد دی جا سکتی ہے اور اگر گنجائش نہ ہو یا صدر انجمن احمدیہ کی نگاہ میں وہ وظیفہ کا مستحق نہ ہو تو وہ اُس کے معاملہ کو ردّ کر سکتی ہے۔ اِس قانون کے بعد امید ہے کہ ایسے لوگ اِس ادارہ میں شامل نہیں ہو سکیں گے جو امداد کے مستحق نہ ہوں اور جن پر روپیہ خرچ کرنا سلسلہ پر بار ہو مگر اس وقت جو لڑکے اُس میں داخل ہیں، اُن کو میرے نزدیک پرائمری تک تعلیم دلانے میں

مدد کرنی چاہئے۔ یتامیٰ اور نابینا تو بہرحال امداد کے مستحق ہیں، باقی لڑکوں کو پرائمری تک تعلیم دلا کر صنعت و حرفت کے کاموں پر لگا دیا جائے۔ قادیان میں ہی کئی کارخانے موجود ہیں وہ اگر چاہیں تو اُن میں کام کر کے اپنا گزارہ کر سکتے ہیں۔ گزشتہ عرصہ میں ہم نے پورا زور لگایا کہ یہ لڑکے کارخانوں میں جا کر کام کریں مگر چند دنوں کے بعد ہی بھاگ کر واپس آ جاتے اور کہتے کہ ہم سے کام نہیں ہوسکتا۔ اِس کی وجہ یہی تھی کہ اُن کو مفت روٹی کھانے کی عادت ہو چکی تھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو بڑے ہو گئے اور اُن کے متعلق یہ سمجھا گیا کہ اب سلسلہ اُن کی تعلیم کا بوجھ زیادہ نہیں اُٹھا سکتا چنانچہ اُنہیں گھروں میں ملازم کر دیا گیا مگر دس میں سے نَو لڑکے بھاگ کر آ گئے اور انہوں نے کام کرنا پسند نہ کیا۔ کارخانوں والے بھی یہی شکایت کرتے رہے کہ لڑکے محنت کے ساتھ کام نہیں کرتے اور چند دن کے بعد بھاگ جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اِس قسم کے نقائص کو دُور کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ آئندہ کے لئے ایسے لڑکوں کا دارالشیوخ میں داخلہ روک دیا جائے۔ صرف یتامیٰ اور نابینا ہی لئے جائیں یا اُن بیواؤں اور بوڑھوں کو مستحقِ امداد سمجھا جائے جو کوئی کام نہیں کر سکتے اور امداد کے واقعہ میں مستحق ہوں، ان کے سِوا جو طالب علم آئیں اُن کو شامل نہ کیا جائے۔ ہاں وہ براہ راست وظیفہ کے لئے صدر انجمن احمدیہ کے پاس درخواست کر سکتے ہیں اِس میں کوئی روک نہیں۔ صدر انجمن احمدیہ اگر اُن کو مستحق امداد سمجھے گی تو وظیفہ دے دے گی اور اگر نہیں سمجھے گی تو نہیں دے گی۔ اِسی طرح دارالشیوخ میں داخلہ سے پہلے بھی صدر انجمن احمدیہ کی منظوری ضروری ہے تا کہ پورے غور کے بعد اس اہم معاملہ کا فیصلہ ہو۔

یہ قاعدہ تو آئندہ کے متعلق ہے اِس وقت نظارت ضیافت کی طرف سے ۹۷۰۰ روپیہ کا مطالبہ پیش ہے .... جو دوست اِس بات کی تائید میں ہوں کہ ۹۷۰۰ روپیہ نظارت ضیافت کے بجٹ میں منظور کیا جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

۳۲۸ دوست کھڑے ہوئے۔

فیصلہ ''اکثریت کے فیصلہ کے مطابق یہ رقم منظور ہے۔ آئندہ انجمن موجودہ مساکین دارالشیوخ کا فیصلہ کرے کہ ان میں سے کس کو رکھا جائے اور کس کو نہیں۔''

تیسرا دن

خلیفۂ وقت کے فیصلہ کی تعمیل لازمی ہے

ناظر صاحب بیت المال محترم خان صاحب مولوی فرزند علی خان صاحب کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ جو جماعتیں وقت پر اپنے چندہ کا بجٹ بنا کر نہ بھیجیں اُن سے باز پُرس کی جائے۔

حضور نے اس سلسلہ میں ممبران کی آراء طلب فرمائیں۔ چند احباب نے اپنی آراء پیش کیں۔ اِس کے بعد حضور نے فرمایا:-

''دوستوں کی آراء اور خانصاحب کا جواب مَیں نے سُن لیا ہے مگر خانصاحب دوستوں کی تقریروں کے وقت اپنے ماتحتوں سے گفتگو کرنے میں مصروف تھے اِس لئے بعض سوالات کے جواب اُنہوں نے نہیں دیئے کیونکہ اُنہوں نے سُنے ہی نہیں۔ مثلاً میاں عطاء اللہ صاحب نے تین باتیں کہی تھیں اور بیان کیا تھا کہ یہ جو بروقت بجٹ آمد کی تشخیص نہیں ہوسکتی اِس کی تین وجوہ ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی جماعتوں میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے اور اس کے متعلق کہا کہ اگر اِس وجہ سے بجٹ فارم مرتب ہو کر نہیں آتے تو ان کے نام سنا دینا اور ان کے نمائندوں سے باز پُرس کرنا اور خرابی پیدا کر دے گا اس لئے چاہئے یہ کہ ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جو مفید نتیجہ پیدا کرسکیں۔ یا پھر دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ایسی جماعتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ان میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ فُرصت نکال کر یہ کام جو بہت محنت اور وقت چاہتا ہے کر سکے اگر یہ وجہ ہے تو ایسی جماعت کی امداد کرنے کی صورت پیدا کرنی چاہئے۔ لیکن اگر یہ دونوں وجوہ نہیں تو ایک تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ بجٹ تشخیص کرانے والوں کی طرف سے تحریک کرنے اور توجہ دلانے میں کمی رہی۔ یہ صیغہ کا اپنا نقص ہوگا اس کی اصلاح کرنی چاہئے نہ کہ کوئی تعزیر جاری کرنی چاہئے۔ ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ میں نے اُس وقت دیکھا کہ خانصاحب اپنے ماتحتوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ اگر اسمبلی میں ایسا ہوتو شور پڑ جائے کہ ہماری باتوں کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔

ایک صاحب جن کا نام محمد دین ہے اُنہوں نے کہا کہ ان کی جماعت کو بجٹ فارم

نہیں بھجوائے گئے۔ ان کا اور ایک اَور صاحب کے سوال کا یہ جواب دیا گیا کہ ۱۹۴۵ء کے فارم بھیجے گئے تھے دوسرے نہیں۔ ایک سوال یہ تھا کہ جماعتوں کے پاس مقامی فنڈ تو ہوتا نہیں محصّلین کے اخراجات کہاں سے ادا کریں۔ یہ بھی قابلِ توجہ بات تھی۔ بابو عبدالحمید صاحب نے سوال اٹھایا تھا کہ ایک گزشتہ مجلس مشاورت میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ محصّلوں کا کام بجٹ تشخیص کرنا ہوگا۔ اس کا جواب مختلف پہلوؤں سے خانصاحب نے دینے کی کوشش کی ہے مگر حقیقی جواب کی طرف نہیں آئے۔ انہوں نے کہا ہے شہری جماعتیں خود بجٹ بنایا کریں مگر یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسی کل ناظر اعلیٰ نے ایک موقع پر کہی کہ ایک بات خلیفہ نے کہی تھی اور ایک ناظروں نے کہی اور جب ہم نے ناظروں کی بات مان لی تو خلیفہ کی کس طرح مان سکتے تھے۔ خانصاحب کو چاہئے تھا کہ یا تو میرے فیصلہ کو ردّ کرتے یا اس کا جواب دیتے۔ اگر خلیفہ کی بات واجبُ العمل ہے تو پھر زید و بکر کا اس کے خلاف خیال لغو ہے۔ ورنہ اِس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ناظر صاحب جب چاہیں میرے فیصلہ کو ردّ کر دیں اور خود جو چاہیں جاری کر دیں۔ پس اگر میرے فیصلہ پر عمل کرنا لازمی ہے تو ضروری ہے کہ اگر کسی فیصلہ کے متعلق کوئی مشکل پیش آئے تو اُس میں ترمیم کی اجازت مجھ سے لی جائے۔ یہی فیصلہ جس میں یہ ذکر ہے کہ جماعتوں کے بجٹ محصّل تشخیص کیا کریں اس پر شہروں میں عمل کرنا اگر ناممکن تھا تو اِس میں ترمیم کرنے کی اجازت مجھ سے لے لیتے کہ شہروں کو مستثنیٰ کر دیا جائے مگر یہ طریق تو اختیار نہ کرنا اور یہ کہنا کہ میری یہ رائے ہے کہ اب اس فیصلہ پر عمل نہیں کیا جا سکتا، خلافت کے نظام کی دھجیاں اُڑانی ہیں۔ جس نظام پر چلنے کا حکم دیا جائے یا تو اُس پر عمل کرنا چاہئے یا پھر صفائی کے ساتھ انکار کر دینا چاہئے۔ مگر عملی طور پر تو پیغامیوں کا طریق اختیار کرنا اور منہ سے یہ کہنا کہ ہم خلیفہ کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں، یہ درست اور مومنانہ طریق نہیں۔ اگر خلیفہ کا فیصلہ قابلِ عمل سمجھا جاتا ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے اور اگر نہیں سمجھا جاتا تو صاف طور پر کہہ دینا چاہئے تاکہ جماعت فیصلہ کرے۔

ایک انتباہ

پچھلے دنوں نظارت دعوت وتبلیغ کی دعوت پر مَیں نے ایک تقریر کی تھی جس میں کہا تھا کہ تمام تاریخ صدر انجمن احمدیہ کی بتاتی ہے کہ یا تو خلیفہ کے فیصلہ کو توڑنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر اِس پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ میں نے اُس وقت

کہا تھا کہ میں ایسا نظام قائم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مشکل دُور ہو جائے۔ جب ایک بات بالبداہت ثابت ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ خلیفہ کی سمجھ میں نہ آئے ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ سب سے بڑے بے وقوف کو خلیفہ بناتا ہے اور بالفرض کوئی بات خلیفہ کی سمجھ میں نہ آئے۔ تو بھی خلیفہ کا ہی فیصلہ ماننا چاہئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ مَیں کوئی ایسا فیصلہ کروں جو درست نہ ہو[2] اور قرآن کریم کہتا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ رسولِ کریمؐ کا فیصلہ غلط ہو لیکن تم اگر اسے نہ مانو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ غرض غلطی کا امکان تو ہر جگہ موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ خلیفہ کا کوئی فیصلہ غلط ہو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ خلیفہ میں عقل تو ہے لیکن فیصلہ غلط کیا گیا ہے تو بھی تمہارا فرض ہے کہ اس کی تعمیل کرو۔ اپنا صحیح فیصلہ اُس کے مقابلہ میں لاکر نظام کی جڑ کو نہیں کاٹنا چاہئے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں برابر یہ طریق انجمن کا چلا جاتا ہے کہ خلیفہ کے فیصلہ کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یا صدر انجمن کے موجودہ نظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے یا بعض لوگوں میں منافقت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ صدر انجمن اور ناظر خلافت کے فیصلوں کے لئے روک ثابت ہو رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی مرضی کریں اور خلافت کے فیصلے روک دیں۔ ایک ناظر کو سزا کے طور پر ہٹا دیا گیا ہے کیونکہ اُس نے بار بار میرے فیصلوں کو ردّ کیا اور جماعت کے اموال کو ضائع کیا۔ گو اُس کی عزت کی خاطر یہ کہا گیا ہے کہ وہ ریٹائر ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں وقت آچکا ہے کہ اِس خرابی کو دُور کر دیا جائے۔ ایک ناظر کو تو مَیں نے ہٹا دیا ہے۔ اگر یہی بات جاری رہی تو دوسروں کی نسبت بھی فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی کی پرواہ نہ کی جائے گی۔

بعض لوگوں کو یہ غلطی لگتی ہے کہ چونکہ بہت کام کرتے ہیں اس لئے غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اس سے کوئی حرج نہیں مگر یہ درست نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے دوران میں ایک شخص کے متعلق جو بہت زیادہ زور کے ساتھ جنگ کر رہا تھا فرمایا یہ جہنمی ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں میں نے سُنا بعض نے کہا رسول اللہ کی رائے درست نہیں معلوم ہوتی اِس قدر جان توڑ کر لڑنے والا شخص جہنمی کس طرح ہوسکتا ہے۔ اِس پر مَیں اِس شخص کے ساتھ ہولیا تاکہ اُس کا انجام دیکھوں۔ وہ اِس زور کے ساتھ لڑتا تھا کہ مسلمانوں کے منہ سے مرحبا نکل جاتا تھا۔ آخر وہ زخمی ہوا اور مسلمان اُسے جنت کی مبارک دینے لگے۔

تو اُس نے کہا مَیں خدا اور اُس کے رسول کے لئے نہیں لڑا بلکہ فلاں کا بدلا لینے کے لئے لڑ رہا تھا۔ پھر زخموں کی تکلیف برداشت نہ کرتا ہوا خودکشی کر کے مر گیا۔ یہ دیکھ کر وہ صحابی واپس لوٹے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے؟ صحابی نے کہا آپ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے مگر بعض نے کہا وہ تو بہت اخلاص سے لڑ رہا ہے وہ کیونکر جہنمی ہو سکتا ہے۔ اِس پر میں اُس کے ساتھ ساتھ رہا۔ اب وہ خودکشی کر کے مر گیا ہے[۳] اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ مَیں شہادت دیتا ہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تو اُس شخص کا خدمت کرنا اُسے بَری نہیں قرار دے گیا۔ بہرحال اگر کوئی شخص قانون شِکنی کرتا ہے یا قانون شِکنی کی روح پیدا کرتا ہے تو وہ مجرم ہے اور قابلِ گرفت ہے مگر نظارتوں میں دیکھا گیا ہے کہ بجائے یہ تسلیم کرنے کے کہ قانون شِکنی کی گئی ہے کہا یہ جاتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ہی ناممکن تھا۔ مثلاً یہی محصّلین کے دَورہ کا سوال تھا۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ان کا دَورہ کرنا بجٹ کی تشخیص کے لئے ضروری تھا مگر ایسا طوفان آ گیا کہ راستے بند ہو گئے تو اور بات تھی۔ یہ قانون شِکنی نہ ہوگی مگر یہ نہیں بتایا جاتا کہ دَورہ کرنا کیوں ناممکن تھا۔ پھر ناظر نے یہ جواب دیا ہے کہ میرے نزدیک شہری جماعتوں کو بجٹ خود تشخیص کرنا چاہئے۔ اِسی طرح دیہاتی جماعتوں کے متعلق یہ جواب نہیں دیا کہ اتنے محصّل نہیں کہ سب جماعتوں میں دَورہ کر سکتے بلکہ یہ کہا ہے کہ دوسرے کاموں میں مصروف رہے۔ نظارت کا کام تھا کہ محصّلوں کو اس کام پر لگا دیتی کہ فارم پُر کرائیں۔ پھر جتنا کام ہو سکتا اُن سے کرایا جاتا اور باقی کے لئے کہہ دیا جاتا کہ بقیہ کام میرے اختیار کا نہ تھا، تو یہ درست ہوتا کہ جتنا کام ہو سکتا تھا اُتنا کرا لیا گیا۔ ۱۴ محصّلین سے چار سَو جماعتوں کے بجٹ کی تشخیص کرانا ممکن نہ تھا۔ اگر یوں کہا جاتا تو یہ معقول بات ہوتی لیکن اِس کی بجائے یہ کہا گیا ہے کہ ۱۴ محصّلین سے فلاں فلاں کام کرایا گیا اِس لئے بجٹ کی تشخیص نہیں کر سکے۔ یہ صریح قانون شِکنی ہے۔ ان کا اصل کام بجٹ تیار کرانا ہے نہ کہ دوسرے کام کرانا۔

اِس کا جواب اظہارِ ندامت تھا۔ میں اِس وقت پھر اعلان کرتا ہوں کہ محصّلین کے متعلق

میرا وہ فیصلہ لفظاً لفظاً اب بھی قائم ہے اور اُس کی تعمیل کرنا ناظر پر فرض ہے اگر وہ میرے فیصلہ کی تعمیل کرتے تو درست ہوتا۔ ورنہ خواہ وہ مریخ اور زہرا کے ٹکڑے لے آئیں اور خزانے میں داخل کر دیں مگر حکم کی تعمیل نہ کریں تو وہ نافرمان سمجھے جائیں گے۔

کہا گیا ہے کہ اُن جماعتوں کے نام شائع کئے گئے جنہوں نے فارم بھیجے مگر پھر بھی تعمیل نہ کی گئی۔ اِس کا جواب وہ یہ دے سکتے ہیں کہ تم نے خلیفہ کا حکم نہ مانا، ہم پر تمہارے حکم کا کیا اثر ہوسکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ناظر اپنے رویہ کو نہ بدلیں گے، ان کی باتوں کا بھی کوئی اثر نہ ہوگا۔ ایک دفعہ کسی بزرگ کا گھوڑا چلنے سے اَڑا۔ انہوں نے فرمایا مَیں نے ضرور خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کی ہوگی جس پر گھوڑے نے میری نافرمانی کی۔ جانے دو نیکی اور ایمان کو مگر کیا یہ درست نہیں کہ جو ماں باپ بچوں کے سامنے لڑتے ہیں، بچے اُن سے لڑتے رہتے ہیں؟ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔ جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں نے قانون شکنی کی اور اُسے بُرا نہیں سمجھا گیا تو وہ بھی اس طریق کو اختیار کر کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اِس وجہ سے قانون شکنی کی روح کو ہی کُچل دینا چاہئے۔ قانون شکنی خواہ ناظر کرے یا کوئی اور وہ برداشت نہیں کی جاسکتی۔ جب ناظر خلیفہ کے کسی فیصلہ کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کیا کلرک نہیں دیکھتے کہ یہ فیصلہ لکھا ہے مگر ناظر اِس پر عمل نہیں کرتے۔ پھر اسی طرح کلرک ناظر کے حکم کے متعلق کرتے ہیں اور وہی بات ہو جاتی ہے جو کسی برہمن کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے ایک برہمن دریا کی طرف سے آ رہا تھا۔ سردی کا موسم تھا اور غسل کرنا مشکل تھا۔ ایک دوسرے برہمن نے پوچھا غسل کر آئے؟ اُس نے کہا میں نے تو دریا میں ایک کنکر پھینک کر کہہ دیا ''تو را شنان سو مورا شنان۔'' پوچھنے والے نے کہا پھر میں تم کو مخاطب کر کے کہہ دیتا ہوں کہ ''تو را شنان سو مورا شنان'' اور یہ کہہ کر وہ بھی گھر لوٹ گیا۔ اِسی طرح ایک کلرک جب دیکھتا ہے کہ خلیفہ کا ایک حکم لکھا ہؤا موجود ہے مگر بجائے اِس کے متعلق فیصلہ کرانے کے خود ہی ناظر کہہ دیتا ہے کہ اِس پر عمل نہیں ہوسکتا تو وہ ناظر کے حکم پر کہتا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ پھر جب وہ کوئی حکم دیتا ہے تو چپڑاسی کہہ دیتا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اِس طرح توجیہہ کا دروازہ وسیع ہوتا جاتا ہے اِسی لئے کسی نے کہا ہے کہ سب سے اوّل قیاس ابلیس نے کیا اور وہ تباہ ہوگیا۔ پس یا تو

جو قانون بن چکا ہو اُسے بدلوانا چاہئے یا پھر عمل کرتے ہوئے مرنا بھی پڑے تو مرجانا چاہئے۔‘‘

رائے شماری کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’جیسا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ محصّلین کو تشخیص بجٹ میں امداد دینے کے لئے لگانا چاہئے اور وقت پر تعاون کر کے جماعتوں سے فارم پُر کرانے چاہئیں میں اِس تجویز کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں۔‘‘

اختتامی اجلاس

یکم اپریل ۱۹۴۵ء کو مجلس مشاورت کے آخری اجلاس میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے سب کمیٹی نظارت دعوۃ و تبلیغ کی حسب ذیل سفارش پیش کی:-

وقت آ گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے ماتحت نظارت دعوۃ و تبلیغ کے زیر اہتمام قادیان میں ایک مذہبی کانفرنس کی جائے۔ تفصیلی قواعد بنانے کے لئے ایک سب کمیٹی بنا دی جائے۔ اس کانفرنس کے اخراجات کے لئے مبلغ دو ہزار روپیہ اس بجٹ میں رکھا جائے۔ سب کمیٹی کی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ مندرجہ اشتہار خطبہ الہامیہ پڑھ کر سنائے گئے۔

’’بِالآخر میں ایک ضروری امر کی طرف اپنے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس مینارہ میں ہماری یہ بھی غرض ہے کہ مینارہ کے اندر یا جیسا کہ مناسب ہو ایک گول کمرہ یا کسی اور وضع کا کمرہ بنا دیا جائے جس میں کم سے کم ۱۰۰ آدمی بیٹھ سکے اور یہ کمرہ وعظ اور مذہبی تقریروں کے لئے کام آئے گا۔ کیونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ سال میں ایک یا دو دفعہ قادیان میں مذہبی تقریروں کا جلسہ ہؤا کرے اور اس جلسہ پر ہر ایک شخص مسلمانوں اور ہندوؤں اور آریوں اور عیسائیوں اور سکھوں میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے مگر شرط یہ ہوگی کہ دوسرے مذہب پر کسی قسم کا حملہ نہ کرے۔ فقط اپنے مذہب اور اپنے مذہب کی تائید میں جو چاہے

تہذیب سے کہے۔'' [4]

افضالِ الٰہیہ پر سجدۂ شکر

حضرت مرزا شریف احمد صاحب یہ تجویز پڑھ ہی رہے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اچانک کُرسی سے اُٹھے اور پاس ہی فرش پر جو تھوڑی سی جگہ تھی وہاں سجدہ کیا۔ یہ دیکھتے ہی چُپ چاپ تمام حاضرین اپنی اپنی جگہ پر سجدہ میں گر گئے اور حضور کے اُٹھنے پر جب اَللّٰہُ اَکْبَر کہا گیا تو اُٹھے۔ اُس وقت حضور نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

''قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے اکثر لوگ خدا کے نشانوں سے اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔[5] آج سے ۴۵ سال پہلے وہ شخص جس کی جُوتیوں کا غلام ہونا بھی ہم اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں اُسے اُس وقت کی اپنی جماعت کی حالت دیکھتے ہوئے ایک بہت بڑا مقصد اور کام یہ نظر آیا کہ ایک ایسا کمرہ بنایا جائے جس میں سَو آدمی بیٹھ سکے مگر آج ہم ایک ایسے کمرے میں بیٹھے ہیں جو اِس غرض سے نہیں بنایا گیا تھا کہ مختلف مذاہب کے لوگ اِس میں تقریریں کریں مگر اِس میں پانچ سَو کے قریب آدمی بیٹھے ہیں اور وہ بھی کُرسیوں پر جو زیادہ جگہ گھیرتی ہیں۔ گویا اُس زمانہ میں جماعت کی طاقت اور وسعت کی یہ حالت تھی کہ سَو آدمیوں کے بیٹھنے کا کمرہ بنایا جائے اور سَو آدمیوں کو بٹھانے کے لئے جگہ بنانے کی غرض سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اعلان کرنا پڑا اور اِسے ایک بڑا کام سمجھا گیا اور خیال کیا گیا کہ سَو آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے کمرہ بنانا بھی مشکل ہوگا۔ مجھے منارۃ المسیح کی تعمیر کے وقت کی یہ بات یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام شہ نشین پر بیٹھے تھے اور میر حامد شاہ صاحب کے والد حکیم حسام الدین صاحب سامنے بیٹھے تھے۔ منارہ بنانے کی تجویز ہو رہی تھی۔ سات آٹھ ہزار جو جمع ہوا تھا وہ بنیادوں میں ہی صَرف ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اِس فکر میں تھے کہ اب کیا ہوگا۔ حکیم حسام الدین صاحب زور دے رہے تھے کہ حضور یہ بھی خرچ ہوگا، وہ بھی ہوگا اور کئی ہزار روپیہ خرچ کا اندازہ پیش کر رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کی باتیں سن کر فرمایا حکیم صاحب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ منارہ کی تعمیر کو ملتوی کر دیا جائے۔ چنانچہ ملتوی کر دیا گیا۔

ایک تو وہ وقت تھا اور ایک آج ہے کہ مسجد مبارک کی توسیع کے لئے عصر کی نماز کے وقت مَیں نے مقتدیوں سے ذکر کیا اور عشاء کی نماز سے پہلے پہلے ۱۸ ہزار کے وعدے اور رقوم جمع ہوگئیں اور بیرونی احباب کو اِس چندہ میں شریک ہونے کا موقع ہی نہ ملا۔ یہ نشان بھی نابینا کو نظر نہ آئے مگر ہر بینا کو نظر آرہا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کو بڑھا رہا اور سامان پیدا کرتا جا رہا ہے کہ اُس وقت جو بات بڑی معلوم ہوتی تھی آج بہت ہی معمولی اور حقیر سی نظر آتی ہے اور آج جو چیز بہت بڑی معلوم ہوتی ہے وہ کل حقیر ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہی سلوک ہماری جماعت سے برابر چلا جا رہا ہے اور اِس بات کا خیال کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح دل بھر آتا اور آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں کہ کاش! جماعت کی یہ ترقی حضرت مسیح موعود الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہوتی تا آپ بھی اِس دنیا میں اپنے کام کے خوش کُن نتائج دیکھ لیتے۔‘‘

یہ فرماتے فرماتے حضور پر بے حد رقّت طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر توقّف کے بعد فرمایا:

’’اِس تجویز کا اصل مقصد کانفرنس منعقد کرنا ہے جس میں ہر مذہب کے نمائندے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ سب کمیٹی نے اس کے لئے دو ہزار روپے تجویز کئے ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ جو دوست اِس کے متعلق کچھ کہنا چاہیں نام لکھا دیں۔‘‘

حضور کے اِس ارشاد کے مطابق چند احباب نے اپنی آراء کا اظہار کیا۔ اِسی دوران میں مخلصینِ جماعت نے مجوزہ ہال کے لئے حضور کی خدمت میں چندہ پیش کرنا شروع کر دیا۔ اِس پر حضور نے فرمایا:۔

’’دوستوں نے چندہ دینا شروع کر دیا ہے اور اِس بات کا انتظار نہیں کیا کہ مَیں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ مجھ پر جو اِس وقت وجد کی حالت طاری ہوئی اور میں سجدہ میں گر گیا اِس کی وجہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے حالات اور بعد کے حالات کا فرق ہے۔ اس وقت دو ہزار روپیہ کا جو سوال ہے وہ تو ایک دوست نے پورا کر دیا ہے اور وہ کیا اِس سے بہت زیادہ چندہ ہوسکتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس تجویز کے پیچھے جذبہ کیا کارفرما ہے۔ یہی کہ باہر سے کتنے آدمی آسکیں گے۔ چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اب بیس پچیس ہزار احمدی ہی جلسہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں ان حالات میں چاہیئے کہ ہم ایک ایسا ہال بنائیں۔

جس میں ایسے جلسے ہوتے رہیں۔ یا شیڈ کے طور پر ایسی جگہ بنائیں جس میں کم از کم ایک لاکھ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہو۔ حضرت مسیح موعود الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لئے دعا فرمائی ہے کہ ''اِک سے ہزار ہوویں'' اور نبی کی اولاد اس کی جماعت بھی ہوتی ہے، اس لئے ۱۰۰ کو ہزار سے ضرب دیں تو ایک لاکھ بنتا ہے ان کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنانی چاہئے۔ گو ہم جانتے ہیں کہ کچھ ہی عرصہ کے بعد آنے والے کہیں گے کہ یہ بے وقوفی کی گئی۔ کم از کم دس لاکھ کے لئے تو جگہ بنانی چاہئے تھی۔ پھر اَور آئیں گے جو کہیں گے یہ کیا بنا دیا، کروڑ کے لئے جگہ بنانی چاہئے تھی۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ پانچ سال میں دو لاکھ روپیہ ہم اِس غرض کے لئے جمع کریں۔ پانچ سال کا عرصہ اِس لئے میں نے رکھا ہے کہ اُس وقت تک جنگ کی وجہ سے جو گرانی ہے وہ دُور ہو جائے گی اور ہم ایسی عمارت بنا سکیں گے۔ اِس لئے فی الحال مَیں یہ تجویز کرتا ہوں کہ آئندہ پانچ سال میں اس بات کو مدنظر رکھ کر دو لاکھ روپیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اِس خواہش کو پورا کرنے کے لئے جمع کریں۔ مَیں اس تجویز کو بھی منظور کرتا ہوں کہ بجٹ میں یہ رقم رکھنے اور مجلس شوریٰ میں پیش کرنے کی بجائے انفرادی طور پر جماعت سے لے لی جائے۔ دو ہزار روپیہ جو چوہدری اسد اللہ خاں صاحب نے دیا ہے اِسی دو لاکھ کی رقم میں داخل کرتا ہوں۔ یہ رقم اعلان کر کے طَوعی چندہ سے پوری کر لی جائے گی۔

سیٹھ اسماعیل آدم صاحب کہتے ہیں۔ میرا ایک خواب ہے وہ سنانا چاہتا ہوں۔ وہ کھڑے ہو کر خواب سنا دیں۔''

اِس پر حضرت سیٹھ صاحب نے حسبِ ذیل خواب سنایا:-

اللہ تعالیٰ کی شان ہے جب وہ کسی اپنے برگزیدہ بندے کو بھیجتا ہے تو جو لوگ اُسے پہلے مانتے ہیں، اُن کو اُس کی صداقت کے نشانات بنا دیتا ہے۔ ۱۹۰۰ء میں جب میں یہاں آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ الہامیہ سنایا تو اُس کے بعد میں پھر بمبئی چلا گیا۔ وہاں میں نے تہجد کی نماز کے وقت رؤیا دیکھا کہ حضرت مسیح موعود الصلوٰۃ والسلام ایک بہت بڑے ہال میں لیکچر دے رہے ہیں۔ بمبئی میں بڑے سے بڑا ہال دس ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کا ہے مگر وہ اتنا بڑا ہال ہے کہ ایک لاکھ آدمی اُس میں آسکتے ہیں۔ مجھے اُس کے دروازہ

پر کھڑا کیا گیا اور کہا گیا کہ جو لوگ آئیں تم اُنہیں ریسیو (Receive) کرو اور اندر بھیجتے جاؤ۔ خدا تعالیٰ نے قریباً پچاس سال قبل یہ خوشخبری جو مجھے سنائی۔ اُسے پورا ہوتا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، اِس کی شہادت دیتا ہوں۔''

اس وقت تک حضور کے آگے میز پر وعدوں کی تحریروں اور نقد رقوم بہت سی جمع ہو چکی تھیں۔ ان کے متعلق فرمایا:-

''یہ رُقعے اور روپے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری والے اُٹھا لیں۔ میں اِس بارہ میں بری ہوتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے حضور دفتر والے جواب دِہ ہوں گے۔''

یہ فرمانے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور جلسہ ختم ہی کرنے والے ہیں اور حضور نے رقوم پیش کرنے والوں کے نام سنانے کا ارشاد فرمایا اور اپنی طرف سے دس ہزار روپیہ اس فنڈ میں دینے کا ارشاد فرمایا۔ ابھی چند ہی نام سنائے گئے تھے کہ اس کثرت سے احباب نے اپنے نام پیش کرنے شروع کر دیئے کہ حضور نے فرمایا:-

''احباب باری باری بولیں تا ان کے نام لکھے جا سکیں اب تو اتنا شور ہے کہ لکھنا مشکل ہو رہا ہے۔''

حضور نے کئی اور اصحاب کو نام لکھنے پر مقرر کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد حضور نے فرمایا:-

''میں اپنی طرف سے، اپنے خاندان کی طرف سے نیز چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب اور ان کے دوستوں اور سیٹھ عبد اللہ بھائی صاحب کے خاندان اور جماعت احمدیہ کی طرف سے اِس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ بیرونی جماعتوں کو اِس فنڈ میں شریک ہونے کا موقع دینے کے بعد دو لاکھ میں جو کمی رہے گی وہ ہم پوری کر دیں گے۔''

لیکن ساری فہرست تیار ہونے کے بعد جب رقوم کی میزان کی گئی تو حضور نے اعلان فرمایا کہ:-

''اِس جلسہ میں شریک ہونے والوں نے اپنی طرف سے یا اپنے غیر حاضر دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو چندے پیش کئے ہیں، اُن کی فہرست تیار کر لی گئی ہے۔ ممکن ہے جلدی میں ان رقوم کی میزان کرنے میں کچھ غلطی ہو گئی ہو لیکن اِس وقت جس قدر چندہ ہو چکا ہے وہ دو لاکھ بائیس ہزار سات سَو چونسٹھ روپے شمار کیا گیا ہے۔''

یہ فرمانے کے بعد حضور نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ سجدۂ شکر ہے، پھر سجدہ کیا اور تمام مجمع حضور کے ساتھ سجدہ میں گر گیا اور نہایت رقّت سے دعائیں کیں۔ سجدہ سے اُٹھنے پر حضور نے فرمایا۔

''بعض مواقع پر بولنے سے خاموشی زیادہ اچھی ہوتی ہے اِس لئے مَیں اس جلسہ کو اللہ کے نام پر ختم کرتا ہوں اور دوستوں کو واپسی کی اجازت دیتا ہوں۔ مجھے جو کچھ کہنا ہوگا بعد میں خطبات میں کہوں گا۔'' (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۵ء)

---

۱ اٰل عمران: ۱۰۴

۲ ابوداؤد کتاب القضاء باب فِی قضاءِ الْقَاضِی اِذَا اَخْطَأَ

۳ بخاری کتاب القدر باب الْعَمَلُ بِالْخَوَاتِیْمِ

۴ خطبہ الہامیہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۳۰

۵ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف: ۱۰۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۴۶ء

(منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ / اپریل ۱۹۴۶ء)

پہلا دن

افتتاحی تقریر جماعت احمدیہ کی چھبیسویں مجلس مشاورت مؤرخہ ۱۹ تا ۲۱ / اپریل ۱۹۴۶ء کو قادیان میں منعقد ہوئی۔ اس کا افتتاح کرتے ہوئے حضور نے ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی جس میں آپ نے پیشگوئی مصلح موعود کے پس منظر میں جماعت پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کی طرف احباب جماعت کو نہایت مؤثر رنگ میں توجہ دلائی۔ تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

''۱۹۴۴ء کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی تھی کہ اُس پیشگوئی کے مطابق جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اسلام کے غلبہ اور اُس کے احیاء کے متعلق کی گئی تھی اور جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک نائب مقرر کیا گیا تھا جو لوگوں کی اصلاح کے لئے آنے والا تھا اور جس کا اپنوں اور بیگانوں میں ایک لمبے عرصہ تک انتظار کیا جاتا رہا وہ میں ہی ہوں اور مجھے خدا نے بتایا تھا کہ یہ پیشگوئی اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ میرے ہی وجود میں پوری کی گئی ہے۔ ۷ جنوری ۱۹۴۴ء کو یہ انکشاف مجھ پر ہوا تھا اور اب دو سال تین ماہ کی مدّت میرے دعویٰ مصلح موعود کے اعلان پر گزر چکی ہے۔ دو سال اور تین مہینے کی مدّت کوئی معمولی مدّت نہیں ہوتی۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بچہ کی پیدائش اور اُس کے دودھ چُھڑانے کی مدّت تیس مہینے ہے اِس لحاظ سے ۲۷ بلکہ ۲۸ مہینے اِس وقت تک اِس واقعہ پر گزر چکے ہیں۔

ہمیں دیکھنا چاہئے کہ گزشتہ ۲۷ مہینوں میں ہم نے دُنیا میں کیا روحانی تغیر پیدا کیا ہے اور ہمیں غور کرنا چاہئے کہ گزشتہ ۲۷ مہینوں میں ہم نے آئندہ تغیرات کے لئے کِس قسم کی بنیاد رکھ دی ہے۔ بڑے کاموں کے نتیجے کبھی فوراً نہیں نکلتے بلکہ جتنی بڑی کوئی چیز ہوتی ہے اُتنے ہی اُس کے حمل کے ایام بھی بڑے ہوتے ہیں اور جتنا درخت بڑا ہوتا ہے اُتنا ہی اُس کے پھل لانے کے اوقات بھی زیادہ سے زیادہ بعید ہوتے چلے جاتے ہیں پس جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ تو اُمید نہیں کر سکتے کہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے میں ہم کامیاب ہو جائیں مگر اُس کے کچھ نہ کچھ آثار ضرور ظاہر ہونے چاہئیں تا کہ ہم بھی اور ہر غیر متعصّب شخص بھی یہ سمجھ سکے کہ اب یہ لوگ کچھ کر کے رہیں گے۔

ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کیا ہمارے کاموں میں اِس قسم کی سنجیدگی اور خلوص اور حوصلہ مندی اور دلیری پیدا ہوگئی ہے کہ ہمارے دل بھی اِس بات پر مطمئن ہوں کہ ہم خدا کے سامنے سرخرو ہو جائیں گے اور دوسرے لوگ بھی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ اب یہ جماعت کسی قریب منزل پر نہیں ٹھہرے گی بلکہ اس کی منزل بہت دور ہے اور اِس کا قدم بہت تیز ہے۔

دوسالہ ترقی کا جائزہ

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِن دو سالوں میں ہمارے کاموں میں پہلے کی نسبت بہت کچھ تیزی پیدا ہوگئی ہے۔ اِن دو سالوں میں ہی ہم نے کالج قائم کیا اور اِن دو سالوں میں ہی ہم نے جامعہ احمدیہ اور مدرسۂ احمدیہ میں ترقی کے آثار پیدا کئے۔ انہی دو سالوں کے اندر ہمارے تبلیغی مشن بیرونجات میں پھیلے اور دیہات کی تبلیغ کا انتظام بھی انہی دو سالوں میں ہوا۔ غرض بہت سے ایسے کام ہم نے جاری کئے ہیں جو آئندہ زمانہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرنے ممکن ثابت کر رہے ہیں لیکن پھر سوال یہ ہے کہ ہم نے ساری دُنیا میں اسلام کو پھیلانا ہے، ہم لوگ کسی سوسائٹی کے ممبر نہیں بلکہ ایک مذہب کے پیرو ہیں۔ اِس زمانہ میں جبکہ دہریت اور اباحت بہت پھیل چکی ہے عام طور پر مذاہب کے پابند بھی اپنے آپ کو ایک سوسائٹی کا ممبر سمجھتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ وہ کسی سوسائٹی کے ممبر نہیں بلکہ ایک مذہب کے پیرو ہیں۔ سوسائٹی کا ایک محدود مقصد ہوتا ہے اور وہ اپنے لئے کام تجویز کرتے وقت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اُس نے صرف فلاں کام کرنا ہے لیکن مذہب کا مقصد محدود نہیں ہوتا۔

مذہب کے دو حصے

مذہب نام ہے تعلق بِاللہ اور شفقت علیٰ خلقِ اللہ کا اور نہ تعلق بِاللہ کی کوئی حد بندی ہوسکتی ہے اور نہ شفقت علیٰ خلقِ اللہ کی کوئی حد بندی ہوسکتی ہے۔ دُنیا کے جتنے پیشے، جتنے حرفے اور جتنے کام ہیں اور جتنی ذمہ داریاں اس دُنیا میں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب شفقت علیٰ خلقِ اللہ کا ہی حصہ ہوتی ہیں۔ اِس میں تعلیم بھی شامل ہے، اس میں تربیت بھی شامل ہے اِس میں تجارت بھی شامل ہے، اِس میں صنعت وحرفت بھی شامل ہے، اِس میں علوم وفنون بھی شامل ہیں، اِس میں اقتصادیات بھی شامل ہیں، اِس میں قضاء بھی شامل ہے، غرض یہ سارے امور اور اِن کی وہ سینکڑوں شاخیں جو چلتی چلی جاتی ہیں سب کی سب شفقت علیٰ خلقِ اللہ میں شامل ہیں اور سوائے اُس کام کے جس کے نتیجہ میں دُنیا پر ظلم ہوتا ہو اور کوئی کام نہیں جو شفقت علیٰ خلقِ اللہ میں شامل نہ ہو اس لئے مذہب کی حد بندی سے کوئی اچھی بات باہر نہیں ہوتی۔

پس یہ امر ہم میں سے ہر فرد کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ احمدیت کوئی تعلیمی انجمن نہیں، سیاسی انجمن نہیں، اقتصادی انجمن نہیں کہ کچھ حصہ کام کرنے کے بعد ہم دُنیا سے کہہ سکیں کہ ہماری ذمہ داری ختم ہو چکی ہے۔ ہم ایک مذہب کے پیرو ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم اپنی بھی اصلاح کریں اور دُنیا کی بھی اصلاح کریں اور اِس کی کوئی حد بندی نہیں جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات کی کوئی حد بندی نہیں۔ ہاں ہر کام وقت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کہنا کہ ہر چیز آج ہی ہو جائے بالکل غلط ہے مگر یہ کہنا کہ ہر چیز کسی آئندہ زمانہ میں ہی ہوسکتی ہے اِس زمانہ میں کچھ نہیں ہوسکتا یہ بھی غلط ہے۔ ہمیں کچھ نہ کچھ ایسے آثار دکھانے پڑیں گے جن سے دُنیا کا ہر عقلمند انسان یہ قیاس کرنے پر مجبور ہو کہ اب اِس جماعت کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں۔

جماعتی کاموں میں وسعت

میرے نزدیک اب وقت آ گیا ہے کہ ہماری جماعت اپنے نقطۂ نگاہ کو اُور اُونچا کرے اور یہی وجہ ہے کہ مَیں نے اپنی جماعت کے کاموں کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک تعلیم کا سوال ہے جیسا کہ مَیں ابھی اشارہ کر چکا ہوں ہم مدارس کی حد سے نکل کر اب خدا تعالیٰ کے فضل سے کالج قائم کر چکے ہیں اور گو ہمارا کام یہ ہے کہ ہم دُنیا بھر میں تعلیم جاری کریں مگر ابھی

ہمارے محدود ذرائع ہمیں اِس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ سرِ دست ہم نے قادیان میں اپنا کالج قائم کر دیا ہے۔ اِس سال ہمارے کالج کے لڑکے ایف اے اور ایف ایس سی کا امتحان دیں گے۔ اِس کے بعد جیسا کہ اعلان کیا جا چکا ہے بی اے اور بی ایس سی کی کلاسز انشاء اللہ کھولی جائیں گی اور جب یہ دو سال گزر جائیں گے تو پھر ایم۔ اے اور ایم۔ ایس سی کی کلاسز ہم کھول دیں گے تاکہ یہ کالج مکمل ہو جائے۔ اِس کے ساتھ ہی میرا یہ بھی منشاء ہے کہ ایف ایس سی میڈیکل کی کلاسز بھی ہم کھول دیں۔ جب یہ ساری کلاسز کُھل جائیں گی تو ہمارا کالج انشاء اللہ اپنی تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ بی اے اور بی ایس سی کے لئے نئی عمارت شروع کر دی گئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ ستمبر اکتوبر تک جب ان کلاسز کے کُھلنے کا وقت آئے گا ہمارے پاس عمارت تیار ہو گی اور سامان بھی ہم حاصل کر چکے ہوں گے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ہمارے راستہ میں کئی قسم کی دِقّتیں اور مشکلات حائل ہیں لیکن دِقّتیں اور مشکلات کس کام میں نہیں ہوتیں۔ ہر قسم کی مشکلات کے ہوتے ہوئے اُن کو سر کرنا اور دقتوں کے ہوتے ہوئے اُن کو زیر کر کے کام کر جانا یہی بہادروں اور دلیروں کا نشان ہوتا ہے۔

اِس کے بعد تعلیمی سلسلہ میں میرا پروگرام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کالج کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے تو اِس کے بعد دو اور کالج قائم کئے جائیں جن کا قائم کرنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے ایک تو انجینئرنگ کالج انشاء اللہ قائم کیا جائے گا اور ایک کامرس کالج قائم کیا جائے گا۔ صنعت و حرفت کا تعلق انجینئرنگ سے ہے اور تجارت کا تعلق کامرس سے ہے اور مسلمان اِن دونوں علوم میں بہت پیچھے ہیں۔ ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ نے ایک منظّم جماعت بنایا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی جماعت کے لئے بھی اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی زیادہ سے زیادہ سہولت کے راستے کھولیں۔

اِسی طرح میرے ارادوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو ایک میڈیکل سکول یا میڈیکل کالج بھی کھولا جائے تا ہمارے مبلّغین کے کام میں سہولت پیدا ہو۔ بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں خالی مبلّغ کام نہیں کر سکتا بلکہ اُس کا ڈاکٹر ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ خود ہندوستان میں ایسے کئی علاقے ہیں کہ اگر ہم وہاں ڈاکٹر بھیجیں تو بہت سے لوگ ہماری تبلیغ سُننے لگ جائیں۔ خصوصاً جنوبی اور مشرقی ہند میں کثرت سے ایسے

علاقے پائے جاتے ہیں اور اُن میں اِس قدر غربت ہے کہ خدا تعالیٰ کے لاکھوں لاکھ بندے جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر ڈاکٹروں کے ذریعہ انہیں سچائی کی طرف توجہ دلائی جائے تو یقیناً حق و صداقت کی طرف وہ جلدی آ سکتے ہیں۔

دینی تعلیم کے لحاظ سے مدرسۂ احمدیہ پہلے سے قائم ہے، اِسی طرح جامعہ احمدیہ بھی دیر سے قائم ہے مگر اب ہم مدرسۂ احمدیہ اور جامعہ کو بھی بڑھا رہے ہیں۔ پہلے اِس مدرسہ میں بہت ہی کم طلبہ آیا کرتے تھے مگر اب ہم نے طلباء کو بڑھانے کا خاص طور پر انتظام کیا ہے اور غرباء کے لئے وظائف بھی مقرر کئے ہیں تاکہ جو لوگ اپنے بچوں کو اخراجات کی کمی کی وجہ سے تعلیم نہیں دلا سکتے وہ اِن وظائف کے ذریعہ اپنے بچوں کو پڑھا سکیں۔ اِس مد میں ہماری جماعت کے کچھ باہر کے دوست بھی حصہ لے رہے ہیں اور خود مَیں نے بھی ذاتی طور پر وعدہ کیا ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق فرمائی تو میں پچاس طالب علموں کو اپنے خرچ پر تعلیم دلاؤں گا۔

میرا ارادہ ہے کہ مَیں ایک سال پانچ طالب علموں کو وظیفہ دوں۔ دوسرے سال پھر اَور پانچ طالب علموں کو وظیفہ دوں اور اِس طرح قدم بقدم پچاس طالب علموں کو اپنے خرچ پر سلسلہ کی آئندہ تبلیغ کے لئے تیار کروں اور چونکہ کورس آٹھ سال کا ہے اِس لئے اٹھارہ سال میں یہ طالب علم تیار ہو سکیں گے۔ اِن ۱۸ سال میں اُن کے وظائف پر چھیانوے ہزار روپیہ خرچ آئے گا۔ مَیں اِس چھیانوے ہزار روپیہ میں سے پانچ ہزار روپیہ سالانہ کے حساب سے انشاء اللہ ادا کرتا رہوں گا یا اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو چھ ہزار سالانہ ادا کر دیا کروں گا تاکہ اٹھارہ سال کے بعد پچاس عالم مبلّغ میرے خرچ پر پیدا ہو جائیں اور اسلام اور احمدیت کے لئے مفید خدمت سرانجام دے سکیں۔ (الفضل ۲۰ فروری ۱۹۶۲ء)

تربیت کا جماعت کی ترقی کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہے اور جو قوم اس کو نظرانداز کر دیتی ہے وہ اپنی ہلاکت اور بربادی کا سامان آپ مہیا کرتی ہے۔ میں نے اس غرض کے لئے کہ جماعت کا تربیتی پہلو مضبوط ہو انصار اللہ، خدام الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کی تنظیمیں قائم کی ہیں اگر ان تنظیموں کو مضبوط کر لیا جائے تو تربیت کا حصہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت حد تک مکمل ہو جاتا ہے۔

تبلیغی منصوبہ اور مال کی ضرورت

آپ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جنگ کے بعد سے اِس وقت تک ہم دو درجن سے زیادہ مبلّغ بیرونی ممالک میں بھجوا چکے ہیں۔ چنانچہ اِس وقت انگلستان میں ۱۲، اٹلی میں ۳، شمالی امریکہ میں ۲، جنوبی امریکہ میں ایک، مغربی افریقہ میں ۱۲، ایسٹ افریقہ میں دو، فلسطین میں ۲، ایران میں ایک، سماٹرا جاوا میں ۶ اور ماریشس میں ایک مبلّغ ہے یہ کل ۴۲ مبلّغ ہوئے مگر یہ لوگ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ میں نے بہت غور کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہمیں کم سے کم بیرونی ممالک میں مندرجہ ذیل تعداد میں اپنے مبلّغین رکھنے چاہئیں۔

۱۔ سیرالیون میں ۱۲ جن میں سے ۵ موجود ہیں۔

۲۔ گولڈکوسٹ میں ۶ جن میں سے ۲ موجود ہیں۔

۳۔ نائیجیریا میں ۱۳ جن میں سے ۲ موجود ہیں۔

۴۔ سوڈان میں ۲ کم سے کم ایک ضرور جانا چاہئے۔

۵۔ ایران میں ۴ جن میں سے ۲ موجود ہیں۔

۶۔ فلسطین میں ۴ جن میں سے ۳ موجود ہیں اور ایک جانے کے لئے تیار ہے۔

۷۔ ابے سینیا اور اریتھریا میں ۴

۸۔ ٹانگانیکا میں ۶۔

۹۔ نیروبی میں ۶۔

۱۰۔ یوگنڈا میں ۶۔

۱۱۔ سماٹرا میں ۶۔

۱۲۔ جاوا میں ۶۔

۱۳۔ بورنیو میں ۲۔

۱۴۔ ملایا میں ۴ جن میں سے ایک موجود ہے۔

۱۵۔ برما میں ۴۔

۱۶۔ فجی میں ۲۔

۱۷۔ ٹرینیڈاڈ میں ۲۔

۱۸۔ انگلستان میں چھ جن میں سے تین جا چکے ہیں۔

۱۹۔ فرانس میں چار جن میں سے ۲ جا چکے ہیں۔

۲۰۔ سپین میں ۴ جن میں سے ۲ جا چکے ہیں۔

۲۱۔ جرمنی میں ۴ جن میں سے ۲ جا چکے ہیں۔

۲۲۔ ہالینڈ میں ۲ جن میں سے ایک جا چکا ہے۔

۲۳۔ اٹلی میں چار جن میں سے تین جا چکے ہیں۔

۲۴۔ شام میں ۲۔

۲۵۔ عراق میں ۲۔

۲۶۔ سیلون میں ۲۔

۲۷۔ ماریشس میں ۲۔

۲۸۔ یونائیٹڈ اسٹیٹس میں ۶۔

۲۹۔ برازیل میں ۳۔

۳۰۔ ارجنٹائن میں ۲ جن میں سے ایک موجود ہے۔

۳۱۔ دیگر جنوبی اسٹیٹس میں ۲۔

۲۔ میکسیکو میں ۲۔

۳۳۔ کینیڈا میں ۲۔

۳۴۔ سویڈن ناروے میں ۲۔

۳۵۔ یونان میں ۲۔

۳۶۔ البانیہ میں ۲۔

۳۷۔ فلپائن میں ۲۔

۳۸۔ چین میں ۶۔

۳۹۔ عدن میں ایک۔

یہ ساری تعداد ۱۵۲ بنتی ہے۔ ان میں سے ۴۲ مبلّغ باہر بھیجے جا چکے ہیں اور باقی مبلّغ ابھی تیار ہونے والے ہیں ان تمام مبلّغین کے لئے بہت زیادہ اخراجات کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ہمیں اُن کارخانوں کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے جو جاری کئے گئے ہیں یا جاری کئے جانے والے ہیں۔ اِن تجارتی اداروں کو پھیلانے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے جو مختلف مقامات پر قائم کئے جانے والے ہیں۔ پھر تربیت کی نگرانی کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت ہے اور تعلیمی کاموں کی وسعت کے لئے بھی بہت سے اخراجات کی ضرورت ہے۔ اِن سارے کاموں کو مدنظر رکھتے ہوئے حوصلہ اور دلیری کے ساتھ منزلِ مقصود کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے جماعت کو ہمیشہ آگے ہی آگے اپنا قدم بڑھانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس کا قدم سُست ہو جائے اور وہ کامیابی کی منزل پر پہنچتے پہنچتے رہ جائے۔ ہماری جماعت کے وہ نمائندے جو سب کمیٹی بیت المال میں شامل ہیں اُن کو اِس امر کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ان تمام ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آمد و خرچ کا بجٹ تیار کریں۔ دوسری طرف مَیں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ موجودہ بجٹ ہماری ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا۔ ہمارا موجودہ بجٹ تیرہ لاکھ ساٹھ ہزار نو سَو تین روپیہ کا ہے۔ اگر سندھ کی زمینوں اور سلسلہ کے کارخانوں کا بجٹ بھی شامل کرلیا جائے تو یہ پندرہ لاکھ کا بجٹ بن جاتا ہے۔ اگر تحریک جدید کے چندے اور تحریک جدید کے کارخانوں اور زمینوں کی آمد بھی شامل کر لی جائے تو وہ دس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ پندرہ لاکھ وہ اور دس لاکھ یہ ۲۵ لاکھ کا بجٹ ہوا۔ مگر میں نے جو سکیم بنانی ہے اس کے لئے ۲۵ لاکھ کا بجٹ کسی صورت میں بھی اکتفا نہیں کرسکتا۔ درحقیقت بچت دو تین لاکھ سے زیادہ نہیں باقی سب روپیہ لگا ہوا ہے اور دو تین لاکھ روپیہ کسی صورت میں بھی ہماری ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ قریب ترین عرصہ میں ہم انجمن کے بجٹ کو ۲۵ لاکھ تک پہنچا دیں اسی طرح تحریک جدید کے بجٹ کو بھی قلیل ترین عرصہ میں ۲۵ لاکھ تک پہنچا دیں۔ اگر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید دونوں کا مجموعی بجٹ ہم پچاس لاکھ تک پہنچا دیں تو وہ سکیم جو میں نے بیان کی ہے پوری ہوسکتی ہے اِس کے بغیر اِس سکیم کے پورا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ پس دوستوں کو خصوصیت سے اس طرف توجہ سے کام لینا چاہئے اور جلد سے جلد اس روپیہ کی فراہمی کی کوشش کرنی چاہئے۔

ایک سکیم دیہاتی مبلّغین کی بھی ہے مگر اس کا بجٹ بھی نہیں رکھا گیا حالانکہ پچاس کے قریب

طالب علم پڑھ رہے ہیں اور پندرہ مبلّغ اپنے کام پر لگے ہوئے ہیں۔ مگر وہ پندرہ مبلّغ جو اپنے کام پر لگے ہوئے ہیں اُن کے اخراجات تو بجٹ میں شامل کر لئے گئے ہیں اور باقی پچاس جو پڑھ رہے ہیں اور عنقریب مختلف دیہات میں تبلیغ کے لئے مقرر کئے جانے والے ہیں اُن کا بجٹ صدر انجمن احمدیہ نے نہیں رکھا۔ اگر سَو دیہاتی مبلّغ ہمارے مدنظر ہوں اور فی کس تبلیغی لٹریچر اور گزارہ اور آمدورفت کے اخراجات کو مدنظر رکھتے ہوئے ۷۵ روپیہ ماہوار خرچ رکھا جائے تو یہ ساڑھے سات ہزار روپیہ ماہوار یا ایک لاکھ روپیہ سالانہ بن جاتا ہے اگر سو کی بجائے پچاس پر ہی انحصار رکھا جائے تب بھی پچاس دیہاتی مبلّغین کے لئے پچاس ہزار روپیہ سالانہ خرچ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تعداد بھی کچھ بھی نہیں، ۶۵ مبلّغ تین چار حلقوں میں بھی صحیح طور پر کام نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک اس سکیم کو بھی بڑھا کر دیہاتی مبلّغین کو ایک ہزار تک پہنچانے کی ضرورت ہے لیکن اگر فی الحال اس کو جانے بھی دو اور ایک سو مبلّغین کا اندازہ رکھو تب بھی ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی دو تین سال کے اندر اندر ہمیں صرف دیہاتی مبلّغین کے لئے ضرورت ہوگی۔ اسی طرح کالج کی ترقی کے لئے جو سکیمیں زیرِ غور ہیں اگر اُن کو بھی مدنظر رکھا جائے تو ایک دو لاکھ اور رقم بڑھ جائے گی۔ پھر اگر دوسری سکیمیں جو میں نے بیان کی ہیں اُن کو مدنظر رکھا جائے تو تین چار سال میں ہمیں تین چار لاکھ روپیہ سالانہ کی اَور ضرورت پیش آجائے گی اسی لئے میں نے ریزروفنڈ کی مضبوطی کی جماعت کو متعدد بار تاکید کی ہے اور صدر انجمن احمدیہ کو بھی اِس طرف بار بار توجہ دلائی ہے جو نقد روپیہ کی صورت میں ریزروفنڈ جمع ہے وہ بہت کم ہے میں نے ہدایت کی تھی کہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ کے حساب سے ریزروفنڈ جمع کیا جائے۔ چنانچہ اب تک اِس فنڈ میں ۶ لاکھ سے زائد روپیہ جمع ہو چکا ہے۔ اِس سال کے بجٹ میں مَیں نے ایک لاکھ اسّی ہزار روپیہ ریزروفنڈ میں رکھنے کی ہدایت کی ہے اگر صدر انجمن احمدیہ نے میری ہدایات کے مطابق کام کیا تو چند سال کے بعد اِس روپیہ سے ہم بہت سے مفید کام خداتعالیٰ کے فضل سے سرانجام دے سکیں گے لیکن جس شکل میں بجٹ بنایا گیا ہے میں کہتا ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ غالباً اتنا روپیہ ریزروفنڈ میں جمع نہیں کر سکے گی اس لئے ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ ہم اپنی آمد کو بڑھانے کے ذرائع پر غور کریں۔ ناظر صاحب بیت المال

نے بتایا ہے کہ ہماری آمد میں ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کا اضافہ ہؤا ہے مگر چونکہ جنگ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اب آمد کم ہو جانے کا خطرہ ہے اور وہ ہزاروں آدمی جو فوج میں ملازم تھے اور جن کو سَو سَو روپیہ ماہوار ملتا تھا اب وہاں سے فارغ ہونے والے ہیں اور بعض تو ایسی صورت میں فارغ ہوں گے کہ اپنے ماں باپ پر بوجھ بن جائیں گے۔ اس لئے ہمیں خطرہ ہے کہ آئندہ ہم اپنی آمد کے معیار کو پوری طرح نہ قائم رکھ سکیں گے سوائے اس کے کہ تبلیغ پر زور دیا جائے اور نئے لوگ جماعت میں شامل کئے جائیں۔ یا وہ جو چندہ نہیں دیتے اُنھیں تحریک کی جائے کہ وہ بھی چندہ دیں اِس کے علاوہ ہمارے پاس آمد بڑھانے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اگر اِن ذرائع سے کام لے کر ہماری آمد میں اضافہ ہو جائے اور ہم ۶۲، ۶۳ ہزار آمد پیدا کر لیں تو دوسری طرف ہمیں یہ بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ صدر انجمن احمدیہ کے مختلف صیغہ جات کی طرف سے ۷۴ ہزار روپیہ کا مختلف اخراجات کے لئے مطالبہ کیا جا رہا ہے اِس طرح ایک لاکھ ۸۰ ہزار جو ریزرو فنڈ میں رکھا جانے والا تھا اِس میں ۷۴ ہزار روپیہ کی کمی ہو جائے گی اور ایک لاکھ ۶ ہزار روپیہ رہ جائے گا۔ اور چونکہ بجٹ میں بعض اور بھی زیادتیاں ہیں اگر ان کو بھی مدنظر رکھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ایک لاکھ تین ہزار روپیہ یا اس کے قریب قریب جمع کر سکیں گے اور یہ کوئی اچھی رفتار نہیں۔ عام طور پر قاعدہ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ بعض دفعہ دورانِ سال ایک لاکھ تک کی زیادتیوں کا مطالبہ کر دیتی ہے اگر اگلے سال بھی ایسا ہی کیا گیا گو میں نے منع کیا ہے کہ ایسا نہ کیا جائے تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہمیں فائدہ ہونے کی بجائے ۲۵، ۳۰ ہزار روپیہ کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا پس بجٹ پر بہت زیادہ غور اور فکر کی ضرورت ہے اگر سلسلہ کی آمد کو نہیں بڑھایا جا سکتا تو اخراجات کم کرنے چاہئیں۔

وظائف برائے طلباء جامعہ

مَیں اِس موقع پر ایک دفعہ پھر جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جن دوستوں نے وظائف میں حصہ لیا ہے، ان کو چاہیئے کہ صدقہ جاریہ کے اصول پر وہ اپنی رقم کو قائم رکھیں اور نہ صرف خود اس میں حصہ لیتے رہیں بلکہ دوسرے دوستوں کو بھی جو صاحب توفیق ہوں تحریک کریں کہ وہ اس میں حصہ لیں۔ اور اگر کوئی اکیلا شخص یہ بوجھ برداشت نہ کر سکتا ہو تو دو دو، چار چار

مل کر ایک طالب علم کا بوجھ برداشت کرنے کی کوشش کریں تا کہ سالانہ ۲۵۔۳۰ لڑکے مدرسہ احمدیہ میں داخل ہونے شروع ہو جائیں اور آخر میں ۲۵۔۳۰ مبلّغ سالانہ جماعت احمدیہ کو ملنے لگ جائیں۔ گو جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہ تعداد بھی ہماری ضروریات کے لئے کافی نہیں۔ اگر جامعہ احمدیہ کے ذریعہ سَو مبلّغ بھی سالانہ تیار ہو تو دس سال میں ایک ہزار مبلّغ تیار ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ آٹھ سال تک ہمیں تعلیم دلانی پڑے گی اس لئے اگر آج سَو لڑکا مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو اور پھر ہر سال سَو لڑکے متواتر اس میں داخل ہوتے رہیں۔ تب ۱۸ سال کے بعد ہمیں ایک ہزار مبلّغ مل سکتے ہیں اور ساری دُنیا کو اخلاقی اور روحانی لحاظ سے فتح کرنے کا ارادہ رکھنے والی قوم کے لئے ۱۸ سال کے بعد ایک ہزار مبلّغ کا ملنا حقیقی خوشی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ مگر ہر چیز کو قدم بقدم ہی چلانا پڑتا ہے۔ فِی الْحال اگر ہمیں ۲۵، ۳۰ یا ۳۳ مبلّغ ہی جامعہ احمدیہ کے ذریعہ سالانہ ملنے شروع ہو جائیں تو ہم اِسی کو غنیمت سمجھیں گے۔

اِس وقت حالت یہ ہے کہ جامعہ احمدیہ کے درجہ رابعہ میں ایک بھی طالب علم نہیں۔ درجہ ثالثہ میں چار طالب علم ہیں، درجہ ثانیہ میں چھ طالب علم ہیں اور درجہ اولیٰ میں آٹھ طالب علم ہیں گویا جُوں جُوں نیچے اُترتے جائیں نمبر زیادہ ہوتا جاتا ہے اور جُوں جُوں اوپر جائیں نمبر کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ مدرسۂ احمدیہ کی پہلی جماعت میں گزشتہ سال میری تحریک پر بہت سے دوستوں نے اپنے لڑکوں کو داخل کیا تھا۔ جن کی تعداد ۳۱، ۳۲ تک پہنچ گئی تھی۔ سالانہ امتحان میں ان میں سے ۳۰ لڑکے خدا تعالیٰ کے فضل سے پاس ہو گئے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ اِسی طرح جاری رہے تو آٹھ سال کے بعد ۳۰، ۳۲ علماء سالانہ ہماری جماعت کو ملنے شروع ہو جائیں گے مگر یہ اِسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کافی تعداد میں لڑکوں کے لئے وظائف مقرر ہوں اور جو لوگ غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو تعلیم دلانے سے معذور ہوں وہ اس وظیفہ سے ان کی تعلیمی ترقی کا انتظام کر سکتے ہوں۔ یہ لازمی بات ہے کہ اگر مدرسہ احمدیہ میں اپنے لڑکے داخل کرانے والے زیادہ تر غرباء ہوں گے تو وہ اپنے بچوں کے تعلیمی اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکیں گے۔ ان کے لئے یہی صورت ہو گی کہ جماعت کے دوست وظائف دیں اور وہ تعلیم حاصل کریں۔

پس جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ وہ اِس چندہ میں جو ثواب حاصل کرنے کا ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا ذریعہ ہے ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیں اور کوشش کریں کہ ان کے روپیہ کے ذریعہ سلسلہ کو عالم مبلّغ مہیا ہو جائیں۔ مَیں اِس موقع پر صدر انجمن احمدیہ کو بھی توجہ دلاتا ہوں اور بجٹ کمیٹی کو بھی کہ وہ کم سے کم پانچ ہزار روپیہ سالانہ اس مد کے لئے مقرر کر دے تاکہ اصل ذمہ داری جو صدر انجمن احمدیہ پر اس بارہ میں عائد ہوتی ہے اس سے وہ عُہدہ برآ ہو سکے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس وقت تک جو روپیہ آ رہا ہے اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے ۲۵ وظیفوں کی آسانی سے گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اگر دوسرے دوست بھی جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے اس میں حصہ لینے کی کوشش کریں تو یہ وظائف کی رقم اِس حد تک بڑھ سکتی ہے کہ موجودہ تعداد سے دو تین گُنا زیادہ لڑکوں کو وظائف دیئے جا سکتے ہیں۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں پانچ سَو سے زیادہ تنخواہ لینے والے تین چار سَو بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ ہوں گے۔ اگر ان میں سے ہر شخص کم سے کم ۵ روپے ماہوار وظیفہ دے تو ۲½ ہزار روپیہ ماہوار آمد ہو سکتی ہے دوسرے الفاظ میں ہم ایک سَو لڑکوں کو آسانی سے وظیفہ دے سکتے ہیں اور اِس کا ہم پر کوئی خاص بوجھ بھی نہیں پڑتا۔ خدا تعالیٰ نے مومن کو خرچ کم کرنے کی بھی بڑی توفیق عطا فرمائی ہے اور اس نے مومن کو اپنی آمد بڑھانے کے لئے بھی بڑی عقل بخشی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں اپنی آمد بڑھانے کے لئے عقل عطا فرمائی ہے تو اس نے ہمیں اپنے اخراجات کو کم کرنے کے حوصلے بھی بخشے ہیں۔ پس یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا برداشت کرنا ہماری جماعت کے لئے مشکل ہو۔ بے شک ایک کم حوصلہ انسان کے لئے یہ مشکل بات ہے مگر مومن کے لئے نہیں۔ پس اس خرچ کو ضرور رکھنا چاہئے اور جیسا کہ میں نے ہدایت دی ہے انجمن کو چاہئے کہ وہ اس غرض کے لئے ۵ ہزار روپیہ سالانہ کی اپنے بجٹ میں گنجائش رکھے۔ پانچ ہزار روپیہ سالانہ مَیں دے رہا ہوں اور چار ہزار کے قریب روپیہ دوسرے دوستوں کی طرف سے آ رہا ہے۔ ان کو چاہئے کہ وہ آئندہ بھی اِس سلسلہ کو جاری رکھیں اور جنہوں نے ابھی تک اس تحریک میں حصہ نہیں لیا وہ اس میں حصہ لینے کی کوشش کریں تا مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ دونوں کو مضبوط بنایا جا سکے۔

علماء تیار کرنے کی سکیم

اِس کے علاوہ مَیں نے خاص طور پر جماعت کے لئے علماء تیار کرنے کا کام بھی شروع کیا ہوا ہے اور میری سکیم یہ ہے کہ ایک طرف تو مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ میں طلباء کی تعداد کا اضافہ ہو اور دوسری طرف جو نوجوان علماء ہمارے پاس تیار ہیں اُن کو مزید اعلیٰ تعلیم دلائی جا سکے چونکہ بعض علوم ایسے ہیں جو ہم میں اور غیر احمدیوں میں مشترک ہیں اس لئے میں نے بعض طلباء کو منطق، فلسفہ، فقہ اور حدیث کی اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھجوا دیا ہے اور کچھ طالب علم ایسے ہیں جو قادیان میں ہی دینی علوم کی تکمیل کر رہے ہیں۔ جیسے قرآن کریم کا علم ہے، یا تصوف کا علم ہے۔ اس طرح تین چار سال میں ہمارے پاس خدا تعالیٰ کے فضل سے سات آٹھ علماء ایسے تیار ہو جائیں گے جو تعلیم کے لحاظ سے ہندوستان میں چوٹی کے علماء سمجھے جانے کے قابل ہوں گے۔ پھر میرا منشاء ہے کہ ان کو مصر اور شام بھجوا دیا جائے تاکہ ان ممالک میں رہ کر ان کو مزید علمی ترقی حاصل ہو۔ جب یہ لوگ فارغ ہو جائیں گے تو ہمیں اس بات کا موقع میسر آسکے گا کہ ہم خود قادیان میں ہی زیادہ سے زیادہ ایسے علماء تیار کر سکیں۔ چنانچہ آئندہ جامعہ احمدیہ میں سے جو طلباء نکلیں گے ان میں سے جو ہوشیار طالب علم ہوں گے، جو دوسروں کو تعلیم دینے کے قابل ہوں گے، جو اعلیٰ اخلاق رکھنے والے ہوں گے اور جن کی طبیعت میں بچوں کی نگرانی کا ملکہ ہوگا اُن کو ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا جائے گا جو بیرونی ممالک سے پڑھ کر آئیں گے تاکہ وہ ان سے مزید تعلیم حاصل کریں، اس طرح ۳، ۴ سال کی تعلیم کے بعد وہ بھی چوٹی کے علماء سمجھے جائیں گے۔

عورتوں کی تعلیم

دوسرا حصہ تعلیمِ نساء کا ہے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہاں دو قسم کی تعلیم میں نے جاری کی ہوئی ہے ایک تو لڑکیوں کا ہائی سکول ہے جو دیر سے جاری ہے اور ایک لڑکیوں کے لئے دینیات کالج ہے۔ انٹرنس کا امتحان دینے والی لڑکیاں اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت میں بہت کافی ہوتی جاتی ہیں اور ان کے نتائج بھی بہت اچھے نکلتے ہیں چنانچہ جہاں تک فیصدی کا سوال ہے لڑکیوں کے مدرسہ کے نتائج لڑکوں کے مدرسہ کے نتائج سے بہت اچھے رہتے ہیں، بلکہ اکثر سَو فیصدی لڑکیاں پاس ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ دینی تعلیم کے لئے مدرسۂ دینیات جاری ہے جس کی پڑھائی

دینیات کے لحاظ سے ایم اے تک رکھی گئی ہے۔ چھ جماعتیں ایسی ہیں جن میں وہ اپنے علوم کے لحاظ سے بی۔اے تک تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اس کے بعد اگر مزید ۲ سال وہ تعلیم حاصل کریں تو دینیات کے لحاظ سے ایم۔اے کی تعلیم حاصل کر لیں گی، اِس کے بعد پھر دو جماعتیں ایسی ہیں جن میں تعلیم حاصل کر کے وہ ڈاکٹر کے مقابلہ کی ڈگری حاصل کر لیں گی، اِس آخری ڈگری کا نام فقیہہ ہوگا۔

اِس کلاس میں دینی علوم میں سے کسی ایک علم کو لے کر اس کی انہیں مکمل واقفیت پیدا کر دی جائے گی اور پاس ہونے پر اُنھیں جماعتی ڈگری ڈاکٹر کی دی جائے گی جس کا نام فقیہہ ہوگا۔ اس سال بی اے کی متوازی کلاس جس کا نام علیہ ہے امتحان دینے والی ہے جو ماہ جون میں ہوگا۔ میں نے تجویز کیا ہے کہ لڑکیوں کے لئے بھی وظائف مقرر کئے جائیں تاکہ ان میں تعلیم کا شوق پیدا ہو اور وہ دلی رغبت اور جوش کے ساتھ اس میں حصہ لے سکیں۔

جہاں تک میرا خیال ہے لڑکیوں کے وظائف کے متعلق بجٹ میں گنجائش نہیں رکھی گئی۔ میں اس موقع پر بجٹ کمیٹی کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس کام کے لئے بھی اسے کچھ رقم بجٹ میں رکھنی چاہئے تاکہ لڑکیوں کو وظائف دیئے جاسکیں۔

مغربی افریقہ کیلئے تعلیمی سکیم

ہندوستان سے باہر سردست مغربی افریقہ میں ہمارے سکول ہیں اور گو وہ سکول صرف پرائمری یا مڈل تک ہیں مگر بہر حال کثرت سے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مغربی افریقہ میں ۱۵، ۱۶، یا ۲۰ کے قریب ہمارے سکول ہوں گے جو متفرق مقامات پر قائم ہیں۔ اب ہم نے یہ تجویز کی ہے کہ چونکہ مغربی افریقہ میں تمام اعلیٰ تعلیم عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے اور اس وجہ سے عیسائیوں کو تو نوکری مل جاتی ہے مگر مسلمان اِس میدان میں بہت پیچھے ہیں اس لئے مغربی افریقہ میں ایک لنڈن میٹرک سکول قائم کر دیا جائے اِس سکول کے قائم ہونے کے بعد جو لڑکے اس میں تعلیم حاصل کریں گے وہ آئندہ ڈاکٹری اور بیرسٹری کا بھی امتحان دے سکیں گے اور ملازمتوں کے حصول میں آجکل جو دِقّتیں درپیش ہیں ان کا بھی سدباب ہو جائے گا۔ لنڈن میٹرک، ہندوستانی یونیورسٹیوں کے بی اے کے برابر لینا چاہئے کیونکہ لنڈن میٹرک میڈیکل کالج

اور انجینئرنگ کالج میں بھی داخل ہوسکتا ہے۔ بہرحال ہمارا ارادہ یہ ہے کہ مغربی افریقہ میں ایک لنڈن میٹرک سکول کھول دیا جائے۔ میں نے اِس غرض کے لئے تحریک جدید کے ایک واقف کو لنڈن بھجوا دیا ہے جو تعلیم حاصل کر رہا ہے، تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے افریقہ بھجوایا جائے گا جہاں وہ لنڈن میٹرک سکول کی انشاء اللہ بنیاد رکھے گا۔

پھر قوم کی ذہنی اور مادی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اعلیٰ دُنیوی تعلیم رکھنے والے انسان کسی قوم میں سے زیادہ سے زیادہ پائے جائیں چنانچہ اس سال جماعت کے تین آدمیوں کو اعلیٰ دُنیوی تعلیم کے حصول کے لئے بیرونی ممالک میں بھجوایا جا رہا ہے دو اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جائیں گے اور ایک کو انگلستان بھیجا جائے گا۔ ہماری جماعت کی طرف سے جو مبلّغ اِس وقت تک انگلستان پہنچ چکے ہیں ان میں سے بھی بعض وہاں کے کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں تا کہ وہ وہاں کی اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں حاصل کریں اور جو لوگ یورپ کی ڈگریوں کے شیدائی ہوتے ہیں وہ ان کی تبلیغ کو اچھی طرح سن سکیں۔

اقتصادی حالت کی بہتری کی سکیم

تعلیم کے ساتھ جماعت کی اقتصادی حالت کی درستی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اِس کے لئے میں نے گزشتہ سال سے ایک تجارتی سکیم جاری کی ہے اور جماعت سے ایسے افراد کا مطالبہ کیا ہے جو اپنی زندگی اِس غرض کے لئے وقف کریں کہ وہ سلسلہ کے نظام کے ماتحت مختلف جگہوں پر تجارتی کاروبار شروع کر دیں گے۔ اِس تحریک کے ماتحت اِس وقت تک صرف ایک سَو ساٹھ نوجوانوں نے اپنی زندگی وقف کی ہے حالانکہ میری سکیم کے ماتحت ۵ ہزار افراد مختلف مقامات میں پھیلائے جائیں گے اِس وقت تک ہم نے تحریک جدید کی ایک ایجنسی بمبئی میں قائم کی ہے جس میں ایک تو تحریک جدید کا واقف کام کر رہا ہے اور دوسرا ایسا شخص ہے جس نے تحریک جدید کے وقف کے ماتحت اپنے آپ کو اِس خدمت کے لئے پیش کیا ہے۔ وہ فوج سے ریٹائرڈ ہو کر آیا تو اُس نے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اِس وقت وہ بمبئی میں کام کر رہا ہے لیکن قریب زمانہ میں میرا ارادہ اِس سکیم کو اَور زیادہ وسیع کرنے کا ہے اور میری تجویز یہ ہے کہ ہر مقام پر ایک ایک تحریک جدید کا واقف ہو اور ایک تجارتی واقف اور دونوں مل کر کام کریں۔ سرِ دست میں نے محکمہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ مدراس، کراچی،

کلکتہ، کوئٹہ، پشاور، لاہور، دہلی، ہیر نیگرہ، ڈھاکہ، شیلانگ دارجیلنگ اور سیلون میں بھی کام شروع کر دے اور پھر رفتہ رفتہ سارے علاقوں میں اس کام کو وسیع کر دیا جائے۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے ہمارا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم پانچ ہزار افراد ہندوستان کے مختلف مقامات میں پھیلا دیں۔ جب ہم اِس تعداد کو پورا کر لیں گے جس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہم نے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں تجارتی مرکز قائم کر دیئے ہیں تو ہمارا دوسرا قدم یہ ہوگا کہ ہم چھوٹے چھوٹے قصبات میں بھی اپنے آدمیوں کو پھیلا دیں اور اس کے لئے ہمیں ۲۵، ۳۰ ہزار آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ یوں تو ہندوستان کے بڑے شہر ۵ ہزار نہیں ہیں۔ میں نے پانچ ہزار افراد کی شرط اس لئے رکھی ہے کہ بعض اتنے بڑے شہر ہیں کہ ایک ایک شہر میں ہم دس دس پندرہ پندرہ بیس بیس آدمی بھی رکھ سکتے ہیں بلکہ یہ بھی اس شہر کے لحاظ سے کم ہی سمجھے جائیں گے۔

ویسٹ افریقہ میں اِس وقت تک جو تبلیغ ہو رہی ہے وہ زیادہ تر مقامی جماعت کے چندہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ گولڈ کوسٹ کی جماعت چالیس ہزار روپیہ سالانہ چندہ دیتی ہے اس کے علاوہ اگر دوسری جماعتوں کا چندہ بھی ملا لیا جائے تو ویسٹ افریقہ کی جماعتیں ستّر اسّی ہزار روپیہ سالانہ خرچ کر رہی ہیں۔ اب چونکہ زیادہ تنظیم ہو رہی ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ قریب زمانہ میں ہمیں ویسٹ افریقہ کا بجٹ اڑھائی تین لاکھ روپیہ رکھنا پڑے گا اور چونکہ یہ بوجھ موجودہ حالت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا اس لئے میں نے تجویز کیا ہے کہ مغربی افریقہ میں تجارت کے سلسلہ کو وسیع کیا جائے۔ اِس وقت بھی ویسٹ افریقہ کی تمام تجارت یا ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے یا شامیوں کے ہاتھ میں ہے مگر شامی ملکی باشندوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ہم نے جو سکیم تیار کی ہے اس کے ماتحت تجارت کرنے والوں کی ملکی باشندوں سے بھی دلچسپی قائم رہے گی۔ چنانچہ ہم نے اپنے کام کرنے والے دوستوں کو ہدایات دے دی ہیں کہ وہاں مشترکہ تجارتی ادارے قائم کریں تاکہ وہاں کی آبادی کو بھی فائدہ پہنچے اور جماعت کی مالی حالت بھی مضبوط ہو۔

ایسٹ افریقہ میں بھی اِسی قسم کی ایک سکیم مدنظر ہے اور وہاں کی جماعت نے اس کے متعلق مشورہ کر لیا ہے۔ اُنہوں نے ہم سے اس غرض کے لئے آدمی مانگے ہیں مگر ہمیں

اپنے آدمیوں کو بھجوانے میں بعض دِقتیں ہیں جن کو دور کرنے کے لئے کوشش کی جارہی ہے جب یہ دِقتیں دور ہو جائیں گی تو ہم انشاء اللہ ایسٹ افریقہ میں بھی پہنچ کر تبلیغ کے علاوہ اپنی تجارتی سکیم کو بھی وسیع کریں گے اور نہ صرف تبلیغ کو وسیع کریں گے بلکہ تبلیغ کے اخراجات کا ایک حصہ بھی مقامی جماعت کے دوست برداشت کر سکیں گے۔ امریکہ میں بھی ایک سکیم زیرِ غور ہے اور خط و کتابت جاری ہے اگر وہ سکیم کامیاب ہوگئی تو امریکہ کے تبلیغی اخراجات کا ایک حصہ بھی اس میں سے نکل سکے گا۔

صنعت وحرفت کی اہمیت

صنعت و حرفت بھی کسی قوم کی مضبوطی اور اُس کی ترقی کے لئے نہایت ضروری چیز ہوتی ہے اور ہر وہ قوم جو دُنیا میں عزت اور نیک نامی کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی ہے اُس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ صنعت و حرفت میں ترقی کرنے کی کوشش کرے۔ ہماری جماعت کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ جہاں اور کاموں میں حصہ لے وہاں صنعت وحرفت کے ذریعہ بھی جماعت کی عزت اور اس کے وقار کو بڑھانے کی کوشش کرے واقعہ یہ ہے کہ جس طرح تجارت تبلیغ کے میدان کو وسیع کرتی ہے اسی طرح صنعت و حرفت بھی تبلیغی میدان کو وسیع کرنے میں بہت بڑا دخل رکھتی ہے۔ صنعت و حرفت میں ترقی کرنے سے قوم کا نام مشہور ہوتا ہے اور یہ نام تبلیغی نقطۂ نگاہ سے نہایت مفید نتائج پیدا کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔

کچھ عرصہ ہؤا میں لاہور گیا تو سائنس کے ایک پروفیسر مجھے ملنے کے لئے آئے انہوں نے باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ میں تو قادیان کی صنعتی ترقی کو دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں۔ میں نے قادیان کی بجلی کی بنی ہوئی ایسی چیزیں دیکھی ہیں کہ مجھے حیرت آ گئی۔ میں خیال کرتا تھا کہ یہ چیزیں ہندوستان میں بن ہی نہیں سکتیں مگر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ قادیان کے کارخانوں میں یہ چیزیں آجکل تیار ہو رہی ہیں اور ہندوستان میں عام طور پر فروخت ہو رہی ہیں۔ اِس کے بعد وہ مذہبی باتوں کی طرف آ گئے اور دیر تک مختلف مسائل پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے اب دیکھو اُنھیں ہماری جماعت سے دلچسپی محض صنعت وحرفت کی ترقی دیکھ کر پیدا ہوئی انہوں نے جب دیکھا کہ قادیان کے کارخانے ایسا مال تیار کر رہے ہیں جو پہلے ولایت سے آیا کرتا تھا تو اُن کی طبیعت پر اس کا غیر معمولی اثر

پڑا اور اُنہوں نے سمجھا کہ یہ مسلمانوں میں سے ایک فعّال جماعت ہے۔ جب صنعت وحرفت میں اِس طرح ترقی کر رہی ہے تو ہمیں اِس کے مذہبی مسائل کا بھی جائزہ لینا چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ وہ کس حد تک دُنیا کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

بہرحال صنعت وحرفت ایک ایسی چیز ہے جس کا قدرتی طور پر دوسروں پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جو جماعت اِس میدان میں اپنے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کر رہی ہے وہ دوسرے معاملات میں بھی دوسروں سے زیادہ سنجیدہ اور عقلمند ہوگی۔ چنانچہ بعض چیزیں جو اس جگہ کے کارخانوں میں تیار ہوتی ہیں وہ تو اس قدر مقبول ہوتی ہیں کہ سارے ہندوستان میں اسی جگہ سے جاتی ہیں مثلاً بیٹریاں آجکل قادیان سے ہی بن کر جاتی ہیں اور ہزاروں ہزار کی تعداد میں بمبئی، کلکتہ اور مدراس وغیرہ میں فروخت ہوتی ہیں اور اس قسم کی منڈی اُنہوں نے پیدا کر لی ہے کہ خود بخود لوگ ان چیزوں کی طرف جُھکتے چلے جاتے ہیں اور وہ دوسرے سامانوں پر قادیان کے تیار کردہ سامان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح بجلی کے اور بھی سامان قادیان میں تیار ہوتے ہیں مثلاً لیمپ ہیں، پیٹر ہیں، استریاں ہیں، پنکھے ہیں، ٹیبل فین تو تیار ہو کر مارکیٹ میں آ گئے ہیں اور چھت کے پنکھے بھی تیار کئے جا رہے ہیں اسی طرح اور کئی چیزیں ہیں جو قادیان کے کارخانوں میں تیار ہوتی ہیں یا ان کے تیار کرنے کی سکیم زیرِ غور ہے۔

اس دوران میں سلسلہ کی طرف سے بھی ۲ کارخانے قائم کئے گئے ہیں ایک کارخانہ آئرن میٹل ورکس ہے جس میں تالوں کا کام ہوتا ہے کارخانہ والے پانچ سَو تالے روزانہ بناتے ہیں اور ان کی سکیم یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اپنے کام کو ایسا وسیع کریں کہ وہ پندرہ سَو بلکہ دو ہزار تالا روزانہ بنانے لگ جائیں۔ اس کارخانہ کی بنی ہوئی چیزیں خدا تعالیٰ کے فضل سے مقبول ہو رہی ہیں اور کثرت کے ساتھ لوگوں میں فروخت ہوتی رہتی ہیں، آئندہ کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اسی طرح تحریک جدید کی طرف سے ایشیاٹک کارپٹ ملز جاری کی گئی ہیں جس میں قالینیں بنتی ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ کارخانہ ایسا کامیاب ہوا ہے کہ تیاری کے بعد مال کارخانہ میں نہیں رہتا بلکہ فوراً نکل جاتا ہے۔ پہلے کارخانہ والے اپنا مال تیار کر کے امرتسر بھیجا کرتے تھے اب اُنہوں نے بمبئی میں بھیجنا شروع کر دیا ہے۔ اور ان کی

سکیم یہ ہے کہ آہستہ آہستہ غیر مُلکوں سے براہ راست خط وکتابت کر کے انھیں مال بھجوانے کی کوشش کی جائے۔ اِسی طرح سندھ میں ایک جیننگ اور پریسنگ فیکٹری کُھلی ہوئی ہے اب تیل نکالنے کی ایک فیکٹری اور سیاہی بنانے کا ایک کارخانہ کھولنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ مشینوں کے لئے آرڈر جا چکے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ دو تین ماہ تک جب مشینیں پہنچ جائیں گی تو یہ کارخانے جاری ہو جائیں گے۔ میں اس موقع پر جماعت کو بھی اور صدر انجمن احمدیہ کو بھی اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اسے اپنے ریزرو فنڈ کو مضبوط کرنے کی خاص طور پر کوشش کرنی چاہئے تا کہ جب صنعت وحرفت کی طرف توجہ کی جائے اور مختلف قسم کے کارخانے جماعت کی آئندہ ترقی اور بہبود کے لئے جاری کئے جائیں تو زائد روپیہ ان کارخانوں میں لگایا جا سکے۔ اِسی طرح میں جماعت کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے اموال کو بجائے ایسی جگہ رکھنے کے جہاں اموال کا رکھنا کوئی نتیجہ خیز نہیں ہوتا (جیسے بعض لوگوں کا روپیہ گھروں میں پڑا رہتا ہے یا بعض بنکوں میں رکھوا دیتے ہیں) متفرق کاموں میں لگائے خصوصاً ان کارخانوں میں جو سلسلہ کی طرف سے جماعت کی ترقی کے لئے جاری کئے گئے ہیں اگر محض سلسلہ کا روپیہ ان کاموں پر لگایا جائے تو یہ کام بہت محدود دائرہ میں رہیں گے لیکن اگر ساری جماعت کا روپیہ ہو تو ان کارخانوں میں بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اب ہماری جماعت کی حالت ایسی ہے کہ اگر وہ ان کاموں سے دلچسپی لے تو کروڑوں روپیہ دے سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چار پانچ کروڑ روپیہ اگر بنکوں کی بجائے کارخانوں میں لگایا جائے تو بہت جلد ترقی ہو سکتی ہے پھر علاوہ اس کے کہ جماعت کا روپیہ اس رنگ میں سلسلہ کے کارخانوں کی ترقی کا موجب ہو سکتا ہے دوسرا فائدہ اس کا یہ بھی ہے کہ بجائے زکوٰۃ میں روپیہ کا ایک حصہ صَرف ہونے کے وہی روپیہ مزید نفع کا موجب بن سکتا ہے۔ بہت سے کمزور لوگ ایسے ہوتے ہیں جو روپیہ تو جمع کرتے جاتے ہیں مگر انھیں بھی زکوٰۃ کا خیال نہیں آتا۔ اگر اس قسم کے لوگ اپنا روپیہ کارخانوں میں لگا دیں تو یہ چیز انھیں ایک بہت بڑے گناہ سے بچانے کا موجب بن سکتی ہے۔

بیرونجات میں بھی مختلف مقامات پر ہماری جماعت کے دوست تجارت کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ کراچی میں کئی نئے کام شروع کئے گئے ہیں، کوئٹہ میں ایک سُوتی کپڑے کا

کارخانہ بنایا گیا ہے اور ایک لاکھ روپیہ کا سرمایہ اس کے لئے جمع کیا گیا ہے، گو جو اطلاعات مجھے پہنچی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے دوستوں کو اس قِسم کے کارخانہ کی پوری واقفیت نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک لاکھ میں گزارہ ہو جائے گا یا ایک لاکھ نہ سہی تو ڈیڑھ لاکھ میں یہ کارخانہ چل نکلے گا لیکن ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اس قسم کے کارخانہ کو کامیاب بنانے کے لئے ۱۵۔۲۰ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے۔

اِسی طرح صنعت وحرفت کے بنیادی اصول کے لئے ہم نے سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کی ہے اس میں اعلیٰ سے اعلیٰ سائنس کے مسائل کی تحقیقات کی جائے گی، ایسے مسائل کی جو علمی بھی ہوں گے اور عملی بھی۔ صنعت وحرفت سے متعلق میں نے جماعت کو جو توجہ دلائی ہے اسی سلسلہ میں مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس کام میں ہمیں دوستوں کے تعاون کی ضرورت ہے اگر ہمارے کارخانوں کا مال دوسرے لوگ فوراً لے لیتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری جماعت کے افراد اپنے کارخانوں کا تیار کیا ہؤا مال نہ خریدیں۔

جماعتی کارخانوں کا مال خریدیں

میں سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلا حق ہماری جماعت کا ہے کہ وہ اپنے کارخانوں کا تیار کردہ مال خریدے اور اپنے استعمال میں لائے۔ یہاں اب تک پندرہ بیس کارخانے جاری ہو چکے ہیں جن میں سے دو سلسلہ کے ہیں، ایک کارخانہ قالینوں کا ہے اور دوسرا تالوں کا۔ قالین ایسی چیز ہے جس کا خریدنا عام احمدیوں کی دسترس سے باہر ہے کیونکہ قالین زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اور وہ اسّی سَو یا دوسَو روپیہ گز تک فروخت ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے کچھ سستا کام بھی شروع کر دیا ہے لیکن تالا ایک ایسی چیز ہے جو ہر احمدی کے استعمال میں آتا ہے اگر بمبئی مدراس اور کراچی کی بڑی بڑی فرمیں ان تالوں کو خریدتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ احمدی ان تالوں کو خریدنے سے گریز کریں اور یہ خیال کریں کہ شاید ہمارے کارخانہ والوں کا مال اچھا نہیں ہوگا۔ جب ماہرینِ تجارت ان چیزوں کو خریدتے اور اس کی ایجنسیاں لینے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑی بڑی فرمیں اس مال کو پسند کرتی اور اسے شوق سے خریدتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہماری جماعت کے دوست اس طرف توجہ نہ کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جہاں دوسرے لوگ اِس کارخانہ کی بنی ہوئی اشیاء کو خریدتے رہے ہیں وہاں ہماری جماعت کے

دوستوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنا قدم بڑھائیں اور اس کارخانہ کے تالوں کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو جماعت کی مضبوطی اور اس کی ترقی کے ساتھ بہت گہرا تعلق رکھتی ہے۔ ہماری جماعت کی تعداد اِس وقت لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے اگر لاکھوں آدمی اس کارخانہ کے بنے ہوئے تالے خریدنے لگیں تو یہ کارخانہ ہمیں تھوڑے عرصہ میں ہی موجودہ حالت سے دوگُنا تین گُنا بلکہ چارگُنا کرنا پڑے گا میں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں کم سے کم ایک لاکھ تالا سالانہ ضرور استعمال ہوتا ہے اگر پانچ سَو روزانہ کے حساب سے بھی آئرن میٹل ورکس والے تالے بنائیں تو وہ سال بھر میں ایک لاکھ اسّی ہزار تالا بنا سکتے ہیں اور اِن تالوں کا قریباً دو تہائی حصہ اپنی جماعت میں ہی خرچ ہو سکتا ہے بغیر اس کے کہ ہمارے دوست ایک پیسہ کا بھی زائد خرچ برداشت کریں صرف انہیں اتنا کرنا پڑے گا کہ وہی روپیہ جو وہ تالوں کو خریدنے کے لئے دوسرے دکانداروں کو دیتے ہیں وہ اپنے کارخانہ والوں کو دے دیا کریں۔ اِس طرح ہزاروں ہزار روپیہ بغیر ایک پیسہ کے بوجھ کے سلسلہ کے پاس آ سکتا ہے اور اس سے تبلیغِ اسلام کو موجودہ حالت سے کئی گُنا زیادہ وسیع کیا جا سکتا ہے۔ آجکل پانچ آنے کا تالا تو مل نہیں سکتا بارہ آنہ روپیہ یا دو روپیہ کا ایک تالا آتا ہے اور احمدی اپنی ذاتی ضروریات یا اپنے گھر کی ضروریات کے لئے تالا خریدنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اگر امریکہ یا بمبئی یا کلکتہ کی کسی فرم کا بنا ہؤا وہ کوئی تالا خریدیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ روپیہ اور لوگوں کے ہاتھ میں جائے گا خصوصاً ایسے لوگوں کے ہاتھ میں جو اسلام کے مخالف ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں کبھی صدقہ و خیرات کا خیال بھی آیا تو بہرحال وہ روپیہ عیسائیت کی تقویت میں خرچ ہوگا لیکن اگر ہماری جماعت کے دوست احمدیہ کارخانہ کے بنے ہوئے تالے خریدیں گے تو یہ سارا روپیہ خدائے واحد کے نام کی اشاعت اور اس کے کلمہ کے اعلاء کے لئے خرچ ہوگا اور سلسلہ کے کاموں کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جا سکے گا۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں نہ صرف اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ہمیشہ آئرن میٹل ورکس کے بنے ہوئے تالے استعمال کرنے چاہئیں بلکہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں اس کی ایجنسیاں قائم کرنی چاہئیں اور اس طرح اپنی جماعت میں خصوصاً اور دوسروں میں عموماً اس کارخانہ کی بنی ہوئی چیزوں کو پھیلانے کی

کوشش کرنی چاہئے۔ (الفضل ۳۰ مئی، ۶ جون ۱۹۶۲ء)

دوسرا دن

ہر احمدی سال میں کم از کم ایک احمدی بنانے کا عہد کرے

مجلس مشاورت کے دوسرے روز ۲۰۔ اپریل ۱۹۴۶ء کو سب کمیٹی دعوۃ و تبلیغ کی تجویز پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ممبران نے تبلیغ کو وسعت دینے پر زور دیا۔ اس موقع پر نمائندگان سے خطاب کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''دوستوں نے تبلیغ کے متعلق بہت زور دیا ہے مگر یہ کہنا کہ تبلیغ کرنی چاہئے اَور چیز ہے اور تبلیغ کرنا اَور چیز ہے۔ ہماری جماعت میں بہت تھوڑے دوست ایسے ہیں جو باقاعدگی سے تبلیغ کرتے ہیں اور اس ایک حصہ کی تبلیغ کا یہ نتیجہ ہے کہ دو تین ہزار آدمی سالانہ ہندوستان میں احمدیت میں داخل ہوتا ہے لیکن اِس رفتار سے تو ہمیں صرف ہندوستان کو احمدی بنانے کے لئے ہی کئی سَو سال لگ جائیں گے۔ جب یہ رفتار ہماری ان لوگوں کے متعلق ہے جو دن رات ہمارے پاس رہتے ہیں تو باقی دُنیا کو احمدی بنانے کے لئے ہمیں کتنا عرصہ درکار ہوگا۔ کیا جماعت کی تبلیغ کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے کہ بیعت کرنے والوں کی تعداد دو تین ہزار پر آ کر رُک جائے؟ میں دیکھتا ہوں کہ دوست اس مجلس میں آ کر لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں کہ تبلیغ کرنی چاہئے لیکن کہنا اور بات ہے اور کرنا اور بات ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ جس بات کے لئے وہ دوسروں سے کہے اس پر خود بھی عمل کر کے دکھائے۔ بعض لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خود ایک کمزوری میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن دوسروں پر زور دیتے چلے جاتے ہیں کہ تم یہ نہیں کرتے اور وہ نہیں کرتے۔ دو تین سال ہوئے یہاں مجلس مشاورت میں ایک دوست نے چندہ کی ادائیگی کے متعلق ایک لمبی تقریر کی جب وہ تقریر کر چکے تو وہاں کے کسی عُہدہ دار نے بتایا کہ یہ خود دو سال سے چندہ نہیں دے رہے۔ یہ طریق ایمان کو کمزور کر دیتا ہے، مومن کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

تبلیغ کی وسعت کے پیشِ نظر ہم نے ہر ایک احمدی کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ سال

میں کم از کم ایک احمدی ضرور بنائے۔ یہ مطالبہ ہم نے اس لئے کیا ہے تا جماعت بحیثیت مجموعی تبلیغ کی طرف متوجہ ہو اور اپنے فرض کا احساس کرے۔ ورنہ اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ آپ لوگوں سے جبراً بیعت کرائیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر سنجیدگی سے کوشش کی جائے تو سال بھر میں ایک احمدی بنانا کوئی مشکل بات نہیں۔ لیکن میرے اس خطبہ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب تک آٹھ سَو جماعتوں میں سے صرف ۸۷ جماعتوں نے وعدے بھجوائے ہیں باقی سب جماعتوں نے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اور ان ۸۷ جماعتوں کی طرف سے بھی ۱۱۹۲۔ افراد نے صرف ۱۴۰۰ آدمیوں کو احمدی بنانے کے وعدے کئے ہیں۔ غرض جماعت نے اس معاملہ میں اس قدر سُستی سے کام لیا ہے کہ اِس سے قبل اتنی سُستی اس نے کسی معاملہ میں نہیں دکھائی۔

پس مَیں جماعتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور جلد سے جلد اپنے وعدے بھجوانے چاہئیں۔ ہماری جماعت ہندوستان میں چار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ ابھی جو الیکشن ہوا ہے اس نے یقینی طور بتا دیا ہے کہ ہماری تعداد ہندوستان میں چار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ ہماری جماعت کے ووٹر چالیس اور پچاس ہزار کے درمیان تھے اور چونکہ عام طور پر آبادی کا دس فی صدی حصہ ووٹر ہوتا ہے اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں چار پانچ لاکھ کے قریب ہماری جماعت کے افراد ہیں۔ تین لاکھ کے قریب تو پنجاب میں ہی ہیں۔ اس کے علاوہ سندھ، سرحد میں، بہار میں، بنگال میں اور دوسرے صوبوں میں کسی جگہ دس ہزار، کسی جگہ پندرہ ہزار، کسی جگہ بیس ہزار، اڑیسہ کے متعلق میرا خیال تھا کہ وہاں بہت کم احمدی ہیں لیکن بعض دوستوں نے بتایا ہے کہ وہاں بھی چار ہزار کے قریب احمدی ہیں، حالانکہ اڑیسہ بہت چھوٹا سا صوبہ ہے۔ چونکہ ہماری جماعت میں باقی جماعتوں کی نسبت تعلیم زیادہ ہے اس لئے ہم اس اندازے کو اگر کسی قدر کم کر دیں یعنی پانچ لاکھ کی بجائے چار لاکھ سمجھ لیں اور پھر اس چار لاکھ کا آدھا کریں تو دو لاکھ ہوئے کیونکہ کچھ لوگ سُست اور غافل بھی ہوتے ہیں۔ اور اس دو لاکھ میں سے اگر فی خاندان پانچ آدمی سمجھے جائیں تو چالیس ہزار ایسے مرد ہوں گے جو اچھی طرح تبلیغ کر سکتے ہیں اور اگر ہر سال ایک آدمی ایک ہی احمدی بنائے تو اس لحاظ سے بھی چالیس ہزار آدمی ہر سال احمدی ہونا

چاہئے۔

نئے احمدی ہونے والے بھی تبلیغ کریں تو چالیس ہزار آدمی اگر چالیس ہزار احمدی نہ بنا سکے تو نصف تو ضرور بنالے گا۔ اسی طرح اگلے سال ساٹھ ہزار آدمی احمدیت میں داخل ہوں گے۔ پھر وہ ساٹھ ہزار بھی تبلیغ کرے تو اگلے سال تک ایک لاکھ احمدی احمدیت میں داخل ہونے لگ جائے گا۔ یہی صورت ہے جس سے ہم احمدیت کا رُعب قائم کر سکتے ہیں۔ اور یہی صورت ہے جو دلوں کو صداقت کی طرف مائل کر سکتی ہے۔ پس اس وقت ضرورت ہے کہ احمدیت کی ایک زبردست رَو چلائی جائے۔ جب احمدیت کی رَو چل جائے گی تو لوگوں کے دل خود بخود احمدیت کی طرف جُھک جائیں گے اور ان پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان کی بیماریوں کا علاج صرف احمدیت ہے۔ اُس وقت تم ہر روز یہ خبریں سنو گے کہ آج فلاں گاؤں احمدی ہو گیا، آج فلاں قبیلہ احمدی ہو گیا، آج فلاں قوم احمدی ہوگئی۔ تم دیکھو گے کہ دوسری قومیں لوگوں کو احمدیت سے روکیں گی لیکن لوگ رُکیں گے نہیں۔ پس میں دوستوں کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ وقت جماعت کے بڑھنے کا ہے۔ اس کو ہاتھ سے مت جانے دو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اب حالات اس قسم کے پیدا ہو رہے ہیں کہ مسلمان اس بات کے سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ ان کے لئے احمدیت کے سِوا بچنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اب اس قسم کے مصائب آنے والے ہیں جو مسلمانوں کو مجبور کریں گے کہ وہ احمدیت کی طرف جُھکیں اور ان کے لئے سوائے احمدیت کے رستہ کے اور کوئی رستہ مصائب سے نجات دلانے والا نہ ہوگا۔ اُس وقت مسلمان احمدیت کی طرف اس طرح گریں گے جس طرح برف کا تودہ پہاڑ سے گرتا ہے لیکن اُس وقت کے آنے تک ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی انتہائی جدوجہد تبلیغ کے لئے صرف کریں۔ اِس وقت جو نمونہ جماعت نے پیش کیا ہے وہ نہایت ناقص ہے یعنی آٹھ سَو جماعتوں میں سے صرف ۷۸ جماعتوں نے ۱۴۰۰ آدمیوں کو احمدی بنانے کے وعدے بھجوائے ہیں۔ دوستوں کو چاہئے کہ وہ واپس جا کر جماعتوں کی غفلت اور سُستی دور کریں اور اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے پورے اخلاص اور جوش کے ساتھ حصہ لیں۔ (الفضل قادیان ۱۷؍مئی ۱۹۴۶ء)

تیسرا دن

احباب جماعت اور امراء کو نہایت قیمتی نصائح

مجلس مشاورت کے تیسرے روز ۲۱۔اپریل ۱۹۴۶ء کو نظارت علیاء کی طرف سے یہ سوال زیر بحث آیا کہ مجلس عاملہ کے زائد ممبر مقرر کرنے کا اختیار امراء جماعت کو حاصل ہے یا وہ بھی مقامی جماعت کے ذریعہ منتخب کئے جائیں گے۔ سب کمیٹی نے یہ رائے قائم کی کہ ''مجلس عاملہ کے زائد ممبر مقامی جماعت کے انتخاب سے ہونے چاہئیں'' بحث کے بعد نمائندگان کی اکثریت نے یہ سفارش کی کہ زائد ممبر منتخب کئے جائیں تاہم یہ انتخاب صرف مجلس عاملہ کرے۔ رائے شماری کے بعد حضور نے احباب جماعت اور امراء دونوں کو اپنی بیش قیمت نصائح سے نوازا۔ آپ نے فرمایا:-

''سر درد کی وجہ سے میں اِس وقت زیادہ بات نہیں کر سکتا اسی لئے میں نے ابھی سر درد کی دوا کھائی ہے تا کہ میں اپنے خیالات کا کچھ نہ کچھ اظہار کر سکوں۔ میری طبیعت دراصل کل سے خراب ہے۔ کل مجھے بخار بھی رہا اور سر میں درد بھی ہوتا رہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آندھی چلے تو وہ میرے اندر انفلوائنزا کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ آندھی کی وجہ سے گرد وغبار گلے اور ناک میں خراش پیدا کر دیتا ہے اور چونکہ میرے گلے اور ناک میں دیر سے خرابی ہے اس لئے گرد وغبار کی وجہ سے پرانی بیماری میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور بند نزلہ کی کیفیت ہو کر سر درد شروع ہو جاتا ہے اور بخار بھی ہو جاتا ہے۔ بہرحال وہ مسئلہ جو اِس وقت درپیش ہے چونکہ اپنے اندر بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اِس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مجھے تکلیف کے باوجود جماعت کی ہدایت اور راہ نمائی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کہنا چاہئے۔

درحقیقت یہ مسئلہ اپنے اندر کئی پہلو رکھتا ہے ایک پہلو کے لحاظ سے اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ جماعت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ایک حصہ خلافت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ امراء کا وجود اور ان کے اختیارات زیادہ تر شرعی مسائل پر مبنی ہیں اور جماعتوں کا حق رائے دہندگی اور اس قسم کے بہت سے مسائل موجودہ زمانہ کے رواج پر مبنی ہیں، گویا ایک حصہ ہی ایسا ہے جو درحقیقت شریعت سے تعلق رکھتا ہے لیکن سب سے بڑی چیز جو اس قسم کے مسائل کے متعلق

پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک قاعدہ کی صورت ہوتی ہے اور ایک عملی دِقتیں ہوتی ہیں۔
جہاں تک قواعد کا سوال ہے اسلام ہماری راہ نمائی کرتا ہے لیکن جہاں تک عمل کا سوال ہے ہماری ذہنیتیں اس میں بہت کچھ داخل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اسلام ہمیں کہتا ہے کہ نماز ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو، جلدی نہ کرو۔ اب جلدی ادا نہ کرو کا مسئلہ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو کا مسئلہ جہاں تک لغت کے الفاظ کا سوال ہے اسلام نے اس کے متعلق ہماری راہ نمائی کر دی ہے۔ مگر جلدی اور ٹھہرنے کا جو مفہوم ہے اس میں ضرور انسانی اَذہان اور اَفکار اور میلانات آ جائیں گے۔ ایک حنفی بھی یہی کہے گا کہ نماز کو ٹھہر کر ادا کرنا ضروری ہے مگر وہ معنے بالکل اور کرے گا۔ ایک اہلحدیث بھی یہی کہے گا کہ نماز کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا ضروری ہے مگر وہ معنے اور لے گا۔ ایک وظیفہ خوار انسان بھی ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کرنے کے کوئی معنے لے گا مگر اس کا مفہوم دونوں سے جُدا ہوگا۔ صوفیاء میں سے بعض ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے تہجد کی پہلی رکعت میں ہی ساری رات گزار دی اور اذان کے وقت جلدی جلدی دوسری رکعت پڑھ کر ۲ رکعت میں نماز تہجد ادا کی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے پہلی رکعت میں ساری رات اس لئے گزار دی کہ شریعت کہتی ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کرو۔ اور جب پوچھا گیا کہ دوسری رکعت آپ نے جلدی کیوں پڑھی؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اس موقع پر شریعت کا دوسرا حکم ہمارے سامنے آ گیا کہ تہجد کی نماز صبح کی نماز سے پہلے ختم ہو جانی چاہئے چنانچہ جتنا وقت بھی ہمیں ملا ہم پابند تھے کہ اس وقت کے اندر اندر تہجد کو ختم کر دیں۔ پھر ایسے لوگ بھی امت محمدیہ میں پائے جاتے ہیں جن کے نزدیک ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ الفاظ کا مفہوم سمجھ میں آ جائے اور اتنا فاصلہ ہر آیت یا ہر کلمہ کے درمیان ہو کہ جو مفہوم سمجھ میں آیا تھا وہ دل میں جذب ہو جائے۔ اُنہوں نے ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کرنے کا مفہوم یہ لیا ہے کہ چار رکعتیں مثلاً ۱۰ یا ۱۵ منٹ میں ادا کر لی جائیں لیکن بعض اور نے یہ کہا ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کرنے کا صرف اتنا مفہوم ہے کہ انسان کو یہ پتہ لگتا جائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، ورنہ زیادہ ٹھہرنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ خیالات پراگندہ ہو جائیں گے۔ اسی کے نتیجہ میں حنفی نماز پیدا ہوئی جو ذرا جلدی جلدی ہوتی تھی اور اِسی کے نتیجہ میں آخر وہ نماز پیدا ہوئی جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ

حنفی جب سجدہ کرتے ہیں تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ مومن سجدہ کر رہا ہے یا مرغا دانے چُن رہا ہے۔ اب لفظ وہی ہیں اور ان الفاظ کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ مگر آگے توجیہات میں فرق ہوتا جاتا ہے اور ذہنِ انسانی بڑے بڑے تغیرات پیدا کر دیتا ہے، چنانچہ باوجود قانون کی موجودگی کے جب انسان بحث میں پڑتا ہے تو ایسی ایسی باتیں نکال لیتا ہے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتیں۔

قصہ مشہور ہے کہ ایک سخت گیر آقا تھا اور وہ اپنے نوکروں سے ایسا سخت سلوک کرتا تھا کہ وہ تنگ آ کر ملازمت ترک کر دیتے۔ جب وہ ملازمت چھوڑتے تو وہ ان کی تنخواہیں ضبط کر لیتا اور کہتا کہ چونکہ تم نے میری کامل اطاعت نہیں کی اس لئے گزشتہ تنخواہیں ادا نہیں کی جاسکتیں۔ ایک دفعہ اُس کے پاس ملازمت کے لئے ایک شخص آیا جو بہت ہوشیار تھا، اس نے آتے ہی کہا کہ مجھے آپ کی فرمانبرداری سے قطعاً انکار نہیں۔ میں ہر معاملہ میں آپ کی اطاعت کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن دیکھئے میری عقل ناقص ہے، مجھے کیا پتہ کہ کون سا کام مجھے کرنا چاہئے اور کون سا کام مجھے نہیں کرنا چاہئے۔ آپ میرے فرائض کی ایک فہرست بنا دیجئے تا کہ مجھے اپنے کام یاد رہیں اور مجھ سے کسی قسم کی غفلت سرزد نہ ہو۔ اُس کے آقا نے ایک فہرست بنائی اور تمام کام جو اس کے ذہن میں آسکتے تھے وہ اُس نے درج کر دیئے اور کہا کہ گھوڑوں کو دانہ ڈالنا، اُن کو پانی پلانا، اُن کو باہر پھرانا یہ سب تمہارے کام ہیں۔ اِسی طرح تمہارا یہ بھی کام ہے کہ جب میں تھک کر آؤں تو تم مجھے دباؤ، جب میں سفر پر جاؤں تو تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا، کھانا پکانا بھی تمہارے ذمہ ہوگا۔ اس طرح ایک ایک کر کے اس نے مختلف کام گِنائے اور کہا کہ یہ سب کام تمہارے فرائض میں شامل ہیں۔ نوکر نے کہا مجھے منظور ہیں۔ چنانچہ اُس نے کام شروع کر دیا۔ ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں باہر جا رہا تھا کہ نوکر نے گھوڑے کو چھیڑنا شروع کر دیا گھوڑا بھاگ پڑا اور چونکہ آقا گھوڑے کی سواری کا عادی نہ تھا جب گھوڑا بھاگا تو وہ گر گیا اور اُس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اُس نے نوکر کو آوازیں دینا شروع کر دیں کہ جلدی آنا اور مجھے بچانا۔ نوکر نے یہ سنا تو اُس نے جھٹ جیب میں سے شرائط کا کاغذ نکال لیا اور کہنے لگا حضور اِس میں تو یہ کام میرے ذمہ نہیں لگایا گیا۔ دیکھ لیں سرکار اِس میں شرط یہ لکھی نہیں۔

اب بھلا کون سا آقا ایسا ہو سکتا تھا جو یہ بھی لکھ دیتا کہ اگر میں گھوڑے سے گر جاؤں اور رکاب میں میرا پاؤں پھنس جائے تو تمہارا فرض ہوگا کہ میری مدد کے لئے آؤ۔ غرض توجیہات میں جب کوئی انسان پڑ جاتا ہے تو پھر اس کے لئے کوئی حد بندی نہیں ہو سکتی۔

حضرت خلیفہ اول یا میر ناصر نواب صاحب مرحوم (مجھے اچھی طرح یاد نہیں) سنایا کرتے تھے کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے پاس ایک دفعہ کچھ آدمی ایک شخص کو مباحثہ کے لئے لائے اور کہا کہ ہم آپ سے تقلید اور عدمِ تقلید کے مسئلہ پر مباحثہ کرنا چاہتے ہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مباحث آدمی نہیں تھے ایک بزرگ انسان تھے جب اُن سے کہا گیا کہ آپ سے تبادلۂ خیالات کے لئے فلاں مولوی صاحب آئے ہیں تو اُنہوں نے اپنا سر اُٹھایا اور کہا ہاں اگر نیت بخیر باشد اگر نیت صالح کے ساتھ بات کرنا چاہتے ہیں تو بے شک کر لیں۔ وہ مولوی صاحب بھی اپنے دل میں تقویٰ رکھتے تھے تھوڑی دیر اُنہوں نے غور کیا اور پھر کہا یہ بحث تو محض پارٹی بازی کے نتیجہ میں تھی اور یہ کہہ کر خاموشی کے ساتھ اُٹھے اور چلے گئے تو نیت بخیر باشد کے ساتھ تو سارے کام چل جاتے ہیں اور پتہ بھی نہیں لگتا کہ قواعد کی ضرورت کیا ہے لیکن جہاں حُجت بازی ہوتی ہے وہاں کوئی قانون حد بندی نہیں کر سکتا وہاں یہی سوال آجائے گا کہ ''دیکھ لیں سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں''

ہم نے دیکھا ہے جہاں میاں بیوی میں محبت ہوتی ہے وہاں بعض دفعہ سارا دن بیوی گدھے کی طرح کام کرتی رہتی ہے مگر پھر بھی اُسے کوئی شکوہ پیدا نہیں ہوتا اور کبھی اس کی زبان پر اپنے شوہر کے خلاف حرف شکایت نہیں آتا۔ اُس کے مقابلہ میں ایسے میاں بیوی بھی ہوتے ہیں کہ بیوی سارا دن چارپائی پر بیٹھی رہتی ہے، اس کا زمین پر پاؤں تک نہیں پڑتا، میاں آپ ہی روٹی پکاتا ہے، آپ ہی آگ جلاتا ہے، آپ ہی پھونکنی سے چولھا پھونکتا ہے، آپ ہی کھانا تیار کر کے بیوی کے سامنے رکھتا ہے اور جب اِس کام سے فارغ ہوتا ہے اور بچہ ریں ریں کرنے لگتا ہے تو فوراً اسے گود میں اُٹھا لیتا اور سارا دن اسے کھلاتا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر چارپائی پر بیٹھے بیٹھے بیوی کہہ دیتی ہے کہ ذرا فلاں کام تو کر دیجئے تو وہ دَوڑتے ہوئے آجاتا ہے اور کہتا ہے میں حاضر ہوں ابھی کام کئے دیتا ہوں افسوس ہے مجھے اس کام کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ مگر شکایت نہ وہاں پیدا ہوتی ہے نہ یہاں۔

ایک جگہ تو یہ حالت ہوتی ہے کہ دھوپ اور گرمی میں کام کرتے کرتے بیوی کا چہرہ جھلس جاتا ہے مگر پھر بھی جب میاں چارپائی پر لیٹتا ہے تو بیوی اُس کے پاس آ جاتی ہے اور کہتی ہے آپ تھک گئے ہوں گے میں ذرا آپ کو دبا دوں۔ پھر کافی دیر تک دباتی چلی جاتی ہے اور اسے یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ میں سارا دن کام کرتی رہی ہوں تھکاوٹ تو مجھے ہونی چاہئے نہ کہ میاں کو۔ مگر اسے اپنی تکلیف بھول جاتی ہے اور میاں کو بیٹھ کر دبانے لگ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان دونوں میں آپس میں محبت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب بھی پوچھو کہ کیسا حال ہے؟ تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ زندگی بڑی اچھی گزر رہی ہے۔ اِس کے مقابلہ میں وہ گھر جس میں بیوی کا قدم چارپائی سے نہیں اُترتا اس میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہے اور میاں سے پوچھو تو وہ یہی کہتا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ بڑی اچھی بیوی ملی ہے۔ اِس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ ان کی نیت بخیر ہوتی ہے اور نیت بخیر ہونے کی وجہ سے قانون کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ وہ دونوں ایک ہو چکے ہوتے ہیں اور کسی قسم کی شرط وہ اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے۔ اِس کے مقابلہ میں جہاں جھگڑا ہو وہاں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے کہ حیرت آتی ہے۔

لنڈن ٹائمز میں مَیں نے امریکہ کی طلاقوں کے متعلق ایک دفعہ عجیب مضمون پڑھا اس میں لکھا تھا کہ ایک عورت نے محض اس بناء پر عدالت کے ذریعہ اپنے خاوند سے طلاق حاصل کی کہ میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو مجھے ہمیشہ پیار نہیں کرتا بلکہ بعض دفعہ بھول جاتا ہے۔ ایک عورت نے کہا کہ میں نے ایک ناول لکھا ہے جسے میں چھپوانا چاہتی ہوں مگر میرا خاوند اسے پسند نہیں کرتا مجھے اس سے طلاق دلائی جائے۔ چنانچہ اِسی وجہ سے امریکہ میں طلاق کی اس قدر کثرت ہے کہ ایک عورت فوت ہوئی تو اس کے جنازہ میں اُس کے گیارہ زندہ خاوند شامل ہوئے جو مر گئے وہ تو مر گئے مگر گیارہ ایسے تھے جو زندہ تھے اور جو اپنے تعلق کے اظہار کے لئے اُس کے جنازہ میں شامل ہوئے۔ تو اصل چیز نیتیں ہوتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ قانون نہیں بنانا چاہئے مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بعض جماعتوں میں یہ نقص نظر آتا ہے کہ وہ اخلاص کی بجائے قانون کی طرف متوجہ ہو گئی ہیں اور یہ کوئی اچھی بات نہیں۔

جماعتی کاموں کے اصول

کام ہمیشہ محبت اور پیار سے چلنے چاہئیں اور انسان کو یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ صحیح رویہ یہی ہے کہ تعاون سے کام کیا جائے اور اگر ایسا نہ ہو تو بجائے حد بندیوں کے اس انتظام کو تبدیل کر دینا چاہئے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں اگر صحیح اسلامی طریق کے مطابق عمل کیا جائے تو کسی قسم کے جھگڑے پیدا ہی نہیں ہو سکتے۔ اسلامی نظام نے ان امور کی طرف خاص طور پر زور دیا ہے اوّل جمہوریت یعنی حکومت پبلک کی رائے کے ساتھ چلنی چاہئے۔ اس امر کو اسلام نے ایسا اصولی طور پر تسلیم کیا ہے کہ قرآن کریم نے خاص طور پر بنی نوع انسان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا[1] اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانت کو ان کے اہل کے سپرد کیا کرو یعنی مومنوں کی رائے کے ساتھ حکومت کا تصفیہ ہونا چاہئے۔ پھر فرماتا ہے اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ[2] مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ مشورہ لے کر کام کرتا ہے صرف ذاتی غور وفکر پر ہی انحصار نہیں رکھتا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ[3] جب کام کرو تو لوگوں سے مشورہ لے لیا کرو۔ دراصل فطرت انسانی اس قسم کی ہے کہ بعض دفعہ ایک بچہ کے منہ سے بھی ایسی بات نکل آتی ہے جو بڑے آدمی کو نہیں سُوجھتی۔ اِسی وجہ سے اسلام نے اس امر پر خاص طور پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے دماغ پر ایسا بھروسہ نہ کرے کہ وہ دوسروں سے مشورہ لینے کی ضرورت ہی نہ سمجھے اُسے چاہئے کہ اپنے ہم جلیسوں اور ارد گرد بیٹھنے والوں سے ہمیشہ مشورہ لیتا رہا کرے۔ میں نے دیکھا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بعض دفعہ مجلس میں کوئی بات کرتے یا گھر میں کوئی بات کرتے تو ملازمہ یا ایک چھوٹا لڑکا بھی جو اُس وقت موجود ہوتا اپنی رائے دینے لگ جاتا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے روکنے کی بجائے یہی کہتے کہ رائے دے لو۔ یہ روح ہے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور جو شخص اِس کو دباتا ہے وہ اسلامی اصول کے خلاف چلتا ہے۔

پس ہمیں نہ صرف یہ امر مدنظر رکھنا چاہئے کہ ہمارے لئے کام کی سہولت کس چیز میں ہے بلکہ ہمیں یہ بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ جماعت کے تمام افراد کی ٹریننگ ہو جائے۔ ہمیں کیا معلوم کہ کل کِس شخص کے کندھوں پر جماعت کے کاموں کا بوجھ پڑنے والا ہے۔ اگر چند

محدود افراد اپنے کام میں ماہر رہیں گے اور وہ آئندہ نسلوں اور جماعت کے دوسرے افراد کو ذمہ داری کے کام سنبھالنے کا اہل نہیں بنائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک کے بعد دوسرا لیڈر پیدا نہیں ہوگا اور کام کو نقصان پہنچے گا۔

پس ہمیں اپنے موجودہ کاموں کی سہولت کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جماعت کے افراد کے دماغوں کی زیادہ سے زیادہ تربیت ہوتی چلی جائے اور اس غرض کے لئے وہی مدارس کافی نہیں جو نام کے مدارس ہیں بلکہ وہ مدرسے بھی ضروری ہیں جن میں جماعت کے تمام افراد شامل ہوتے ہیں اور جہاں جماعتی کاموں پر افرادِ جماعت کو تنقید کرنے اور ان کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کے متعلق اپنی تجاویز پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ ایک گزشتہ مجلس شوریٰ میں جب کثرتِ رائے سے یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ جماعت کے تمام افراد کی بجائے مجلس منتخبہ کے سپرد انتخاب کا کام کیا جائے تو گو میں نے کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا مگر میری رائے چھپی ہوئی موجود ہے میں نے کہا تھا کہ مجھے اِس تجویز پر اطمینان نہیں مگر چونکہ جماعت کہتی ہے کہ ایسا کیا جائے اس لئے میں اسے منظور کرتا ہوں۔ اب بھی جس تجویز کی تائید جماعت نے کثرتِ آراء سے کی ہے ویسی ہی ہے اور جماعت کو ایک حق دینے کی بجائے مجلس منتخبہ کو حق دے دیا گیا۔ میرا منشاء تھا کہ جماعت کا حق جماعت کے پاس ہی رہتا مگر چونکہ اب پھر خود جماعت نے اپنی کثرتِ رائے سے مجھے یہ مشورہ دیا ہے اس لئے میں کثرتِ رائے کا احترام کرتے ہوئے اسے منظور کرتا ہوں۔

اسلام کے زریں اصول

لیکن میں جماعت کے دوستوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام نے کبھی ووٹنگ کورم نہیں رکھا۔ آخر اس میں حرج کیا ہے کہ جب لوگ نماز کے لئے مسجد میں جمع ہوں تو ان کے سامنے مسئلہ پیش کر دیا جائے اور معلوم کر لیا جائے کہ ان کی کیا رائے ہے۔ یہ چیزیں جو آجکل دکھائی دیتی ہیں یہ تو بعض فتنوں سے بچنے کے لئے اختیار کی گئی ہیں ورنہ تمام اسلامی مسائل میں نہ ہمیں ووٹنگ کا پتہ چلتا ہے اور نہ کورم کا پتہ چلتا ہے۔ پس ایک تو یہ اصل ہے جسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا اصل اسلام یہ پیش کرتا ہے کہ کام بہرحال ہونا چاہئے اگر اس کام میں کوئی روک بنتا ہے اقلیت روک بنتی ہے یا اکثریت روک بنتی ہے تو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

رائے کا موقع بے شک ہر ایک کو مل جائے لیکن اس کے بعد اگر کام کرنے میں روک پیدا ہو تو جس کے ہاتھ میں اُس کام کی کنجی ہو اُس کا فرض ہے کہ وہ کسی کی پرواہ نہ کرے اور جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اسے کر گزرے۔ کام کے دوران میں اگر اس سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے اور بعد میں اسے سزا ملتی ہے تو بے شک وہ سزا قبول کر لے مگر کام کو نقصان نہ پہنچنے دے۔ دنیا میں جس قدر عقلمند قومیں ہیں ان میں بعض قسم کی سزاؤں کو بُرا نہیں سمجھا جاتا، بے شک بعض سزائیں ایسی ہیں جو بری سمجھی جاتی ہیں مثلاً چوری کی سزا کو بُرا سمجھا جاتا ہے یا ڈاکہ کی سزا کو بُرا سمجھا جاتا ہے لیکن اگر کسی کو اس لئے سرزنش کی جاتی ہے کہ اس نے وقت پر غلط فیصلہ کیوں کیا تو یہ بُری بات نہیں، اس کے معنے یہ ہیں کہ اس نے قومی روح کو زندہ رکھا اور غلطی کی سزا جب اُسے ملی تو اُسے خوشی سے برداشت کر لیا۔ جب ایک جرنیل کسی جگہ لڑائی کرتا ہے تو بعض دفعہ اُس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے جس کی اُسے سزا ملتی ہے مگر یہ سزا بالکل اَور رنگ کی ہوتی ہے لیکن اگر وہ میدان چھوڑ دے اور یہ کہے کہ چونکہ مجھے احکام نہیں آئے اِس لئے میں لڑائی نہیں کر سکتا تو اس کو جو سزا ملے گی وہ ذلت و رسوائی والی ہوگی لیکن پہلی سزا قوم کے فکر کو بلند کرنے والی ہوگی۔ ایک میں وہ قربانی کا بکرا بنتے ہوئے سزا پائے گا مگر قوم کا خادم سمجھا جائے گا باغی نہیں سمجھا جائے گا اور دوسری سزا وہ ہوگی جس میں وہ باغی اور ملک کا غدار قرار دیا جائے گا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے زبردستی کی لیڈری منع ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ ایسے امام پر فرشتے لعنت ڈالتے ہیں جسے جماعت پسند نہیں کرتی[۴] اور گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ارشاد ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے مگر بہرحال ہم اِس سے استنباط کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح ایک جماعت کی امامت میں اِس امر کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ جماعت اپنے امام کے خلاف نہ ہو اِسی طرح امارت اور دوسرے عُہدوں میں بھی ہمیں اس اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

اگر ایک امیر جماعت کو اپنے ساتھ چلا نہیں سکتا تو اُسے واضح طور پر مرکز میں اپنا معاملہ پیش کرنا چاہئے اور کہنا چاہئے کہ میں جماعت کو اپنے ساتھ چلا نہیں سکتا میں نے

بہت کوشش کی کہ جماعت میرے ساتھ چلے اور میں نے اپنا پورا زور لگا لیا مگر جماعت میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار نہیں ہے اور چونکہ ہم امارت کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیشہ جماعت کی رائے دریافت کر لیا کرتے ہیں اور کثرتِ رائے جس کی تائید میں ہو اُسی کے حق میں فیصلہ کیا کرتے ہیں اس لئے جب ایسا معاملہ مرکز کے سامنے پیش ہوگا اور مرکز دیکھے گا کہ جماعت کی کثرت نے خود اس امیر کا انتخاب کیا تھا تو ہم اُس جماعت سے دریافت کر سکیں گے کہ جب تم نے خود فلاں شخص کا نام امارت کے لئے پیش کیا تھا اور تمہاری جماعت کی اکثریت نے اس کی تائید کی تھی تو اب تم کیوں اس کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے۔ اگر ہم دیکھیں گے کہ انتخاب تو بے شک جماعت نے کیا تھا مگر اس سے اپنے حق کا استعمال کرنے میں غلطی ہو گئی تھی تو ہم اسے کہہ دیں گے کہ اب تم اپنے لئے اَور امیر منتخب کر لو اور اس جھگڑے کو جانے دو۔ بہر حال دو صورتوں میں سے ایک صورت ضروری ہے یا تو امیر کو چاہئے کہ وہ جماعت کو اپنے ساتھ ملالے اور یا پھر جماعت کو چاہئے کہ وہ اپنی رائے کو قربان کر کے امیر کے ساتھ مل جائے۔ اگر کسی جماعت میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے تو اس اختلاف کو رفع کرنے کی پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ امیر اُس جماعت کو اپنے ساتھ ملائے یا آپ اُس جماعت کے ساتھ ملنے کی کوشش کرے۔ اگر دیکھے کہ ہمارا جن باتوں میں اختلاف واقع ہو رہا ہے وہ بہت معمولی ہیں تو اُسے اپنی رائے کو قربان کر دینا چاہئے اور کہنا چاہئے کہ میں اپنی رائے پر کیوں زور دوں۔ جس طرح وہ غلطی کر سکتے ہیں اسی طرح میں بھی غلطی کر سکتا ہوں مجھے اس وقت اختلاف کو بڑھانا نہیں چاہئے بلکہ اتحاد کو قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن اگر وہ دیکھے کہ معاملات اہم ہیں اور جماعت کے کسی حصہ کی طرف سے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تو اُس کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ جماعت کے افراد کی اصلاح کی کوشش کرے۔ اُنھیں نصیحت کرے سمجھائے اور بتائے کہ یہاں زید اور بکر کا سوال نہیں بلکہ سلسلہ کی عظمت اور اس کے وقار کا سوال ہے۔ تم اس اختلاف کو جانے دو اور اپنی اصلاح کی کوشش کرو لیکن اگر یہ دونوں صورتیں نہ چل سکیں، امیر سمجھے کہ میں جماعت کے ساتھ موافقت نہیں کر سکتا اور جماعت سمجھے کہ وہ امیر کے ساتھ موافقت نہیں کر سکتی اور امیر اِس یقین پر قائم ہو کہ میں نے اپنا سارا زور لگا لیا ہے مگر پھر بھی جماعت کی

اصلاح نہیں ہوتی اب ان کا اور میرا اختلاف اِس قدر بڑھ گیا ہے کہ نہ یہ لوگ میرے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں اور نہ میں ان کی بات مان سکتا ہوں تو ایسی صورت میں مرکز میں اپنا معاملہ پیش کرنا چاہیے۔ مرکز کی طرف سے کوئی اَور امیر مقرر ہو جائے گا اور جھگڑا ختم ہو جائے گا لیکن اگر دونوں صورتیں نہ ہوں نہ امیر پیچھے ہٹنے کے لئے تیار ہو اور نہ جماعت اپنی رائے بدلنے پر آمادہ ہو تو اِس کا نتیجہ سوائے بے برکتی کے اور کچھ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ویسی ہی بات ہے جیسے کوئی امام نماز پڑھاتا چلا جائے اور جماعت اس سے نفرت رکھے۔ جس طرح وہ امامت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق جائز نہیں اِسی طرح امارت بھی جو زبردستی کی ہو اسلامی نقطہ نگاہ سے جائز نہیں سوائے اس کے کہ جب امیر کی طرف سے مرکز میں معاملہ پیش ہو تو مرکز سمجھے کہ گو اس اختلاف کو مٹانے کی کوئی صورت نہ ہو مگر امیر کا قائم رہنا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں مرکز کا فرض ہے کہ وہ امیر کو قائم رکھے اور مجلس عاملہ توڑ کر ایک نئی مجلس عاملہ بنائے یا امیر کو کہے کہ وہ پہلی مجلس عاملہ کو توڑ دے اور نئی مجلس عاملہ کی تشکیل عمل میں لائے جو امیر کے ساتھ تعاون کرے۔

امراء کے اختیارات

چوتھی بات اسلام یہ بتاتا ہے کہ امامِ وقت اپنے فیصلہ میں شریعت کے ماتحت ہے بالا نہیں۔ اس صورت میں بھی ہمارے لئے ایک بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے جس طرح قانونِ شریعت بالا ہے اور امامِ وقت چاہے نبی ہو یا خلیفہ اس کے تابع ہے، اسی طرح امراء کو بھی سمجھنا چاہیے کہ جو قوانین بنائے گئے ہیں ان کے وہ تابع رہیں امراء کے اختیارات کے یہ معنے نہیں کہ وہ قوانین سے بالا ہو جاتے ہیں بلکہ اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ امراء کا فرض ہے کہ وہ شرعی قوانین کو بھی ملحوظ رکھیں اور جماعتی قوانین کو بھی ملحوظ رکھیں۔ سارے جھگڑے اِسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ امراء کی طرف سے قوانین کی پوری پابندی نہیں کی جاتی۔ یہ تو پتہ لگتا ہے کہ بعض مقامات پر امراء نے جماعتوں سے اختلاف کیا ہے مگر کم سے کم ایک مثال بھی مجھے ایسی یاد نہیں کہ ان جھگڑوں کو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہو جس کے معنے یہ ہیں کہ امراء یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے مرکز میں اپنا معاملہ پیش کیا اور ہمارے خلاف فیصلہ ہو گیا تو ہماری ہتک ہو گی حالانکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جب کبھی امیر، جماعت کی رائے سے اختلاف کرے اور جماعت

اس کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ مرکز میں اپنا معاملہ پیش کرے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ جماعت کے افراد کہیں ہم یوں فیصلہ چاہتے ہیں اور امیر کہے کہ نہیں یوں ہونا چاہئے اور جماعت کہہ دے کہ اچھا جس طرح آپ کی مرضی ہو کر لیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ امراء اور جماعتوں میں اختلاف واقع ہو جائے اگر کسی جماعت میں ایسا اختلاف واقع ہو جاتا ہے تو جیسا کہ قاعدہ ہے امیر کو اپنی جماعت کا معاملہ مرکز میں پیش کرنا چاہئے مگر میرے سامنے اب تک ایک مثال بھی اس قسم کے جھگڑے کی نہیں آئی جس کے معنے یہ ہیں کہ کبھی بھی امراء نے جماعت کی رائے کو نہیں توڑا یا ایسی صورت میں نہیں توڑا کہ جماعت اپنی رائے پر مُصِر رہی ہو پھر شکایت کیسی۔ یا امراء جماعت کی رائے کو کبھی توڑتے ہی نہیں اس صورت میں بھی شکایت کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اور یا پھر امراء جماعت کی رائے کو توڑتے تو ہیں مگر مرکز کو اطلاع نہیں دیتے اِس صورت میں وہ خود قانون شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جب وہ اپنے لئے قانون کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تو قانون اُن کی کس طرح حفاظت کرسکتا ہے۔

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی وجود حتّٰی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قانون سے بالا نہیں ہیں۔ اس لئے ہر امیر کو یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اپنے عُہدہ کے لحاظ سے جماعت کے دیگر افراد سے بالا ہو پھر بھی جو قانون ہے اس کی پابندی اُس کے لئے ضروری ہے۔ اگر وہ قانون کی پوری پابندی کریں تو کوئی جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے میں نے بتایا ہے کہ اگر ہمارے سامنے کسی جماعت کی طرف سے ایسا جھگڑا آئے تو ہم اُس جماعت کے امیر کے سامنے یہ بات پیش کر دیں گے کہ یا تو تم جماعت کو اپنے ساتھ چلاؤ اور یا پھر جماعت کو اپنے ساتھ چلانے کی بجائے خود جماعت کے پیچھے چلو۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہو سکیں تو ہم دیکھیں گے کہ اس امیر کے بغیر کام چل سکتا ہے یا نہیں۔ اگر چل سکتا ہو تو ہم اس کی بجائے کسی اَور کو امیر مقرر کر دیں گے۔ اور اگر یہ دیکھیں گے کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تو ہم مقامی مجلس عاملہ کو توڑ دیں گے اور یہ فیصلہ کریں گے کہ چونکہ جماعت روحانیت میں گر چکی ہے اور اپنے جھگڑے کو کسی صورت میں بھی ترک کرنے کے لئے تیار نہیں اس لئے ہم مجلس عاملہ کو توڑ دیتے ہیں۔

بہرحال اصل چیز یہ ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ جماعت کے افراد کی رائے کا احترام کرنے اور انہیں زیادہ سے زیادہ مسائل پر غور کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ جماعت کی ذہنی حالت ترقی کی طرف جائے۔ چونکہ اس وقت کثرتِ رائے نے ایک قاعدہ تجویز کیا ہے، اس لئے میں اس کی مخالفت تو نہیں کرتا لیکن جیسا کہ پہلے بھی میں نے کہا تھا میرے نزدیک جماعت کو ہی انتخاب کا موقع دینا چاہئے تھا بجائے اس کے مجلس عاملہ کو اس کا اختیار دیا جاتا۔ مگر چونکہ اب یہ قاعدہ کثرتِ آراء سے بن چکا ہے کہ مجلس عاملہ زائد ممبروں کا انتخاب کرے اِس لئے میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں دیتا لیکن میرا میلان اِسی طرف ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ جماعت کو ان امور میں حصہ لینے کا موقع دینا چاہئے تاکہ جماعت کی ٹریننگ ہو اور اس کے تمام افراد سلسلہ کے کاموں کی اہمیت کا صحیح احساس رکھ سکیں۔ میرے نزدیک اس میں کوئی دِقت بھی نہیں ہوسکتی۔ ہماری شریعت نے جمعہ کا دن ایسا مقرر کیا ہے جس میں ایک گاؤں یا ایک شہر کی جماعت کے تمام افراد خود بخود اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اسلامی شریعت میں کورم کا کوئی سوال ہی نہیں اس لئے جو لوگ آ جائیں گے اُن کی رائے کو وقعت حاصل ہو جائے گی اور جو نہیں آئیں گے وہ محروم رہ جائیں گے۔ اگر صلح اور آشتی سے جس طرح میاں بیوی میں محبت ہوتی ہے کام ہوں تو کوئی جھگڑا پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ایسی صورت میں ''من تُو شُدم تُو من شُدی من تن شُدم تُو جاں شُدی'' والا معاملہ ہو جاتا ہے اور یہی روح ہر زندہ اور بڑھنے والی جماعت کے اندر کام کیا کرتی ہے۔

مجھے یاد ہے قادیان میں مولوی عبدالکریم صاحب اور پیر افتخار احمد صاحب دونوں قریب قریب مکانات میں رہتے تھے مولوی عبدالکریم صاحب جوشیلی طبیعت رکھتے تھے اور پیر صاحب کی طبیعت بہت نرم تھی۔ پیر صاحب کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو اکثر ریں ریں کرتے رہتے اور پیر صاحب انہیں سارا دن تھپکاتے اور بہلاتے رہتے۔ اتفاق کی بات ہے کہ شہر میں تو پیر صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب ایک دوسرے کے ہمسائے تھے ہی، جب زلزلہ کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی یہ دونوں پاس پاس رہنے لگ گئے۔ ایک دن پیر صاحب مسجد میں آئے تو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بڑے جوش سے کہنے لگے پیر صاحب! میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ

آپ کس طرح کام کرتے ہیں۔ بچہ ریں ریں کر رہا ہوتا ہے آپ اُسے کندھے سے لگائے پھر رہے ہوتے ہیں اور پھر ساتھ ہی کام بھی کرتے چلے جاتے ہیں، میرا بچہ ہو تو اُسے دو تھپڑ رسید کر دوں۔ پیر صاحب سن کر بڑے اطمینان سے کہنے لگے مولوی صاحب! بچے میرے ریں ریں کرتے ہیں، انہیں تھپکاتا مَیں ہوں آپ کو خواہ مخواہ کیوں تکلیف ہوتی ہے، میری سمجھ میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی۔ اب دیکھو دونوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ پیر افتخار احمد صاحب کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو میرے بچوں کے رونے سے کیوں تکلیف ہوتی ہے اور مولوی عبدالکریم صاحب کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ پیر صاحب کام کس طرح کرتے ہیں میرے جیسا آدمی تو انہیں فوراً دو تھپڑ رسید کر دے۔ تو جب آپس میں اتحاد ہو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اختلاف کس طرح ہو سکتا ہے اور جب اختلاف واقع ہو جائے تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سب قانون موجود ہیں مگر اختلاف مٹتا کیوں نہیں۔ پس اس فیصلہ کی میں تصدیق کرتا ہوں صرف اِس قدر اضافہ کر دیتا ہوں کہ عارضی طور پر جس کی مدت چھ ماہ ہوگی ایک ممبر کا اضافہ امیر جماعت خود اپنے اختیارات سے کر سکتا ہے جس کے صرف اتنے معنے ہوں گے کہ چونکہ ایک اتفاقی ضرورت پیش کی گئی تھی اِس لئے امیر نے ایک زائد ممبر کا اپنے اختیارات سے اضافہ کر لیا۔

اصل واقعہ جو جھگڑے کی بناء ہے اور جس کی طرف سیٹھ اسماعیل آدم صاحب نے اپنی تقریر میں اشارہ بھی کیا ہے یہ ہے کہ بمبئی میں باہر سے ایک احمدی دوست آئے اور چونکہ وہ پہلے جماعت احمدیہ بمبئی کے امیر بھی رہ چکے تھے اُنہوں نے عارضی طور پر اُسے مجلس عاملہ میں شامل کر لیا، یہ ہرگز ایسی چیز نہیں تھی جس پر وہاں کی جماعت اگر اس میں اسلام کی حقیقی روح موجود ہوتی شور مچاتی اِس قسم کی باتوں کے ازالہ کے لئے میں نے قانون میں اس شق کا اضافہ کیا ہے کہ امیر عارضی طور پر ایک ممبر کا اضافہ کر سکتا ہے جس کی مدت چھ ماہ ہوگی۔ چھ ماہ کے بعد وہ اِس معاملہ کو مجلس عاملہ کے سپرد کر دے کہ وہ اس بارہ میں مناسب فیصلہ کرے۔ جب بعد میں بھی اُسے اختیار حاصل ہے کہ وہ مجلس عاملہ کے فیصلہ کو ردّ کر دے تو اس کے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

سوال صرف اتنا ہے کہ اگر جماعتی مفاد تقاضا کرتا ہو کہ مجلس عاملہ کے فیصلہ کو ردّ کیا جائے

تو اِس بارہ میں مرکز نے جو قوانین مقرر کئے ہیں اُن کی تعمیل ہونی چاہئے۔ اسی طرح مقامی جماعت کے افراد اگر اپنے امیر کے کسی فیصلہ یا حکم کے خلاف کوئی شکایت رکھتے ہوں تو اُنہیں بھی حق حاصل ہے کہ مرکز میں اپنی اپیل پیش کریں۔ اِس طرح ہر قسم کا جھگڑا نہایت آسانی کے ساتھ نپٹایا جا سکتا ہے اور کسی قسم کا فتنہ جماعت میں رونما نہیں ہوسکتا۔‘‘

آخر میں حضور نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

’’ ۲/۵ تک زائد ممبر مقرر کرنے کا مجلس عاملہ کو جو اختیار دیا گیا ہے یہ شق اس کے علاوہ ہے۔ یعنی ۲/۵ تک زائد ممبر منتخب کرنے کے بعد امیر کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ کسی ضرورت کے محسوس ہونے پر عارضی طور پر ایک ممبر کا اضافہ کرلے جس کی میعاد چھ ماہ تک ہوگی۔‘‘

(الفضل ربوہ ۲۷ /جون ۱۹۶۲ء)

اختتامی تقریر

مجلس مشاورت کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد حضور نے احباب کو اپنے الوداعی خطاب سے نوازا۔ خداداد بصیرت اور پیش بینی کے مطابق آپ نے آئندہ آنے والے خطرناک حالات اور نازک دَور کی نشاندہی کی اور فرمایا کہ اب دین کی عظمت اور احیاء کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا دَور آ رہا ہے اِس لئے تمام احمدی ہر قسم کی قربانی کے لئے عزمِ صمیم کرلیں۔ آپ نے فرمایا:۔

تقوٰی کی اہمیت

’’اب چونکہ شوریٰ کی کارروائی ختم ہوچکی ہے اس لئے میں الوداعی طور پر دوستوں سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ یہ امر یاد رکھو کہ دینی کام ہوں یا دُنیوی وہ تقویٰ اور صلاحیت کی روح پر ہی چل سکتے ہیں۔ پس ہمیں قواعد اور ضوابط سے زیادہ تقویٰ اور صلاحیت کی روح کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ کچھ اشعار لکھ رہے تھے کہ آپ نے ایک شعر کا پہلا مصرع یہ لکھا کہ:۔

؎ ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے

اِس پر معاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دوسرا مصرع آپ پر الہاماً نازل ہوا کہ:۔

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

پس جب تک تم میں تقویٰ باقی رہے گا تمہیں کوئی زوال نہیں آ سکتا۔ قواعد چاہے

غلط ہوں یا صحیح ہوں، درست ہوں یا نا درست ہوں تمہیں تمام مشکلات اور مصائب میں سے تقویٰ نکال کر لے جائے گا لیکن جب تقویٰ باقی نہ رہے تو قوانین اور ضوابط کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ حُجت اور دلیل بازی تو انسان کو اِس حد تک لے جاتی ہے کہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ موسیٰؑ کا کوئی وجود ہی نہیں تھا، ابراہیمؑ ایک خیالی وجود ہے، کرشنؑ اور رام چندر قصوں اور کہانیوں کے ہیرو ہیں، عیسیٰؑ کی ذات محض ایک واہمہ ہے بلکہ کہنے والوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کائنات کا وجود محض ایک خیال اور وہم ہے اور تمام دُنیا صرف وہموں کا شکار ہو رہی ہے۔ پس اگر ہم خیالات پر چلیں تقویٰ اور صلاحیت کی روح اُڑ جائے تو انسان کا واہمہ اسے کہیں کا کہیں لے جاتا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل اپنے ایک عزیز کے متعلق سنایا کرتے تھے کہ انہیں ایک دفعہ پیٹ میں تکلیف ہوئی اور وہ میرے پاس مشورہ کے لئے آئے۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ ذرا لیٹ جائیں تا کہ مَیں ٹٹول کر اندازہ لگا سکوں کہ درد کس مقام پر ہے۔ وہ لیٹ گئے اور میں نے اُنگلیوں سے اُن کے پیٹ کو دبایا یہ دیکھنے کے لئے کہ اُن کے جگر کی کیا کیفیت ہے، معدہ اور امعاء کا کیا حال ہے مگر ابھی میں نے دبایا ہی تھا کہ وہ ہاہا کر کے شور مچاتے ہوئے اُٹھ بیٹھے اور کُود کر پرے چلے گئے۔ میں نے کہا کیا ہوا میں تو پیٹ دیکھنے لگا تھا اور آپ شور مچا کر بھاگ پڑے وہ کہنے لگے مولوی صاحب! آپ نے تو غضب کر دیا۔ آپ کا دماغ بہت مضبوط ہے اور آپ کی توجہ میں بھی بڑی طاقت ہے اگر میرے پیٹ کو دباتے وقت آپ کی توجہ اِس طرف مرکوز ہو جاتی کہ انگلیاں پیٹ میں گُھس گئی ہیں تو کیسا غضب ہوتا۔ میرا پیٹ پھٹ جاتا اور انتڑیاں باہر نکل آتیں۔ اب دیکھو انسان کا وہم اُسے کہاں سے کہاں لے جاتا ہے اُن کا وہم اس طرف چلا گیا کہ حضرت خلیفہ اوّل چونکہ مضبوط دماغ کے آدمی ہیں اور ان کی توجہ بڑی زبردست ہے اگر پیٹ دباتے وقت ان کا خیال ادھر چلا گیا کہ میری انگلیاں پیٹ میں گُھس گئی ہیں تو واقع میں ان کی انگلیاں پیٹ میں گھس جائیں گی اور میرا پیٹ پھٹ جائے گا، چنانچہ وہ فوراً شور مچاتے ہوئے الگ ہو گئے۔ تو انسانی خیالات اور افکار جب مقررہ حدود سے نکل جاتے ہیں تو اُس وقت وہ وہمیوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور اس کے کسی کام میں بھی برکت نہیں رہتی۔ وہ چیز جسے عام طور پر دُنیا میں عقلِ عامہ

کہا جاتا ہے شریعت میں وہ اپنی خصوصیت کے لحاظ سے تقویٰ کہلاتی ہے جب دُنیاوی معاملات میں وہ چیز جاتی رہے جسے عقلِ عامہ کہتے ہیں یا شرعی امور میں انسان تقویٰ کے دائرہ سے نکل جائے تو کوئی قانون اُسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پس انسان کو ہمیشہ اپنے کاموں کی بنیاد تقویٰ پر رکھنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئیے کہ وہ اسے صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ نماز میں جو ہم کو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[5] کی دعا سکھلائی گئی ہے اس کے جہاں مختلف مواقع پر مختلف معانی ہوتے ہیں وہاں اس کے ایک مستقل معنے بھی ہیں۔ ایک غیر مسلم کے لئے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ خدا مجھے سچا مذہب دکھاوے اور ایک مسلمان کے لئے جبکہ اسلام بگڑ چکا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ اسلام کو دوبارہ دُنیا میں قائم کر دے۔ گویا دعا کا ایک مفہوم صرف اُن لوگوں سے تعلق رکھتا ہے جو مسلمان نہیں اور دوسرا مفہوم ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہے جو مسلمانوں کے گھر میں اُس وقت پیدا ہوں جب اسلام میں تفرقہ اور شِقاق پیدا ہو چکا ہو اور مسلمانوں میں روحانیت سے دُوری واقع ہو چکی ہو۔ مگر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے ایک اور معنے بھی ہیں جو ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور ہر حالت میں ہر انسان کے کام آ سکتے ہیں اور وہ معنے یہ ہیں کہ خدا ہمیں اپنے کاموں میں تقویٰ سے کام لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم لفظی موشگافیوں اور خیالات اور اوہام یا ذاتی رنجشوں اور فسادات اور جھگڑوں کے پیچھے چل کر جماعت کے اندر فساد پیدا کرنے والے نہ ہوں، گھروں کے اندر فساد پیدا کرنے والے نہ ہوں، قبائل کے اندر فساد پیدا کرنے والے نہ ہوں، نظام کے اندر فساد پیدا کرنے والے نہ ہوں اور یہ خطرہ ایسا ہے جس میں انسان ہر وقت گھرا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ پانچ نمازوں میں اور پھر ہر نماز کی ہر رکعت میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا سکھلائی گئی ہے۔ چونکہ رات اور دن انسان نے ایسے کام کرنے تھے جو تقویٰ سے خالی ہونے کی وجہ سے لوگوں کے لئے تباہی کا باعث بن سکتے تھے اور چونکہ بعض دفعہ ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی انسان کو کہیں کا کہیں لے جاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا مانگنے کی ہدایت کی گئی کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

بغداد کی تباہی کا سبب

پرانے زمانہ کا ایک واقعہ مشہور ہے جس پر حضرت خلیفہ اول بڑا زور دیا کرتے تھے اور بار بار اِس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مَیں تو سمجھتا ہوں شاید وہ کہانی ہی ہو مگر کہانیاں بھی بہت بڑے نکات کی طرف انسانی دماغ کو متوجہ کر دیا کرتی ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بغداد کی تباہی کا موجب ایک بہت ہی چھوٹی سی بات تھی۔ ایک دفعہ دو بدمعاش بازار میں سے گزرے تو اُنہوں نے دیکھا کہ ایک دوکان پر کباب بک رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ کباب کھانے کو بہت دل چاہتا ہے مگر جیب میں کوئی پیسہ نہیں کوئی ایسی ترکیب نکالیں جس سے مفت کباب کھا سکیں۔ دوسرے نے کہا اس میں کون سی مشکل بات ہے آؤ ہم آپس میں لڑ پڑیں۔ میں تمہیں مارنے لگ جاتا ہوں تم مجھے مارنے لگ جاؤ۔ شور سن کر لوگ اکٹھے ہو جائیں گے کچھ میری طرف مائل ہو جائیں گے اور کچھ تمہاری طرف۔ جب اس طرح بہت سے لوگ آپس میں گُتھم گُتھا ہو جائیں گے تو ہم چُپکے سے کِھسک کر کباب والے کی دکان پر چلے جائیں گے اور کباب کھالیں گے۔ چنانچہ اِس تجویز کے مطابق اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم میں سے ایک شیعہ بن جائے اور دوسرا سُنّی اور آپس میں لڑ پڑیں۔ اِس سکیم کے مطابق وہ کباب والے کی دکان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اُنہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ ایک نے دوسرے کا گلا پکڑ لیا کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کے متعلق یہ بات کرتے ہو۔ دوسرے نے کہا ہیں! تم پنج تن کے متعلق ایسی بات کہتے ہو۔ جب دونوں آپس میں لڑنے لگے تو کچھ سُنّی آئے جنہوں نے سنی کی تائید شروع کر دی، کچھ شیعہ آ گئے جنہوں نے شیعہ کی تائید شروع کر دی اور آپس میں گالی گلوچ ہونے لگی۔ گالی گلوچ سے بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک نَوبت پہنچی۔ کباب والے نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ بھی دوڑتا ہوا آیا اور اِس لڑائی میں شامل ہو گیا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ کباب کی دکان خالی ہے تو وہ دونوں وہاں سے کِھسکے اور اُنہوں نے آ کر کباب کھانے شروع کر دیئے۔ باقی لوگ تو پنج تن اور خلفاء کے لئے لڑتے رہے اور یہ اِدھر کباب اُڑاتے رہے۔ اِسی دَوران میں ایک آدمی قتل ہو گیا اور اتفاق ایسا ہوا کہ جو شخص لڑائی میں مارا گیا وہ سُنّی تھا۔ بغداد میں سُنّیوں کا زور تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ہمارا ایک سُنّی بھائی شیعوں نے مار ڈالا ہے تو اُنہوں نے شیعوں کو مارنا شروع کر دیا۔

وزیر اعظم شیعہ تھا اسے یہ خبر سن کر سخت دکھ ہوا اور اس نے ہلاکو خاں کو لکھا کہ آپ بغداد پر حملہ کریں، ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ ہلاکو خاں نے حملہ کر دیا اور ایسی خطرناک جنگ ہوئی کہ ۱۸ لاکھ مسلمان ایک ہفتہ کے اندر اندر بغداد میں مارا گیا۔ اب دیکھو بغداد پر کتنی بڑی تباہی آئی مگر بات کیا تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ دو آدمیوں نے کہا کہ ہم نے کباب کھانے ہیں، آؤ کوئی ایسی تدبیر کریں جس سے ہم مفت کباب کھا سکیں۔ تو بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جن سے دلوں میں بُغض پیدا ہوتا ہے اور وہ بُغض پھر خاندانوں میں سرایت کر جاتا ہے۔ خاندانوں کا بُغض محلوں میں، محلوں کا بُغض شہروں میں، شہروں کا بُغض علاقوں میں اور علاقوں کا بُغض ساری دُنیا میں پھیل جاتا ہے اور کروڑوں کروڑ لوگ اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ یہ حالت اپنی ابتدائی شکل میں اس قدر غیر محسوس ہوتی ہے کہ بعض دفعہ کام کرنے والا بھی نہیں جانتا کہ میری اس حرکت کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ وہ ایک بات کو معمولی سمجھ کر کر بیٹھتا ہے مگر اس کا نتیجہ نہایت خطرناک نکلتا ہے۔

صراطِ مستقیم کی دعا

اس مشکل سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان پانچوں وقت گڑ گڑا گڑ گڑا کر اور عاجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا رہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔[6] الٰہی! میرا ہر قدم ایسا ہوسکتا ہے کہ میں ابلیس کا قائمقام بن جاؤں لیکن تیرے فضل سے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں دُنیا میں ابلیس کی جڑیں کاٹنے میں کامیاب ہو جاؤں اور ابلیسی حکومت کو دُنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دوں۔ الٰہی! جب دونوں امکانات موجود ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ میں بادشاہی کے تخت پر بیٹھ کر ہی لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب بنوں جیسے وہ دو بدمعاش جنہوں نے مفت کباب کھانے کا ارادہ کیا تھا حکومت میں کوئی دخل نہیں رکھتے تھے بلکہ نہایت ہی ذلیل اور اوباش انسان تھے لیکن باوجود اِس کے کہ وہ حد درجہ کے ذلیل انسان تھے اُن کے فعل کی وجہ سے ایک اسلامی حکومت تباہ ہوگئی تو ضروری نہیں کہ کوئی بڑا انسان ہی ہو۔ تو اُس سے فتنہ پیدا ہوسکتا ہے بعض دفعہ چھوٹے چھوٹے انسانوں کی حرکت سے بھی بڑے بڑے خطرناک فسادات پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہ فتنے اور بڑے فتنے پیدا کرتے ہیں اور وہ بڑے فتنے پہلے سے بھی زیادہ بڑے فتنوں میں دُنیا کو مبتلا کر دیتے ہیں۔

درحقیقت انسانی اعمال کا ظہور بالکل ایسا ہی رنگ رکھتا ہے جیسے بچپن میں ہم اینٹوں کی کھیل کھیلا کرتے تھے۔ پچاس ساٹھ یا سَو اینٹیں قریب قریب اتنے فاصلہ پر کھڑی کر دی جاتی تھیں کہ جب ایک اینٹ کو دھکّا دیا جائے تو دوسری پر گرے اور دوسری تیسری پر اور تیسری چوتھی پر چنانچہ جب اینٹیں ایک قطار میں کھڑی کر لی جاتیں تو ہم ایک اینٹ کو ہاتھ کی اُنگلی سے ہلکا سا دھکّا دے دیتے۔ اس وقت ایک عجیب نظارہ نظر آتا تھا کہ ٹھک ٹھک کر کے تمام اینٹیں ایک دوسری پر گرنی شروع ہو جاتیں اور کوئی ایک اینٹ بھی کھڑی نہ رہ سکتی۔ اِسی طرح ایک انسان کی چھوٹی سی حرکت بعض دفعہ بہت بڑی تباہی کا موجب بن جاتی ہے خواہ وہ حرکت ایک ادنیٰ انسان کی طرف سے ہو یا بڑے انسان کی طرف سے۔ بسا اوقات چُوڑھوں میں پیدا شدہ حرکت بادشاہوں تک چلی جاتی ہے اور بادشاہوں کی حرکت بَیْنَ الْاَقْوَامِیْ جنگوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں انسان یہی عرض کرتا ہے کہ الٰہی میں چھوٹا ہوں، ذلیل ہوں، کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا مگر پھر بھی ہوسکتا ہے کہ میرے ذریعہ کوئی ایسا فساد ہو جس سے ساری دُنیا تباہ ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں کسی ایسی نیکی کی بنیاد رکھ دوں جو ساری دُنیا کو درست کر دے۔ اِس لئے اے خدا! تجھ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ تُو مجھے ایسے راستہ پر چلا جس کے نتیجہ میں میرے ذریعہ سے دُنیا میں نیکیوں کی بنیاد قائم ہو، بدیوں کی بنیاد قائم نہ ہو۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ادنیٰ سے ادنیٰ انسان سے بھی ایسے کام ہو سکتے ہیں جن سے دُنیا تباہ ہو جائے اور ایسے کام بھی ہو سکتے ہیں جن سے دُنیا سنور جائے۔ ہم ایک ایسے مقام پر ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں دُنیا کی آئندہ روحانی تبدیلی ہماری تبدیلی سے وابستہ ہے۔ جس قدر ایمان کی مضبوطی ہمارے دلوں میں ہوگی، جس قدر تقویٰ ہمارے دلوں میں قائم ہو گا، دُنیا اس کے پرتَو اور عکس کو قبول کرے گی اِس لئے ہمیں بہت زیادہ فکر اور اندیشہ سے اپنی دعاؤں میں اور اپنی نمازوں میں اور اپنے اَذکار میں خدا تعالیٰ سے تقویٰ مانگنا چاہئے اور خود بھی اپنے اندر تقویٰ قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو شخص مانگتا ہے مگر خود اس مقصد کے حصول کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتا وہ فریبی ہے اگر وہ تقویٰ مانگنے میں سچا ہوتا تو خود بھی اپنے نفس میں اس کو قائم کرنے کی کوشش کرتا۔

خطرناک زمانہ میں جماعت کی ذمہ داری

دوسری بات جس کی طرف میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اب دُنیا کے لئے ایک خطرناک زمانہ آ رہا ہے۔ ایک پیشگوئی کے بعد دوسری پیشگوئی پوری ہو رہی ہے اور آخری اور خطرناک صورتیں اب دُنیا میں ظاہر ہونے والی ہیں۔ ان خطرناک اوقات میں اگر کوئی جماعت لوگوں کے لئے مفید کام کرسکتی ہے تو وہ جماعت احمدیہ ہی ہے۔ دوسری جماعتیں مذہب اور دیانت سے بہت دُور جا پڑی ہیں اُن کی اغراض محض ذاتی اور نفسانی ہیں۔ صرف ایک ہماری جماعت ہی ہے جس کا ایثار محض خدا کے لئے ہوتا ہے اور جس کے سامنے کوئی ذاتی مقصد نہیں جس کے لئے وہ دُنیا میں نیک تغیر پیدا کرنا چاہتی ہے بلکہ اس کا مقصد محض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی حکومت دُنیا میں قائم ہو اور اُس کا جلال لوگوں پر ظاہر ہو ایسے وقت میں اگر ہم اپنے فرائض سے کوتاہی کریں گے تو یہ امر دُنیا کی تباہی کا موجب ہوگا اور اگر ہم اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کریں گے تو دُنیا کی آئندہ اصلاح کے ہم بانی ہوں گے اور جو عظیم الشان تغیر پیدا ہوگا اُس کے ثواب کے حقدار ہوں گے۔ اِس وقت ہم ایک ایسے نازک مقام پر ہیں کہ ذراسی سُستی اور غفلت کے ذریعہ ہم خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والوں میں بھی شامل ہو سکتے ہیں اور اپنے فرائض ادا کر کے ہم خدا تعالیٰ کی بہترین مخلوق بھی بن سکتے ہیں۔ ہم سے بہتر موقع شاید ہی آج تک کسی قوم کو ملا ہو۔

یہ وہ زمانہ ہے جس کے فتنوں کی تمام انبیاء نے خبر دی ہے۔ ایسے زمانہ میں کام کرنے والی قوم دُنیا میں معمولی قوم نہیں سمجھی جاسکتی بلکہ وہ ایک ایسی تاریخی یادگار کی حامل ہوگی کہ صرف دُنیا کی زندگی تک اُس کی شُہرت قائم نہیں رہے گی بلکہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ بھی اِس یادگار کو بے توجہی سے نہیں دیکھے گا اور اس زمانہ میں کام کرنے والوں کو ایسا مقام دے گا کہ دُنیا حسد اور رشک کی نگاہوں سے اُسے دیکھے گی۔ پس یہ ایسا موقع نہیں جسے کوئی سمجھدار شخص گنوانے کے لئے تیار ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دُنیا میں کمانے والے بھی ہوتے ہیں۔ پیشہ ور اور صاحبِ فنون بھی ہوتے ہیں اور اسلام ان کاموں میں حصہ لینے سے روکتا نہیں مگر ایسے موقع پر اگر کوئی شخص اپنی ساری توجہ ان مقاصد کے لئے ہی صَرف کر دیتا ہے اور جس غرض کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا گیا تھا

اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تو وہ دُنیا کا ادنیٰ ترین انسان ہے، وہ جاہل سے جاہل انسان سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس نے ایک ایسا قیمتی موقع کھو دیا جس کے لئے پاگل بھی تیار نہیں ہوسکتا۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ آنے والے خطرات کے مقابلہ کے لئے قربانی اور ایثار کی روح اپنے اندر پیدا کرے۔ بے شک جب ہم جماعت کے افراد سے قربانی کا مطالبہ کرتے ہیں تو محدود مطالبہ کرتے ہیں مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ تم سے ہمیشہ اِسی قسم کے مطالبات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ میں نے بار بار کہا ہے اور مجھے بار بار کہنے کی ضرورت ہے کہ جب ایک چیز متواتر کسی انسان کے سامنے آتی ہے تو وہ اُس کی اہمیت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں قصہ مشہور ہے کہ ایک بچہ نے جو جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا ایک دفعہ مذاق کے طور پر شور مچا دیا کہ شیر آیا شیر آیا دَوڑنا!! یہ آواز سُن کر گاؤں کے لوگ لاٹھیاں اپنے ہاتھ میں لے کر دَوڑ پڑے مگر جب وہاں پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ لڑکے نے اُن سے مذاق کیا تھا، شیر کوئی نہیں تھا وہ لڑکے کو بُرا بھلا کہتے ہوئے واپس چلے گئے مگر چند دنوں کے بعد واقعہ میں شیر آ گیا اور اُس نے اپنی مدد کے لئے گاؤں والوں کو آواز دی تو کوئی شخص بھی اُس کی آواز پر نہ پہنچا اور شیر اُس لڑکے کو پھاڑ کر کھا گیا۔ یہ مثال اِس غرض کے لئے بیان کی جاتی ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے کیونکہ جھوٹے آدمی کا اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ اس نے پہلی دفعہ جھوٹ بولا تو اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری دفعہ جب وہ واقعہ میں سچ بول رہا تھا لوگوں نے یہی سمجھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واقعہ میں سچ بولا جا رہا ہوتا ہے مگر اس سچ کا مقصد لوگوں کا امتحان لینا ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی بڑا امتحان آنے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اُس کے متعلق لوگوں کو شروع سے خبر دینی شروع کر دیتا ہے گو اُس کا کامل ظہور ایک لمبے عرصہ کے بعد ہوتا ہے۔ درمیانی حصے جب ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں اور قدم بقدم دُنیا میں تغیر پیدا ہونے لگتا ہے تو بعض لوگوں کے دلوں میں ان درمیانی حصوں کو دیکھ کر یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ قربانی کا وہ عظیم الشان تصور جو ہمارے ذہنوں میں پیدا کیا گیا تھا وہ یہی ہے، تب اُن کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اور وہ آنے والی قربانی کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔

ہم ہمیشہ اپنی جماعت کے افراد سے یہ مطالبہ کیا کرتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یہ مطالبہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے لئے اپنی جانوں اور مالوں کو وقف کر دو لیکن ہر زمانہ میں یہ معیار بدلتا چلا گیا ہے پہلے دن جب لوگوں نے اس آواز کو سُنا تو وہ آگے آئے اور اُنہوں نے کہا ہماری جان اور ہمارا مال حاضر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے جواب کو سُنا اور فرمایا تم نمازیں پڑھا کرو، روزے رکھا کرو، اسلام اور احمدیت کو پھیلایا کرو اور اپنے مالوں میں سے کچھ نہ کچھ دین کی خدمت کے لئے دے دیا کرو چاہے روپیہ میں سے دھیلہ ہی کیوں نہ ہو۔ لوگوں نے یہ سُنا تو ان کے دلوں میں حیرت پیدا ہوئی کہ کام تو بہت معمولی تھا پھر ہمیں یہ کیوں کہا گیا تھا کہ آؤ اور اپنی جانیں اور اپنے اموال قربان کر دو۔ کچھ وقت گزرا تو لوگوں کو پھر آواز دی گئی کہ جان اور مال کی قربانی کا وقت آ گیا ہے، لوگ پھر اپنی جانیں اور اموال لے کر حاضر ہوئے تو اُنہیں کہا گیا تم روپیہ میں ایک پیسہ چندہ دے دیا کرو۔ اِس پر کچھ مدت گزری تو مرکز کی طرف سے پھر آواز بلند ہوئی کہ آؤ اپنی جانیں اور اپنے اموال دین کی خدمت کے لئے وقف کر دو۔ لوگ پھر آگے بڑھے تو اُنہیں کہا گیا کہ آئندہ پیسہ کی بجائے دو پیسہ روپیہ چندہ دیا کرو۔ یہ حالت اسی طرح بڑھتی چلی گئی دھیلے سے یہ آواز شروع ہوئی تھی، پھر پیسہ پر پہنچی، پھر وہ دو پیسہ پر پہنچی پھر کہا گیا اب دو پیسے کا بھی سوال نہیں تین پیسے دیا کرو۔ تین پیسے دیتے رہے تو کہا گیا اب چار پیسے دیا کرو۔ پھر وقت آیا تو کہا گیا کہ اپنی جائیدادوں اور اپنی آمدنیوں کی وصیت کرو اور اِس وصیت میں بھی کم سے کم دسویں حصہ کا مطالبہ کیا گیا۔ پھر کہا گیا کہ دسواں حصہ بہت کم ہے تمہیں نواں حصہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے اور جن کو خدا تعالیٰ توفیق عطا فرمائے وہ اس سے بھی بڑھ کر قربانی کریں۔ وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے سمجھنے والا دل اور غور کرنے والا دماغ دیا ہے وہ تو جانتے ہیں کہ ہم قدم بقدم اس مقصد کے قریب کیا جا رہا ہے جس کے بغیر قومیں کبھی زندہ نہیں رہ سکتیں لیکن بعض لوگ اپنی نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قربانی اور ایثار کے الفاظ جو متواتر استعمال کئے جاتے ہیں حقیقت سے بالکل خالی ہیں۔ قربانی اور ایثار کے مالی لحاظ سے صرف اِتنے معنے ہیں کہ روپیہ میں سے آنہ دے دیا یا آنہ نہ دیا تو ڈیڑھ آنہ دے دیا۔ اور وقت کی قربانی کے لحاظ سے اِس کے صرف اتنے معنے ہیں

کہ چوبیس گھنٹہ میں گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ دے دیا اور ان کی نظروں سے یہ بات بالکل اوجھل ہو جاتی ہے کہ کسی دن سچ مچ ہمیں اپنی جان اور اپنا مال قربان کرنے کے لئے آگے بڑھنا پڑے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے ایک طبقہ میں بھی یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ وہ الفاظ جو جان اور مال کی قربانی کے متعلق ہماری جماعت میں عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں وہ اپنے اندر بہت چھوٹے معنے رکھتے ہیں۔ الفاظ بے شک بڑے ہیں لیکن ان کا مفہوم بہت معمولی ہے مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اس سے جان کا واقع میں مطالبہ نہیں کیا جاتا، اگر اس سے سارا مال نہیں لیا جاتا تو اس کے یہ معنے نہیں کہ ان الفاظ کا مفہوم چھوٹا ہے یا ابھی وہ دن نہیں آیا کہ تم سے یہ مطالبات کئے جائیں بلکہ اِس کے معنے یہ ہیں کہ ابھی تمہارے دل چھوٹے ہیں اور تم پر یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ وہ اس زمانہ کو پیچھے کرتا چلا جا رہا ہے۔ ورنہ یہ ہو نہیں سکتا کہ بغیر مال اور جان کی قربانی پیش کرنے کے کوئی جماعت خدا کی جماعت کہلا سکے۔ پس غافل مت ہو جانا اور شیر آیا شیر آیا کی آواز سُنتے سُنتے یہ خیال مت کر لینا کہ تم سے کوئی مذاق کیا جا رہا ہے۔ پہلے ایک آواز آئے گی اور تم میں سے سو فیصدی لوگ اُس آواز کی طرف دوڑ پڑیں گے پھر دوسری دفعہ آواز آئے گی تو تم میں سے ۹۹ فیصدی اُس آواز کی طرف جائیں گے اور ایک شخص کمزوری دکھا کر پیچھے رہ جائے گا اور وہ خیال کرے گا کہ یہ محض ایک دل لگی کی بات ہے ورنہ قربانی کیسی اور ایثار کیسا۔ پھر تیسری آواز اُٹھے گی تو اٹھانوے اُس آواز پر لبیک کہیں گے اور دو پیچھے رہ جائیں گے۔ پھر چوتھی آواز بلند ہوگی تو ۹۷ جائیں گے اور ۳ پیچھے رہ جائیں گے۔ اس طرح ہوتے ہوتے اتنا لمبا عرصہ اس قربانی کے عملی ظہور پر گزر جائے گا کہ بالکل ممکن ہے آخر میں جب واقع میں شیر آجائے اور حقیقی اور سچی آواز خدا تعالیٰ کے نمائندہ کے منہ سے نکلے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ہو جائے کہ وہ آواز جو آج سے ۵۰، ۶۰ سال پہلے بلند کی جا رہی تھی اُس کا حقیقی ظہور ہو تو اُس غفلت کی بناء پر جو مرورِ زمانہ کی وجہ سے تم پر طاری ہو چکی ہو، تم میں سے بہت سے لوگ یہ گمان کرنے لگ جائیں گے کہ اب بھی جان اور مال کی قربانی کے معنے روپیہ پر ایک آنہ چندہ دینا یا ڈیڑھ آنہ چندہ دینا ہے

اور جان کی قربانی کے معنے ہفتہ یا مہینہ میں سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وقت دے دینا ہے۔ حالانکہ وہ وقت ایک آنہ یا ڈیڑھ آنہ چندہ دینے کا نہیں ہوگا نہ اپنے اوقات میں سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وقت دینے کا ہوگا بلکہ سارے کا سارا مال اور ساری کی ساری جان خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دینے کا وقت ہوگا۔ تب ممکن ہے کہ ۱۰۰ میں سے ۱۰ یا ۱۲ یا ۶ یا ۴ تو آگے بڑھیں اور باقی جماعت خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنے سے محروم رہ جائے اور پھر بعد میں باوجود اس کے کہ وہ بہتیرا دروازہ کھٹکھٹائیں اور چلّائیں اور شور مچائیں پھر بھی دروازہ اُن کے لئے نہ کھولا جائے اور وہ خدائی قلعہ میں داخل ہونے سے محروم ہو جائیں۔ جیسے حضرت مسیحؑ نے کہا کہ جب میں دوبارہ دنیا میں آؤں گا تو میرے انتظار میں بہت سی کنواریاں اپنے ہاتھ میں شمعیں لے کر کھڑی ہوں گی۔ اُن میں سے کچھ تو ایسی ہوں گی جو تیل کا کافی ذخیرہ اپنے ساتھ لے کر جائیں گی کیونکہ وہ کہیں گی کہ ہمیں کیا معلوم آنے والا کب آتا ہے ہم صرف اتنا تیل اپنے ساتھ کیوں لے جائیں جو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ختم ہو جائے۔ ہم اپنے ساتھ کافی تیل لے جائیں گی تا کہ دولہا آنے میں دیر لگائے تو ہماری شمعیں بُجھ نہ جائیں۔ تیل ہمارے پاس ہو اور ہم اس کے انتظار میں کھڑی رہ سکیں لیکن کچھ بے وقوف ہوں گی جو سمجھیں گی کہ آنے والا دس پندرہ منٹ تک آجائے گا ۱۵ منٹ میں نہ آسکا تو آدھ گھنٹہ تک آجائے گا، آدھ گھنٹہ میں نہ پہنچا تو ایک گھنٹہ میں پہنچ جائے گا، ایک گھنٹہ میں نہ آیا تو ڈیڑھ گھنٹہ میں آجائے گا اِس سے زیادہ اس نے کیا دیر لگانی ہے۔ وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا اندازہ کر کے تیل اپنے ساتھ لے جائیں گی اور آنے والے کا انتظار کریں گی مگر آنے والا نہیں آئے گا اور وہ اُس کے انتظار میں کھڑی رہیں گی یہاں تک کہ ان کا تیل ختم ہو جائے گا اور شمعیں بُجھ جائیں گی تب وہ اپنی ساتھیوں سے کہیں گی کہ دولہا کے آنے میں بہت دیر ہو گئی ہے اور ہم جس قدر تیل اپنے ساتھ لائی تھیں ختم ہو چکا ہے اپنے تیل میں سے کچھ ہمیں بھی دو تا کہ ہم آنے والے دولہا کا انتظار کریں۔ وہ اُنہیں جواب دیں گی کہ ہم تمہیں کیوں تیل دیں اور کیوں اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالیں؟ جاؤ اور بازار سے تیل لے آؤ۔ جب وہ بازار سے تیل لینے جائیں گی تو دولہا یعنی مسیح آجائے گا اور وہ اُس کے دیکھنے سے محروم رہ جائیں گی۔ دولہا اپنی دلہنوں کو لے کر قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور اُس کا دروازہ بند کر لے گا

بعد میں دوسری عورتیں آئیں گی اور وہ شور مچاتے ہوئے کہیں گی کہ ہم بھی تیری دُلہنیں ہیں، ہم صرف تیل لینے گئی تھیں۔ اب ہم بازار سے تیل لے آئی ہیں قلعہ کا دروازہ کھول تا کہ ہم بھی اندر داخل ہوں۔ مسیح اُنہیں جواب دے گا کہ اب تمہارے لئے دروازہ نہیں کھولا جا سکتا۔ وہ جو دولہا کے انتظار میں بیٹھی رہیں وہی اِس بات کی مستحق تھیں کہ دولہا کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوتیں مگر وہ جو اس کا انتظار نہ کر سکیں، وہ اس قابل نہیں کہ ان کے لئے دروازہ کھولا جائے، جاؤ اور اِس دروازہ سے ہٹ جاؤ کہ اب تمہارے لئے یہ دروازہ نہیں کھولا جا سکتا۔ ؎

یہ مسیح نے اپنی آمد ثانی کے متعلق ایک تمثیل بیان فرمائی ہے اور یقیناً اس کے کوئی معنے ہیں۔ وہ معنے یہی ہیں کہ مسیح کے زمانہ میں حقیقی قربانیوں کو زیادہ سے زیادہ پیچھے ڈالا جائے گا یہاں تک کہ جب حقیقی دُلہنیں بننے کا وقت آئے گا اُس وقت کچھ طبقہ یہ سمجھنے لگ جائے گا کہ حقیقی قربانیوں کے معنے ایک آنہ چندہ دینا یا ایک گھنٹہ وقت دینے کے سِوا اور کچھ نہیں۔ چنانچہ جب کہا جائے گا کہ آ گیا وقت جان کی قربانی کا تو وہ سمجھیں گے آ گیا وقت گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ دینے کا۔ اور جب کہا جائے گا آ گیا وقت مال قربان کرنے کا تو وہ سمجھیں گے کہ آ گیا وقت ایک آنہ یا ڈیڑھ آنہ چندہ دینے کا۔ حالانکہ اُس وقت گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ وقت دینے کا سوال نہیں ہوگا بلکہ اپنی جان کو قربان کرنے کا سوال ہوگا اور اُس وقت صرف آنہ ڈیڑھ آنہ چندہ دینے کا سوال نہیں ہوگا بلکہ اپنے سارے مال اور ساری جائیداد سے ایک لمحہ کے اندر اندر دست بردار ہو جانے کا سوال ہوگا۔ میں نے اِسی لئے قدم بقدم جماعت میں اِن قربانیوں کا احساس پیدا کرنے کے لئے وقفِ جائیداد کا طریق جاری کیا تھا۔ اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ ہر شخص واقع میں اپنی جائیداد سلسلہ کو دے دے، اِس کے معنے یہ بھی نہیں تھے کہ چھ ماہ کے بعد ان سے اُن کی جائیدادیں لے لی جائیں گی، یہ معنے بھی نہیں تھے کہ مرنے کے بعد ان کی جائیدادیں لے لی جائیں گی۔ اس کے معنے صرف اتنے تھے کہ جماعت یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنی جائیدادیں سلسلہ کو پیش کرنے کے لئے تیار ہے مگر اس تحریک پر تین سال گزر گئے اب تک جماعت کا ایک فیصدی حصہ بھی اس میں شامل نہیں ہوا حالانکہ یہاں کوئی جائیداد دینے کا بھی سوال نہیں۔ پوری دینے کا سوال نہیں، پونی دینے

کا بھی سوال نہیں، آدھی دینے کا بھی سوال نہیں، پانچ یا دس فیصدی دینے کا بھی سوال نہیں، صرف ارادے کا سوال ہے مگر اِس ارادے میں بھی ساری جماعت شامل نہیں ہوئی۔ اب بتاؤ جب قربانی کے صرف ارادہ میں جماعت کا ایک فیصدی حصہ بھی شامل نہ ہو تو جب حقیقی قربانیوں کا وقت آیا اس وقت کس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ سَو فیصدی تو الگ رہے ایک فیصدی لوگ بھی اس میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ میرا منشاء اس تحریک سے صرف اتنا تھا کہ میں جماعت کے ذہنوں کو آئندہ آنے والی قربانیوں کے لئے تیار کروں اور وہ اپنی تیاری کا ثبوت دینے کے لئے سلسلہ کو صرف اس قدر لکھ دیں کہ ہماری جائیدادیں اب ہماری نہیں رہیں بلکہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے وقف ہو چکی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہماری جماعت کے بہت سے دوست یہ الفاظ لکھنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب گوڑگانی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مقرب صحابی تھے۔ صدر انجمن احمدیہ کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ممبر تجویز فرمائے تھے اُن میں آپ کا بھی نام تھا۔ مگر خواجہ صاحب نے بعد میں اُن کا اور بعض اور دوستوں کا نام نکلوا دیا۔ وہ سنایا کرتے تھے کہ گوڑگاؤں میں ایک بنیا تھا جس کے ایک پٹھان رئیس سے بہت تعلقات تھے مگر تعلقاتِ محبت کے باوجود اُس کی حالت یہ تھی کہ جب کبھی اُس نے خانصاحب سے ملنا تو اپنے تعلقات اور محبت کے اظہار کے لئے بڑے جوش سے کہنا، خانصاحب خانصاحب! ''تمہارا مال سو ہمارا مال اور ہمارا مال سوہَیں ہَیں ہَیں۔'' یعنی خانصاحب آپ کا مال تو ہمارا مال ہوا۔ اور ہمارا مال۔ اُس کے متعلق آپ کیا پوچھتے ہیں اس کے بعد اُس نے ''ہَیں ہَیں ہَیں'' کہہ کر بات ختم کر دینی۔ گویا دینا تو الگ رہا وہ منہ سے بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرا مال آپ کا مال ہے۔ بلکہ ہَیں ہَیں ہَیں کہہ کر خاموش ہو جاتا تھا۔ یہی بات اگر ہماری جماعت کے بعض افراد میں بھی پیدا ہو جائے تو ہم اپنی جماعت کے کامیاب ہونے کی کس طرح امید رکھ سکتے ہیں۔

آئندہ خطرات کی نشاندہی

ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہماری جماعت کے تمام افراد کم سے کم یہ احساس اپنے اندر پیدا کریں کہ ہم سے جب بھی کسی قربانی کا مطالبہ کیا جائے گا ہم اس کو پیش کر دیں گے اور اِس بات کو اپنے دل

میں سے نکال دیں کہ بار بار جانی اور مالی قربانیوں کا مطالبہ کرنے کے باوجود ابھی تک جان اور مال کو قربان کرنے کا وقت نہیں آیا۔ زمانہ اُس وقت کو قریب سے قریب تر لا رہا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آج سے دس سال بعد یا بیس سال بعد یا پچاس سال بعد وہ زمانہ آنے والا ہے مگر بہرحال وہ منزل ہمارے قریب آ رہی ہے اور جب تک ہماری جماعت اس دروازہ میں سے نہیں گزرے گی وہ صحیح معنوں میں ایک مامور کی جماعت کہلانے کی بھی حق دار نہیں ہو سکتی۔ یہ قطعی اور یقینی اور لازمی بات ہے کہ ہم اسلام اور احمدیت کو پھیلاتے ہوئے خطروں کے طوفانوں سے گزریں گے۔ اسی طرح یہ قطعی اور یقینی اور لازمی بات ہے کہ ہمیں ایک دفعہ ہجرت کرنی پڑے اور اپنے مکانوں اور جائیدادوں سے محض خدا کے لئے دست بردار ہو جانا پڑے مگر ابھی تک ہم اِس امتحان سے بھی نہیں گزرے۔ بہرحال یہ دن جلد یا بدیر آنے والا ہے اور ہماری جماعت کے افراد کو اِس دن کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیئے۔ ہمیں کیا معلوم کہ وہ دن کب آنے والا ہے۔ ہم اُن بیوقوف کنواریوں کی طرح کیوں بنیں جو اپنے ساتھ تھوڑا سا تیل لے کر گئی تھیں اور جو تیل کے ختم ہو جانے پر اِس بات پر مجبور ہوئی تھیں کہ بازار جائیں۔ ہمیں ان عقلمند کنواریوں کی طرح بننا چاہیئے جو اپنے ساتھ کافی تیل لے کر گئی تھیں جو دولہا کے انتظار میں کھڑی رہیں یہاں تک کہ دولہا آیا اور وہ اس کے ساتھ قلعہ کے اندر داخل ہو گئیں۔

خلیفۂ وقت پر تقدم جائز نہیں

مَیں اِسی سلسلہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ تمہیں خدا کے رسول پر تقدم نہیں کرنا چاہیئے اور یہ حکم محض خدا کے انبیاء سے مخصوص نہیں بلکہ جس طرح ایک رسول پر تقدم منع ہے اِسی طرح اُس کے خلیفہ پر بھی تقدم منع ہے۔ پھر ایسا خلیفہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیشگوئیوں کے مطابق اسلام کی فتح کے لئے جرنیل مقرر کیا ہو اُس پر تقدم تو بہت ہی ناجائز بات ہے اور جماعت کا فرض ہے کہ وہ ہر معاملہ میں ڈر ڈر کر اور پُھونک پُھونک کر قدم رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی مورِد بن جائے۔ ہر قدم ہمارے لئے ایسا ہے کہ اس میں خدائی رہنمائی کی ضرورت ہے اور خدا کا میرے ساتھ یہ سلوک ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے فضل سے میری راہنمائی فرماتا ہے۔ بعض دفعہ الفاظ میں وہ مجھ پر وحی نازل

کر دیتا ہے اور بعض دفعہ میرے قلب پر وہ اپنا فیصلہ نازل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ سلوک میرے ساتھ اتنی کثرت اور اتنے تواتر سے ہوتا ہے کہ میں خود حیران رہ جاتا ہوں کہ میری زبان سے کیا نکل رہا ہے مگر ابھی چند دن نہیں گزرتے کہ جو کچھ میری زبان پر جاری ہوا ہوتا ہے وہ واقعات کی صورت میں دُنیا میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں ایک بات کہتا ہوں اور خود مجھے اُس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی مگر چند دنوں کے اندر اندر غیب سے اس کے لئے سامان پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ کوئی افریقہ میں پیدا ہونے لگتا ہے، کوئی امریکہ میں پیدا ہونے لگتا ہے اور ان انقلابات کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ وہ الفاظ میرے نہیں تھے بلکہ خدا تعالیٰ کی وحیِ خفی سے میری زبان پر جاری ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ کسی دوسرے کو اُن سے واقف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ واقف ہونے سے اُس کی ساری قوت اور طاقت باطل ہو جاتی ہے۔ بہرحال ہمیں دُعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مَیں نے کل اپنی تقریر میں جو باتیں بیان کی تھیں اُن کی طرف بھی میں ایک دفعہ پھر اپنی جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں بِالخصوص اِس امر کی طرف کہ جامعہ احمدیہ میں انہیں زیادہ سے زیادہ طلباء بھجوانے چاہئیں تا کہ ہم جلد سے جلد دُنیا میں اسلام کو پھیلا سکیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ۲۵ سے ۵۰ تک ہر سال نئے لڑکے جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے چاہئیں اور پھر ضروری ہے کہ آہستہ آہستہ ہم اس تعداد کو سَو تک پہنچا دیں تا ایک سَو علماء سالانہ ہماری جماعت کو مہیا ہوتا رہے۔ یا اگر بعض نوجوان فیل ہو جائیں اور بعض پڑھائی چھوڑ دیں تب بھی ۷۰۔۸۰ علماء ہر سال ہماری جماعت کو ملنے لگ جائیں اور جلد سے جلد ہم دُنیا کے تمام کونوں میں اپنے تبلیغی مشن پھیلا سکیں۔ اس وقت بعض جگہ آدمیوں کی کمی کی وجہ سے خطرناک حالات پیدا ہو چکے ہیں۔

افریقہ سے مبلّغین کا مطالبہ

ابھی ہمارے مبلّغین کی طرف سے اطلاع آئی ہے کہ افریقہ کے ایک حبشی قبیلہ میں اسلام کی تائید میں زبردست رَو چل رہی تھی اور وہ سارے کا سارا قبیلہ اس بات کے لئے تیار تھا کہ عیسائیت چھوڑ کر اسلام میں شامل ہو جائے۔ ان میں تبدیلیٔ مذہب کے متعلق ایک ہیجان اور طوفان

بپا تھا مگر اُس وقت وہاں ایک ہی مبلّغ تھا جسے نیروبی کی جماعت کی اصلاح کے لئے بھیجنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ بعد میں مخالفین نے اُن کے دلوں میں ہمارے خلاف خطرناک جوش بھر دیا اور جب ہمارا آدمی واپس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بجائے اس کے کہ وہ لوگ اسلام قبول کرتے وہ اسلام کی عداوت اور دشمنی میں سخت ہو چکے تھے۔ ایسی رَوئیں ہمیشہ چلتی رہتی ہیں اور ان سے فائدہ اُٹھانا زندہ قوموں کے لئے ضروری ہوتا ہے مگر یہ فائدہ پوری طرح نہیں اُٹھایا جاسکتا جب تک مبلّغین کی کثرت نہ ہو۔ اِسی طرح بعض اور علاقے ہیں جہاں سے متواتر مانگ آ رہی ہے میں سمجھتا ہوں افریقہ میں ۱۳، ۱۴ علاقے ایسے ہیں جہاں کے رہنے والے ہم سے مبلّغوں کا تقاضا کر رہے ہیں مگر ہمارے پاس مبلّغ موجود نہیں۔ اور بعض تو چار چار پانچ پانچ سال سے آدمی مانگ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہماری قوم اسلام لانے کے لئے تیار ہے آپ اپنے آدمی ہماری طرف بھجوائیں مگر ہم اُن کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکے۔ ایک رئیس نے تین چار سال تک ہم سے مبلّغ کا مطالبہ کیا آخر اس نے لکھا کہ اگر میں اِسی حالت میں مرگیا تو میرے دین کا کون ذمہ دار ہوگا؟ ایک اور کے متعلق ہمارے مبلّغوں نے لکھا ہے کہ وہ بار بار ہمیں خط لکھتا تھا مگر ہم اس کے پاس نہ پہنچ سکے۔ اب اطلاع ملی ہے کہ وہ مرگیا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہی مجرم ہیں ورنہ وہ تو بار بار لکھ رہا تھا کہ مبلّغ بھیجو مبلّغ بھیجو یہ ہماری ہی غلطی ہے کہ ہم نے کوئی مبلّغ نہ بھیجا اور وہ فوت ہوگیا۔

تجارتی کاموں میں تعاون

چوتھے تجارتی کاموں میں تعاون نہایت ضروری چیز ہے۔ میں اس کے متعلق اپنی کل کی تقریر میں جماعت کو بہت کچھ نصیحت کر چکا ہوں اب پھر نصیحت کرتا ہوں کہ سلسلہ کی طرف سے جو کارخانے جاری ہیں جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ وہ ان کارخانوں کے بنے ہوئے مال کو دوسرے کارخانوں پر مقدم سمجھیں بلکہ مقدم کا ہی سوال نہیں میرے نزدیک ہر شخص جو احمدی کہلاتا ہے اُسے اپنے کارخانوں کی بنی ہوئی اشیاء کو خریدنا فرض سمجھنا چاہئے اور وہی چیز دوسروں سے خریدنی چاہئے جو سلسلہ کے کارخانوں سے نہ مل سکتی ہو۔ اب ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی ہے کہ اگر اس میں صحیح طور پر تعاون کی روح پیدا ہو جائے تو وہ ابتدائی ناکامیاں جو بالعموم کارخانوں میں ہوتی ہیں ان سے ہمارے کارخانے بالکل محفوظ

ہو جائیں۔ میرے نزدیک ہر مقام کے احمدی تاجروں کو چاہئے کہ وہ اپنے کارخانوں سے مال منگوائیں اور یہ فیصلہ کر لیں کہ جو چیز ہماری جماعت کے کارخانوں میں تیار ہو رہی ہے وہ ہم دوسروں سے نہیں لیں گے۔

پانچویں چیز جس کی طرف ہماری جماعت کو خاص طور پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے وہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت ہے میں بتا چکا ہوں کہ باوجود اِس کے کہ میں نے ایک خطبہ کے ذریعہ جماعت کے تمام افراد سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ سال بھر میں کم از کم ایک شخص کو اسلامی انوار کا گرویدہ بنانے کا عہد کریں اب تک صرف ۷۸ جماعتوں کے ۱۱۹۲۔ افراد نے اس سلسلے میں وعدے کئے ہیں۔ یہ تعداد اِس قدر قلیل ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے حیرت آتی ہے ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں تک پہنچ چکی ہے مگر اِس عہد میں صرف ۱۱۹۲۔ افراد نے حصہ لیا ہے جو ثبوت ہے اِس بات کا کہ ابھی تک ہماری جماعت نے اس عہد کی اہمیت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا۔ اب جبکہ نمائندگانِ جماعت یہاں سے فارغ ہو کر اپنی جماعت میں واپس جانے والے ہیں اِن کا فرض ہے کہ وہ واپس جا کر اپنی جماعت کے ہر فرد سے یہ عہد لیں۔

اگر ہماری جماعت کے کم از کم ایک لاکھ افراد ہی یہ عہد کر لیں اور ان میں سے آدھے بھی اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں تو پچاس ہزار سالانہ ہماری جماعت میں نئے لوگ داخل ہو سکتے ہیں اور یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ اگر اِس نسبت سے ہر سال ہماری جماعت میں نئے لوگ داخل ہونے لگ جائیں تو چار پانچ سال میں ہی ہماری جماعت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ ہزاروں نئے داخل ہونے والے افراد بھی دوسروں کو باتیں بتائیں گے اور وہ افراد جو جماعت میں پہلے سے داخل ہیں وہ بھی اِس عہد کو پورا کرتے چلے جائیں گے تو پھر ہزاروں کا بھی سوال نہیں رہے گا بلکہ ہماری جماعت میں نئے داخل ہونے والے افراد کی سالانہ تعداد لاکھوں اور کروڑوں تک پہنچ جائے گی۔ پس اِس چیز کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے جماعت کے ہر فرد کو سال بھر میں کم از کم ایک شخص کو اسلامی انوار کا گرویدہ بنانے کا عہد کرنا چاہئے اور نمائندگان کو واپس جا کر اپنی جماعتوں سے یہ عہد لے کر مرکز میں اطلاع دینی چاہئے تا ہماری جماعت کا قدم غیر معمولی

تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع ہو جائے۔

چھٹے وقفِ زندگی کی تحریک ہے جس کی طرف میں نے بارہا توجہ دلائی ہے۔ اس موقع پر میں پھر جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمیں مولوی فاضلوں اور گریجوایٹوں کی فوری طور پر ضرورت ہے۔ جب جماعت کے نمائندے یہاں سے واپس جائیں تو وہ اپنی جماعتوں میں بار بار اِس کا اعلان کریں۔ شاید کوئی مولوی فاضل ایسا چُھپا ہوًا موجود ہو جس نے زندگی وقف نہ کی ہو یا ممکن ہے بعض گریجوایٹ ایسے ہوں جنہوں نے ابھی تک اپنی زندگی وقف نہ کی ہو۔ گو بہت سے مولوی فاضل اور گریجوایٹ اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں مگر پھر بھی ہو سکتا ہے کہ ابھی بعض لوگ رہتے ہوں اِس لئے بار بار جماعتوں میں یہ اعلان کیا جائے کہ وقفِ زندگی کی تحریک میں سلسلہ کو مولوی فاضلوں اور نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ جن نوجوانوں نے ابھی تک اپنے آپ کو وقف نہ کیا ہو وہ اب وقف کر کے سلسلہ کی ضرورت کو پورا کریں۔ ہمارے مبلّغ جو باہر گئے ہوئے ہیں اُن میں سے یورپین ممالک میں ۹ مختلف مقامات پر ہمارے مبلّغ موجود ہیں۔ کسی ملک میں تین ہیں کسی میں چار اور کسی میں پانچ، لیکن ابھی ۱۳ جگہیں خالی پڑی ہیں۔ اگر ہر جگہ دو مبلّغ بھی بھجوائے جائیں تو فوری طور پر ہمیں ۲۶ گریجوایٹوں کی ضرورت ہے۔ ۱۵۔ ۲۰۔ ایسے گریجوایٹوں کی ضرورت ہے جو مرکزی دفاتر میں کام کر سکیں اور پھر ۲۶۔ ایسے مبلّغ بھی ہونے چاہئیں جو ان مبلّغوں کے قائم مقام بن سکیں تا کہ تین چار سال کے بعد جب ایک گروپ واپس آئے تو اُس کی جگہ دوسرے گروہ کو بھجوایا جا سکے۔ اگر سرِ دست قائم مقاموں کا سوال ترک بھی کر دیا جائے گو اِس کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تب بھی ۴۶ گریجوایٹوں کی ہمیں فوری طور پر ضرورت ہے۔ ۲۶ بیرونی ممالک کے لئے اور ۱۵۔ ۲۰ مرکزی دفاتر کے لئے تا کہ آدمیوں کی کمی کی وجہ سے ہمارے محکموں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جماعت مرکزی دفاتر کے کاموں پر اعتراض تو کر دیا کرتی ہے مگر وہ سوچتی نہیں کہ ہمارے بعض ناظر اب اتنے ضعیف ہو چکے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد اُنہیں ہاتھ سے پکڑ کر کُرسی پر بٹھانا اور اُٹھانا پڑے گا اِس لئے اُن سے اب کسی زیادہ کام کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ دماغی کام تو کر سکتے ہیں مگر دوڑ دھوپ والے کام نہیں کر سکتے۔ یہ کام نوجوان طبقہ سے وابستہ ہیں۔ انجمن نے اپنی غفلت سے

گزشتہ عرصہ میں نوجوانوں کو اپنے دفاتر میں بھرتی نہیں کیا جس کی سزا وہ اب بھگت رہی ہے لیکن بہرحال نوجوان اور سلسلہ کے خادم جماعت نے ہی مہیا کرنے ہیں، ناظروں میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ایسے لوگ گھڑ کر تیار کرسکیں۔ پس ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہمیں ۴۶ گریجوایٹ مل جائیں اور یا پھر ہمیں اُس وقت کا انتظار کرنا پڑے گا جب نئے مبلّغ ہمارے ادارے تیار کرسکیں۔

تحریک جدید کا دفتر دوم

تحریک جدید کے دفتر دوم کی طرف بھی میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعتوں نے ابھی پوری توجہ نہیں کی۔ پچھلے سال دفتر دوم میں ۵۰ ہزار کے وعدے آئے تھے اور اس سال کے وعدے ستّر ہزار کے قریب ہیں۔ کام کی تفصیلات جیسا کہ میں نے بار بار بیان کیا ہے اس بات کی متقاضی ہیں کہ تحریک جدید کے دفتر دوم کے وعدے بھی اڑھائی لاکھ تک پہنچ جائیں۔ جب تک اس حصہ کے وعدے بھی اڑھائی لاکھ تک نہ پہنچ جائیں، ہمارے کام صحیح طور پر چل نہیں سکتے اور ۷۰ ہزار سے تو کام کرنے کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پس ہر وہ شخص جس نے تحریک جدید کے دورِ اوّل میں حصہ نہیں لیا اُسے کوشش کرنی چاہئے کہ وہ دفتر دوم میں حصہ لے تا جب دَورِ اول ختم ہو تو دورِ دوم کے مجاہد اس کی جگہ لینے کے لئے تیار ہوں۔ اگر دفتر دوم تیار نہ ہوا تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہم آسمان کی چوٹی پر پہنچ کر نیچے گریں گے اور ہم مجبور ہوں گے کہ بعض مشنوں کو بند کردیں۔ گویا ہماری مثال بالکل ویسی ہی ہوگی جیسے ایک شخص تلوار لے کر لوگوں کو فنون دکھانے کے لئے سامنے آئے اور کہے آؤ اور میرے کمالات کو دیکھو مگر جب وہ اپنے فنون اور کمالات دکھانے لگے تو اچانک اُس کا پیر پھسل جائے وہ منہ کے بل زمین پر جا پڑے۔ اُس کا جسم اپنی تلوار سے زخمی ہو جائے اور لوگ اُسے چارپائی پر اُٹھا کر ہسپتال کی طرف لے جائیں۔ پس ساری جماعتوں کو زور لگا کر تحریک جدید کے دفتر دوم کے وعدوں کو بڑھانے اور اس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شامل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ خصوصاً تحریک جدید کے سیکرٹریان کو میں اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایک سال کے اندر اندر ایسی کوشش کریں کہ دفتر دوم کی آمد اڑھائی لاکھ سالانہ تک پہنچ جائے تا آج سے ساٹھ سال کے بعد

جب دورِ اول ختم ہو تو اِس وقت ایک مضبوط ریزروفنڈ بھی قائم ہو اور آئندہ دس گیارہ سال تک وہ اپنی آمد سے مشنوں کو بھی چلا سکے۔

بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ ریزروفنڈ تو پہلے سے قائم ہے، یہ نیا ریزروفنڈ کیسا ہے۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ہم نے صرف موجودہ مشنوں کو ہی نہیں چلانا بلکہ اپنے کاموں کو بڑھانا بھی ہے اور اس کے لئے بہت بڑے ریزروفنڈ کی ضرورت ہے۔ دفتر اول کا ریزروفنڈ صرف اُن ملکوں میں تبلیغ پر خرچ کیا جائے گا جن ممالک میں اس وقت مشن قائم ہیں لیکن دفتر دوم کا ریزروفنڈ اَور ملکوں میں تبلیغ کرنے پر خرچ کیا جائے گا اِسی طرح دفتر سوم کا ریزروفنڈ اَور ممالک پر خرچ ہوگا۔

بعض لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ چونکہ ابھی دفتر دوم کے کام کرنے کا وقت نہیں اس لئے ہمیں اس کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں حالانکہ سوال یہ ہے کہ نئے دَور کی جو ترقی ہوگی اس کے لئے ریزروفنڈ بھی ضروری ہوگا اور ریزروفنڈ اِنہی آٹھ نو سالوں میں ہم نے جمع کرنا ہے۔ اگر اِن سالوں میں کافی ریزروفنڈ جمع نہ ہوا تو اس دَور کا کام بہت ناقص رہے گا۔ جب دفتر دوم تمام کام سنبھال لے گا تو دفتر سوم کا اعلان کر دیا جائے گا اور اس کی آمد نو سال تک ریزروفنڈ کے طور پر جمع ہوتی رہے گی۔ اس طرح یہ سلسلہ انشاء اللہ وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ اِسی طرح بجٹ کی صحیح تشخیص اور چندوں کی باقاعدہ وصولی کی طرف بھی ہمیں خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ ہمیں قریب زمانہ میں اپنے بجٹ کو ۲۵ لاکھ تک پہنچا دینا چاہئے اور یہ کوئی مشکل امر نہیں۔ دہلی کے متعلق ناظروں نے کہا ہے کہ وہاں سے تیس ہزار روپیہ وصول ہو سکتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں یہ اندازہ صحیح نہیں۔ میرے نزدیک اگر دہلی کی جماعت کی صحیح تشخیص کی جائے تو ساٹھ ہزار روپیہ چندہ وصول ہو سکتا ہے۔ اسی طرح لاہور کے متعلق وہاں کے امیر جماعت نے بتایا ہے کہ ہمارا چندہ تیس ہزار روپیہ ہوتا ہے حالانکہ میرا اندازہ یہ ہے کہ اگر لاہور کے دوستوں کی آمد کی صحیح تشخیص کی جائے اور چندہ کی باقاعدہ وصولی کی جائے تو ایک لاکھ روپیہ سالانہ صرف لاہور سے وصول ہو سکتا ہے ممکن ہے اِس اندازہ میں تھوڑی بہت کمی بیشی ہو لیکن زیادہ کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ نے مجھے حساب کا ایک خاص ملکہ دیا ہے جس کی وجہ سے میں بہت جلد حساب کر لیتا ہوں۔

اُس لحاظ سے ممکن ہے ۱۵۔۲۰ ہزار کا فرق ہو جائے مگر زیادہ فرق نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ہوسکتا ہے کہ دہلی سے ساٹھ ہزار روپیہ وصول ہونے کی بجائے آٹھ دس ہزار روپیہ کم وصول ہو۔ اسی طرح لاہور کا چندہ اگر ایک لاکھ روپیہ تک نہ پہنچ سکے تو اسّی ہزار تک آ جائے۔ بہرحال اِس اندازہ میں زیادہ فرق نہیں ہوسکتا۔ اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ اگر سات آٹھ مرکزی شہروں کی آمد کو ہی بڑھایا جائے تو بجٹ میں دو تین لاکھ روپیہ سالانہ کی زیادتی ہوسکتی ہے پس میں نظارت بیت المال کو ہدایت کرتا ہوں کہ چندہ کی صحیح تشخیص کی جائے اور پھر اُس کی وصولی کی بھی پرزور کوشش کی جائے۔ پہلے مرکز کی جماعت کے چندہ کی صحیح تشخیص کی جائے اور پورا چندہ وصول کیا جائے۔ اِس کے بعد لاہور کے چندہ کی صحیح تشخیص کی جائے، دہلی کے چندہ کی صحیح تشخیص کی جائے، کلکتہ کے چندہ کی صحیح تشخیص کی جائے، پشاور کے چندہ کی صحیح تشخیص کی جائے، اسی طرح بعض اور مرکزی شہروں کے چندہ کی صحیح تشخیص کی جائے جیسے حیدرآباد وغیرہ ہے۔ اگر صرف ان پانچ سات شہروں کے چندہ کی صحیح تشخیص کی جائے تو دو تین لاکھ روپیہ سالانہ کی زیادتی ہماری آمد میں ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد اگر باقی جماعتوں کے چندہ کو بھی مدنظر رکھا جائے اور ان کی آمد کی بھی صحیح تشخیص کی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہماری موجودہ جماعت ہی پانچ چھ لاکھ روپیہ سالانہ اَور چندہ دے سکتی ہے اور پھر جماعت کی وسعت کے ساتھ اس چندہ میں بھی روز بروز اضافہ ہوسکتا ہے۔ سرِدست اگر چار پانچ لاکھ روپیہ کی ہی زیادتی ہو جائے تو دیہاتی معلّم بجائے پچاس ساٹھ رکھنے کے ہم دو تین سَو رکھ سکتے ہیں اور چونکہ دیہاتی معلّمین کے ذریعہ بھی جماعت کی توسیع ہوگی اس لئے ہماری آمد خدا تعالیٰ کے فضل سے موجودہ زمانہ سے بہت بڑھ جائے گی۔

مرکز سے تعلق کی اہمیت

مَیں آخر میں جماعت کو پھر اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ دُنیا پر جو نازک دور آ رہا ہے اُس کے لحاظ سے ہماری جماعت کے دوستوں کو مرکز میں آنے کی رفتار بہت تیز کر دینی چاہئے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دوستوں کی یہاں آنے کی رفتار بہت کم ہے اتنی کم کہ وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگ اپنے اوقات اِدھر اُدھر گزارنا زیادہ پسند کرتے ہیں مگر مرکز میں آنے کی اہمیت کو وہ محسوس نہیں کرتے حالانکہ دُنیا میں آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے اُس کے لحاظ سے

ہماری جماعت کا مرکز سے ایسا ہی تعلق ہونا چاہئے جیسے ایک جانور رسّہ سے بندھا ہوا ہوتا ہے یا جیسے ایک گھوڑا کیلے سے بندھا ہوا ہوتو جب وہ دور جاتا ہے رسّہ اس کے گلے میں پھنسنے لگتا ہے اور وہ پھر اپنے کیلے کی طرف آنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہی حال ہر احمدی کا ہونا چاہئے اور اُسے بار بار مرکز میں آنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ جو اہم تغیرات دُنیا میں ہونے والے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ جماعت زیادہ سے زیادہ اخلاص میں اور قربانی میں اور ایثار میں مضبوط ہو۔ ایسا نہ ہوا تو وقت پر بہت لوگ کچے دھاگے ثابت ہوں گے اور سلسلہ کو تقویت پہنچانے کی بجائے دوسروں کو گرانے اور ان کے قدم کو بھی متزلزل کرنے کا موجب ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو نَو مسلموں میں سے بعض رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اب جو طائف والوں سے جنگ ہونے والی ہے اس میں ہمیں بھی شامل ہونے کا موقع عنایت فرمائیں۔ پرانے صحابہؓ اپنے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے بہادر ہیں حالانکہ جب آپ سے لڑائی تھی اُس وقت خدا ہمارے سامنے تھا اور ہم خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ پس اگر ہم آپ کے مقابلہ میں بھاگے تو ہم کسی انسان کے ڈر سے نہیں بھاگے بلکہ خدا تعالیٰ کی طاقت کو دیکھ کر بھاگے اس لئے ہماری بہادری کا گزشتہ لڑائیوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، ہماری جرأت اور ہماری بہادری کا آپ اُس جنگ سے قیاس کرسکیں گے جو ثقیف اور ہوازن والوں سے ہونے والی ہے اس لئے آپ ہمیں بھی شامل ہونے کی اجازت عطا فرمائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بہت اچھا اجازت ہے دس ہزار مسلمانوں کا اور دو ہزار نومسلموں کا لشکر تھا جو دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔

طائف کے قبائل بہت ہوشیار تھے چونکہ اسلامی لشکر نے تنگ راستوں میں سے گزرنا تھا اس لئے اُنہوں نے پانچ سَو تیر انداز ایک طرف اور پانچ سَو تیر انداز دوسری طرف کھڑے کر دیئے اُن کا اپنا لشکر کل چار ہزار کا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم اتنے تھوڑے لشکر سے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے اس کا علاج یہ سوچا کہ اپنے تیر انداز راستہ کے دونوں طرف کھڑے کر دیئے تا کہ راستہ میں ہی وہ اسلامی لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیں

اور اُسے آگے بڑھنے سے روک دیں۔ جب فوج اس تنگ درّہ میں پہنچتی تو ایک ہزار تیراندازوں نے اونچی جگہ سے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ جب ایک ہزار تیر متواتر گرنا شروع ہوا اور کچھ آدمیوں کو، کچھ گھوڑوں کو اور کچھ اونٹوں کو لگے تو وہ نَومسلم جو اکڑتے ہوئے اسلامی لشکر کے آگے آگے جا رہے تھے اُنہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمان جو پیچھے چلے آ رہے تھے وہ بھی اپنی حفاظت نہ کر سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ بارہ ہزار کا بارہ ہزار لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے گرد ۱۲ آدمی رہ گئے۔ تب ابوسفیان بن الحارث آگے بڑھے اور اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کیا کرتے ہیں، اِس وقت واپس لوٹیے، ہم لشکر اسلامی کو اپنے ساتھ لے کر کفار پر پھر حملہ کریں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو۔ پھر آپؐ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھنا شروع کر دیا کہ:-

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب. اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ [8]

میں جھوٹا نہیں کہ میدان چھوڑ دوں۔ مَیں نبی ہوں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اُس وقت صحابہؓ کے دل تم سمجھ سکتے ہو کہ کس طرح اچھل رہے اور دھڑک رہے ہوں گے مگر ان کے لئے سوائے اِس کے کیا چارہ تھا کہ آگے سے ہٹ جائیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ میں حائل نہ ہوں۔ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے کہا کہ اِدھر آؤ اور اونچی آواز سے مسلمانوں کو آواز دو۔ چونکہ یہ شکست مکہ والوں کی بیوقوفی سے ہوئی تھی اِس لئے مکہ والوں کے فعل پر ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عباس! بلند آواز سے کہو کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔ اُس وقت مہاجرین کا نام آپؐ نے نہیں لیا کیونکہ مہاجرین مکہ والوں کے رشتہ دار تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ والوں پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمانا چاہتے تھے۔ ایک انصاری کہتے ہیں اُس وقت ہماری حالت یہ تھی کہ ہم اپنے گھوڑوں کو پیچھے لَوٹاتے اور پورے زور سے اُن کی باگیں کھینچتے تھے یہاں تک کہ ہمارے ہاتھ زخمی ہو جاتے اور جانوروں کی گردن اُن کی پیٹھ سے جا لگتی تھی مگر جب لگام ذرا ڈھیلی ہوتی

اور ہم اُنہیں ایڑی مار کر پیچھے کی طرف واپس لانا چاہتے تو وہ پھر آگے کو بھاگ پڑتے۔ جب اِس حالت میں ہمارے کانوں میں یہ آواز آئی کہ اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے تو اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ عباس کی آواز بلند ہو رہی ہے بلکہ ہمیں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سب لوگ مر چکے ہیں قیامت کا دن ہے اور اسرافیل کی آواز لوگوں کے کانوں میں آ رہی ہے۔ ہم نے ایک دفعہ پھر اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو واپس لوٹانے کے لئے اپنا پورا زور صَرف کیا جو سواریاں مُڑ گئیں مُڑ گئیں اور جو نہ مڑیں ان میں سے بعض کے سوار کُود پڑے اور پیدل دوڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور بعض نے اپنی میانوں میں سے تلواریں نکال کر سواریوں کی گردنیں کاٹ دیں اور خود لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دَوڑ پڑے[9]

ہر شخص قربانی کا عزمِ صمیم کرے

اِس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح کمزور لوگ طاقتوروں کو بھی گھبراہٹ میں مبتلا کر دینے کا موجب بن جاتے ہیں۔ پس یہ دن ایسے نہیں ہیں کہ ہمارے اندر کوئی کمزور طبقہ ہو کیونکہ اگر کمزور طبقہ ہم میں موجود ہوا تو وہ بہادروں کو بھی گرا دینے کا موجب بن جائے گا۔ آج ہمیں ہر شخص کا دل مضبوط کرنا چاہئے، آج ہر شخص کو عزمِ صمیم کرنا چاہئے کہ وہ اسلام کی عظمت اور اس کے احیاء کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار رہے گا۔ اگر ہم میں سے ہر شخص یہ ارادہ لے کر کھڑا ہو جائے تو جب وہ دن آئے گا جس میں خدا تعالیٰ کے لئے اپنی جانیں اور اپنے اموال قربان کرنا پڑیں گے، جب اسلام کی عظمت اور اُس کی شوکت کے قیام کے لئے مسلمانوں سے اُن کی جان کا مطالبہ کیا جائے گا، جب ایک طرف مَلَکُ الْمَوْت اُن کو بُلا رہا ہوگا اور ایک طرف اسلام کی شوکت کا خوش نما منظر ان کو نظر آ رہا ہوگا، تو اُس وقت جس کی قسمت میں ہوگا وہ اسلام کی شوکت دیکھ کر مرے گا اور جس کی قسمت میں شہادت مقدّر ہوگی وہ شہادت حاصل کر کے اپنے رب کی گود میں چلا جائے گا اور یہ دونوں معمولی انسان نہیں ہوں گے فاتح بھی بابرکت ہوگا کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے نشان کو دیکھا اور مفتوح بھی بابرکت ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے شہید کبھی مرتا نہیں۔

پس اُس دن کے آنے سے پہلے ہمیں اس کے لئے تیاری کرنی چاہئے اور تیاری کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مرکز کے قریب سمٹتے چلے آنا چاہئے۔ جب بادل گرجتے ہیں، جب بجلیاں کوندتی ہیں، جب آسمان سے بڑے زور سے بارش برستی ہے تو بچے اپنی ماں کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں۔ جب شور کی آواز پیدا ہوتی ہے، جب چور چکار کی آوازیں لوگوں میں بلند ہونی شروع ہوتی ہیں، جب ڈاکہ کے متعلق مختلف قسم کی افواہیں لوگوں میں پھیلنے لگتی ہیں تو بچے اپنے باپ کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ جب کسی گاؤں والوں کو کوئی خطرہ درپیش ہوتا ہے تو وہ دارہ میں نمبردار یا سردار کے پاس جمع ہو جاتے ہیں تا کہ وہ اپنے اشتراک سے آنے والی بلا کو دور کرسکیں۔ جب قوموں پر بلائیں آتی ہیں تو ان کی نگاہیں حکومت اور فوج کی طرف اُٹھنے لگتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی چونکہ فتنہ وفساد اور جنگ و جدل کا زمانہ قریب سے قریب تر آ رہا ہے۔ اِس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہماری جماعت زیادہ سے زیادہ تعداد میں مرکز کے قریب جمع ہو اور اُس روح کو اپنے اندر پیدا کرے جو روح کامیابی اور فتح کے قریب کرتی اور ناکامی کے خطرہ کو دور کر دیتی ہے۔

اِن نصائح کے بعد میں جماعت کو رخصت کرتا ہوں۔ رات کو میری طبیعت سخت خراب رہی ہے اور اب بھی سر درد کی دوائی کھا کر میں تقریر کرنے کے قابل ہؤا ہوں۔ اب میں دعا کردوں گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ برکتیں جو ہمیں معلوم ہیں یا معلوم نہیں اپنے فضل سے عطا کرے اور وہ بلائیں اور مصائب جو نظر آ رہی ہیں اور اسی طرح وہ بلائیں اور آفات جو نظر نہیں آ رہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو دور کرے اور ہمیں صحیح طور پر قربانیوں کی توفیق عطا فرمائے تا اگر اُس کی طرف سے کوئی خیر نہ پہنچے تو اس خیر کا نہ پہنچنا ہماری کوتاہی عمل کی وجہ سے نہ ہو۔ اور یہ قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کا ایک کمزور ترین بندہ اُسے یہ کہہ سکے کہ اے خدا! میرے پاس جو کچھ تھا وہ تو میں نے تجھے دے دیا تھا مگر چونکہ تیری طرف سے رحمت کا نزول نہ رہا اِس لئے میں ہار گیا۔ یقیناً خدا تعالیٰ اِس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر اس کے کمزور بندے اپنا سب کچھ دین کی خدمت کے لئے دے دیں گے تو خدا بھی اپنی ساری مخلوق ان کی خدمت کے لئے لگا دے گا۔

جامعہ احمدیہ کے بارہ میں ہدایات

جامعہ احمدیہ کے متعلق چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے مجھے ایک چِٹھی لکھی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعض احباب سے اس امر کا ذکر کیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو جامعہ احمدیہ میں داخل کرائیں۔ میری اس تحریک پر وہ آمادہ تو ہو گئے ہیں مگر وہ اس امر کا خدشہ ظاہر کرتے ہیں کہ جامعہ احمدیہ میں مروجہ علوم کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں اور نہ طلباء میں وُسعتِ نظر پیدا کی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں صفائی کو بھی پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اگر اس کا ازالہ کر دیا جائے تو لوگ بغیر کسی فکر کے اپنے بچوں کو جامعہ احمدیہ میں داخل کرنے لگ جائیں گے۔

میرے نزدیک یہ امور ایسے ہیں جو صدر انجمن احمدیہ کو اپنے مدنظر رکھنے چاہئیں۔ جامعہ احمدیہ کا کورس ہمیں بہرحال قریب ترین عرصہ میں ایسا ہی رکھنا پڑے گا جس کے نتیجہ میں طلبہ کو تبلیغ کے کام پر لگایا جا سکے۔ دُنیوی علوم اَور ذرائع سے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں جیسے مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد پرائیویٹ طور پر انگریزی کے امتحانات انسان دے سکتا ہے۔ اِسی طرح صفائی کی طرف بھی صدر انجمن احمدیہ کو توجہ کرنی چاہیئے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اِس بارہ میں ایک تفصیلی سکیم جو میرے سامنے پیش کی گئی تھی میں نے دفتر میں اسی ہدایت کے ساتھ واپس کر دی تھی کہ اسے کسی دوسرے وقت میرے سامنے پیش کر کے ہدایات حاصل کی جائیں مگر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو ابھی فُرصت ہی نہیں ملی کہ وہ اس سکیم کو میرے سامنے پیش کریں۔ بہرحال انجمن کو اِن باتوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ صفائی اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کا انسانی صحت پر نہایت گہرا اثر پڑتا ہے۔ میں نے بارہا اپنے خطبات میں اِس طرف توجہ بھی دلائی ہے مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گو میں صفائی کو ضروری سمجھتا ہوں مگر میں اسے کوئی ایسی اہم روک نہیں سمجھ سکتا جس کی بناء پر لوگ اپنے بچوں کو یہاں بھجوانے سے رُک سکیں۔

ہم خواہ کس قدر بھی صفائی کریں پھر بھی جس قدر یورپ کے لوگ صفائی رکھتے ہیں ہم یہاں نہیں رکھ سکتے اور اگر اِس رنگ کی صفائی میں مشغول ہو جائیں تو دین کا کام نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ جو دن رات اِنہی کاموں میں لگے رہتے ہیں وہ اپنے آپ کو خواہ مہذب سمجھتے ہوں

ہم تو اُنہیں دین کا غدار ہی سمجھتے ہیں۔ انہی خیالات کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بڑھتے بڑھتے داڑھیوں کا صفایا شروع کر دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ داڑھی رکھنا بڑی گندی چیز ہے، چہرے کو صاف رکھنا چاہئے۔ اِسی طرح بُوٹ کی پالش ہے انگریزوں کے نزدیک جس کے بوٹ میلے ہوں وہ اس کو غیر مہذب سمجھتے ہیں لیکن میرے بوٹ ہمیشہ میلے رہتے ہیں لوگ بعض دفعہ خود ہی اٹھا کر لے جاتے ہیں اور ثواب حاصل کرنے کے لئے پالش کر دیتے ہیں لیکن پھر بھی جس حد تک صفائی رکھنا انسانی صحت کے لئے ضروری ہے اُس حد تک صفائی ضرور رکھنی چاہئے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ بعض دفعہ رستوں میں پاخانہ پڑا ہوا ہوتا ہے۔ لوگ مرغے ذبح کرتے ہیں تو اُن کی انتڑیاں اور پر وغیرہ سڑکوں پر بکھیر دیتے ہیں۔ یہ چیز ایسی ہے جس سے طبائع میں اِنقباض پیدا ہوتا ہے اور صحت کے لئے بھی مُضِر ہے۔ مَیں نے خود بعض دفعہ دیکھا ہے کہ مرغی ذبح کرنے والے نے مرغی ذبح کی تو اُس کی انتڑیاں وغیرہ اُسی جگہ پھینک دیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں کوّے ان انتڑیوں کو اُٹھائے پھرتے ہیں کہیں پَر بِکھرے ہوئے ہوتے ہیں، کہیں خون پڑا ہوا ہوتا ہے اور یہ نظارہ دیکھ کر طبیعت پر بہت بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ نظافت کی حِسّ جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں رکھی ہے اس کی غرض یہی ہے کہ ایسے امور کا سدِ باب کیا جائے۔

اِسی طرح بعض اور بھی شکایتیں ہیں جو میرے پاس وقتاً فوقتاً آتی رہتی ہیں مثلاً ایک شکایت ان متفرق طالب علموں کے متعلق ہے جو یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں مگر اُن کی طرف پوری توجہ نہیں کی جاتی۔ صدر انجمن احمدیہ کو ایک ایسا محکمہ بنانا چاہئے جو ان متفرق طالب علموں کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ یہ لڑکے دس دس پندرہ پندرہ دن کے لئے یہاں آتے ہیں کوئی کہتا ہے مجھے پہلا پارہ پڑھا دیا جائے، کوئی کہتا ہے مجھے آخری پارے کا ترجمہ نہیں آتا، کوئی اردو سیکھنا چاہتا ہے، کوئی عربی پڑھنا چاہتا ہے، اور چونکہ ان کی الگ الگ ضروریات ہوتی ہیں ان کی طرف پوری توجہ نہیں کی جاسکتی۔ میرے نزدیک صدر انجمن احمدیہ کو ایسی ضرورتوں کے لئے جماعت میں سے والنٹیئرز طلب کرنے چاہئیں جو ترجمہ پڑھا سکتے ہوں وہ ترجمہ پڑھا دیں۔ جو حدیثیں جانتے ہوں وہ حدیثیں سکھا دیں اور، جو اسلامی مسائل سے واقفیت رکھتے ہوں وہ اُنہیں مسائل سے آگاہ کر دیا کریں۔

اِسی طرح مرکز میں علماء کا بڑھانا بھی ضروری ہے۔ تحریک جدید کے ماتحت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے نوجوان تیار ہو رہے ہیں۔ جب یہ لوگ تیار ہو جائیں گے تو ان کو مساجد میں ایک ایک گھنٹہ درس دینے کے لئے مقرر کر دیا جائے گا اور پھر ان کے ذریعے اور لوگ بھی تیار ہو سکتے ہیں مگر جب تک یہ لوگ تعلیم حاصل کر کے نہ آئیں اُس وقت تک ایسی ضروریات کو طوعی تحریک کے ذریعے پورا کرنا چاہئے اور جیسے اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے دوستوں سے وقت مانگا جاتا ہے اِسی طرح تعلیم کے لئے بھی دوستوں سے وقت مانگنا چاہئے۔ اگر پندرہ بیس ایسے لوگ نکل آئیں تو بعض کو فقہ پڑھانے پر، بعض کو قرآن پڑھانے پر اور بعض کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پڑھانے پر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ پس یہ ایک ضروری امر ہے جس کی طرف صدر انجمن احمدیہ کو توجہ کرنی چاہئے۔

اب میں دعا کر دیتا ہوں۔ سب دوست میرے ساتھ مل کر دعا کریں۔"

(الفضل ربوہ مؤرخہ ۳، ۱۰، ۱۷، ۲۴ / اپریل ۱۹۶۲ء)

۱؎ النساء: ۵۹ ۲؎ الشوریٰ: ۳۹ ۳؎ اٰل عمران: ۱۶۰

۴؎ ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب مَا جَاءَ فِی مَنْ أَمَّ قَوماً وَ هُمْ لَهُ كٰرِهُوْنَ

۵؎ الفاتحة: ۶ ۶؎ الفاتحة: ۶، ۷

۷؎ متی باب ۲۵ آیت ۱ تا ۱۳

۸؎ بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ تعالیٰ و یوم حنین اذا أعجبتکم کثرتکم

۹؎ السيرة النبوية لابن هشام جلد۴ صفحہ ۸۷ مطبوعہ ۱۹۳۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۴۷ء

(منعقدہ ۴ تا ۶ ؍اپریل ۱۹۴۷ء)

پہلا دن

جماعت احمدیہ کی ستائیسویں مجلس مشاورت ۴ تا ۶ ؍اپریل ۱۹۴۷ء تعلیم الاسلام کالج قادیان کے وسیع ہال میں منعقد ہوئی۔ کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآنِ کریم سے ہوا جو محترم حافظ صوفی غلام محمد صاحب نے کی۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے افتتاحی تقریر سے قبل دُعا سے متعلق فرمایا:

دُعا

''آج ہم جس اہم کام کے لئے جمع ہوئے ہیں اُس کام کی اہمیت اور سلسلہ کی مشکلات اور ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے ہماری ذمہ داریاں ہم سے تقاضا کرتی ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے خصوصیت کے ساتھ یہ دُعا کریں کہ وہ ہماری صحیح راہنمائی فرمائے اور ہمیں ایسے طریق پر چلنے کی توفیق بخشے جس سے اُس کی رضا اور خوشنودی ہمیں حاصل ہو اور وہ مشکلات جو ہمارے رستہ میں حائل ہوں یا جن مشکلات میں سے گزرنا ہمارے لئے ضروری ہو اللہ تعالیٰ اُن تمام مشکلات کو اپنے فضل اور رحم کے ساتھ دُور فرماتے ہوئے ایسے سامان مہیا کرے کہ ہماری مشکلات ہماری کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوں اور ہمارا قدم ہمیشہ ترقیات کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں جو اُسکے منشاء کے خلاف ہو اور کوئی ایسا کام نہ چھوڑیں جو اُسکی رضا کے حاصل کرنے کیلئے ضروری ہو۔ پس سب دوست میرے ساتھ مل کر دُعا کرلیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری صحیح راہنمائی فرمائے۔ نہایت ہی نازک ایام ہیں جو آجکل دنیا پر آ رہے ہیں اور ایک انتہائی نازک دور ہے جس میں سے ہم گزر رہے ہیں سوائے خدا کی مدد اور اسکی نصرت کے اور کوئی صورت ہمیں ان مشکلات پر غالب آنے کی

نظر نہیں آتی۔‘‘

ان مختصر کلمات کے بعد حضور نے نمائندگان، مہمانان اور زائرین سمیت لمبی دُعا کروائی۔

افتتاحی تقریر

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل افتتاحی تقریر فرمائی:۔

ہمارا نصب العین اور ترقی

’’آج ہم یہاں اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ ہم اپنی قربانیوں اور اپنے گزشتہ اعمال اور کردار کا جائزہ لیتے ہوئے اس امر پر غور کریں کہ ہم نے اُن ذمہ داریوں کو کہاں تک ادا کیا ہے جو اشاعتِ اسلام اور اشاعتِ احمدیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کی گئی ہیں۔ ہم یہاں رسماً اکٹھے نہیں ہوئے کسی کھیل اور تماشہ کے لئے اکٹھے نہیں ہوئے محض اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے لئے اکٹھے نہیں ہوئے۔ بلکہ ہم اس لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ زمین و آسمان کے خدا نے ہم پر ایک فرض عائد کیا ہے اور ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ آیا ہم نے اُس فرض کے ادا کرنے میں کسی کوتاہی یا سہل انگاری سے تو کام نہیں لیا ہمارے سلسلہ کو قائم ہوئے ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔ اتنا لمبا عرصہ کہ اس میں ایک بچہ بھی جوان ہو کر صاحبِ اولاد ہو جاتا ہے بلکہ وہ پوتوں اور پڑپوتوں والا بن جاتا ہے۔ پس ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اس عرصہ میں ہم نے کتنی ترقی کی ہے اور پھر ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا ہماری ترقی ہمارے نصبُ العین کے مطابق ہے یا نہیں؟ دنیا میں ہر ذی حیات چیز حرکت تو ضرور کرتی ہے لیکن دیکھنے والی بات یہ ہوتی ہے کہ کیا اُس کی حرکت اُس کے نصبُ العین کے مطابق ہے یا نہیں۔ ایک بڈھا گھوڑا بھی اگر اُسے تھان سے چھوڑ دیا جائے تو کچھ نہ کچھ حرکت ضرور کرے گا۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ گھوڑا ابھی کام کرنے کے قابل ہے جب گھوڑا اپنے اس مقصد کے مطابق دوڑتا ہو جس مقصد کے لئے کوئی گھوڑا رکھا جاتا ہے تب ہم کہیں گے کہ وہ ایک اچھا گھوڑا ہے۔ ورنہ ایک مریل گھوڑا بھی کچھ نہ کچھ دوڑ لیتا ہے۔ ایک ٹوٹی پھوٹی موٹر۔ ایک ٹوٹا پھوٹا انجن بھی اگر اُسے چلایا جائے تو کچھ نہ کچھ چل سکتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جس غرض کے لئے وہ موٹر خریدی گئی تھی اُسے وہ پورا کر رہی ہے یا جس مقصد کے لئے ایک انجن خریدا گیا تھا اُسے وہ پورا کر رہا ہے۔ بیمار بچے بھی آخر کچھ نہ کچھ

قدَ میں ترقی کر لیتے ہیں۔ بیمار درخت بھی کچھ نہ کچھ پھل پیدا کر دیتے ہیں۔ بیمار کھیتیاں بھی کچھ نہ کچھ غلّہ اُگا دیتی ہیں۔ کتنی ہی ردّی کھیتی کیوں نہ ہو اُس میں سے کچھ نہ کچھ گیہوں نکل آئے گا۔ کچھ نہ کچھ کپاس نکل آئے گی۔ کچھ نہ کچھ گنّے نکل آئیں گے۔ مگر اُس گیہوں یا اُس کپاس یا اُن گنّوں کو دیکھ کر ہم یہ تسلّی نہیں پاسکیں گے کہ ہماری گندم اچھی ہے یا ہماری کپاس اچھی ہے یا ہمارا گنّا اچھا ہے۔ یا ہمارا بچہ اچھا ہے۔ جب تک ان چیزوں کا نشو ونما اُس قانون قدرت کے مطابق نہیں ہوتا۔ جو خدا تعالیٰ نے اُن کے متعلق دنیا میں جاری کیا ہے اُس وقت تک ہم اُنہیں تندرست نہیں کہہ سکتے اور نہ اُن کے نشو ونما کو حقیقی نشو ونما کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہماری جماعت کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک نصبُ العین مقرر کیا ہے اور ہمارے ذمہ اس نے کچھ فرائض عائد کئے ہیں ہمیں دیکھنا چاہیے کہ آیا اپنے فرائض کے مطابق ہم نے ترقی کر لی ہے یا وہ نصبُ العین جس کے حصول کے لئے ہم کھڑے ہوئے تھے اُس نصبُ العین کے لئے جس قدر جدوجہد کی ضرورت تھی وہ ہم نے سرانجام دے دی ہے یا جو فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے ذمہ عائد کئے گئے تھے وہ فرائض ہم نے پورے کر لئے ہیں یا کم سے کم اس جماعت میں داخل ہوتے وقت ہم نے جو وعدے کئے تھے اُن وعدوں کا پاس کرتے ہوئے ہم نے وہ قربانیاں پیش کر دی ہیں جن قربانیوں کے بغیر وہ وعدے پورے نہیں ہو سکتے۔ اگر خدا اور اس کے رسول کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ابھی تک ہماری نگاہ بلند نہیں ہوئی، اگر خدا اور اُس کے رسول کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ابھی ہم نے قربانیاں نہیں کیں، اگر خدا اور اُس کے رسول کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہم نے اشاعتِ اِسلام اور اشاعتِ احمدیت کے لئے جدوجہد نہیں کی تو کم سے کم اِس جماعت میں داخل ہوتے وقت جو ہمارے اپنے ولولے اور اپنے ارادے تھے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ کیا اُن ولولوں اور اُن عزائم کے مطابق ہم نے اپنا قدم ترقی کے میدان میں بڑھا لیا ہے؟

بیعت کے وقت کی کیفیت

ہر بیعت کرنے والا جس دن بیعت کرتا ہے اگر وہ منافق نہیں ہوتا تو خواہ وہ ایمان کے لحاظ سے کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اُس کے دل میں نئے سے نئے ولولے پیدا ہونے لگ جاتے ہیں۔ اُس کے

دل میں گُدگُدیاں سی ہونے لگتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو ایک نئے عالَم میں محسوس کرتا ہے۔ جب وہ ایک مُردہ حالت سے نکل کر زندگی کے میدان میں اپنا قدم رکھتا ہے جب وہ ایک ذہنی موت سے چُھٹکارا پاتے ہوئے روحانی حیات کا مزہ چکھتا ہے جب اُس کا قلب نمایاں طور پر محسوس کرتا ہے کہ مجھے خدا نے ہلاکت سے نکال کر نجات کی طرف لے جانے کا فیصلہ کیا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ خدا نے مجھے اُس دنیا کو نجات دینے والے لوگوں میں ایک ناجی کی صورت میں کھڑا کر دیا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی کمزور ہو، کتنا ہی جاہل ہو، کتنا ہی اُمنگوں سے عاری ہو کچھ نہ کچھ گُدگُدیاں اُس کے دل میں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔ کچھ نہ کچھ اُمنگیں اُس کے قلب میں ضرور موجزن ہوتی ہیں اور اُس کی آنکھیں دُور فضا میں اپنی ہمت کے مطابق ایک نصبُ العین دیکھتی ہیں اور وہ خوش ہو کر کہتا ہے آج میں بھی ایک جماعت میں داخل ہو گیا ہوں۔ آج میں بھی اپنے ایثار اور اپنی قربانی اور اپنی جدوجہد سے ایسے نیک تغیرات پیدا کروں گا جو ہمیشہ کے لئے میرے لئے بقائے دوام کا باعث بنیں گے۔ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جو ایسے جذبات لئے بغیر جماعت احمدیہ میں داخل ہو۔ کیونکہ جماعت احمدیہ میں ہر شخص یہ سوچ کر اور سمجھ کر داخل ہوتا ہے کہ میں خدا کے لئے اپنے نفس پر ایک موت وارد کروں گا۔ میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے محض خدا کی رضا کے حصول کے لئے جُدائی اختیار کروں گا۔ یہ اُس کی زندگی کا ایک عظیم الشان واقعہ ہوتا ہے جو اُس کے نفس کی بنیادوں کو ہلا دیتا ہے اور اُس کے قلب پر ایک لرزہ طاری کر دیتا ہے جس طرح ایک درخت کو باغ میں سے نکال کر کہیں اَور لگایا جائے تو اُسے ایک دھکّا محسوس ہوتا ہے اِسی طرح جب کوئی شخص ایک سلسلہ سے کٹ کر دوسرے سلسلہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ بھی ایک نہایت ہی تزلزل پیدا کرنے والا واقعہ ہوتا ہے اور اُس وقت اُس کے خیالات اپنے سابق خیالات کی نسبت بہت کچھ بلند پروازی کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنی حالت کے مطابق۔ اپنی حیثیت کے مطابق۔ مگر بہرحال کچھ نہ کچھ ضرور ہر شخص جو سلسلہ میں داخل ہوتا ہے ہر شخص جو بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے وہ پہلے سے اونچا بہت اونچا اور بہت ہی اونچا اُڑنا شروع کر دیتا ہے اور اُس کی بلند پروازی اُس کی اپنی نگاہوں میں بھی عجیب ہوتی ہے۔

کانٹوں پر چلے بغیر ہم منزل مقصود کو حاصل نہیں کر سکتے

پس اگر ہم نے خدا اور اُس کے رسول کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ترقی نہیں کی تو ہمیں کم سے کم یہ غور کرنا چاہیے کہ اگر خدا کے فیصلہ کے مطابق ہم نے ترقی نہیں کی تو کیا وہ ارادے جو ہمارے دلوں میں پیدا ہوئے تھے، کیا وہ اُمنگیں جو ہمارے قلوب میں اُس وقت موجزن ہوئی تھیں جب ہم جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے تھے یا جماعت احمدیہ میں پیدا ہو کر جب ہم جوانی کو پہنچے تو جذبات کی تلاطم خیز موجوں نے ہمارے اندر جو تغیر پیدا کر دیا تھا جن کے نتیجہ میں ہم فضائے روحانی میں بلند پروازی کرنے لگ گئے تھے کیا اُن ارادوں اُن اُمنگوں اور اُن بلند پروازوں کے مطابق ہم نے ترقی کر لی ہے؟ اور اگر خدا کی اُمید کو ہم نے پورا نہیں کیا تو کیا ہم نے اپنے نفس کی اُن امیدوں کو پورا کر لیا ہے جو ہمارے دلوں میں پیدا ہوئی تھیں اگر اِس سوال کا جواب اثبات میں ہو تو کم سے کم ہم اپنے نفس میں تسلّی پا سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا نفس جس قدر بلند ہوا تھا ہم اُس حد تک جا پہنچے یا وہ منزل جو ہمارے دل نے مقرر کی تھی وہ منزل ہم نے طے کر لی۔ لیکن اگر ایسا نہیں، اگر ہم نے نہ خدا کی اُمیدوں کو ابھی تک پورا کیا ہے نہ اپنی ذاتی بلند پروازیوں کی انتہا کو ہم پہنچے ہیں تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم نے کیا کرنا تھا اور کیا کیا۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں دنیا کی نگاہوں میں ہمارے کام بے شک عجیب ہیں مگر یہ کام ہمارے اُن ارادوں اور اُن امنگوں کے پاسنگ بھی نہیں جو ہمارے دلوں میں پیدا ہوئے تھے اور نہ یہ کام اُن خوابوں سے کوئی دور کی بھی نسبت رکھتے ہیں جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے وقت ہم میں سے ہر شخص نے اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھیں۔ اِسی طرح ہمارے یہ کام اُن ارادوں کے بھی پاسنگ نہیں جو اِس سلسلہ میں پیدا ہونے کے بعد جوانی کے قریب پہنچ کر ہمارے قلوب میں موجزن ہوئے۔ ابھی ہماری خوابیں تعبیر طلب ہیں۔ ہمارے ارادے تشنۂ تکمیل ہیں۔ ہماری اُمنگیں گلدستۂ طاق نسیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور ابھی وہ جدوجہد متشکّل نہیں ہوئی جس میں جدوجہد کا ارادہ کر کے ہم دنیا میں کھڑے ہوئے تھے اور جس عزمِ صمیم کا اِس سلسلہ میں داخل ہوتے وقت ہم نے اظہار کیا تھا یا کم سے کم ہم سمجھتے تھے

کہ ہمارے دل میں ایک غیر معمولی عزم، غیر معمولی بلندی اور غیر معمولی علوِّ ہمتی پیدا ہو چکی ہے۔ دن گزرتے چلے جاتے ہیں اور جو وقت منزلِ مقصود تک پہنچنے کا ہمارے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ روز بروز چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہماری ذمہ داریاں پہلے سے بہت بڑھ گئی ہیں اور ہماری مشکلات بھی زیادہ سے زیادہ بڑھتی چلی جارہی ہیں کیونکہ جوں جوں ہماری جماعت مختلف جہات اور مختلف اطراف میں پھیل رہی ہے اور جُوں جُوں مختلف اقوام اور مختلف ممالک اور مختلف حکومتوں سے اُس کا تعلق بڑھ رہا ہے ہمارے دشمن بھی نئے سے نئے پیدا ہو رہے ہیں اور نئی سے نئی مشکلات ہیں جو ہمارے لئے رونما ہو رہی ہیں۔ ان حالات میں جس قسم کی قربانی، جس قسم کی فدائیت اور جس قسم کا ایثار ضروری ہے وہ ابھی ہم میں پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اِس کا پیدا کرنا ضروری ہے جلد یا بدیر ہمیں اِس راستہ پر چلنا پڑے گا۔ یہ وادی سخت پُرخار ہے مگر کانٹوں پر چلے بغیر ہم اپنی منزلِ مقصود کو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم جتنی جلدی اپنے اندر قربانی اور ایثار کی روح پیدا کریں گے ہم جتنی جلدی اپنے اندر فدائیت کا رنگ رونما کریں گے اُتنی ہی جلدی ہماری مشکلات دور ہونگی اور اُتنی ہی جلدی اسلام اور احمدیت کو ترقی حاصل ہوگی۔

اپنے دلوں اور فکروں میں تبدیلی پیدا کریں

پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے دلوں میں تبدیلی پیدا کریں، زیادہ سے زیادہ اپنے فکروں میں تبدیلی پیدا کریں، زیادہ سے زیادہ اپنے ارادوں میں تبدیلی پیدا کریں۔ اسی طرح اپنے اردگرد بیٹھنے والوں اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ارادوں اور اُن کے حوصلوں اور اُمنگوں میں بھی تبدیلی پیدا کریں بغیر اپنے حوصلوں کو بڑھانے اور اپنے ارادوں میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کرنے کے تم وہ کام ہرگز نہیں کر سکتے جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے۔ ایک کے بعد ایک کر کے وہ لوگ جو اس اسلامی عمارت کی بنیاد رکھنے والوں میں شامل تھے اس دنیا سے گزرتے چلے جارہے ہیں اور اُن کی جگہ وہ لوگ آرہے ہیں جنہوں نے ابتدائی زمانہ کی ایمانی لذت حاصل نہیں کی۔ وہ زمانہ جب کہ احمدیت کا نام لینے والا دنیا میں بہت کم، شاذ و نادر کے طور پر کوئی شخص نظر آتا تھا اور جبکہ قادیان میں، اُس قادیان میں جس میں خدا نے ہمیں بعد میں غیر معمولی

طاقت اور شوکت عطا فرمائی صرف چند افراد احمدی کہلانے والے تھے جو بسا اوقات اپنی کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف کو بھی انتہا درجہ کی بلا اور مصیبت سمجھتے تھے۔ مجھے یاد ہے میاں صدرالدین صاحب جو ابتداء میں گدھوں پر مٹی لاد کر بھرتی ڈالا کرتے تھے اور جنہوں نے بعد میں آٹے کی تجارت شروع کر دی اُن کے متعلق ایک دفعہ اطلاع ملی کہ وہ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ کسی مخالف نے کوئی شرارت کی۔ میں نے اُن کو بلایا اور چاہا کہ اگر یہ اطلاع درست ہو تو اُس شرارت کا تدارک کیا جائے۔ جب وہ آئے اور میں نے اُن سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اُنہوں نے سمجھا کہ شاید میں یہ سُن کر ڈر گیا ہوں کہ اب لوگ ہماری مخالفت کرنے لگ گئے ہیں اور اُنہوں نے بجائے میرے سوال کا جواب دینے کے مجھے تسلی دینی شروع کر دی اور کہنے لگے بے شک ایک شخص نے کچھ شرارت کی تھی مگر یہ مصیبت اُن مصیبتوں کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہے جو ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں برداشت کی ہیں۔ جب اُنہوں نے یہ بات کی تو قدرتی طور پر میری توجہ اِس طرف مبذول ہوئی کہ میں بھی سُنوں کہ وہ کیا مشکلات تھیں جو اُن کو پیش آئیں اور میں نے اُن سے کہا مجھے بھی اُس زمانہ کا کوئی واقعہ سنائیں۔ وہ کہنے لگے ایک دفعہ میں ڈھاب میں سے مٹی کھود رہا تھا کہ کسی نے مرزا نظام الدین صاحب کو جا کر اطلاع دے دی کہ ڈھاب میں سے مٹی کھودی جا رہی ہے۔ مرزا نظام الدین صاحب بڑے جوش کی حالت میں وہاں پہنچ گئے۔ میں نے اُنہیں دیکھا تو ایک زاویہ جو مٹی کھودنے کی وجہ سے ڈھاب میں بن چکا تھا اُس کے پیچھے چُھپ گیا اور میں نے کہا اے خدا! جیسے تیرے رسول پر غارِ ثور میں ایک مصیبت کا وقت آیا تھا وہی مصیبت کا وقت اب مجھ پر آ گیا ہے تُو میری حفاظت فرما اور مجھے اِس تکلیف سے نجات دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری ایسی حفاظت فرمائی کہ مرزا نظام الدین صاحب اندھے ہو گئے اُنہیں نظر ہی نہ آیا۔ وہ گالیاں دیتے ہوئے واپس چلے گئے اور میں خدا کا شکر کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔ اب دیکھو یہ کتنی چھوٹی سی چیز تھی جو اپنے زمانہ کے لحاظ سے اُنہیں بڑی نظر آئی اتنی بڑی کہ مرزا نظام الدین صاحب کے ایک دو تھپڑوں کو اُنہوں نے غارِ ثور کے واقعہ کے مشابہہ قرار دیا۔ مگر یہ حالت کیوں پیدا ہوئی؟ اس لئے کہ قادیان میں احمدیوں کی حیثیت اِتنی حقیر سمجھی جاتی تھی کہ ہر شخص

خواہ وہ کیسی ہی ادنیٰ حیثیت رکھنے والا ہو اُن کے کُچلے جانے اور دُنیا سے ان کے مٹائے جانے کے متعلق کامل یقین رکھتا تھا۔

مجھے یاد ہے احمدی اپنے گھروں کے لئے مٹی کھودتے تو لوگ اُن کے خلاف شور مچا دیتے حالانکہ وہ مٹی اپنی چھتوں کی لپائی کے لئے یا ایسی ہی اَور اغراض کے لئے کھودر ہے ہوتے تھے۔ مگر وہ مقام جہاں احمدیوں کو اپنے مکانوں کی چھتوں پر لپائی کرنے کے لئے بھی مٹی کھودنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی آج اُسی مقام اور اُسی جگہ پر وہ بلند و بالا اور عظیم الشان عمارتیں کھڑی ہیں جو احمدیت کے عظیم الشان کارہائے نمایاں پر دلالت کرتی ہیں اور لاکھوں لوگ اِس جماعت سے وابستہ ہیں۔

اب غور کرو کہ کُجا تو وہ حال تھا کہ قادیان میں صرف چند آدمی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے اور وہ بھی معمولی معمولی لوگوں کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے اور کُجا یہ حالت ہے کہ ہمارے کارناموں کو دیکھ دیکھ کر دشمن کا دل اک یقین اور وثوق سے زیادہ سے زیادہ لبریز ہوتا چلا جارہا ہے کہ یہ ایک طاقتور اور منظّم جماعت ہے۔ اور غیر ممالک میں بھی یہی احساس پایا جاتا ہے۔ ابھی چند دن ہوئے انگلستان کے ایک اخبار میں شائع ہؤا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ جماعت احمدیہ بہت بڑی مال دار جماعت ہے مگر اب ہمیں یہ نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ اصل میں اس جماعت کی ترقی روپیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس جماعت کے افراد کی قربانی کی وجہ سے ہے۔

جماعت کی تعداد کو اربوں تک پہنچایا جائے

گویا یورپ کے لوگ بھی ہمیں بہت بڑا مال دار سمجھتے تھے مگر یہ ہیبت اور یہ رُعب جو ہمیں آج حاصل ہے اُس زمانہ میں کہاں تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں موجود تھے۔ ہمارے متعلق دشمن کے اِس اندازہ میں خواہ کتنی بڑی غلطی ہو بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کچھ نہ کچھ کام کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل سے ضرور توفیق عطا فرمائی ہے جس سے دشمن بھی مرعوب نظر آتا ہے ورنہ بلا وجہ لوگ دوسروں کا رُعب قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر سوال یہ ہے کہ بے شک خدا نے ہمیں کچھ کام کرنے کی توفیق دی ہے اور بے شک دشمن بھی ہم سے مرعوب دکھائی دیتا ہے مگر

کیا جس کام کے لئے ہم کھڑے ہوئے تھے اُس کام کے ہم قریب پہنچ گئے ہیں؟

سالہا سال سے ہماری یہ حالت ہے کہ جب لوگ ہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہ تمہاری تعداد کتنی ہے؟ تو ہماری جماعت کے افراد یہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری جماعت کی تعداد دس لاکھ ہے۔ مگر سالہا سال گزر گئے دس لاکھ سے ہماری تعداد بڑھتی ہی نہیں اور ہمیں ہر سال یہی کہنا پڑتا ہے کہ ہماری تعداد دس لاکھ ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہم ترقی کر رہے ہیں اور ہمارے سلسلہ پر کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں کوئی نہ کوئی نیا آدمی ہم میں شامل نہ ہو مگر اِس کے باوجود یہ کہ ہماری تعداد دس لاکھ سے نہیں بڑھتی! اس کی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِردگرد تھے اُنہوں نے آپ کے کانوں میں یہ بات ڈالی کہ ہماری جماعت دس لاکھ ہے اور چونکہ آپ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے جماعت احمدیہ کی تعداد یقینی طور پر معلوم کی جاسکتی اور کام کرنے والوں میں سے بعض لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ ہماری جماعت کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ چکی ہے آپ نے بھی دس لاکھ تعداد لکھ دی اور جماعت کے دوستوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ ہم دس لاکھ تک پہنچ گئے ہیں۔ مگر اب سالہا سال گزر چکے ہیں اور پھر بھی ہماری تعداد دس لاکھ ہی ہے اس سے بڑھتی نہیں۔ کیونکہ جب دس لاکھ کا ہی کوئی ثبوت نہیں ملتا تو جماعت اس سے آگے کیا بڑھے۔ جس شخص سے یہ غلطی ہوئی تھی اُس کی وجہ سے ایک طرف تو جماعت مطمئن ہوگئی اور اُس نے سمجھ لیا کہ ہماری تعداد بہت کافی ہوگئی ہے ہمیں کسی خاص جدوجہد کی ضرورت نہیں اور دوسری طرف جماعت نے ترقی بھی کی تو چونکہ وہ دس لاکھ سے بہرحال کم تھی۔ لوگوں نے یہی سمجھا کہ جماعت پر ایک جمود کی حالت طاری ہے اور وہ کوئی ترقی نہیں کر رہی۔

گزشتہ جنگِ عظیم میں ملک فیروز خاں صاحب نون ولایت گئے تو اُنہوں نے ہندوستان کی قربانی کا نعرہ وہاں اس طرح لگایا کہ ہندوستان سے بیس لاکھ آدمی فوج میں بھرتی ہو چکا ہے حالانکہ اُس وقت تک بھرتی ابھی دس لاکھ تک بھی نہیں پہنچی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے جب بیس لاکھ فوج کی بھرتی کی خبر سُنی تو اُنہوں نے ان الفاظ کو خوب اُچھالا اور دنیا کے کونے کونے میں مشہور کیا گیا کہ ہندوستان کتنی بڑی قربانی کر رہا ہے اُس نے اپنا

بیس لاکھ آدمی فوج میں بھرتی کرا دیا ہے۔ مگر اِس کا کیا انجام ہؤا؟ انجام یہ ہؤا کہ باوجود اس کے کہ اس اعلان کے بعد بھی چار سال تک بھرتی جاری رہی پھر بھی بیس لاکھ تک تعداد نہ پہنچی۔

مجھ سے جب لوگ پوچھتے ہیں کے آپ کی جماعت کی ترقی کے متعلق کیا اندازہ ہے؟ تو میں اُنہیں یہی کہا کرتا ہوں کہ میرا اندازہ یہ ہے کہ پنجاب میں اڑھائی لاکھ احمدی ہیں۔ اور اگر باقی ہندوستان اور غیر ممالک کے احمدیوں کو ملا لیا جائے تو یہ تعداد تین ساڑھے تین لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ میں اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ ہماری تعداد دس لاکھ نہیں کُجا یہ کہ آج سے بیس یا چالیس سال پہلے دس لاکھ ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانہ سے اس زمانہ میں ہم نے بہت بڑی ترقی کی ہے اور بہت بڑی شوکت ہے جو ہماری جماعت کو حاصل ہوئی ہے مگر جب کہنے والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہماری جماعت کی تعداد دس لاکھ ہے تو وہ ترقی جو بعد میں حاصل ہوئی وہ لوگوں کو نظر نہ آئی کیونکہ اُن پر اثر تب ہوتا جب وہ سمجھتے کہ جماعت دس سے بیس لاکھ ہوگئی ہے یا بیس سے تیس لاکھ ہوگئی ہے۔ جب پہلے ہی دس لاکھ تعداد بتا دی گئی تو بعد میں جو ہزاروں ہزار افراد ہماری جماعت میں شامل ہوئے تھے وہ کسی شمار میں نہ آسکے اور لوگوں پر ہماری جماعت کی ترقی مشتبہ ہوگئی۔ اگر کہا جائے کہ یہ دس لاکھ تعداد اُن لوگوں کی تھی جو جماعت احمدیہ سے ہمدردی رکھتے تھے تو پھر دس لاکھ کی کیا شرط ہے میں کہتا ہوں ایسی ہمدردی رکھنے والے اُس زمانہ میں بیس لاکھ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن شخصیت اُس وقت موجود تھی اور لاکھوں لاکھ آپ سے دلی عقیدت اور اخلاص رکھتے تھے گو وہ جماعت احمدیہ میں شامل نہیں تھے۔ ایسے افراد دس نہیں بیس لاکھ بھی ہو سکتے ہیں مگر حقیقتاً اُس وقت ہماری جماعت کی تعداد اِتنی زیادہ نہیں تھی مگر ایک نفسی کمزوری کی وجہ سے بعض لوگوں نے اِس کو دس لاکھ بتا دیا اور بعض دفعہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یقین دلایا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری جماعت کی اتنی ہی تعداد ہے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ ہماری جماعت سالہا سال اسی خیال میں مگن رہی کہ ہم دس لاکھ تک پہنچ چکے ہیں اور اُس نے ترقی کی طرف اپنا قدم نہ اُٹھایا۔ آخر مَیں نے جماعت کو بار بار توجہ دلائی کہ وہ تبلیغ کرے اور اپنی

اِس سُستی اور غفلت کا ازالہ کرے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے توجہ دلانے پر جماعت تبلیغ کی طرف متوجہ ہوگئی اور ہماری جماعت پہلے سے کئی گُنا بڑھ گئی مگر اِس کوشش اور جدوجہد کے باوجود اب تک بھی ہم ہندوستان اور غیر ممالک میں دس لاکھ تک نہیں پہنچے۔ اگر ووٹوں کی تعداد کے لحاظ سے جماعت کی تعداد کا اندازہ لگایا جائے تو میں کہتا ہوں کہ ہماری جماعت ہندوستان میں چار لاکھ کے قریب ہے مگر اس کے باوجود ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں۔

نازک دور کے مطابق ذمہ داریاں نبھانے کی تلقین

ابھی تک ہماری جماعت کمزور اور بے انتہا کمزور ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اس کمزوری کو جلد سے جلد دور کریں اور لاکھوں سے کروڑوں اور کروڑوں سے اربوں تک اپنی جماعت کی تعداد کو پہنچائیں۔ اِس وقت ساری دنیا کی آبادی دو اڑھائی ارب ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سب کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے لائیں اور اُنہیں ایمان اور اسلام کی دولت سے مالا مال کریں اس کام کے لئے ضروری ہے کہ ہم جلد سے جلد اپنے آپ کو لاکھوں سے کروڑوں میں تبدیل کریں اور پھر کروڑوں سے اربوں تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ مگر لاکھوں سے کروڑوں تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے بہت بڑی جدوجہد بہت بڑی کوشش اور بہت بڑی قربانیوں اور ایثار کی ضرورت ہے۔

ہماری جماعت کی حالت اِس وقت ایسی ہے جیسے ایک تھکا ماندہ انسان شدید گرمی کے موسم میں جب کہ پیاس سے اُس کے ہونٹ خشک ہو رہے ہوں اور دو قدم چلنا بھی اُس پر گراں گزرتا ہو۔ اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہا ہو کہ راستہ میں ایک ٹیلہ آجائے جس پر چڑھنا اس کے لئے ضروری ہو۔ جس طرح وہ تھکا ماندہ انسان شدید گرمی اور شدتِ پیاس کی حالت میں ٹیلے پر چڑھتے وقت قدم قدم پر ہانپنے لگ جاتا ہے۔ گز گز بھر چل کر اُس کے قدم لڑکھڑانے لگ جاتے ہیں، وہ اُٹھتا ہے اور دو قدم چل کر سانس لینے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، پھر چلتا ہے اور بیٹھتا ہے اور ایک ایک قدم اُٹھانا اُسے سخت دشوار نظر آتا ہے بالکل ویسی ہی حالت اِس وقت ہماری جماعت کے بعض افراد کی ہو رہی ہے۔ ہماری منزلِ مقصود

ابھی بہت دور ہے، ہماری مشکلات دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں اور جُوں جُوں ہم اپنا قدم آگے بڑھاتے چلے جا رہے ہیں دشمن ہماری عظمت اور ہماری شوکت اور ہماری بڑھنے والی طاقت سے آگاہ ہو کر زیادہ سے زیادہ ہوشیار اور زیادہ سے زیادہ ہمارا مخالف ہوتا چلا جاتا ہے مگر ہماری جماعت کے افراد ہیں کہ وہ آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ دنیا میں دو طرح کی عظمت ہوتی ہے جو پیدا شُدہ ہوتی ہے۔ بسا اوقات پیدا کردہ عظمت بڑی نظر آتی ہے حالانکہ پیدا کردہ عظمت چھوٹی ہوتی ہے اور پیدا شدہ عظمت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک گڈریا جب اپنی بکریاں چرانے کے لئے جنگل میں جاتا اور اپنی لاٹھی سے پتے گرا گرا کر اپنی بکریوں کے آگے ڈالتا ہے تو اُس وقت جب کوئی شخص اُس بکریاں چرانے والے کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ کہتا ہے یہ کتنا مضبوط اور طاقتور نوجوان ہے۔ مگر جب اس گڈریا کے چھوٹے چھوٹے بچے جب اُس کی جھونپڑی میں رِیں رِیں کر رہے ہوتے ہیں اور کوئی شخص وہاں سے گزرتا ہے تو وہ اس کے نحیف وزار اور کمزور و ناتواں بچوں کو رِیں رِیں کرتے اور جھونپڑی میں ان کی خستہ حالی کو دیکھتے ہوئے کہہ اُٹھتا ہے۔ یہ کتنا غریب ہے، کیسا مسکین اور ناتواں ہے، رہنے کے لئے اِس کے پاس جھونپڑی کے سوا کچھ نہیں اور بچے ہیں کہ وہ سارا دن رِیں رِیں کرتے رہتے ہیں اور اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو اُنہیں کھلائے۔ وہ گڈریا کی بے کسی اور اسکے بچوں کی ناتوانی پر اپنے دل میں رحم کے جذبات اُبھرتے محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ تاریخ کے ورق اس بات پر شاہد ہیں کہ کئی گڈریوں کے بیٹے بادشاہ ہوئے اور اُنہوں نے بڑے بڑے مُلکوں کو تہہ و بالا کر دیا۔

نادر شاہ جو ایران سے اُٹھا اور ہندوستان پر حملہ آور ہوُا ایک گڈریے کا ہی بیٹا تھا۔ وہ گڈریے کا بیٹا ایک دن اِس شان کو پہنچا کہ اُس نے سابق تاجدارِ ایران کو قتل کر دیا اور خود تمام ایران پر قابض ہو گیا۔ اسی طرح چین میں مانچو خاندان جس نے صدیوں تک حکومت کی اُس کی ابتداء بھی اِسی طرح ہوئی۔ مانچو ایک گڈریے کا بیٹا تھا۔ جب وہ بچہ تھا اُس کے اندر اُس کی پیدا شدہ طاقت تھی اور جو طاقت اُس کے باپ کے اندر تھی وہ اُس کی پیدا کی ہوئی طاقت تھی۔ گویا باپ میں وہ طاقت تھی جو ظاہر ہو چکی تھی اور بچے میں وہ طاقت تھی جو ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ اگر اس بچہ کی وہ طاقت جو ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھی اگر اُس کا علم

چین کے بادشاہ کو ہو جاتا اور وہ ان آنے والے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا کہ اس گڈریے کا بیٹا اس کی حکومت کو چھین رہا ہے تو کیا تم سمجھتے ہو وہ اس بچے کو زندہ رہنے دیتا؟ وہ فوراً اُس کا گلا گھونٹ کر مروا دیتا اور بچہ وہیں ختم ہو کر رہ جاتا۔ یا اگر نادر شاہ کے متعلق ایران کے بادشاہ کو علم ہوتا کہ یہ کسی دن اُس کو قتل کر کے خود ایران پر قابض ہو جائے گا تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ نادر کو زندہ رہنے دیتا؟ وہ ایک سپاہی بھیج کر بڑی آسانی سے اُس کا گلا کٹوا سکتا تھا لیکن باوجود اِس کے کہ بچہ ایک زمانہ میں حکومت کو تہ و بالا کرنے والا تھا اور اُس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا پھر بھی اُس گڈریے کو مارنا آسان نہیں تھا جتنا آسان اُس بچے کو مارنا تھا حالانکہ باپ کی اپنے بچہ کے مقابلہ میں وہ حیثیت بھی نہیں تھی جو ایک مکھی کی ہاتھی کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ باپ مکھی کی حیثیت رکھتا تھا اور بیٹا ہاتھی کی حیثیت رکھتا تھا۔ باپ گڈریا تھا اور گڈریا رہ کر ہی مرجانے والا تھا مگر بچہ گو ایک گڈریے کا بچہ تھا مگر مقدر یوں تھا کہ وہ ایک دن ملک کا بادشاہ بن جائے۔ پس بیٹا ہاتھی بننے والا تھا اور باپ ایک مکھی کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر دوسری طرف مکھی کی حیثیت رکھنے والے باپ پر اگر بادشاہ حملہ کرتا تو ممکن تھا وہ جنگلوں میں بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو سکتا لیکن ہاتھی کی حیثیت رکھنے والے بچہ پر اگر اُس وقت کوئی شخص حملہ کر دیتا تو گو وہ ہاتھی کی حیثیت رکھتا تھا مگر اپنی جان کو اُس طرح نہ بچا سکتا جس طرح مکھی کی حیثیت رکھنے والا باپ اپنی جان کو بچا لیتا۔ کیا تم سمجھتے ہو اگر چین کے بادشاہ کو معلوم ہو جاتا کہ مانچو میرے خاندان کی بادشاہت ختم کرنے والا ہے اور ایک دو سال نہیں بلکہ کئی سَو سال تک یہ اور اس کا خاندان ہی چین پر حکمران رہے گا تو وہ اسے زندہ چھوڑ دیتا؟ باوجود اس کے کہ مستقبل میں وہ ہاتھی بننے والا تھا اُس وقت ایک مکھی کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا تھا اور بادشاہ بڑی آسانی سے اسے ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر چونکہ اسے علم نہ ہوا کہ اُس کے اندر کون سی عظمت مخفی ہے وہ اس کی مستقبل کی ترقی کو نہ دیکھ سکا۔

پس دشمن کا اس بات سے آگاہ ہو جانا کہ میرا مدمقابل ضرور کچھ بننے والا ہے خطرات کو بڑھا دیتا ہے اور ذمہ داریوں میں بہت اضافہ کر دیتا ہے۔ اِس وقت ہماری جماعت بھی ایک ایسے ہی دَور میں سے گزر رہی ہے کہ دشمنوں کی آنکھیں ہماری ترقی کو دیکھ کر حیران ہیں۔

وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہا ہے اور وہ بھی اس حقیقت کو اب بھانپ گیا ہے کہ یہ جماعت بڑھنے والی جماعت ہے۔ یہ جماعت ترقی کرنے والی جماعت ہے یہ جماعت دنیا پر چھا جانے والی جماعت ہے یہ احساس جو دشمن کے قلب میں پیدا ہو چکا ہے اور یہ بیداری جو اُس میں پائی جاتی ہے یہ پہلے زمانہ میں نہیں تھی۔ پہلے زمانہ میں اگر کوئی شخص ہماری جماعت کی مخالفت بھی کرتا تو وہ سمجھتا کہ یہ لوگ کیا چیز ہیں میں چٹکیوں میں اِن کو مسل دوں گا میں اُنگلیوں میں ان کو ریزہ ریزہ کر دوں گا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی کہہ دیا کہ میں نے ہی مرزا صاحب کو بڑھایا تھا اور میں ہی اُنہیں نیچے گراؤں گا۔[1] مگر آج جو شوکت اور طاقت ہمیں حاصل ہے اور جو عظمت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں عطا فرمائی ہے وہ ایسی نمایاں ہے کہ دشمن ہمیں کن اکھیوں سے دیکھنے لگ گیا ہے۔اس کی غیظ آلود اور ترچھی نگاہیں ہم پر پڑنی شروع ہوگئی ہیں اور اُس کے دل میں بھی یہ احساس پیدا ہونے لگ گیا ہے کہ یہ جماعت اب کچھ کر کے رہے گی اِس کو مٹانے کے لئے زیادہ قوتِ عمل اور زیادہ تنظیم اور زیادہ فکر سے کام لینا چاہیے۔ گویا ہماری پیدا شدہ طاقت کو اب خدا تعالیٰ ظاہر کر رہا ہے۔ دشمن پہلے سے بہت زیادہ ہوشیار ہو رہا ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نہایت ہی نازک دَور میں اپنے قدم پوری مضبوطی سے میدانِ عمل میں بڑھاتے چلے جائیں اور اس امر کی کوئی پرواہ نہ کریں کہ اس کا کیا انجام ہوگا۔آج خدا نے ہماری طاقتوں کو ہمارے دشمن پر ظاہر کر دیا ہے اس لئے پہلے سے بہت زیادہ ہوشیاری، بہت زیادہ قربانی اور بہت زیادہ بیداری کی ضرورت ہے۔

پہلے زمانہ میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا کہ:

> ''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خُدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا''۔[2]

تو دشمن نے ہنس کر کہا یہ پاگل ہوگیا ہے، اِس بے چارے کی عقل ماری گئی ہے، اس کے حواس ٹھکانے نہیں رہے، کیا بہکی بہکی باتیں ہیں جو یہ کر رہا ہے مگر آج باوجود اِس کے کہ

ہم میں وہ شخص موجود نہیں جس نے یہ کہا تھا:

''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خُدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا''۔

بلکہ اُس سے ادنیٰ اور مجھ جیسے کمزور شاگرد دنیا میں پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے قدم حوادث میں ڈگمگا جاتے ہیں پھر بھی خدا کی وہ آواز جو مرزا غلام احمد کی زبان سے بلند ہوئی تھی وہ اب زیادہ سے زیادہ دنیا میں گونج پیدا کرتی چلی جارہی ہے اور دشمن بھی محسوس کر رہا ہے کہ یہ الفاظ رائیگاں جانے والے نہیں۔ خدا تعالیٰ کے زور آور حملے بڑے زور سے ظاہر ہوئے اور اِس رنگ میں ظاہر ہوئے کہ ہماری حالت پر ہنسنے والا دشمن بھی مرعوب ہوتا چلا جارہا ہے۔ اُسے خدا کی آواز جو اِیک گمنام بستی سے بلند ہوئی تھی۔ دنیا کے کناروں تک پھیلتی ہوئی سُنائی دے رہی ہے۔ وہ پھٹی ہوئی آنکھوں اور اُترے ہوئے چہرہ کے ساتھ ہمیں دیکھ رہا ہے اور محسوس کر رہا ہے کہ یہ آواز اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتی ہے۔ مگر یہ نور اُسے کِن چہروں سے نظر آیا؟ اُن چہروں سے جو مرزا غلام احمد جیسی نورانیت اپنے اندر نہیں رکھتے، اُن لوگوں سے جو مرزا غلام احمد جیسی طاقت اپنے اندر نہیں رکھتے۔ پس آج کا دشمن پہلے دشمن سے بہت زیادہ ہوشیار ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ان حالات کو اپنے سامنے رکھ کر اُن کے مطابق اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔

غرض ہمارے کام کی نوعیت اِس کی اہمیت اور ہمارے راستہ میں پیش آنے والی مشکلات کی فراوانی اور زیادتی بلکہ بے انتہاء فراوانی اور زیادتی ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم بڑے غور اور فکر اور سنجیدگی کے ساتھ ان مسائل پر غور کریں اور ایک مخلص، دیانتدار اور قربانی و ایثار کی روح رکھنے والے انسان کی طرح ہم میں سے ہر شخص یہ فیصلہ کرے کہ سلسلہ کی اشاعت کے لئے اگر مجھے اپنی جان بھی قربان کرنا پڑے تو مجھے اِس کی قربانی سے دریغ نہیں ہوگا۔ ایسے دل اور ایسے عزم کے ساتھ ہماری جماعت کے افراد کو آگے بڑھنا چاہیے کیونکہ اِس کے بغیر ہم کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔''

(اخبار بدر قادیان ۱۵ تا ۲۲ دسمبر ۱۹۶۰ء)

بجٹ کے متعلق ہدایت

افتتاحی تقریر کے بعد حضور نے ۴ سب کمیٹیاں مقرر فرمائیں اور بجٹ کے متعلق فرمایا:-

''میں ایک بات بجٹ کے متعلق سب کمیٹی کے اجلاس سے پہلے ہی کہہ دینا چاہتا ہوں تاکہ وہ حصّہ کمیٹی کے لئے کسی تشویش کا موجب نہ بنے۔ بجٹ ممکن ہے دوستوں نے ابھی پورے طور پر نہ دیکھا ہو۔ مجھے خود یہ بجٹ آج گیارہ بجے ملا ہے۔ مگر پھر بھی جن دوستوں نے بجٹ کو سرسری طور پر بھی دیکھا ہوگا اُنہیں معلوم ہو چکا ہوگا کہ اس دفعہ کے بجٹ کی کیا حالت ہے۔ ایک رقم تو اس میں درج نہیں حالانکہ وہ رقم بجٹ میں ضرور شامل کرنی چاہیئے تھی یعنی وہ رقم جو حفاظتِ قادیان کے متعلق ہے۔ اس غرض کے لئے دو لاکھ روپیہ چندہ کی جماعت میں تحریک کی جا چکی ہے مگر یہ رقم بجٹ میں درج نہیں۔ بہرحال وہ رقم تو ہم نے ضرور پوری کرنی ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی یہ تجویز ہے کہ اس دفعہ -/۳۸۸۲۷۹ روپیہ چندہ خاص جمع کیا جائے۔ گویا حفاظتِ مرکز کی رقم کو شامل کر کے یہ روپیہ -/۵۸۸۲۷۹ ہوگیا۔ پھر انہوں نے آمد بذریعہ چندہ تعلیم الاسلام کالج کے ماتحت -/۱۴۶۳۱۳ کی رقم رکھی ہے۔ گویا سات لاکھ چونتیس ہزار پانچ سَو بانوے روپیہ علاوہ تحریکِ جدید اور دوسرے فرضی چندوں کے اس سال اکٹھا کرنا جماعت کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ اس لئے کُل آمد -/۱۶۹۳۹۴۲ تجویز کی گئی ہے۔ اگر اس میں سے چندۂ خاص -/۳۸۸۲۷۹ اور آمد بذریعہ چندہ تعلیم الاسلام کالج -/۱۴۶۳۱۳ جن کی مجموعی میزان -/۵۳۴۵۹۲ بنتی ہے، نکال دی جائے تو باقی -/۱۱۵۹۳۵۰ رہ جاتے ہیں۔ گویا اس سال جو زیادتی کی گئی ہے وہ علاوہ حفاظتِ قادیان کے چندہ کے پچاس فیصدی ہے۔''

اس موقع پر جناب ناظر صاحب بیت المال نے بتایا کہ مطبوعہ بجٹ کے صفحہ ۹ پر ایک لاکھ پچھتر ہزار روپے حفاظتِ مرکز و بہار ریلیف فنڈ کے عنوان کے ماتحت درج ہے اور یہ رقم بھی بجٹ میں شامل کر لی گئی ہے۔ حضور نے فرمایا:-

''تب بھی جو زیادتی کی گئی ہے وہ پچاس فیصدی ہے یعنی ہماری آمد -/۱۱۵۹۳۵۰ ہے اور ہمارا خرچ اس سال -/۱۶۹۳۹۴۲ ہوگا۔ اس کے لئے -/۳۸۸۲۷۹ روپیہ ہمیں ایک طرف اکٹھا کرنا پڑیگا اور دوسری طرف -/۱۴۶۳۱۳ روپیہ تعلیم الاسلام کالج کیلئے جمع

کرنا پڑیگا۔ یہ زائد چندہ جس کا اس سال جماعت پر بار پڑیگا۔/۵۳۴۵۹۲ روپیہ ہے۔ گویا پچاس فیصدی زیادتی اس سال کی گئی ہے اور پچاس فیصدی زیادتی کوئی معمولی زیادتی نہیں ہوتی اور نہ اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی معمولی جدوجہد کافی سمجھی جاسکتی ہے۔ میرے خیال میں اگر غور کیا جاتا تو ایک طرف بچت کی بہت سی صورتیں پیدا کی جاسکتی تھیں اور دوسری طرف آمد کی کئی صورتیں نکالی جاسکتی تھیں۔ بہرحال یہ کام تو بجٹ کمیٹی کا ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ ایسی تدابیر نکالے جن سے یہ زیادتی پوری ہوسکے۔ البتہ ایک چیز ہے جسے آسانی سے وہ بجٹ میں سے کاٹ سکتے ہیں اور اسطرح یہ بوجھ کسی قدر کم ہوسکتا ہے۔ انہوں نے خرچ کے ماتحت ریزروفنڈ میں دو لاکھ روپیہ رکھا ہوا ہے۔ ریزروفنڈ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ سلسلہ کے مفاد کے لئے اگر کسی جائیداد کا خریدنا ضروری ہو تو وہ اس روپیہ سے خرید لی جائے یا اسے کسی نفع بخش کام پر لگا دیا جائے تاکہ اس کی آمد سلسلہ کو مستقل طور پر حاصل ہوتی رہے مگر اس سال بجٹ میں ۔/۸۴۰۰۰ ہزار روپیہ کی ایک رقم بعض تجارتی کارخانوں میں حصہ لینے کیلئے رکھی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ریزروفنڈ کا ہی خرچ ہے کیونکہ سلسلہ کے پاس جب کوئی زائد رقم جمع ہو جاتی ہے تو اسے بعض اور کاموں میں لگا دیا جاتا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل ہوتا رہے۔ اسی طرح ۔/۴۲۵۰۰ روپیہ زمین کی خرید کیلئے رکھا گیا ہے۔ یہ بھی آمد پیدا کرنے والی چیز ہے۔ صرف بار نہیں جو جماعت پر پڑ رہا ہو کیونکہ وہ جائیداد جو اس روپیہ سے خریدی جائیگی آج سے دس سال بعد پانچ چھ لاکھ روپیہ کی ہو جائیگی۔ پس ۔/۸۴۰۰۰ ہزار روپیہ وہ اور ۔/۴۲۵۰۰ روپیہ یہ ایک لاکھ ۲۶ ہزار پانچ سَو روپیہ ہو گیا۔ اسی طرح مجوزہ غیر معمولی اخراجات میں چالیس ہزار روپیہ ریتی چھلّہ میں دکانیں بنانے کے لئے رکھا گیا ہے۔ اگر یہ روپیہ بھی شامل کرلیا جائے تو ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سَو روپیہ بن جاتا ہے اور ریزروفنڈ میں دو لاکھ روپیہ رکھا گیا ہے گویا ریزروفنڈ والی رقم کے قریب قریب یہ اخراجات ہیں اور چونکہ یہ روپیہ یا تو سلسلہ کے لئے بعض جائیدادیں خریدنے پر صرف ہوگا یا بعض تجارتی کمپنیوں میں اس سے حصہ لیا جائے گا۔ اور یہی ریزروفنڈ کی غرض ہوتی ہے، اس لئے میرے نزدیک اگر اس سال ریزروفنڈ کو اُڑا دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا کیونکہ بہرحال یہ دونوں چیزیں متوازی ہیں اور ان کو الگ الگ رکھنے کی کوئی

وجہ نہیں۔ دونوں ایک ہی غرض اور ایک ہی مقصد رکھتی ہیں اگر جائیدادیں وغیرہ خرید لی گئیں تو اس رنگ میں ریزروفنڈ قائم ہو جائیگا اور اگر نہ خریدی گئیں تو روپیہ بچ جائے گا۔ پس میرے نزدیک بڑی آسانی کے ساتھ اس سال ریزروفنڈ کو اڑایا جا سکتا ہے۔ لفظ بیشک قائم رہے مگر آگے یہ لکھ دیا جائے کہ اس سال ہم یہ روپیہ فلاں فلاں اغراض کیلئے خرچ کر رہے ہیں اس خرچ کو الگ دکھانے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح ہمارا بوجھ نسبتاً ہلکا ہو جائیگا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اس سال ۔/۵۳۴۵۹۲ روپیہ کا زائد بوجھ ہماری جماعت پر ہے اگر اس میں سے زمینوں اور دکانوں وغیرہ کا روپیہ اور ادائیگی حصص کارخانہ دی سندھ و ویجیٹیبل آئلز کا روپیہ جسکی مجموعی میزان ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سَو روپیہ بنتی ہے نکال دیا جائے تو باقی ۔/۳۶۸۰۹۲ روپے رہ جاتے ہیں جو اس سال ہماری جماعت کو علاوہ اور چندوں کے ادا کرنے پڑینگے اور چونکہ یہ بہت بڑا بوجھ ہے اس لئے ہمیں کوئی نہ کوئی ایسی تجویز کرنی پڑیگی جس سے یہ رقم پوری ہو جائے۔ سب کمیٹی اس بارہ میں اپنا نقطۂ نگاہ پیش کریگی۔ میں بھی غور کر رہا ہوں اور جب سب کمیٹی اپنی تجاویز پیش کریگی تو انشاء اللہ بعض تجاویز اس سلسلہ میں بیان کرونگا۔ میرے نزدیک بجٹ میں بعض کمیاں بھی ہوسکتی ہیں اور بعض اَور ذرائع آمد بھی ایسے ہوسکتے ہیں جن سے چندوں میں تخفیف ہو جائے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ بجٹ کمیٹی اس پر پورا غور کرے گی، اسی طرح دوسرے دوست بھی غور کرینگے تا ہمارا یہ سال ایسی شکل اختیار نہ کرلے جو ہماری آئندہ ترقی کے راستہ میں روک بن جائے اگر خدانخواستہ ایسا ہؤا تو ہماری تمام سکیمیں پراگندہ ہو جائینگی اور اُن کے پورا ہونے کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ دوست کل وقتِ مقررہ پر آجائینگے تاکہ کام کو جلد شروع کیا جاسکے۔ اب اسکے بعد اس وقت کا اجلاس برخاست کیا جاتا ہے۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں انشاء اللہ جمع ہونگی۔ ضیافت والوں کو چاہیئے کہ وہ دوستوں کو جلد کھانا کھلا دیں تاکہ سب کمیٹیاں آٹھ بجے اپنا اپنا کام شروع کرسکیں۔"

دوسرا دن

مجلس مشاورت کے دوسرے دن مؤرخہ ۵ /اپریل ۱۹۴۷ء کو پہلا اجلاس شروع ہؤا تو

حضور کے ارشاد پر ناظر صاحب اعلیٰ نے گزشتہ فیصلہ جات کی تعمیل جبکہ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے اضافہ بجٹ سے متعلق رپورٹ پیش کی۔ نیز پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے ردّشُدہ تجاویز پڑھ کر سنائیں۔اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’ناظر صاحب اعلیٰ نے گزشتہ شوریٰ کے فیصلہ جات کے متعلق جو رپورٹ سُنائی ہے اُس کا ایک حصہ نامکمل معلوم ہوتا ہے جس کے متعلق مَیں ہدایت دینا چاہتا ہوں۔ رپورٹ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس سال جو تجاویز مختلف صیغہ جات کی طرف سے مشاورت میں پیش ہونے کے لئے آئی تھیں اُن کے متعلق صدر انجمن احمدیہ نے بعد غور قابلِ منظوری تجاویز کو اپنے الفاظ میں ڈھال دیا تھا اور بعض کو ردّ کر کے واپس کر دیا تھا۔ میرے نزدیک جہاں تک محکموں کی تجاویز کا تعلق ہے اُن کو تو اپنے الفاظ میں ڈھال کر پیش کیا جاسکتا ہے لیکن جو تجاویز باہر سے موصول ہوں اُن کو اصل الفاظ میں ہی لکھنا چاہیے کیونکہ وہ لوگ صدر انجمن احمدیہ کا حصہ نہیں۔

نظارت امور عامہ کی طرف سے تُجار کمیٹی کے انعقاد کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس کے کاغذات مجھے بھجوائے گئے ہیں۔اگر وہ میرے سندھ کے سفر کے دوران بھجوائے گئے ہیں تو وہ فِی الحال بند ہونگے اور اگر اس سے پہلے بھجوائے گئے ہیں تو اِس قسم کا کوئی کاغذ میرے پاس نہیں آیا۔

وضو کے متعلق جو میری ہدایت تھی اُس کی تعمیل میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے وضو کے لئے مسجد مبارک کے سامنے نلکہ لگا دیا ہے لیکن مجھے اس نلکہ کے لگانے پر اعتراض ہے۔ وہ نلکہ ایسی جگہ لگایا گیا ہے جو کہ صدر انجمن کی زمین نہیں اور پھر وہ مالکوں سے پوچھے بغیر ہی لگا دیا گیا ہے۔شرعی طور پر اِس طرح بِن پوچھے کسی کی ملکیت میں دخل دینا منع ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ساری جائیداد دیدے تو یہ اُس کی مرضی ہے لیکن ان کی مرضی کے بغیر ایک پیسہ لینا بھی جائز نہیں اور پھر وہ نلکہ عین گلی کے وسط میں لگایا گیا ہے۔جس سے عورتوں کو گزرنے میں خاص طور پر بہت تکلیف ہوتی ہے۔نلکہ لگا کر نصف سے زیادہ گلی پاٹ دی گئی ہے۔وہ گلی ہماری مشترکہ ہے لیکن ہم میں سے کسی سے بھی پوچھا تک نہیں گیا اِس طرح بغیر پوچھے کسی کی ملکیت میں تصرف کرنا ناجائز ہے اور آئندہ ظلم و تعدّی کی بنیاد ڈالنا ہے۔

فیصلہ جات کی تعمیل میں یہ بتایا گیا ہے کہ میں نے ۹۶۰ روپے کی بجائے ۱۹۲۰ روپے کی جامعہ نصرت کے لئے منظوری دی لیکن بجٹ اس کے خلاف کہتا ہے۔ بجٹ صفحہ ۱۷ پر ۱۹۲۰ کی رقم نصرت گرلز کی مد میں دکھائی گئی ہے۔ میں نے یہ رقم جامعہ نصرت یعنی دینیات کی کلاسز کے لئے منظور کی تھی لیکن یہ رقم انگریزی حصہ پر خرچ کر دی گئی ہے۔ یہ خرچ میرے حکم کی تعمیل نہیں بلکہ میرے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔ میں نے جامعہ نصرت کے لئے اِس رقم کی منظوری دی تھی لیکن یہ رقم خرچ نصرت گرلز سکول پر ہوئی ہے۔

اخبار الفضل کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ میں نے اس کی قیمت بڑھانے کی اجازت دی تھی اور اس کے مطابق اب قیمت بڑھا دی گئی ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ اخبار کا حجم پہلے کی نسبت کم کر دیا گیا ہے اور قیمت بڑھا دی گئی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اِس کا حجم بھی بڑھایا جائے لیکن آدھے حصہ کی تعمیل کی گئی ہے اور آدھے حصہ کی تعمیل نہیں کی گئی۔ پچھلے دنوں تو الفضل صرف دو دو صفحے کا نکلتا رہا ہے اور عام حالات میں بھی اس کا حجم دوسرے اخباروں سے کم ہے۔ نوائے وقت اور انقلاب ان دونوں کے صفحات الفضل سے ڈبل ہیں۔ الفضل آٹھ صفحے کا چھپتا ہے اور وہ بارہ بارہ سولہ سولہ صفحے کے چھپتے ہیں۔ الفضل کی مشکلات کی وجہ یہی ہے کہ اِس نے وقت پر کوٹا منظور نہیں کرایا اور اب اِس کی سزا سلسلہ کو دی جارہی ہے۔ باہر کے اخباروں کی خریداری بڑھنے کے باوجود اُنہیں کاغذ کی دقّت پیش نہیں آتی۔ دہلی کے بعض اخبار جو باوجود اپنی خریداری کے بڑھ جانے کے اپنا کاغذ دوسروں کے پاس فروخت کرتے رہتے ہیں لیکن الفضل نے وقت پر اپنا کوٹہ بہت کم منظور کرایا اور اپنی آئندہ کی خریداری کو مدنظر نہ رکھا اور اب وہ اِس سے زیادہ شائع نہیں کر سکتے۔ انجمن کو آئندہ ایسے نقائص دور کرنے چاہئیں۔

واقفین اور گزارہ الاؤنس

مبلّغین اور جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل طلباء کے متعلق گریڈوں کا جو سوال اُٹھا ہے اِس کی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ صدر انجمن نے اِس سے پہلے واقفین کے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ آج سے دس سال پہلے میں نے صدر انجمن کے سامنے یہ سکیم رکھی تھی کہ صدر انجمن احمدیہ میں واقفین لئے جائیں لیکن صدر انجمن نے اس وقت کہا کہ ہمیں واقفین کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا تھا

کہ ہم تحریک جدید کے لئے واقفین لیتے ہیں تُم بھی صدر انجمن کے لئے واقفین لینا شروع کردو۔ اُس وقت صدر انجمن احمدیہ نے میری بات کی طرف توجہ نہ کی نتیجہ یہ ہؤا کہ آج صدر انجمن اس کا خمیازہ بھگت رہی ہے اور صدر انجمن میں کارکنوں کی اکثر کمی رہتی ہے۔ نہ ناظر ملتے ہیں نہ نائب ناظر ملتے ہیں صدر انجمن کے کام کو چلانے کے لئے میں نے تحریک جدید سے سات آٹھ آدمی دیئے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۳۸ء میں مَیں نے یہ تجویز پیش کی تھی لیکن بجٹ کمیٹی نے کہہ دیا کہ ہمیں ضرورت نہیں لیکن اب سخت پریشانی کا سامنا ہو رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مہنگائی بہت زیادہ ہے لیکن معقول تنخواہوں کے باوجود مطالبات پیش کرتے جانا بتلاتا ہے کہ مبلّغین میں دنیا طلبی کی روح کام کر رہی ہے۔ بعض دفعہ مطالبات ایسا رنگ اختیار کر جاتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً پٹواریوں نے گورنمنٹ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہمیں سَو روپیہ ماہوار تنخواہ دی جائے۔ گورنمنٹ نے غور وخوض کے بعد جو نتیجہ نکالا وہ یہ ہے کہ اگر اِس مطالبہ کو منظور کیا جائے تو گورنمنٹ کا نصف بجٹ پٹواریوں پر ہی خرچ ہو جائے گا اِس لئے گورنمنٹ اُن کو سَو روپیہ ماہوار تنخواہ نہیں دے سکتی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اِس میں ایک حد تک گورنمنٹ کا بھی قصور ہے کہ اُس نے پٹواری کے کام کے لئے میٹرک پاس ہونا ضروری کر دیا حالانکہ اِس کی ضرورت نہ تھی۔ اِس سے پیشتر اکثر پرائمری پاس اور مڈل پاس پٹواری اِس کام کو کرتے تھے لیکن چونکہ گورنمنٹ نے معیار بلند کر دیا اِس لئے اُسے یہ مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ کیونکہ میٹرک والوں میں اپنی زیادتیٔ تعلیم کا بھی احساس ہوتا ہے اور وہ زیادہ تنخواہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بہرحال ہمارے کاموں میں سے سب سے زیادہ اہم فرض تبلیغ ہے اور اس کے لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ مبلّغین کی ضرورت ہے۔ اگر ہم بہت بڑے گریڈز مقرر کر دیں تو ہم اس کام کو زیادہ وسیع نہیں کر سکتے۔ مبلّغین کے مقابلہ میں ہمیں مدرّسین کی بہت کم ضرورت پیش آتی ہے۔ اِس وقت ہمارے پاس کُل پچاس ساٹھ مدرّس کام کر رہے ہیں۔ اِسی طرح ہمیں کلرکوں کی بھی کم ضرورت پیش آتی ہے سب سے زیادہ ضرورت ہمیں مبلّغین کی پیش آتی ہے۔ اِس لئے ہم بہت بڑے گریڈ مقرر کر کے اس کام کو وسیع نہیں کر سکتے۔ تحریک جدید میں جتنے مبلّغین ہیں سب کے سب واقفین ہیں اور تبلیغ کا کام ہی ایسا ہے کہ اس میں تنخواہ کا سوال ہی

نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے لئے یہ شرائط پیش کرنا کہ اتنا گریڈ دیں گے تو کام کریں گے اگر نہیں دیں گے تو کام نہیں کریں گے یہ تبلیغ کے کام کی ہتک ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تبلیغ تنخواہ سے ہو ہی نہیں سکتی بلکہ تبلیغ تو ایک تڑپ اور دیوانگی کو چاہتی ہے اور جس شخص میں یہ چیزیں ہوں اُس کے لئے گریڈ کا سوال ہی نہیں وہ تو ہر حالت میں کام کرتا چلا جائے گا اور جو کچھ اُسے ملے گا وہ اُسے ایک انعام سمجھے گا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں ۵۶ سالوں میں ہی گریڈوں کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن پادریوں میں جن کے مذہب پر اُنیس سَو سال گزر چکے ہیں ابھی تک گریڈوں کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ لوگ شرک میں مبتلا ہیں۔ دین سے کوسوں دُور ہیں اور ظلم و تعدّی اور لوگوں کے مالوں کو لُوٹنا جائز سمجھتے ہیں اور اُن کا مذہب خالص دنیاداری بن گیا ہے لیکن اِس کے باوجود وہ اپنے اخراجات پیش نہیں کرتے۔ جو مرض عیسائیوں میں اُنیس سَو سال تک نہیں آیا وہ ہماری جماعت میں ۵۶ سال میں آ گیا گویا تبلیغ بھی ایک تجارتی کام ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ !

پس یہ طریق مجھے سخت ناپسند ہے ہم تو آئندہ بھی کہیں گے کہ نام پیش کرو اور قربانی کر کے تبلیغ کرو یہ اور بات ہے کہ ہم کسی کے اخراجات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے گزارہ کے لئے کوئی رقم مقرر کر دیں لیکن اس سے ہم کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔ تحریک جدید میں بہت اچھی اچھی لیاقت کے آدمی موجود ہیں۔ سب کو اُن کے گزارہ کے مطابق الاؤنس دیتے ہیں۔ بعض افسر ہیں اور ستّر روپے لے رہے ہیں اور ایک ماتحت سَو یا ایک سَو پچیس روپے لے رہا ہے۔ کیونکہ افسر کا گزارہ ستر روپے میں ہو جاتا ہے اور ماتحت زیادہ عیال دار ہے اس لئے اُسے ہم سَو روپیہ دے دیتے ہیں۔ ہم نے اُن کو کھانے کے لئے دینا ہے جمع کرنے کے لئے نہیں دینا اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنی آمد کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔ آج ہمارے پاس اِتنی آمد ہے کہ ہم اُنہیں ساٹھ یا ستّر روپے دے سکتے ہیں کل اگر خدانخواستہ ہماری آمد کم ہو جائے تو ہم اُنہیں بھی کم گزارے دینا شروع کر دیں گے کیونکہ اُن سے ہمارا کوئی معاہدہ نہیں۔ پس انجمن کو چاہیے کہ اپنے تبلیغی کاموں کو چلانے کے لئے وہ آئندہ واقفین لیا کرے اور جو لوگ مقررہ گریڈوں پر ہی کام کرنا چاہیں اُن کو جلد سے جلد فارغ کر دے۔ تبلیغ میں گریڈوں کا رکھنا سلسلہ کی جڑ پر تبر رکھنا ہے اور اِس طریق کو جلد سے جلد

دور کرنا چاہیے۔ ذرا غور تو کرو یہ کتنا بھیانک نظارہ ہوسکتا ہے کہ کسی دن مبلّغین اِس وجہ سے سٹرائیک کردیں کہ اُن کے گریڈ بڑھائے جائیں۔ مَیں تو اِس کے تصور سے ہی کانپ جاتا ہوں پس اِس قسم کے مقدس کام کے لئے گریڈوں کا سوال قطعاً نہیں ہونا چاہیے۔

کثرتِ ازدواج کی اہمیت

شادی بیاہ کے متعلق ایک تجویز نظارت امور عامہ کی طرف سے پیش کی گئی تھی جسے ردّ کردیا گیا ہے مگر میرے نزدیک یہ تجویز قابلِ توجہ ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں یہ مرض ترقی کرتا جارہا ہے۔ ایک طرف تو ہم زور دیتے ہیں کہ ایک سے زیادہ شادیوں کی اسلام نے اجازت دی ہے اور بعض اوقات ایک سے زائد شادیاں تقویٰ کے قیام کے لئے ضروری ہوتی ہیں لیکن اب یہ صورت ہے کہ ایک شخص کی بیوی فوت ہوجاتی ہے اور اُس کے تقویٰ کے لئے بھی اور جماعتی ترقی کے لئے بھی اُس کا دوسری شادی کرنا لازمی ہوتا ہے لیکن جب رشتہ کی تحریک کی جاتی ہے تو جواب آتا ہے کہ اس کے بچے ہیں۔ بتاؤ اب وہ بچوں کو کہاں پھینک دے۔ آخر بچے تو اُس کے پاس ہی رہیں گے اور کہاں جائیں گے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ باوجود عقل مند اور سمجھ دار ہونے کے لوگ یہی عُذر پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر اُن کی یہی حالت ہوجائے تو وہ کیا کریں گے؟ اگر جماعت میں یہ احساس زیادہ دیر تک اِسی طرح قائم رہا تو جماعت کے لئے یہ احساس بہت مُضِر ثابت ہوگا۔ اِسی طرح بعض لوگوں کو بوجہ پہلی بیوی کے بیمار ہوجانے کے دوسری بیوی کی ضرورت ہوتی ہے اور مرد اِس قابل ہوتا ہے کہ وہ اولاد پیدا کرسکے لیکن ایسے آدمی کے لئے رشتہ کی بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ ہر طرف سے یہی جواب آتا ہے کہ اس کی پہلی بیوی موجود ہے حالانکہ یہ تو حقیقی ضرورت ہے۔ بعض اوقات قوموں کو اقلیت سے اکثریت میں تبدیل کرنے کے لئے بھی کثرتِ ازدواج پر زور دینا پڑتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو آج یہ مصیبت لاحق نہ ہوتی اگر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِس فرمان پر عمل کرتے کہ تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ[۳] بچے پیدا کرنے والی اور محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو۔ اگر مسلمان اس پر عمل کرتے تو آج ہندوستان میں ان کی اکثریت ہوتی۔ اگر ہماری جماعت ہی اِس پر عمل کرتی تو آج ہندوستان میں اِن کی اکثریت ہوتی۔ میں نے بہار والوں کو علاوہ اَور

علاجوں کے ایک علاج یہ بھی بتایا تھا کہ کثرت کے ساتھ شادیاں کرو۔ مگر باوجود اس کے کہ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی، عورتوں کے پستان کاٹے گئے، اُن کی شرم گاہوں میں نیزے مارے گئے پھر بھی وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم مغربیت نہیں چھوڑیں گے ہم کثرت ازدواج پر عمل نہ خود کریں گے اور نہ کسی دوسرے کو عمل کرنے دیں گے۔ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ جو شخص خود اندھا ہے وہ دوسرے شخص کو کس طرح رستہ دکھا سکتا ہے۔ مغرب والے تو اندھے ہی ہیں ہم کیوں اندھے بن جائیں۔ ہمارے لئے تو اسلام نے ضرورت کے موقع پر کثرتِ ازدواج پر زور دیا ہے کُجا یہ کہ ایک شخص کی بیوی مر جائے اور اُسے رشتہ نہ دیا جائے۔

رشتہ ناطہ کے بارہ میں ضروری ہدایات

میں نے دیکھا ہے لوگ رشتہ کے معاملہ میں مالی حالت پر زیادہ نظر رکھتے ہیں اور بعض دفعہ ایسا گندہ رشتہ ملتا ہے کہ عمر بھر کی مصیبت گلے پڑ جاتی ہے۔ بعض لوگوں کی نظریں چونکہ بہت زیادہ بلند ہوتی ہیں اس لئے ان کو اپنی منشاء کے مطابق رشتہ نہیں ملتا اور لڑکیوں کی عمریں چالیس سال سے بھی تجاوز کر جاتی ہیں۔ یہ حالات بہت پریشان کُن ہیں۔ ان کے ازالہ کی جلد فکر کرنی چاہیے۔ میرے نزدیک شادیوں کے معاملہ میں بہت زیادہ چھان بین ٹھیک نہیں ہوتی اور لڑکیوں کو زیادہ عرصہ تک گھر بٹھائے رکھنا مناسب نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے قانون کو تم بدل نہیں سکتے۔ انسان کو ایک حد تک چھان بین کرنی چاہیے۔ اس کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ بعض لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ میں تین چار سَو روپیہ لے رہا ہوں اور لڑکا بھی تین چار سَو روپیہ ماہوار لینے والا ہونا چاہیے اور کم از کم وہ بھی میری پوزیشن کا ہونا چاہیے۔ وہ یہ بُھول جاتے ہیں کہ وہ چار سَو روپیہ ۳۵ سال کی ملازمت کے بعد لے رہے ہیں۔ جب وہ لڑکا اُن کی عمر کو پہنچے گا تو وہ بھی تین چار سَو روپیہ لینے والا ہو جائے گا اور اگر چار سَو روپیہ ہی سٹینڈرڈ مقرر کر دیا جائے تو پھر سوائے آئی۔ سی۔ ایس۔ کے باقی نوجوان شادی کے قابل ہی نہ رہیں یہ باتیں ایسی نامعقول ہیں کہ مجھے حیرت آتی ہے کہ ان لوگوں کے دماغ کہاں گئے ہیں۔ اس قسم کی سب باتیں میرے نزدیک لغو اور فضول ہیں۔ پھر بعض لوگ اس سے بھی تجاوز کر کے شرائط مقرر کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ کپڑا اِتنا ہو،

اِس قسم کا ہو، زیور اِتنا ہو، میں اِس بے حیائی کو دیر سے روکتا آرہا ہوں لیکن جماعت میں برابر یہ شرائط چلتی آرہی ہیں۔ ان شرائط سے تنگ آکر میں یہ اعلان کرچکا ہوں کہ میں کوئی ایسا نکاح نہیں پڑھوں گا جس میں شرائط لگائی گئی ہوں۔ اگر باقی جماعت میں بھی یہ احساس پیدا ہوجائے تو یہ بدرسوم بہت جلد دور ہوجائیں۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہوجائے کہ لڑکے والوں نے یا لڑکی والوں نے کوئی مطالبہ کیا ہے تو تم کہہ دو کہ ہم نکاح میں شامل نہیں ہونگے۔ مجھے افسوس ہے کہ جماعت نے میری طرف دیکھ کر بھی ان رسوم کو دور کرنے کے لئے پوری کوشش نہیں کی۔

یاد رکھو جب تک تم اِن رسوم کو دور نہیں کرتے اُس وقت تک تمہاری شادیوں میں محبت کی روح پیدا نہیں ہوسکتی اور اُس وقت تک تم دنیا کے سامنے نیک نمونہ پیش نہیں کرسکتے۔ اگر لڑکی والے لڑکے والوں کو مجبور کرتے ہیں کہ دس ہزار مہر ہو، بُندے اور گلے کا ہار ضرور ہو اور اتنے جوڑے کپڑے ضرور ہوں تو میرے نزدیک وہ سَودا کرتے ہیں گویا وہ ایک گھوڑا یا گائے ہے جس کا سَودا کیا جارہا ہے اور جب سَودا ہوجائے تو خریدنے والے کو حق ہوتا ہے کہ جیسا چاہے اس سے سلوک کرے۔ جو شخص بکرے کا سَودا کرتا ہے اُسے بکرا ذبح کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ گویا اس قسم کے سَودے کرکے تم ظلم و تعدّی کو روا رکھتے ہو۔ پھر بعض علاقوں میں لڑکی والوں سے پوچھا جاتا ہے کہ ساتھ کیا دوگے اور بعض خاوند بھی ایسے گر جاتے ہیں کہ وہ بیوی سے کہہ دیتے ہیں کہ تُو لائی کیا تھی؟ گویا ان کے نزدیک کپڑا اور زیور انسان سے زیادہ قیمتی ہیں۔ جو مرد اس قسم کے مطالبات کرتے ہیں وہ بے حیائی اور بے شرمی کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو عورتیں ناجائز مطالبات منواتی ہیں وہ بھی بے حیائی کی مرتکب ہوئی ہیں۔ ہماری جماعت کو اس قسم کے گندوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنی شادیوں کی بنیادیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام پر رکھنی چاہئیں اور سادگی اور محبت کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اگر کسی جگہ اس قسم کے مطالبات پیش ہوں تو جماعت کے مخلصین کا فرض ہے کہ وہ اس شادی میں شامل نہ ہوں۔ خواہ ان کے بھائی یا بہن کی ہی شادی کیوں نہ ہو۔ اگر پختہ ایمانوں والے لوگ اس قسم کا اظہارِ نفرت کریں تو باقی لوگ بھی بچنے کی کوشش کریں گے۔ موجودہ شادیوں میں یہ مرض

عام نظر آتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نے اس طرح کیا تھا ہم کیوں نہ کریں اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر اس نے گناہ کیا تو کیا تمہارے لئے وہ گناہ کرنا جائز ہو گیا ہے۔ یہ شادی بیاہ کے معاملات ایسے ہیں کہ ذرا سی غفلت سے قومیں کہیں کی کہیں جا پہنچتی ہیں اس لئے ان میں کسی قسم کا غیر شرعی طریق جاری نہیں رکھا جاسکتا۔

رپورٹ سب کمیٹی بیت المال نمبر ۲

محترم عبدالباری صاحب سیکرٹری سب کمیٹی بیت المال نمبر ۲ کی طرف سے رپورٹ پیش ہونے پر حضور نے فرمایا:۔

''دوستوں نے سب کمیٹی کی رپورٹ سن لی ہے۔ناظر صاحب بیت المال کی طرف سے زمینداروں کے تشخیص بجٹ کے لئے یہ تجویز تھی کہ ہر زمیندار کی تین سال کی اصل آمد سال وار معیّن کر کے اوسط بشرح ۱/۳ انکالی جائے اور اس اوسط پر چندہ لگایا جائے۔خواہ کسی سال میں اس اوسط سے زمیندار کی آمد بڑھ جائے یا گھٹ جائے۔یہ تین سال ہر سال پہلے سال کے اخراج اور اگلے سال کے ادخال سے بدلتے رہیں گے لیکن سب کمیٹی نے کہا ہے کہ یہ کام مشکل اور پیچیدہ ہے۔ ہر جماعت میں ایسے آدمی نہیں مل سکتے جو بخوبی یہ کام کر سکیں اور پھر فارم کی خانہ پُری تو اُن کے لئے اَور بھی مشکل ہوگی پھر بعض جماعتیں ایسی ہوتی ہیں جہاں پڑھے لکھے نہیں ہوتے اِس لئے ناظر صاحب بیت المال کی تجویز پر عمل کرنا مشکل ہے۔اس کی بجائے سب کمیٹی نے یہ تجویز دی ہے کہ بجٹ کے اندازہ کے لئے گزشتہ سال کی اصل آمد لی جائے لیکن وصولی اسی سال کی اصل آمد کے مطابق ہو جس میں وہ آمد ہوئی ہے۔فرض کرو پچھلے سال کسی کو دوسَو روپے کی آمد ہوئی ہے تو تشخیص بجٹ کے وقت ہم دوسَو کا اندازہ لگائیں گے لیکن وصولی ہم اُس کی اصل آمد کے لحاظ سے کریں گے۔ جو دوست اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہوں وہ اپنے نام لکھوا دیں۔''

حضور کے اس ارشاد پر چند ممبران نے اپنے نام لکھوائے۔ جب دوست اپنی اپنی رائے کا اظہار کر چکے تو حضور کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

''سب کمیٹی نمبر ۲ نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ بجٹ کے اندازہ کے لئے گزشتہ سال کی آمد مدنظر رکھی جائے اور وصولی اور تشخیص اسی سال کی اصل آمد کے مطابق ہو۔جس میں وہ

آمد ہوئی۔ اب میں سب کمیٹی نمبر۲ کی تجویز کے متعلق رائے لیتا ہوں۔ جو دوست اس بات کے حق میں ہوں کہ بجٹ کے اندازہ کے لئے گزشتہ سال کی آمد لی جائے اور تشخیص اور وصولی اس سال کی اصل آمد کے مطابق ہو جس میں وہ آمد ہوئی۔ وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اس پر ۳۰۵ دوست سب کمیٹی نمبر۲ کی تجویز کے حق میں کھڑے ہوئے ایک ووٹ مخالف تھا۔

حضور نے فرمایا:۔

فیصلہ ''میں کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں'' کہ بجٹ کے اندازہ کے لئے گزشتہ سال کی آمد لی جائے لیکن تشخیص اور وصولی اُسی سال کی اصل آمد کے مطابق ہو جس میں وہ آمد ہوئی''۔

''دوسری تجویز یہ تھی کہ تاجروں اور صناعوں اور پیشہ وروں کی آمدنی کے تعیّن کے لئے ہر بڑے شہر میں (جس کا فیصلہ نظارت بیت المال کے اختیار میں ہوگا)۔ حسبِ ہدایت ناظر بیت المال ایک بورڈ مقرر ہوا کرے جس کا ایک ممبر نظارت بیت المال کا مقرر کردہ نمائندہ ہوگا اور وہی اس بورڈ کا صدر ہوگا اور باقی دو ممبر مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کے نامزد کردہ ہونگے۔ اس بورڈ کے سامنے چندے کی تعیین کے لئے تمام وہ کیس پیش ہونگے جو نظارت بیت المال اُس بورڈ کے سامنے پیش کرنا چاہے اور پھر اُس بورڈ کے اتفاق رائے کے فیصلے فریقین کے لئے واجبُ التعمیل ہوں گے۔ مگر وہ فیصلے جو کثرتِ رائے سے کئے جائیں گے اُس میں ہر فریق کو جو اُس فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہے ناظر بیت المال کے سامنے اپیل کرنے کا حق ہوگا''۔

حضور نے فرمایا:۔

''سب کمیٹی نمبر۲ نے اس ترمیم کے ساتھ اس تجویز کو پیش کرنا منظور کیا ہے کہ ''تاجروں اور صنّاعوں اور پیشہ وَروں کی آمد کی تعیین کے لئے جہاں ناظر صاحب بیت المال مناسب سمجھیں بورڈ مقرر کریں جس کا ایک ممبر نظارت بیتُ المال کا مقرر کردہ ہو اور باقی دو ممبران مقامی جماعت کی طرف سے منتخب شُدہ ہوں (مقامی جماعت کے متعلق حضور نے سیکرٹری صاحب سب کمیٹی نمبر۲ سے دریافت فرمایا کہ مقامی جماعت سے مراد ساری مقامی جماعت ہے یا صرف تاجروں اور صنّاعوں کی جماعت؟ سیکرٹری صاحب نے

جواب دیا کہ ساری مقامی جماعت مراد ہے۔)

اِس بورڈ کا حق ہوگا کہ اپنے ممبران میں سے جس کو چاہے صدر مقرر کرے اور اُس کے سامنے چندہ کی تعیین کے لئے تمام وہ کیس پیش ہُوا کریں گے جو نظارت بیت المال اُس سال بورڈ کے سامنے پیش کرنا چاہے اور پھر اُس بورڈ کے اتفاق رائے کے فیصلے فریقین کے لئے واجبُ التعمیل ہوں گے مگر وہ فیصلے جو کثرتِ رائے سے کئے جائیں گے اُس میں ہر فریق کو جو اُس فیصلہ کی خلاف ورزی کرے گا، اپیل کرنے کا حق ہوگا۔''

حضور نے ''خلاف ورزی'' کے الفاظ کے متعلق فرمایا:-

''اس سے سیکرٹری صاحب کی مراد یہ ہے کہ جو شخص اُس فیصلہ سے اختلاف رکھتا ہوگا اُسے اپیل کا حق ہوگا۔ چونکہ سیکرٹری صاحب ناتجربہ کار ہیں اس لئے اُنہوں نے یہ الفاظ غلطی سے لکھ دیئے ہیں جو صدر انجمن احمدیہ کے مقرر کردہ کسی فرد یا افراد ماسِوا ناظر صاحب بیت المال کے سامنے سماعت ہوگی۔

جو دوست اِس کے متعلق خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہوں وہ اپنا نام لکھوادیں۔''

اِس پر ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم امیر جماعت احمدیہ گجرات نے ایک ترمیم پیش کی۔حضور نے فرمایا:-

''ملک عبدالرحمٰن صاحب نے ایک ترمیم پیش کی ہے،اس کو بھی دوست مدنظر رکھیں وہ ترمیم یہ ہے کہ ''ایسی تمام جماعتوں میں جن میں ناظر صاحب بیتُ المال مناسب سمجھیں ایک بجٹ کمیٹی مقرر کی جائے جس کے تین ممبران ہوں گے جن کا انتخاب مقامی جماعت کرے گی ۔ یہ بجٹ کمیٹی جملہ ممبرانِ جماعت مقامی کی آمدنی کی (اُن کی سابقہ سال کی آمدنی کو مدنظر رکھ کر) تشخیص کرے اگر کسی فرد کو کمیٹی کی تشخیص پر اعتراض ہو تو وہ ناظر صاحب بیتُ المال کے پاس اس کے خلاف اپیل کرسکتا ہے''۔

اس ترمیم کے متعلق بھی جو دوست اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہوں وہ اپنے نام لکھوادیں۔ نام لکھوائے جانے کے بعد حضور نے فرمایا:-

''ایک تیسری ترمیم غلام جیلانی صاحب کی طرف سے آئی ہے وہ کہتے ہیں کہ کمیٹی کے تین ممبران میں سے ایک ناظر صاحب بیت المال کا نمائندہ ہو اور ایک مقامی جماعت کا

نمائندہ ہو اور تیسرا شخص غیر جانب دار ہو جو کسی قریبی جماعت سے لیا جائے اگر کوئی دوست اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہوں تو وہ بھی اپنے نام لکھوا دیں۔‘‘

بعض نمائندگانِ شوریٰ کے اظہارِ خیالات کے بعد حضور نے فرمایا:۔

’’ایک تو سب کمیٹی نمبر۲ کی طرف سے ترمیم پیش کی گئی ہے اور ایک خادم صاحب کی طرف سے اور ایک غلام جیلانی صاحب کی طرف سے۔ اب رائے شماری کے لئے میں پہلے غلام جیلانی صاحب کی ترمیم کو لیتا ہوں کہ ایک نمائندہ ناظر صاحب کا ہو اور ایک مقامی جماعت کا نمائندہ ہو اور ایک قریبی جماعت سے لیا جائے، جو دوست ان کی ترمیم کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

صرف دو، دوست اس ترمیم کے حق میں کھڑے ہوئے۔

اسکے بعد خادم صاحب کی یہ ترمیم پیش ہوئی کہ ایک بجٹ کمیٹی مقرر کی جائے جس کے تین ممبر ہوں اور تینوں مقامی جماعت کے ہوں اس ترمیم کے حق میں ۲۹ ووٹ تھے۔

آخر میں سب کمیٹی نمبر۲ کی ترمیم کو پیش کیا گیا کہ ایک ممبر ناظر صاحب بیت المال کا نمائندہ ہو اور باقی دو ممبر مقامی جماعت کی طرف سے منتخب شدہ ہوں۔ حضور نے فرمایا:۔

’’جو دوست اس تجویز کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

اس پر ۲۵۳ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

فیصلہ

’’میں کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں کہ تاجروں اور صناعوں اور پیشہ وروں کی آمد کی تعیین کے لئے جہاں ناظر صاحب بیت المال مناسب سمجھیں بورڈ مقرر کریں جس کا ایک ممبر نظارت بیت المال کا مقرر کردہ ہو اور باقی دو ممبران مقامی جماعت کی طرف سے منتخب شُدہ ہوں۔ اس بورڈ کا حق ہوگا کہ اپنے ممبران میں سے جس کو چاہے صدر مقرر کرے۔ اُس کے سامنے چندہ کے تعیّن کے لئے تمام وہ کیس پیش ہؤا کریں گے جو نظارت بیت المال اُس سال بورڈ کے سامنے پیش کرنا چاہے اور پھر اُس بورڈ کے اتفاق رائے سے فیصلے فریقین کے لئے واجبُ التعمیل ہوں گے۔ وہ فیصلے جو کثرتِ رائے سے کئے جائیں گے اُن میں ہر فریق کو جو اُس فیصلہ سے اختلاف رکھتا ہو اپیل کرنے کا حق ہوگا جو صدر انجمن کے مقرر کردہ کسی فرد یا افراد ماسوائے ناظر صاحب بیت المال کے سامنے

سماعت ہوگی‘‘۔

نماز ظہر وعصر کی ادائیگی کے بعد دوسرے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو حضور نے فرمایا:-

’’نظارت بیت المال کی تجویز کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ جو چندہ دہندہ بورڈ مجوزہ فقرہ نمبر۲ (ایجنڈا) کے سوالات کا جواب دینے کے لئے تیار ہو یا ایسے جواب دے جو بورڈ کے نزدیک پوری حقیقت کو ظاہر کرنے والے نہ ہوں تو ایسے شخص کے متعلق ناظر صاحب بیت المال کو بورڈ کی رپورٹ پر از خود چندہ معیّن کرنے کا حق ہوگا مگر ناظر صاحب بیت المال کے ایسے فیصلہ کے خلاف چندہ دہندہ کو ناظر اعلیٰ کے پاس اپیل کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس بارہ میں سب کمیٹی نے یہ تجویز کیا کہ اگر کوئی چندہ دہندہ بورڈ مندرجہ فقرہ نمبر۲ کو جواب دینے سے انکاری ہو یا ایسے جوابات دے جو بورڈ کے نزدیک پوری حقیقت ظاہر کرنے والے نہ ہوں تو ایسے اصحاب کے متعلق وہی بورڈ از خود فیصلہ کر دے اور اس کی اپیل بھی اسی طرز پر ہوگی جس طرح فقرہ نمبر۲ میں درج کی گئی ہو گویا سب کمیٹی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ بورڈ ہی ایسے لوگوں کے چندہ کی تشخیص کر دے اور اگر بورڈ کا فیصلہ صحیح نہ ہو تو ناظر صاحب اس کے متعلق اپیل کر سکتے ہیں جیسا کہ اس تجویز کے دوسرے حصہ میں فیصلہ کیا جا چکا ہے اس قاعدہ کے متعلق اگر کسی دوست نے کوئی ترمیم پیش کرنی ہو تو ابھی پیش کر دیں اور اگر کسی صاحب نے کچھ کہنا ہو تو اپنے نام لکھا دیں۔‘‘

نہ تو کسی دوست نے ترمیم پیش کی اور نہ ہی زبانی کچھ کہنا چاہا۔ حضور نے فرمایا:۔

’’چونکہ کوئی دوست کھڑے نہیں ہوئے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ دوست اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے ہاں اگر کوئی دوست ترمیم لکھ رہے ہوں تو بتا دیں تا کہ مشورہ کے لئے پیش کر دی جائے۔‘‘

اِسی دوران میں حضور نے فرمایا:۔

’’ایک دوست نے شکایت کی ہے کہ مشاورت کے ایام میں جمعہ کی نماز ختم ہوتے ہی مسجد نور میں سے سائبان اُتار لئے جاتے ہیں اور چٹائیاں بھی اُٹھالی جاتی ہیں اور چونکہ آجکل گرمی کے دن ہیں اِس لئے سیمنٹ کا فرش سخت گرم ہو جاتا ہے اور نمازیوں کو

سخت تکلیف ہوتی ہے۔اس کے متعلق میں ناظر صاحب اعلیٰ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اِس شکایت کا انسداد کریں اور مناسب انتظام مسجد کے اندر کرا دیں۔ میں نے اس کے متعلق خود بھی کئی بار منتظمین کو توجہ دلائی ہے مگر ابھی تک عمل نہیں کیا گیا جو نہایت افسوس ناک امر ہے۔ میرے نزدیک مسجد نور میں مشاورت کے تینوں ایام میں سائبانوں اور چٹائیوں کا انتظام ہونا ضروری ہے اور آئندہ اس قسم کی کوئی شکایت پیدا نہیں ہونی چاہیے۔‘‘

اس کے بعد حضور نے فرمایا:۔

’’چونکہ کوئی دوست اس تجویز کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے اس لئے جو دوست اس کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

۳۱۰ دوست کھڑے ہوئے۔حضور نے فرمایا:۔

فیصلہ

’’میں کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ’’اگر کوئی چندہ دہندہ بورڈ مندرجہ فقرہ نمبر۲ کو جواب دینے سے انکاری ہو یا ایسے جوابات دے جو بورڈ کے نزدیک پوری حقیقت ظاہر کرنے والے نہ ہوں تو ایسے اصحاب کے متعلق وہی بورڈ از خود فیصلہ کر دے اور اس کی اپیل بھی اسی طرز پر ہوگی جس طرح فقرہ نمبر۲ میں درج کی گئی ہے‘‘۔

بجٹ کمیٹی نمبر ا کی رپورٹ اور فیصلہ

بجٹ کمیٹی نمبر ا کی رپورٹ پیش ہونے پر حضور نے فرمایا:۔

’’تجویز یہ ہے کہ پانچ کلرک صوبہ جات سرحد، سندھ، اڑیسہ، بنگال اور بہار کے امراء کو دئے جائیں تا کہ وہ اچھی طرح کام کرسکیں۔اس کے لئے مجوزہ سالانہ رقم ۳۲۴۰ روپیہ ہے اور سب کمیٹی نے اس خرچ کی تائید کی ہے اس تجویز کے متعلق اگر کوئی دوست ترمیم پیش کرنا چاہیں تو لکھ کر دے دیں اور اگر کوئی دوست زبانی اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیں تو وہ اپنے نام لکھا دیں دوست پہلے تو بیٹھے رہتے ہیں اور بعد میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے بھی ترمیم پیش کرنی تھی یہ طریق ٹھیک نہیں جس دوست نے ترمیم پیش کرنی ہو وہ ابھی پیش کر دے اور جن دوستوں نے زبانی اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہو وہ بھی ابھی اپنا نام لکھا دیں۔‘‘

حضور کے اس ارشاد پر صرف ایک صاحب نے رائے کا اظہار کیا۔اِس پر حضور نے

فرمایا:۔

''چونکہ اور کوئی دوست اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے اس لئے میں یہ تجویز دوستوں کے سامنے رکھتا ہوں کہ سب کمیٹی کی تجویز ہے کہ ۳۲۴۰ روپیہ کی سالانہ رقم صوبہ جات سرحد، سندھ، اڑیسہ، بنگال اور بہار کے امراء کے کلرکوں کی تنخواہ قحط الاؤنس اور سٹیشنری وغیرہ کے اخراجات کے لئے منظور کی جائے جو دوست اس تجویز کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اس پر ۳۴۷ دوست متذکرۃ الصدر تجویز کے حق میں کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''میں احباب کی تجویز کے مطابق کثرت رائے کے حق میں فیصلہ دیتا ہوں کہ صوبہ جات سرحد، سندھ، اڑیسہ، بنگال اور بہار کے امراء کے لئے جو پانچ کلرک رکھے جانے تجویز ہوئے ہیں اُن کے لئے اخراجات تنخواہ قحط الاؤنس اور سٹیشنری وغیرہ کے لئے ۳۲۴۰ روپیہ کی سالانہ رقم منظور ہے''۔

تجویز نظارت تعلیم وتربیت

دوسری تجویز نظارت تعلیم وتربیت کی طرف سے یہ تھی کہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ اوران ہر دو کے ہوسٹلوں کے واسطے جدید عمارت کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اس کے لئے فی الحال مناسب اراضی حاصل کرنے کے واسطے پچیس ہزار روپیہ کی رقم منظور ہونی چاہیے تاکہ اس سال مناسب قطعہ اراضی خریدا جاسکے ورنہ بعد میں مناسب اراضی کے حصول میں مشکلات پیش آنے کا اندیشہ ہے عمارت کی تجویز بعد میں کی جائے گی اور اراضی کے متعلق ضروری تفاصیل مشاورت میں پیش کر دی جائیں گی معہ تجویز نظارت علیاء کہ اِس تجویز کے منظور ہونے کے ساتھ صدر انجمن احمدیہ کو یہ سہولت بھی ہو جائے گی کہ مدرسہ احمدیہ کی موجودہ جگہ کو انجمن دفاتر کے لئے استعمال کر سکے گی کیونکہ مسجد اقصیٰ کی تنگی کے پیشِ نظر دفاتر کی موجودہ جگہ جلد بدلنی پڑے گی''۔

اس کے متعلق بجٹ کمیٹی نمبر 1 نے یہ رائے پیش کی کہ مدرسہ احمدیہ و جامعہ احمدیہ اور

ان ہر دو کے ہوسٹلوں کی جدید عمارت کے واسطے اس سال پچیس ہزار روپیہ کی رقم منظور کی جائے لیکن یہ رقم اس دو لاکھ روپے کی رقم میں سے جو بجٹ میں ریزروفنڈ کے طور پر رکھی گئی ہے خرچ کی جائے۔اس کے متعلق اگر کسی دوست نے ترمیم پیش کرنی ہو تو لکھ کر دے دے اور اگر زبانی اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہو تو اپنا نام لکھا دے۔‘‘

اس پر مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری نے یہ ترمیم پیش کی کہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ اور ان ہر دو کے ہوسٹلوں کے لئے زمین خریدنے کے لئے پچیس ہزار روپیہ ریزروفنڈ سے نہ لیا جائے بلکہ بجٹ 48-1947ء میں اس کے لئے الگ رقم رکھی جائے اور یہ رقم بجٹ میں اضافہ کر کے دی جائے۔

جب چند نمائندگان نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو حضور نے فرمایا:۔

’’میں اب مولوی ابوالعطاء صاحب کی ترمیم دوستوں کے سامنے پیش کرتا ہوں ترمیم یہ ہے کہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ اور ان ہر دو ہوسٹلوں کے لئے زمین خریدنے کے لئے پچیس ہزار روپیہ ریزروفنڈ سے نہ لیا جائے بلکہ بجٹ 48-1947ء میں اس کے لئے الگ رقم رکھی جائے۔جو دوست مولوی ابوالعطاء صاحب کی اس ترمیم کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

صرف آٹھ دوست کھڑے ہوئے۔حضور نے فرمایا:۔

’’جو دوست سب کمیٹی کی اس تجویز کے حق میں ہوں کہ یہ پچیس ہزار روپے کی رقم ریزروفنڈ کے دو لاکھ میں سے خرچ کی جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

اس پر ۳۰۴ دوست کھڑے ہوئے۔حضور نے فرمایا:۔

’’تین سَو چار دوست اس بات کی تائید میں ہیں کہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ اور ان ہر دو کے ہوسٹلوں کے لئے زمین خریدنے کے لئے پچیس ہزار روپیہ کی رقم ریزروفنڈ سے دی جائے مگر میں اس کے متعلق اپنا فیصلہ محفوظ رکھتا ہوں۔‘‘

نظارت دعوۃ وتبلیغ کی تجویز

تیسری تجویز نظارت دعوۃ وتبلیغ کی طرف سے یہ پیش کی گئی تھی کہ:۔ ’’قادیان یعنی مرکز سلسلہ کے ماحول میں تبلیغی مہم کو زیادہ مضبوط اور وسیع کرنے کے لئے ضلع گورداسپور کے مندرجہ ذیل مقامات میں تبلیغی مراکز قائم کرنے ضروری ہیں جس کے لئے ان مقامات میں سلسلہ کے اپنے مکانات کا ہونا نہایت مفید ہوسکتا ہے یعنی سری گوبند پور، ڈیرہ بابانانک، فتح گڑھ، چوڑیاں، بٹالہ، گورداسپور، کاہنوان، دھاریوال اور کلانور ان جگہوں پر ایک تو مناسب اراضی خریدنے کے لئے (علاوہ بٹالہ اور گورداسپور جس کے لئے علیحدہ تجویز ہوگی) دس ہزار روپیہ کی رقم منظور ہونی چاہیے اور دوسرے فی الحال مناسب مکانات کرایہ پر لینے کے لئے پندرہ سو روپیہ سالانہ کی رقم منظور کی جائے‘‘۔

سب کمیٹی کی اس بارہ میں یہ رائے تھی کہ اس سال دس ہزار روپیہ کی رقم جو مناسب اراضی خریدنے کے لئے رکھی گئی ہے اس کو منظور نہ کیا جائے کیونکہ اراضی کی قیمت باہر دیہات میں گرنے کی امید ہے لیکن کرایہ کے لئے پندرہ سَو روپیہ کی رقم منظور کی جائے۔‘‘

اِس تجویز کی بابت چند نمائندگان کے اظہارِ خیالات پر حضور نے فرمایا:۔

’’چوہدری فتح محمد صاحب کی تجویز دوستوں کے سامنے پیش ہے وہ کہتے ہیں کہ قادیان کے مضافات میں تبلیغی مراکز قائم ہونے نہایت ضروری ہیں اور ان کا فائدہ تبلیغ کے علاوہ یہ بھی ہوگا کہ ہمارا مرکز مضبوط ہو جائے گا جو دوست چوہدری صاحب کی اس تجویز کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

اس پر ۳۲۶ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

’’۳۲۶ دوست اس تجویز کے حق میں ہیں اور اٹھارہ آراء اس کے مخالف ہیں اس لئے سب کمیٹی کی تجویز گر جاتی ہے میں اس کے متعلق بھی اپنا فیصلہ محفوظ رکھتا ہوں‘‘ بجٹ پر پوری بحث ہو چکنے کے بعد میں اِس کے متعلق فیصلہ کروں گا۔‘‘

بجٹ آمد وخرچ

اس کے بعد بجٹ آمد وخرچ کے متعلق سب کمیٹی نے اپنی رائے کا تفصیلی طور پر اظہار کیا سب کمیٹی نے سوائے تخمینہ اور جلسہ سالانہ کے باقی

تمام تخمینہ جات بجٹ آمد سے اتفاق ظاہر کیا تھا البتہ آمد جلسہ سالانہ کے متعلق سب کمیٹی کی یہ رائے تھی کہ جلسہ سالانہ کا تخمینہ آمد بروئے بجٹ ۸۳۵۳۹ روپیہ ہے اور یہی منظور ہونا چاہیے۔

حضور نے فرمایا:۔

''اصل آمد اس مد کی کُل ۴۵۰۰۰ روپیہ ہے پچھلے سال اس مد کی آمد ۴۳۸۲۷ روپیہ تھی یعنی پچھلے سال عملاً ۴۴۰۰۰ روپیہ کی آمد ہوئی اور اس سال ۴۵۰۰۰ روپیہ کی آمد ہوئی ہے اب اگر کچھ اور وصولی بھی ہوگئی تو ۴۶۰۰۰ روپیہ ہو جائے گی اس لئے جہاں تک عمل کا سوال ہے ساٹھ ہزار کی رقم بھی اس مد میں پوری ہوتی نظر نہیں آتی لیکن سب کمیٹی کی رائے میں بجائے ساٹھ ہزار کے ۸۳۵۳۹ روپیہ پورا وصول ہونا لازمی ہے اس کے علاوہ سب کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ الفضل نے اپنے حسابات کی کوئی تفصیل پیش نہیں کی اور نہ ہی الفضل کا کوئی نمائندہ موجود تھا جس سے معلوم ہو سکے کہ آمد کیا ہوئی اور خرچ کیا ہوا اور کن مدات میں ہوا صرف ۲۷۰۰۰ روپیہ کی رقم مُبہم طور پر دکھائی گئی ہے جس کے ساتھ کوئی تفصیل نہیں اور ساتھ ہی ۶۶۰۰ روپیہ بقایا بھی قابلِ وصول دکھایا گیا ہے۔ اگر یہ رقم بھی ملا لی جائے تو ۳۳۶۰۰ روپیہ بن جاتی ہے۔ سب کمیٹی نے یہ بھی کہا ہے کہ الفضل نے گزشتہ سال (سال رواں) اپنے بجٹ میں ۶۷۱۵۱ روپیہ ریزرو فنڈ بھی دکھایا تھا لیکن اس کے برعکس اس نے ۶۵۰۰ روپیہ قرضہ اپنے ضروری اخراجات کے لئے اُٹھایا ہے۔

اسی طرح ریویو آف ریلیجنز انگریزی اور اردو اور بک ڈپو کی بھی کوئی تفصیل پیش نہیں کی گئی بک ڈپو کا حساب اتنا چھوٹا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا بجٹ اتنا خفیف اور اتنا ضعیف ہے کہ اسے دیکھ کر شرم محسوس ہوتی ہے یہی حال ریویو اردو اور ریویو انگریزی کا ہے ریویو اردو کی آمد ۲۲۷ روپیہ ہے اور ریویو انگریزی کی آمد ۳۰۰ روپیہ اور اس ۵۲۷ روپیہ کی وصولی کے لئے دو کلرک رکھے گئے ہیں حالانکہ اتنی چھوٹی سی رقم میرے خیال میں ایک دفتری بھی وصول کر سکتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ سے اظہار ناراضگی

الفضل کے حسابات میں بھی سخت گڑبڑ ہے اور اُسے دیکھتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو عملہ نے بددیانتی سے کام لیا ہے اور یا وصولی میں کوئی نقص ہے میں برابر دو سال سے

ناظر صاحب اعلیٰ کو توجہ دلا رہا ہوں کہ الفضل کے اندر بد دیانتی اور دھوکا بازی ہو رہی ہے لیکن کسی نے اِس طرف توجہ نہیں کی میں دیکھتا ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ ہمیشہ لحاظ داری سے کام لیتی ہے اور جب بھی بعض مجرموں کو پکڑا جاتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ غلطی ہوگئی آئندہ احتیاط کی جائے گی۔ اِس طرح بجائے اِس کے کہ اُن کی غلطی کی اُنہیں سزا دی جائے اور آئندہ کے لئے اِس قسم کی غلطیوں کا سدِّ باب کیا جائے اُنہیں صرف اتنا کہنے پر کہ غلطی ہوگئی، چھوڑ دیا جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ غلطی جو سزا کے بغیر معاف کر دی جاتی ہے بڑھتی ہے اور غلطی کرنے والا اور بھی زیادہ دلیر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں غلطی کروں گا تو میرے صرف اتنا کہہ دینے پر کہ غلطی ہوگئی میری گلو خلاصی ہو جائے گی۔ اگر ایسے آدمیوں کو سزا دی جائے تو اس قسم کی غلطیاں ہمیشہ کے لئے رُک سکتی ہیں لیکن صدر انجمن احمدیہ نے اس قسم کے مجرموں کو بغیر سزا کے چھوڑ چھوڑ کر دلیر بنا دیا ہے اور غلطیاں کرنے والے دن بدن بڑھ رہے ہیں۔

گزشتہ سال سفر سندھ پر جب میرے ساتھ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب گئے تو میں نے ان کی غلطیوں کی ایک لمبی فہرست تیار کی اور پھر وہ فہرست صدر انجمن احمدیہ میں بھجوا دی تاکہ آئندہ اِس قسم کی غلطیاں نہ ہوں۔

قربانیاں کرنے والوں کا ذکر

اِس دفعہ جب پھر سفر سندھ کا موقع آیا تو مجھے یقین دلایا گیا کہ اِس دفعہ نہایت اچھا انتظام کیا گیا ہے مگر میں نے دیکھا کہ سارے سفر میں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے کسی ایک سٹیشن پر بھی مجھ سے دوستوں کی ملاقات نہیں کرائی صرف پہرہ دار ہر سٹیشن پر میرے پاس پہنچ جاتے اور گاڑی کا دروازہ کھٹکھٹا کر مجھے بتاتے کہ فلاں فلاں دوست یا فلاں فلاں جماعتیں ملنے کے لئے آئی ہوئی ہیں اِس کے متعلق جب پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے آگے سے وہی جواب دیا جو ایک نوکر نے اپنے آقا کو دیا تھا کہ:-

''دیکھئے سرکار اِس میں شرط یہ لکھی نہیں''

اِس سفر میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو سَو سَو میل پیدل سفر کر کے صرف ملاقات کے لئے بعض سٹیشنوں پر آئے ہوئے تھے ایسے مخلص لوگوں کے نام اخبار میں آنے چاہئیں تھے

کہ فلاں فلاں دوست نے اِتنی قربانی کی کہ وہ سَو سَو میل پیدل چل کر ملاقات کے لئے آئے۔ آخر ایسے لوگوں کی قربانیاں کس طرح بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ رہ سکتی ہیں اِس کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ یہ باتیں ہمارے لٹریچر میں آجائیں۔ صحابہؓ کی قربانیاں بھی اِسی طرح آج تک محفوظ چلی آئی ہیں اگر اُن کے حالات قلم بند نہ کئے جاتے اور اُن کی قربانیوں کو محفوظ نہ رکھا جاتا تو ہمیں آج کس طرح معلوم ہوسکتا کہ فلاں صحابہؓ نے یہ قربانی کی اور فلاں صحابہؓ نے وہ قربانی کی۔ اِس قسم کی باتیں تبھی آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رہ سکتی ہیں جب ان کو لٹریچر میں محفوظ کر دیا جائے۔ اِس سفر میں لوگوں کے اخلاص کا یہ عالَم تھا کہ مردوں کے علاوہ بعض عورتیں بھی اپنے بچے گودوں میں اُٹھائے ہوئے دُور دُور سے چل کر نماز میں شامل ہونے کے لئے پہنچ جاتی تھیں مگر الفضل میں اِن باتوں کا ذکر تک نہیں کیا گیا جو نہایت افسوس ناک امر ہے۔ جب میں نے ناظر صاحب کو اِن باتوں کی طرف توجہ دلائی تو اُنہوں نے کہہ دیا حضور غلطی ہوگئی آئندہ اِن ہدایات پر عمل کیا جائے گا اور کارکنان کو تنبیہ کر دی گئی ہے۔ جب تک صدر انجمن احمدیہ کی یہ ذہنیت نہیں بدلے گی کوئی کام صحیح نہیں ہوسکتا۔ مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اپنے ماتحت کارکنوں کی غلطیوں پر ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہے الفضل کے اندر غبن اور بددیانتیاں ہوتی ہیں مگر اُن کو روکنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ کئی لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ اُن کو متواتر دو دو ماہ تک اخبار نہیں ملتا اور جب اس کے متعلق اخبار والوں سے پوچھا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کوتاہی ہوگئی آئندہ خیال رکھا جائے گا الفضل کے متعلق ناظر صاحب بیتُ المال کے نوٹ موجود ہیں کہ ان سے الفضل کے حسابات کی تفصیل مانگی گئی اور بار بار مانگی گئی مگر کسی نے توجہ ہی نہ کی۔ ریویو اُردو و انگریزی اور مصباح کا بھی یہی حال ہے۔ مصباح کے متعلق بجٹ صفحہ نمبر ۸ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آمد سال گزشتہ یعنی ۱۹۴۵-۴۶ء میں ۸۹۶ روپے تھی اور سال رواں کے پہلے چھ مہینوں میں از یکم مئی تا ۳۱ /اکتوبر ۱۹۴۶ء اصل آمد ۶۹۵ روپے ہوئی لیکن ریکارڈ خزانہ کے مطابق نو ماہ میں کُل ۲۲۸ روپیہ آمد ہوئی ہے یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ صیغہ کی اطلاع کے پہلے چھ مہینوں میں ۶۹۰ روپیہ آمد ہوتی ہے اور خزانہ کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ پہلے چھ مہینوں کے ساتھ پچھلے تین ماہ ملا کر کُل نو ماہ کی آمد صرف

۲۲۸ روپے ہے اصل بات یہ ہے کہ آمد کو خزانہ میں باقاعدہ طور پر داخل نہیں کیا جاتا اور اُسے خرچ کر لیا جاتا ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ بلوں کے ذریعہ تمام رقوم خزانہ سے برآمد کرائی جائیں مگر نہ تو ناظر اِس پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی افسران صیغہ جات۔ اور اس طرح آمد کچھ ہوتی ہے اور خزانہ میں کچھ اَور رقم داخل ہوتی ہے اسی طرح ریویو اُردو کی آمد سال گزشتہ ۴۶۔۱۹۴۵ء میں ۱۱۳۲ روپیہ ہوئی اور صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے ۱۴۰۰ روپے گرانٹ بھی دی گئی یہ کل ۲۵۳۲ روپے کی آمد بنتی ہے مگر اس سال پہلے چھ مہینوں میں صرف ۱۳۶۱ روپیہ آمد ہوئی اور پچھلے تین مہینوں میں ۴۰۳ روپے۔ اگر گرانٹ کو نکال دیا جائے تو رسالہ کی اصل آمد پہلے چھ ماہ میں ۳۱۱ روپے ہوئی اور پچھلے تین ماہ میں ۱۰۳ روپے یعنی سارے سال میں رسالہ کی اپنی آمد ۴۱۴ روپے ہوئی مگر بجٹ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اگلے سال یہ آمد یکدم ۲۶۰۰ روپیہ ہو جائے گی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگلے سال اِتنا اضافہ یکدم کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہی حال ریویو انگریزی کا ہے ۱۷۲۵ روپیہ آمد ہوئی مگر خزانہ میں صرف ۳۳۶ جمع ہوئے باقی رقم اُڑ گئی ہے پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگلے سال کا تخمینہ آمد ۲۱۰۰ روپیہ ہوگا۔ یہ سارے حالات اِس قسم کے ہیں کہ صدر انجمن احمدیہ شدید الزامات کے نیچے آتی ہے ہمارا یہ قاعدہ سالہا سال سے چلا آتا ہے کہ کوئی شخص خود بخود روپیہ کو خرچ کرنے کا مجاز نہیں۔ جب ہمارے گھروں میں ہمارے کسی ملازم کو یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ آپ ہی آپ روپیہ کو خرچ کرتا پھرے تو صدر انجمن کے ملازمین کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ خود ہی روپیہ کو خرچ کرنا شروع کر دیں۔

اب میں دوستوں کے سامنے اصل بجٹ ۴۸۔۱۹۴۷ء پیش کرتا ہوں سب کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ خرچ خرید زمین برائے ہسپتال ہائی سکول وغیرہ کے لئے ۴۲۵۰۰ روپیہ اور ادائیگی حِصص دی سندھ ویجی ٹیبل آئل اینڈ ایلائیز کمپنی کے لئے ۸۴۰۰ روپیہ اور ریتی چھلہ میں دُکانات کی تعمیر کے لئے ۴۰۰۰۰ روپیہ یہ کُل ۱۶۶۵۰۰ روپیہ ریزرو فنڈ کی رقم میں جذب ہونا چاہیے اصل میں ۸۴۰۰ روپیہ صرف سندھ کی ویجی ٹیبل آئل کمپنی کے لئے ہے اور اسی کے متعلق میں نے کہا تھا کہ یہ رقم رکھی جائے۔ بہرحال اس وقت جو بجٹ دوستوں کے سامنے ہے اس میں ☆ کی زیادتی منظور کی جانے والی ہے اس کے متعلق دوست اگر ترامیم پیش کرنا

☆ نوٹ:۔ معیّن رقم معلوم نہیں ہو سکی

چاہیں تو کر دیں اور اگر زبانی اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیں تو اپنے نام لکھوا دیں۔‘‘

اِس پر بعض اصحاب نے اپنے نام لکھوائے اور جب تمام دوست اظہارِ خیال کر چکے تو حضور نے فرمایا:۔

’’آمد کو بڑھانے کے متعلق بعض دوستوں نے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ میں دوستوں کے سامنے رکھتا ہوں، مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری کی تجاویز یہ ہیں:۔

۱۔ جن موصی صاحبان نے ۱۰/۱ کی وصیت کی ہوئی ہے وہ اسے بڑھا کر ۹/۱ کر دیں۔

۲۔ چندہ عام بجائے ایک آنہ فی روپیہ کے ڈیڑھ آنہ فی روپیہ مقرر کیا جائے اسی طرح میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر کی تجویز یہ ہے کہ:۔

۲۵۰ روپیہ ماہوار آمد تک شرح چندہ بدستور رہے ۲۵۰ روپیہ سے لے کر ۵۰۰ روپیہ تک چھ پیسے کر دی جائے اور ۵۰۰ روپے سے ۱۰۰۰ روپے تک کی آمدنی والوں کے لئے شرح چندہ دو آنے اور ۱۰۰۰ روپے سے اُوپر آمدنی والوں کے لئے چار آنے ہو۔

ان تجاویز کے متعلق میں دوستوں سے رائے لینا چاہتا ہوں لیکن مولوی ابو العطاء صاحب کی تجویز کو منظور کرنے کے معنی یہ ہونگے کہ آئندہ یہ قانون بن جائے گا کہ ہر شخص ضرور ۱۰/۱ کی بجائے ۹/۱ حصہ کی وصیت کرے گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۰/۱ حصہ وصیت کرنے کی جماعت کو جو اجازت فرمائی ہوئی ہے یہ قانون اسے منسوخ کر دے گا جو دوست مولوی ابو العطاء صاحب کی اس تجویز کے حق میں ہوں کہ وصیت کے لئے ۱۰/۱ کی بجائے ۹/۱ کی حد بندی کر دی جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

اس تجویز کے حق میں کوئی دوست کھڑے نہ ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

’’کوئی دوست اس تجویز کے حق میں نہیں ہیں اور میرے نزدیک بھی دوستوں کی رائے بالکل درست ہے یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بنایا ہوا قانون ہے اس لئے ہم اس قانون کو نہ تو بدل سکتے ہیں اور نہ منسوخ کر سکتے ہیں یوں اگر اس کے متعلق وعظ و نصیحت سے کام لیا جائے اور کہا جائے کہ وصیت کرنے والے سلسلہ کی ضروریات کے پیشِ نظر زیادہ سے زیادہ قربانی کریں اور ۱۰/۱ سے بڑھا کر ۹/۱ یا ۸/۱ یا ۷/۱ یا ۶/۱ یا ۵/۱ یا ۴/۱ یا ۳/۱ کی وصیت کریں تو یہ جائز ہوگا لیکن یہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتا کہ ۱۰/۱ کو منسوخ کر کے ہم

۱/۹ حصہ کی وصیت کرنے کا قانون بنا دیں۔ مثلاً یہ تو ہم لوگوں سے کہہ سکتے ہیں کہ ہر روز پچاس یا سَو نفل پڑھا کرو لیکن ہم فرض نمازوں کی چار رکعت بڑھا کر ساڑھے چار نہیں کر سکتے پس میں کثرت رائے کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے اس تجویز کو کہ ہر شخص ضرور ۱/۹ کی وصیت کرے رَدّ کرتا ہوں۔

اب میں دوستوں کے سامنے دوسری تجویز رکھتا ہوں میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر کی تجویز یہ ہے کہ ۲۵۰ روپے تک شرح چندہ بدستور رہے لیکن ۲۵۰ روپیہ سے اوپر آمدنی والوں کیلئے شرح چندہ بڑھا کر چھ پیسے فی روپیہ کر دی جائے۔ جو دوست اس تجویز کے حق میں ہوں کہ ۲۵۰ روپیہ تک ماہوار آمدنی والوں کے لئے شرح چندہ نہ بڑھائی جائے یعنی ان کو قانوناً مجبور نہ کیا جائے کہ وہ ضرور ایک آنہ کی بجائے چھ پیسے ہی دیں۔ وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اس پر ۳۱۷ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''۳۱۷ دوستوں یعنی اکثریت کی رائے یہی ہے کہ ۲۵۰ روپیہ تک شرح چندہ نہ بڑھائی جائے **مَیں اسی کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں۔**

دوسری تجویز میاں عطاء اللہ صاحب کی یہ ہے کہ ۲۵۰ روپیہ سے اوپر ۵۰۰ روپیہ تک ماہوار آمدنی والوں کے لئے شرح چندہ چھ پیسے کر دی جائے ۲۵۰ روپے سے اوپر آمدنی والوں کے لئے شرح چندہ بڑھانے کی دو شقیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے ایک آنہ کی بجائے چھ پیسے کی شرح سے چندہ دے اور دوسرے یہ قانون بنا دیا جائے کہ ایسے لوگوں سے ضرور چھ پیسے کے حساب سے چندہ وصول کیا جائے جو دوست اس تجویز کے حق میں ہوں کہ ۲۵۰ روپے سے زیادہ ماہوار آمدن والوں کے لئے شرح چندہ بڑھا دی جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اس تجویز کے حق میں کوئی دوست کھڑے نہ ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''جو دوست اس تجویز کے خلاف ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اس پر ۳۵۸ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''۳۵۸ دوستوں کی رائے یہ ہے کہ شرح چندہ میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے بلکہ اس کو طوعی

رکھا جائے اس لئے **میں کثرت رائے کے حق میں فیصلہ دیتا ہوں** کہ شرح چندہ میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔‘‘

نیز فرمایا:۔

’’میاں عبدالمنان صاحب عمر نے کہا ہے کہ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ایک جلد انشاء اللہ اسی سال شائع ہو جائے گی اس کی آمد بجٹ میں شامل کی جائے۔

اس میں شُبہ نہیں کہ بجٹ میں یہ آمد صحیح طور پر درج نہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اگر یہ آمد درج ہوئی تو ہماری آمد کا بجٹ بڑھ جائے گا۔ اس وقت تک اس مد میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب خرچ ہو چکا ہے اور یہ سب خرچ قرض لے کر کیا گیا ہے اس لئے کچھ عرصہ تک اس روپیہ سے قرض ادا ہوگا اور پھر جو رقم بچ رہی وہ اگلے حصہ کی طباعت پر خرچ ہوگی مطبوعہ بجٹ میں صرف ۱۳۲۶۶ آمد دکھائی گئی ہے حالانکہ چالیس ہزار دکھائی جانی چاہیے تھی کیونکہ انگریزی ترجمۃ القرآن کی دو ہزار جلدیں شائع ہوں گی اور فی جلد بیس روپیہ قیمت رکھی جائے گی بعض دوست چاہتے ہیں کہ اس کی قیمت پچیس روپے رکھی جائے لیکن یہ فیصلہ تو بعد میں ہوگا میری خواہش یہی ہے کہ اس کی قیمت بیس روپیہ ہو تا کہ اس کی اشاعت زیادہ ہو سکے اگر بیس روپیہ اس کی قیمت رکھی جائے تو یہ آمد چالیس ہزار روپے ہو سکتی ہے اور بجٹ میں صرف ۱۳۲۶۶ روپے درج کی گئی ہے یہ صرف ایک حسابی غلطی ہے بیت المال والوں کو چاہیے کہ وہ اسے درست کر دیں اور چالیس ہزار آمد اور اتنا ہی خرچ رکھ لیا جائے‘‘۔

اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا کہ بجٹ اخراجات کے متعلق اگر کوئی دوست اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیں تو نام لکھوا دیں مگر کسی دوست نے اپنا نام نہ لکھوایا صرف ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم نے حفاظت مرکز کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ اب جو دوست اخراجات کے بارہ میں کوئی ترمیم پیش کرنا چاہتے ہوں وہ پیش کر دیں۔

۱۔ حضور کے اِس ارشاد پر پہلی ترمیم محمد شریف صاحب کانپور کی طرف سے یہ پیش ہوئی کہ ریویو اردو اور انگریزی کو گرانٹ نہ دی جائے بلکہ اس صیغہ کو چاہیے کہ خود اپنے اخراجات برداشت کرے۔

۲۔ دوسری ترمیم مولوی ابوالعطاء صاحب کی طرف سے پیش ہوئی کہ ہوسٹل جامعہ احمدیہ کے لئے ٹیوٹر حسبِ تجویز صدر انجمن منظور کیا جائے جس کے لئے ۲۴۰ روپیہ کی رقم بجٹ میں رکھی گئی ہے۔

۳۔ تیسری ترمیم مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے ناظر تعلیم وتربیت کی طرف سے یہ پیش ہوئی کہ مبلغ تیس ہزار روپیہ جو صدر انجمن احمدیہ نے تعمیر کے لئے رکھا تھا وہ محکمہ تعلیم کی ناگزیر ضروریات کے لئے بجٹ میں منظور کیا جائے۔

حضور نے فرمایا:۔

''جو دوست محمد شریف صاحب کی اس ترمیم کے حق میں ہوں کہ ریویو اردو اور انگریزی کو گرانٹ نہ دی جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

صرف دس دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

فیصلہ ''اس کے حق میں صرف دس ووٹ ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ اس ترمیم کے خلاف اکثریت ہے میں بھی اس ترمیم کے خلاف فیصلہ کرتا ہوں کیونکہ اگر ہم ریویو اردو و انگریزی کی گرانٹ بند کر دیں گے تو اس کے معنی سوائے اِس کے اَور کیا ہو سکتے ہیں کہ یہ رسالے بند ہو جائیں'' یہ مثال تو بالکل ویسی ہی ہوگی جیسے ایک بچہ گر پڑے اور وہ روتا چیختا اپنی ماں کے پاس پہنچے تو ماں اُس کو دو تھپڑ رسید کر دے۔ بچہ تو پہلے ہی چوٹ لگنے کی وجہ سے رو رہا ہو گا جب ماں بھی اسے دو تھپڑ رسید کر دے گی تو نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ اَور بھی زیادہ روئے گا یہی حالت اس وقت ریویو کی ہے وہ تو پہلے ہی رو رہے ہیں اگر وہ فریاد لے کر ہمارے پاس مدد کے لئے آئیں تو کیا ہم مدد کرنے کی بجائے اُن کو تھپڑ مار دیں؟

پس ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی گرانٹ کو ابھی بند نہ کریں تا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ ہوسٹل جامعہ احمدیہ کے لئے صدر انجمن احمدیہ کی تجویز کے مطابق ایک ٹیوٹر منظور کیا جائے جس کے لئے بجٹ میں ۲۴۰ روپے کی رقم رکھی گئی ہے بشرطیکہ طلباء کی تعداد کم از کم پچاس ہو۔ جو دوست اس کی تائید میں ہوں کہ پچاس طلباء کی صورت میں ٹیوٹر رکھ لیا جانا چاہیے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

۲۹۶ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''۲۹۶ آراء اس تجویز کے حق میں ہیں اس لئے میں بھی کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ہوسٹل جامعہ احمدیہ کے لئے ٹیوٹر کے لئے ۲۴۰ روپیہ بجٹ میں رکھا جائے بشرطیکہ طلباء کی تعداد کم ازکم پچاس ہو۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ عمارات صدر انجمن احمدیہ کے لئے ۳۰۰۰۰ روپے کی رقم منظور کی جائے۔ جو دوست اِس کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اس پر ۱۴۴ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''جو دوست سب کمیٹی کی تجویز سے متفق ہیں کہ یہ رقم خرچ نہ کی جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اس پر ۱۶۷ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

فیصلہ

''۱۴۴ دوست اِس تجویز کے حق میں ہیں اور ۱۶۷ آراء اس کے خلاف ہیں اس لئے میں کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ دیتا ہوں کہ عمارات صدر انجمن احمدیہ کے لئے ۳۰۰۰۰ روپیہ کی رقم نامنظور کی جاتی ہے۔''

اس کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''جہاں تک بجٹ کا سوال ہے میں آخر میں اس کے متعلق مفصل بیان کروں گا سرِدست میں جماعت سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک کے طول وعرض میں جگہ جگہ فسادات ہو رہے ہیں اور ان فسادات میں لاکھوں روپے کی عمارتیں تباہ ہوتی چلی جا رہی ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں تو کرتے ہیں کہ وہ اپنے خاص فضل اور کرم سے قادیان کو ان فسادات کی لپیٹ میں آنے سے محفوظ رکھے لیکن فرض کرو دشمن خدانخواستہ قادیان پر حملہ کر دے تو ہمارے لئے پہلی عمارتوں کو ہی بچانا دشوار ہو جائے گا چہ جائیکہ ہم ان حالات کی موجودگی میں نئی تعمیرات شروع کر دیں گویا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم جان بوجھ کر اپنے سرمایہ کو تعمیرات میں لگا کر تباہ کر دیں۔ کام کرنے والے لوگ یہ نہیں دیکھا کرتے کہ ان کے بیٹھنے کے لئے جو مکان ہے اُس کی بلڈنگ اعلیٰ ہے یا نہیں اور سجا سجایا ہے یا نہیں اُن کو تو اپنے کام سے غرض ہوتی ہے اور وہ گھاس پھوس کے چھپروں کے نیچے بیٹھ کر بھی اپنے کام کو

سرانجام دیتے رہتے ہیں اور خواہ ان کو کرسیوں اور میزوں کی بجائے کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی چٹائیاں ہی اپنے استعمال میں لانی پڑیں وہ اپنے مقاصد اور عزائم کے پیش نظر ان پر بیٹھ کر کام کرنے میں کوئی ہتک محسوس نہیں کرتے۔ ناظر صاحب جو میرا نام لے کر جامعہ نصرت کے لئے لوگوں کے سامنے چندہ کی اپیل کرتے ہیں جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے اُنہوں نے اس سے پہلے بھی کئی دفعہ جامعہ کے نام پر مجھ سے روپیہ لیا ہے مگر وہ روپیہ ہمیشہ دوسرے کاموں پر صَرف کر دیا گیا اور جامعہ جیسا تھا ویسے کا ویسا ہی رہا چونکہ ناظر صاحب کو معلوم ہے کہ مجھے جامعہ نصرت سے محبت ہے اور جامعہ نصرت کے نام پر روپیہ مانگنے پر ہمیں ضرور کچھ نہ کچھ مل جائے گا اِس لئے جامعہ نصرت کا نام لے کر مجھ سے مانگنا شروع کر دیتے ہیں مگر روپیہ اپنی محبوبہ پر خرچ کر لیتے ہیں اور میری محبوبہ پھر ویسی کی ویسی بیٹھی رہتی ہے۔ روپیہ وصول کرنے کا یہ اچھا ڈھنگ اِن کو ہاتھ آیا ہے جب ضرورت ہوئی جامعہ نصرت کو پیش کر دیا اور جب روپیہ ہاتھ آ گیا تو جامعہ بے چاری دور سے دیکھتی رہ گئی۔ میرے نزدیک مغربی تعلیم عورتوں کے لئے کچھ بھی ضروری نہیں اور اس پر روپیہ خرچ کرنا اسے ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ مردوں کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ اُنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ملازمتوں میں جانا ہوتا ہے اور پھر ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان کثرت کے ساتھ اپنی زندگیاں دین کے لئے وقف کرتے ہیں اور ان کی اعلیٰ تعلیم سلسلہ کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے کیونکہ اعلیٰ تعلیم کے بغیر غیر ممالک میں تبلیغ نہیں ہوسکتی اس لئے مردانہ سکولوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ہمیں اگر غیر معمولی اخراجات بھی برداشت کرنے پڑیں تو ہم کرتے ہیں لیکن زنانہ سکولوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے غیر معمولی اخراجات برداشت کرنے میں ہمیں ضرور انقباض محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے یہ اخراجات سلسلہ کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں ہوسکتے۔

اب جیسا کہ برطانیہ کی طرف سے اعلان ہو چکا ہے انگریز ہندوستان سے جارہے ہیں اس لئے انگریزی زبان کی وہ قیمت اور وقعت یہاں نہیں رہے گی جو اِس سے پہلے تھی۔ بے شک موجودہ نسل کے لوگ جنہوں نے انگریزوں کی ملازمتیں حاصل کرنے کے لئے اعلیٰ تعلیمات حاصل کی تھیں انگریزی بولنے کے عادی رہیں گے لیکن آنے والی نسل کے وقت چونکہ انگریز

نہ ہوں گے اِس لئے طبعًا ان کو انگریزی سے چنداں دلچسپی نہ ہوگی اور وہ انگریزی میں گفتگو کرنا پسند نہیں کریں گے بلکہ وہ لوگ بھی جنہوں نے انگریز کی غلامی کی وجہ سے انگریزی کو اپنایا ہؤا تھا اور مُلکی زبان سے نفرت رکھتے تھے اس کو چھوڑنے کی کوشش کریں گے اب تک تو یہ حال تھا کہ ہر شخص اپنے روزمرہ کے مشاہدہ سے یہ جان چکا تھا کہ انگریز کے بنگلہ پر پہنچ کر لوگ سلام کرتے ہیں اس لئے قدرتی طور پر ہر شخص اس سے متأثر ہوتا تھا۔

لیکن جب انگریز چلے گئے تو لوگوں کو یہ احساس ہوگا کہ اب ہم کیوں انگریزی بولیں لوگ چاہیں گے کہ ہم جس زبان کو ہر روز اور ہر وقت اپنے گھروں میں بولتے ہیں اُسی کو استعمال میں لائیں۔ پھر یہ بھی ایک مسلّمہ امر ہے کہ جب تک ہندوستان کے اندر ہندوستانیوں کی مادری زبان رائج نہیں ہوجاتی ہمارا ملک ترقی کی منازل طے نہیں کرسکتا اگر اِس وقت تک ہندوستانیوں نے انگریزی کو اپنائے رکھا تو اُن کا یہ فعل بعض اغراض کے ماتحت تھا اور اِس زبان کو اب تک اس لئے بھی برتری اور فوقیت حاصل رہی کہ یہ حاکموں کی زبان تھی اور ہر قسم کے لوگ انگریزوں کی نقل میں ہی اپنے لئے فخر محسوس کرتے تھے۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے ہندوستانیوں کے لئے ایک بہت بڑا فائدہ مقدر کر رکھا تھا اور وہ فائدہ وابستہ تھا انگریزی زبان کے ساتھ۔ جب تک ہندوستانی انگریزی زبان نہ سیکھتے وہ اس فائدہ سے محروم رہتے وہ فائدہ یہ تھا کہ ہم نے فلسفہ، سائنس اور حساب وغیرہ کے علومِ جدیدہ اس قوم سے سیکھنے تھے اور یہ علوم صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتے تھے کہ ہم انگریزی زبان کو سیکھتے اب جب کہ ہم وہ فوائد حاصل کر چکے ہیں ہمارے لئے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کچھ زیادہ مفید نہیں رہی اور جب انگریز ہندوستان سے چلے جائیں گے اُس وقت انگریزی زبان کی کچھ بھی اہمیت نہیں رہ جائے گی بہرحال ہندوستان کی آئندہ زبان کوئی اَور ہوگی خواہ وہ اُردو ہو یا کوئی اَور۔

تعلیم کے اخراجات کم کرکے تبلیغ پر زور دیں

میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس وقت ہماری تعلیم پر بہت زیادہ اخراجات ہو رہے ہیں اتنے زیادہ کہ اس کے مقابلہ میں تبلیغ کے اخراجات بھی کم ہیں تعلیم کے اخراجات کا یہ غیر معمولی بوجھ ایسا ہے جو تبلیغ میں کَمَا حَقُّہٗ کامیابی حاصل کرنے کے

رستہ میں ہمارے لئے روک بن رہا ہے ہمارے لئے ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تعلیم کے اخراجات کو کم کر کے تبلیغ پر زور دیں اور تعلیم کے صرف ایسے اخراجات ہی ضروری سمجھے جائیں جن کے بغیر گزارہ نہ ہوسکتا ہو پرانے زمانہ کے علماء شاندار عمارتوں میں بیٹھ کر نہیں پڑھاتے تھے ان کے پاس میزیں اور کرسیاں اور دوسرا فرنیچر نہیں ہوتا تھا وہ درختوں کے سایہ میں چٹائیاں بچھا کر ہی بیٹھ جایا کرتے تھے اور کام بھی آجکل کے علماء سے زیادہ کرتے تھے مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل ہمیشہ ہمیں چٹائیوں پر بٹھا کر پڑھایا کرتے تھے اس میں نہ آپ اپنی ہتک محسوس کرتے تھے اور نہ ہم اپنی ہتک سمجھتے تھے۔

پس تعلیم کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سکول کی بلڈنگ اعلیٰ قسم کی ہو یا میزیں اور کرسیاں اعلیٰ درجہ کی ہوں بلکہ تعلیم کے لئے صرف معلّمین اور متعلّمین کے دلوں میں عزم کی ضرورت ہے اُستاد سمجھ لیں کہ ہم نے اپنے شاگردوں کو پڑھانا ہے اپنے سلسلہ اور قوم کی زندگی کے لئے اور شاگرد سمجھ لیں کہ ہم نے پڑھنا ہے صرف اس لئے کہ ہم تعلیم حاصل کر کے سلسلہ کے لئے مفید وجود بنیں گے جب یہ دونوں اِن باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں گے تو میں امید کرتا ہوں کہ ہم تعلیم کے زائد اور غیر ضروری اخراجات سے بچ جائیں گے اور موجودہ بوجھ یقیناً کم ہو جائے گا البتہ گورنمنٹ کی طرف سے اگر اِن باتوں پر زور دیا جائے کہ عمارت اِس قسم کی ہونی چاہیے اور سازوسامان اس قسم کا ہو تو اس صورت میں گورنمنٹ سے مدد کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ جب تک گورنمنٹ ہمیں اِن کاموں کے لئے امداد نہیں دیتی ہم کیوں اپنا روپیہ ضائع کریں اور ایسے وقت میں کریں جبکہ ایک طرف ہمارا مقدس مقام چاروں طرف سے خطرات میں گھِرا ہؤا ہے اور دوسری طرف ہمارے دین پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ اِس وقت تو ہمیں چاہیے کہ جہاں تک ہم سے ہوسکے ہم اپنے زائد اخراجات کو کم کرنے کے علاوہ ایسے اخراجات بھی کم کر دیں جن کے کم کرنے سے ہمیں تھوڑی بہت تکلیف برداشت کرنی پڑے اور اپنی ساری توجہ اپنے مقدس مقامات کی حفاظت اور دین کی اشاعت کی طرف مبذول کر دیں اور اگر ہم اِس قسم کے خیالات رکھنے لگ جائیں کہ ہمارے کالج کی عمارت اگر یوں نہ بنی تو ہماری ناک کٹ جائے گی یا ہمارا ہوسٹل اعلیٰ پایہ کا نہ ہؤا تو دنیا ہمیں طعنے دے گی تو میرے نزدیک اِس قسم کی باتوں اور طعنوں سے اگر ہماری

ناک کٹتی ہے تو ایک دفعہ چھوڑ سو دفعہ کٹے۔ ہم ایسی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ میں تو یہاں تک خیال کرتا ہوں کہ اگر کسی وقت نوبت یہاں تک پہنچے کہ ہمیں تعلیمی اداروں کو بند کر کے اِن کے اخراجات بھی تبلیغ پر صَرف کرنے پڑیں تو ہم اِس سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور اُس وقت یہ کوئی معیوب بات نہیں ہوگی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا اصل مقصد اور مدعا تبلیغ ہے ہاں اِن موجودہ مخدوش اور پُرفتن ایام کے خیریت کے ساتھ گزر جانے کے بعد ہم ایسے کاموں کی طرف توجہ کر سکتے ہیں پس جب تک ہم ان ہولناک ایام میں سے صحیح سلامت گزر نہیں جاتے ہمیں اپنے پیسے کی قدر کرنی چاہیے اور اپنا ایک ایک پیسہ صَرف کرنے سے پیشتر ہمیں سوچنا چاہیے کہ آیا وہ کام جس کے لئے ہم یہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اب ایسا ہے کہ اس کے بغیر ہم گزارہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ کام ایسا ہے کہ اُس پر خرچ کئے بغیر ہم گزارہ کر سکیں تو خواہ ہمیں اِس کے لئے تھوڑی بہت تکلیف بھی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے ہمیں اس کے لئے خزانہ سے پیسہ نکالتے وقت تأمل ہونا چاہیے۔

نازک ایام میں ہمارا فرض

پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اخراجات کے بارہ میں اپنا ہر قدم پھونک کر رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو زائد اخراجات کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ موجودہ ایام میں اگر ہم نے اس طرف زیادہ توجہ کی کہ سلسلہ کے دفاتر اور تعلیمی اداروں کے لئے زیادہ اعلیٰ عمارتیں ہوں تو ممکن ہے دشمن کے حملہ کی صورت میں ہمیں زیادہ نقصان اُٹھانا پڑے اور وہ نقصان ایسا ہو جس سے ہماری کمریں خم ہو جائیں۔ پس دوستوں کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا، گڑ گڑا کر دعائیں کریں اور ساتھ ہی فتنہ انگیزوں کو اُن کی فتنہ انگیزیوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اُن کو اِس قسم کے فسادات کے بدنتائج سے باخبر کریں اور ان کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ سے دعائیں کریں ایسے مُفسدوں اور فتنہ پردازوں کو نصیحت کرتے رہنا آخر فائدہ مند ثابت ہوگا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى[4] اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بالکل سچ اور صحیح ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ جن لوگوں کو بار بار نصیحت کی جائے وہ راہ راست پر نہ آجائیں خواہ وہ ہندو اور سکھ ہی کیوں نہ ہوں۔ نصیحت بہرحال فائدہ پہنچاتی ہے بشرطیکہ صحیح طور پر کی جائے۔

اب بجٹ کی بعض باتوں کے متعلق میں دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

۱۔ بجٹ کے صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے کہ گھٹیالیاں سکول کو ۳۸۹۲ روپیہ مدد دی جائے گی اور اِس کے ساتھ نوٹ یہ ہے کہ ''معاہدہ یہ ہے کہ فیسوں اور سرکاری گرانٹ کی آمد کو وضع کر کے باقی اخراجات کا نصف مقامی جماعت برداشت کرے گی اور نصف صدرانجمن احمدیہ۔ گویا ۱۹۴۶ روپیہ مقامی جماعت کی طرف سے داخلِ خزانہ ہونے پر ۳۸۹۲ روپیہ اُنہیں مل سکیں گے'' اب اس کو بجٹ کے صفحہ ۶ پر آمد میں دیکھیں تو وہاں امداد از جماعت گھٹیالیاں برائے نصف اخراجات ۱۲۸۶ روپے کی رقم درج ہے۔ میرے نزدیک یہ غلط ہے ۳۸۹۲ روپے کا نصف ۱۹۴۶ روپے ہونا چاہیے نہ کہ ۱۲۸۶ روپے۔ اِسی طرح ۶۶۰ روپیہ کی رقم ہماری آمد میں سے کم ہو جائے گی۔

۲۔ زود نویسی کے محکمہ میں چار زود نویسوں کا خرچ رکھا گیا ہے مگر کام صرف تین زود نویس کر رہے ہیں چوتھا زود نویس اب تک محکمہ کو ملا ہی نہیں گویا ایک زود نویس کا خرچ محض زائد طور پر دکھایا گیا ہے۔

۳۔ بجٹ میں ایک اور سُقم یہ ہے کہ ایک صیغہ کے اخراجات دوسرے صیغہ میں دکھائے گئے ہیں مثلاً ناظر صاحب اعلیٰ کی تنخواہ نظارت تألیف وتصنیف میں رکھی گئی ہے جو ہرگز درست نہیں۔ اگر انجمن نے کسی صیغہ سے کوئی شخص اپنی ضرورت کے لئے لے لیا ہے تو اُس کا خرچ بھی اُسی صیغہ میں پڑنا چاہیے جس نے لیا ہے نہ کہ وہ صیغہ برداشت کرتا رہے جس سے لیا گیا ہے۔ اِسی طرح ریویو میں ایک آدمی دعوت وتبلیغ سے لیا گیا ہے مگر خرچ بجائے ریویو کے اب تک دعوۃ وتبلیغ پر پڑ رہا ہے جو میرے نزدیک ہرگز درست نہیں آئندہ اِن باتوں کی اصلاح ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ طریق کہ ایک صیغہ کا خرچ دوسرے صیغہ کو برداشت کرنا پڑے درست نہیں۔

۴۔ صدرانجمن احمدیہ کے کارکنان کے مہنگائی الاونس کے متعلق سب کمیٹی نے لکھا ہے کہ ''بجٹ دیباچہ میں صدرانجمن احمدیہ نے کارکنان کے گرانی الاؤنس کے اضافہ کے لئے ۲۷۰۰۰ روپیہ کے مزید خرچ کا جو ذکر کیا ہے وہ ضرور قابلِ غور ہے اور اس خرچ کو بجٹ میں شامل کر کے منظور کرنا چاہیے''۔ مگر میرے نزدیک یہ معاملہ اِس وقت پیش نہیں ہو سکتا

کیونکہ صدر انجمن احمدیہ نے کارکنان کے مہنگائی الاؤنس کو بڑھانے کے لئے کوئی تجویز بجٹ میں نہیں رکھی بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''کارکنان کے گرانی الاؤنس میں اضافہ کی تجویز صدر انجمن احمدیہ کے زیرِ غور ہے اور اشیاء کی گرانی اِس حد تک پہنچ گئی ہے کہ گرانی کے الاؤنس میں اضافہ کرنا صدر انجمن احمدیہ مناسب سمجھتی ہے اگر یہ اضافہ منظور کیا گیا تو خرچ میں تقریباً ۲۷ ہزار کا مزید اضافہ ہوگا مگر فِی الحال یہ اضافہ بجٹ میں جو اَب پیش کیا جا رہا ہے شامل نہیں کیا گیا گویا یہ معاملہ صدر انجمن احمدیہ کے ابھی زیرِ غور ہے اور اس نے یہ معاملہ فیصلہ کے لئے پیش نہیں کیا پس کارکنان کے مہنگائی الاؤنس میں اضافہ کا معاملہ اِس وقت پیش نہیں ہوسکتا۔

۵۔ بجٹ میں مبلّغین کی تعداد بہت زیادہ دکھائی گئی ہے جس چیز کی میں نے اجازت دی تھی وہ یہ تھی کے سولہ مبلّغین پچھلے سال مقرر کئے گئے تھے اور پچاس اس سال یہ کل چھیاسٹھ بنتے ہیں اور میں نے کہا تھا کہ ساٹھ اَور رکھ لئے جائیں یہ کل تعداد ایک سو چھبیس بنتی ہے لیکن موجودہ بجٹ اِس سے بہت زیادہ تعداد ظاہر کر رہا ہے بجٹ میں ۷۶+۷۴ (بجٹ اخراجات جدید) بیلنس دکھائے گئے ہیں اور اِس ۷۴ کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے کہ کشمیر کے لئے دو دیہاتی مبلّغین زیرِ تعلیم باسٹھ اور دیہاتی مبلّغین عارضی دس اب سوال یہ ہے کہ کشمیر کے لئے جو دو مبلّغ رکھے گئے ہیں ان کے رکھنے کی میں نے کب اجازت دی تھی اسی طرح جو دس زائد دیہاتی مبلّغین عارضی دکھائے گئے ہیں ان کی منظوری بھی مجھ سے نہیں لی گئی یہ چوبیس کی زیادتی بغیر میری اجازت اور ہدایت کے کی گئی ہے۔''

اس موقع پر حضور کے استفسار پر جناب میرزا بشیر احمد بیگ صاحب نائب ناظر دعوت وتبلیغ نے بتایا کہ اُنہوں نے بجٹ میں یہ گنجائش کیوں رکھی تھی۔ سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

احمدیت کی طرف بڑھتا ہوا رجحان

''جہاں تک تبلیغ کا سوال ہے اس کے متعلق میری سکیم بہت وسیع ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اِس محکمہ میں ہمیں ابھی کئی گُنا زیادتی کرنی پڑے گی۔ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں بھی

بیداری کے آثار پائے جاتے ہیں اور لوگ تبلیغ کرنے کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دے رہے ہیں میرا ارادہ ہے کہ دو تین سالوں میں مبلّغین کی تعداد پانچ سو تک پہنچا دی جائے اور جوں جوں ضرورت بڑھتی جائے ہم اس تعداد میں زیادتی کرتے چلے جائیں اور یہ تعداد کئی ہزار تک پہنچ جائے۔

تبلیغ کے متعلق جہاں تک میں نے تجربہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے اکثر نوجوان جو تبلیغ کے لئے غیر ممالک میں گئے ہوئے ہیں وہ اکثر جگہوں میں کامیاب ہوئے ہیں اور اُن کی تبلیغ کے نتائج نہایت خوشکُن ثابت ہو رہے ہیں مثلاً امریکہ میں ہی جُوں جُوں ہم اپنی تبلیغ کو وسیع کرتے جا رہے ہیں مبلّغین کی مانگ بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ بعض دوستوں کی تو یہاں تک رائے ہے کہ اگر کچھ عرصہ تک ان علاقوں میں ہوشیاری اور محنت اور اخلاص کے ساتھ کام کیا جائے تو بیس پچیس بلکہ تیس ہزار سالانہ نیا آدمی جماعت میں داخل ہونا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اگر وہاں کے پچیس تیس ہزار آدمی سالانہ نئے جماعت میں داخل ہوں تو آمدنی بھی بڑھ جائے گی اور مبلّغین کے اخراجات بھی وہاں کی جماعتیں نہایت آسانی سے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں گی اب بھی وہاں کی جماعت گو تھوڑی ہے مگر ہزاروں ہزار روپیہ اُن کی طرف سے آ رہا ہے اور اگر آئندہ ہم اپنی تبلیغ کو بڑھائیں گے تو یقیناً یہ ہمارے لئے مفید ہوگا۔ **مبلّغ کا وجود درحقیقت برف کے پانی کی طرح ہوتا ہے کہ جُوں جُوں پیتے جائیں پیاس زیادہ لگتی ہے** اسی طرح ایک مبلّغ کے بعد دوسرے مبلّغ کی ضرورت پڑتی ہے اگر ہم تبلیغ کے خوش کُن نتائج اور موجودہ ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے تین سَو دیہاتی مبلّغین کا اضافہ کریں تو ہمارا خرچ تین لاکھ سالانہ بڑھ جائے گا اور اگر یہ تعداد ایک ہزار تک پہنچا دی جائے تو سات آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ بجٹ بڑھ جائے گا ہم ان حالات کی موجودگی میں جو اِس وقت ہمیں نظر آ رہے ہیں انشراحِ صدر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب ہندوستان کے اندر کیا اور غیر ممالک میں کیا لوگوں کی طبائع کے اندر احمدیت کی طرف توجہ کرنے کا احساس پایا جاتا ہے۔ ہمارے دو مبلّغ کراچی میں کام کر رہے ہیں اور کراچی کے مضافات میں بھی احمدیت کا بہت چرچا ہے چنانچہ اِس دفعہ جب مَیں سندھ گیا تو ایک ایگزیکٹو انجینئر صاحب اور ایک کیپٹن صاحب بیعت کے لئے

میرے پاس آئے اور اس سفرِ سندھ میں ۷۰ کے قریب سندھی بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہوئے۔ اور بعض علاقوں میں تو احمدیت کا اتنا چرچا ہے کہ ایک شخص سَو میل کا پیدل سفر کر کے مجھے ملنے آیا۔ یہ سب حالات بتاتے ہیں کہ اب لوگوں کے دلوں میں احمدیت کے متعلق تحقیقات کرنے کا شوق ہونے لگا ہے اور یہ دلچسپی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اس لئے ابھی ہم کو قربانیوں کے میدان میں اِس طرح اپنے آپ پر جبر کر کے چلنا پڑے گا جیسے گھوڑا لگام کو اپنے منہ میں دَبا کر چلتا ہے ورنہ ہمارا لٹریچر، ہماری تقریریں اور تمام گزشتہ کوششیں بیکار جائیں گی۔ میں نے اِس سفرِ سندھ میں لوگوں کے احمدیت کی طرف بڑھتے ہوئے رُجحان اور اشتیاق کو دیکھا ہے جس سے میں اندازہ لگاتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان آخر ہر طرف سے ٹھوکریں کھا کر احمدیت ہی کے مضبوط قلعہ کے اندر آ کر پناہ گزیں ہوں گے۔ اب مسلمانوں کے اندر کچھ کچھ بیداری کے آثار پائے جانے لگے ہیں اور وہ اِس کشمکش کے زمانہ میں ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر احمدیت کے جھنڈے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں نے گزشتہ سفر میں دیکھا کہ ملتان یا منٹگمری کے سٹیشن پر ایک شخص عین اُس وقت میری ملاقات کے لئے پہنچا جب کہ ریل چل پڑی تھی مگر وہ پھر بھی ریل کے ساتھ ساتھ دَوڑتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ میں نے کسی دوست سے لے کر آپ کی تفسیر پڑھی ہے جس نے میرے سینے میں ایک تلاطم پیدا کر دیا ہے مگر مجھ میں خریدنے کی استطاعت نہیں۔ اُس کے اندر اِتنا جوش تھا کہ ریل کے ساتھ ساتھ دَوڑتا آیا یہاں تک کہ پلیٹ فارم بھی ختم ہو گیا مگر میں نے دیکھا کہ وہ پھر بھی دَوڑ رہا تھا اور باوجودیکہ ریل کے شور میں اُس کی آواز دَب رہی تھی اُس کے ہونٹ ملتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ پس عوام الناس کی طبائع میں یہ جوش ظاہر کرتا ہے کہ ایک دنیا احمدیت کے روحانی پانی کی پیاسی ہو رہی ہے مگر ہمیں افسوس ہے کہ ہم اُن کی پیاس بُجھانے کے لئے گو تڑپ رہے ہیں لیکن وسیع پیمانہ پر کام نہیں کر سکتے۔ **بے شک احمدیت روحانی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے لیکن جب تک اِس چشمہ میں سے سقّے اپنے مشکیزے پانی سے بھر بھر کر پیاسوں تک گھر گھر نہ لے جائیں گے، ان کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔** ہمارے مبلّغین کی مثال سقّوں کی سی ہے جو اس روحانی چشمے سے اپنے اپنے مشکیزے بھر کر اور کمر پر اُٹھا کر دُور و نزدیک کے پیاسوں کی پیاس بُجھا رہے ہیں

مگر اب جب کہ پیاسوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے ہمیں بھی ان کی پیاس بجھانے کے زیادہ سامان کرنے چاہئیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ ہماری جماعت نے اس کام کو سرانجام دینے کے لئے بہت زیادہ قربانیوں سے کام لیا ہے ایسی قربانیوں سے کہ موجودہ زمانہ میں اُن کی مثال ملنی مشکل ہے مگر جُوں جُوں ہم نئے علاقوں کی طرف رجوع کررہے ہیں ہمارا کام بھی بڑھتا جارہا ہے اور ہماری ذمہ داریاں بھی بیش از پیش ہیں۔ اگر ہم یہ سمجھ کر کہ ہم نے کافی قربانیاں کرلی ہیں تھک کر بیٹھ جائیں تو یہ جوانمردی کے خلاف ہوگا جوانمردی اس کا نام نہیں کہ ایک کام کو ادھورا چھوڑ دیا جائے بلکہ جوانمرد اور جواں ہمت وہ شخص ہے جو اپنے عہد کو مرتے دم تک نبھائے۔

۶۔ احمدیہ دارالتبلیغ کشمیر کے لئے ۲۵ روپیہ ماہوار کی بجائے ۱۰۰ روپیہ ماہوار کیوں کردیا گیا ہے حالانکہ وہاں ہر چیز سَستی مل سکتی ہے یہ رقم کم ہونی چاہیے۔

۷۔ کولمبو میں دارالتبلیغ کے لئے ۱۵۰۰ روپیہ کی رقم رکھی گئی ہے حالانکہ وہاں کوئی مبلّغ نہیں یہ رقم بھی کم ہونی چاہیے۔

۸۔ تعلیم وتربیت کا سفر خرچ بھی بہت زیادہ رکھا گیا ہے اس کو بھی کم کرنا چاہیے۔

یہ بعض اخراجات جن کے متعلق میں نے توجہ دلائی ہے ایسے ہیں جو ضرور کم ہونے چاہئیں اور جو رقمیں بلا ضرورت ہیں وہ اُڑا دینی چاہئیں۔

اب میں جماعت کے سامنے سب کمیٹی کا تجویز کردہ بجٹ آمد پیش کرتا ہوں جو دوست اس کے حق میں ہوں کہ سب کمیٹی کا تجویز کردہ بجٹ منظور کیا جائے۔ وہ کھڑے ہوجائیں''

اس پر ۳۳۰ نمائندگان کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''۳۳۰ دوستوں کی رائے ہے کہ اس بجٹ کو منظور کیا جائے میں اس کے متعلق اپنی رائے محفوظ رکھتا ہوں۔''

پھر فرمایا:۔

بجٹ آمد

''اب آمد کے متعلق دوست سوچ لیں کیونکہ اخراجات کا جو بجٹ منظور کیا گیا ہے وہ آمد سے زیادہ ہے اِس کے متعلق سب کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ ہر احمدی

اپنی ماہوار آمد کا پچاس فیصدی بطور چندہ خاص ان ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دے۔ اب جو بجٹ آپ لوگوں نے آمد کا منظور کیا ہے وہ ۱۶۲۳۵۹۸ روپے کا ہے اس آمد میں غیر معمولی چندہ ۳۸۰۰۰۰ روپے سے کچھ اُوپر ہے۔ پچاس فیصدی زیادتی کرنے سے ۳۸۰۰۰۰ روپے آمد ہوگی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چندہ کالج کے لئے متواتر زور لگانے کے باوجود اِس وقت تک کُل ۷۷۰۰۰ روپے کی آمد ہوئی ہے میں بطور فخر نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت کے لئے بتانا چاہتا ہوں کہ اس میں ۱۰۰۰۰ روپیہ چندہ صرف میری طرف سے ہے گویا ساری جماعت کا چندہ مجھ اکیلے سے چھ گُنا ہے۔ اِس وقت ہمارے سامنے سب سے بڑی اور ضروری چیز یہ ہے کہ ہم حفاظتِ مرکز کے لئے بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کریں۔ اِس وقت تک اِس مد میں کُل ۴۴۰۰۰ روپے کی رقم آئی ہے اوّل تو اِس کے لئے ایک لاکھ پچھتر ہزار روپے کا جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ میرے نزدیک بالکل ناکافی ہے اس کے لئے کم از کم پانچ لاکھ روپیہ درکار ہے لیکن اِس وقت تک کُل آمدن ۴۴۰۰۰ روپے ہوئی ہے اور اگر سال یا ڈیڑھ سال تک زور لگانے کے بعد ۷۵۰۰۰ روپیہ وصول بھی ہوگیا تو کیا ہوا کیونکہ یہ رقم اِس ضرورت کو پورا نہیں کرسکتی اِس مد میں کُل ۴۴۰۰۰ روپے کی رقم کا آنا بتاتا ہے کہ یا تو جماعت میں تھکاوٹ پیدا ہوگئی ہے یا اِس تحریک کو صحیح طور پر لوگوں تک پہنچایا نہیں گیا اور لوگوں پر اِس کی اہمیت واضح نہیں کی گئی۔ میرے نزدیک یہ سوال کہ یہ رقم کس طرح پوری کی جائے کوئی خاص تجویز چاہتا ہے اور اُس کے لئے کوئی ایسی صورت ہونی چاہیے جو تجربۃً کامیاب ہو۔ اب مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع ہوں گی نمازوں کے بعد پھر اجلاس ہوگا دوست یہاں سے جا کر اپنے اپنے ذہن میں اِس کے متعلق تجاویز سوچیں اور مغرب وعشاء کی نماز کے بعد جو اجلاس ہو اُس میں بتائیں کہ یہ رقم کس طرح جمع کی جائے۔''

اس کے بعد حضور مغرب وعشاء کی نمازوں کے لئے مسجد نور میں تشریف لے گئے۔

نمازوں کے بعد جب تیسرا اجلاس شروع ہوا تو حضور نے فرمایا:۔

''چونکہ صورت حال اِس سے بہت زیادہ خطرناک ہے جو ہم نے پہلے سمجھی تھی اِس لئے اب اندازہ لگایا گیا ہے کہ حفاظتِ مرکز کے لئے کم از کم پانچ لاکھ روپیہ کی ضرورت

ہوگی۔ بجٹ کے عام اخراجات تو سال کے دَوران میں پورے ہوتے رہیں گے لیکن حفاظتِ قادیان کے لئے ہم سال بھر انتظار نہیں کر سکتے۔ میں تو جتنا سوچتا ہوں اُتنا ہی معاملہ اُلجھا ہؤا نظر آتا ہے۔ آپ لوگ ذرا غور کریں کہ اگر کسی شخص کا لڑکا بیمار ہو جائے تو وہ سینکڑوں روپیہ اُس کی دواؤں وغیرہ پر خرچ کر دیتا ہے بلکہ میں نے غرباء کو دیکھا ہے کہ وہ بھی سَو دوسَو روپیہ خرچ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں کئی دفعہ بعض غریب آدمی میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سَو روپیہ تو ہم نے جمع کر لیا ہے ایک سَو روپیہ آپ دے دیں تو ہم فلاں جگہ اپنے بچے کو لے جا کر اُس کا علاج کرائیں لیکن حفاظتِ مرکز کے لئے اِس وقت تک کُل چھتیس ہزار روپیہ آیا ہے۔ حالانکہ آپ لوگوں کے سامنے امرتسر اور لاہور کے واقعات ہیں کہ اُن کو جلایا گیا اور بہت سا جانی نقصان ہؤا اِن واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ چندہ بالکل تمسخر معلوم ہوتا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہی حالات رہے تو آپ لوگ کس طرح مرکز کی حفاظت کریں گے اور کس طرح پانچ لاکھ روپیہ پورا کریں گے۔ پس مجھے بتایا جائے کہ جو روپیہ دیا گیا ہے وہ جماعت نے کیا سمجھ کر دیا ہے اور باقی روپیہ آپ لوگ کس طرح پورا کریں گے۔''

اِس پر چند ممبران نے اپنے نام لکھوائے اور آراء پیش کیں۔ اِس پر حضور نے فرمایا:۔

حفاظت مرکز کے متعلق جماعت سے مالی قربانیوں کا مطالبہ

''اگر یہ سلسلہ انسانی ہاتھوں کا بنایا ہؤا ہوتا تو میں سمجھتا کہ جماعت کی اِس معاملہ میں عدم توجہی حقیقی کمزوری اور کمیٔ ایمان کا نتیجہ ہے لیکن یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کا بنایا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا کہ میں تیرا محافظ ہوں[۵] اور تیرے سچے اور حقیقی محبّوں کا گروہ بڑھاتا چلا جاؤں گا[۶] پس میں یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ جماعت کی عدمِ توجہ حقیقی کمزوری کی وجہ سے ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں یہ سُستی اور غفلت حقیقی سُستی اور غفلت کی وجہ سے نہیں بلکہ حالات کا صحیح اندازہ نہ لگانے کی وجہ سے ہے اور آج میری غرض بھی یہی تھی کہ مَیں جماعت کو توجہ دلاؤں کہ وہ نادانی سے غفلت اور سُستی کی مرتکب نہ ہو ورنہ حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور جس کے متعلق میں نے آپ لوگوں کو قبل از وقت متنبہ

کر دیا تھا۔ وہ تنبیہ کسی قیاس کی بناء پر نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے ماتحت تھی اور اللہ تعالیٰ کی باتیں ہمیشہ سچی ہوتی ہیں، کوئی ہستی ان کو جھوٹا ثابت نہیں کر سکتی۔

مجھے آج ایک دوست کا رُقعہ ملا جس میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ وہ لاہور گئے تھے وہاں سلسلہ کے ایک سخت مخالف سے اُن کی بات چیت ہوئی تو اُنہوں نے محسوس کیا کہ اس کی حالت بالکل بدلی ہوئی ہے۔ اُس مخالف شخص نے میرا نام لے کر کہا کہ ان کی خواب کا آدھا حصہ تو پورا ہو گیا ہے اور خدا کرے کہ دوسرا حصہ بھی پورا ہو جائے اور ہم لوگ مصیبت سے بچ جائیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں ایک ایک کر کے پُوری ہو رہی ہیں اور بدلنے والے حالات بہت سُرعت کے ساتھ بدل رہے ہیں۔

میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ مسلم لیگ پر وائسرائے ہاؤس میں کانگرس نے حملہ کیا ہے یہ خواب کس طرح لفظ بہ لفظ پورا ہؤا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو صاحب نے وائسرائے پر زور دیا کہ مسلمانوں کو اینٹرم گورنمنٹ سے نکال دیا جائے پھر جس طرح میں نے دیکھا تھا کہ مسلمان اُڑتے ہیں اور اُونچی اُونچی چھلانگیں لگاتے ہیں بالکل اِسی طرح ہؤا مسلم لیگ کے ممبران ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر انگلستان گئے اور وہاں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی جس کا ہندو اخبارات نے بھی اعتراف کیا۔

اسی طرح فسادات کے متعلق یہ کتنی واضح خواب ہے کہ میں نے دیکھا ہمارا ایک عزیز ایک مکان میں غائب ہو گیا ہے اور اس مکان کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہاں ہندو مسلمانوں کو قتل کر دیتے ہیں اور میں اس کو تلاش کرنے کے لئے اِدھر اُدھر پھرتا ہوں۔ میری اِس خواب کے شائع ہونے پر ایک شخص نے گورنمنٹ کو درخواست دی کہ اس میں احمدیوں کو ہندوؤں پر حملہ کرنے کے لئے اُکسایا گیا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے مجھے قبل از وقت اِن حالات کا علم دیا اور میں نے ایسے وقت میں اِن باتوں کے متعلق جماعت کو آگاہ کیا جبکہ دنیا اِن کے متعلق کچھ نہ جانتی تھی۔

ابھی ایک رؤیا شائع نہیں ہوئی میں نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ فوجوں میں بغاوت کے آثار پائے جاتے ہیں چنانچہ جالندھر کے ایک فوجی افسر نے مجھ سے ذکر کیا کہ واقعہ میں بعض مقامات پر فوجوں میں بغاوت کے آثار نمودار ہوئے لیکن گورنمنٹ نے اِس خبر کو دَبا دیا

اور ابھی ہم نہیں جانتے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے یہ فرقہ وارانہ فسادات ابھی شروع بھی نہیں ہوئے تھے کہ مجھے ہندو مسلم لڑائی کے متعلق بتایا گیا چنانچہ پہلے بنگال میں فسادات ہوئے پھر بہار میں ہوئے اور پھر اس کے بعد یہ آگ پنجاب میں آ پہنچی۔

اس سے پہلے ۱۹۱۵ء میں میں نے ایک نظارہ دیکھا تھا کہ دریا میں طغیانی آ گئی ہے اور شہر غرق ہوتے جا رہے ہیں۔ میں بھی دریا میں بہتا جا رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! سندھ میں تو میرے پیر لگ جائیں۔ اس کے ایک معنٰی تو یہ تھے کہ وہاں احمدیوں کو زمینیں اور جائیدادیں مل جائیں گی اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ سندھ ہماری مضبوطی کا موجب ہوگا اور ہمیں وہاں قیام کرنے کے لئے جگہ ملے گی اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ پنجاب کو اشد ضرورت کے وقت سندھ سے مدد ملے گی۔ میں جماعت کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے سِوا دنیا میں ہر قوم کے لئے آزادی ہے مسلمانوں کا کعبہ اور ہندوؤں کی تیرتھ گاہیں محفوظ ہیں کیونکہ یہ لوگ اِتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اگر کوئی دشمن حملہ کرنا چاہے تو اُسے پہلے سوچنا پڑتا ہے لیکن ہم بہت تھوڑے ہیں۔ نہ ہماری تعداد زیادہ ہے اور نہ ہمارے پاس طاقت ہے کہ جس سے ہم اپنی حفاظت کر سکیں اور ہم جہاں رہتے ہیں اُس کو چھوڑ بھی نہیں سکتے کیونکہ ہمارے یہاں مقدس مقامات ہیں اور مقدس مقامات کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ بیسیوں چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی ذات میں کوئی خاص عظمت نہیں رکھتیں لیکن آئندہ تبلیغ کے لئے اُن کا وجود ضروری ہوتا ہے مثلاً خواہ کتنا ہی عظیم الشان مکان ہو وہ ہر ایک انسان سے ادنیٰ ہوتا ہے اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مومن بہر حال اینٹوں اور پتھروں کی عمارت سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ مکّہ کے ہزاروں ہزار پتھر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مومن کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتے لیکن خانہ کعبہ کو بچانے کے لئے اگر دس کروڑ کیا دس ارب مومن بھی قربان کر دیئے جائیں تو اُس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ اُس وقت یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ پتھر ہیں اور انسان کا وجود زیادہ قیمتی ہے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اِس کا انہدام اسلام پر کیا اثر رکھتا ہے۔ چونکہ اسلام اور مسلمانوں کی عظمت اور ان کی عقیدت کی وابستگی بیتُ اللہ کے ساتھ ہے اور شعائر اللہ میں داخل ہے اِس لئے بیتُ اللہ کی حفاظت کے لئے اربوں ارب مسلمان بھی نہایت آسانی سے قربان کیا جا سکتا ہے۔ پس دوسرے لوگوں

کی حالت اَور رنگ کی ہے اور ہماری اَور رنگ کی۔ اِن حالات میں میرا فرض تھا کہ میں آپ لوگوں کے مُونہوں سے یہ کہلواؤں کہ آپ سے غلطی ہوئی ہے تا کہ آپ کے اندر بیداری پیدا ہو اور آپ کو اپنا فرض سرانجام دینے کی ہر وقت فکر رہے ورنہ میں جانتا ہوں کہ آسمانی ارادہ یہی ہے کہ یہ جماعت کامیاب ہو۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہماری چھوٹی سی جماعت اِتنی بڑی قربانیاں کر رہی ہے کہ دُنیوی جماعتوں میں اِس کی مثال نہ مل سکے گی پس یہ غرض تو پوری ہوگئی اب سوال یہ ہے کہ یہ رقم کس طرح پوری کی جائے۔ وہ تجاویز جو اِس وقت دوستوں نے پیش کی ہیں اُن سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیں چندہ جمع کرتے کرتے بہت دیر لگ جائے اور ضرورت فوری طور پر سامنے آجائے۔ کہتے ہیں ’’تا تریاق آوردہ شود۔ مار گزیدہ مُردہ شود‘‘

دوست اپنا روپیہ بطور امانت قادیان بھجوائیں

ممکن ہے کہ وقت ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے اور ممکن ہے کہ پانچ دس دن تک ہی ہمیں اِس روپیہ کی ضرورت پیش آجائے اِس لئے ہمیں فوری طور پر ایسا طریق اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس سے ہماری فوری ضروریات پوری ہوسکیں۔ اِس کے لئے مَیں نے طریق سوچا ہے کہ دوستوں کا جس قدر روپیہ اپنی ضرورت سے زائد دوسرے بینکوں میں جمع ہے وہ امانت کے طور پر فوراً قادیان بھجوا دیں اور یہ ادنیٰ سے ادنیٰ قربانی ہے جس کا اُن سے مطالبہ کیا گیا ہے اس طرح اُمید ہے کہ ہمیں فوری طور پر پانچ چھ لاکھ روپیہ مل جائے گا اور ایک دو سال کے بعد ہم اِسے واپس کر دیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اِس وقت باہر ہماری جماعت کا پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ جمع ہوگا اِس لحاظ سے پانچ چھ لاکھ روپیہ کا فوراً جمع ہو جانا کوئی مشکل نظر نہیں آتا، اگر ہماری یہ فوری ضرورت پوری ہو جائے تو ہم سانس لینے کے قابل ہو سکتے ہیں پس اِس کے لئے میں تحریک کرتا ہوں کہ ہر احمدی اپنا جمع کردہ روپیہ بطور امانت قادیان بھجوا دے۔ جب آپ لوگ جان اور مال کی قربانی کرنے کو تیار ہیں تو پھر امانتوں کا کچھ عرصے کے لئے یہاں جمع کرانا کونسی مشکل بات ہے۔ اگر تمام احمدی اپنا بنک کا روپیہ بطور امانت یہاں بھیج دیں تو ہماری ضرورت بھی آسانی سے پوری ہو جائے گی اور ان کا امتحان بھی ہو جائے گا کہ آیا ان کے دلوں میں ایمان ہے یا نہیں۔

اگر دل میں ایمان ہے تو ہر احمدی اِس بات پر مطمئن ہوگا کہ میرا جو روپیہ قادیان میں ہوگا وہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قلعہ میں محفوظ ہوگا اور اللہ تعالیٰ خود اِس کی حفاظت کرے گا۔ اور جس کے دل میں ایمان نہیں ہوگا اُس کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے کہ پتہ نہیں مجھے روپیہ واپس ملے۔ پس اس طرح صرف مرکز کی حفاظت ہی نہیں ہوگی بلکہ آپ لوگوں کے ایمانوں کی آزمائش بھی ہو جائے گی اب دوست اپنے وعدے لکھوائیں کہ وہ کتنا روپیہ امانت کے طور پر یہاں جمع کرا سکتے ہیں۔‘‘

اس کے بعد دوستوں نے وعدے لکھوانے شروع کر دیئے۔ جب دوست وعدے لکھوا چکے تو حضور نے فرمایا:۔

’’اِس وقت جن دوستوں نے وعدے لکھوائے ہیں اُن کو چاہیے کہ وہ جلد سے جلد اپنی رقوم امانت میں جمع کرا دیں کیونکہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں کب ضرورت پیش آجائے۔ تین لاکھ اکہتر ہزار روپے کے وعدے اِس وقت تک آئے ہیں اور بعض دوستوں کے وعدے ابھی غیر معیّن ہیں اور کئی دوست ابھی سوچ رہے ہوں گے اور بعض دوستوں نے رقم جمع کرانے کی نیت تو کی ہوگی لیکن اپنا نام ظاہر نہ کرنا چاہتے ہوں گے اور ہزاروں ہزار دوست ابھی ایسے باقی ہیں جن کو اِس تحریک کی اطلاع ہی نہیں جب اُن کو اطلاع ہوگی تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے ایمانوں اور اخلاص میں دوسروں سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ آپ لوگ واپس جا کر اپنے فرضِ منصبی کو سمجھیں اور دوسرے دوستوں کو پورے طور پر یہ پیغام پہنچا دیں اگر یہ کام صحیح طور پر کیا جائے تو میں امید کرتا ہوں کہ یہ رقم مطالبہ سے کئی گُنا زیادہ ہو جائے گی۔

بدر کی جنگ میں صحابہؓ کی تعداد ۳۱۳ تھی اور دشمن کی تعداد ایک ہزار گویا ۳۱۳ صحابہؓ ایک ہزار سپاہیوں کے نرغے میں گِھر گئے صحابہؓ نے سمجھا کہ ہوسکتا ہے کہ ہم لوگ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے عُہدہ برآ نہ ہوسکیں اور اللہ تعالیٰ کا منشاء کوئی اور ہو۔ کیونکہ مومن جہاں اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھتا ہے وہاں اُسے اپنی کمزوریوں کا بھی احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی کمزوریوں کو دیکھ کر ڈرتا ہے کہ کہیں میری کمزوریاں میری کامیابی کے راستہ میں روک نہ بن جائیں یا شائد اللہ تعالیٰ کا وعدہ کسی اَور رنگ میں پورا ہونا ہو اِس لئے صحابہؓ نے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک مچان[8] بنادیا اور آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اِس پر تشریف رکھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اُنہوں نے آپؐ کے پاس بیٹھنے کے لئے عرض کیا پھر دو سب سے تیز رفتار اُونٹنیاں اُنہوں نے چُنیں اور آپ کے پاس باندھ دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا تم یہ کیا کر رہے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللہ! ہم کمزور ہیں اور دشمن بہت زیادہ طاقتور ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ ہماری کمزوریاں ابتلاء کا موجب بن جائیں۔ یَارَسُوْلَ اللہ! ہم نے بہادر ترین انسان کو آپ کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا ہے اور دو تیز سے تیز اونٹنیاں آپ کے پاس باندھ دی ہیں یَارَسُوْلَ اللہ! ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کچھ اَور ہو اور ہماری کمزوریاں اسلام کی فتح کے رستہ میں حائل ہو جائیں یَارَسُوْلَ اللہ! اگر آپ ہمارا انجام خطرناک دیکھیں تو آپ اِن اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لے جائیں وہاں ہمارے کچھ بھائی موجود ہیں جو ایمان اور اخلاص میں ہم سے کم نہیں لیکن اُنہوں نے خطرے کی اہمیت کو نہیں جانا۔ یَارَسُوْلَ اللہ! جب آپ اُن میں جائیں گے تو آپ اُن میں ہمارے جیسا ہی جوش پائیں گے۔[9] اِسی طرح مجھے بھی یقین ہے کہ ابھی بہت بڑی تعداد مخلصین کی باقی ہے جب آپ لوگ سچے دل سے اِن حالات کو اُن کے سامنے بیان کریں گے تو وہ بھی آپ کی طرح بلکہ بہت سے آپ سے بھی بڑھ کر اخلاص کا نمونہ پیش کریں گے۔ بہرحال جب شہروں میں پورے طور پر اِس تحریک امانت کو بیان کیا جائے گا تو مجھے یقین ہے کہ مطلوبہ رقم سے بہت زیادہ رقم فوری طور پر جمع ہو جائے گی۔

وقف جائیداد کی تحریک

دوسری چیز وقف جائیداد ہے کہتے ہیں نہ نمک لگے نہ پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا!

اب تک تو دوستوں کو مفت کا ثواب مل رہا تھا اور صرف نیّت کر لینے کی وجہ سے وہ ثواب لے رہے تھے جس وقت میں نے اِس تحریک کو شروع کیا تھا اُس وقت میرے مدنظر یہی تھا کہ ہنگامی طور پر جب کبھی اخراجات کی ضرورت پیش آئے گی تو ہم وقفِ جائیداد والوں سے پانچ دس دن کے اندر اندر روپیہ وصول کر لیں گے اور لوگوں سے عام چندے کی تحریک کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ان مقاصد کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے مجھے اِس تحریک کے

چلانے کی توفیق عطا فرمائی اور آج ہم اس کا بہت بڑا نمایاں فائدہ دیکھتے ہیں۔ اکثر دوستوں نے یہ رقم جمع کرنے کے لئے واقفینِ جائیداد سے کچھ حصہ حاصل کرنے کا مشورہ دیا ہے اور ان کا مشورہ درست ہے لیکن جس چیز سے مجھے تکلیف ہوئی وہ یہ ہے کہ بعض دوست جنہوں نے یہ مشورہ دیا وہ خود واقفِ جائیداد نہ تھے۔ کہتے ہیں حلوائی کی دکان اور دادا جی کی فاتحہ۔ جن لوگوں نے جائیدادیں وقف کی ہیں ہمیں اُن کے متعلق یقین ہے کہ وہ انشاء اللہ اپنا حصہ ادا کریں گے لیکن جائیداد وقف کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے ساری جماعت میں سے صرف دو ہزار افراد نے اپنی جائیدادیں وقف کی ہیں۔ حالانکہ ہماری جماعت لاکھوں کی تعداد میں ہے اور لاکھوں کی جماعت میں سے ہزار دو ہزار کا جائیداد وقف کرنا کوئی نیک نام پیدا نہیں کرتا۔ لاکھوں کی جماعت میں سے لاکھوں ہی قربانی کرنے والے ہوں تب ہی کچھ فائدہ ہوسکتا ہے اور پھر اِن ہزار دو ہزار واقفینِ جائیداد میں سے بعض ایسے ہیں جن کی جائیداد لاکھ دو لاکھ کی ہے لیکن اُنہوں نے وقف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرا فلاں کچا مکان وقف ہے۔ اِس قسم کا وقف، وقف نہیں کہلا سکتا لیکن ہم نے اُن کی اِس ادنیٰ قربانی کو بھی قبول کرلیا کہ شاید آئندہ اللہ تعالیٰ اِس تھوڑی قربانی کے نتیجہ میں اُن کے دلوں میں زیادہ ایمان پیدا کردے۔ مگر واقفینِ جائیداد میں سے بیشتر حصہ ایسا ہے جس نے سنجیدگی کے ساتھ جائیداد وقف کی ہے اور اِس وقت تک ۱,۴۰,۹۵۰۷۴ روپے کی جائیداد اور آمد وقف ہوچکی ہے۔ اب میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے کتنے دوستوں نے جائیداد وقف کی ہے ایسے تمام نمائندے جنہوں نے جائیداد وقف کی ہو اور اُس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی شرط نہ لگائی ہو کھڑے ہوجائیں۔"

اِس پر ۱۶۷ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

"اِسی نسبت سے باقی جماعت کے متعلق قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ۴۵۵ نمائندوں میں سے ۱۶۷ نمائندوں نے جائیداد وقف کی ہوئی ہے یہ نسبت قریباً چالیس فیصدی بنتی ہے۔ جب آپ لوگ یہ پیش کرتے ہیں کہ واقفینِ جائیداد سے جائیداد کا حصہ طلب کیا جائے اور یہی سب سے آسان رستہ ہے تو آپ لوگ بتائیں کہ آپ خود کیوں پیچھے رہے۔ اس وقت جو دوست جائیداد وقف کرنا چاہتے ہوں وہ کھڑے ہوجائیں۔"

اِس پر بقیہ نمائندے کھڑے ہو گئے۔حضور نے فرمایا:۔

''اب آپ خود بھی جائیداد وقف کریں اور باقی جماعت کو بھی اِس تحریک پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے رہیں۔ وقف کی تحریک کو جاری ہوئے تین سال گزر چکے ہیں لیکن اب آ کر قربانی کرنے کا موقع آیا ہے۔اگر ہماری جماعت اپنے فرض کو سمجھے تو پانچ دس لاکھ روپیہ کا جمع کرنا نہایت معمولی بات ہے ہماری جماعت کے پاس کم از کم دو ہزار مربعے ہیں اور ادنیٰ اور اعلیٰ مربعوں کو ملا کر اگر فی مربع ۱۵ ہزار روپیہ اوسط لگائی جائے تو تین کروڑ کی جائیداد تو یہی بن جاتی ہے اگر اِس کا ایک فیصدی لیا جائے تو صرف مربعوں والوں سے ہی تین لاکھ روپیہ مل سکتا ہے۔ اور اگر دو فیصدی لیا جائے تو چھ لاکھ بنتا ہے۔ پچھلے دنوں گورنمنٹ لوگوں سے لڑائی کے لئے بہت بھاری چندے وصول کرتی رہی ہے اور لوگ اُن چندوں کو ادا کرتے رہے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایک مومن اسلام کی حفاظت کے لئے چندہ دینے سے گریز کرے۔شہروں کے مکانات بہت زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اور وہ مربعوں سے بہت زیادہ قیمت رکھتے ہیں۔میرے نزدیک کم سے کم اندازہ بھی اگر ہماری جماعت کی جائیدادوں کا لگایا جائے تو وہ پچاس کروڑ سے کم نہیں ہوگا سوواں حصہ لیں تو پچاس لاکھ روپیہ بنتا ہے اور اگر ہم اس کا ہزارواں حصہ لیں تو بھی پانچ لاکھ روپیہ بہت آسانی سے جمع ہوسکتا ہے۔لیکن مشکل یہ ہے کہ ساری جماعت وقفِ جائیداد میں شامل نہیں ہوئی اس لئے زیادہ بوجھ واقفین پر ہی پڑتا ہے۔مگر خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے زیادہ لمبی میعاد حصہ ادا کرنے کے لئے نہیں دی جاسکتی۔اگر کوئی شخص قسط وار ادا کرنا چاہے تو اُسے چاہیے کہ چھ ماہ کے اندر اندر اپنی وقف شُدہ جائیداد کا سوواں حصہ خزانہ میں داخل کردے۔ چونکہ پہلے کی نسبت ہماری قادیان کی جائیدادوں کی قیمت بڑھ چکی ہے اس لئے میں اپنی طرف سے بیس ہزار روپیہ دوں گا۔ دس ہزار روپیہ میں پہلے دے چکا ہوں، دس ہزار اَور دوں گا دفتر میں جو ریکارڈ ہے اُس کا ایک فیصدی کے حساب سے اٹھاون ہزار روپیہ بنتا ہے اور دس ہزار روپیہ میری طرف سے ہے یہ اڑسٹھ ہزار روپیہ ہوگیا اور اگر دوست اپنی ایک ایک ماہ کی آمد ادا کریں تو دو لاکھ روپیہ اِس طرح وصول ہوسکتا ہے۔ گویا پہلے وقف کے نتیجہ میں ہی ہمیں ۲۶۸۰۰۰ روپے کے قریب روپیہ وصول ہوسکے گا اور اگر اِس وقت

کے وعدے بھی ملائے جائیں تو تین لاکھ روپیہ بن جاتا ہے۔ لیکن آپ لوگ اپنے نفسوں میں غور کریں کہ آپ نے بیعت کے وقت کیا عہد کیا تھا؟۔ کیا آپ کی یہ قربانی اُس عہد کو پورا کر رہی ہے؟ پس کوشش کرو کہ اِس امتحان میں فیل نہ ہو جاؤ اور دوسرے لوگوں کو بھی ہوشیار کرنے کی کوشش کرو اور اپنی جائیدادوں کا ایک فیصدی جلد سے جلد مرکز میں بھیج دو خواہ قرض لے کر بھیجنا پڑے خواہ جائیداد کا کوئی حصہ فروخت کرنا پڑے۔ اگر ساری جماعت اللہ تعالیٰ سے باندھے ہوئے عہد کو مدنظر رکھے اور اپنی جائیدادوں کا صرف ایک فیصدی دے تو ہم پچاس لاکھ روپیہ آسانی سے جمع کر سکتے ہیں اور اِس روپے کے ساتھ کفر پر بہت بڑا دھاوا بول سکتے ہیں اور اپنے تبلیغی پروگرام کو بہت زیادہ وسیع کر سکتے ہیں۔ اگر ایک فیصدی کی بجائے ۱/۲ فیصدی بھی وصول کریں تو بھی پچیس لاکھ روپیہ وصول ہوسکتا ہے۔ اور اگر ہم ۱/۴ فیصدی وصول کریں تو بھی ہم ۱۲½ لاکھ روپیہ جمع کر سکتے ہیں اور ۱/۴ فیصدی کی قربانی تو نہایت حقیر قربانی ہے۔

بِہار کے لوگوں کے حالات کو تم نے سن لیا ہے ان لوگوں نے ایک یا دو فیصدی مال دینے سے بُخل سے کام لیا اور آخر تمام جائیدادوں اور جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ پس اگر آپ لوگ ایک فیصدی دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی جان کو اور اپنے مال کو محفوظ کرتے ہیں۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ بتاؤ تمہیں اپنا مال اچھا لگتا ہے یا دوسرے شخص کا مال اچھا لگتا ہے یا وہ مال اچھا لگتا ہے جو ضائع ہو گیا؟ صحابہؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! اِس کا جواب تو بالکل صاف ہے کہ جو مال غیر کا ہے وہ غیر کا ہے اور جو مال ضائع ہو گیا وہ بھی ہاتھ سے نکل گیا انسان کو اپنا مال ہی اچھا لگتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو جو مال تم نے کھالیا وہ ضائع ہو گیا اور جو مال تم نے رکھا ہؤا ہے وہ جب تم مرو گے تو غیر لے جائیں گے تمہارا مال وہی ہے جو تم نے اللہ تعالیٰ کے رستہ میں خرچ کیا ہے۔[۱]

اگر اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے جماعت قربانی کے لئے تیار ہو جائے تو پچاس لاکھ روپیہ جمع کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اپنی اپنی جماعتوں میں پہنچتے ہی اس تحریک کو جاری کرو اور کسی شخص کو اس تحریک سے باہر نہ رہنے دو۔ یہ تو وصیّت سے بھی سَستا سودا ہے ہم ساری جائیداد تو مانگ نہیں سکتے کیونکہ ان تمام جائیدادوں کی قیمت کون دے گا۔ ہمیں

سلسلہ کے کاموں کے لئے جتنی جتنی ضرورت پیش آئے گی اُتنا حصہ جائیداد کا مانگ لیا جائے گا، ساری جائیداد کا یک دم مانگنا تو عقل کے بھی خلاف ہے ہم جب بھی مانگیں گے اُس کا ایک حصہ ہی مانگیں گے اور وہ کمی پھر ایک دو سالوں میں انسان پوری کر لیتا ہے اصل بات یہ ہے کہ تم جس قدر قربانی کی رفتار تیز کرو گے اُتنا ہی جلد منزلِ مقصود کے قریب ہوتے جاؤ گے یہ ایک سَستا سَودا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ تمہارے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کوشش کرو کہ کوئی شخص اِس تحریک میں شامل ہونے سے رہ نہ جائے اور جو لوگ وقف میں شامل نہ ہونا چاہیں اُن سے اُن کی جائیداد کا نصف فیصدی لیا جائے۔ آمد بھی نصف ماہ کی لی جائے میرا خیال ہے اس طرح پانچ لاکھ روپیہ آسانی سے جمع ہو جائے گا۔

ہر احمدی وصیت کرے

دوسری تجویز وصیّتوں کو بڑھانے کی ہے۔ وصیت کے متعلق بھی جماعت میں تحریک کرنی چاہیے۔ ہماری جماعت اڑھائی تین لاکھ کے قریب ہے لیکن اس میں سے صرف آٹھ دس ہزار لوگوں نے وصیت کی ہے تین لاکھ میں سے اگر نصف بچے سمجھ لئے جائیں تو بھی ابھی صرف بارھویں حصہ نے وصیت کی ہے اور اس بارھویں حصے کا چندہ وصیت تین لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہے۔ اگر ہم چھٹے حصے کی وصیت کرا دیں تو یہ چندہ چھ لاکھ پچاس ہزار روپے تک پہنچ جائے گا اور اگر ہم جماعت کے تیسرے حصے کی وصیت کرا دیں تو یہ چندہ تیرہ چودہ لاکھ تک پہنچ جائے گا اور یہ کام کوئی ایسا مشکل نہیں جس کے کرنے میں بہت سی مشکلات درپیش ہوں۔ اگر تیرہ چودہ لاکھ روپیہ سالانہ حصہ آمد میں سے آنا شروع ہو جائے تو اس سے جماعت کے لئے ترقی کے بہت سے راستے کُھل سکتے ہیں۔

پس کوشش کرو کہ ہر ایک احمدی وصیت کرے گو یہ طَوعی چیز ہے فرض نہیں لیکن اسلام پر جو مصیبت آئی ہوئی ہے وہ اُس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک ہم میں سے اکثر آدمی وصیت کے حکم کے نیچے نہیں آ جاتے جب تک ہم وصیت نہیں کرتے اُس وقت تک صحیح معنوں میں قربانی کی طرف قدم اُٹھا ہی نہیں سکتے۔ اگر ہمیں وصیت سے تیرہ چودہ لاکھ کی آمد ہو جائے تو ہم ایک ہزار دیہاتی مبلّغین آسانی سے رکھ سکتے ہیں۔ پانچ اور دس سال میں جماعت کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے۔ اب مَیں دوبارہ دوستوں کے لئے اِس تحریک کو

دُہرا دیتا ہوں۔

اوّل یہ کہ تمام دوست اپنی امانتیں جو کہ دوسرے بینکوں میں ہیں مرکز میں بھجوا دیں اور دوسروں کو بھی اس کی تحریک کریں۔

دوسری بات وقفِ جائیداد ہے کچھ دوست تو پہلے سے جائیدادیں وقف کر چکے ہیں جن دوستوں نے ابھی تک جائیدادیں وقف نہیں کیں وہ اب کریں اور جائیداد وقف کرنے والے اپنی جائیداد کا ایک فیصدی چھ ماہ کے اندر اندر ادا کریں اور جو لوگ صاحبِ جائیداد نہیں ہیں وہ اپنی ایک ماہ کی آمد وقف کریں اور چھ ماہ کے اندر اندر ادا کریں۔اور جو لوگ وقفِ جائیداد میں شامل نہ ہونا چاہتے ہوں ان سے جائیداد کی قیمت کا ۲/۱ فیصدی لیا جائے اور آمد والے بھی نصف ماہ کی آمد ادا کریں۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ وصیت کو بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ اگر تمام احمدی وصیت کرنا شروع کر دیں تو ہماری ضروریات بہت حد تک آپ ہی آپ پوری ہوتی رہیں۔ اگر جماعت اخلاص کا ثبوت پیش کرے تو چودہ پندرہ لاکھ روپیہ وصیت کے ذریعہ آ سکتا ہے۔ گویا ہماری موجودہ آمد سے سات لاکھ روپیہ زیادہ آ سکتا ہے اور چھ لاکھ روپیہ میں ایک ہزار دیہاتی مبلّغ رکھا جا سکتا ہے اور ایک ہزار آدمیوں کے ذریعہ ہم تبلیغی میدان میں ایک زبردست طوفان برپا کر سکتے ہیں۔ ہمارے مقابلہ میں کوئی قوم ٹھہر نہیں سکے گی اور کوئی قوم مالی لحاظ سے بھی ہمارے مقابلہ میں قربانی کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکے گی۔

چوتھی تجویز وصیت کی زیادتی ہے تمام ایسے دوست جن کے حالات ایسے ہیں کہ وہ تھوڑے روپیہ میں گزارہ کر سکتے ہیں مثلاً ابھی اُن کی شادیاں نہیں ہوئیں یا بچے تھوڑے ہیں ایسے لوگ اپنی وصیت ۱۰/۱ کی بجائے ۹/۱ یا ۸/۱ کر دیں اِس سے بھی جماعت کو بہت بڑی آمد ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور صورت آمد کی میرے ذہن میں آئی ہے، بے شک بعض لوگوں کو وہ بُری معلوم ہو گی لیکن اس کا سب سے زیادہ اثر ہم پر پڑتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سلسلہ کا جائز حق ہے۔ اِس لئے میں اُس کا اعلان کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ آئندہ قادیان میں جو زمینیں فروخت کی جائیں اُن کے نفع کا نصف حصہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل

کیا جائے۔'' میں یہ قانون مقرر کرتا ہوں کہ آئندہ قادیان میں کوئی زمین امور عامہ کو اطلاع دیئے بغیر فروخت نہیں ہوسکتی۔ جو لوگ اِس سے پہلے سَودے کر چکے ہیں اُن کو صرف دس فیصدی دینا ہوگا۔ لیکن آج کے بعد جو زمین قادیان میں فروخت ہو اُس کے متعلق یہ قانون ہوگا کہ فروخت کرنے والا نفع کا پچاس فیصدی خزانہ صدرانجمن احمدیہ میں داخل کرے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قادیان میں زمینوں کے سَودے دو تین لاکھ روپیہ سالانہ کے ہوتے ہیں اگر اِس قانون پر عمل کیا گیا تو چالیس پچاس ہزار روپیہ سالانہ اِس رنگ میں بھی خزانہ صدرانجمن احمدیہ میں آجائے گا۔

پس آج کے بعد قادیان میں جتنے سودے ہوں وہ امور عامہ کی معرفت ہوں براہ راست کوئی سَودا نہ کیا جائے اور خرچ وغیرہ نکالنے کے بعد جتنا نفع ہو اُس کا پچاس فیصدی سلسلہ کو دیا جائے کیونکہ قادیان کی ترقی اللہ تعالیٰ کی پیش گوئیوں کے ماتحت ہے۔''

میرا ارادہ ہے کہ میں اِس کے متعلق مزید غور کروں اور کچھ اصول اور قواعد ایسے مقرر کردوں جن کے نتیجہ میں قادیان میں زمینوں کی قیمت زیادہ نہ چڑھے اب بھی جس حد تک قیمتیں چڑھ چکی ہیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ غرباء اِس بھاؤ پر زمین خرید کر مکان نہیں بنا سکتے گو موجودہ قیمتوں کو گرانا مشکل ہے لیکن پھر بھی ہماری کوشش یہ ہے کہ غریبوں کے لئے آسانی پیدا کی جائے اور آئندہ زمینوں کی قیمتیں نہ بڑھیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اِس طرح بے تحاشا طور پر قیمتیں بڑھانا اللہ تعالیٰ کے الہام کے رستہ میں روک بن کر کھڑا ہونا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے الہام کے رستہ میں روک بنے گا وہ اس کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ لوگ کیوں حرام کا روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیوں حلال اور جائز طریق سے روپیہ نہیں کماتے۔ ہم سے شروع میں غلطی ہوئی ہے کہ ہم نے لوگوں سے معاہدے نہ کرائے کہ وہ فلاں حد تک نفع لے سکیں گے اِس سے زیادہ نہیں لیکن یہ غلطی تو ہو چکی ہے میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگوں نے ہم سے خرید کردہ جائیدادیں سَو سَو دو دو سَو گُنا زیادہ قیمتوں پر فروخت کی ہیں اور گو گزشتہ غفلت کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا لیکن آئندہ سلسلہ کے قوانین کے ذریعہ ان باتوں پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے یہ قواعد جو میں نے مقرر کیئے ہیں ان سے قادیان کی آبادی میں بھی

مدد ملے گی اور چالیس پچاس ہزار روپیہ بھی سلسلہ کو سالانہ مل جائے گا۔

اس وقت زندگی اور موت کا سوال ہے اِس وقت غفلت کرنا موت سے کم نہیں ان رقموں کی فراہمی کے لئے کُل مدت چھ ماہ ہوگی جن لوگوں نے جائیدادیں وقف کی ہیں وہ چھ ماہ کے اندر اپنا حصہ ادا کر دیں اور جن لوگوں نے آمدنیاں وقف کی ہیں وہ چھ ماہ کے اندر ایک ایک ماہ کی آمد بھجوا دیں۔ جو اِس وقف میں شامل نہیں ہونا چاہتے اُن سے جائیداد کی قیمت کا ۱/۲ فیصدی یا نصف ماہ کی آمد وصول کی جائے اور جو شخص بالکل شامل نہیں ہوگا وہ مخلصین کی صف میں سے نکل جائے گا۔ اگر کسی کو کوئی حقیقی موانع ہو تو اُسے اپنی وجوہات پیش کرنی چاہئیں اور ہم سے منظوری لینی چاہیے لیکن اگر کوئی شخص بلا وجہ شامل نہیں ہوگا تو ہم اُسے آئندہ ایسی تحریکوں میں شامل نہیں کریں گے قرآن کریم بھی ایسے لوگوں کے متعلق یہی فرماتا ہے کہ تم ہمارے ساتھ جہاد میں مت شامل ہو ہم تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے اسی طرح اگر کوئی شخص بُخل سے کام لیتے ہوئے ان تحریکوں میں شامل نہیں ہوگا تو آئندہ ہم اسے کہہ دیں گے کہ تم اپنے ناپاک مال کو لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کا بائیکاٹ نہیں کریں گے لیکن اس کو آئندہ ایسی تحریکوں میں شامل نہیں کریں گے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اگر جماعت باوجود اپنی کوشش کے اس رقم کو پورا نہ کر سکے تو پھر کیا ہوگا؟ اِس کے متعلق مَیں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ میری کوٹھی دارالحمد جس کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ بنتی ہے اُس کو بیچ لیا جائے اور اس سے یہ رقم پوری کر لی جائے۔ کوٹھی کے ساتھ سَو کنال زمین ہے اور وہاں موجودہ قیمت پانچ ہزار روپیہ فی کنال ہے اِس طرح وہ پانچ لاکھ روپے کی بنتی ہے جماعت کی کوشش کے بعد جو کمی رہ جائے وہ بے شک اِس سے پوری کر لی جائے ایسی صورت میں مَیں ہر احمدی سے یہی کہوں گا کہ وہ میری زمین خریدے اور یہ رقم پوری کر دے۔“

اپنے پیارے آقا کی قربانی کا یہ فقید المثال جذبہ دیکھ کر ہر مومن نے یہی سمجھا کہ جس طرح اپنے پیارے امام کے مقابلہ میں ہماری جانوں کی کوئی قیمت نہیں اِسی طرح اُس کی جائیداد کے مقابلہ میں ہماری جائیدادوں کی کوئی حیثیت نہیں ہر طرف سے اِس قسم کی صدائیں آنے لگیں یہ نہیں ہوگا بلکہ پہلے ہماری جائیدادیں فروخت ہوں گی پہلے ہمارا

سب کچھ قربان ہوگا۔ اس پر حضور نے فرمایا۔

’’میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساری جائیدادوں کو قربان کرنے کا مطالبہ ہوگا تو انسان کو کپڑے جھاڑ کر ایک طرف ہو جانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا مال اُس کے سپرد کر دینا چاہیے۔ بلکہ میرے نزدیک تو کپڑے جھاڑ کر بھی نہیں بلکہ کپڑے اُتار کر ایک طرف ہو جانا چاہیے ہمیں حقیقی مسرت تبھی حاصل ہوسکتی ہے جب کہ ہماری جماعت کی اکثریت میں یہ روح کام کرنے لگ جائے۔ ہماری جماعت میں سے صرف چند آدمیوں کا قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ہر شخص قربانی کرنے کے لئے تیار ہو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی نہیں صرف ہمارا بُخل ہی ہے جو ہمیں اُس کے فضلوں سے محروم کرتا ہے پس جماعت کو چاہیے کہ بحیثیت جماعت قربانی کرے اور جماعت کے تمام افراد میں قربانی کی روح کام کرتی نظر آئے۔ چند افراد تو عیسائیوں میں بھی ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنے دین کے لئے قربانیاں کرتے ہیں مومن جماعت اور غیر مومن جماعتوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ مومن جماعت کے تمام افراد میں اخلاص اور ایثار کا جذبہ موجزن ہوتا ہے اور اُس کے مقابل پر غیر مومن جماعتوں میں سے صرف چند افراد قربانی کرنے والے نظر آتے ہیں پس دوسَو یا چارسَو آدمیوں کا قربانی کرنا نجات کا موجب نہیں بن سکتا۔ یہ اخلاص تب ہی نجات کا موجب بن سکتا ہے جب کہ آپ اپنی جماعتوں سے یہ کہلوالیں کہ ہماری جائیدادیں سلسلہ کے لئے وقف ہیں اور ہم مرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ یہ قربانی ہے جو شاندار نتائج پیدا کرسکتی ہے۔

ایک استفسار پر حضور نے فرمایا:۔

’’وقف جائیداد کے وعدے لکھوانے کی مُہلت پنجاب والوں کے لئے ڈیڑھ ماہ ہے اور پنجاب سے باہر والوں کے لئے دو ماہ اور غیر ممالک والوں کے لئے تین ماہ ہے۔‘‘

تیسرا دن

۶؍اپریل ۱۹۴۷ء جماعت احمدیہ کی ستائیسویں مجلس مشاورت کے تیسرے دن کی کارروائی پونے گیارہ بجے تعلیم الاسلام کالج کے ہال میں شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:۔

دُعا

''اب دوست میرے ساتھ مل کر دُعا کرلیں بارہ بجنے میں صرف ایک گھنٹہ باقی ہے اور چونکہ مَیں نے بارہ بجے مجلس کی کارروائی ختم کرنی ہے اس لئے صرف ایک گھنٹہ میں ہی جس قدر کام ہوسکا ہم کرسکیں گے اور اس کے نتیجہ میں لازمی طور پر بہت سے کام باقی رہ جائیں گے مگر پھر بھی جتنا وقت ہے اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جائے گی پہلے دوست میرے ساتھ مل کر دُعا کرلیں اس کے بعد کارروائی شروع کی جائے گی۔''

دُعا کے بعد حضور نے فرمایا:۔

بجٹ آمد

''ابھی بجٹ کا سوال پیش تھا۔ میں نے بجٹ کے متعلق پورا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ آمد کے متعلق تو کل اعلان کردیا گیا تھا اُمید ہے کہ احباب اُس کے مطابق جلد سے جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ دوستوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ آمد کا جو بجٹ سب کمیٹی نے پیش کیا ہے اُس کو منظور کرلیا گیا ہے اور جو اس میں کمیاں ہیں اُن کو دور کرنے کے لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ جتنے واقفینِ جائیداد ہیں یعنی وہ جو ساری جائیداد کے واقف ہیں اور جن کی آمدنیاں اُس جائیداد پر منحصر ہیں مثلاً وہ تجارتی جائیداد ہے یا زرعی جائیداد ہے اور اُس جائیداد سے اُن کو آمد بھی ہوتی ہے وہ اپنی تمام جائیداد کی قیمت کا ایک فیصدی چھ ماہ کے اندر اندر اِس کمی کو پورا کرنے کے لئے صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ میں اِس شرط کے ساتھ کہ صدر انجمن احمدیہ کے دوسرے چندوں اور تحریک جدید کے وعدوں پر کوئی اثر نہ پڑے، داخل کردیں۔ اور وہ لوگ جو واقفینِ آمد ہیں یعنی انہوں نے ایک ایک یا دو دو ماہ کی آمدنیاں سلسلہ کے لئے وقف کی ہوئی ہیں وہ اپنی ایک ماہ کی آمد چھ ماہ کے اندر خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کرادیں۔ ان کے علاوہ جن لوگوں نے اِس وقت تک

اپنی جائیداد یا آمد وقف نہیں کی ان کے متعلق میں نے بتایا ہے کہ اُنہیں تحریکِ وقف میں حصہ لینے کی تلقین کی جائے۔ اگر وہ اپنی جائیداد یا آمد کو دوسرے واقفین کی طرح سلسلہ کے لئے وقف کر دیں تو اُن پر بھی وہی قانون حاوی ہوگا جو اوپر بیان ہو چکا ہے لیکن جو لوگ تحریک کے باوجود اِس میں حصہ نہ لیں وہ قربانی کرنے والوں کی صفِ اوّل میں شریک نہیں ہو سکتے اُن سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی جائیداد کی مالیت کا ۱/۲ ۱ فیصدی یا ماہوار آمد کا نصف اِس غرض کے لئے پیش کر دیں مثلاً ایک شخص کے پاس ایک مربع زمین ہے اور اُس نے سلسلہ کے لئے اُسے وقف کیا ہوا ہے اب اگر اُس کی ۲۵ ہزار روپیہ قیمت ہے تو ایک فیصدی کے لحاظ سے اڑھائی سَو روپیہ اور ۱/۲ ۱ فیصدی کے لحاظ سے سَوا سَو روپیہ اسے خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کرنا پڑے گا اسی طرح اگر کسی کی دوسَو روپیہ تنخواہ ہے اور اس نے ایک ماہ کی آمد وقف کی ہوئی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ دوسَو روپیہ ادا کرے۔ اور اگر اس نے آمد وقف نہیں کی تو وہ سَو روپیہ ادا کرے۔ ساتھ ہی مَیں نے ہدایت کی ہے کہ ہر احمدی کے پاس جاؤ اور اُس سے جائیداد یا آمد وقف کراؤ کیونکہ اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے مصیبت کے وقت ہم اپنے فوری اخراجات کو مہیا کر سکیں۔

دوسری تجویز میں نے یہ بتائی ہے کہ وصیت پر زور دو اور جہاں جہاں جاؤ اس کے لئے پورا زور صَرف کر دو یہاں تک کہ کوئی احمدی مرد اور عورت ایسا نظر نہ آئے جس نے وصیت نہ کی ہو۔

قادیان میں زمین فروخت کرنے والے نصف منافع جماعت کو دیں

تیسری چیز میں نے یہ بتائی تھی کہ آئندہ کے لئے یہ قانون بنایا جاتا ہے کہ جو لوگ قادیان میں کوئی زمین خریدیں اور پھر کسی دوسرے کے پاس اُسے فروخت کریں وہ اخراجات نکالنے کے بعد جو نفع بچے اُس کا نصف خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کریں کیونکہ قادیان کی ترقی خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے ماتحت ہے اور جو لوگ یہاں زمینیں فروخت کر کے نفع کماتے ہیں اُن کے نفع میں خدا تعالیٰ کے سلسلہ کا بھی حق ہے۔

کل جب سے مَیں نے یہ اعلان کیا ہے اس کے بعد ہر سَودے پر نفع کا پچاس فیصدی

بعد منہائی اخراجات لازماً ہر شخص کو خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کرنا پڑے گا لیکن میرے اِس موجودہ اعلان اور اُس پہلے اعلان کے درمیانی عرصہ میں، جس میں فروخت کنندہ کو صرف دس فیصدی رقم خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کرنے کا قانون پاس کیا گیا تھا، اگر کوئی سَودے ہو چکے ہوں تو اُن سے قیمت کا صرف دس فیصدی لیا جائے گا۔ اس قانون کے ماتحت قادیان میں زمینوں کی قیمتیں بھی کم رہیں گی اور ہماری یہ مذہبی غرض کہ قادیان کی آبادی میں ترقی ہو یہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوتی چلی جائے گی اور خالص تجارتی لوگ زمین کی قیمتوں کو خراب نہیں کر سکیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قادیان میں زمینوں کی قیمتیں بڑی آسانی سے اِس قدر مل جاتی ہیں کہ بیچنے والے کو دس فیصدی نفع حاصل ہو جاتا ہے اور دس فیصدی نفع عام تجارتوں میں کہاں حاصل ہوتا ہے۔

مجھ سے ایک دوست نے جو تاجر ہیں ایک دفعہ بیان کیا کہ اگر مستقل کام ہو بہت بڑی رقم تجارت پر لگائی گئی ہو اور تین فیصدی نفع حاصل ہو تو ہم اِس کو بھی بہت بڑا نفع سمجھتے ہیں۔ مگر قادیان میں زمینوں کی فروخت سے لوگوں کو دس فیصدی بلکہ اِس سے بھی زیادہ نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ بیشک میرا یہ اعلان بعض لوگوں کی طبائع پر گراں گزرے گا کیونکہ پہلے وہ خود سارا نفع کھاتے تھے اور اب اُنہیں نصف خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کرنا پڑے گا مگر ہمارا فرض ہے کہ جو شخص محض دین کے لئے قادیان آتا ہے اُسے سستی سے سستی زمین لے کر دیں اور جو شخص نفع حاصل کرے وہ نصف منافع مرکز کی حفاظت اور خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے پیش کرے کیونکہ اُسے جو بھی منافع حاصل ہؤا ہے محض اِس لئے ہؤا ہے کہ آنے والے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے ماتحت آئے اور اُنہوں نے زمین خریدی پس اُس کے منافع میں خدا تعالیٰ کا قائم کردہ سلسلہ بھی شریک ہے۔

چوتھی بات میں نے یہ بیان کی تھی کہ جب تک یہ روپیہ اکٹھا نہیں ہوتا تمام دوستوں کا فرض ہے کہ ان میں سے جس جس کے پاس کوئی روپیہ جمع ہو خواہ گھر میں جمع ہو یا کسی بینک میں وہ فوراً اس روپیہ کو نکلوا کر قادیان خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں امانت کے طور پر جمع کرا دیں۔ کل مَیں نے دوستوں سے وعدے لئے تو وہ تین لاکھ اسّی ہزار تک پہنچ گئے تھے اور ابھی اَور بھی بعض دوستوں نے وعدے کئے تھے جو اِس تین لاکھ اسّی ہزار میں شامل نہیں

کیونکہ بعد میں جب اَور کاغذات میرے سامنے پیش ہوئے تو اُن میں بھی دوستوں کے وعدے درج تھے۔ اب آپ لوگوں کا فرض ہے کہ واپس جا کر جماعتوں میں تحریک کریں اور دوستوں کو نصیحت کریں کہ اُن کے پاس جس قدر زائد روپیہ ہے وہ فوراً خزانہ صدرانجمن احمدیہ میں بہ مد امانت جمع کرادیں۔ اگر پوری کوشش کی جائے اور تندہی سے افرادِ جماعت تک یہ تحریک پہنچائی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ دس پندرہ لاکھ روپیہ چند ہفتوں میں بڑی آسانی سے جمع ہوسکتا ہے مگر ضرورت اِس بات کی ہے کہ اپنے فرضِ منصبی کو پورے طور پر ادا کیا جائے۔

ایک صاحب نے پوچھا ہے کہ جائیداد کو وقف کرتے وقت اُس کی جو قیمت تھی اُس کا ایک فیصدی ادا کرنا ہے یا موجودہ قیمت کا ایک فیصدی ادا کرنا ہے؟

اِس کا جواب تو واضح ہے لازماً وہی قیمت لی جائے گی جو اِس وقت ہے اگر کسی جائیداد کی قیمت بڑھ گئی ہے تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے ایک فیصدی چندہ ادا کرنا ضروری ہے اور اگر کسی جائیداد کی قیمت گر گئی ہے مثلاً بعض دوستوں کی جائیدادیں ہندوؤں کے محلّہ میں تھیں موجودہ فسادات کے نتیجہ میں اُن کی قیمتیں ہندو محلّہ میں بالکل گر گئی ہیں تو ایسی جائیدادوں پر بھی موجودہ قیمت کے لحاظ سے ایک فیصدی چندہ لیا جائے گا اور اگر پہلے وہ زیادہ قیمت لکھوا چکا ہے تو زائد رقم قیمت گر جانے کی وجہ سے اُڑ جائے گی۔ اِن ہدایات کے ساتھ صدرانجمن احمدیہ کا پیش کردہ بجٹ آمد پاس کیا جاتا ہے۔

بجٹ اخراجات

اس کے بعد بجٹ اخراجات کا سوال ہے چونکہ خرچ کی مدّات میں بعد میں بھی تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں اس لئے میں بجٹ اخراجات کو اس شرط کے ساتھ پاس کرتا ہوں کہ صدرانجمن احمدیہ اُسے جاری کرنے سے قبل مجھ سے دوبارہ مشورہ لے میں اس سال بجٹ میں بعض تخفیفیں کرنا چاہتا ہوں تا کہ خرچ زیادہ سے زیادہ حد بندیوں کے ساتھ ہو میں اس بارہ میں جذباتی اپیلوں سے متأثر ہونے کے لئے قطعاً تیار نہیں اور نہ اس قسم کی اپیلیں میرے دل پر ایک رائی برابر بھی اثر ڈال سکتی ہیں کہ اگر فلاں کام نہ کیا گیا تو سلسلہ کے وقار کو صدمہ پہنچے گا یا اگر فلاں خرچ منظور نہ کیا گیا تو جماعت کے متعلق لوگ کیا کہیں گے کہ اُن کا قدم ترقی کی بجائے تنزّل کی طرف جا رہا ہے۔ میں سلسلہ کے

وقار کو صرف اُس وقت خطرہ میں سمجھتا ہوں جب تبلیغ کے کام میں کوئی روک واقع ہو جائے اور اگر تبلیغ کے کام میں زیادہ سے زیادہ وسعت مدنظر ہو تو مَیں اس میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ اگر ہمیں کالج بند کرنا پڑے تو کالج کو بند کر دیا جائے اور اگر سکول بند کرنا پڑے تو سکول کو بند کر دیا جائے۔ اگر تبلیغ کے کام میں زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کرنے کے لئے ہمیں کسی وقت کالج اور سکول کو بھی بند کرنا پڑتا ہے تو مجھے اُن کے بند کرنے میں کوئی دریغ نہیں ہوگا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کون سے کالج ہؤا کرتے تھے یا کون سے سکول تھے جن میں صحابہؓ تعلیم پاتے تھے، وہ ان سامانوں کی عدم موجودگی میں بھی تبلیغ کرتے اور ویسے ہی جوش و خروش سے کام کرتے تھے جیسے ہم کام کرتے ہیں بلکہ ہم سے بھی بڑھ کر۔ پس میں اِن جذباتی اپیلوں پر کان رکھنے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ اگر سکول میں فلاں کمرہ نہ بنایا گیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی یا فلاں عمارت اِس وقت تیار نہ کی گئی تو سلسلہ کے وقار کو صدمہ پہنچے گا، یہ ساری چیزیں بیشک رُک جائیں اِن کی کوئی پرواہ نہیں کی جاسکتی صرف ایک ہی چیز ہمارے مدنظر ہے اور رہے گی اور وہ یہ کہ سلسلہ کی تبلیغ اور سلسلہ کی تعلیم اور سلسلہ کی تربیت میں کوئی حرج واقع نہ ہو اور یہ کام پیہم اور مسلسل ہوتا چلا جائے۔ پس اخراجات کے بارے میں جذباتی اپیلیں مجھے متأثر نہیں کرسکتیں میں صرف اِس امر کو دیکھتا ہوں کہ ہم نے ایک بہت بڑا کام کرنا ہے اگر اس کے لئے ہمیں اپنے اخراجات بہت حد تک کم کرنے پڑیں تب بھی ہم ان کو کم کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ پس میں بجٹ اخراجات پر بعض قیود عائد کرنا چاہتا ہوں اور اِن قیود کے ساتھ اِس بجٹ کو منظور کرتا ہوں مگر یہ شرط ہوگی کہ اِس بجٹ پر عمل درآمد اُس وقت ہو جب اِس بجٹ کی آخری منظوری مجھ سے مل جائے۔ صدر انجمن احمدیہ کو بجٹ کی آخری منظوری مجھ سے حاصل کرنی چاہیے۔ اس کے بعد یہ بجٹ نئے سال کے لئے نافذ ہوگا۔

ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ ایک شخص کا گزارہ جائیداد پر نہیں محض ایک رہائشی مکان ہے جو اُس نے وقف کیا ہؤا ہے مگر ساتھ ہی اُس نے آمد بھی وقف کی ہوئی ہے وہ اِس تحریک میں آیا وقفِ آمد کے حساب سے حصہ لے یا وقفِ جائیداد کے لحاظ سے؟

اس سوال کے بارہ میں اگر اخلاص کی حقیقی روح پوچھی جائے تو وہ یہ ہے کہ اگر

جائیداد کی ایک فیصدی قیمت زیادہ ہو تو وہ دی جائے اور اگر مہینہ کی آمد زیادہ ہو تو وہ دی جائے۔ اصل روح یہی ہے باقی عُذرات کی کئی صورتیں انسان اپنے لئے پیدا کر لیتا ہے۔

اب رہ گئیں دو سب کمیٹیاں! ایک سب کمیٹی نظارت علیاء اور ایک سب کمیٹی نظارت تعلیم و تربیت و امور عامہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمارے پاس اِتنا وقت نہیں کہ اِن سب کمیٹیوں کی رپورٹ پر غور و خوض کیا جاسکے، اِس لئے میرے نزدیک اگر ان امور کو ہم اگلے سال پر ملتوی کر دیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ ہم ٹھیک بارہ بجے مجلس کی کارروائی کو ختم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ پونے تین بجے کی گاڑی پر دوستوں نے واپس جانا ہے اور پھر دوستوں نے ابھی کھانا بھی کھانا ہوگا اور نماز بھی پڑھنی ہوگی اس لئے میرا فیصلہ یہی ہے کہ نظارت علیاء، نظارت تعلیم و تربیت اور نظارت امور عامہ کی تجاویز کو اگلے سال پر ملتوی کیا جاتا ہے۔ یہ تجاویز ایسی اہم نہیں کہ ان کے متعلق اِسی سال کوئی فیصلہ کرنا ضروری ہو۔ جس طرح پہلے عمل ہوتا رہا ہے اُسی طرح دوران سال میں بھی عمل ہوتا رہے، اگر درمیان میں ضرورت محسوس ہوئی تو دوبارہ مجلس شوریٰ بُلالی جائے گی اور اس میں علاوہ اَور امور کے ان باتوں پر بھی غور کر لیا جائے گا۔ پس بجٹ پر ہی میں مجلس کی کارروائی کو ختم کرتا ہوں۔‘‘

اختتامی تقریر

مجلس مشاورت کی کارروائی مکمل ہونے پر حضور نے آنے والے نازک ایام کا ذکر کرتے ہوئے دُعاؤں اور قربانیوں سے کام لینے اور جماعت کو اُس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

’’دوستوں کو میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ یہ دن نہایت ہی نازک ہیں، اِن دنوں کی نزاکت کا احساس جہاں تک میں سمجھتا ہوں قریباً ہر احمدی کے دل میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کل ہی کسی دوست نے کہا تھا کہ ہمیں گزشتہ فسادات کے دنوں میں جب ڈاک اور تار کا سلسلہ بند ہو جانے کی وجہ سے مرکز سے کوئی اطلاعات نہ پہنچیں تو سخت تشویش رہی اور جماعتوں نے نہایت اضطراب میں یہ ایام بسر کئے، یہ درست ہے اور چونکہ مَیں بھی اُن دنوں قادیان سے باہر تھا اس لئے قدرتی طور پر مجھے بھی تشویش ہونی چاہیئے تھی اور چونکہ میرا دل نہایت حسّاس واقع ہؤا ہے اس لئے بسا اوقات ایک معمولی سی بات بھی مجھے

پریشان کر دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ لیکن اس دفعہ کے فسادات کی خبر جب مجھے ملی تو میرے دل میں اس کے متعلق قطعاً کوئی حِس پیدا نہ ہوئی حالانکہ ان واقعات سے ہزاروں حصہ کم واقعات بھی بسا اوقات میری تشویش اور اضطراب کا موجب بنتے رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جس وقت مجھے ان فسادات کی خبر ملی تو معاً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میرے پیچھے ان واقعات کا ہونا دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور رکھتا ہے، یا تو کوئی لڑائی ہونی ہی نہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِہٖ[۱۱] امام ڈھال ہوتا ہے اور لڑائی ہمیشہ امام کے پیچھے ہو کر کی جاتی ہے اور چونکہ خدا نے مجھے جماعت کا امام بنایا ہے اور میں اِس وقت مرکز سے باہر ہوں اس لئے میری عدم موجودگی میں وہاں کوئی لڑائی نہیں ہوسکتی اور جب کوئی لڑائی نہیں ہوسکتی تو مجھے کسی تشویش کی کیا ضرورت ہے۔ اور یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور بعض حوادث اور ابتلاء مقدر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان حوادث سے بچا کر الگ کر لیا ہے اس صورت میں بھی میرے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ پس باوجود اِس کے کہ اس سے ہزاروں حصہ کم واقعات پر بھی میرے دل میں انتہائی تشویش اور بے چینی پیدا ہو جایا کرتی ہے ان فسادات پر میرے دل میں کوئی بے چینی نہیں تھی، میں سمجھتا تھا کہ اگر الٰہی مصلحت یہی ہے کہ میں باہر رہوں تب بھی میرے لئے کوئی پریشانی کی وجہ نہیں ہوسکتی اور اگر یہ درست ہے کہ اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِہٖ امام ایک ڈھال کی طرح ہوتا ہے اور لڑائی ہمیشہ امام کے پیچھے ہو کر کی جاتی ہے تو جب تک مَیں وہاں نہیں ہوں گا قادیان میں کوئی فساد نہیں ہوگا۔ اِن وجوہ کی بناء پر میرے اندر کوئی گھبراہٹ نہیں تھی لیکن اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ باوجود ہماری تمام کوششوں کے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح ہو جائے تمام اقوام کے لوگ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں اور آپس کے جھگڑوں کو محبت اور پیار کے ساتھ سُلجھانے کی کوشش کریں، ملک کی فضاء ابھی تک درست نہیں ہوئی۔ جُوں جُوں ہم نے کوشش کی کہ لوگوں کو اپنے قریب کریں اور اُنہیں محبت اور پیار سے رہنے اور ایک دوسرے کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی نصیحت کی ہماری ان کوششوں میں روکیں پیدا ہوتی چلی گئیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کی ان فسادات میں ایک یہ بھی حکمت ہو کہ یہ آزمائش اور ابتلاء ایسے مقام پر پہنچ جائیں کہ

ان کے نتیجہ میں بنی نوع انسان کے قلوب صاف ہو جائیں۔ اگر ایسی حالت میں صلح ہو جائے جب کہ دل صاف نہ ہوں تو وہ صلح دیرپا نہیں ہوتی مگر جھگڑے اور فسادات جب انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں تو قلوب میں بھی تبدیلی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور وہ تبدیلی زیادہ بہتر نتائج پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے۔

ہر جمعرات کو نفلی روزہ کی تحریک

بہرحال جماعت کا فرض ہے کہ ان نہایت ہی نازک ایام میں بیداری اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے دن گزارے اور دعاؤں سے خصوصیت کے ساتھ کام لیا جائے اسی لئے میں نے ہر جمعرات کو روزہ رکھنے اور دعائیں کرنے کی جماعت میں تحریک کی ہے۔ میں چونکہ روزوں کا اعلان کرنے کے معاً بعد سندھ چلا گیا اور خطبہ جلدی شائع نہ ہؤا اِس لئے میں نے اعلان کر دیا تھا کہ روزے ۲۰؍ مارچ سے شروع ہوں گے مگر بعض نے میرے پہلے اعلان کی بناء پر ۱۳؍ مارچ کو بھی روزہ رکھ لیا اس طرح اُن کے آٹھ روزے ہو جائیں گے اور وہ ایک زائد روزہ کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ بہرحال پہلا روزہ ۲۰؍ مارچ کو رکھا گیا تھا، دوسرا روزہ ۲۷؍ مارچ کو رکھا گیا، تیسرا روزہ ۳؍ اپریل کو رکھا گیا، چوتھا روزہ ۱۰؍ اپریل کو رکھا جائے گا، پانچواں روزہ ۱۷؍ اپریل کو رکھا جائے گا، چھٹا روزہ ۲۴؍ اپریل کو رکھا جائے گا اور ساتواں روزہ یکم مئی کو رکھا جائے گا۔ جماعت کے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ تعہّد کے ساتھ یہ روزے رکھیں اور نہ صرف خود روزے رکھیں بلکہ دوسروں کو بھی روزے رکھنے کی تاکید کریں اور اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی روزے رکھائیں جو روزے رکھنے کے قابل ہیں۔ اور سب کے سب مل کر خدا تعالیٰ سے دعائیں کریں کیونکہ اجتماعی دُعا جس میں چھوٹے اور بڑے سب شریک ہو جاتے ہیں خدا تعالیٰ کے فضلوں کو خاص خاص لوگوں کی دُعاؤں سے بھی زیادہ جذب کرتی ہے۔''

بعض سوالوں کے جواب

اس موقع پر ایک دوست نے سوال کیا کہ کیا سفر میں روزہ رکھا جا سکتا ہے؟ حضور نے فرمایا:۔

''سفر میں فرض روزہ منع ہے نفلی نہیں۔ بسا اوقات بظاہر ضائع ہونے والی قربانی بظاہر قبول ہونے والی قربانی سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے اور ہر مومن کا فرض ہوتا ہے کہ وہ کسی مرحلہ

پر بھی اپنے قدموں میں جُنبش پیدا نہ ہونے دے اور اپنے دل کو اُستوار رکھے۔ اس مسئلہ کو اپنے مدنظر رکھتے ہوئے دعائیں کرو اور روزے رکھو۔ دعائیں کراؤ اور روزے رکھواؤ اور مرکز کی حفاظت کے لئے جلد سے جلد دس پندرہ لاکھ روپیہ اپنی ذاتی امانت کے ماتحت خزانہ صدرانجمن احمدیہ میں جمع کرادو۔ یہ روپیہ چونکہ حفاظتِ مرکز کے کام کے لئے استعمال کیا جائے گا اس لئے اس کی واپسی فوراً نہیں ہوگی، سوائے اِس کے کہ کسی کو کوئی اشد ضرورت پیش آجائے۔ بے شک یہ سارا روپیہ امانت کے طور پر محفوظ رہے گا اور سلسلہ اس کو واپس کرنے کا ذمہ دار ہوگا مگر بہرحال اِس کی واپسی میں کچھ وقفہ ضرور ہوگا تا کہ چندہ اکٹھا ہونے تک اس روپیہ سے کام لیا جاسکے۔ اسی طرح دوسری تحریکات جو میں نے اِس وقت کی ہیں نمائندگانِ جماعت کا فرض ہے کہ واپس اپنی جماعتوں میں جا کر اُن پر عمل کرائیں اور دوستوں پر ان تحریکات کی اہمیت واضح کریں۔ میں نے کہا ہے کہ ہر وہ شخص جس نے خدمتِ سلسلہ کے لئے اپنی جائیداد وقف کی ہوئی ہے وہ اپنی جائیداد کی قیمت کا ایک فیصدی خزانہ صدرانجمن احمدیہ میں داخل کرے اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی آمد وقف کی ہوئی ہے وہ ایک مہینے کی تنخواہ دیں اور وہ لوگ جو واقفینِ جائیداد یا واقفینِ آمد میں شامل نہیں اُن کو تحریک کی جائے کہ وہ ان میں سے کسی وقف میں یا اگر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں توفیق دی ہے تو دونوں تحریکوں میں شامل ہوجائیں، اس کے بعد اُن پر بھی اُسی قانون کا اطلاق ہوگا جو پہلے واقفین کے لئے تجویز کیا گیا ہے یعنی اُن سے بھی جائیداد کی قیمت کا ایک فیصدی یا ایک ماہ کی تنخواہ لی جائے گی اور وہ لوگ جو تحریک کے باوجود اپنی جائیداد یا آمد کو وقف نہیں کریں گے اُن سے جائیداد کی قیمت کا ۱/۲ فیصدی یا اُن کی سالانہ آمدن کا چوبیسواں حصہ یعنی مہینہ کی آدھی تنخواہ لی جائے گی۔

ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ اس تحریک میں اگر کسی نے پہلے کچھ چندہ لکھوایا ہؤا ہو تو وہ الگ شمار ہوگا یا اسی تحریک میں شمار کیا جائے گا؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ وہ چندہ اسی چندہ میں شامل ہوگا یعنی اگر کسی نے موجودہ تحریک کے ماتحت ایک سَو روپیہ دینا ہے اور پچاس روپے وہ دے چکا ہے تو اب اس کے ذمہ صرف پچاس روپے ہوں گے یا اگر پچاس کا اُس نے وعدہ کیا ہؤا تھا تو اب مزید صرف پچاس کا وعدہ کر کے وہ اپنے حصہ کو

ادا کر سکتا ہے۔‘‘

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ایک دوست نے اپنی آمد وقف کی تھی مگر اب وہ بیکار ہے، وہ اس تحریک میں کس طرح شامل ہو سکتا ہے؟ حضور نے فرمایا:۔

’’اُسے نیت کا ثواب مل جائے گا، اُس نے کرنا کیا ہے۔‘‘

ایک اَور سوال کے جواب میں فرمایا کہ:۔

’’جن لوگوں نے میری پہلی تحریک پر صرف جزوی وعدے کئے تھے پورا وقف نہیں کیا تھا اُن کو چاہیئے کہ یا تو اپنی جائیداد اور آمد کو وقف کریں یا پھر غیر واقف کی طرح رقم ادا کریں۔ ہم نے بے شک اُن سے وعدے لے لئے ہم سمجھتے تھے کہ اُنہوں نے وقف نہیں کیا وہ اب اپنی جائیداد یا آمد وقف کریں اور یا پھر اسی طرح چندہ دیں جس طرح غیر واقف دیں گے۔‘‘

ایک اَور صاحب کے سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا:۔

’’مظلومینِ بہار کی اعانت کے لئے جو چندہ کی تحریک کی گئی ہے یہ بھی درحقیقت اپنی حفاظت کی ہی ایک شاخ ہے کیونکہ جو شخص دوسرے کی حفاظت کے لئے قربانی کرتا ہے وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے اپنے مال اور جان کو قربان کرنے سے کس طرح پیچھے رہ سکتا ہے، اس لئے یہ تحریک بھی گو صدقہ کا رنگ رکھتی ہے مگر ایک رنگ میں اِس کا تعلق اپنی حفاظت کے ساتھ بھی ہے۔ دشمن یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ جو لوگ دوسروں کے لئے مال خرچ کر رہے ہیں وہ اپنی حفاظت کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔‘‘

ایک اَور سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا:۔

’’تقویٰ کا طریق یہی ہے کہ اگر کسی کی آمد زیادہ ہو تو وہ آمد ادا کرے اور اگر حصہ جائیداد زیادہ ہو تو حصہ جائیداد ادا کرے۔‘‘

ایک اَور سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا:۔

’’وہ لوگ جو اس تحریک میں شامل نہ ہوں جماعتوں کو اُن کے نام نوٹ کر لینے چاہئیں، ایسے لوگوں کو جب بھی کوئی ثواب کا موقع آئے گا آئندہ اس میں شامل نہیں کیا

جائے گا۔‘‘
ایک دوست نے عرض کیا کہ حضور نے تو فرمایا تھا کہ ہم اُن کے مال کو حرام سمجھیں گے۔ حضور نے فرمایا:۔
’’اِس سے مراد یہی تھی کہ اس قسم کی تحریکات میں اُن کو شامل نہیں کیا جائے گا صرف چندہ عام اُن سے لے لیا جائے گا۔‘‘
اِسی سلسلہ میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ:۔
’’وہ لوگ جنہوں نے ابھی تک اپنی جائیداد یا آمد وقف نہیں کی وہ ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر اس وقف میں شامل ہو سکتے ہیں۔‘‘
سوالات کے بعد حضور نے پھر سلسلہء تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:۔

جامع نصائح

’’اب مَیں جماعت کو چند آخری نصائح کر کے اس مجلس کو برخاست کرتا ہوں، میں نے جماعت کو بارہا توجہ دلائی ہے کہ تبلیغ پر خاص زور دو اور پچھلے دنوں تو خصوصیت کے ساتھ میں نے اِس طرف توجہ دلائی تھی مگر ابھی تک بہت ہی کم جماعتوں نے اس فریضہ کی ادائیگی کی طرف توجہ کی ہے۔ لاکھوں کی جماعت میں سے اب تک صرف ۱۸۸۵ افراد نے دو ہزار بیعتوں کے وعدے کئے ہیں جو نہایت افسوس ناک امر ہے۔ دوستوں کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ جب تک تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ نہیں کی جائے گی جماعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ ہر شخص جو اس سلسلہ میں داخل ہوتا ہے اُسے یہ پختہ عہد کر لینا چاہیئے کہ وہ سالانہ کم از کم ایک شخص کو احمدیت میں داخل کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر وہ ایسا عہد نہیں کرتا تو اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ روحانی رنگ میں اُس پر موت وارد ہو رہی ہے۔ قادیان کی جماعت کو بھی میں نے گزشتہ دنوں اِس طرف توجہ دلائی جس پر کئی لوگوں نے تبلیغ کے لئے اپنے اوقات کو وقف کیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اُمید کی جاتی ہے کہ اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہتے ہوئے سرگرمی سے تبلیغی جدوجہد کو جاری رکھیں گے تو اِس کے نہایت خوش کُن نتائج برآمد ہوں گے۔ باہر کی جماعتوں کو بھی مَیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے افراد کو تبلیغ کے لئے اوقات وقف کرنے کی تحریک کریں اور پھر تنظیم کے ماتحت اُن سے کام لیا جائے۔ کبھی کبھی کسی گاؤں میں تبلیغ کے لئے چلے جانا اور پھر مہینوں

اُس طرف کا رُخ بھی نہ کرنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہر گاؤں میں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا دو دو چار چار آدمی احمدی ہو جائیں، بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی جگہ پچاس ساٹھ احمدی ہو گئے ہیں تو اُن کی ترقی رُک گئی ہے لیکن جہاں دو دو چار چار احمدی تھے وہاں ترقی ہوتی رہی۔ اِس کی وجہ درحقیقت یہی ہوتی ہے کہ نئی نئی جگہوں پر نئی نئی جماعتیں قائم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور جماعت کی ترقی کے جو قدرتی ذرائع ہوتے ہیں وہ مفقود ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جہاں ایک ایک دو دو احمدی ہوں یا نئی جماعتیں قائم ہوں وہاں لوگوں کا دباؤ، اُن کی مخالفت اور شرارت اور پھر رشتہ داروں کا تناؤ اور کھچاؤ انسان کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ جدوجہد کرے اور مخالفت کرنے والوں کو اپنے ساتھ ملائے اور جب وہ جدوجہد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے کامیابی بھی عطا فرما دیتا ہے اور ایک سے دو اور دو سے چار اور چار سے دس بننا شروع ہو جاتے ہیں، لیکن جہاں زیادہ احمدی ہو جائیں وہاں چونکہ مخالفت کم ہو جاتی ہے اِس لئے لوگوں کی توجہ بھی تبلیغ کی طرف سے ہٹ جاتی ہے گویا چھوٹی جماعتیں جہاں اپنے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اور مخالفین کے مظالم کا تختہ ءِ مشق بننے کی وجہ سے جلد جلد ترقی کرتی ہیں وہاں بڑی جماعتیں بسا اوقات اپنی کثرت کی وجہ سے غفلت اور کوتاہی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پس کوشش کرنی چاہیے کہ نئی نئی جگہ جماعتیں بنائی جائیں اور ہر گاؤں اور ہر شہر میں سے دو دو تین تین لوگوں کو احمدیت میں شامل کر لیا جائے۔ اگر ہماری جماعت یہ طریق اختیار کر لے تو دس سال میں ہی وہ ہندوستان پر غالب آسکتی ہے، مگر افسوس ہے کہ اس طرف صحیح طور پر توجہ نہیں کی جاتی۔ پس مَیں جماعتوں کو ایک دفعہ پھر اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ہر شخص سے سال میں کم از کم ایک احمدی بنانے کا عہد لیا جائے اور لسٹوں کو مکمل کر کے دفتر بیعت میں بھجوا دیا جائے اور پھر اس عہد کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں نے بتایا ہے کہ تبلیغ کا بہترین طریق یہ ہے کہ نئی نئی جگہوں میں ایک ایک دو دو احمدی بنانے شروع کر دیئے جائیں۔ لاہور اور دہلی میں بھی میں نے دوستوں سے کہا تھا کہ دیکھو فلاں فلاں محلوں میں کوئی احمدی نہیں تم کوشش کرو کہ اُن محلوں میں احمدیت پھیلے اور کوئی ایک محلّہ بھی ایسا نہ رہے جس میں ہماری جماعت کا کوئی فرد نہ ہو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر جگہ نئی مخالفت شروع ہو جائے گی۔ لوگوں کی طبائع میں تحقیق و جستجو کا

مادہ پیدا ہوگا اور اُن میں سے کئی سعید الفطرت لوگ احمدیت کو قبول کر لیں گے۔ لاہور اور دہلی میں درجنوں محلے ایسے ہیں جن میں کوئی احمدی نہیں حالانکہ سب محلوں میں دو دو چار چار احمدی ضرور ہونے چاہئیں اور اگر ایسا ہو تو احمدیت بہت جلد بڑھ سکتی ہے۔ پس گاؤں والوں کو نئے نئے گاؤں میں احمدیت پھیلانی چاہیے اور شہر والوں کو نئے نئے محلوں میں احمدیت پھیلانی چاہیے یہاں تک کہ کوئی گاؤں، کوئی شہر اور کوئی محلّہ ایسا نہ ہو جس میں ہماری جماعت باقاعدہ قائم نہ ہو اور جہاں تبلیغی جلسے وغیرہ نہ ہوتے ہوں۔ باقی جلسہ سالانہ پر میں نے جماعت کو جو نصائح کی تھیں اُن کی طرف بھی ہمارے دوستوں کو توجہ رکھنی چاہیے بالخصوص نماز باجماعت کی پابندی اور لجنہ اِماء اللہ کا قیام یہ نہایت ضروری باتیں ہیں۔ اِسی طرح محنت کی عادت اور سچائی کو اپنا شعار بنانا۔ اِن امور کی طرف بھی ہمیشہ توجہ رکھنی چاہیے۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ اِس نہایت ہی نازک زمانہ میں ہمیں اپنے فرائض پوری خوش اُسلوبی سے سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم پر ایسا فضل نازل کرے کہ جب ہم اس خطرہ کی حالت سے باہر نکلیں تو ہماری حالتیں پہلے سے بہت زیادہ اچھی ہوں۔ ہماری شوکت پہلے سے بڑھی ہوئی ہو۔ ہماری عظمت پہلے سے بدرجہا بڑھ کر ہو۔ ہماری تعداد پہلے سے کئی گُنا زیادہ ہو۔ ہماری اقتصادی حالت پہلے سے بہت بڑھ چڑھ کر ہو۔ ہماری علمی حالت پہلے سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو، تاکہ جب آفات ومصائب کا بادل چھٹے تو دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو کہ جو چیز دنیا کے لئے عذاب بن کر آئی تھی وہ جماعت احمدیہ پر رحمت کی بارش بن کر برسی۔ وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۷ء)

---

[1] اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۳، ۴۔ مطبوعہ ۱۸۹۰ء

[2] تذکرہ صفحہ ۱۹۸ ایڈیشن چہارم

[3] نسائی کتاب النکاح. باب کراھیۃ تزویج العقیم

[4] الاعلیٰ: ۱۰

۵؎ تذکرہ صفحہ ۱۸۲ ایڈیشن چہارم

۶؎ تذکرہ صفحہ ۱۴۱ ایڈیشن چہارم

۷؎ اینٹرم (ANTRIM) : شمالی آئر لینڈ میں صوبہ السٹر ایک بحری ضلع، صدر مقام بلغاسٹ ہے جو مشہور بندرگاہ اور آئر لینڈ کا بڑا صنعتی مرکز ہے۔ یہ علاقہ زیادہ تر زراعتی ہے اور ماہی گیری و مویشی پروری بھی ہوتی ہے۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ا صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۸؎ مچان: وہ تختہ یا لکڑیاں جو دیوار میں اسباب وغیرہ رکھنے کے لئے اونچی جگہ لگا دیتے ہیں۔

۹؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۲، ۲۷۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۰؎ نسائی کتاب الوصایا باب الکراھیة فی تأخیر الوصیة

۱۱؎ بخاری کتاب الجھاد باب یُقَاتَلُ مِنْ وَرَاءِ الْاِمَام (الخ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۴۸ء

(منعقدہ ۲۶، ۲۷/ مارچ ۱۹۴۸ء بمقام رتن باغ لاہور)

پہلا دن

جماعت احمدیہ کی اٹھائیسویں مجلس مشاورت مؤرخہ ۲۶ اور ۲۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو بمقام رتن باغ لاہور منعقد ہوئی دعا کے بعد حضور نے مختصر سا افتتاحی خطاب فرمایا۔

افتتاحی خطاب

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد فرمایا:-

''نمائندگان کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ اب کام کا وقت ہے باتوں کا وقت نہیں ہے وہ زمانہ گذر چکا جب ہم اپنا کچھ وقت باتوں میں بھی صَرف کر دیا کرتے تھے اب ہم میں سے وہی شخص جماعت کا ایک مفید جزو بن سکتا ہے جو اپنے اوقات کو پوری طرح خدا تعالیٰ اور اسلام کی خدمت میں لگا دیتا ہے۔ ہم میں سے جو لوگ اپنے اوقات کو اپنے نفس کے لئے خرچ کرنا چاہتے ہیں انہیں یاد رہے کہ اب وہ دن آرہے ہیں جب کہ واقعات خود اُنہیں مجبور کر دیں گے کہ وہ جماعت سے الگ ہو جائیں اور اپنی بدعملی کی وجہ سے جماعت کی بدنامی کا موجب نہ بنیں۔''

دوسرا دن

مجلس مشاورت کے دوسرے دن ۲۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے جب وہ تجاویز سنائیں جو مجلس مشاورت میں پیش کرنے کے لئے آئی تھیں لیکن صدر انجمن نے اُن کو ردّ کر دیا تو حضور نے فرمایا:-

ردّشُدہ تجاویز کی وجوہ بھی بتانی چاہئیں

’’جن تجاویز کو صدرانجمن احمدیہ نے مجلس مشاورت میں پیش کرنے سے روکا ہے اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اُن کا روک دینا ہی مناسب تھا۔لیکن محض یہ کہہ دینا کہ صدرانجمن احمدیہ کی رائے میں اُن کا تعلق مجلس شوریٰ سے نہیں، کافی نہیں تھا،صدرانجمن احمدیہ کو بتانا چاہیے تھا کہ اُس نے کن وجوہ کی بناء پر ان تجاویز کو ردّ کیا ہے مثلاً اگر یہ کہا جاتا کہ چونکہ ایجنڈا بہت لمبا ہے اور وقت کم ۔اس لئے اُن کو اگلی مجلس مشاورت میں پیش کیا جائے گا تو ایک معقول بات تھی ۔صرف یہ کہہ دینا کہ ان کا صدرانجمن احمدیہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، دلوں کو تسلی نہیں دے سکتا سوال یہ ہے کہ وہ ضرورت جو پیش کی گئی تھی ۔ضرورتِ حقّہ تھی یا نہیں۔ پھر اگر تو اس کا تعلق صدرانجمن احمدیہ کے ساتھ تھا تو اُس کا اعلان کر دینا چاہیے تھا کہ معاملہ محکمہ متعلقہ کے سپرد کر دیا گیا ہے اور وہ اس کے علاج کے لئے تیار ہو اور اگر اُس کا مشاورت کے ساتھ تعلق تھا تو اُسے کہنا چاہیے تھا کہ اُس نے ان امور کو شوریٰ کے سامنے رکھ دیا ہے اور اگر بے تعلق تھا تو اُس کی بے تعلقی کے وجوہ کو بیان کرنا چاہیے تھا۔ درحقیقت وہ تمام امور جو ہماری جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے والے سمجھے جاتے ہیں چار قسم کے ہیں:-

اوّل: وہ جن کا ہماری جماعت کے ساتھ حقیقتاً کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اس صورت میں بے تعلقی کی وجہ بیان ہونی چاہیے۔

دوم: وہ جن کا تعلق مجلس شوریٰ کے ساتھ ہوتا ہے ۔ ایسے معاملات شوریٰ کے سامنے پیش کرنے چاہیے۔

سوئم: ایسے معاملات جن کا تعلق صدرانجمن احمدیہ کے ساتھ ہو۔ایسے معاملات کا صدرانجمن احمدیہ کو فیصلہ کرنا چاہیے۔

چہارم: ایسے معاملات جو نہ تو صدرانجمن احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں، نہ شوریٰ سے، بلکہ صرف خلافت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ۔ایسی صورت میں صدرانجمن احمدیہ کو بتانا چاہیے کہ وہ معاملہ خلیفۃ المسیح کے سامنے رکھا گیا ہے ۔غرض ہر رنگ میں صدرانجمن احمدیہ کو اپنا رویہ الگ الگ ظاہر کرنا چاہیے اگر جماعت کے ساتھ کسی معاملہ کا تعلق نہیں ۔ مثلاً کوئی سیاسی مسئلہ ہو تو اُسے بیان کرنا چاہیے کہ اس کا جماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔ اور اگر کسی

چیز کا تعلق کُلّی طور پر خلافت کے ساتھ ہے تو پھر صدر انجمن احمدیہ کو بیان کرنا چاہیے کہ اس کا تعلق براہ راست خلیفہ سے ہے اس لئے ہم نے وہ سوال خلیفۂ وقت کو بھجوا دیا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ امر صدر انجمن احمدیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ہم اِس کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہم نے معاملہ متعلقہ محکمہ کے سپرد کر دیا ہے اور وہ خود اس کا فیصلہ کرے گا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اُس کا تعلق شوریٰ کے ساتھ تو ہو مگر ایجنڈا لمبا ہو اور وقت کم اِس لئے فیصلہ کیا جائے کہ آئندہ سال اس کو پیش کیا جائے۔ ان چار صورتوں میں سے کوئی نہ کوئی صورت چونکہ ضرور ہوتی ہے اس لئے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ان تجاویز کو ہم نے پیش کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ تصریح کے ساتھ بتانا چاہیے کہ ان چار صورتوں میں سے کون سی صورت تھی اور کیا رویہ اختیار کیا گیا۔ اس طرح سے تجویز پیش کرنے والا شخص یا ادارہ تسلی پا جائے گا اور وہ سمجھے گا کہ میری تجویز کو بِلا وجہ ردّ نہیں کیا گیا بلکہ جو مناسب طریق تھا وہ اختیار کیا گیا ہے۔''

جس جماعت کا اوسط چندہ ماہوار کم از کم ۵۰۰ روپیہ ہو وہ مدرسہ احمدیہ میں تعلیم دلوانے کے لئے ایک طالبعلم لازمی بھیجے

نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے ایک تجویز یہ پیش کی گئی تھی کہ:-

''ہر جماعت جس کا اوسط چندہ ماہوار کم سے کم پانچ سَو روپیہ ہے لازمی طور پر مدرسہ احمدیہ کے لئے ایک طالب علم پڑھنے کے لئے قادیان بھیجے یا ایک طالب علم کا ماہوار خرچ جو اوسطاً بیس روپیہ ماہوار ہے ادا کرے''۔

سب کمیٹی نظارت تعلیم و تربیت میں یہ ترمیم پیش ہوئی کہ اِس تجویز کو مندرجہ ذیل صورت میں پیش کیا جائے:-

''ہر جماعت جس کا اوسط چندہ ماہوار کم از کم -/۲۵۰ روپیہ ہے لازمی طور پر مدرسہ احمدیہ کے لئے ایک طالب علم اپنے خرچ پر پڑھنے کے لئے قادیان بھیجے یا ایک طالب علم کا ماہوار خرچ جو اوسطاً بیس روپیہ ہے ادا کرے گویا اِس لحاظ سے ہر ایسی جماعت کی طرف سے ایک

طالب علم ہر وقت مدرسہ احمدیہ میں تعلیم پا رہا ہوگا ایسی جماعتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کُل ۲۷ طلباء مدرسہ احمدیہ کے لئے مہیا ہو سکتے ہیں''۔

مندرجہ بالا ترمیم کے حق میں دس آراء تھیں لیکن تین ممبران سب کمیٹی کی یہ رائے تھی کہ -/۲۵۰ روپیہ کی بجائے -/۵۰۰ روپیہ ماہوار کا معیار رکھنا ہی مناسب ہوگا۔(اس صورت میں کُل طلباء کی تعداد دس گیارہ ہوگی) ایک ممبر کی رائے یہ تھی کہ چندہ کے معیار کو -/۱۰۰۰ روپیہ ماہوار تک کر دیا جائے۔ کثرتِ رائے سے فیصلہ ہوا کہ مندرجہ بالا ترمیم کے منظور کئے جانے کے بارہ میں سفارش کی جائے۔

سب کمیٹی کی یہ تجویز جب مجلس مشاورت میں پیش ہوئی تو مکرم ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم نے سب کمیٹی کی تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے یہ ترمیم پیش کی کہ:-

''جس جماعت کا اوسط چندہ پانچ صد روپیہ ماہوار ہو وہ ایک طالب علم اور اُس کا خرچ دے اور اگر اُس کے پاس طالب علم نہ ہو تو اُس کا خرچ دے اور اُس کے اُوپر فی پانچ صد روپیہ چندہ ایک طالب علم یا اُس کے خرچ کے حساب سے ذمہ داری ڈالی جائے''۔

حضور نے فرمایا:-

''چونکہ ترمیم کا پہلے پیش ہونا ضروری ہوتا ہے اس لئے سب کمیٹی کی تجویز پیش کرنے سے پہلے میں اِس ترمیم کے متعلق دوستوں سے رائے دریافت کرنا چاہتا ہوں جن دوستوں کی یہ رائے ہو کہ پانچ سَو روپیہ ماہوار یا اس سے زیادہ چندہ دینے والی جماعتوں پر یہ پابندی عائد ہونی چاہیے کہ وہ مدرسہ احمدیہ کے لئے ایک طالب علم اپنے خرچ پر پڑھنے کے لئے بھیجیں اور اگر طالب علم موجود نہ ہو تو ایک طالب علم کا ماہوار خرچ برداشت کریں وہ کھڑے ہو جائیں۔''

۲۸۲ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

''اب وہ دوست جو اس بات کی تائید میں ہوں کہ اڑھائی سو روپیہ ماہوار یا اس سے زیادہ چندہ دینے والی جماعتوں پر یہ پابندی عائد ہونی چاہیے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

صرف ۳۲ دوست کھڑے ہوئے۔ فرمایا:-

فیصلہ

''میں کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ہر جماعت جس کا اوسط چندہ ماہوار کم از کم ۵۰۰ روپیہ ہے وہ لازمی طور پر مدرسہ احمدیہ میں تعلیم دلوانے کے لئے ایک طالب علم بھیجے اور اُس کے اخراجات خود برداشت کرے اور اگر طالب علم اُس کے پاس نہ ہو تو ایک طالب علم کا ماہوار خرچ ادا کرے اور تمام جماعتوں پر فی پانچ صد روپیہ چندہ ایک طالب علم یا اُس کے خرچ کے حساب سے ذمہ داری ڈالی جائے۔''

حضور نے مزید فرمایا:-

''میں سمجھتا ہوں اصل طریق یہی ہے کہ تدریجی طور پر جماعت کو کسی کام کی عادت ڈالی جائے اس طرح بشاشت قائم رہتی ہے اور کام کرنے کی روح ترقی کرتی ہے پس میں جماعت کی کثرتِ رائے کے مشورہ کو منظور کرتے ہوئے اس تجویز کو جاری کرنے کی ہدایت صدر انجمن احمدیہ کو دیتا ہوں مگر ماہوار خرچ کی اوسط جو ۲۰ روپیہ مقرر کی گئی ہے یہ درست نہیں اوسط خرچ کم سے کم ۲۵ روپیہ ماہوار ہونا چاہیے۔''

تعلیم القرآن کلاس میں نمائندگان بھجوانے اور مستورات کی شمولیت کی بابت

نظارت تعلیم و تربیت کی دوسری تجویز یہ تھی کہ ''تعلیم القرآن کلاس کے فائدہ کو وسیع کرنے کے لئے تاکہ زیادہ سے زیادہ احباب ان ایام میں تشریف لا کر شمولیت کر سکیں جماعتیں یہ ذمہ داری لیں کہ ہر جماعت جس کے بالغ افراد کی تعداد ایک سو یا اس سے زیادہ ہے وہ اپنی مقامی جماعت میں تحریک کر کے اس کلاس کی شرکت کے لئے کم از کم تین نمائندے بھجوائے''۔

سب کمیٹی نے مندرجہ بالا تجویز حسب ذیل ترمیم کے ساتھ متفقہ طور پر منظور کی ''تعلیم القرآن کلاس کے لئے جماعتیں یہ ذمہ داری لیں کہ ہر جماعت تحریک کر کے اس کلاس میں شرکت کے لئے مندرجہ ذیل نسبت سے نمائندے بھجوائے۔

۱۔ ۵۰ افراد تک ایک نمائندہ

۲۔ ۱۰۰ افراد تک دو نمائندے

۳۔ ۱۰۰ سے اوپر کی جماعت کے لئے تین نمائندے

اگر کسی جماعت میں مرکز کی طرف سے کوئی مبلّغ موجود ہو تو وہ ان ایام میں اپنے ہاں تعلیم القرآن کلاس کا انتظام کر کے نظارت تعلیم و تربیت سے اجازت حاصل کر لیں‘‘۔

بعض دوستوں کے دریافت کرنے پر حضور نے فرمایا کہ:

’’۵۰، ۱۰۰ یا ۱۰۰ سے اوپر افراد کی تعیین کی گئی ہے اس سے مراد صرف چندہ دہندہ افراد نہیں بلکہ تمام افراد مراد ہیں اور ان میں عورتیں بچے جوان اور بوڑھے سب شامل ہیں۔‘‘

اس کے بعد نمائندگان جماعت سے مشورہ لیا تو ۲۶۸ دوستوں نے اس کے حق میں اور ۹ دوستوں نے اس کے خلاف رائے دی۔

فیصلہ فرمایا:-

’’میرے خیال میں تو پچاس افراد تک ایک نمائندہ ، سَو افراد تک دو نمائندے اور سَو سے اوپر تعداد رکھنے والی جماعتوں کی طرف سے تین نمائندوں کو بھجوایا جانا ایک ایسی تجویز ہے جس میں دور کی جماعتوں کے لئے بہت سی مشکلات پیش آسکتی ہیں جیسے بنگال وغیرہ کی جماعتیں اور پھر اگر غور سے کام لیا جائے تو پچاس فیصدی تو بچے نکل جائیں گے اور ۲۵ فیصدی عورتیں نکل جائیں گی صرف ۲۵ فیصدی مرد باقی رہ جائیں گے جن پر اس قانون کا اطلاق ہوگا اور اُن ۲۵ فیصدی میں سے دو نمائندوں کا آنا درحقیقت یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم اُن سے دو فیصدی کا نہیں بلکہ آٹھ فیصدی کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن بہرحال چونکہ جماعت کی اکثریت نے یہی مشورہ دیا ہے کہ اس قانون کو منظور کر لیا جائے اس لئے میں اُن کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے اس کی منظوری کا اعلان کرتا ہوں لیکن یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ قانون صرف مغربی پنجاب کی جماعتوں کے لئے ہوگا مغربی پنجاب سے باہر کی جو جماعتیں ہیں اُن کے لئے اس سے نصف تعداد بھجوانا کافی ہوگی اور چونکہ لجنہ نے تجویز کیا ہے کہ اِن دنوں عورتوں کے لئے بھی ایک تعلیم القرآن کلاس کھولی جائے کیونکہ قرآن صرف مردوں کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ عورتوں کے لئے بھی نازل ہوا ہے اس لئے لجنہ اِماء اللہ کی تعلیم القرآن کلاس میں شامل ہونے کے لئے اگر کسی جماعت کی طرف سے کوئی عورت آئے گی تو وہ بھی اس دو فیصدی میں شامل سمجھی جائے گی اس طرح عورتوں میں بھی اُمید ہے کہ دین کا چرچا پہلے سے زیادہ ہو جائے گا۔‘‘

معرکۃ الآراء تقریر

مجلس مشاورت کے دوسرے دن اختتامی اجلاس میں تلاوتِ قرآن کریم کے بعد حضور نے ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی۔آپ نے فرمایا:۔

اضافہ بجٹ

''بجٹ کی بحث کے دوران میں اختر صاحب نے کہا ہے کہ اضافہ بجٹ کے وقت اُن اضافوں کو مدنظر نہیں رکھا گیا جو میری تحریک کی بناء پر بعض مخلص نوجوان اپنے چندوں میں کررہے ہیں۔ نائب ناظر صاحب بیت المال نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ایسے بہت کم لوگ ہیں اور جن لوگوں نے اپنے چندوں میں اضافہ بھی کیا ہے اُنہوں نے تفصیلی طور پر اپنی آمد اور چندہ کی نسبت ظاہر نہیں کی اس لئے ہم پورے طور پر اس اندازہ کو شامل نہیں کرسکے۔ جہاں تک اضافہ کا سوال ہے ہمیں یہ عمل نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ جہاں بعض لوگوں نے اضافہ کیا ہے وہاں ہزاروں ہزار افراد جماعت کے ایسے بھی ہیں جن کی آمدنیں اس سال تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں اور وہ لوگ اپنی جائدادوں سے بے دخل ہوکر مغربی پنجاب میں آگئے ہیں یا سندھ اور بہاولپور وغیرہ میں چلے گئے ہیں اور اس وقت اُن کے گزاروں کی کوئی صورت نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ مشرقی پنجاب سے آنے والے احمدیوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور یہ ایک لاکھ اپنے گھروں سے بے گھر اور اپنی آمدنیوں سے محروم ہے مغربی پنجاب میں اس کے متعلق جو کوشش کی گئی ہے وہ میرے نزدیک بہت حد تک اُن حالات میں جن حالات میں سے حکومت اُس وقت گزر رہی تھی قابلِ قدر تھی۔ جو لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ حکومت نے کوتاہی سے کام لیا وہ میرے نزدیک غلطی کرتے ہیں لیکن جہاں تک بسانے کا سوال ہے اُس میں میرے نزدیک بہت سی غلطیاں ہوئیں۔ اول بسانے کا فیصلہ علاقہ وار نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے واپس جانے کے وقت لوگ آسانی سے واپس نہیں لیجائے جاسکیں گے۔ دوسرے ان فیصلوں میں طرفین کے حقوق کو نگاہ میں نہیں رکھا گیا۔ پھر فیصلہ کا انڈین یونین کے آدمیوں کو حق دیدیا گیا ہے اور پاکستان کے لوگوں کے حقوق نظرانداز کردیئے گئے ہیں آخر یہ تو نہیں کہ اس میں ان لوگوں کا کوئی فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ بوجہ ناتجربہ کاری کے سلسلہ کی پیچیدگیوں پر اُن کی نظر نہیں پڑی۔ اور جلدی سے ایک ایسا فیصلہ کردیا گیا کہ جس میں نادانستہ طور پر وہ دشمن کے ہاتھ میں پڑ گئے۔ جس رنگ میں زمینیں تقسیم ہوئی ہیں جلسہ سالانہ کے موقع پر میں بتا چکا ہوں کہ وہ طریق بھی سخت ناقص تھا زمین موجود ہے اور بہت زیادہ موجود ہے

یہاں تک کہ سب لوگوں کو تقسیم کر کے بھی زمین بچ سکتی ہے مگر اس میں بے انتہا غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں جن کا خمیازہ نامعلوم پندرہ سال تک یا بیس سال تک یا کتنے سالوں تک پاکستان کو بُھگتنا پڑے گا پھر جن لوگوں کو بسایا گیا ہے اُن کے ساتھ معاملہ بھی ناتسلی بخش ہے نام انصاف رکھا جاتا ہے حقیقتاً ناانصافی ہورہی ہے۔ بعض غیر زمیندار تھے جنہیں زمینیں مل گئیں۔ اور بعض جن کے پاس زمینیں کم تھیں اُن کے پاس زیادہ چلی گئیں جو ہوشیار تھے اور بغیر جائداد کے تھے اُنہیں جائدادیں مل گئیں اور جو ہوشیار نہیں تھے لیکن صاحب جائداد تھے وہ محروم رہ گئے۔ اسی طرح دکانوں کے معاملہ میں بھی ہؤا دکانیں اور فیکٹریاں سکھ اور ہندو بہت چھوڑ گئے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی جتنی صنعت وحرفت اس علاقہ میں تھی اُتنی صنعت وحرفت مسلمانوں کی مشرقی پنجاب میں ہرگز نہیں تھی، امرتسر کو لاہور سے کوئی نسبت نہیں، جالندھر کو راولپنڈی سے کوئی نسبت نہیں، لدھیانہ کو لائل پور سے کوئی نسبت نہیں، انبالہ کو ملتان اور منٹگمری سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح اور بہت سے ایسے شہر پائے جاتے ہیں۔ جہاں ہندوؤں اور سکھوں کی بڑی بڑی فیکٹریاں اور دکانیں تھیں مگر اُن کے مقابلہ میں دوسرے علاقہ میں ایسی کوئی فیکٹریاں اور دکانیں نہیں۔ اگر ان تمام فیکٹریوں اور دکانوں کو ملایا جاوے تو مسلمانوں کی جس قدر تجارت تھی سکھ اور ہندو اُس سے دس گُنا تجارت چھوڑ کر گئے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ مسلمان ابھی تک آوارہ پھر رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم صحیح طور پر نہیں ہوئی اور اس کے لئے جو اصول وضع کئے گئے وہ غلط تھے۔ میں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی ہوشیار کیا تھا کہ اس ہنگامہ اور افراتفری کے وقت لوگ اصول کے فیصلہ میں لگ گئے ہیں جن کے لئے امن کا وقت درکار ہوتا ہے۔ پچپن لاکھ انسان مشرقی پنجاب سے اُجڑ کر مغربی پنجاب میں آ گیا ہے اور چالیس لاکھ ہندو مغربی پنجاب سے مشرقی پنجاب کی طرف چلا گیا ہے یہ حالت انتہائی گھبراہٹ پیدا کرنے والی اور دماغ کو پریشان کرنے والی تھی مگر بجائے اس کے کہ ان اُجڑ کر آنے والوں کے متعلق فیصلہ کیا جاتا لوگ ان بحثوں میں مشغول ہوگئے کہ ملک کی صنعت وحرفت کارخانہ داروں کے پاس ہوگی، مزدوروں کے پاس ہوگی، حکومت کے پاس ہوگی، یا مشترک ہوگی۔ اس سیال حالت میں جو کمیونسٹ تھا وہ اپنے کمیونسٹ خیالات پھیلانے میں مشغول ہوگیا۔ جو سوشلسٹ تھا وہ اپنے سوشلسٹ خیالات پھیلانے میں مشغول ہوگیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے عقائد پھیلانے

کے لئے اس غیر درست وقت کو چُنا جو درحقیقت ماتم کا وقت تھا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ نہ یہ عقیدہ چلا نہ وہ اور جو ہوشیار تھے وہ جائدادوں کو لوٹ کر لے گئے اور یہ آپس میں ہی لڑتے رہ گئے۔ ان وجوہ سے ملک کو بہت نقصان پہنچا اور ہماری جماعت کے افراد میں سے بھی بہت سے بیکار ہوگئے اس لئے جہاں یہ درست ہے کہ بعض نے اپنی آمدنیں بڑھائیں وہاں یہ بھی درست ہے کہ جماعت کا ۲۵۔۳۰ فیصد حصہ ایسا ہے جس کی طرف سے چندے آنے بند ہوگئے یا تقریباً بند ہوگئے اور جو آئندہ تین چار ماہ تک ایک محدود حد تک چندہ دینے کے قابل ہوں گے ورنہ درحقیقت وہ پورے طور پر ایک سال یا دو سال کے بعد تیار ہوں گے پس جہاں بعض لوگوں کی وجہ سے ہمارے چندوں میں اضافہ ہؤا وہاں کمی بھی ہوئی اور کمی بہت زیادہ ہوئی یہ اضافہ بھی جیسا کہ نائب ناظر صاحب نے بتایا ہے، ایسا نہیں ہے جسے جماعت کی قربانی کے لحاظ سے خوش کُن سمجھا جاسکے جن لوگوں کی تفصیلات میرے پاس آئی ہیں اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ۱۰۰ میں سے ۳، ۴ ایسے ہیں جنہوں نے اضافہ کیا باقی ۹۵۔۹۶ فیصدی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے چندے میں کوئی اضافہ نہیں کیا اوّل تو یہ اضافہ اُسی وقت مفید نتیجہ پیدا کرسکتا ہے جب ساری جماعت اس طرف توجہ کرے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے ہمارا بجٹ آمد درحقیقت خیالی ہے اور سب کمیٹی نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ آمد صحیح نہیں اتنی آمد کی ہم اُمید نہیں کرسکتے اور ابھی پچھلے قرضے بھی باقی ہیں جو ہم نے ادا کرنے ہیں۔ موجودہ حالات میں ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہماری آمدنی چھ سات لاکھ روپیہ ہوگی اور ہمارا خرچ موجودہ اخراجات کے لحاظ سے بارہ لاکھ روپیہ ہوگا جب انجمن نے آٹھ لاکھ کا خرچ بتایا ہے تو درحقیقت اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے بہت سے اخراجات زبردستی کاٹ ڈالے ہیں اور ابھی تھوڑے دن ہی گزریں گے کہ ناظر صاحب اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ کا ریزولیشن پاس کرواکے مجھے بھجوا دیں گے کہ فلاں مد میں اتنا اضافہ منظور ہونا چاہیے اور فلاں مد میں اتنا اضافہ منظور ہونا چاہیے گویا نیک نامی اُنہوں نے آپ لے لی کہ خرچ بہت کم دکھایا گیا، اور بدنامی مجھ پر ڈال دی گئی کہ خلیفۃ المسیح نے اتنا بجٹ بڑھا دیا۔ اِدھر موجودہ بجٹ کی منظوری کا مَیں اعلان کروں گا اور اُدھر اُن کی طرف سے درخواست آجائے گی کہ روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے ڈاک بند ہے۔ فرمایئے ہم خطوط کا جواب دیں یا نہ دیں؟ یہ یقینی بات ہے کہ میں بھی کہوں گا کہ جواب دو۔ اس پر وہ کہیں گے

کہ اچھا ہزار روپیہ ڈاک کی مد میں بڑھا دیں پھر کہیں گے کہ فلاں محکمہ میں رجسٹر نہیں ہم حساب بند کر دیں یا جاری رکھیں؟ یہ لازمی بات ہے کہ میں بھی کہوں گا کہ جاری رکھو۔ وہ کہیں گے کہ اچھا ہزار روپیہ رجسٹروں کے لئے منظور فرمائیں۔ پھر کہیں گے فلاں فلاں لڑکے تعلیم پانے والے تھے مگر ان کے لئے مدرّس نہیں ملتا تھا اب مدرّس آگیا ہے بتایئے ہم لڑکوں کو واپس کر دیں یا مدرّس کو رکھ لیا جائے؟ میں یہی کہوں گا کہ رکھو۔ وہ کہیں گے کہ اچھا ۱۵۰۰ روپیہ مدرس کے لئے منظور فرما دیں۔ اس طرح آٹھ لاکھ کا بجٹ سال کے آخر میں دس بارہ لاکھ تک پہنچ جائے گا فرق صرف یہ ہے کہ اِس وقت اُنہوں نے آپ لوگوں سے تعریف حاصل کر لی ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کیا قربانی سے کام لیا گیا ہے آٹھ لاکھ میں سلسلہ کا تمام کام چلا لیا جائے گا۔ پھر میرے ہاتھ سے آٹھ لاکھ کو بارہ لاکھ کروالیں گے۔

بجٹ کے دو حصے

غرض بجٹ کے دو حصے ہوتے ہیں آمد اور خرچ۔ آمدن پوری طور پر آپ کے ہاتھ میں ہے اور خرچ پورے طور پر صدر انجمن احمدیہ کے ہاتھ میں ہے۔ چندہ دینے والا اور چندہ لینے والا دونوں الگ الگ مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جتنی جلدی خرچ بڑھ سکتا ہے اتنی جلدی آمد پیدا نہیں ہوتی۔ آمد بڑھانے کے لئے پہلے ہم انسپکٹر بھیجتے ہیں انسپکٹروں کے بعد خط بھیجتے ہیں۔ جب خطوں کا جواب نہیں آتا تو یاددہانی کی چِٹھیاں لکھتے ہیں اس پر بہت لوگ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ انجمن کا کوئی دفتر نہیں آپ کا خط پڑھ کر ہم نے کہیں رکھا اور وہ گُم ہو گیا اب یاد نہیں کہ اُس کا مفہوم کیا تھا۔ بعض لوگ یہ جواب دے دیتے ہیں کہ خط تو سنا دیا تھا مگر جماعت نے توجہ نہیں کی اب پھر موقع ملا تو جماعت کو سنائیں گے اور تحریک کریں گے کہ وہ اپنا چندہ بڑھائے اس طرح آمدن آٹھ لاکھ کی ہی رہی ہے اور خرچ ۱۲ لاکھ کو جا پہنچا ہے ان حالات کی درستی کے لئے ضروری ہے کہ جماعت اپنی ذہنیت بدلے یہ سمجھے کہ جب وہ ایک بجٹ بنا کر تیار کرتی ہے تو اُسے اُس بجٹ کی تو شرم ہونی چاہیے۔ بسا اوقات کئی لوگ ابھی رستے میں ہی ہوتے ہیں کہ انجمن کی طرف سے درخواست آجاتی ہے کہ فلاں مد میں ۵۰۰۰ کی زیادتی کی جاوے یا اتنے استاد غلطی سے نہیں رکھے گئے یا اتنے مبلّغ غلطی سے نہیں رکھے گئے۔ اب اُن کے اخراجات کا اضافہ ناگزیر ہے اور ابھی آپ اپنے گھروں میں بھی نہیں پہنچتے کہ بجٹ میں زیادتی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ

ہماری آمد بھی غلط ہے اور ہمارا خرچ بھی غلط ہے ہماری آمد یقیناً کم ہوگی نائب ناظر صاحب چونکہ نوجوان اور ناتجربہ کار ہیں وہ تین چار ہفتوں کی آمد پر بنیاد رکھ کر یہ قیاس کر رہے ہیں کہ ہماری اس قدر سالانہ آمد ہوگی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ پچھلے چار پانچ ہفتوں کی آمد یکدم زیادہ ہوگئی ہے پہلے دو دو سَو روپیہ آمد ہوا کرتی تھی پھر اس آمد میں ترقی ہوئی تو پانچ ہزار سے دس ہزار تک جا پہنچی گویا اوسط سات آٹھ ہزار روپیہ رہنے لگی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اگر دوسری آمدنیں ملا لی جائیں تو ۵۵ ہزار روپیہ ماہوار یا ساڑھے چھ لاکھ روپیہ سالانہ ہماری آمد ہوتی لیکن پچھلے پانچ ہفتوں میں ہر ہفتہ ۱۵ ہزار، ۲۰ ہزار بلکہ ۲۸ ہزار تک بھی ہماری آمد پہنچ گئی ہے اگر اس کی اوسط نکالی جائے تو ۲۱ ہزار اوسط بنتی ہے اور ۲۱ ہزار ہفتہ وار کے معنی ۱۱ لاکھ سالانہ آمدن کے ہیں۔ نائب ناظر صاحب ناتجربہ کاری کی وجہ سے سمجھ رہے ہیں کہ اتنی آمد یقیناً ہوگی اور میں نے بڑی چالاکی کی ہے جو میں نے نو لاکھ روپیہ آمد دکھائی ہے۔ دراصل میں نے دو لاکھ روپیہ بچا لیا ہے مگر حقیقتاً یہ درست نہیں جو آمد بڑھی ہے اس میں کافی حصہ اُن رقوم کا ہے جو اگست، ستمبر اور اکتوبر میں لوگوں نے بھجوائیں مگر فسادات کی وجہ سے اُن کی رقوم ابھی رُکی پڑی تھیں یا اُنہوں نے چیک بھجوائے مگر وہ چیک ابھی draw نہیں ہوئے تھے یا منی آرڈر بھجوائے اور وہ بٹالہ، قادیان اور گورداسپور میں رُکے ہوئے ہیں اس طرح ڈیڑھ لاکھ کے قریب رقم تھی جو ہمیں ادا نہیں ہوئی تھی۔ اس میں سے نصف کے قریب رقم ہمیں واپس مل گئی اور ۲۷ ہزار کے قریب رقم اب بھی ایسی ہے جو بنکوں میں پڑی ہے اور ہمیں ابھی تک نہیں ملی کیونکہ کچھ چیک جماعتوں کو واپس بھجوائے گئے ہیں تا وہ نئے بنا کر بھیجیں اس لئے جب تک نئے چیک نہ آجائیں ہمیں بنکوں سے وہ رقم واپس نہیں مل سکتی۔ پس زیادتی آمد میں بڑا حصہ اُن رقوم کا ہے جو درحقیقت اگست اور ستمبر اور اکتوبر کی آمدنیں ہیں مگر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رقم ہمیں ہمیشہ ملتی رہے گی۔ ہم کہتے ہیں پچاس کیا سَو کیا اور ہزار کیا جو کچھ آئے گا، سلسلہ کے پاس ہی آئے گا لیکن عقلی طور پر جب ہم کوئی بنیاد رکھیں تو ہمیں اُس کی اُونچ نیچ پوری طرح دیکھ لینی چاہیے۔ اگر ہر قسم کی رُکاوٹیں دور ہو جائیں تو موجودہ صورت میں ہم اپنی اوسط آمدن اَور آمدنوں کو ملا کر اگر لگائیں تو صرف ۱۵ ہزار فی ہفتہ لگانی چاہیے اور پندرہ ہزار ہفتہ وار آمد کے معنی پونے آٹھ لاکھ روپے سال کے ہیں اور اگر خدانخواستہ روکیں رہیں تو اس سے بھی کم آمد کی توقع ہوگی اور وہ زیادہ سے زیادہ

چھ سات لاکھ روپیہ ہو سکتی ہے ہاں اگر جماعت میں بیداری پیدا ہو جائے اور وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھنے لگے اور اخلاص اور قربانی سے کام لے تو پھر آمد کی کمی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

پچھلی دفعہ حفاظت مرکز کے لئے جب میں نے جائداد پر ایک فیصدی چندہ دینے یا ایک مہینہ کی آمد دینے کی تحریک کی تھی اور باہر سے جائدادوں کی لسٹیں آئی تھیں تو ہمارا اندازہ یہ تھا کہ جماعت احمدیہ کی ماہوار آمد ۲۵ لاکھ روپیہ ہے اور ابھی بہت سے وعدے ناقص تھے اور بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی ماہوار آمد کا وعدہ نہیں کیا تھا اور بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنا وعدہ ہی نہیں بھیجا تھا اور بعض کمزور بھی ہوتے ہیں جو اپنی جائدادوں کو کم کر کے دکھاتے ہیں بہر حال ساڑھے تیرہ لاکھ کے وعدے آچکے تھے اگر یہ تحریک جاری رہتی تو سولہ ۱۶ لاکھ تک بہر حال پہنچ جاتی۔ نادہندوں کو ملا کر اور ناقص چندہ دینے والوں کو ملا کر یا جن سے مصلحتاً چندہ نہیں لینا چاہیے جیسے ہندوستان کے باہر کے لوگ ہیں یہ رقم ۲۴ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے اگر وصیت کے اصول پر دس فیصدی چندہ لیا جائے اور ۲۴ لاکھ سال کا چندہ شمار کیا جائے اور پھر تحریک جدید وغیرہ کے چندے بھی ملا دیئے جائیں تو یہ ۳۰ لاکھ روپیہ تک رقم جا پہنچی ہے اور اگر ۲۵ یا ۳۰ یا ۵۰ فیصدی کے حساب سے یہ چندہ لیا جائے تو ساٹھ ستّر لاکھ روپیہ سالانہ تک ہماری آمد ہو سکتی ہے حقیقتاً اگر اس معیار پر ہمارا چندہ آجائے تو ہمارا چندہ معمولی چندوں کے معیار کے لحاظ سے آسانی سے اٹھارہ بیس لاکھ تک پہنچ جاتا ہے لیکن ارادہ کرنا اور خواہش کرنا اور چیز ہے اور عمل کرنا اور چیز ہے ہم ارادہ کرتے ہیں لیکن اگر غیر ارادہ نہیں کرتا تو محض ہمارے ارادے سے کیا بن جاتا ہے ہم ایک چیز کی خواہش کرتے ہیں لیکن اگر ہمارا بھائی اُس کا شریک نہیں ہوگا تو ہماری خواہش سے کیا نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے۔ پس ہمیں دیکھنا یہ چاہیے کہ پچھلے تجربہ کی بناء پر ہمارے لئے کتنی آمد ممکن ہے اس لحاظ سے میرے نزدیک موجودہ بجٹ کو پورا کرنے کے لئے بھی جماعت کو پوری جدوجہد کرنی پڑے گی

چندوں کا معیار بڑھائیں

اور اِس کے لئے بہترین طریق جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہی ہے کہ ہمیں چندوں کا معیار بڑھانا چاہیے اس عرصہ میں پرانی جماعتیں انشاء اللہ بَس جائیں گی یا نئے کام اُن کے لئے نکل آئیں گے اور جب

ایک لاکھ آدمی کام پر لگ جائے گا تو اگلے سال تک انشاء اللہ ایسی حالت ہو جائے گی کہ موجودہ خطرے کی صورت دُور ہو جائے گی اس وقت درحقیقت ہم پر قرض ہے یہ کہنا کہ بیس ہزار قرضہ ہے، غلط ہے قرض ہے اور بہت بڑا ہے مگر نظر نہیں آ رہا جب قادیان سے ہماری جماعت نکلی تو اُس وقت ہر چیز اپنے مرکز سے ہل گئی اور ایسی نازک حالت ہوگئی کہ ایک ایک ہفتہ میں بعض دفعہ صرف دو سو روپیہ کی آمد ہوتی تھی دو سو روپیہ ہفتہ کی آمد کے یہ معنے ہیں کہ سال میں صرف دس ہزار روپیہ ہماری آمد کی توقع ہوسکتی تھی اُس وقت میں نے یہ حکم دے دیا کہ جو بھی خرچ صدر انجمن احمدیہ کا ہو وہ حفاظتِ مرکز کی مد سے لے لیا جائے اس لئے جب وہ حساب ہوگا تو لاکھ ڈیڑھ لاکھ قرض اَور آ پڑے گا سوائے اس کے کہ اس خرچ کو کسی الگ تحریک کے ذریعہ پورا کیا جائے مگر اس کے لئے پھر آپ لوگوں کو ہی چندہ دینا پڑے گا۔ پس اصل میں بیس ہزار نہیں بلکہ دو تین لاکھ روپیہ قرض ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور بھی بات ہے اور وہ یہ کہ ہمارا آٹھ لاکھ روپیہ جمع بھی ہے جو گزشتہ سالوں کی زائد آمد کو پس انداز کر کے اکٹھا کیا گیا تھا مگر اس میں سے بہت سا روپیہ قادیان کی جائدادوں پر لگا ہؤا ہے اور وہ ہمارے قبضہ میں نہیں بلکہ سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں اس لئے وہ آٹھ لاکھ تقریباً چار لاکھ رہ گیا ہے اور قرضہ بیس ہزار نہیں بلکہ تین لاکھ ہے اور اگر ریزروفنڈ سے قرض ادا کیا گیا تو ہمارا ریزروفنڈ صرف لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا رہ جائے گا۔ چار مہینوں کی آمد کا جو بجٹ دکھایا گیا ہے وہ دو لاکھ دس ہزار روپیہ کا ہے اور خرچ کا بجٹ چار لاکھ بارہ ہزار روپیہ کا ہے۔ اس دو لاکھ روپیہ کو بھی اگر مدنظر رکھا جائے تو گویا ہمارا سارا ریزروفنڈ اس ابتلاء میں خرچ ہو جائے گا اور لاکھ روپیہ ابھی انجمن پر قرض ہوگا گویا سلسلہ کو اس فتنہ میں علاوہ جائدادوں کے نو لاکھ روپیہ کا نقصان بنتا ہے پس بجٹ کی حالت اتنی تسلی بخش نہیں جتنی عبدالباری صاحب نے پیش کی ہے اور نہ اُتنی تسلی بخش ہے جتنی سب کمیٹی نے پیش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپریل تک انجمن کے تمام ذخائر ختم ہو چکے ہیں آئندہ اگر آمد و خرچ برابر نہ ہوئے تو اگلے سال انجمن مقروض ہوگی۔ اگر آمدن کچھ زیادہ ہوئی تو دو لاکھ کی بجائے ایک لاکھ کا قرض ہوگا۔ بہرحال سال کے آخر میں اگر یہی صورت جاری رہی تو ہماری حالت مقروضوں کی سی ہوگی۔

پھر صرف یہی بات نہیں بلکہ ہمیں ایک اور بات بھی مدنظر رکھنی چاہیے اور وہ یہ کہ ہم اُس دور میں سے گزر رہے ہیں جس میں ہر نیا تغیر ہر وقت آسکتا ہے پہلے یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ دس یا بیس سال کے بعد کوئی نیا تغیر ہوگا مگر اب وہ زمانہ نہیں اب کسی وقت بھی ایک نیا تغیر رونما ہوسکتا ہے اور اُس کے لئے ہماری جماعت کو پوری طرح تیار رہنا چاہیے فرض کرو پاکستان اور ہندوستان کی لڑائی ہوجائے اور ہم دھکیلے جائیں تو جماعت کو جو خطرہ پیش آسکتا ہے یا ترقی کے جو مواقع اُس کے لئے پیدا ہوسکتے ہیں وہ اتنے اہم ہیں کہ اُن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا خدانخواستہ ہندوستان یونین کی فوجیں ذرا بھی آگے بڑھیں تو ہمارے سارے اندازے بے حقیقت ہوکر رہ جائیں گے اور اگر ہندوستان کو شکست ہوئی اور پاکستان آگے بڑھا تو جو ذمہ داریاں ہم پر اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لئے عائد ہوں گی اُن کے لئے ہمیں لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہوگی اگر ہم یہ روپیہ خرچ نہیں کریں گے تو ہم عظمت اور وقار کے حصول سے محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے ہمیں اس نئے بجٹ کو اس نقطہ نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے جس طرح عام قائم دائم پرانے حالات کے ماتحت بجٹوں کو دیکھا جاتا ہے ہم ایک ایسے دور میں سے گزر رہے ہیں جو نہایت ہی نازک دور ہے اور اگلے سال دو خطروں میں سے ایک خطرہ ہمیں ضرور درپیش ہے یا تو ایک بہت بڑا نقصان ہمیں پہنچ جائے گا اور ہم اسلام اور احمدیت کو اُس کی عزت اور عظمت سے محروم کردیں گے اور یا ایک بہت بڑا فائدہ ہمارے سامنے آئے گا مگر ہم پھر بھی اسلام اور احمدیت کو اُس عزت سے محروم کردیں گے، اس لئے کہ ہم نے اپنا خزانہ خالی کردیا ہوگا۔

حفاظتِ قادیان

پھر قادیان کی حفاظت کا سوال ہے کئی ہیں جنہوں نے حفاظتِ مرکز کے چندہ میں کوتاہی شروع کردی ہے اور اس خیال سے کوتاہی شروع کردی ہے کہ اب مرکز تو کوئی رہا نہیں پھر ہم چندہ کیوں دیں یہ بے وقوفی کی بات ہے مرکز آسمان پر نہیں چلا گیا، مرکز دُنیا کے کسی گوشے میں چھپا نہیں دیا گیا، مرکز موجود ہے اور سینکڑوں لوگ اُس میں رہ رہے ہیں اور اُن کے سب اخراجات جماعت کے ہی ذمہ ہیں۔ آخر بغیر کھانے پینے کے کوئی انسان کس طرح رہ سکتا ہے۔ اُن لوگوں کی یہ حالت ہے کہ نہ اُن کی نوکری کی کوئی صورت ہے اور نہ اُن کی زراعت کی کوئی صورت ہے۔ مکانوں پر

سکھوں اور ہندوؤں نے قبضہ کیا ہوا ہے، دکانوں پر سکھوں اور ہندوؤں نے قبضہ کیا ہوا ہے، زمینوں پر ہندوؤں اور سکھوں نے قبضہ کیا ہوا ہے اور جائدادوں پر سکھوں اور ہندوؤں نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ اس لئے وہاں جو بھی رہے گا بہر حال سلسلہ ہی اُس کو کھلائے گا۔ پھر صرف وہاں رہنے سے قادیان واپس نہیں مل سکتا بلکہ اُس کے لئے پراپیگنڈے کی ضرورت ہے، کہیں امریکہ میں پراپیگنڈا کرنا پڑتا ہے، کہیں انگلستان میں پراپیگنڈا کرنا پڑتا ہے، کہیں ہندوستان میں پراپیگنڈا کرنا پڑتا ہے، کہیں پاکستان میں پراپیگنڈا کرنا پڑتا ہے اس لئے بجائے اس کے کہ حفاظت مرکز کا کام بند ہو گیا ہو وہ بڑھ گیا ہے اگر پچھلے وعدوں کو مدنظر رکھا جائے تو تیرہ لاکھ کے وعدے تھے دو تین لاکھ تو اس طرح ختم ہو گیا کہ جائدادیں تباہ ہو گئیں۔ گو میں نے ایسے لوگوں کو نصیحت یہی کی ہے کہ تم نیت یہی رکھو کہ حالات اچھے ہونے پر ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے لیکن بہر حال تین لاکھ کی رقم کسی طرح بھی اس سال ادا نہیں ہو سکتی اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ باقی دس لاکھ میں سے پانچ، ساڑھے پانچ لاکھ خرچ بھی ہو چکا ہے اگر بقیہ پانچ لاکھ بھی مل جائے تو اگلا سال گزر جائے گا اور اُس میں کوتاہی اور غفلت ہوئی تو اُس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہمیں پھر مخلصین جماعت سے ہی مانگنا پڑے گا۔ لیکن یہ سال اگر گزر بھی جائے تب بھی آئندہ سالوں میں چار پانچ لاکھ روپیہ سالانہ ہمیں اس غرض کے لئے رکھنا پڑے گا جو حفاظت قادیان کے کام آئے اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک قادیان ہمیں نہیں مل جاتا اس لئے یہ جو بجٹ ہے اس میں حفاظتِ قادیان کی ایک بہت بڑی رقم شامل نہیں۔ میں نے بتایا ہے کہ اگر دوستوں نے جو وعدے کئے ہیں اُن کو وہ پورا کریں تو اُمید ہے کہ اگلا سال گزر جائے گا اور اگر نہ کریں تو اُن کو مزید بوجھ برداشت کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اگر ہمیں قادیان مل جائے تب بھی کچھ خرچ کئے بغیر ہم قادیان کو اُس کی اصل حالت میں واپس نہیں لا سکتے۔ گھروں میں بیٹھ رہنا اور اُمیدیں لگا لینا اَور بات ہے اور واقعات اَور چیز ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سکھوں اور ہندوؤں نے مکانوں کے دروازے جلا دیئے ہیں، چھت اُکھیڑ دیئے ہیں اور کئی مکان توڑ پھوڑ دیئے ہیں۔ قادیان میں ہمارا ایک کروڑ روپیہ لگا ہوا ہے۔ اگر سکھ اور ہندو ہمارے مکان خالی بھی کر دیں تب بھی قادیان میں ٹوٹی ہوئی دیواریں ہی ملیں گی۔ ایسی حالت میں اگر ہم نے

شہر بسانا ہے تو لازماً لوگوں کو قربانی بھی دینی پڑے گی۔ آخر جنہوں نے اپنے گھر بار چھوڑے ہیں اپنی لائبریریاں چھوڑی ہیں۔ اپنے بچوں اور بیٹیوں کی شادیوں کے سامان چھوڑے، زیورات وغیرہ چھوڑے، اور باہر فقیروں کی طرح اپنی زندگی بسر کرنے لگے، وہ واپس جاکر اپنے مکانوں کی مرمت کیسے کراسکیں گے اُن کے لئے یہی صورت ہے کہ قرضہ حسنہ کے طور پر انہیں روپیہ دیا جائے جس سے وہ اپنے مکانوں کی از سرِ نو تعمیر کرسکیں۔ میرے نزدیک فوری طور پر قادیان کے ایک حصہ کو بسانے کے لئے ہمیں دس پندرہ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ تب جاکر وہ رہنے کے قابل ہوسکے گا پس یہ خرچ بھی ہمیں مدنظر رکھنا ہے کیونکہ کسی شخص سے یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسا کام کرے جو اُس کی طاقت سے باہر ہو۔ یا تو ہم یہ فیصلہ کردیں کہ ہم نے قادیان کو نہیں بسانا اور یا ہمیں یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہم نے قادیان کو بسانا ہے۔ اور اگر ہم نے قادیان کو بسانا ہے تو ہمیں اُس کے لئے قربانیاں بھی کرنی پڑیں گی۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ جو موجودہ ابتلاء سے بچے رہے وہی قربانی میں سب سے زیادہ سُست ہیں زیادہ تر چندہ کی قربانی میں وہی لوگ زیادہ حصہ لے رہے ہیں جن کی جائدادوں کی مشرقی پنجاب اور ہندوستان میں تباہی ہوئی۔ مغربی پنجاب والے اس غرور میں بیٹھے ہیں کہ ہم بڑے نیک اور پارسا تھے اس لئے ہم پر عذاب نہیں آیا مجھے ڈر ہے کہ اُن کی یہ ذہنیت اُن کو اس سے بھی بڑے عذاب میں مبتلا نہ کردے۔ حالانکہ خدا نے ایک دھکّا دے کر اُن کو سبق دے دیا تھا اور وہ اگر چاہتے تو اپنے اندر تغیر پیدا کرسکتے تھے مگر بجائے تغیر پیدا کرنے کے وہ قربانیوں میں اور بھی سُست ہو گئے۔ حالانکہ خدا نے اگر اُن کو بچایا تو اس لئے نہیں بچایا کہ وہ زیادہ نیک تھے بلکہ اس لئے بچایا کہ اسلام کے لئے کچھ تو جگہ رہ جائے جس میں آزادانہ طور پر نشوونما پاسکے۔ پس اُن کی کوتاہی بہت ہی افسوس ناک ہے آج ہی ناظر صاحب بیت المال نے کہا ہے کہ اعتراض کرلینا آسان ہے، لاہور کی جماعت ہی بتائے کہ اُس میں سے کتنے لوگوں نے ۲۵ سے ۵۰ فیصد تک چندہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ چھ ماہ ہوگئے لاہور کی جماعت نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے چندوں کی فہرست لکھ کر میرے سامنے پیش کریں گے مگر ابھی تک اُنہیں اپنے چندوں کی فہرست ہی پیش کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ یوں کھڑے ہوکر کہہ دینا کہ

قربانی کرو کیا معنی رکھتا ہے جب واقعہ یہ ہو کہ اپنے اندر قربانی کرنے کی روح ہی نہ پائی جاتی ہو چھ مہینے گزر گئے لاہور کی جماعت ابھی تک اپنے چندہ کی فہرست ہی صحیح طور پر مرتب نہیں کر سکی، اختر صاحب ہی بتائیں کہ لاہور میں کتنے لوگ ہیں جو ۲۵ سے ۵۰ فیصد تک چندہ دے رہے ہیں؟

لیکن ایک شخص جب وعدہ کرنے کے لئے اس کا اظہار کرتا ہے تو یہ ایک عیب بن جاتا ہے اور خیال گزرتا ہے کہ شاید وہ لوگوں کے سامنے اپنی قربانی پیش کرنا چاہتا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ لوگوں کے سامنے اُس کا نام آجائے اس کے مقابلہ میں کراچی کی جماعت کا نمونہ ہے جو دلّی کی بھاگی ہوئی جماعت ہے مگر اُن میں درجنوں ایسے آدمی ہیں جنہوں نے ۲۵ سے ۵۰ فیصدی تک چندے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جب تک ہم عملی طور پر اپنی زندگی میں تغیر پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں محض باتیں کرنے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جماعت میں عملی طور پر مجھے کوئی تغیر نظر نہیں آتا اس لئے میں اس فکر اور سوچ میں ہوں کہ کوئی ایسا طریق جاری کرنا چاہیے جس سے ان لوگوں کی اصلاح ہو اور یا پھر ان لوگوں کو سلسلہ میں سے نکال دینا چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب لوگوں سے بیعت لینی شروع کی تو اُس وقت صرف بارہ تیرہ آدمی آپ کے ساتھ تھے مگر پھر بھی یہ سلسلہ ترقی کرتا چلا گیا۔ پس ہمیں ضرورت کیا ہے کہ ہم اُن لوگوں کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھیں جو منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم احمدی ہیں مگر کرتے کچھ نہیں اگر وہ الگ ہو جائیں گے تب بھی ہمارے سلسلہ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہ خدائی سلسلہ ہے انسانوں کا تیار کردہ نہیں میں رات اور دن اس مسئلہ کو سوچتا رہتا ہوں مگر ابھی تک خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے اس بارہ میں کوئی راہ نمائی حاصل نہیں ہوئی جس دن وہ راہنمائی حاصل ہوگئی اس دن میں اس بات کا فیصلہ کردوں گا۔ اگر خدا بھی کہے گا کہ ان لوگوں کو رہنے دو میں خود ان کی اصلاح کا ذمہ دار ہوں تو میں رہنے دوں گا اور اگر فرمائے گا کہ ایسے لوگوں کو سلسلہ سے الگ کر دو تو پھر ایسے لوگوں کو جماعت سے الگ کر دوں گا۔

چندہ میں سُستی کرنے والوں کی بابت نصائح

اس سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ چندہ لینے کے متعلق صدر انجمن احمدیہ

بھر پور کوشش نہیں کرتی اور جو لوگ چندہ دینے میں سُست ہیں یا قطعی طور پر چندہ نہیں دیتے اُن کو کوئی سزا نہیں دی جاتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کُھلے الفاظ میں ایسے لوگوں کے متعلق سزا مقرر فرمائی ہے اور جب ایک تعزیر اس کے لئے مقرر ہے تو ہم کیوں اس کا نفاذ نہیں کر سکتے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ **جو شخص تین مہینے تک چندہ نہیں دیتا اُسے جماعت سے خارج کر دیا جائے**۔ اس سزا کے نفاذ میں مشکل ہی کون سی ہے اگر دو کروڑ نہیں، دو ارب آدمی بھی ہمارے ساتھ ایسا شامل ہو جاتا ہے جو درحقیقت ہمارا نہیں تو اُن کے الگ ہونے سے ہمیں کیا صدمہ ہو سکتا ہے جماعت وہی ہے جو زندہ ہو جو زندہ نہیں وہ جماعت کہلانے کی مستحق نہیں۔ ایک جماعت نہایت مخلص کہلاتی ہے میں اُس کا نام نہیں لیتا اخباروں میں بعض دفعہ اُس کا نام خوب اُچھلتا ہے کہ **اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ** میں شامل ہونے کا ثواب اس جماعت نے حاصل کر لیا ہے مگر ہوتا کیا تھا ہوتا یہ تھا کہ پہلے تو اُنہوں نے بڑھ چڑھ کر وعدے کر دیئے مگر اس کے بعد سالہا سال ایک پیسہ بھی چندہ میں نہ دینا پھر کبھی خیال آتا تو ایک دن عہدیدار بیٹھ جاتے اور لکھتے حضور ہمیں آج معلوم ہوا ہے کہ پچھلے پانچ سال سے ہماری جماعت نے کوئی چندہ نہیں دیا۔ اس خبر کے معلوم ہونے پر جماعت کو بُلایا گیا اور اُس کو خوب ڈانٹا گیا حضور وہ سب کے سب روئے اور چیخے اور چلّائے۔ اور سب کے اندر سچی ندامت پیدا ہوگئی۔ اُس وقت ہم نے کہا پچھلا چندہ ہم تم کو معاف کر دیتے ہیں مگر دیکھنا آئندہ احتیاط سے کام لینا۔ چنانچہ اُنہوں نے خوب رو رو کر توبہ کی اور اب اُن کا توبہ نامہ حضور کی خدمت میں بجھوایا جا رہا ہے اُمید ہے کہ حضور بھی پسند فرمائیں گے آئندہ جماعت چندہ دینے میں بالکل باقاعدہ رہے گی اس توبہ نامہ کے بعد پھر پانچ سال تک وہ جماعت خاموش رہتی اور کوئی چندہ نہ دیتی چار پانچ سال کے بعد پھر اُس کی طرف سے خط آ جاتا کہ حضور ہمیں آج معلوم ہوا ہے کہ جماعت نے پھر پچھلے چار پانچ سال سے کوئی چندہ نہیں دیا حضور ہم نے جماعت کو بلایا اور اُسے وعظ کیا اس کا جماعت پر بہت اثر ہوا کہ اُس کی چیخیں نکل گئیں اور سب روئے اور چلّائے مگر حضور یہ دیکھ کر کہ پچھلا بقایا بہت زیادہ ہے اور اب اُس کے ادا کرنے کی جماعت میں طاقت نہیں ہم نے کہا لو تمہیں پچھلا چندہ ہم معاف کرتے ہیں اب آگے باقاعدہ چندہ

دیتے رہنا۔ ۲۵ سال گزر گئے اُس جماعت کا یہی حال ہے کہ پچھلا معاف اور اگلا صاف۔
بات یہ ہے کہ شرک انسان کو خراب کرتا ہے لوگ ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے فلاں کو سزا دی تو وہ جماعت سے نکل جائے گا اور اس سے کام خراب ہو جائے گا لیکن جو سچا خدا پرست ہو وہ ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتا وہ جانتا ہے کہ خدا کا بندہ اکیلا آتا ہے اور اکیلا جاتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی کہا ہے کہ اگر لوگ تمہاری بات نہیں مانتے تو کپڑے جھاڑو اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کو چلے جاؤ۔ اس طرح جماعت میں شامل رہنے کے بعد اگر کچھ لوگ چندہ نہیں دیتے تو تم بے شک اُن کو الگ کردو اُن کے ساتھ رہنے کا فائدہ ہی کیا ہے۔

سندھ جانے سے پہلے ایک جماعت کے متعلق جو بڑی بھاری جماعت ہے مجھے اطلاع ملی کہ اس کے افراد آپس میں لڑتے رہتے ہیں اور پانچ چھ مہینے کے بعد مرکز کو لکھ دیتے ہیں کہ ہماری طرف کوئی انسپکٹر بھجوائیں۔ انجمن انسپکٹر بھجوا دیتی ہے مگر وہ پھر اپنے جھگڑوں سے باز نہیں آتے۔ اسی دوران میں ایک شخص کا خط آیا کہ پانچ سال سے اس جماعت نے چندہ نہیں دیا انجمن نے کہا ہم اس جماعت میں اپنا مبلّغ بھیجتے ہیں تا وہ انہیں اصلاح کی طرف توجہ دلائے۔ میں نے کہا میرا حکم یہ ہے کہ مبلّغ بے شک جائے مگر پہلے اُن سے یہ کہے کہ یا تو پچھلے پانچ سال کا چندہ دو اور یا تم سب کے سب جماعت سے الگ کر دیئے جاؤ گے۔ اس کے بعد میں سندھ چلا گیا اب مجھے اطلاع ملی ہے کہ اُس جماعت کی طرف سے ایک ہزار پچاس روپیہ چندہ آیا ہے حالانکہ پانچ سال سے اس نے ایک پیسہ نہیں دیا تھا۔ آخر ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ مخلص بھی ہوتے ہیں اُنہیں جب معلوم ہوا کہ اگر اب بھی ہم نے اصلاح نہ کی تو ہمیں جماعت سے الگ کر دیا جائے گا تو اُنہوں نے چندہ دے دیا اس پر ہمارا فرض ہے کہ ہم مضبوط نگرانی رکھیں اور جو لوگ اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے ان کے متعلق رپورٹ کی جائے تا کہ سلسلہ اُن کے جماعت سے الگ کرنے کا فیصلہ کرے۔ آخر جو بے کار وجود ہے اُسے ہم نے اپنے ساتھ لٹکا کر کیا کرنا ہے۔ پنجاب میں رواج ہے کہ چاولوں پر شکر ڈال کر کھاتے ہیں شکر بچ جاتی ہے تو وہ پڑیا باندھ کر رکھ دیتے ہیں تا کہ کسی اور وقت کام آئے اسی طرح صبح کا کھانا پکاتے ہیں۔ دو روٹیاں بچ جاتی ہیں تو

دستر خوان میں لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں تا کہ شام کو کام آئیں ۔مگر کیا کبھی کسی نے یہ بھی کیا ہے کہ پاخانہ لپیٹ کر رکھ دے؟ تم کیوں ایسا نہیں کرتے۔اس لئے کہ تم سمجھتے ہو کہ پاخانہ ایک بیکار اور گندی چیز ہے۔اسی طرح وہ احمدی جو اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتا، جو اُن ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرتا جو خدا کی طرف سے اُس پر عائد ہوتی ہیں۔ جو خدا کے ساتھ ایک وفادار بندے کی حیثیت سے نہیں رہتا وہ پاخانہ سے بھی بدتر اور ذلیل چیز ہے۔تم کیوں اس کو اپنے ساتھ لٹکائے پھرتے ہو۔ میرے نزدیک اس بارہ میں کُلّی طور پر صدر انجمن احمدیہ اور ناظر صاحب بیتُ المال پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ مشرک ہیں وہ انسانوں پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انسانوں کے ساتھ جیتیں گے۔حالانکہ ہم انسانوں کے ساتھ نہیں جیتیں گے ہم خدا کے ساتھ جیتیں گے۔اگر کوئی انسان غلطی سے ہماری طرف آ گیا ہے اور درحقیقت وہ ہمارا نہیں تو ہم نے اس کو اپنے پاس رکھ کر کیا کرنا ہے۔ڈاک بعض دفعہ غلط طور پر بھی تقسیم ہو جاتی ہے۔مگر کیا ایسی صورت میں ہم دوسرے کا خط اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔ ہم دوسرے کی چِٹھی اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ اسے واپس کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر غلطی سے کوئی شخص ہمارے پاس آ جاتا ہے فرشتوں نے اس کا نام ہماری جماعت میں نہیں لکھا تو تمہارا کام یہ ہے کہ تم اسے واپس کرو جب تم واپس کرو گے تو تمہاری چیز تمہیں مل جائے گی۔

پرانے بزرگوں کے واقعات میں ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ایک بزرگ تھے وہ مجلس میں بیٹھے تھے ایک شخص اُن کے پاس آیا اُنہوں نے ۳۱ روپے ۱۰ آنے اُس سے بطور قرض لئے تھے اور اُس قرض کی ادائیگی میں دیر ہو گئی تھی مجلس میں آ کر اُس شخص نے تقاضا کیا کہ میرا قرض مجھے ادا کیا جائے مجھے اس وقت روپے کی سخت ضرورت ہے۔اُنہوں نے کہا ٹھیک ہے میں نے قرض لیا ہؤا ہے اور میں انشاء اللہ جلدی ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اُس نے کہا میں انشاء اللہ، انشاء اللہ نہیں جانتا میں اُٹھوں گا نہیں جب تک آپ مجھے روپیہ نہ دے دیں اور پھر اُس نے بدگوئی شروع کر دی کہ یہ بزرگ بنا پھرتا ہے لیکن ایسا بے ایمان اور بددیانت ہے کہ روپیہ لیتا ہے اور پھر ادا کرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ وہ چپ کر کے بیٹھے رہے آخر غلطی اُنہی کی تھی اُنہوں نے قرض لیا تھا اس کو واپس کرنے کا بھی فکر کرنا چاہیے تھا

مگر ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک شخص آیا اور اُس نے کہا فلاں رئیس نے یہ رقم آپ کو تحفہ کے طور پر بھجوائی ہے اُنہوں نے گِنی تو ۲۵۔۲۶ روپے تھی اُنہوں نے وہ رقم لپیٹ کر اُسے واپس کر دی اور کہا کہ یہ میری نہیں ہوگی کسی اَور کی ہوگی۔ اُس نے لیتے ہی کہا اوہو! مجھ سے غلطی ہوگئی آپ کی رقم تو اس جیب میں ہے اور جب اُس نے وہ رقم نکالی تو وہ آنوں سمیت اُتنی ہی تھی جتنی وہ شخص مانگتا تھا۔ اب دیکھو جب اُن کے پاس ایک غلط رقم پہنچی تو وہ اُنہوں نے رکھ نہیں لی وہ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو میرے متعلق غیرت ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اب جبکہ مجھے مجلس میں ذلیل کیا گیا ہے خدا میرے متعلق اپنی غیرت ضرور دکھائے گا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ میرا قرضہ ۳۱ روپے ۱۰ آنے ہے اس لئے جب اُن کو ۲۶ روپے ملے اُنہوں نے وہ رقم واپس کر دی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ میری رقم نہیں ہوسکتی اگر میری رقم ہوتی تو ۳۱ روپے ۱۰ آنے ہوتی جس کی مجھے ضرورت تھی جب اُنہوں نے ۲۶ روپے واپس کئے تو اُنہیں ۳۱ روپے ۱۰ آنے بھی مل گئے اور وہ جوان کو ٹھگ اور بددیانت کہہ رہا تھا اُس کو بھی خدا نے ان کی بزرگی کا نشان دکھا دیا۔ اگر ۲۶ روپے وہ رکھ لیتے تو شاید قرض خواہ ۲۶ روپے لے کر چلا جاتا مگر ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ ایک اتفاقی معاملہ ہے مگر اُنہوں نے ۲۶ روپے واپس کئے اور جب واپس کئے تو اُنہیں ۳۱ روپے ۱۰ آنے مل گئے اس لئے اگر جماعت میں کوئی ایسا شخص داخل ہؤا ہے جو ہمارا نہیں تو اُسے واپس کرو لوگوں کا جُوتا بدل جاتا ہے تو کوئی بے ایمان ہی ہوتا ہے جو کسی دوسرے کا اچھا جُوتا پہن کر آجاتا ہو ورنہ ہر شریف آدمی آواز دیتا ہے کہ میرا جُوتا بدل گیا ہے جو شخص غلطی سے میرا جُوتا لے گیا ہے وہ اپنی چیز لے جائے اور میری چیز دے جائے تم ایک جُوتے کے بدلنے کی فکر کرتے ہو تم ایک بدلی ہوئی سوئی کو اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں ہوتے مگر انسان تمہارے پاس غلطی سے آجاتا ہے تو تم کہتے ہو رہنے دو اگر اُس میں وہ روح نہیں پائی جاتی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی تو وہ ہماری چیز نہیں وہ ہمارا آدمی نہیں تم اس عادت کو ترک کرو اور خالص خدا تعالیٰ کے بندے بن جاؤ اور یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اُسے ہر جگہ وہ اُس کی چیز ہی دیتا ہے۔

میرے ساتھ کئی ایسے واقعات گزرے ہیں بعض دفعہ مذاق میں مَیں نے ایک بات

کہی ہے تو خدا نے اُس مذاق کی بات کو بھی پورا کر دیا ہے بھائی عبدالرحیم صاحب جو آجکل پشاور رہتے ہیں وہ اور میں ایک دفعہ سارا دن شکار کے لئے پھرتے رہے مگر کوئی جانور نہ ملا واپسی پر ہم کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مجھے ایک مذاق سُوجھا لوگ تو کہتے ہیں کہ خواجہ خضر پانی میں رہتے ہیں مگر میرا یہ عقیدہ ہے کہ خضر ایک فرشتہ ہے اور شاید پرانے بزرگوں کے خیال میں وہ دریاؤں کا فرشتہ ہی ہو بہر حال میں نے کہا خواجہ خضر! ہم سارا دن یہاں پھرتے رہے ہیں مگر ہمیں کوئی شکار نہیں ملا اب میں چاہتا ہوں کہ تم ہماری دعوت کرو۔ بھائی عبدالرحیم صاحب چونکہ میرے اُستاد تھے اُنہوں نے یہ سنا تو کہا یہ آپ نے کیا کہا ہے کہ خواجہ خضر ہماری دعوت کرو مگر اُنہوں نے ابھی یہ بات کہی ہی تھی کہ یکدم پانی کی ایک لہر اُٹھی اور ایک بہت بڑی مچھلی ہماری کشتی میں آگری میں نے کہا لو! خواجہ خضر نے ہماری دعوت کر دی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی نعمتوں سے ہمیشہ سرفراز کرتا ہے۔

مجھے سفارش پسند نہیں

یہ سمجھنا کہ فلاں بندہ میرے کام آئے گا یہ شرک ہے اور یہ انتہائی بدقسمتی کی بات ہوگی اگر ہماری جماعت میں بھی یہ روح پائی جاتی ہو اس سلسلہ میں مَیں نے متواتر جماعت کو کہا ہے کہ تم اپنی ترقیات کا سفارشوں پر مت انحصار رکھو مگر بار بار سمجھانے کے باوجود ہمیشہ جماعت کے دوست لکھ دیتے ہیں کہ فلاں کے پاس ہماری سفارش کر دی جائے حالانکہ سفارش ایک سخت ذلیل چیز ہے اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ میں غیروں کے لئے سفارش کر دیتا ہوں بیسیوں غیر احمدی سفارش کے لئے میرے پاس آتے ہیں اور میں اُن کی سفارش کر دیتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ میری جماعت کے افراد نہیں میری سفارش کے بعد جو کچھ اُن کو ملے گا اُس میں میرا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اگر افسر بھی منفی ہو اور سفارش کا خواہش مند بھی منفی ہو اور میں نے منفی آدمی کے متعلق ایک منفی افسر کو توجہ دلا دی تو میرے لیے اس میں کوئی شرم کی بات نہیں لیکن اگر مَیں اپنی جماعت کے کسی آدمی کی سفارش کروں تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ایک چیز اپنی جیب سے نکال کر میری جیب میں ڈال دے۔ اس لئے جب کوئی احمدی مجھے یہ کہتا ہے کہ فلاں کے پاس میری سفارش کر دی جائے تو ہمیشہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہمیں بازار میں کھڑا کر کے جوتیاں مروانا چاہتا ہو۔ اس سے زیادہ ذلیل بات اور کیا ہوگی کہ جماعت کے

خلفاء اور ناظروں کو دنیوی امراء کے سامنے سفارش کے لئے پیش کیا جائے، دوستانہ تعلقات ہونا اور بات ہے اور سفارش کرنا بالکل اور بات ہے۔ پھر بعض لوگ تو اصرار کرتے ہیں کہ آپ ظفر اللہ خان سے کہیں ظفر اللہ خان فلاں وزیر سے کہے وزیر اپنے سیکرٹری سے کہے سیکرٹری ڈائریکٹر سے کہے ڈائریکٹر انسپکٹر سے کہے انسپکٹر سب انسپکٹر سے کہے سب انسپکٹر ہیڈ ماسٹر سے کہے اور ہیڈ ماسٹر فلاں چپڑاسی سے کہے کہ میرا فلاں کام کروا دو۔ حیرت آتی ہے کہ اُن کا دماغ کچھ بھی باقی رہ گیا ہے یا نہیں یہ سب مشرکانہ باتیں ہیں۔

کامیابی کے لئے ایک قسم کی دیوانگی کی ضرورت ہے

میں نے بارہا توجہ دلائی ہے کہ تم کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتے جب تک تمہارے عقائد کی توحید پر بنیاد نہ ہو ہم نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ قومی آفات کے وقت عقلمند لوگ کامیاب ہوئے ہوں ہم نے تو ہمیشہ دیوانوں کو ہی کام کرتے دیکھا ہے۔ مصلحتیں سوچنا عقل مندوں کا کام ہے۔ ہمیں خدا نے اس لئے کھڑا کیا ہے کہ ہم دیوانہ بنیں اور دین کا کام کریں۔ تین صدیاں خدا نے عقل مندوں کو دیں مگر وہ دین کے قائم کرنے میں ناکام رہے اب وہ دیوانوں سے یہ کام لینا چاہتا ہے۔ اگر تم بھی اپنی عقلیں سنبھال کر رکھنا چاہتے ہو تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو پچھلی تین صدیوں میں عقلمند کہلانے والوں کا ہوگا کامیاب وہی ہوں گے جو دیوانہ بنیں گے عیسیٰ آئے تو لوگوں نے اُن کو پاگل کہا موسیٰ آئے تو لوگوں نے اُن کو پاگل کہا نوح آئے تو لوگوں نے اُن کو پاگل کہا قرآن اس ذکر سے بھرا ہوا ہے پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک تو پاگلوں نے کام کیا ہے اور اب عقلمند یہ کام کر لیں جب تک تم دنیا کی نگاہ میں پاگل نہیں بن جاتے جب تک تم مجنوؤں کی طرح یہ فیصلہ نہیں کر لیتے کہ ہم نے کام کرنا ہے چاہے ہمارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اُس وقت تک تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تم بے شک سائنس پڑھو تم بے شک تجارت کرو مگر یہ ساری باتیں خدا تعالیٰ کے دیوانے بن کر کرو۔ ابوبکرؓ تاجر تھے عمرؓ بھی تاجر تھے عثمانؓ بھی تاجر تھے علیؓ بھی ایک حد تک تاجر تھے عبدالرحمٰنؓ بن عوف تو بہت بڑے تاجر تھے وہ فوت ہوگئے تو ان کی اڑھائی کروڑ روپیہ کی جائداد ثابت ہوئی اور اڑھائی کروڑ کی ملکیت کے معنی اِس زمانہ کے ایک ارب روپیہ سے

کم نہیں مگر خرچ وہ چند روپے کرتے تھے یہ دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے میں سندھ گیا وہاں میری بھی زمین ہے اور انجمن کی بھی زمینیں ہیں میں نے سندھی مزارعوں کو بُلا کر نصیحت کی کہ یہ میرا ذاتی کام نہیں میں خود سلسلہ کا خادم ہوں یہ خدا کا مال ہے اور صرف تبلیغِ اسلام پر خرچ ہوتا ہے اس لئے اس مال میں کسی قسم کی بد دیانتی جائز نہیں وہ میری باتیں سن سن کر سر مارتے اور سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے اس کے بعد مَیں نے کہا مَیں نے سنا ہے تم اپنے جانور فصلوں میں چھوڑ دیتے ہو اور پھر اس طرح فصلوں کا بہت کچھ نقصان ہو جاتا ہے وہ پہلے تو سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہہ رہے تھے مگر جب میں نے یہ بات کی تو وہ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگے گو میں زمینوں کا مالک نہیں تھا مگر انجمن کے مال کا محافظ ہونے کی وجہ سے وہ مجھے ہی مالک سمجھتے تھے اور مالک کو سندھی لوگ دھنی کہتے ہیں جب میں نے یہ نصیحت کی تو وہ حیرت سے میری طرف دیکھ کر کہنے لگے دھنی جے مال ڈنگر نے نہیں کھانی تے بنّی پوکھنی کیوں؟ یعنی اگر جانور کھیت میں نہ چَریں تو پھر کھیتی کرنے کا فائدہ ہی کیا۔ غرض زمیندار کی یہ عام ذہنیت ہے کہ وہ سمجھتا ہے اگر میں نے نہیں کھانا تو پھر کھیتی باڑی کرنے کا فائدہ کیا ہے لیکن مومن اس لئے کھیتی باڑی کرتا ہے کہ وہ خدا کے دین کے لئے خرچ ہو اُس کا جنوں اس میں نہیں ہوتا کہ وہ کھیتی باڑی نہیں کرتا، اس کا جنوں اس میں نہیں ہوتا کہ وہ تجارت نہیں کرتا، اس کا جنوں اس میں نہیں ہوتا کہ وہ صنعت وحرفت نہیں کرتا بلکہ اُس کا جنون اِس میں ہوتا ہے کہ دنیادار آدمی تو اس لئے تجارت کرتا یا صنعت وحرفت میں حصہ لیتا ہے کہ وہ آپ کھائے یا بیوی بچوں کو کھلائے مگر مومن ان کاموں میں اس لئے حصہ نہیں لیتا کہ وہ آپ کھائے یا اپنے بیوی بچوں کو کھلائے بلکہ وہ اس لئے حصہ لیتا ہے کہ خدا کو دے۔ پس میں تمہیں کام کرنے سے نہیں روکتا بلکہ میرے فرائض کا یہ حصہ ہے کہ میں تمہیں کہوں کہ تم کام کرو، میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم کام اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے کرو۔ تم کماؤ اور خوب کماؤ۔ محنت کرو اور خوب کرو صنعت وحرفت کرو تو ایسی کرو کہ کوئی شخص تمہارے مقابلہ میں صنعت وحرفت نہ کر سکے۔ ملازمتیں کرو تو چوٹی کی ملازمتیں کرو۔ مگر کماؤ اس لئے کہ خدا کے راستہ میں خرچ کرو۔ بناؤ اس لئے کہ خدا کے راستہ میں خرچ کرو۔ خریدو اس لئے کہ خدا کے راستہ میں خرچ کرو۔ بیچو اس لئے کہ خدا کے راستہ میں خرچ کرو۔ تمہارا جنون تمہارے عدمِ عمل میں نہ ہو

بلکہ تمہارا جنون تمہارے صحیح خرچ میں ہو۔ دنیا تم کو اس لئے پاگل نہ کہے کہ تم تجارت نہیں کرتے، دنیا تم کو اس لئے پاگل نہ کہے کہ تم ملازمت نہیں کرتے۔ دنیا تم کو اس لئے پاگل نہ کہے کہ تم صنعت وحرفت نہیں کرتے بلکہ دنیا تم کو اس لئے پاگل کہے کہ تم صنعت وحرفت کرتے ہو مگر اُس سے خود فائدہ نہیں اُٹھاتے، تجارت کرتے ہو مگر اُس سے خود فائدہ نہیں اُٹھاتے، ملازمت کرتے ہو مگر اُس سے خود فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ پس تم خدا پر توکل کرو اور اپنی زندگیوں کو ایسا بناؤ کہ تمہاری زندگیوں کا ماحصل صرف خدا اور اُس کا رسولؐ ہو تم زندہ رہو تو خدا کے لئے اور مرو تو خدا کے لئے۔ جیسے تمہارے آقا اور سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق خداتعالیٰ فرماتا ہے ''قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''[1] تُو کہہ دے میری نماز بھی اور میری قربانیاں بھی میری زندگی بھی اور میری موت بھی سب خدا کے لئے ہیں۔ یہی ایمان ہے جس کا اسلام مطالبہ کرتا ہے ایمان اس کا نام نہیں کہ تم کمائی نہ کرو، ایمان اس کا نام نہیں کہ تم محنت نہ کرو۔ تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم محنت نہ کرو۔ اگر تم اپنی زندگی لغو کاموں میں ضائع کرتے ہو تو تم ''هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ''[2] کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ اس لئے محنت تمہارے لئے ضروری ہے تجارت اور زراعت اور صنعت وحرفت سب تمہارے لئے ضروری ہیں اسلام جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ تم ان کاموں میں اپنے وقتوں کو بیشک خرچ کرو مگر اپنے لیے نہیں بلکہ خدا اور اُس کے رسولؐ کے لئے اگر تم ایسا کرو تو وہ سارے وساوس دور ہو سکتے ہیں جو بولشوزم کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں دنیاوی ظلم دیکھ کر آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے جس پر مقدمہ ہو جاتا ہے اور اُس کی جان خطرے میں ہوتی ہے اُس شخص کو تم اگر سود کا مسئلہ سمجھاؤ تو وہ نہیں سمجھے گا لیکن اگر ہمسایہ کے متعلق سمجھاؤ تو سمجھ جائے گا۔ اسی طرح تم اگر دنیا کو مصیبت زدہ سمجھ کر اسلام کے مسائل سمجھاؤ تو وہ اُن مسائل کو نہیں مانے گی لیکن اگر تم دُنیا پر ثابت کر دو کہ تم خدا کے لئے جیتے ہو اور خدا کے لئے مرتے ہو اور اُسے کہو کہ میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے تمہیں دے دیا اب میں بتاتا ہوں کہ اسلام اس طرح کہتا ہے تو وہ تمہاری بات سن لے گا لیکن وہ سمجھے گا کہ وہ خود غرضی سے ایسا نہیں کہہ رہا اور درحقیقت ایسی زندگی ہی حقیقی امن اور حقیقی خوشحالی پیدا کرتی ہے۔

عورتوں کا چندہ

ایک سوال مستورات کے چندہ کے متعلق اُٹھایا گیا ہے کہ اس دفعہ بجٹ میں دکھایا نہیں گیا، نائب ناظر صاحب نے اس کا جواب دیا ہے، مگر میرے نزدیک وہ نہایت لغو جواب ہے، وہ جواب یہ ہے کہ عورتیں چونکہ بڑی قربانی کرتی ہیں اور وصیت کرتی ہیں اس وجہ سے اُن کے عام چندے کم ہوجاتے ہیں، اس وجہ سے وہ الگ دکھائے نہیں گئے تاکہ اُن کی قربانی کو بٹہ نہ لگے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ عورتیں جو وصیت کرتی ہیں وہ بالعموم زیور اور مہر کی وصیت ہوتی ہے ماہوار آمدن کی وصیت نہیں کرتیں کہ اُن کے چندوں پر اُس کا اثر پڑ سکے، پس یہ بات تو درست نہیں۔ دوسرے اگر عزت کا ہی سوال ہے تو پھر مردوں کی عزت کو کیوں صدمہ نہیں پہنچتا وہ بھی وصیت کرتے ہیں اور اُن کے عام چندے بھی اس طرح کم ہوجاتے ہیں، اگر مردوں کی وصیت کے باوجود اُن کے چندے الگ دکھائے جاتے ہیں تو عورتوں کی وصیت کے باوجود اُن کے چندے کیوں نہیں الگ دکھائے جاتے۔ سیدھی بات تھی، کہہ دیتے کہ غلطی ہوگئی ہے۔ یہ کیا جواب ہوا کہ ہم نے بڑے اخلاقِ فاضلہ سے کام لیا کہ عورتوں کا چندہ نہیں دکھایا تاکہ اُن کی قربانی کو بٹہ نہ لگے۔

خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کی پنشن

ایک سوال خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کے متعلق کیا گیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں یہ اصول ہے کہ جو شخص خدمت کرتے ہوئے کسی بلا میں مبتلا ہوتا ہے اُس سے عام پنشنروں والا سلوک نہیں کیا جاتا، خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کی ستر ۷۰ سال سے زیادہ عمر تھی وہ سلسلہ کے کام کے لئے سخت گرمی کے موسم میں باہر گئے اور وہیں اُن پر فالج کا حملہ ہوگیا اس پر انجمن نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ میرے حکم کے ماتحت یہ فیصلہ کیا کہ جب تک وہ بیمار ہیں اُن کو یہ رقم دی جائے۔

قابل نوجوانوں کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک

مولوی عبدالقادر صاحب نے کالج کے متعلق بعض باتیں کہی ہیں جن کا پرنسپل صاحب نے جواب دیا، میں اس بات سے متفق ہوں کہ کالج کے پروفیسران کو زیادہ سے زیادہ لائق بنانے اور لائق پروفیسر رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور

یہ بھی درست ہے جیسا کہ پرنسپل صاحب نے کہا کہ ہم مجبور ہیں کہ احمدی پروفیسر لائیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لائق پروفیسر پانچ پانچ سَو ، سات سات سَو ، بلکہ ہزار ہزار روپیہ بھی ماہوار لے رہے ہیں اور ہم تو ڈیڑھ ڈیڑھ اور سَوا سَوا سَو روپیہ تنخواہ دے کر بھی مقروض رہتے ہیں۔ یہ نقص اسی طرح دور ہوسکتا ہے کہ جماعت کے نوجوان قربانی کریں اور وہ اپنی زندگیاں سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کریں۔ جماعت میں درجنوں نوجوان ایسے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کیں مگر کالج کے عملہ کے متعلق یہی سوال رہتا ہے کہ اُس کے لئے ہم کہاں سے پروفیسر لائیں، مولوی عبدالقادر صاحب نے کہا ہے کہ کچھ نوجوان آئے اور چلے گئے ،ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کیوں چلے گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پروفیسر صاحب سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ اُنہوں نے اس سوال کو چھیڑا کیوں کہ وہ نوجوان جن کا اشارةً ذکر کیا گیا ہے، گو اُن کو میں مخلص سمجھتا ہوں مگر اُن کے اخلاق کے متعلق اس کے جواب سے اچھا اثر نہیں پڑتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جانے والوں نے بعض معاملات میں انجمن سے کشمکش شروع کی اور میرے پاس بھی اُنہوں نے شکایتیں کرنی شروع کیں کہ انجمن ہمارے حقوق ہمیں نہیں دیتی۔ میرا جیسا کہ دستور ہے، شروع شروع میں مَیں دخل نہیں دیا کرتا،صرف انجمن کو توجہ دلا دیا کرتا ہوں، میں نے انجمن کو لکھا کہ وہ اس معاملہ کی طرف توجہ کرے، بعد میں اُن نوجوانوں نے مجھے لکھا کہ ہماری سخت حق تلفی ہورہی ہے اور آپ کے توجہ دلانے پر بھی کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اس پر میں نے کالج کمیٹی کو لکھا کہ اتنے دنوں میں میرے پاس اس کے متعلق مکمل رپورٹ کی جائے، اس پر اُنہوں نے مکمل رپورٹ مرتب کی اور لکھا کہ یہ حالات ہیں اور ہم مسل آپ کو بھجوار ہے ہیں۔ میں نے وہ مسل پڑھی اور اُن تینوں نوجوانوں کو بلوایا،صوبہ بڑا مخلص ہے مگر بدقسمتی سے یہ تینوں بہار کے تھے، میں نے خود اُن کو بلایا، اپنے سامنے بٹھایا اور کمیٹی کے ممبروں کو بھی بٹھایا۔ مسل سے یہ بات صراحتاً ثابت تھی اور اگر قادیان سے مسل بچ کر آگئی ہو تو اُس میں سے یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ ان نوجوانوں نے سخت کلامی سے کام لیا پھر لطیفہ یہ ہے کہ کاغذات نکالے گئے تو ایک مقام پر انجمن نے کہا کہ ہم یہ معاملہ خلیفة المسیح کے سامنے پیش کریں گے اور اُن کی طرف سے جواب آنے پر اس بارہ میں کچھ فیصلہ کیا جاسکے گا، اس پر تینوں نے نہیں بلکہ ایک نوجوان نے لکھا کہ خلیفة المسیح کو اس سے کیا تعلق ہے،

میں نوکر ہوں اور تم نوکر رکھنے والے ہو، خلیفۃ المسیح کا کیا واسطہ ہے کہ وہ بیچ میں دخل دیں۔ جب وہ میرے پاس آیا تو مَیں نے اُس کو کہا کہ اگر اس معاملہ میں میرا دخل نہیں تو تم مجھے چِٹھیاں کیوں لکھتے رہے ہو اور تم نے یہ دو رُخی اور منافقانہ چال کیوں چلی کہ جب تم کو مجھ سے فائدہ پہنچ سکتا تھا تو تم نے مجھے لکھا کہ میرے معاملات میں دخل دیا جائے اور جب تم نے دیکھا کہ مجھ سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو تم نے لکھا کہ خلیفۃ المسیح کو اس معاملہ میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کرتے، مجلس سے اُٹھتے ہی اُنہوں نے استعفے پیش کر دئے۔ یہ حالات ہیں جن میں اُن نوجوانوں نے کالج کے کام کو چھوڑا اور میں خود اس معاملہ کی تحقیق کر چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک نوجوان زندگیاں وقف نہیں کریں گے اُس وقت تک اس قسم کی مشکلات دور نہیں ہو سکیں گی۔‘‘

ماہرینِ فن اساتذہ تیار کئے جائیں

تعلیم الاسلام کالج کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

’’اب تک اگر کالج کے لئے لائق پروفیسر تیار نہیں ہو سکے تو اس کی ذمہ داری میرے نزدیک کُلّی طور پر پرنسپل پر ہے۔ ایک شخص اگر پوری طرح اپنے فرائض کی ادائیگی میں Interest نہیں لیتا تو اس کا یقیناً اُس کو نقصان پہنچے گا۔ وہ میرا لڑکا ہے لیکن خدا اور اُس کے رسول کے مقابلہ میں اگر ہزار لڑکا بھی قربان ہو جائے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہو سکتی۔ میں محسوس کرتا ہوں اور میں کھلے طور پر آج پبلک میں اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ میرے نزدیک وہ اپنے کام کی طرف اتنی توجہ نہیں کر رہا۔ جتنی توجہ اس کو کرنی چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ اس بات پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ ایک لمبا عرصہ قادیان میں رہا اور اس نے لڑکوں کی پڑھائی کی طرف توجہ نہیں کی۔ مگر یہ اعتراض منافقانہ ہے وہ ان دنوں سلسلہ کی حفاظت کے لئے رات اور دن کام کر رہا تھا اور جو شخص اپنی جان کو سلسلہ کے لئے قربان کر رہا ہو اور سلسلہ نے ہی اس کو اس کام پر مقرر کیا ہو اس پر اعتراض کرنا سوائے منافق کے اور کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کے علاوہ بھی میں دیکھتا ہوں کہ اسے اپنے کام کے متعلق پورا شغف نہیں۔ ڈاکٹر عبدالاحد صاحب ریسرچ کے افسر ہیں وہ بھی واقفِ زندگی ہیں اور ناصر احمد بھی واقفِ زندگی ہے مگر جب زندگی وقف کرنے والے آتے ہیں تو

ان میں سے اکثر وہ ریسرچ کے لئے لے جاتے ہیں۔ اگر ناصر احمد میں بھی وہی جذبہ ہوتا تو وہ تحریک کو کہتا کہ مجھے بھی اتنے نوجوان دئے جائیں۔ میں ان کو کالج کے لئے تیار کرنا چاہتا ہوں گزشتہ چار سال میں ڈاکٹر عبدالاحد صاحب پانچ سات نئے نوجوان تیار کر چکے ہیں۔ مگر اتنے سالوں میں ناصر احمد نے ایک نوجوان بھی تیار نہیں کیا جتنے تیار کئے ہیں میں نے کئے ہیں درحقیقت اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے اپنے کام سے اس قسم کا Interest نہیں۔ جو وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا [3] کے مطابق ہر مومن کو ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر عبدالاحد صاحب جب نئے آدمی مانگنے آتے ہیں تو میں بعض دفعہ چڑتا بھی ہوں مگر پھر بھی وہ اپنی ضرورت کے مطابق آدمی لے ہی جاتے ہیں۔ ناصر احمد کو بھی کہنا چاہیے تھا کہ مجھے اِس اِس قسم کے پروفیسر چاہییں اور اگر تحریک اس سے تعاون نہ کرتی تو وہ مجھ سے کہتا، بہرحال میرے نزدیک اُس نے اپنے فن سے اتنا شغف نہیں دکھایا جتنا اُسے دکھانا چاہیے تھا بلکہ اُس کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ ہر فن کے پروفیسروں کا تحریک سے مطالبہ کرتا آخر جتنے مضامین دنیا میں پڑھائے جاتے ہیں وہ سارے کے سارے ہم نے بھی پڑھانے ہیں پس جس مضمون کا پروفیسر اُن کے پاس نہیں تھا اُسے تحریک سے مانگنا چاہیے تھا بلکہ یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ ہمارے لئے جرمن زبان کا بھی پروفیسر تیار کیا جائے روسی زبان کا بھی پروفیسر تیار کیا جائے اطالین زبان کا بھی پروفیسر تیار کیا جائے اور آہستہ آہستہ تحریک اس کام میں لگی رہتی۔''

انسپکٹروں کی تعداد کم سے کم ہو

بعض دوستوں نے تحریک کی تھی کہ جماعت کی تربیت کے لئے انسپکٹروں کی تعداد کو بڑھا دیا جائے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''میں نے کئی دفعہ اس بات پر غور کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ پالیسی غلط ہے، اس لئے نہیں کہ نگران مقرر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس لئے کہ ایک ایسے کام میں جس کے انواع بہت سے ہیں انفرادی طور پر نگرانی کرنی چاہیے نہ کہ ہر شعبہ کی نگرانی کے لئے الگ الگ انسپکٹر مقرر کرنا چاہیے مثلاً تربیت کے انسپکٹر ہی لے لو پہلے نمازوں کے لئے انسپکٹروں کی ضرورت ہوگی پھر روزوں کے لئے انسپکٹروں کی ضرورت ہوگی پھر زکوۃ کے لئے انسپکٹروں کی ضرورت ہوگی پھر حج کے لئے انسپکٹروں کی ضرورت ہوگی پھر تجارت اور لین دین سے تعلق

رکھنے والے معاملات کے لئے انسپکٹروں کی ضرورت ہوگی۔ ہائی کلاسز کے لئے انسپکٹروں کی ضرورت ہوگی۔ لوئر کلاسز کے لئے انسپکٹروں کی ضرورت ہوگی کالج کے لئے انسپکٹروں کی ضرورت ہوگی۔ پھر دھوبیوں کے لئے الگ انسپکٹر کی ضرورت ہوگی۔ نائیوں کے لئے الگ انسپکٹر کی ضرورت ہوگی۔ پیشہ وروں اور صناعوں کے لئے الگ انسپکٹر کی ضرورت ہوگی اگر اس طرح تقسیم ہوتی چلی جائے اور ہر شعبہ کے لئے الگ الگ انسپکٹر رکھے جائیں تو انسپکٹروں کا کوئی شمار ہی نہیں رہتا۔ ہمارے سامنے نمونہ موجود ہے اور نمونہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے انسان تھے مگر آپ جرنیل بھی تھے قاضی بھی تھے مفتی بھی تھے مقنّن بھی تھے معلّم بھی تھے امام بھی تھے اور عورتوں اور مردوں کی تربیت کرنے والے بھی تھے اسی طرح ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم بجائے انسپکٹروں کو زیادہ کرنے کے اپنے محصلوں اور پہلے انسپکٹروں سے ہی ہر قسم کا کام لیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کام کے لئے ایمان دار اور دیانت دار لوگوں کو لگائیں۔ میرے نزدیک صدرانجمن احمدیہ کو چاہیے کہ آئندہ وہ ہر قسم کا کام اپنے محصلوں اور سابق انسپکٹروں سے ہی لے۔ ان کا کام چندہ لینا بھی ہو، ان کا کام تبلیغ کرنا بھی ہو اور ان کا کام تربیت کرنا بھی ہو۔ ان کو دن بے شک زیادہ مل جائیں اور حلقے چھوٹے کر دئے جائیں آدمی تہجد گزار، راست باز اور محنتی ہوں، یہی طریق ہے جس پر چل کر ہم کامیاب ہو سکتے ہیں ورنہ اگر ہم نے ہر محکمہ کے الگ الگ انسپکٹر مقرر کرنے شروع کر دئے اور پھر ہر محکمہ کی الگ الگ شاخیں شروع ہوگئیں تو عجیب نتیجہ رونما ہوگا نماز والے کہہ رہے ہوں گے کہ چندے میں کیا رکھا ہے۔ اصل چیز تو نماز ہے اور چندے والے کہہ رہے ہوں گے کہ سارا کام تو چندوں سے ہی ہوتا ہے اور یہی اس زمانہ کی سب سے بڑی خدمت ہے نمازیں بھی فائدہ دیتی ہیں مگر اس زمانہ میں چندہ دینا بڑا اہم کام ہے۔ اس اختلاف کو روکنے کی یہی صورت ہے کہ سارے کام انفرادی صورت اختیار کر لیں۔ اُس کو کہو کہ وہ یہ بھی کرے اور وہ بھی کرے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تحریک جدید اور صدرانجمن احمدیہ دونوں ایک دوسرے کی معاون ہیں مگر ناظر صاحب بیت المال کے اعلانات کو غور سے پڑھو تو ان میں ہلکی سی چوٹ تحریک جدید پر ضرور ہوتی ہے اور لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اصل چندہ تو مستقل چندہ ہی ہے باقی چندے سب نفلی ہیں لوگوں کو فرضی چندے

ادا کرنے کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے اور تحریک جدید والے لکھتے ہیں کہ جہاد کا وقت آگیا السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں شامل ہونے کی کوشش کرو گویا جو تحریک میں حصہ لیتا ہے یہ اُس کا جہاد ہو گیا اور صدر انجمن کے نزدیک یہ محض ایک نفلی چیز ہے۔ تحریک والے لکھتے ہیں کہ یہ چندہ ایسا ہے جیسا زندگی کے لئے سانس ہوتا ہے اور انجمن والے لکھتے ہیں کہ اصل چندہ تو انجمن کا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے جوتی پر پالش ہوتی ہے۔ اگر اسی طرح انسپکٹر مقرر کرنے شروع کر دئے گئے تو لوگ ایک مصیبت میں پھنس جائیں گے اور جہاں چھوٹی جماعت ہوگی وہ تو اور بھی مخمصے میں مبتلا ہو جائے گی ۔فرض کرو پہلے چندے والا انسپکٹر آ گیا اور ان بیچاروں نے ادھر اُدھر سے آٹا جمع کر کے اُس کو چند دن کھلایا پلایا ، وہ گیا ہی تھا کہ نماز والا انسپکٹر پہنچ گیا اور اُن کو اُس کی خاطر تواضع کرنی پڑی وہ گیا تو روزے والا انسپکٹر آ گیا۔ اگر یہ طریق جاری کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اِدھر انسپکٹر صاحب گاؤں میں داخل ہو رہے ہوں گے اور اُدھر گاؤں والے اپنے گاؤں سے نکل کر کسی اور گاؤں کو بھاگے جا رہے ہوں گے۔ پس انسپکٹر بڑھانا بالکل بے معنی بات ہے۔ جو محصّل رکھے جائیں وہ محنتی ہوں، دیانت دار ہوں، راست باز ہوں، مختلف پیشوں سے واقف ہوں اور سارے کام اُنہی کے سپرد ہوں۔ مجھے انگریزوں کی یہ بات بڑی بھاتی ہے کہ وہ پادریوں کا بڑا ادب اور احترام کرتے ہیں یہاں تو وہ مبشر اور Preacher ہوتے ہیں اس لئے اُن کی عزت کرنا ضروری ہوتا ہے مگر یورپ میں اُن کی یہ حالت نہیں ہوتی پھر بھی یورپ میں کسی جگہ چلے جاؤ اگر کوئی دہریہ بھی ہوگا تو پادری کو اپنا باپ سمجھے گا اور ہر مصیبت کے وقت اُس کے پاس دوڑا جائے گا اور اُس سے مشورہ لے گا۔ یہ روح اپنے اندر پیدا کرو اور سارے کام انسپکٹر کے سپرد کردو بے شک اُس کا علاقہ چھوٹا کر دو مگر اس سے کام زیادہ لو اگر چندے کا سوال آئے تو اس کا ذمہ دار بھی وہی ہو اور اگر تربیت کی کمی کا سوال آئے تو اُس کا ذمہ دار بھی وہی ہو۔ کیا دُنیا میں کسی کے دس باپ بھی ہؤا کرتے ہیں؟ ایک ہی باپ ہوتا ہے۔ مگر نماز بھی وہی پڑھاتا ہے، روزے بھی وہی رکھواتا ہے، سچ بولنا بھی وہی سکھاتا ہے، صنّاعی بھی وہی سکھاتا، تعلیم بھی وہی دلاتا ہے۔ اسی طرح ماں بھی ایک ہی ہوتی ہے مگر کھانا پکانا بھی وہی سکھاتی ہے، جھاڑو دینا بھی وہی سکھاتی ہے، کپڑے دھونا بھی وہی سکھاتی ہے۔ یہی طریق ہمیں انسپکٹروں

کے بارے میں اختیار کرنا چاہیئے۔ بے شک شہروں میں شہروں کے قابل اور دیہات میں دیہات کے قابل آدمی رکھے جائیں مگر بہرحال کام سب انہی سے لیا جائے۔ یہ کہنا کہ مولوی کو حساب نہیں آتا غلط ہے ہم مولوی اُس کو کہتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل فرمانبردار ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک عظیم حساب دان

بے شک محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم حساب نہیں جانتے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جھوٹا حساب نہیں جانتے ورنہ ورثہ کے احکام جو آپ نے دئے ہیں وہ معمولی جمع تفریق سے نہیں آسکتے ورثہ کی بنیاد ریشو (Ratio) کے علم پر ہے اور اس علم کے لئے بہت بڑی حساب فہمی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح زکوٰۃ کا علم بھی ایسا ہے جو حساب کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے پس درحقیقت جب آپؐ نے کہا کہ ہم حساب نہیں جانتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم جھوٹ اور فریب کا حساب نہیں جانتے یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم واقعہ میں حساب نہیں جانتے۔

عملی نمونہ بہتر بنانے کی ضرورت

ایک دوست نے توجہ دلائی ہے کہ ابھی تک جماعت کے نوجوانوں کو اپنی ظاہری شکل بھی اسلام کے مطابق بنانے کی توفیق نہیں ملی جو ایک بہت بڑا نقص ہے۔ یہ درست ہے، اور میں بھی دیکھتا ہوں کہ ابھی تک جماعت کے نوجوانوں کو اس طرف پوری رغبت نہیں مجھے تعجب آتا ہے کہ لوگ یہ تو شور مچائے جاتے ہیں کہ پاکستان میں اسلام کی حکومت ہونی چاہیے مگر جن امور میں اسلام کی حکومت ایک گھنٹہ میں قائم ہوسکتی ہے اُن کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ دوسرا تو کام کرے مگر میں نہ کروں اور یہ کوئی صحیح طریق نہیں۔ اصلاح تب ہوتی ہے جب انسان پہلے خود اپنی اصلاح کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے جس میں صلح حدیبیہ ہوئی اُس وقت ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جو اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل خواب میں دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے اور احرام باندھے ہوئے ہیں۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ چلو ہم عمرہ کر آئیں (کیونکہ حج کا وقت نہ تھا) صحابہ کو بھی شوق تھا، اُنہوں نے دنبے، بکریاں اور اُونٹ قربانی کے لئے اپنے ساتھ لئے اور سج سجا کر بارات کی طرح

مکہ کی طرف چل پڑے۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو کفار نے اُنہیں روک لیا، اُنہوں نے بہتیرا سمجھایا کہ ہم خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں ہم میانوں سے تلواریں نہیں نکالیں گے بلکہ متواضع شہریوں کی طرح عمرہ کر کے چلے جائیں گے مگر اُنہوں نے کہا، خواہ کچھ ہو ہم تو اس کی اجازت نہیں دے سکتے آخر دنیا کو کیا پتہ ہے کہ تم عبادت کے لئے آئے تھے، لوگ تو کہیں گے کہ عرب ڈر گئے اور اُنہوں نے مسلمانوں کو مکہ میں آنے کی اجازت دے دی، اگلے سال بے شک عمرہ کر لینا، ہم سال بھر ڈھنڈورا پیٹتے رہیں گے کہ ہم نے خود مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دی ہے اس طرح ہمارا رُعب قائم رہے گا، اس وقت ہم عمرہ کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس پر بڑا شور ہوا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بات مان لی اور آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانیاں یہیں کر لو۔ اس بارہ میں اختلاف ہے، فقہاء میں سے بعض کہتے ہیں کہ جس مقام پر اُنہوں نے ڈیرے ڈالے تھے وہ حرم میں شامل تھا اور چونکہ وہ مقام حرم میں شامل تھے اس لئے اُن کے لئے قربانیاں کرنا جائز تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مقام تو حرم میں شامل نہیں تھا مگر شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ جب انسان حج یا عمرہ کے لئے جائے اور رستہ میں روکا جائے تو جس جگہ روکا جائے وہیں قربانی کر دے بہرحال کوئی وجہ ہو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانیاں کر دو، صحابہ نے یہ بات سنی مگر وہ قربانیاں کرنے کے لئے نہ اُٹھے، آپؐ نے ایک دفعہ کہا، دو دفعہ کہا، تین دفعہ کہا، مگر وہ خاموش رہے اُن کو دکھ تھا کہ آج اُن کی ناکیں کٹ گئیں، دو دوسَو تین تین سَو میل تک رہنے والے قبائل انہیں طعنہ دیں گے کہ تم نے کر لیا عمرہ! اُنہیں غم تھا کہ ہم دنیا کو کیا منہ دکھائیں گے اور اُن کے سامنے اپنی عزت کس طرح قائم رکھ سکیں گے وہ اتنے دکھ میں تھے کہ باوجود اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا جاؤ اور قربانیاں کرو، جاؤ اور قربانیاں کرو، وہ قربانیاں کرنے کے لئے نہ اُٹھے۔ آپ کو اس سے شدید ترین صدمہ پہنچا کہ اتنی بڑی قربانی کرنے والی قوم جو میرے ایک اشارہ پر اپنی جانیں قربان کر دیا کرتی تھی آج اپنے حواس اس طرح کھو بیٹھی ہے کہ میں ایک حکم دیتا ہوں اور وہ اُس کی تعمیل نہیں کرتی، آپ اُسی حالت میں حضرت حفصہؓ ☆ کے پاس آئے اور فرمایا کہ حفصہ آج تمہاری قوم پر بڑی آفت آئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب عربوں

میں نشوز کی کوئی بات دیکھتے تو آپؐ یہ نہ فرماتے کہ میری قوم نے ایسا کیا بلکہ مخاطب سے ذکر کرتے ہوئے کہتے کہ آج تیری قوم نے ایسا کیا، یہی انداز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت اختیار کیا۔ حضرت حفصہؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہؤا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج اس اس طرح ہؤا ہے، اُنہوں نے کہا یا رسول اللہ! جانے بھی دیجئے، اُن کو تو آپ سے اتنی محبت اور عشق ہے کہ اُس کی دنیا میں کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ اس وقت عمرہ سے روکے جانے کا اُن کو اتنا شدید صدمہ ہؤا ہے کہ اُن کے حواس پراگندہ ہوگئے ہیں وہ بڑی بڑی اُمیدیں لے کر آئے تھے مگر آج اُن کی اُمیدیں سب رائیگاں چلی گئیں اس لئے ان کے دماغ پر ایک پردہ سا پڑ گیا ہے ورنہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ سمجھیں کہ خدا کا رسول ہمیں ایک حکم دیتا ہے اور پھر وہ اس کی تعمیل نہ کریں۔ اُنہوں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ چپ کرکے جایئے اور اپنی قربانی ذبح کرنی شروع کر دیجئے پھر دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیزہ لیا اور آپ خاموشی سے قربانی کے پاس گئے اور اُس کی گردن پر نیزہ مار کر گرا دیا، بات وہی تھی جو حضرت حفصہ نے کہی تھی، صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کے شیدائی اور عاشق زار تھے جونہی اُنہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے اپنی اونٹنی کو گرا لیا ہے، یکدم اُن کو ہوش آیا اور ایک صحابی کا بیان ہے کہ اُس کے بعد ہم اس طرح اپنی قربانیوں کی طرف دوڑے کہ اگر کوئی شخص ہمارے رستہ میں آتا تو ہمارا جی چاہتا تھا کہ ہم اُس کو قتل کر دیں۔ تو جب انسان خود عمل کر لیتا ہے تو دوسرے بھی اُس کے نمونے کو دیکھ کر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر تم اس امید میں رہے کہ پہلے اسلامی احکام پر یہ عمل کرے یا وہ عمل کرے تب میں عمل کروں گا تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے، ہمارا خدا اگر ہم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے اور ہمارے بچے اور ہمارے عزیز ہمارا ساتھ نہیں دیتے تو کیا ہوا، خدا کے کئی نبی ایسے گزرے ہیں جن کے رشتہ داروں نے اُنہیں نہیں مانا۔ ابولہب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا مگر وہ آپؐ کا شدید ترین معاند تھا۔ حضرت ابراہیم کے باپ، جو دراصل آپ کے چچا تھے، اُنہوں نے تو اس قدر دکھ دیا کہ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا پس ہؤا کیا اگر کوئی شخص تمہارا ساتھی نہیں بنتا، جب کوئی شخص اپنے دائیں اور بائیں نگاہ

دوڑا تا ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ اُس کا ایمان کمزور ہے مومن اپنے ایمان کے مظاہرہ کے لئے کسی ساتھ کا محتاج نہیں ہوتا۔ جس شخص کے دل میں کسی سہارے کی احتیاج محسوس ہوتی ہو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے کام میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ دینی کام دینی روح کے ساتھ ہوتے ہیں، جو شخص خدا کے کام کے لئے کھڑا ہوتا ہے وہ دائیں بائیں نہیں دیکھتا اُس کے بیوی بچے اُس کے ساتھ ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے اور اگر نہ ہوں تو وہ سمجھتا ہے کہ خدا سے بڑھ کر میرا مطلوب اور کوئی نہیں میرا کام یہی ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا چلا جاؤں خواہ کوئی اور شخص میرا ساتھ دیتا ہے یا نہیں دیتا۔

وصولی چندہ کے لئے وفود بھجوائے جائیں

چوہدری عبداللہ خان صاحب نے کہا ہے کہ دیہات میں ہر چھ ماہ کے بعد وفد بھجوائے جائیں تاکہ جو چندہ وصول ہونے سے رہ گیا ہو وہ اس صورت میں وصول ہو جائے۔ یہ تجویز بہت معقول ہے بلکہ میرے نزدیک دیہات میں ہی نہیں شہروں میں بھی وقتاً فوقتاً ایسے وفد بھجواتے رہنا چاہیے۔ مگر لاہور والا وفد نہ ہو کہ چھ مہینے گزر گئے اور ابھی تک وہ چندوں کی لسٹ بھی مرتب کر کے نہیں دے سکا۔

موجودہ کارکنان کی تربیت کی ضرورت ہے

بابو فقیر علی صاحب نے کہا کہ محکمہ تربیت کو بڑھانا چاہیے۔ محکمہ تربیت کو بھی بڑھانے کی ضرورت ہے مگر موجودہ آدمیوں کی تربیت کی زیادہ ضرورت ہے اگر یہ ہو جائے تو کام خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔

''الفضل'' کے معاملات

الفضل کے متعلق میاں عبدالمنان صاحب نے جو کچھ کہا ہے، وہ میرے نزدیک بالکل درست ہے۔ نائب ناظر صاحب بیت المال مشورہ کے لئے کراچی آئے تھے، اُس وقت بھی میں نے الفضل کے متعلق اُنہیں توجہ دلائی تھی کہ اس کے خرچ کی مدات درست نہیں، آپ جائیں اور دوبارہ اس کا جائزہ لیں۔ مگر وہ میری بات کو سمجھے نہیں، غالباً اس لئے کہ اُن کو تجربہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ الفضل کے معاملہ میں بہت کچھ اُلجھنیں ڈالی گئی ہیں جن کو میں پوری طرح نیک نیتی پر محمول نہیں کرسکتا، وہ کہتے ہیں کہ اخراجات کے سلسلہ میں ہم نے اخبار کے بارہ صفحے مدنظر رکھے

تھے۔اب سوال یہ ہے کہ بارہ صفحات کا زائد خرچ اُنہوں نے الگ کیوں نہیں دکھایا تا کہ اگر چار صفحات زائد نہ کئے جاتے تو اُتنا خرچ کاٹا جاسکتا مثلاً ایک مدرّس کی جگہ اگر دو مدرّس رکھنے ہوں تو بجٹ کا کیا قاعدہ ہے۔آیا یہ قاعدہ ہے کہ سو کی بجائے دوسو تنخواہ دکھا دیتے ہیں یا یہ قاعدہ ہے کہ زائد مدرس الگ دکھایا جاتا ہے۔اگر اُن کے اندر نیک نیتی پائی جاتی تو اُن کو چاہیے تھا کہ اُتنی رقم جو زائد خرچ ہوسکتی تھی اُس کی علیحدہ منظوری لیتے اور کہتے کہ اگر ہم نے اخبار کے بارہ صفحے کر دیئے تو اس کی اتنی کتابت اور اتنی طباعت بڑھ جائے گی اور اتنا کاغذ کا خرچ زائد ہو جائے گا ،مگر ایسا نہیں کیا گیا۔بات یہ ہے کہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ شور مچا کر کہ اخبار مقروض ہے ہمیں امداد مل جائے گی اور اصل بات بیچ میں غائب ہو جائے گی اور اگر سُستی سے ہم نے کچھ زائد خرچ بھی کر لیا تو وہ اس میں چُھپ جائے گا ،پس میرے نزدیک الفضل کا بجٹ بہت کچھ قابلِ اصلاح ہے میں اس بجٹ کے متعلق ایک سب کمیٹی مقرر کروں گا۔ تا کہ وہ چھان بین کر کے اخراجات کو کم کرے ۔میرے نزدیک اس کے اخراجات بہت زیادہ ہیں اور کسی صورت میں بھی وہ اخراجات اس حد تک نہیں پہنچ سکتے جس حد تک دکھائے گئے ہیں ۔ کہہ دیا گیا ہے کہ جو زائد خرچ ہے وہ سلسلہ بطور امداد دے ۔مگر سوال یہ ہے کہ وہ امداد کتنی ہوگی ۔ جو آمد بتائی گئی ہے دراصل وہ بھی زائد ہے ظاہر یہ کیا گیا ہے کہ ۷۶ ہزار روپے آمد ہوگی ۔مگر واقع یہ ہے کہ اگر آمد اور خرچ کو مدنظر رکھا جائے تو -/۶۳۰۰۰ روپے کی امداد ہمیں دینی پڑے گی اور تریسٹھ ہزار روپیہ اتنی بڑی رقم ہے کہ اس سے ایک کالج چلایا جاسکتا ہے۔دراصل الفضل جس اصول پر چل رہا ہے وہ غلط ہے تجارتی اصول تو یہ ہوتا ہے کہ مثلاً ایک کارخانہ اگر سو چیز روزانہ بناتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اس پر مجھے اتنا نفع آئے گا ،فرض کرو وہ ایک روپیہ سینکڑہ نفع مقرر کرتا ہے تو یہ نفع اُس کا یقینی ہے دوسَو بنائے گا تو دو روپیہ نفع مل جائے گا وہ پانچ سَو بنائے گا تو پانچ روپیہ نفع مل جائے گا گویا جتنی پیداوار بڑھتی جائے اُتنا ہی نفع بڑھتا جائے گا لیکن الفضل کی موجودہ حالت کو اس طرح چیک نہیں کیا گیا بلکہ اگر اُس کی دس ہزار خریداری ہو تب بھی وہ گھاٹے میں ہی رہے گا حالانکہ کسی اخبار کے اگر تین ہزار خریدار ہوں تو نفع والا اخبار سمجھا جاتا ہے۔میں نے خود ایڈیٹروں اور مینیجروں سے باتیں کی ہیں اور اُنہوں نے کہا ہے کہ تین ہزار خریدار پر اخبار

ضرور نفع دیتا ہے۔ ہمارے اخبار کے خریدار تین ہزار کے قریب قریب ہیں، نفع نہ سہی تو دو تین ہزار روپیہ کا ہی گھاٹا ہو مگر ۶۳۰۰۰ روپیہ کا گھاٹا تو اتنی بڑی چیز ہے کہ دس ہزار خریدار کے بعد بھی پورا نہیں ہوسکتا جو فرق پڑے گا وہ صرف عملہ میں اور کتابت میں ہوگا باقی اخراجات اُسی نسبت سے بڑھتے چلے جائیں گے۔ اگر دس ہزار خریدار ہوں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تین لاکھ اسّی ہزار روپیہ خرچ ہے اور اُنہوں نے اپنی موجودہ آمد ۶۰ ہزار روپیہ لکھی ہے، ساٹھ کو سوا تین سے ضرب دیں تو سوا دو لاکھ روپیہ بن جاتا ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ کارخانہ جتنا زیادہ بڑھتا چلا جاتا ہے نقصان کم ہوتا چلا جاتا ہے مگر الفضل کا یہ حال ہے کہ اس کی جتنی بکری بڑھتی جائے اُتنا ہی نقصان زیادہ ہوتا جاتا ہے، دوسرے اخبار اتنی خریداری پر پندرہ ہزار ماہوار کماتے ہیں اور ہم ایک لاکھ ۵۵ ہزار کا گھاٹا اُٹھاتے ہیں، اس اندازہ سے پچاس ہزار تک خریداری بڑھ جائے تب کہیں نفع کی اُمید ہوسکتی ہے حالانکہ ولایت میں پچاس ہزار خریداری پر ۷۰، ۸۰ ہزار روپیہ ماہوار آمدنی اخبار والوں کو ہوتی ہے۔ دراصل ایڈیٹر اور مینیجر دونوں کا عملہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم کو مفت میں تنخواہ مل جاتی ہے ہمیں محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے میرے نزدیک کاغذ مہنگا خریدا جاتا ہے۔ میرے نزدیک چھپوائی میں ضرور کمی کی جاسکتی ہے میرے نزدیک سارا پرچہ فروخت نہیں ہوتا اور میرے نزدیک لکھوائی میں بھی ضرور فرق ہے میں اس کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کروں گا جو ان تمام حالات پر غور کرے گی اور اس بات پر بھی غور کرے گی کہ موجودہ صورت میں خبریں رکھی جائیں یا نہ رکھی جائیں۔ موجودہ عملہ رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ الفضل میں میرا خطبہ اور ڈائریاں اور ضروری مضامین بس اس قدر کافی ہیں اس کے لئے زیادہ ایڈیٹروں کی ضرورت نہیں صرف ایک ایڈیٹر کافی ہے ایک ڈائری نویس رکھ لیا جائے اور وہ دونوں مل کر کاپیاں اور پروف وغیرہ پڑھ لیا کریں اسی طرح مینیجر اشتہارات کی بھی کوئی ضرورت نہیں جتنے اشتہارات ہوتے ہیں اُس سے زیادہ مینیجر کے عملہ کا خرچ ہے۔

میں حیران ہوں کہ الفضل کے لئے جو رپورٹر مقرر کیا گیا ہے اُس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ میں انجمن سے پچاس روپیہ ماہوار چائے پلانے کے لئے مانگتا ہوں مگر انجمن -/۵۰ روپے چائے پلانے کے لئے مجھ کو نہیں دیتی یہ -/۵۰ روپیہ کی ماہوار چائے پلانے والا رپورٹر ہم نے آج ہی دیکھا ہے میں نے تو دنیا میں ہر جگہ رپورٹرز کو چائے پیتے

ہی دیکھا ہے چائے پلاتے نہیں دیکھا لوگ کہتے ہیں کہ یہ پیالی پی لو اور اخبار میں ہمارا بھی ذکر کر دو، یہ کبھی نہیں ہوا کہ رپورٹر خود چائے پلایا کرے میں نے دوسرے ممالک بھی دیکھے ہیں میں شام بھی گیا ہوں، فلسطین بھی گیا ہوں، مصر بھی گیا ہوں، روم بھی گیا ہوں، انگلستان بھی گیا ہوں ان سارے ممالک میں مَیں نے رپورٹروں کو ہمیشہ چائے پیتے دیکھا ہے، چائے پلاتے نہیں دیکھا۔ ہمارے ملک میں بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگ رپورٹروں کو چائے پر بلاتے ہیں مگر الفضل کا رپورٹر کہتا ہے کہ مجھے -/۵۰ روپیہ ماہوار دو تاکہ میں لوگوں کو چائے پلایا کروں یہ نہایت ہی غلط طریق ہے اور اس سے اچھی ذہنیت کا مظاہرہ نہیں ہوتا میں نے دیہاتی مبلّغین کو بھی دیکھا ہے کہ ان میں سے بھی بعض آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں -/۳۰۰ روپیہ دلوایا جائے تاکہ ہم کرایہ دے دے کر معززین کو یہاں لاسکیں حالانکہ وہ معزز ہے کس بات کا جو تم سے کرایہ مانگنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے وہ خاک معزز ہے اُسے اگر آنے کا شوق ہے تو آپ آئے اور خود کرایہ خرچ کرے۔ جو شخص کرایہ کی خاطر ساتھ چل پڑتا ہے وہ تو نہایت ہی ذلیل انسان ہے پس اپنی ذہنیت کی اصلاح کرنی چاہیے اور شو (show) اور نمائش کی عادت کم کر کے صرف کام کرنا اپنے مدنظر رکھنا چاہیے۔ اُس کیلئے جن چیزوں کی اشد ضرورت ہو وہ دی جاسکتی ہیں مثلاً اُس نے سائیکل مانگا جس پر میں نے انجمن کو لکھا کہ اسے سائیکل ضرور لے دو مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ اخبار کا رپورٹر ہے سمجھدار اور لکھا پڑھا آدمی ہے مگر کہتا ہے کہ مجھے چائے پلانے کے لئے -/۵۰ روپے ماہوار دیئے جائیں میں اُسے کہتا ہوں تیرا کام ہے کہ تو چائے پی تیرا یہ کام نہیں کہ تو لوگوں کو چائے پلائے، بہرحال الفضل کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے گی اور وہ رپورٹ کرے گی کہ الفضل کا کام تجارتی اصولوں پر کس طرح چلایا جائے یا تو اُسے خالص مذہبی پرچہ بنادیا جائے اور خبریں اُڑا دی جائیں اس طرح پندرہ سولہ ہزار روپیہ بچ جائے گا کاغذ میں بھی پندرہ بیس ہزار روپیہ بچ سکتا ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں اگر سختی سے نگرانی کی جائے تو کئی اور اخراجات بھی کم کئے جاسکتے ہیں۔

سیکرٹریان زکوٰۃ مقرر کرنے کی تحریک

میاں عطاء اللہ صاحب نے کہا ہے کہ سیکرٹری زکوٰۃ ہر جماعت میں مقرر ہونے چاہییں۔ یہ کہنا کہ سیکرٹری زکوٰۃ کے تقرر کی وجہ سے خرچ بڑھ جائے گا غلطی ہے اس سے خرچ

بڑھے گا نہیں بلکہ زکوٰۃ کی وصولی سے جو آمدن ہوگی وہ سلسلہ کے لئے بہت مفید ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سکیم بڑی اچھی ہے اور میں حیران ہوں کہ سب کمیٹی نے اس کو کیوں ردّ کر دیا۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لئے ہر جماعت میں سیکرٹری زکوٰۃ مقرر کرنے چاہئیں بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی چونکہ عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے اور زکوٰۃ کے معاملہ میں عورتیں بِالعموم کوتاہی سے کام لیا کرتی ہیں اس لئے میرے نزدیک لجنہ اِماءُ اللہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ہر جگہ ایک عورت کو سیکرٹری زکوٰۃ مقرر کرے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ہر جگہ پڑھے لکھے آدمی نہیں مل سکتے اس لئے سیکرٹری زکوٰۃ مقرر کرنے میں دِقّت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ کیا پہلی جماعتوں میں ایک ایک آدمی کے سپرد تین تین عہدے نہیں ہوا کرتے آخر تین عہدے ایک آدمی کے سپرد کیوں کئے جاتے ہیں اسی لئے کہ اُن عہدوں کے لئے الگ الگ موزوں آدمی نہیں ملتا۔ اگر ایک شخص کو تین عہدے دیئے جاسکتے ہیں تو اُس کو چار عہدے بھی دیئے جاسکتے ہیں تم اُس کا نام سیکرٹری تعلیم و تربیت بھی رکھ لو، اُس کو سیکرٹری مال بھی کہہ لو، اُس کو سیکرٹری امورِ عامہ بھی کہہ لو اور اُس کا نام سیکرٹری زکوٰۃ بھی رکھ دو اِس میں کون سی دِقّت ہے میرے نزدیک ایسا ضرور ہونا چاہیے جہاں الگ الگ سیکرٹری زکوٰۃ مقرر کئے جاسکیں وہاں الگ الگ سیکرٹری زکوٰۃ مقرر کئے جائیں اور جہاں موزوں آدمیوں کی قلت کی وجہ سے الگ الگ سیکرٹری زکوٰۃ مقرر نہ کئے جاسکیں وہاں یہی کام کسی اور عہدیدار کے سپرد کر دیا جائے اور اُسے بھی سیکرٹری زکوٰۃ کا نام دے دیا جائے۔

بچوں کی تعلیم کے سلسلہ کو جاری رکھنے کی تحریک

کالج کے لڑکوں کے متعلق پرنسپل صاحب نے شکایت کی ہے کہ اڑھائی سَو سے سَولڑ کا رہ گیا ہے۔ میں نہایت ہی افسوس کے ساتھ جماعت کو اس بارہ میں ملامت کرتا ہوں، مصائب تو آتے ہی رہتے ہیں لیکن مصیبت کے وقت آئندہ نسل کو قربان کر دینے کے کیا معنی ہیں پھر ڈیڑھ سَو میں سے بہت سے لڑکے ایسے ہیں جو اپنی جگہ کالجوں میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ماں باپ کو حِس ہی نہیں کہ وہ اپنا روپیہ غیروں کو دے رہے ہیں اور سلسلہ پر بار بڑھ رہا ہے، جب کالج میں لڑکے کم ہوں گے تو یہ لازمی بات ہے کہ آمدن پوری نہیں ہوگی اور جب آمدن پوری نہیں ہوگی تو ہمیں

اپنے چندوں میں سے روپیہ دینا پڑے گا مگر جو شخص سلسلے کا وہ روپیہ بھی نہیں دے سکتا جو وہ غیروں کو دے رہا ہے اور جو بڑی آسانی سے وہ سلسلے کو دے سکتا ہے، اُس سے یہ کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ کالج کے لئے زائد اخراجات اپنے اوپر ڈالنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ پس میرے نزدیک یہ بہت بڑا جُرم کیا گیا ہے اور جنہوں نے لڑکوں کی تعلیم ختم کرائی ہے اُنہوں نے تو اور بھی جُرم کیا ہے ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارا ہر فرد مولوی فاضل ہو، وکیل ہو، ڈاکٹر ہو، انجینئر ہو اور کسی نہ کسی اہم مقام پر فائز ہو۔ مشرقی پنجاب کے فسادات کی وجہ سے اگر کچھ عرصہ تعلیم چھوٹی بھی تھی تو اگر ہماری جماعت کی آنکھیں کھلی ہوتیں تو اُس کا فرض تھا کہ وہ تعلیمی لحاظ سے اور بھی اونچی ہو جاتی۔ اور ان مظالم کے ازالے کا طریق یہی تھا کہ وہ پہلے سے زیادہ بہتر مسلمان دنیا میں پیدا کرتی۔ آخر یہ کیا طریق ہے کہ چونکہ ہماری جائدادیں تباہ ہوگئی ہیں اس لئے ہم اپنے لڑکوں کو نہیں پڑھائیں گے۔ اگر تم اپنے لڑکوں کو نہیں پڑھاؤ گے تو تمہارے اندر جہالت زیادہ ہوگی اور تم پہلے سے بھی ادنیٰ حالت میں گر جاؤ گے، تم کو چاہیے تھا کہ جو لڑکا تعلیم کے قابل تھا اُسے مجبور کرتے کہ وہ تعلیم حاصل کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اُس سے قطع تعلق کر لیتے۔ پس جن لوگوں نے تعلیم میں حصہ نہیں لیا اور اس بارہ میں اُنہوں نے غفلت کی ہے، میں اُن پر افسوس کا اظہار کرتا ہوں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اب جو نیا سال آرہا ہے اُس میں وہ زیادہ سے زیادہ اپنے لڑکوں کو تعلیم کے لئے بھجوائیں گے۔ سکول کا بھی یہی حال ہے، ۱۲۰۰ لڑکا تھا مگر اب وہاں ۲۷۵ کے قریب لڑکے ہیں گویا ۱۰۷۵ لڑکا احمدیہ تربیت سے محروم ہو چکا ہے اور ۱۰۷۵ کی فیس اس وقت غیروں کے پاس جارہی ہے اگر ہمارے پاس آتی تو کمی پوری ہو جاتی۔ پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر نیک تبدیلی پیدا کر کے آئندہ نسل کی تعلیم کے سلسلہ کو جاری رکھیں بلکہ میرے نزدیک اگر ایک نسل اپنے لڑکوں کی تعلیم کی خاطر فاقے کر کر کے مر بھی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اپنے لڑکوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھا جائے یہ تو سوال ہی نہیں کہ ہمارا کیا حال ہوگا۔

قربانیوں کا پھل کبھی رائیگاں نہیں جاتا

مثل مشہور ہے کہ ایک بڈھا ایک ایسا درخت لگا رہا تھا جس کا پھل دس سال

کے بعد ہونا تھا وہ ابھی درخت لگا ہی رہا تھا کہ بادشاہ قریب سے گزرا اور اُس نے بڈھے کو وہ درخت لگاتے دیکھ کر کہا، میاں بڈھے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے، تم ۷۰، ۸۰ سال کی عمر کو پہنچ چکے ہو اور درخت وہ لگا رہے ہو جو پھل اُس وقت دے گا جب تم مر چکے ہو گے۔ بوڑھے نے کہا آپ نے یہ کیا بات کہی ہے اگر ہمارے باپ دادا بھی یہی سوچتے تو آپ اور ہم کہاں سے پھل کھاتے، اُنہوں نے درخت لگائے اور ہم نے پھل کھائے۔اب ہم درخت لگائیں گے اور ہماری آئندہ نسلیں پھل کھائیں گی۔ بادشاہ نے یہ بات سنی تو بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا ''زہ'' یعنی کیا ہی اچھی بات کہی ہے۔اور بادشاہ کا حکم تھا کہ جب میں کسی کی بات پر ''زہ'' کہوں تو اُسے فوراً تین ہزار دینار انعام کے طور پر دے دیا جایا کرے۔ جب بادشاہ نے ''زہ'' کہا تو وزیر نے فوراً ایک تھیلی تین ہزار دینار کی بڈھے کے سامنے رکھ دی۔ بڈھا اُس تھیلی کو دیکھ کر کہنے لگا بادشاہ سلامت آپ تو کہتے تھے کہ تُو اس درخت کا پھل کس طرح کھائے گا، دیکھئے لوگ درخت لگاتے ہیں تو کئی کئی سال کے بعد اُس کا پھل کھاتے ہیں مگر میں نے تو درخت لگاتے لگاتے اُس کا پھل کھا لیا، بادشاہ نے کہا ''زہ'' اس پر وزیر نے جَھٹ دوسری تھیلی بڈھے کے سامنے رکھ دی، بڈھا ہوشیار آدمی تھا اُس نے دوسری تھیلی دیکھی تو پھر بادشاہ کی طرف متوجہ ہوا اور اُس نے کہا، بادشاہ سلامت آپ تو کہتے تھے کہ تُو اس درخت کا پھل کس طرح کھائے گا، دیکھئے اور لوگ تو جب درخت بڑا ہو اور پھل دینے لگے تو سال میں صرف ایک دفعہ اس کا پھل کھاتے ہیں مگر میں نے تو ایک گھنٹہ میں اس کا دو دفعہ پھل کھا لیا۔ بادشاہ نے کہا ''زہ'' اور وزیر نے جَھٹ تیسری تھیلی بھی بڈھے کے سامنے رکھ دی اُس پر بادشاہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا جلدی یہاں سے چلو ورنہ بڈھا تو ہمیں لوٹ لے گا۔ یہ ہے تو ایک لطیفہ لیکن اس میں ایک بہت بڑی حقیقت مخفی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر قربانی کا پھل قربانی کرنے والا ہی کھائے دیکھو ابراہیمؑ نے کتنی بڑی قربانی کی مگر کیا اُس کا پھل ابراہیمؑ نے کھایا، کیا اُس کا پھل اسماعیلؑ نے کھایا، کیا اُس کا پھل اسماعیلؑ کے بیٹے نے کھایا، کیا اُس کے بیٹے کے بیٹے نے اُس کا پھل کھایا۔تاریخ بتاتی ہے کہ سالوں کے بعد سال گزرتے چلے گئے، نسلوں کے بعد نسلیں پیدا ہوئیں اور فنا ہوئیں مگر اُنہوں نے ابراہیمؑ کی

قربانی سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ آخر ایک مدت دراز کے بعد معمولی مدت نہیں بلکہ ۲۴۰۰ سال کے بعد جب کہ ابراہیمؑ کی اولاد ایمان کو بھول چکی تھی، جب وہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی خصوصیتوں کو فراموش کر چکی تھی، ابراہیمؑ نے وہ پھل نہیں کھایا اسماعیلؑ نے وہ پھل نہیں کھایا، اگر پھل کھایا تو ابوجہل کے بیٹے نے کھایا، ولید کے بیٹے نے کھایا، عاص کے بیٹے نے کھایا اسی طرح ابراہیمؑ سے ہوتے ہوتے ہزاروں ہزار نہیں لاکھوں لاکھ انسانوں نے کھایا، ولید جیسا شدید دشمن جو رات اور دن اسلام کے خلاف منصوبے کرتا رہتا تھا اُس کے بیٹے خالد نے اسلام قبول کر کے دنیا میں ایسی عزت حاصل کی کہ آج دنیا کے کناروں تک اُس کا نام عزت اور احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے، غرض ولید کے بیٹے نے بھی وہ پھل کھایا، عاص کے بیٹے نے بھی وہ پھل کھالیا یہاں تک کہ وہ شدید دشمن جس کی ساری زندگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں لگی ہوئی تھی اور جس کی ساری کوششیں اسلام کی تخریب کے لئے خرچ ہوتی تھیں اُس نے بھی وہ پھل کھایا اور ایسا کھایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نظر آیا کہ فرشتے جنت کے انگور کا ایک خوشہ لائے ہیں اور آپؐ پوچھتے ہیں یہ جنتی انگور کا خوشہ تم کس کے لئے لائے ہو، اُنہوں نے جواب دیا ابوجہل کے لئے، آپ فرماتے ہیں میں یہ سن کر کہ ابوجہل کے لئے جنت کے انگوروں کا خوشہ آرہا ہے، کانپا اور میری آنکھ کھل گئی۔ جب ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ مسلمان ہؤا تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا خواب پورا ہوگیا۔ ابوجہل کے لئے جو خوشہ آیا تھا وہ عکرمہؓ نے کھالیا اس میں وہی حقیقت بیان کی گئی ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ جنت سے ابوجہل کے لئے انگور کا خوشہ لایا گیا ہے اور جنت سے کیا مراد تھی، اس جنت سے یقیناً محمدی باغ مراد تھا اور یہی محمدی باغ تھا جس کا پھل ابوجہل نے کھایا مگر خود ابراہیمؑ نے اس کا پھل نہیں کھایا، خود اسماعیلؑ نے جس کی ساری زندگی قربانیوں میں گزری اس کا پھل نہیں کھایا۔ پس کیوں خیال کرتے ہو کہ تمہاری قربانیوں کا آج نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں۔ اگر تمہاری نسل کسی وقت بھی تمہاری قربانیوں سے فائدہ اُٹھالے، اگر تمہارے ہمسائے کی نسل کسی وقت بھی تمہاری قربانیوں سے فائدہ اُٹھالے بلکہ ہمسائے کی نسل کو جانے دو، اگر تمہاری قربانیوں سے کسی وقت تمہارے دشمن کی نسل فائدہ اُٹھالے تو یقیناً تمہاری قربانیوں کا پھل تمہیں

مل گیا کیونکہ خواہ وہ تمہارا دشمن تھا وہ خدا کا بندہ تھا تم کیوں اُس کو دشمن کی نسل کی نگاہ سے دیکھتے ہو تم کیوں اُس کو پوتے یا پڑپوتے کی نسل کی نگاہ سے دیکھتے ہو تم اس نقطہ نگاہ سے دیکھو کہ وہ خدا کا ایک پیدا کردہ بندہ ہے پس قربانیوں سے تم اس لئے مت ڈرو کہ تم آج اُس کا پھل نہیں کھا سکو گے۔ تم قربانیاں کرو اور کرتے چلے جاؤ۔ ہم بچپن میں ایک کہانی سنا کرتے تھے جس میں یہ ایک فقرہ آتا تھا کہ ’’نیکی کر اور دریا میں ڈال‘‘۔ ہزاروں ہزار نیکیاں دنیا میں ایسی نظر آتی ہیں جو نیکیوں کی سرتاج ہوتی ہیں بظاہر انسان اُن نیکیوں میں حصہ لیتا ہے جو چوٹی کی نیکیاں کہلاتی ہیں مگر اُن کے نتیجے میں نہ انسان کی جیب میں کوئی پیسہ آتا ہے نہ اُس کی بہنوں کے کان میں یا ناک میں کوئی زیور پڑتا ہے نہ اُس کے لڑکے کے تن کو کپڑے میسر آتے ہیں، وہ دریا میں پھینکی جاتی ہیں، وہ بظاہر ضائع اور برباد نظر آتی ہیں حالانکہ وہ اُن نیکیوں سے ہزار ہا گنا بڑی ہوتی ہیں جو تن کو ڈھانپتی اور پیٹ کو بھرتی ہیں پس اگر تم ایسا کرو گے تو دنیا کی طبائع تمہاری طرف خود بخود کھنچی چلی آئیں گی اور تم جنت اور دوزخ کو اپنے بالکل قریب دیکھو گے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کو اپنے قریب دیکھا۔ آپؐ ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپؐ پیچھے ہٹے اور پھر آگے بڑھے، نماز کے بعد صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! نماز میں پیچھے کیوں ہٹے تھے اور پھر آگے کیوں بڑھے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز میں دوزخ میرے قریب کی گئی اور میں پیچھے ہٹا پھر جنت میرے قریب کی گئی اور میں اُس کی طرف آگے بڑھا۔

بندہ کی پیدائش کا مقصد خدا کا مثل بننا ہے

تم بھی اپنی زندگیاں اس طرح سنوارو کہ تمہارے لئے مستقبل اور غائب کوئی چیز نہ رہے، جنت اور دوزخ دونوں غائب ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں چیزیں اسی دنیا میں دکھا دی گئیں اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیت نہیں، بندہ اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خدا کا مثیل بنے اور خدا کے لئے ماضی اور مستقبل کوئی چیز نہیں ہر چیز اُس کے سامنے ہے خواہ وہ ماضی کے ساتھ تعلق رکھتی ہو یا ہمارے نقطہ نگاہ سے مستقبل سے تعلق رکھتی ہو میں اس کی مثال ہمیشہ اس رنگ میں دیا کرتا ہوں کہ ایک بہت بڑا چکر ہے اور اُس چکر کے وسط میں ایک گھوڑا کھڑا ہے چاروں طرف لوگ جمع ہیں اور

گھوڑ دوڑ کے میدان کی طرح ایک نظارہ نظر آرہا ہے اُس وقت جب گھوڑا دائرہ کے اندر دوڑے گا تو کچھ لوگ کہیں گے گھوڑا آ گیا کچھ لوگ کہیں گے گھوڑا آ رہا ہے، کچھ لوگ کہیں گے گھوڑا جا چکا ہے مگر جو دائرہ کے وسط میں کھڑا ہوگا اُس کے نزدیک گھوڑے کی سب حالتیں یکساں ہوں گی جب لوگ کہہ رہے ہوں گے گھوڑا آ رہا ہے اُس وقت بھی وہ اُس کے ساتھ ہوگا، جب لوگ کہہ رہے ہوں گے گھوڑا آ گیا اُس وقت بھی وہ اُس کے ساتھ ہوگا جب لوگ کہہ رہے ہوں گے گھوڑا جا چکا تو اُس وقت بھی وہ اُس کے ساتھ ہوگا۔ یہی طریق اس دنیا میں جاری ہے، آدمؑ آیا تو لوگوں نے کہا وہ آیا وہ آیا، آدمؑ اُن کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے کہا وہ آ گیا وہ آ گیا، آدمؑ چلا گیا تو اُنہوں نے کہا وہ گیا وہ گیا۔ نوح آیا تو لوگوں نے کہا وہ آ رہا ہے، نوح اُن کے قریب پہنچا تو اُنہوں نے کہا وہ آ گیا۔ نوح آگے گیا تو اُنہوں نے کہا وہ چلا گیا۔ گھوڑ دوڑ کے میدان کی طرح چاروں طرف لوگ قطار باندھے کھڑے ہوں لیکن اُس دائرہ کے عین وسط میں ایک ہستی کھڑی ہوئی ہو جو چاروں طرف دیکھ رہی ہو اُس کی آنکھیں دائیں بھی دیکھتی ہیں اور بائیں بھی آگے بھی دیکھتی ہیں اور پیچھے بھی اس کے لئے نہ ماضی ماضی ہے نہ مستقبل مستقبل۔ آدمؑ کے وقت لوگوں نے کہا وہ آیا وہ آیا، وہ گیا وہ گیا۔ پھر نوح آئے تو لوگوں نے کہا وہ آ رہے ہیں وہ چلے گئے ہیں وہ چلے گئے ہیں، ابراہیمؑ کا وقت آیا تو لوگوں نے چلّا کر کہا وہ آ گیا وہ آ گیا، وہ پہنچ گیا وہ پہنچ گیا، وہ چلا گیا وہ چلا گیا۔ مگر جو بیچ میں کھڑا تھا اُس کے لئے نہ کوئی گیا اور نہ کوئی پہنچا، اُس کے لئے کوئی جگہ نہیں بدلی کیونکہ گھوڑا اگر یہاں تھا تب وہ سامنے تھا اگر وہاں تھا تب بھی وہ سامنے تھا، اُس کے لئے کوئی جگہ نہیں بدلی اُس کے لئے کوئی مقام تبدیل نہیں ہوا۔ یہی حال اس عالم دنیوی میں مبعوث ہونے والے انبیاء اور رُسل کا ہے، دائرہ کے وسط میں کھڑا ہونے والا ہمارا خدا ہے اور اس دائرہ کے اندر چکر کاٹنے والے اللہ تعالیٰ کے انبیاء ہیں اور زمانہ کے لوگ کبھی اس کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں اور کبھی اس کو جاتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی ہستی ایسی ہے کہ نہ اُس کے لئے ماضی ماضی ہے نہ مستقبل مستقبل، ہمیں کہا گیا ہے کہ تم خدا کی طرح ہو اس لئے ہمیں بھی بھول جانا پڑے گا کہ ماضی کیا ہے اور مستقبل کیا ہے، ہمارے دماغوں میں اتنی روشنی ہونی چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ماضی میں گزر

چکے ہیں وہ ہمارے لئے زمانہ ماضی میں نہ ہوں بلکہ وہ ہمارے سامنے کھڑے ہوں اسی طرح ہمیں بھول جانا چاہیے کہ ہمارا مستقبل کیا ہے بلکہ ہزاروں سال کے بعد بھی اگر ایک شخص پیدا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے خواہ ہمارا اُس کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، خدا کا عبد ہونے کے لحاظ سے ہمیں اُس کے ساتھ اُتنی ہی دلچسپی ہونی چاہیے جتنی آج کے بچہ سے۔ ہم کس طرح خدا کے عبد کہلا سکتے ہیں اگر ہم خدا کی طرح نہیں، اگر ہم ہزاروں ہزار اور لاکھوں لاکھ سال کے بعد پیدا ہونے والے سے بھی اسی طرح اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کرتے جس طرح آج کے لوگوں سے دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ پس اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو اور پھر دیکھو کے خدا تم سے کیسا معاملہ کرتا ہے۔ پھر تمہارے ساتھ ایسا معاملہ ہوگا کہ تم بازیچۂ اطفال نہیں بنو گے''۔

حضور نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''ہماری جماعت ایک تنظیمی جماعت ہے ہم تنظیم کے ساتھ اکٹھے رہنے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے لیکن اب چھ ماہ گذر چکے ہیں کہ ہماری تنظیم کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ ہماری مثال بالکل اس شخص کی طرح ہے جو انیس سو سال پہلے خدا کی طرف سے ایک شمع ہدایت لے کر آیا تھا اس نے بنی نوع انسان کی ہمدردی میں دن رات ایک کر دیا لیکن دنیا نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ اسے کہنا پڑا کہ جنگل کے درندوں کے لئے بھٹ اور پرندوں کے لئے گھونسلے ہیں لیکن ابن آدم کے لئے سر چھپانے کی جگہ نہیں۔

ہم نے بہت کوشش کی کہ جب تک ہمیں قادیان نہیں ملتا ہمیں مرکز کے لئے جگہ مل جائے، لیکن اب تک نہیں مل سکی۔ بہرحال ہم کوشش کر رہے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہے گا جگہ مل جائے گی۔ جو احباب مرکز میں آباد ہونا چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ امورِ عامہ میں ابھی سے اپنے نام لکھوا دیں تا کہ وقت آنے پر ہم ان کے لئے زمین وغیرہ کا انتظام کر سکیں''۔

اس ضمن میں حضور نے اعلان فرمایا کہ انڈین یونین کے سوا باقی تمام ممالک کے احمدیہ مراکز پاکستان کے مرکز کے ماتحت رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ آخر میں حضور نے فرمایا:-

''اب ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ ہماری جماعت کو صرف چندوں پر اکتفا ہی نہیں کرنا ہوگا بلکہ جانی قربانی بھی دینی پڑے گی۔ پس اب احباب کو جانی قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے، تبلیغ پر خاص زور دیا جائے اور نمازوں کو وقت پر با جماعت ادا کرنے کی سختی کے

ساتھ پابندی کی عادت ڈالنی چاہئیے ۔‘‘

عظیم الشان تاریخی عہد

اس مجلس مشاورت کا ایک اہم ترین واقعہ وہ عہد ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نہ صرف مجلسِ مشاورت کے تمام نمائندگان سے بلکہ تمام حاضر الوقت احمدی احباب سے لیا اور ارشاد فرمایا کہ جب تک ہمیں قادیان واپس نہیں مل جاتا جماعت کے ہر فرد کو یہ عہد کرنا چاہیے کہ:-

’’میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے قادیان کو احمدیہ جماعت کا مرکز مقرر فرمایا ہے میں اُس کے اس حکم کو پورا کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس مقصد کو کبھی بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا اور میں اپنے نفس کو اور اپنے بیوی بچوں کو اور اگر خدا کی مشیّت یہی ہو تو اولاد کی اولاد کو ہمیشہ اس بات کے لئے تیار کرتا رہوں گا کہ وہ قادیان کے حصول کے لئے ہر چھوٹی اور بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار رہیں اے خدا! مجھے اس عہد پر قائم رہنے اور اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ ۔‘‘

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۸ء ۔ از دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ)

۱؎ الانعام :۱۶۳

۲؎ المؤمنون :۳

۳؎ النّٰزعٰت :۳،۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۴۹ء

(منعقدہ ۱۵ ۔۱۷؍اپریل ۱۹۴۹ء ۔ بعد نماز عشاء تا رات ۱۲ بجے بمقام ربوہ)

پہلا دن

دُعا

۱۵، ۱۶؍اپریل ۱۹۴۹ء کی درمیانی شب نماز عشاء تا رات ۱۲ بجے زنانہ جلسہ گاہ ربوہ میں مجلس مشاورت کا اجلاس منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کریم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے کی۔ اس کے بعد حضور نے اپنے کلماتِ طیبات سے اس اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے دُعا سے متعلق فرمایا:-

''آؤ ہم اپنے بجٹ پر غور کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں وہ ہمارے اندر حقیقی انقلاب پیدا کر دے۔

جلسہ کی کارروائی شروع کرنے سے پہلے جیسا کہ ہمارا طریق ہے میں دوستوں کے ساتھ مل کر دُعا کرنا چاہتا ہوں اور اُنہیں اِس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ یہ ایام دعاؤں کے اور بھی زیادہ حقدار ہیں اور اُن کا ہم سے تقاضا کرتے ہیں۔ بعض جماعتیں ایسی ہوتی ہیں جو روپے والی ہوتی ہیں۔ اگر اُن کے افراد اپنی طاقت سے بہت کم چندہ دیں تب بھی اُن کے پاس اِس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ ضرورت پر امراء خاص سے عطیہ لے کر اپنی حاجات کو پورا کر لیں لیکن ہماری جماعت غریبوں کی جماعت ہے۔ اکثر مخلصین اپنی حیثیت کے مطابق با قاعدہ چندہ دیتے ہیں اور جو مخلصین نہیں اُن سے کسی قسم کی اپیل یا خواہش ہونا صدا بصحراء ہوتا ہے۔ پس جو دینے والے ہیں وہ پیسے ہی دیتے ہیں اور جو دینے والے نہیں اُن سے زیادہ مانگو تو بھی اور کم مانگو تو بھی وہ نہ دیتے ہیں اور نہ اِس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اُن کی مثال

درحقیقت اُس روایتی کُتّے کی سی ہوتی ہے جس کا قرآن کریم میں اِن الفاظ میں ذکر آتا ہے کہ اگر اُس پر پتھر اٹھاؤ تب بھی وہ اپنی زبان نکال کر ہانپتا ہے اور اگر نہ اٹھاؤ تب بھی ہانپتا ہے[1] بہرحال وہ ایک مصیبت میں مبتلا رہتا ہے اِسی طرح ایسے لوگوں سے چندہ مانگو تو بھی اور نہ مانگو تو بھی وہ اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں اور کسی قسم کا تغیر پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

ہماری جماعت آجکل جس قسم کے مصائب میں سے گزر رہی ہے وہ دوسروں سے بالکل مختلف ہیں اُن میں مقابلہ کی طاقت ہوتی ہے کیونکہ اُن کے بجٹ کی بنیاد حقیقی بنیاد پر نہیں بلکہ آمد کے سینکڑویں حصہ پر ہوتی ہے لیکن ہمارا بجٹ آمد کے متعدبہ حصہ پر ہوتا ہے پس ہمیں اگر اپنا بجٹ بڑھانے کی ضرورت پیش آئے تو اس کے لئے بہت بڑے حوصلہ اور ایمان کی ضرورت ہوتی ہے اور ایمان کی زیادتی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہوتی ہے۔ ایک شخص جو ہزار دو ہزار روپیہ ماہوار کماتا ہے مگر چندہ صرف دو چار روپے دیتا ہے اُس سے اگر ہم دس بیس روپے لینا چاہیں تو صرف اُس کے قومی جذبات کو ابھار دینا کافی ہوگا اِس کے لئے یہ ضرورت نہیں ہوگی کہ اُس کے ایمان کو بڑھانے کی کوشش کی جائے لیکن جو شخص پہلے ہی دس پندرہ فیصدی چندہ ادا کر رہا ہے اُس سے اگر ہم اس سے بھی زیادہ چندے کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس کو پورا کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی صرف خدا ہی ہے جو انسان کو ایسی قربانیوں پر آمادہ کر سکتا ہے پس آؤ ہم اپنے بجٹ پر غور کرنے سے پہلے اپنے ربّ کے سامنے جھکیں اور اس سے دعا کریں کیونکہ دلوں کا مالک وہی ہے اور قلوب کی تبدیلی اس کے اختیار میں ہے۔ یوں بھی ہماری جماعت دنیا میں ایمان قائم کرنے کے لئے کھڑی ہوئی ہے اور ایمان ہی اُس کی حقیقی دولت ہے پس اِس وقت سب سے زیادہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ ہمارے اندر ایسا ایمان پیدا کرے جس سے ہماری کشتی بھنور میں سے نکل جائے اور سلامتی کے ساتھ کنارے پر پہنچ جائے۔"

افتتاحی تقریر

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’شوریٰ کی کارروائی شروع کرنے سے پہلے مَیں دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اِس سال کے مخصوص حالات کے ماتحت مجلس شوریٰ جلسہ سالانہ کے ایام میں ہی منعقد کی جا رہی ہے اِس وجہ سے شوریٰ کے لئے کافی وقت نہیں نکالا جا سکتا پھر اِس لئے بھی شوریٰ کی کارروائی کو مختصر کرنے کی ضرورت ہے کہ لمبا وقت صَرف کرنا کام کرنے والوں پر اتنا بوجھ ڈال دے گا کہ مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرنے اور اِسی طرح دوسرے کام سرانجام دینے کے لئے وہ وقت نہیں نکال سکیں گے اِس لئے اِس سال اِن ضرورتوں کے ماتحت مختصر سے مختصر وقت میں کارروائی ختم کردی جائے گی۔

قادیان کی حفاظت کیلئے رقم ریزرو رکھنے کی ضرورت

ہمارا بجٹ مدتوں سے بنتا چلا آ رہا ہے اور اِس لحاظ سے موجودہ سال کے بجٹ میں کوئی خصوصیت نہیں وہی چیزیں ہیں جو بار بار دُہرائی جاتی ہیں خصوصیت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب آمد بڑھ جائے اور نئے محکمے بنانے پڑیں مگر ایک عرصہ سے نئے محکمے نہیں بنائے جا رہے اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمیں اِس بات کی ضرورت ہے کہ ہم نئے محکمے بنائیں مگر اِس کا یہ موقع نہیں ابھی ضرورت ہے کہ ہم اُس بڑے صدمے سے آزاد ہونے کی کوشش کریں جو قادیان چھوڑنے کی وجہ سے ہمیں پہنچا ہے قادیان چھوڑنے کی وجہ سے سلسلہ کی بہت سے جائیدادیں ضائع ہوگئیں اِسی طرح لاکھوں لاکھ روپیہ جو رہن شدہ مکانوں پر لگا ہوا تھا وہ بھی ختم ہو گیا پھر کام چلانے کے لئے جن مکانات کی ضرورت تھی وہ بھی نہ رہے اب ربوہ میں ہم نے پھر اپنی ترقی کے لئے ایک متحدہ کوشش کرنی ہے اور سلسلہ کے لئے عمارتیں وغیرہ بنانی ہیں جن پر دس بارہ لاکھ روپیہ صَرف ہو جائے گا پھر قادیان کی حفاظت کا کام بھی مستقل طور پر جاری ہے اور اس کے متعلق ہم اپنی جدوجہد اور کوششوں کو ڈھیلا نہیں کر سکتے۔ مَیں نے گزشتہ ایام میں ایک خطبہ اِس موضوع پر دیا ہے اور مَیں نے نظارت بیت المال کو توجہ دلائی تھی کہ اسے چھاپ کر تمام جماعتوں میں بھجوا دیا جائے مگر غالباً ابھی تک اسے علیحدہ شائع نہیں کیا گیا یہ اِس قسم کا جذباتی سوال ہے کہ میرے نزدیک بعض حقیقی ضرورتوں سے بھی اِسے مقدم سمجھنا چاہیئے۔

جب قادیان کی حفاظت کا سوال پیدا ہوا تو اُس وقت میں نے دوستوں سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنی جائیدادوں کی قیمت کا ایک فیصدی یا ایک مہینہ کی آمد اِس غرض کے لئے دے دیں میرے اس مطالبہ پر ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ کے وعدے آ گئے حالانکہ ابھی کئی جماعتیں ایسی تھیں جنہوں نے کوئی وعدہ نہیں بھجوایا تھا اِس ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ میں سے سات لاکھ کے قریب وصولی ہوگئی جو قریباً سب کا سب خرچ ہو چکا ہے اب صرف آٹھ نو ہزار روپیہ اِس مد میں باقی ہے لیکن اِس کام پر جیسا کہ میں نے خطبہ میں بھی بیان کیا ہے پندرہ سولہ ہزار روپیہ ماہوار خرچ آ رہا ہے اگر ہم یہ روپیہ خرچ نہ کریں تو قادیان کی حفاظت کسی صورت میں بھی نہیں کر سکتے۔ اگر وہ لوگ جنہوں نے ابھی تک چندے ادا نہیں کئے ادا کر دیں تو ایک دو سال تک ہمارا گزارہ ہو جائے گا اور کسی نئی تحریک کی ضرورت پیدا نہیں ہوگی اوّل تو ایک دو سال تک اِس قسم کی سہولتیں انشاء اللہ پیدا ہو جائیں گی کہ ہمارا خرچ کم ہو جائے گا اور اُتنا نہیں رہے گا جتنا اِس وقت ہے دوسرے ہندوستان کی جماعتوں کی جو تنظیم ہم کر رہے ہیں اُس کے نتیجہ میں بھی وہاں کی جماعتیں بہت سا بوجھ اُٹھا لیں گی مگر جب تک وہ وقت نہ آئے ایک بھاری رقم اِس غرض کے لئے ہمیں ریزرو رکھنی چاہیئے۔ میں نے گزشتہ ایام میں نظارت بیت المال کو توجہ دلائی تھی کہ وہ مختلف اضلاع کی لسٹیں تیار کر کے میرے سامنے پیش کرے تاکہ پتہ لگے کہ کون کون سی جماعتیں ایسی ہیں جنہوں نے حفاظتِ مرکز کا چندہ نہیں دیا یا بہت ہی کم دیا ہے۔ اُن لسٹوں کو دیکھنے پر میرے لئے یہ بات نہایت حیرت انگیز بلکہ آنکھیں کھولنے والی ثابت ہوئی کہ بعض اضلاع کی جماعتیں ایسی ہیں جنہوں نے اُس خطرناک مصیبت اور تباہی کی گھڑیوں میں بھی جبکہ چھپن لاکھ آدمی مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب اور مغربی پنجاب سے مشرقی پنجاب گیا۔ جبکہ ایک لاکھ سے زیادہ احمدی اپنی جائیدادیں چھوڑ کر آ گیا جب کہ قادیان کے محلوں میں خون بہہ رہا تھا اور جبکہ ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں اگر کوئی احمدی جاتا تو اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا جاتا اِس خطرناک مصیبت اور تباہی کے وقت میں بھی صرف دس فیصدی وعدہ پورا کیا ہے نوّے فیصدی بقایا ابھی اُن کے ذمہ ہے۔ مَیں اپنی اُس محبت اور چشم پوشی کو جو باپ کو اپنے بیٹے کے متعلق ہوتی

ہے کتنا بھی پھیلا کر دیکھوں مجھے وہ لوگ احمدی نظر نہیں آتے اور مجھے کوئی صورت ایسی نظر نہیں آتی جس کی بناء پر میں اُنہیں سچا مسلمان قرار دے سکوں۔ اِن میں سے ایک ضلع ملتان ہے جس کی طرف سے ۳۶ ہزار روپیہ میں سے صرف چھ ہزار روپیہ وصول ہوا ہے حالانکہ ملتان کے ضلع کی آبادی غریب نہیں۔ یا تو وہ تاجر ہیں اور یا اس قسم کا کاروبار کرتے ہیں کہ اگر اُن کے اندر ایک ذرّہ بھی قوم کی خدمت کا احساس ہوتا اگر اُن کے اندر ایک ذرّہ بھر بھی جماعت کی محبت کا مادہ ہوتا بلکہ مَیں کہتا ہوں اگر احمدیت کے مرکز کی حفاظت کا اُنہیں اتنا بھی درد ہوتا جتنا چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتا ہے تو وہ اتنا بُرا نمونہ نہ دکھاتے کہ ۳۶ ہزار کے وعدے میں سے صرف چھ ہزار روپیہ ادا کرتے۔ اِس قسم کے نمونے بعض اور جماعتوں نے بھی دکھائے ہیں حالانکہ جب وعدے لئے گئے تھے اُس وقت لوگ اس طرح نعرے مار مار کر وعدے کرتے تھے کہ اُنہیں روکنا پڑتا تھا بہرحال بعض لوگوں نے تو اپنے وعدے پورے کر دیئے مگر بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے ابھی تک اپنے وعدے پورے نہیں کئے وہ اب یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم مشرقی پنجاب سے لُٹ لُٹا کر اس طرف آ گئے ہیں اب ہم اپنے وعدے کو کس طرح پورا کریں حالانکہ اِس وعدہ کی میعاد صرف چھ ماہ یا سال تھی جب ۱۹۴۷ء میں ہم مغربی پنجاب میں آئے تو اُس وقت تک وعدہ کی میعاد میں سے ایک بڑا وقت گزر چکا تھا۔ پھر اِن وعدہ کرنے والوں میں کئی ایسے تھے جو پاکستان کے رہنے والے تھے اُن کی جائیدادیں نہ صرف کُلّی طور پر محفوظ رہی ہیں .... قادیان کی عزت اور احترام اور سلسلہ کی عزت اور احترام کے لئے انہوں نے اپنی جائیداوں کی قیمت کا ایک فیصدی دینے کا وعدہ کیا مگر اِس وعدہ کو بھی انہوں نے اب تک پورا نہیں کیا۔ منہ سے کہتے جانا کہ ہماری جان اور مال حاضر ہے اور عمل ایسا ناقص پیش کرنا ہرگز کسی سچے مومن کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ بھلا اُس جان اور مال کو لے کر کسی نے کرنا کیا ہے جس کی ایک کوڑی بھی قیمت نہ ہو اور جس کے ساتھ صرف زبانی دعویٰ ہی شامل ہو۔ پس سب سے پہلے تو کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیئے جس سے اِس قسم کے نادہندوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کریں مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس میں کچھ کارکنوں کا اور کچھ ضلع کی انجمنوں کا بھی

قصور ہے۔ زمینداروں میں چونکہ تعلیم کم ہوتی ہے اِس لئے وہ پورے طور پر مطالبہ کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے اِس وقت تک میرے پاس منٹگمری۔ لائلپور اور بعض دیگر اضلاع کے متعلق یہ رپورٹیں پہنچ چکی ہیں کہ انہوں نے ابھی تک اپنے وعدوں کو پورا نہیں کیا اور یہ بہت بڑے افسوس کا مقام ہے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اس غفلت کو دور کریں اور اپنے وعدوں کو جلد تر پورا کرنے کی کوشش کریں۔

مَیں نظارت بیت المال کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں کہ گو بجٹ میں انہوں نے گنجائش نہیں رکھی مگر میرے نزدیک مرکز کے وعدوں میں سے چھ لاکھ روپیہ کی جو رقم باقی ہے اُس میں سے کم سے کم تین لاکھ روپیہ کی رقم ایسی ہے جو اِس سال ضرور وصول ہو جانی چاہیئے اور اِس کی بجٹ میں گنجائش رکھنی چاہیئے۔ اگر کوئی احمدی ایسا ہے جو ایسے خطرہ کے وقت میں بھی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اپنی جائیداد کی قیمت کا ایک فیصدی یا اپنی ایک ماہ کی آمد ادا کرنے کے لئے تیار نہیں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ایسے شخص کو فوراً الگ کر دینا چاہیئے۔ شہری جماعتوں کی حالت بہت زیادہ افسوسناک ہے اور وہ اس لحاظ سے سخت غفلت کا ارتکاب کر رہی ہیں مَیں جب سے قادیان سے لاہور آ گیا ہوں تو تین ماہ کے بعد رپورٹیں طلب کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ لاہور کی جماعت نے حفاظت مرکز کے لئے پچاس ہزار کا وعدہ کیا تھا جس میں سے صرف پانچ ہزار روپیہ وصول ہوا ہے مگر یہ جماعت اِس اطمینان کے ساتھ بیٹھی تھی کہ گویا قادیان تو گیا۔ اب اِس چندے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اب بھی مَیں سمجھتا ہوں کہ ہزاروں کی رقم لاہور والوں کی طرف باقی ہوگی۔ یہی حال بعض دوسرے شہروں اور زمیندار جماعتوں کا ہے مگر یہ کسی صورت میں بھی قوم کی زندگی کی علامت نہیں بلکہ اُس کے مُردہ ہونے کی علامت ہے اور اگر جسم کا کوئی حصہ مرجائے تو تمام ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس حصہ کو کاٹ دینا چاہیئے ورنہ باقی حصہ بھی مردار ہو جائے گا اور انسانی جان ضائع چلی جائے گی پس ایک تو مَیں ناظر صاحب بیت المال سے کہوں گا کہ وہ تین لاکھ روپیہ کی رقم اس مد میں بڑھا دیں اوّل تو اُنہیں چھ لاکھ روپیہ پورے کا پورا وصول کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جس کی مدت گزرے بھی دو سال ہو چکے ہیں لیکن اگر وہ چھ لاکھ روپیہ

وصول نہ کر سکتے ہوں تو کم از کم تین لاکھ روپیہ تو اُنہیں ضرور وصول کرنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ کام نوجوانوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور ہمارے تجربہ کار بوڑھے اپنی کمزوری اور ضُعف کی وجہ سے میدان چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں کام آ گیا ہے جو ناتجربہ کار ہیں نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کام اُس رفتار سے نہیں ہو رہا جس رفتار سے ہونا چاہیئے۔

ربوہ میں عمارتوں کی تعمیر کیلئے رقم ریزرو رکھنے کی ضرورت

دوسرے مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمیں کچھ نہ کچھ رقم اور بھی رکھنی چاہیئے جو ربوہ میں عمارتوں کی تعمیر کے سلسلہ میں ہمارے کام آئے۔ ان عمارتوں پر جو مرکزی دفاتر اور سلسلہ کے اداروں سے تعلق رکھتی ہیں دس بارہ لاکھ روپیہ صَرف ہوگا اور اس کے لئے کسی زائد چندہ کی اپیل نہیں کی گئی اِس لئے ضروری ہے کہ ہم اِس مقصد کے لئے بھی کچھ روپیہ رکھیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہماری جماعت کے مالی حالات یقیناً اس قسم کے ہیں کہ وہ آسانی سے اِس بوجھ کو اٹھا سکتی ہیں۔

حفاظت مرکز کے لئے جب ہم نے چندہ کی تحریک کی تو باوجود اِس کے کہ جائداد کی قیمت کے صَرف ایک فیصدی پر یا ایک ماہ کی آمد پر اِن وعدوں کی بنیاد رکھی گئی تھی پھر بھی ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ کے وعدے آ گئے۔ اگر یہ تمام وعدے ایک ماہ کی آمد کے لحاظ سے ہی شمار کئے جائیں تب بھی ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ جماعت کی سالانہ آمد کا بارہواں حصہ بنتا ہے مگر اِس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی تحریک کی ہوئی ہے کہ جماعت کا کوئی فرد ایسا نہ رہے جو موصی نہ ہو اور وصیت کا کم از کم معیار آمد کا دسواں حصہ ماہوار دینا ہے اس کے علاوہ میری طرف سے یہ بھی تحریک ہے کہ دوستوں کو ساڑھے سولہ سے تینتیس فیصدی تک اپنے چندوں کو بڑھانا چاہیئے اور سینکڑوں لوگ ایسے ہیں جو اِس تحریک کے ماتحت چندے ادا کر رہے ہیں۔ کوئی ساڑھے سولہ فیصدی دے رہا ہے کوئی ۲۵ فیصدی دے رہا ہے۔ کوئی ۳۳ فیصدی دے رہا ہے اور کوئی پچاس فیصدی دے رہا ہے۔ اِن تمام تحریکات کو مدنظر رکھتے ہوئے ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ کو اگر جماعت کی سالانہ آمد کا آٹھواں حصہ فرض کر لیا جائے تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ ہماری جماعت کی طرف سے ماہوار چندہ ایک لاکھ ستّر ہزار روپیہ

سے کم نہیں آنا چاہئیے۔ دوسرے الفاظ میں اِس کے معنے یہ ہیں کہ بیس لاکھ چالیس ہزار روپیہ ہمارا سالانہ چندہ ہونا چاہئیے مگر ہمارا حصہ آمد اور چندہ عام اِس وقت صرف سات لاکھ ۴۵ ہزار ۸۴۷ روپیہ ہے گویا جماعت کے افراد نے جو خود آمدنیں لکھوائی تھیں وہ نہیں جو ہماری طرف سے تجویز ہوئی ہوں۔ اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ہمارے چندہ عام میں تیرہ لاکھ روپیہ کی کمی ہے۔ حالانکہ میرے نزدیک صحیح طور پر جماعت کی آمدن کا اندازہ لگایا جائے تو بیس لاکھ روپیہ سالانہ جمع ہونا چاہئیے اور اگر وصیت پر زور دیا جائے اور پھر اِس بات کو بھی دیکھا جائے کہ کئی ہیں جو تینتیس فیصدی کے حساب سے چندہ ادا کر رہے ہیں بلکہ بعض ایسے ہیں جو پچاس فیصدی کے حساب سے بھی چندہ دے رہے ہیں یہ اوسط بھی درحقیقت بہت کم رہ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بارہا بیان کیا ہے جماعت کی آمد کا یہ اندازہ یقیناً غلط تھا مجھے یقینی طور پر ایسے لوگ معلوم ہیں جو اپنی بیان کردہ آمد سے پانچ پانچ چھ چھ سات سات گُنے زیادہ آمد رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے ہماری آمد بہت زیادہ ہونی چاہئیے لیکن اگر جماعت کی اپنی بیان کردہ آمد ہی لے لی جائے تب بھی بیس لاکھ چالیس ہزار روپیہ ایسا ہے جو ہر حالت میں ہمارے پاس آنا چاہئیے مگر اب ہمارے بجٹ کی بنیاد صرف ساڑھے سات لاکھ روپیہ کی آمد پر ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اگر صحیح طور پر کام کیا جائے تو تیرہ لاکھ روپیہ ہم اور ضروریات پر خرچ کر سکتے ہیں اگر اس قدر روپیہ اکٹھا نہ ہو سکے تب بھی تین چار لاکھ روپیہ سالانہ ایسا ضرور نکل سکتا ہے جسے سلسلہ کی عمارتوں پر ہم خرچ کر سکتے ہیں اگر اس طرح دو تین سال تک کوشش کی جائے تو ربوہ کی تعمیر کا کام خدا تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہو سکتا ہے لیکن سردست ہمیں کم سے کم ایک لاکھ روپیہ کا اضافہ تعمیر ربوہ کے لئے ضرور کرنا چاہئیے اور تین لاکھ روپیہ اُن وعدوں کے سلسلہ میں اکٹھا کرنا چاہئیے جو مئی ۱۹۴۷ء کے شروع میں کئے گئے تھے اوّل تو کوشش کرنی چاہئیے کہ پورا چھ لاکھ روپیہ وصول ہو جائے لیکن اگر چھ لاکھ روپیہ وصول نہ ہو سکے تو کم سے کم تین لاکھ روپیہ کی وصولی اس سال ضرور ہو جانی چاہئیے۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر ہماری جماعت کے افراد خصوصاً زمیندار دوست توجہ کریں تو وہ آسانی سے ان وعدوں کو پورا کر سکتے ہیں آخر یہ واضح بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں زمینداروں کی آمدنیاں پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہیں پہلے

ڈیڑھ ڈیڑھ اور سَوا سَوا روپیہ من گندم بِکا کرتی تھی لیکن اس جلسہ کے موقع پر جو گندم ہمیں ملی اور جس کا کچھ حصہ احمدیوں سے اور کچھ غیر احمدیوں سے خریدا گیا وہ سولہ روپیہ من کے حساب سے ملی ہے یعنی جو گندم آجکل ہم سلسلہ کے لئے استعمال کر رہے ہیں وہ سولہ روپے من کے حساب سے ہم نے خرید کی ہے جبکہ گندم کا کچھ حصہ مخلصین نے مفت بھی مہیا کیا ہے یا بہت معمولی قیمت پر دیا ہے ورنہ ممکن تھا کہ سترہ اٹھارہ روپیہ من اِس کی قیمت جا پڑتی اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زمینداروں کی آمد پہلے سے بارہ گُنا بڑھ گئی ہے۔ یہی حال کپاس کا ہے کپاس پانچ پانچ، چھ چھ روپے پر بِکا کرتی تھی مگر اب اُس کی قیمت پچیس پچیس اور چھبیس چھبیس روپے ہے گویا پانچ گنا قیمت بڑھ گئی ہے۔ اسی طرح گُڑ دو روپیہ من فروخت ہوا کرتا تھا مگر اب چالیس چالیس روپیہ من بِک رہا ہے جب جماعت کے دوستوں نے اِن ذرائع سے اپنی آمدنیوں کو بڑھایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے سے زیادہ رزق عطا فرمایا ہے تو یہ کتنی قابل افسوس بات ہے کہ وہ اب تک حفاظت مرکز کے وعدوں کو پورا نہیں کر سکے حالانکہ ان وعدوں پر دو سال کا عرصہ گزر رہا ہے پس مَیں ہدایت کرتا ہوں کہ اس بجٹ میں دو زیادتیاں کی جائیں۔

اوّل تین لاکھ روپیہ حفاظت مرکز کے سلسلہ میں جماعت سے وصول کیا جائے اور یہ کم سے کم چندہ ہے جس کی وصولی کی بیت المال سے امید کی جاتی ہے ورنہ اگر صحیح طریق پر کام کرے تو پورا چھ لاکھ روپیہ اسے وصول کرنا چاہیئے۔

دوسرے کم سے کم ایک لاکھ روپیہ تعمیر ربوہ کی غرض سے چندہ کی آمد میں بڑھایا جائے اور یہ بھی کم سے کم روپیہ ہے ورنہ بیت المال اگر صحیح طور پر کام کرے تو موجودہ چندہ سے دوگنا چندہ لیا جا سکتا ہے اور سات آٹھ لاکھ روپیہ کی بچت ہو سکتی ہے۔

تیسری تجویز میری یہ ہے کہ ہمیں ایک لاکھ روپیہ ریزرو فنڈ میں بھی بڑھانا چاہیئے اِس طرح عام آمدن میں دو لاکھ کی زیادتی ہوگی اور حفاظت مرکز کے لئے تین لاکھ کی وصولی ہوگی اِس سے بجٹ پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔

اگر کمزور ایمان والوں اور منافقوں نے چندہ نہ دیا تو بہر حال حفاظت مرکز کا کام اُن کاموں میں سے ہے جنہیں کسی صورت میں بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اگر ہمیں اپنے مدرسے

بند کرنے پڑے تو ہم بے شک بند کر دیں گے لیکن قادیان کا کام ایسا ہے جسے ہم کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ اِس کام کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ نادہندوں سے چندہ وصول کیا جائے اور اگر انہوں نے اپنے وعدے پورے نہ کئے تو مجبوراً ہمیں نئی تحریک کرنی پڑے گی اور دوبارہ مخلصین سے وعدے لینے پڑیں گے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر نئی تحریک میں ماہوار آمد کا صرف ۱/۴ حصہ لیا جائے یا زمینداروں سے اُن کی جائیداد کے ایک فیصدی حصہ کی چوتھائی قیمت لی جائے تو یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے پاس مربّع زمین ہے اور اُس کی قیمت ۲۵ ہزار روپیہ ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ایک فیصدی کے لحاظ سے ۲۵۰ روپے اور اِس کے چوتھے حصے کے لحاظ سے صرف ساڑھے باسٹھ روپے اُسے ادا کرنے پڑیں گے اور یہ کوئی ایسا بوجھ نہیں جو برداشت کرنا مشکل ہو۔ لیکن جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں اگر آپ لوگ اپنے ساتھیوں پر زور دیں گے تو گزشتہ چھ لاکھ روپیہ وصول ہو جائے گا۔ اگر یہ چھ لاکھ روپیہ وصول ہو جائے تو دو سال تک ہمیں اِس غرض کے لئے کسی مزید چندے کی ضرورت نہیں رہتی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ اوّل تو ہمیں کسی نئی تحریک کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اگر ضرورت ہوئی تو اُس وقت خرچ اتنا کم ہو جائے گا کہ جماعت پر اُس تحریک کا کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔

اِس دفعہ بجٹ پر غور کرنے کے لئے کوئی سب کمیٹی مقرر نہیں کی جائے گی بلکہ بجٹ دوستوں کو سنا دیا جائے گا کیونکہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ کوئی خاص بجٹ نہیں عام بجٹ ہے جس پر ہم ہر سال غور کرتے چلے آئے ہیں۔‘‘

بجٹ کے متعلق تقریر

حضور کی افتتاحی تقریر کے بعد محترم ناظر صاحب بیت المال آمد نے بجٹ کی بابت مختصر تقریر کی جس کے بعد حضور انور کے ارشاد پر بعض ممبران نے اپنی آراء پیش کیں۔ اس کے بعد حضور نے بجٹ کے متعلق خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

چندہ جات میں دیانت داری کی تلقین

’’بعض باتیں تو ایسی ہیں جو ریزولیشن کی صورت میں احباب کے سامنے پیش کر کے

اُن کی رائے لی جائے گی۔ مثلاً اختر صاحب کی تجویز ہے کہ آئندہ کے لئے مجلس مشاورت کی نمائندگی کے لئے موصی ہونے کی شرط لگا دی جائے۔ لیکن بعض تجاویز ایسی ہیں جن کے متعلق احباب کی رائے لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ احباب کی طرف سے اظہار ہو گیا ہے اور متعلقہ دفاتر اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اختر صاحب نے میرے سامنے ایک مُعمہ پیش کیا ہے جو انہوں نے بعد میں حل بھی کر دیا۔ اور پھر مجھ سے اس بارہ میں امداد بھی چاہی ہے۔ وہ مُعمہ یہ ہے کہ بعض تاجر ایسے ہیں کہ جن کی آمد زیادہ ہے اور چندے بہت کم ہیں۔ چندے دیتے ہوئے وہ اپنی آمد کم لکھواتے ہیں۔ انہیں ہر قسم کی تحریک کی گئی ہے لیکن ایسا کوئی ذریعہ نہیں نکل سکا جس سے یہ مُعمہ حل ہو سکے۔ اختر صاحب نے مجھ سے استمداد چاہی ہے۔ اور دریافت کیا ہے کہ آپ کوئی تجویز بتائیں۔ لیکن بعد میں وہ خود ہی کہہ گئے ہیں کہ اُن کے کھانے پینے کے اخراجات ہم سے زیادہ ہیں۔ گویا اختر صاحب نے خود ہی اس مُعمہ کو حل بھی کر دیا ہے۔ اب وہ خود ہی معلوم کر لیں کہ اُن کا گھی کتنے کا آتا ہے، آٹا کتنے کا آتا ہے اور پھر اندازہ لگائیں کہ اُن کی آمد کتنی ہے۔ اور اگر یہ صورت بھی ناکام رہے تو پھر مَیں دوستوں کو ایک واقعہ سُنا دیتا ہوں بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ پکڑے نہیں جاتے۔ کوئی بزرگ تھے لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ بزرگ سیدھے سادے ہیں۔ ایک شخص ان کے پاس گیا اور اُن سے کہا آپ کی جو زمین ہے اُسے کاشت کروایا جائے اور جو آمد آئے وہ ہم دونوں میں تقسیم ہو جایا کرے۔ اُس بزرگ نے کہا بہت اچھا اُس بزرگ نے کہا میں تیار ہوں لیکن پہلے یہ فیصلہ ہو جائے کہ اس آمد کو کس طرح تقسیم کیا جائے تا اختلاف کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ اُس شخص نے کہا فصل کا وزن کرنا تو بہت مشکل ہوتا ہے۔ (اُس کا خیال تھا کہ اُس بزرگ سے مفت میں کام لے لے) میری تجویز ہے کہ جو فصل ہم بوئیں وہی تقسیم ہو جائے۔ چنانچہ اُس شخص نے تجویز پیش کی کہ جو فصل بھی ہم بوئیں اُس کا اوپر کا نصف میرا اور نیچے کا نصف آپ کا ہو۔ اُس کا خیال تھا کہ ہم گندم بوئیں گے اور اس طرح غلہ میرا ہوگا اور بُھوسہ اس بزرگ کو ملے گا۔ وہ بزرگ سیدھے سادے نہیں تھے بلکہ عقلمند بھی تھے انہوں نے گاجریں اور مولیاں بُو دیں اور پتے اُس شخص کے حوالے کر دیئے اور گاجریں اور مولیاں خود رکھ لیں۔ اُس شخص نے سمجھا کہ اس دفعہ مجھ سے دھوکا ہو گیا

اگلی دفعہ سہی۔ چنانچہ اُس نے بزرگ سے کہا ایک دفعہ اور فصل بوئیں اور دونوں شراکت کریں۔ اس دفعہ آپ اوپر کا حصہ لیں اور میں نیچے والا حصہ لوں گا۔ اُس بزرگ نے اب کے گندم بودی اور غلہ آپ رکھ لیا اور نیچے کا حصہ یعنی بھوسہ اُس شخص کے حوالہ کر دیا۔ اُس شخص نے خیال کیا کہ یہ بزرگ اب بھی قابو نہیں آیا چلو ایک دفعہ اور شراکت کریں اور کوئی فصل بوئیں اُس بوڑھے نے کہا بہت اچھا اُس شخص نے کہا اس دفعہ نیچے اور اوپر کا حصہ میں لوں گا اور آپ کو بیچ کا حصہ دوں گا۔ اُس بزرگ نے اس دفعہ مکئی بودی اور نیچے اور اوپر کا حصہ اُس شخص کے حوالے کر دیا اور خود درمیان کا حصہ لے لیا۔ غرض یہ لوگ تو وہ بزرگ ہیں ان تِلوں میں تیل ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ خود ہی ان کے دلوں میں ایمان پیدا کرے اور وہ سچی سچی بات کریں تو اُن کی اصلاح ہو سکتی ہے ورنہ ان کی اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔

ایک دوست نے تجویز پیش کی ہے کہ گورنمنٹ نے آمد پر ٹیکس مقرر کیا ہے اُس ٹیکس کے حساب سے چندہ لیا جائے۔ لیکن ایسے لوگ ٹیکس بھی تو نہیں دیتے وہ جب دیکھتے ہیں کہ کوئی آدمی قابو میں نہیں آتا اور وہ اُن سے رسید مانگتا ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں حساب نہیں آتا ہم نہ رسید لیتے ہیں اور نہ رسید دیتے ہیں۔ اور اگر سمجھ لیا کہ وہ گاہک پھر بھی قابو میں نہیں آتا تو اُسے کچھ روپے بھی دے دیئے اور کہہ دیا کہ آدھا تم لے لو اور آدھا میں لے لیتا ہوں۔ نہ تم رسید مانگو اور نہ میں رسید دیتا ہوں۔ یہی اب تک ہو رہا ہے اور کروڑوں کروڑ کے حساب سے حکومت کو سینکڑواں حصہ بھی وصول نہیں ہو رہا۔ یہ ایک سیدھی سادی بات ہے کہ اس وقت سات کروڑ پاکستانی ہیں اگر اُن کی ضروریاتِ زندگی دس روپیہ ماہوار کی ہی سمجھ لی جائیں تو پاکستان میں ستّر کروڑ روپے کا سودا بِک جاتا ہے اور ستّر کروڑ کے اوپر دو پیسہ فی روپیہ کے حساب سے ۳۵ کروڑ آنہ ٹیکس وصول ہونا چاہیئے یا دو کروڑ اٹھارہ لاکھ پچھتّر ہزار روپے وصول ہوتے ہیں۔ بعض صورتوں میں اگر منہائی بھی کر دی جائے تب بھی ایک کروڑ اور کچھ لاکھ روپیہ وصول ہو سکتا ہے۔ لیکن پچھلے سال تو حکومت بھی گھبرا گئی تھی۔ اس لئے کہ اُسے صوبوں کا حصہ جو آنا تھا۔ وہ بھی نہ آیا۔ غرض اس چیز کا ایمان کے ساتھ تعلق ہے اگر کسی شخص نے چندہ دینا ہو تو وہ دیتا ہے۔ ورنہ وہ ہزاروں قسم کے بہانے بنا لیتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دس دس روپے ماہوار آمدنی والے لوگ چندہ دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اپنے

گھر کے دونوں وقت کے اخراجات برداشت کرنا بھی مشکل ہوتے ہیں۔ لیکن سَو سَو روپے ماہوار والے چندے نہیں دیتے۔ پھر دس دس روپے ماہوار والے لوگ اخلاص اور قربانی کی وجہ سے اپنی آمد کے دسویں حصہ کی وصیت کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چلو خدا تعالیٰ کا گھر پورا ہو۔ اپنے اخراجات خواہ پورے ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن وہ شخص جو دو دو، اڑھائی اڑھائی ہزار روپیہ ماہوار لیتا ہے وہ وصیت نہیں کرتا۔ اور کہہ دیتا ہے کہ میرے اخراجات بہت زیادہ ہیں اس لئے میں اتنا چندہ نہیں دے سکتا۔ عام طور پر تاجر لوگ ایسا کرتے ہیں۔ تاجر قربانی میں عموماً بہت پیچھے ہیں۔ مَیں نے بعض بجٹ دیکھے ہیں اور پھر اردگرد کے حالات بھی دیکھے ہیں۔ بعض تاجروں کی بکری اور نفع کا اندازہ سات آٹھ سو ماہوار یا ہزار روپیہ ماہوار ہوتا ہے لیکن بجٹ میں اُن کی ماہوار آمد ایک سَو، دوسَو یا تین سَو لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی طرف سے نہایت دیانتداری کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی اتنی تنخواہ مقرر کی ہوئی ہے۔ آمدنی تو ایک ہزار ماہوار کی ہوتی ہے۔ مگر جو تنخواہ انہوں نے مقرر کی ہوئی ہوتی ہے وہ دوسَو روپے ماہوار ہوتی ہے۔ جس میں سے چندہ دیا جاتا ہے۔ اس تنخواہ کے علاوہ وہ گھریلو اخراجات کے لئے دوسری آمدن میں سے خواہ کتنا غبن کرلیں وہ شمار میں نہیں آئے گا۔ اس تنخواہ کے علاوہ وہ دُکان سے جو روپیہ لے کر گھریلو اخراجات کو پورا کرنے کے لئے خرچ کریں گے وہ صریح غبن ہوگا۔ غرض جب چندہ کا سوال آتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ میری آمد ایک سَو ہے۔ لیکن جب گھر کے اخراجات کو دیکھا جائے تو خرچ پانچ سات سَو سے کم نہیں ہوتا۔ مجھے اس بات پر تعجب ہوا کہ ایک جگہ سے دو بھائی ایک ہی قسم کی تجارت کرتے تھے۔ اُن میں سے ایک کا چندہ سَو روپیہ تھا لیکن دوسرا بھائی جو اُسی قسم کی تجارت کرنے والا تھا وہ آٹھ سَو ماہوار دیتا تھا۔ یہ کہنا کہ ملازمت والا شخص ایسا نہیں کرسکتا یہ بھی درست نہیں۔ میں نے کوئٹہ، راولپنڈی اور لاہور کے جماعت کے بجٹ دیکھے ہیں اور مجھے تعجب ہوتا ہے کہ نہایت ہی مخلص کارکنوں کی طرف سے بارہ چودہ مہینہ میں ایک پیسہ بھی وصول نہیں ہوا۔

چندہ بڑھانے کی تجاویز

اختر صاحب نے ایک تجویز یہ بھی پیش کی ہے کہ جن لوگوں کو ربوہ میں زمین سستے نرخ پر یعنی ایک سَو روپیہ فی کنال

کے حساب سے مل گئی ہے وہ خوشی سے اور شکرانہ کے طور پر پندرہ پندرہ بیس بیس روپے فی کنال بطور چندہ پیش کریں۔ یہ کوئی تجویز نہیں۔ یہ ایک تحریک ہے اور اسے اختر صاحب لازمی نہیں کرتے۔ درحقیقت ایسے نرخ پر زمین کا اکثر حصہ ایسے لوگوں کے پاس گیا ہے جن کے قادیان میں مکانات تھے اور وہ اس بات کے مستحق تھے کہ اُن سے کچھ بھی نہ لیا جاتا۔ لیکن ہم نے اُن سے ایک سَو روپیہ کنال کے حساب سے قیمت وصول کرلیں۔ اور کہہ دیا کہ چلو محتاجوں کو زمین مفت دیدی جائے گی اور ان سے ہم کچھ نہ کچھ وصول کرلیں۔

پھر یہ بھی صرف ایک تحریک ہے کہ جب تک قادیان ہمیں واپس نہیں ملتا ہم سال میں ایک ماہ کی آمد کے ۱/۴ حصہ بطور چندہ دے دیا کریں۔ جس دوست کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو وہ بے شک دے اور ثواب حاصل کرے۔

ایک تجویز یہ ہے کہ دیہاتی جماعتوں کے اندر رقابت پیدا کی جائے۔ اصل رقابت تو وہ ہے جو خداتعالیٰ کی طرف سے پیدا ہو۔ دراصل ہمیں اپنے نظام کو مظبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جماعت کے اندر ایمان پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جب ایک کَل ٹھیک ہو جائے گی تو باقی چیزیں خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی۔ پس تم ایمان پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ جب ایمان پیدا ہو جائے گا تو آمد آپ ہی آپ بڑھ جائے گی۔ جب تک ایمان نہ ہو انسان قربانی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص سلسلہ کی موجودہ مشکلات کو دیکھتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے بھی چندہ دینے میں سستی سے کام لیتا ہے تو وہ غافل اور بے ایمان ہے۔

لائلپور کے ایک تاجر دوست نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ سیل ٹیکس کا حساب کرکے تاجروں کی اصل آمد کا پتہ لیا جائے اور پھر اُس حساب سے چندہ لیا جائے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر ایسا کیا گیا تو پھر کہیں چندہ صفر نہ رہ جائے۔ تاجر لوگ گورنمنٹ کو سیل ٹیکس بھی تو نہیں دیتے۔ ہم نے جب ربوہ کے لئے سامان خریدا تو اُس پر ۳۲۰ روپے سیل ٹیکس لگا۔ دکاندار نے کہا اگر آپ رسید نہ لیں تو سیل ٹیکس بھی نہیں لگے گا۔ مَیں نے کہا ہم دھوکا بازی نہیں کریں گے۔ ہم تو ضرور رسید لیں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اُس دُکاندار پر رحم خسروانہ کرکے کہ کسی ہمارے نمائندے نے اُس سے رسید لی یا نہیں لی۔ بہرحال میری طرف سے یہی

ہدایت تھی کہ اُس دکاندار سے ضرور رسید لی جائے۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ اگر چندہ کے بارہ میں بھی سیل ٹیکس والا معاملہ کیا گیا تو یہ چندہ جو آ رہا ہے یہ بھی کہیں بند نہ ہو جائے۔ مَیں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ یہ بھی بددیانتی ہے اور انہیں اس قسم کی بددیانتی سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اگر ٹیکس ادا نہ کئے جائیں تو پھر حکومت چلے گی کس طرح؟ جو شخص ٹیکس ادا نہیں کرتا وہ گویا اپنے بیوی بچوں کو قتل کرتا ہے۔ کیونکہ حکومت کے پاس روپیہ نہیں ہوگا تو وہ فوج نہیں رکھ سکے گی اور اس کے نتیجہ میں ملک کا امن خراب ہوگا۔ اسی طرح دوسری حکومتوں کو دلیری ہوگی اور وہ اس پر حملہ کر کے اُسے اپنے قبضہ میں لے لیں گی۔ آپ لوگ خود ہی دیکھ لیں پاکستان کے مقابلہ میں افغانستان کی حیثیت ہی کیا ہے کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ لیکن جب وہ اس قسم کی باتوں کو دیکھتا ہے تو پاکستان کے خلاف کئی قسم کی رذیل حرکات کرنے لگ جاتا ہے۔ بھلا باز کے مقابلہ میں چڑیا کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اگر مسلمان کے ساتھ صلح قیمتی نہ ہوتی۔ اگر اسلام میں لڑائی بُری نہ سمجھی جاتی تو پاکستان کے مقابلہ میں افغانستان کے پاس طاقت ہی کیا ہے؟ صرف بورڈر والے لوگ ہی اُس سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن اب تو خود پٹھانوں میں بددلی پیدا ہوگئی ہے۔ اگر پاکستان کی افغانستان سے لڑائی ہوگئی تو افغانستان پاکستان کے مقابلہ میں ۲۴ گھنٹہ بھی لڑائی کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ صرف ان باتوں کو دیکھ کر کہ پاکستان کے رہنے والے خود اپنے ملک سے غداری کر رہے ہیں اُس کے اندر دلیری پیدا ہوگئی ہے۔

سلطان محمود صاحب نے یہ بات پیش کی ہے کہ انسپکٹران کی تعداد کو بڑھایا جائے۔ یہ درست ہے کہ ایک حد تک انسپکٹران کی تعداد کو بڑھانا مفید ہے لیکن اس شرط پر کہ کام کرنے والوں میں کام کی عادت کم نہ ہو جائے۔ جب اُن کے اندر کام کرنے کا جذبہ نہیں پایا جائے گا تو پھر اُن کے اندر ایمان بھی کم ہو جائے گا۔ انسپکٹر بے شک بڑھائیں لیکن یہ کہنا جیسا کہ ایک دوست نے کہا ہے کہ مقامی جماعت کے عہدیداروں سے کام نہیں ہوتا درست نہیں۔ مقامی عہدیدار جو کام کر رہے ہیں آپ لوگ انہیں اس سے بھی زیادہ کام کرنے کی عادت ڈالیں اگر ایسا نہ ہوا تو سلسلہ بالکل بنیا بن کر رہ جائے گا اور لوگوں میں ایمان نہیں رہے گا۔ لاہور کی جماعت کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے صدر انجمن احمدیہ سے ایک کلرک مانگا تھا۔

مگر انہیں وہ کلرک نہیں دیا گیا۔ میرے سامنے اُن کا یہ مطالبہ نہیں آیا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا یہ مطالبہ صحیح تھا یا غلط۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کا مطالبہ یہ ہے کہ انہیں حیثیت کے مطابق کلرک نہیں ملتا غالباً صدر انجمن احمدیہ نے اس کلرک کا ۳۰ + ۱۴ اگریڈ رکھا ہوگا۔ سو ان کا مطالبہ یہ ہوگا کہ ہمیں اس گریڈ پر کلرک نہیں مل سکتا اور یہ معقول بات ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کو اس پر غور کرنا چاہئے۔

کراچی کی جماعت کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ وہ اچھا چندہ دیتی ہے لیکن وہ اس حیثیت پر نہیں پہنچی جہاں اُسے پہنچنا چاہئے۔ اگر وہاں کی جماعت دیانتداری کے ساتھ چندہ دے تو چندہ کی مقدار موجودہ مقدار سے یقیناً بڑھ سکتی ہے۔ میرے سامنے یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ کراچی کی جماعت کی اکثریت نے ۱/۱۶ حصہ چندہ دینا شروع کر دیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو جماعت کی تعداد پانچ سَو کے قریب ہے اور ایک آدمی کی اوسط آمدن دو سَو روپیہ ماہوار ہوتی ہے۔ اب گر تمام جماعت اپنی آمدن کا ۱/۱۶ حصہ بطور چندہ دے تو اس کی معنے یہ ہیں کہ اُس کی طرف سے تین لاکھ چندہ آنا چاہئے۔ اگر وصیت اور ۲۵ فیصد کے درمیان کی اوسط رکھی جائے جو ۱/۲ ۱۷ فیصدی بنتی ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ ہمیں دو لاکھ دس ہزار چندہ ملنا چاہئے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت کی ماہوار آمد کی صحیح اوسط نکالی جائے تو وہ دوسَو سے زیادہ ہی نکلے گی کیونکہ کراچی کی جماعت کے اکثر افراد ایسے ہیں جن کی بڑی بڑی تنخواہیں ہیں۔ بہرحال جو بڑے بڑے شہر ہیں اُن کے لئے خاص انتظام ہونا چاہئے ہم دیکھتے ہیں چھوٹے چھوٹے شہروں میں ٹاؤن کمیٹیاں ہوتی ہیں اُن سے بڑے شہروں میں میونسپل کمیٹیاں ہوتی ہیں اور پھر اُس سے بڑے شہروں میں میونسپل کمیٹیوں کی بجائے کارپوریشن بن جاتی ہے۔ جو شہر کا انتظام کرتی ہے۔ لنڈن کا انتظام ایک کونسل کے ماتحت ہے۔ لنڈن کی کونسل کے انتخابات پر یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ ملک کی آئندہ حکومت کیا ہوگی۔ غرض کراچی اور لاہور کی جماعتوں کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہے میرے نزدیک راولپنڈی بھی ایک ایسا شہر ہے جس کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہے۔

راولپنڈی کا چندہ کم تو نہیں ہاں تشخیص کے لحاظ سے کم ہے وہاں کے سیکرٹری مال نہایت محنت سے کام کرتے ہیں۔ مجھے پہلے کچھ شبہات تھے اس لئے میں نے اُن کے رجسٹر

منگوا کر دیکھے۔ مگر حسابات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ نہایت محنت اور دیانتداری کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ میں وہاں کی جماعت کی ایک لسٹ ساتھ لایا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا پر ابھی کافی گنجائش ہے۔ تمام چندے ملا کر موجودہ حالت میں جماعت راولپنڈی کا چندہ ۵۴ ہزار کے قریب ہے لیکن اگر کوشش کی جائے اور جماعت کے نظام کو مضبوط بنایا جائے تو یہ چندہ ۶۰، ۷۰ ہزار تک بڑھایا جا سکتا ہے بشرطیکہ انہیں ایک آدمی مل جائے جو سیکرٹری صاحب کے ساتھ مل کر کام کرے۔ میں نظارت بیت المال کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ فِی الحال کراچی اور سیالکوٹ کو مزید سہولتیں بہم پہنچائے۔ سیالکوٹ کی جماعت کے چندہ میں بھی ابھی بہت گنجائش موجود ہے۔ لیکن جب تک انتظام نہ ہو چندہ پوری طرح وصول نہیں کیا جاسکتا۔ اوّل تو ہر جماعت میں کمزور افراد موجود ہوتے ہیں۔ دوسرے تاجر لوگ اپنی آمدنیں صحیح نہیں لکھواتے۔ جب کہ وہاں کے پریذیڈنٹ صاحب نے بھی ایک دفعہ میرے پاس شکایت کی تھی میں سمجھتا ہوں کہ اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر ۱۰ فیصدی تک اُن کو امداد دے دی جائے کچھ تو وہاں کا سکول بہت اچھا کام کر رہا ہے۔ اگر اس کی طرف اور توجہ دی جائے تو اس سے بھی اچھا کام لیا جاسکتا ہے۔ اِس طرح کچھ تو سکول کے بارہ میں اُن کو سہولت ہو جائے گی اور کچھ حصہ گرانٹ کا وہ وصولی پر خرچ کرسکیں گے۔ میرے نزدیک اگر سیالکوٹ کی جماعت کو ۱۰ فیصدی تک گرانٹ دے دی جائے تو اُن کے پاس ۳۰۰ ماہوار رقم بچ سکتی ہے جس میں سے وہ سَو سکول پر اور دو سَو تحصیل چندہ پر خرچ کرسکیں گے۔

کراچی کی جماعت کو اگر پانچ فیصدی گرانٹ دے دی جائے تو وہ اپنے نظام کو زیادہ اچھا بنا سکیں گے۔ اگر پانچ فیصدی گرانٹ ملے تو چھ ہزار تو فوری طور پر انہیں مل جائے گا اور پھر آمدن میں اس سے بھی زیادہ ترقی ہوسکتی ہے اور اس رقم سے وہ اپنے نظام کو اور بھی مضبوط بنا سکتے ہیں۔ اور تحصیل چندہ کے کام میں بھی خرچ کر سکتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر راولپنڈی کی جماعت ہے اگر چندے کا پانچ فیصدی حصہ اُن کو بھی بطور مدد دے دیا جائے تو یہ بھی بہت مفید ہوسکتا ہے۔ انہیں چندے کا پانچ فیصدی مل جانے کے یہ معنے ہوں گے کہ انہیں ۳۰۰ روپے ماہوار بطور مدد مل جائے گا۔ اور وہ ایک ایسا آدمی رکھ سکیں گے جو آنریری طور پر کام کرنے والے سیکرٹری مال کی مدد کر سکے گا۔

میرے نزدیک اس کی بہت زیادہ ذمہ داری نظارت بیت المال پر ہے۔ چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ ایک چندہ کی تحریک کرتے ہوئے نظارت بیتُ المال نے انہیں بھی چِٹھی لکھ دی۔ حالانکہ چوہدری صاحب اپنا وعدہ کافی مدت پہلے پورا کر چکے تھے۔ اِس طرح جماعت کے دوست یہ خیال کرتے ہیں کہ کارکن توجہ کے ساتھ کام نہیں کرتے۔ میرے خیال میں انہیں فراخدلی سے معافی مانگ لینی چاہئے تھی اور انہیں لکھ دینا چاہئے تھا کہ آپ کا نام تو اُسی فہرست میں تھا جن سے چندہ وصول ہو چکا ہے مگر ہم سے غلطی ہوگئی ہے اس طرح جماعت میں بددلی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر اندھا دھند سب کو چٹھیاں لکھ دی جائیں کہ صاحب آپ کی طرف سے چندہ وصول نہیں ہوا آپ ادائیگی کی طرف توجہ کریں تو اس سے جماعت میں بددلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کارکن صحیح طور پر کام نہیں کرتے۔ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری بیتُ المال پر ہے۔ جس نے چارٹ نہیں بنائے جب میں نے انہیں اس طرف توجہ دلائی تو پھر انہوں نے ایک سال کے بعد چارٹ بنوایا اور اُس میں بھی بہت سی غلطیاں نکلیں۔ اب تو یہ ہے کہ سب لوگوں کو خط لکھ دیئے جاتے ہیں کہ احباب چندے دیں اور چونکہ خط و کتابت بھی وہی جماعتیں کرتی ہیں جو چندے دیتی ہیں اس لئے دفتر کی طرف سے خطوط بھی انہی کو چلے جاتے ہیں اور جو جماعتیں چندے نہیں دیتیں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے انہیں خطوط بھی نہیں جاتے۔ ان نقائص کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دفتر کے پاس ہمیشہ ایک چارٹ ہونا چاہئے جس سے معلوم ہو کہ فلاں نے چندہ دیا ہے اور فلاں نے چندہ نہیں دیا۔ تا جس نے چندہ نہیں دیا اُس کا پتہ لگ جائے۔‘‘

بعض نمائندگان کے بجٹ کے متعلق اظہارِ خیالات کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’اب جو دوست بجٹ کی کسی خاص بات کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہوں وہ اپنے نام لکھوا دیں۔ اس میں محکموں والے بھی نظارت متعلقہ سے اجازت لے کر اپنی بات پیش کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ حدود کے اندر رہو۔‘‘

حضور کے ارشاد پر چند دوستوں نے اپنے نام لکھوائے اور جب وہ اظہارِ خیالات کر چکے تو حضور نے پیش کردہ تجاویز پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

’’چونکہ اس وقت کسی اور دوست نے نام نہیں لکھوایا اِس لئے جو دوست اظہارِ خیالات کر چکے ہیں مَیں انہی کی پیش کردہ باتوں کے متعلق بعض امور بیان کرنا چاہتا ہوں۔

میرے نزدیک گرانٹ کے ساتھ یہ شرط رکھ دینی چاہئے کہ یہ چندہ کی آمد بڑھانے پر خرچ کی جائے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم اپنے پاس سے تو کچھ نہں دیں گے وہ آمد پیدا کریں گے تو ہم گرانٹ دیں گے اور زائد بات یہ ہوگی کہ نادہندگان سے چندہ وصول کرنے کی ایک صورت بھی نکل آئے گی اگلے سال ہم یہ شرط لگا دیں گے کہ گرانٹ اِس شرط پر دی جاتی ہے کہ اس سال چندہ اِتنا بڑھایا جائے۔

رامہ صاحب نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ نادہندگان سے بازپرس کی جائے یہ بات نہایت اہم ہے اس میں ایک حد تک نظارت بیتُ المال کی بھی غلطی ہے۔ چندہ حفاظتِ مرکز اب بھی نصف کے قریب ایسا ہے جو وصول نہیں ہوا۔ میں نے جب نظارت بیتُ المال سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ابھی تک چارٹ بنائے ہی نہیں۔ اور حالت یہ تھی کہ بعض جماعتوں نے تو اخلاص کی وجہ سے اپنے حصہ کا اسّی یا نوّے فیصدی ادا کر دیا تھا اور بعض جماعتوں کی طرف سے ابھی دس فیصدی چندہ بھی وصول نہیں ہوا تھا۔ اگر چارٹ بنائے ہوئے ہوتے تو نادہندگان کو توجہ دلائی جاتی کہ وہ جلد از جلد چندہ ادا کریں۔ تا اخراجات کو پورا کیا جا سکے۔ اب یہ ہو رہا ہے کہ جب نادہندگان کو ادائیگی کی طرف توجہ دلائی جانی مقصود ہوتی ہے تو سب وعدہ کنندگان کو چٹھی لکھ دی جاتی ہے یہ چٹھی ان لوگوں کو بھی چلی جاتی ہے جنہوں نے اپنے وعدے وقت پر پورے کر دیئے ہوتے ہیں۔

اب پیشتر اس کے کہ میں اختر صاحب کی تجویز کو پیش کروں میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک ناظروں کو سال میں چھ سات دفعہ باہر لیکچروں کے لئے بھیجنا چاہئے کیونکہ یہ اپنے مافی الضمیر کو ادا نہیں کر سکتے ایک دوست نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ سیکرٹری مال کو اجازت ہونی چاہئے کہ وہ ایسے شخص کو جس کی کوئی رقم خزانے میں بطور امانت ہو اُس کے مطالبہ پر چندہ میں سے رقم دے دے اور پھر خزانہ اُس کو اڈجسٹ Adjust کر لے۔ میرے نزدیک یہ بالکل غلط تجویز ہے اور دنیا کا کوئی بنک ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا قطع نظر اس کے کہ اس میں بددیانتی کا احتمال ہے۔ بعض اوقات

دیانتداری سے بھی یہ بات ہو جاتی ہے۔ روزانہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی دیانتداری سے کہتا ہے کہ میرا بنک میں اتنا حساب ہے لیکن بعض اوقات تحقیقات کرنے پر بنک میں اُس کا اتنا روپیہ نہیں ہوتا۔ بہرحال دیانتداری کے ساتھ بھی ایسا کر سکتا ہے کیونکہ واقعات کی سچائی کا دنیا میں یہی معیار ہے کہ فلاں نمازی ہے۔ یا فلاں روزہ دار ہے۔ یا فلاں تہجد گزار ہے۔ حالانکہ ان سب باتوں کے علاوہ انسان کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ اور وہ غلطی کر سکتا ہے۔ اگر سیکرٹری مال کو اپنے پاس سے رقم دینے کی اجازت دے دی جائے تو ایک سال کے اندر ہی گڑبڑ پیدا ہو جائے۔ پس ہمارا اصول یہی ہے کہ جس شخص کی امانت ہو وہ خود لے اور یہی بڑے بڑے بنک کرتے ہیں آجکل اس قسم کے دو تین کیس میرے پاس ہیں کسی شخص نے لکھا کہ مجھے اتنا روپیہ دے دیا جائے پھر لکھا کہ کسی بنک کی معرفت جس کی شاخ پشاور میں ہے مجھے اتنا روپیہ بھیج دیا جائے۔ وہ روپیہ ان کی ہدایت کے مطابق بھیج دیا گیا اور بنک وہ روپیہ لے کر کھا گیا۔ اب وہ دوست اصرار کر رہے ہیں کہ مجھے روپیہ واپس دلایا جائے۔ حالانکہ سوال یہ ہے کہ انجمن وہ روپیہ کیوں دے وہ روپیہ اگر ضائع ہوا تو ان کی ہدایت کے ماتحت ہوا۔ انجمن نے تو روپیہ ان کی ہدایت کے مطابق انہیں بھیج دیا تھا۔ اب اگر ان کا روپیہ ضائع ہو گیا ہے تو انجمن اس کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اتنا روپیہ مجھے منی آرڈر کر دو اور اُس کی ہدایت کے مطابق وہ روپیہ اُسے منی آرڈر کر دیا جائے اور وہ کہیں ضائع ہو جائے تو اس میں انجمن کا کوئی قصور نہیں اور یہی سب بنکوں کا طریق ہے۔ غرض اُس شخص کی ہدایت کے مطابق روپیہ بنک کے ذریعہ بھیج دیا گیا۔ مگر جب وہ ضائع ہو تو اب شور مچا رہا ہے کہ مجھے وہ روپیہ واپس دلایا جائے۔ ایسے کیس ہمیشہ میرے پاس آتے رہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ انجمن یہ نقصان برداشت نہیں کر سکتی۔ یہی دنیا کا اصول ہے۔ اگر ایک نوکر کو میں کسی کام کے لئے بازار بھیجتا ہوں اور پھر اس سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کی ذمہ داری میں اُٹھا سکتا ہوں۔ لیکن جس کام کے لئے میں نے اُسے بھیجا ہی نہیں اُس کا میں کس طرح ذمہ دار ہو سکتا ہوں۔ مثلاً میں ایک نوکر کو بازار سے مُولیاں خریدنے کے لئے بھیجتا ہوں اور وہ گھوڑا خرید لیتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ اُس نقصان کو خود برداشت کرے کیونکہ گھوڑا خریدنے کے لئے مَیں نے اُسے مقرر نہیں کیا تھا۔ ہاں اگر وہ

مُولیاں خریدتا اور پھر کوئی نقصان ہو جاتا تو میرا فرض تھا کہ مَیں اُس نقصان کو برداشت کرتا کیونکہ وہ میری طرف سے یہ کام کرنے کے لئے مقرر تھا۔ لیکن جس کام کے لئے وہ مقرر نہیں اگر اُس میں اُسے نقصان ہو جاتا ہے تو نتیجہ لازماً اُس کو بُھگتنا پڑے گا۔ پس یہ طریق نہایت خطرناک ہے اور اسے ہرگز اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

اصل تجویز صرف ایک ہے کہ آئندہ مجلس مشاورت کے ہر ممبر کے لئے موصی ہونا لازمی قرار دیا جائے۔ اگر کوئی دوست اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہوں تو وہ اپنا نام لکھوا دیں۔‘‘

حضور کے اس ارشاد پر جب چند نمائندگان اظہارِ خیالات کر چکے تو فرمایا:۔

’’دوستوں نے مختلف احباب کے خیالات سُن لئے ہیں جو احباب اِس امر کی تائید میں ہوں کہ شوریٰ کی ممبری کے لئے وصیت کا ہونا ضروری ہونا چاہئے جیسے اختر صاحب کی تجویز ہے وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

اس پر ۱۸۸ دوست کھڑے ہوئے۔

’’جو دوست اس رائے کے حق میں ہوں کہ شوریٰ کی ممبری کے لئے وصیت کی قید نہیں ہونی چاہئے وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

۵۶ دوست کھڑے ہوئے۔ آراء شماری کے بعد حضور نے فرمایا:۔

مجلس شوریٰ کی ممبری کے لئے وصیت ضروری نہیں

’’کثرتِ رائے کا مشورہ یہ ہے کہ شوریٰ کی ممبری کے لئے وصیت کی شرط ہونی چاہئے لیکن مَیں آج اپنی عادت کے خلاف فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک شوریٰ کی ممبری کے لئے قیود ضرور زیادہ ہونی چاہئیں موجودہ قیود کافی نہیں مگر اِس کی ممبری کے لئے موصی ہونے کی شرط میرے نزدیک بلا ضرورت اور بلا فائدہ ہوگی اِس لئے کہ شوریٰ کے ممبر بہت ہی کم ہوتے ہیں اور اُن کی قربانی ہمارے بجٹ کے معیار کو اُونچا نہیں کرسکتی۔ دوسرے وہ لوگ جو مختلف جماعتوں کی طرف سے شوریٰ میں شامل ہونے کے لئے آتے ہیں اُن میں سے کافی تعداد پہلے ہی موصی ہوتی ہے اِس لئے اس شرط کو عائد کر دینے سے چندوں پر کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا۔‘‘

اِس کے بعد حضور نے فرمایا کہ:-

''جو منتخب شُدہ نمائندہ ہیں اُن میں سے جو موصی ہیں کھڑے ہو جائیں۔''

اِس پر ۱۶۳ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

''کُل ٹکٹ ۳۱۰ تھے جن میں سے پچاس کے قریب نامزد ہیں۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ منتخب شُدہ نمائندے ۲۶۰ تھے جن میں سے ۱۶۳ موصی ہیں اور صرف ۹۷ کے قریب ایسے ہیں جو غیر موصی ہیں درحقیقت وہ اِس بات کے محتاج ہیں کہ اُنہیں کسی قدر تحریک کی جائے۔ اگر اُنہیں ذرا بھی تحریک کی جائے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ فوراً موصی بن جائیں گے لیکن اِس سے ہمارے بجٹ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ پس باوجود اِس کے کہ ایک بھاری اکثریت اِس تجویز کے حق میں ہے۔ **مَیں اقلّیت کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں کہ مجلس شوریٰ کی ممبری کے لئے وصیت کا ہونا ضروری نہیں۔**''

بجٹ آمد کی منظوری کا اعلان

حضور نے فرمایا:-

''اب جو دوست صدر انجمن احمدیہ کے پیش کردہ بجٹ آمد کو میری ترامیم کے ساتھ منظور کرنے کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔''

۲۳۲ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

''۲۳۲ دوست اِس بات کے حق میں ہیں کہ اسے منظور کر لیا جائے چونکہ یہ ایک بہت بڑی اکثریت ہے اِس لئے دوسری رائے کی ضرورت نہیں مَیں اپنی پیش کردہ ترامیم اور اضافوں کے ساتھ صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ آمد کو منظور کرتا ہوں۔''

بجٹ اخراجات کی منظوری کا اعلان

''اب جو دوست اِس بات کے حق میں ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے جو اخراجات کا بجٹ پیش کیا گیا ہے اُسے منظور کر لیا جائے اِس شرط کے ساتھ کہ گرانٹ سے متعلق جو امور میں نے بیان کئے ہیں اُن کو مدنظر رکھا جائے اور سیالکوٹ، راولپنڈی اور کراچی کی جماعتوں کی امداد کو مدنظر رکھتے ہوئے اُنہیں قواعد کے مطابق ایک معیّن رقم خرچ کرنے کی اجازت ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔''

سب دوست کھڑے ہو گئے۔ حضور نے فرمایا:-

''اِس بجٹ میں کچھ غلطیاں بھی ہیں مگر آپ لوگوں کی سفارش کے ماتحت میں بجٹ اخراجات کو اصولی طور پر منظور کرتا ہوں اگر کسی جگہ مجھے بعد میں اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی تو مَیں خود بخود کر دوں گا۔''

اختتامی تقریر

مجلس مشاورت کی کارروائی ختم ہونے پر حضور نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں نمائندگان جماعت کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:-

وصیت کی اہمیت

''مَیں جماعت کو پھر اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اُسے اپنی قربانی کے معیار کو بلند کرنا چاہئے۔ مَیں نے بے شک نمائندگان کے لئے موصی ہونے کی شرط کو اُڑا دیا ہے مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ وصیت کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اِس وقت تک وصیت کی طرف جماعت کی بہت ہی کم توجہ ہے میرے نزدیک اب وقت آ گیا ہے کہ جماعت کے ہر فرد سے یہ اصرار کرنا چاہئے کہ وہ وصیت کرے۔ اگر سب جماعت وصیت کر دے تو میرے نزدیک فوری طور پر دو تین لاکھ روپیہ کا چندہ میں اضافہ ہوسکتا ہے پھر اصل چیز جب کہ مَیں نے بارہا بتایا ہے دعا ہے۔ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ .... آیا صرف چھیاسٹھ ہزار، چالیس ہزار روپیہ نہیں آیا۔ یہ ایک نہایت خطرناک بات ہے جس کی فوری طور پر اصلاح ہونی ضروری ہے۔

اولاد کو جنت کا حقدار بنائیں

مَیں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ خالی اُن کا جنت میں چلے جانا کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بھی جنت کا حقدار بنائیں۔ اور اُن کے اعمال کی نگرانی رکھیں۔ ابھی تک جماعت کی قربانی کے معیار کو جس حد تک ہم نے پہنچایا ہے وہ دنیا کی فتح کے لئے کافی نہیں اور اگر آئندہ نسل میں قربانی کی وہ روح نہیں ہوگی جو ہم پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہماری ساری جدوجہد اکارت چلی جائے گی۔ پس اپنی اولادوں اور جماعت کے نوجوانوں اور نئے آنے والوں میں یہ روح پیدا کرو کہ بجائے قربانی میں کم ہونے کے وہ

☆ اصل مسودہ میں سے ایک صفحہ missing ہے اس لئے اس جگہ ..... ڈالے گئے ہیں۔ مرتب

پہلوں سے زیادہ قربانی کرنے کی روح اپنے اندر رکھتے ہوں اِس کے ساتھ ہی وصیت کو مقبول بنانے کی کوشش کرو۔ اِس ذریعہ سے جماعت کی بہت سی مشکلات کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر جماعت میں سے نوّے فیصدی لوگ وصیت کر دیں تو ہمارے سارے قرضے دور ہو جائیں اور ہماری ترقی کے کئی نئے راستے نکل آئیں۔

اب مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کر دیتا ہوں کہ وہ ہمیں اخلاص کے ساتھ نہ صرف بجٹ کے پورا کرنے بلکہ بڑھا کر پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہم اُس ذمہ داری کو ادا کر سکیں جو اُس نے ہمارے کمزور کندھوں پر ڈالی ہے۔''

اِس کے بعد حضور نے لمبی دعا کروائی اور بارہ بجے شب مجلس شوریٰ کا یہ تاریخی اجلاس بخیروخوبی اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۸ء غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

---

[۱] اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (الاعراف: ۱۷۷)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۰ء

(منعقده ۷ تا ۹ ؍اپریل ۱۹۵۰ء)

پہلا دن

دُعا جماعت احمدیہ کی اکتیسویں مجلس مشاورت مؤرخہ ۷ تا ۹۔ اپریل ۱۹۵۰ء کو ربوہ میں منعقد ہوئی۔قرآن کریم کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’اب میں اس اجلاس کی کارروائی شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کروں گا کہ وہ ہماری مدد فرمائے اور وہ عظیم الشان کام جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے اُس کے بجالانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری کمزوریوں اور غلطیوں کو معاف فرمائے اور وہ تمام فِتن جو ہمارے راستے میں پیدا کئے جارہے ہیں یا آئندہ پیدا ہو سکتے ہیں اُن کو دور فرمائے اور ہمیں اِس قابل بنائے کہ ہم اس کے فضلوں کو جذب کرنے والے ہوں اور اُس کی ناراضگیوں سے بچنے والے ہوں اور اُس کی مہربانیوں اور عنایت کے مستحق ہوں۔اس کی ناراضگی اور خفگی کے مورِد نہ ہوں اور وہ ہماری کمزریوں کو اپنی طاقت سے دور فرمائے اور ہماری جہالتوں کا اپنے علم سے ازالہ فرمائے اور ہماری کوتاہ اندیشیوں کی اپنے علم اور اپنے فضل سے اصلاح فرمائے اور اُن کی بجائے ہمیں اُن راستوں کی ہدایت فرمائے جن رستوں پر چل کر ہم اسلام اور احمدیت کی صحیح خدمت کر سکیں اور ہم وہ نہ ہوں جو اِس دُنیا میں آتے ہیں تو اِس طرح مرجاتے ہیں کہ نہ اُن کے آنے سے اس دُنیا میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے اور نہ اُن کے مرنے سے کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے بلکہ ہم وہ ہوں کہ ہماری اس دُنیا میں آمد اس دُنیا کی اصلاح اور فائدہ کے لئے عظیم الشان تغیر پیدا کرنے کا موجب ہو اور ہمارا

اس دُنیا سے جانا بھی دُنیا کے لئے ایک قیامت کا موجب ہو۔ ساتھ ہی ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا کرتے رہنا چاہئے کہ وہ ایسی نئی پَود پیدا کرتا رہے جو اس بوجھ کو اُٹھاتی چلی جائے جو ہم پر ڈالا گیا ہے۔ وہ ہم سے کم خدمت کرنے والی، ہم سے کم قربانی کرنے والی، ہم سے کم خدا تعالیٰ سے محبت کرنے والی اور ہم سے کم دین کے لئے اپنے اوقات صَرف کرنے والی نہ ہو بلکہ اُس کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے اور وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کی زیادہ سے زیادہ وارث ہو۔ پھر ہمارا فرض ہے کہ ہم اس موقع پر بھی یہ دُعا کریں کہ وہ ہمارے فیصلوں کے بہترین نتائج پیدا کرے اور ہمیں ان فیصلوں کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو اُن لوگوں میں شامل نہ فرمائے جن کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ کہتے ہیں مگر کرتے نہیں بلکہ ہم جو کچھ کہیں اُس کے مطابق کریں بلکہ اس سے زیادہ کر کے دکھائیں تاکہ ہمارے اندر کسی قسم کے نِفاق کا شائبہ نہ ہو۔ دُنیا کی نگاہوں میں بھی، اپنی نگاہوں میں بھی اور خدا تعالیٰ کی نگاہوں میں بھی۔‘‘

افتتاحی تقریر

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’جلسہ سالانہ کے بعد جن حالات میں سے مَیں گزرا ہوں اور میری صحت جیسی تھی اُس کے لحاظ سے یہ مشکل نظر آتا تھا کہ شوریٰ کے موقع پر میں حصہ لے سکوں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دے دی اور میں شوریٰ میں شریک ہو گیا۔ اب بھی میرا گلا زخمی ہے اور آواز پھٹی ہوئی ہے لیکن بہرحال اب آواز اُونچی نکلنے لگ گئی ہے۔ شروع میں تو متواتر کئی دن ایسے گزرے ہیں کہ میرے حلق میں سے آواز بالکل ہی نہیں نکل سکتی تھی اور اگر بہت زور دے کر تھوڑا سا بھی بولتا تو شدید ضُعف ہو جاتا، پسینے آنے لگتے اور بخار ہو جاتا۔ اُس وقت کے حالات کے ماتحت تو میں سمجھتا تھا کہ شاید میری آواز ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی ہے لیکن آہستہ آہستہ پھر آواز نکلنی شروع ہوئی اور اب بھی گو میں اونچی آواز سے بول سکتا ہوں لیکن آواز پھٹی ہوئی نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ میری طبیعت کب تک ٹھیک ہو گی۔ لاہور میں بعض ڈاکٹروں سے مشورہ لیا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ بچپن اور جوانی میں بھی اگر یہ مرض ہو تو لمبا عرصہ لیتی ہے اور جب انسان اُدھیڑ عمر سے نکل جائے تو پھر تو یہ بہت زیادہ لمبا عرصہ لیتی ہے اور اس کے جلدی اچھے ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے مجھے شمولیت کا موقع دے دیا اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ میں اب بول سکتا ہوں اور اپنی آواز دوستوں تک پہنچا سکتا ہوں لیکن بہرحال زیادہ بولنا خطرہ سے خالی نہیں اس لئے ضروری ہوگا کہ میں کم بولوں اور زیادہ زور اپنے گلے پر نہ ڈالوں تا ایسا نہ ہو کہ مرض عَود کر آئے اور علاج اور بھی مشکل ہو جائے۔

نمائندگان اور زائرین کے بیٹھنے کیلئے کرسیوں کا انتظام کیا جائے

ایک ہدایت مَیں کارکنوں کو یہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ مجلس شوریٰ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آئندہ اِس کے لئے سامان جمع کریں۔ ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ رہے گی اور مجلس شوریٰ بھی ہمیشہ ہوتی رہے گی بلکہ یہ زیادہ سے زیادہ منظّم ہوتی چلی جائے گی اِس لئے ضروری ہے کہ نمائندگان اور زائرین کے بیٹھنے کے لئے مناسب انتظام کیا جائے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا پرانا طریق یہی تھا کہ سب لوگ زمین پر بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ زمین سے اُٹھ کر بات کرنا مشکل ہوتا ہے اور بولنے والے پر یہ اثر پڑتا ہے کہ میں اپنی بات دوسروں سے منوا نہیں رہا اور بولنے والے کے دل میں یہ یقین پیدا کرنے کے لئے کہ اُس کی بات سُنی جا رہی ہے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ایسی طرز پر خطاب کرے کہ لوگ اُس کو نظر آتے ہوں اور وہ اُن کو نظر آتا ہو اور یہ اُس وقت ہو سکتا ہے جب سب لوگ کُرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہوں، زمین پر بیٹھے ہوئے آدمی کے لئے بار بار کھڑے ہونا اور جواب دینا مشکل ہوتا ہے۔ پس آئندہ کے لئے اِس امر کو مدنظر رکھا جائے اور مجلس شوریٰ کے لئے سَستی قسم کی کُرسیاں لے لی جائیں۔ اوّل تو یہ کوئی بڑا خرچ نہیں۔ فسادات سے قبل قادیان میں ہمارے ساڑھے چار سَو تک نمائندے ہوا کرتے تھے۔ آج مجھے بتایا گیا ہے کہ نمائندگان کی تعداد ۳۱۷ ہے۔ اگر ساڑھے تین سَو نمائندے بھی سمجھ لئے جائیں تو تین ہزار روپیہ میں سارا سامان خریدا جا سکتا ہے۔ لوگ آرام سے بھی بیٹھ سکتے ہیں اور بولتے وقت بھی انہیں سہولت میسر آ سکتی ہے۔ کُرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہونے میں بہت آسانی ہوتی ہے لیکن زمین سے کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے۔ یہاں سکول بن جائے تو کچھ کُرسیاں سکول سے بھی لی جا سکتی ہیں اور کچھ گھروں سے لی جا سکتی ہیں ہم نے یہاں آتے وقت

ایک سَو کُرسی خریدی تھی جو اِس وقت مختلف دفاتر میں ہے۔ اگر مجلس شوریٰ کی ضرورت کو اپنے سامنے رکھا جائے اور کچھ سامان اس سال لے لیا جائے اور کچھ اگلے سال تو دو سال کے اندر اندر بہت قلیل رقم میں تمام سامان جمع ہو سکتا ہے۔ اس طرح مجلس شوریٰ کی کارروائی سننے کے لئے بیرونجات سے جو دوست آتے ہیں اُن کے بٹھانے کے لئے بھی مناسب انتظام ہونا چاہیئے۔ اگر لکڑی کے کھمبے ہی اِس طرح لگا دیئے جاتے کہ زائرین ایک ترتیب سے الگ بیٹھ سکتے تو یہ بہت زیادہ بہتر ہوتا۔ اس طرح ناپسندیدہ لوگوں کو بھی اندر آنے کا موقع نہیں مل سکتا اور شامل ہونے والوں کو بھی سہولت میسر آ سکتی ہے۔

کارکنوں کیلئے بیج کی ہدایت

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اٹھائیس سال سے ہماری مجلس شوریٰ ہو رہی ہے اور بار بار ہمیں اِس کا تجربہ ہوتا ہے مگر ہمارے کارکنوں نے گزشتہ تجربات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ترقی کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اِس وقت شوریٰ کے ممبر بھی بیٹھے ہوئے ہیں اور کارکن بھی بیٹھے ہوئے ہیں مگر یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ کارکن کون سے ہیں اور ممبر کون سے ہیں۔ اگر ہر دفعہ مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن کی اصلاح کی کوشش کی جاتی تو اِس قسم کی باتوں کا حل دیر سے دریافت ہو چکا ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممبران کے لئے تو بَیج لگا کر آنا مناسب نہیں لیکن کارکنوں کے لئے اگر کوئی بَیج مقرر کر دیا جائے جو دورانِ مشاورت میں وہ لگائے رکھیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ اگر مجلس مشاورت کا کوئی بَیج ہو جو تمام کارکنوں نے لگایا ہؤا ہو تو ہر شخص کو نظر آ سکتا ہے کہ یہ لوگ کارکن ہیں، شوریٰ کے ممبر نہیں۔ جس طرح خدام الاحمدیہ والوں نے اپنے لئے ایک بَیج بنایا ہؤا ہے اِسی طرح شوریٰ جو جماعت کا سب سے اہم محکمہ ہے اُس کے کارکنوں کے لئے بھی بَیج ہونا چاہیئے۔ اگر کارکنوں کو بَیج لگ جائے تو وہ جہاں ہوں گے سب لوگوں کو نظر آ رہا ہوگا کہ یہ صرف کارکن ہیں، ووٹ دینے کا حق نہیں رکھتے۔ ابھی تو خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ زمانہ نہیں کہ لوگ دھوکا سے ووٹ دینے کے لئے کھڑے ہو جائیں لیکن ہو سکتا ہے کہ کبھی کسی کمزور انسان کے دل میں ایسا خیال پیدا ہو جائے اور وہ اِس قسم کی حرکت کر بیٹھے اس لئے ضروری ہے کہ کارکنوں کے لئے بَیج بنایا جائے جو اُنہوں نے ایامِ مشاورت میں لگایا ہؤا ہو۔ جن کے بَیج لگے ہوئے ہوں گے وہ

ممبر نہیں سمجھے جائیں گے اور نہ اُنہیں ووٹ دینے کا اختیار ہوگا، ووٹ صرف نمائندگان دے سکیں گے۔ اگر یہ احتیاط کر لی جائے تو کوئی غیر آدمی دھوکا دینے کی کوشش نہیں کر سکتا۔

اِس کے بعد میں ایک ذاتی امر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو اس لحاظ سے ذاتی ہے کہ اُس کا میری ذات پر اثر پڑتا ہے ورنہ ہے وہ سلسلہ کا ہی۔ میں نے اپنے طور پر اس کام کو کرنے کی کوشش کی مگر اِس میں مجھے روکیں نظر آئیں اس لئے اب میں وہ معاملہ جماعت کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اِس وقت سب دوست بیٹھے ہیں وہ لوگ بھی بیٹھے ہیں جن کے خاندان سے وہ بات تعلق رکھتی ہے، وہ لوگ بھی بیٹھے ہیں جنہوں نے وہ کام کیا مگر معلوم نہیں کیوں وہ اب تک خاموش رہے ہیں اور کیوں اُنہوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی۔ چونکہ زندگی کا اعتبار نہیں میں نہیں چاہتا کہ وہ بوجھ مجھ پر رہے، اس لئے میں اس بات کو آج پیش کر دیتا ہوں۔

چار پانچ سال کی بات ہے ایک مجلس شوریٰ میں جو قادیان میں ہوئی علاوہ اور باتوں کے یہ بھی تحریک کی گئی کہ چونکہ قادیان کی زمینیں بہت مہنگی ہوتی جا رہی ہیں اور ہمیں دفاتر، کالج اور سکولوں وغیرہ کے لئے زمین کی ضرورت ہے اس لئے صدر انجمن احمدیہ کو چاہئے کہ وہ ابھی سے ان اغراض کے لئے زمین خرید لے۔ مجھے یاد ہے جب یہ تحریک ہوئی تو مولوی ابو العطاء صاحب بار بار زور دیتے تھے کہ جامعہ احمدیہ کے لئے بھی زمین خریدی جائے۔ آخر فیصلہ ہوُا کہ اِس غرض کے لئے صدر انجمن احمدیہ کو فوراً زمین خرید لینی چاہئے۔ یہ آخری الیکشن کے قریب کے زمانہ کی بات ہے۔ اِس فیصلہ کے کچھ عرصہ بعد نواب محمد دین صاحب نے کہا کہ میری زمین قادیان کے پاس موجود ہے۔ کالج، مدرسہ احمدیہ، زنانہ سکول جامعہ اور صدر انجمن احمدیہ کے دوسرے اداروں کے لئے اگر صدر انجمن احمدیہ اُس زمین کو خریدنا چاہتی ہے تو بے شک خرید لے، میں وہ زمین دینے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ نواب صاحب سے وہ زمین ۸۵ ہزار روپیہ میں خرید لی گئی لیکن اِس کا روپیہ تحریک جدید کے فنڈ سے مَیں نے سہولت کی نظر سے ادا کروا دیا۔ یہ قیمت انجمن نے ہی طے کی تھی میں نے نہیں کی تھی۔ اِس کے بعد نواب محمد دین صاحب نے اس روپیہ میں سے ایک ہزار چندہ کے طور پر دیا اور کہا کہ چونکہ یہ زمین تعلیمی اغراض اور جماعتی مفاد کے لئے خریدی گئی ہے، اِس لئے میں

اس میں سے ایک ہزار روپیہ اپنی طرف سے بطور چندہ پیش کرتا ہوں مگر یہ روپیہ اب تک تحریک کو صدر انجمن احمدیہ نے ادا نہیں کیا اور مجھ پر اِس کی طرف سے ذمہ داری آتی ہے میں برابر چار سال سے صدر انجمن احمدیہ کو کہہ رہا ہوں کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے مگر بار بار کہنے کے باوجود روپیہ ادا نہیں کیا گیا۔ حالانکہ خود نواب محمد دین صاحب کے خاندان کے افراد بھی اِس حقیقت کو پوری طرح جانتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی جانتے ہیں کہ یہ زمین تحریک جدید کے لئے نہ تھی صدر انجمن احمدیہ کے لئے تھی۔ ابھی مجھے نواب محمد دین صاحب کے لڑکے چوہدری محمد شریف صاحب نظر آئے ہیں۔ شاید اس بارہ میں اُن کو بھی کچھ علم ہو۔''

اس موقع پر حضور نے فرمایا:-

چوہدری محمد شریف صاحب بتایئے یہ زمین کس کے لئے تھی؟

چوہدری محمد شریف صاحب۔ حضور یہ زمین صدر انجمن کے لئے ہی تھی۔

اس کے بعد حضور نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے گواہی لی تو اُنہوں نے بھی فرمایا کہ یہ زمین صدر انجمن کے لئے ہی خریدی گئی تھی۔ پھر حضور نے راجہ علی محمد صاحب سے گواہی لی جو اُس وقت ناظر بیتُ المال تھے تو اُنہوں نے بھی اس امر کی تصدیق کی کہ زمین صدر انجمن نے ہی خریدی تھی۔

حضور نے فرمایا:-

''پھر کیا بات ہے کہ میرا پیچھا نہیں چھوڑا جاتا اور یہ روپیہ تحریک کو ادا کر کے مجھے ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کیا جاتا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو بھی اُٹھے گا اعتراض کرے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں نے اِتنا روپیہ تحریک کا اُڑا لیا ہے حالانکہ یہ روپیہ تحریک جدید سے صدر انجمن احمدیہ کو قرض دِلوایا گیا تھا۔ اب بجٹ پر غور کرنے کے لئے جو سب کمیٹی بنائی جائے گی میں اُسے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ نواب صاحب کے بیٹوں، راجہ علی محمد صاحب، میاں بشیر احمد صاحب اور اِسی طرح اگر کوئی اَور دوست ہوں تو اُن کے حلفیہ بیانات لے کر اِس امر کا فیصلہ کرے۔ میرے متواتر کہنے کے باوجود ناظر اِس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے، وہ کھسک کر چلے جاتے ہیں اور مجھے معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض دوست یہ باتیں کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں کیا پتہ ہے کہ یہ زمین کس نے خریدی تھی اور چونکہ یہ معاملہ

اب لمبا ہو گیا ہے اِس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ جماعت کے سامنے یہ بات آ جائے اور کمیٹی حلفیہ بیان لے کر فیصلہ کرے۔ اگر انجمن نے ہی سلسلہ کی اغراض کے لئے یہ زمین خریدی تھی تو یہ کیسی تقویٰ کے خلاف بات ہے کہ برابر چار سال سے میرے کہنے کے باوجود اُس نے یہ رقم تحریک کے خزانہ کو ادا نہیں کی۔ اِس کی بڑی وجہ تو غالباً یہی ہے کہ قادیان کی جائدادیں انجمن کے ہاتھ سے چلی گئی ہیں اور اب اُسے اُس زمین کے معاملہ سے کوئی دلچسپی نہیں رہی لیکن بہرحال اِس کا فیصلہ ہونا ضروری ہے اور اس لئے میں نے یہ بات مجلس میں پیش کی ہے۔

احمدیوں کو فوج میں بھرتی کی تحریک

دوسری بات جو میں جماعت سے کہنا چاہتا ہوں وہ بھی ایسی ہے کہ اب اُس کے متعلق میں دوٹوک فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ غیر قوم ہم پر حاکم تھی اور وہ غیر قوم امن پسند تھی مذہبی معاملات میں وہ کسی قسم کا دخل نہیں دیتی تھی۔ اس کے متعلق شریعت کا حکم یہی تھا کہ اُس کے ساتھ جہاد جائز نہیں اور چونکہ حکومت کی باگ اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو غیر مسلم تھے اور جن کا براہِ راست اسلامی سیاست پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا اِس لئے لازمی طور پر اُن کے توسّط سے بھی جہاد کا کوئی پہلو نہیں نکلتا تھا اور ہماری تعلیم یہی ہوتی تھی کہ امن سے رہو۔ لیکن اس کے بعد زمانہ بدل گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک کے ایک حصہ میں ایسے لوگوں کو حکومت دے دی جن میں خواہ کتنی بھی کمزوریاں ہوں، جن کی عملی حالت خواہ کتنی ہی گری ہوئی ہو بہرحال وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دیتے بلکہ آپؐ پر درود پڑھتے ہیں۔ وہ نماز کے مخالف نہیں، وہ قرآن کے مخالف نہیں، وہ قرآن کریم کی عزت کرتے ہیں، چاہے وہ اُسے اُٹھا کر جھوٹی قسم ہی کیوں نہ کھا لیں۔ بہرحال پہلا زمانہ گیا اور وہ زمانہ آ گیا جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حدیث صادق آتی ہے کہ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ وَ عِرْضِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ[1] جو شخص اپنے مال اور اپنی عزت کے بچاؤ کے لئے مارا جاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے بلکہ صرف مال اور عزت کا ہی سوال نہیں حالات اس قسم کے ہیں کہ اگر کوئی خرابی پیدا ہوئی اور لڑائی پر نوبت پہنچ گئی تو وہ تباہی جو مشرقی پنجاب میں آئی تھی شاید اب وہ ایران کی سرحدوں تک بلکہ اس سے بھی آگے نکل جائے۔

دوسروں کے لئے بھی مشکلات ہیں مگر ہماری جماعت کے لئے سب سے زیادہ مشکل ہے۔ دوسرے لوگ بکھر گئے تو بکھر گئے لیکن ہماری جماعت ایک منظّم جماعت ہے جب تک وہ کہیں منظّم ہو کر نہ بیٹھے گی اُس وقت تک وہ کوئی کام نہیں کر سکے گی۔ یہ کہنا کہ خدا اِس سلسلہ کو چلائے گا ٹھیک ہے مگر تم اپنے باقی کاموں میں صرف یہ نہیں دیکھتے کہ خدا وہ کام کرتا ہے یا نہیں بلکہ خود بھی اُن کے لئے کوشش کرتے ہو۔ خدا ہی کھانا کھلاتا ہے مگر تم خود کھانا پکاتے ہو، خدا ہی کپڑے پہناتا ہے مگر تم کپڑے سِیتے ہو، پس صرف اس بات پر مطمئن ہو جانا کہ خداتعالیٰ اس سلسلہ کو قائم رکھے گا اور مادی تدابیر سے غافل ہو جانا کسی صورت میں بھی درست نہیں ہوسکتا۔

میں نے اِن حالات کو دیکھتے ہوئے جماعت میں یہ تحریک کی تھی کہ ہمیں خداتعالیٰ نے کشمیر کے معاملہ میں لڑائی کا فن سیکھنے کا ایک نہایت اعلیٰ درجے کا موقع عطا فرمایا ہے۔ اگر پاکستانی احمدی وہاں کثرت کے ساتھ جائیں تو آئندہ انہیں اپنی طاقتوں کے صحیح استعمال کا بہترین موقع مل سکتا ہے۔ میری اس تحریک پر بہت سے دوست گئے اُنہوں نے فوجی ٹریننگ میں حصہ لیا، نیک نامیاں حاصل کیں، دوسروں کے لئے اچھا نمونہ قائم کیا اور ہمیں امید پیدا ہوئی کہ آئندہ پیش آنے والے خطرات میں وہ اپنے ملک اور قوم کی اعلیٰ درجہ کی خدمت سرانجام دے سکیں گے اور یہ بات ایسی نہیں تھی کہ میں نے تم کو کہا ہو اور خود اِس پر عمل نہ کیا ہو۔ میرے قریباً سارے لڑکے سوائے اس لڑکے کے جو ہندوستان میں ہے کیونکہ وہ ہندوستان کا باشندہ ہے اور اس کے لئے اِس تحریک میں حصہ لینا ہمارے مسلک اور طریق کے مطابق ناجائز ہے، اسے بہرحال ہندوستان کی حکومت کا وفادار رہنا چاہئے۔ یا سوائے ایک چھوٹے بچے کے جو بالغ نہیں باقی سب کے سب وہاں سے ہو کر آئے ہیں۔ پس یہ نہیں کہ دوستوں کو میں نے کوئی ایسی بات کہی ہو جس سے میں نے اپنوں کو بچایا ہو بلکہ میرے بعض بچے وہاں اُس وقت کام کر کے آئے ہیں جب کہ صرف رات کے وقت وہ سفر کر سکتے تھے۔ دن کو گولہ باری ہوتی رہتی تھی، رستے دشوار گزار تھے اور سامان وغیرہ بھی اپنی پیٹھوں پر لاد کر لے جانا پڑتا تھا۔ اب تو ٹرک آنے جانے لگ گئے ہیں، سڑکیں بن گئی ہیں اور انتظام زیادہ عمدہ ہو گیا ہے۔

بہرحال میں نے یہ دیکھا ہے کہ کچھ مدت تک جوش دکھا کر جماعت نے اب خاموشی اختیار کر لی ہے اور وہ فوجی ٹریننگ کے لئے اپنے نوجوان پیش نہیں کر رہی۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ بغیر خون کی ندی میں سے گزرنے کے تم کامیاب نہیں ہو سکتے اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ کوئی قوم خون کی ندی میں سے آپ ہی آپ گزرنے لگ گئی ہو اور اُسے فوجی مشق کی ضرورت پیش نہ آئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اِن مشقوں کو اتنا اہم سمجھتے تھے کہ آپؐ مسجد میں بھی فنونِ جنگ کے کرتب دیکھتے تھے اور اپنی موجودگی میں صحابہؓ کا تیراندازی میں مقابلہ کرواتے تھے، اُنہیں نیزہ بازی سکھاتے تھے، انہیں شمشیرزنی کی مشق کراتے تھے، اُن میں گھوڑ دَوڑ کی مہارت پیدا کرتے تھے اور اِس طرح اپنی جماعت کو ہر وقت آنے والے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رکھتے تھے مگر ہماری جماعت میں اس قسم کی بے رغبتی پیدا ہوگئی ہے کہ اِس چھوٹے سے کام میں بھی اُس قربانی کا نمونہ نہیں دکھا رہی جو دوسری جماعتیں پیش کر رہی ہیں۔

ہماری جماعت کے بعض دوست اپنی تعداد کو بہت بڑھا کر بیان کرنے کے عادی ہیں۔ میں تو ایسے لوگوں کی ہمیشہ تردید کیا کرتا ہوں۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ آپ کی جماعت کتنی ہے؟ تو میں کہا کرتا ہوں کہ ساری دُنیا کے احمدی ملا کر شاید ہماری تعداد چار پانچ لاکھ ہوگی۔ اِس پر عموماً مجھے کہا جاتا ہے کہ فلاں احمدی تو کہتا ہے کہ ہندوستان میں دس لاکھ احمدی ہیں۔ میں کہتا ہوں اُس کا علم مجھ سے زیادہ ہوگا میرا اندازہ تو اتنا نہیں۔ غرض جب تعداد کے بیان کرنے کا وقت آتا ہے تو تم مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہو اور کہتے ہو کہ ہماری تعداد دس لاکھ ہے یا پندرہ لاکھ ہے مگر جب قربانی کا وقت آتا ہے تو تم کبھی غور نہیں کرتے کہ تم کیا کر رہے ہو اور صحابہؓ کیا کِیا کرتے تھے۔ صحابہؓ کے وقت سولہ فی صدی آبادی جنگ میں شامل ہؤا کرتی تھی۔ اگر دس لاکھ احمدی ہوں تو ہم میں سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمی فوجی ہونا چاہیئے۔ اگر ۵ لاکھ احمدی ہوں تو ہم میں اسّی ہزار فوجی ہونا چاہیئے۔ اگر کہو کہ ہم میں صحابہؓ جتنی ہمت نہیں اور تم صحابہؓ سے آدھی بھی قربانی کرو تو دس لاکھ ہونے کی صورت میں تم میں اسّی ہزار فوجی ہونا چاہیئے اور پانچ لاکھ ہونے کی صورت میں تم میں چالیس ہزار فوجی ہونا چاہیئے۔ اگر کہو کہ ہمارا تو بہت ہی گھٹیا ایمان ہے تو کم از کم تم میں

اتنی تو قربانی پائی جانی چاہئے جتنی یورپین قوموں میں پائی جاتی ہے۔ یورپ میں آبادی کا سَوا چھ فی صدی حصہ جنگی کاموں میں حصہ لیا کرتا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر یورپ کے لوگوں جتنا ایمان بھی تم میں پایا جائے تو دس لاکھ ہونے کی صورت میں ساٹھ ہزار اور پانچ لاکھ ہونے کی صورت میں تیس ہزار تم میں فوجی ہونا چاہئے۔ اگر اُس شیر گدوانے والے کی طرح جس نے شیر کا ایک ایک عضو گودنے پر یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اس کے بغیر بھی شیر رہتا ہے یا نہیں؟ تم بھی یہ کہہ دو کہ ہماری ساری جماعت تو ہندوستان سے باہر ہے اور یہاں صرف دو لاکھ جماعت قرار دو، تب بھی ساڑھے بارہ ہزار فوجی تم میں ہونا چاہئے مگر یورپ میں سَوا چھ فیصدی لوگ جو فوج میں لئے جاتے ہیں وہ اس لئے نہیں لئے جاتے کہ باقی لوگ جان قربان کرنے سے دریغ کرتے ہیں بلکہ سَوا چھ فی صدی وہ اس لئے لیتے ہیں کہ اُن کے میڈیکل ٹیسٹ بہت سخت ہوتے ہیں ورنہ جان پیش کرنے سے وہ پیچھے نہیں ہٹتے۔

اب ہمارے ملک کے حالات نہایت ہی نازک مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں۔ حکومت ان باتوں کو چُھپاتی ہے اور اُس کی مصلحت اسی میں ہے کہ وہ ان باتوں کو چُھپائے، ورنہ دوسری قوم شور مچا دے کہ مسلمانوں کو لڑائی کے لئے برانگیختہ کیا جاتا ہے لیکن حالات کی نزاکت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ (اب چونکہ دونوں مُلکوں میں خوشگوار حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ میں بعض تفصیلات کو حذف کرتا ہوں)

قادیان میں رہتے ہوئے ہمارے لئے ایک مشکل تھی ورنہ اُن دِنوں میں بھی ہم یہی پسند کرتے کہ دُشمن سے لڑ کر مر جائیں۔ اور وہ مشکل یہ تھی کہ ہمیں حکومت سے لڑنا پڑتا تھا اور حکومت سے لڑنا ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قادیان سے ہمارا پیچھے ہٹنا حرام اور قطعی حرام ہوتا۔ اگر حکومت سے مقابلہ نہ ہوتا مگر چونکہ وہاں ہماری جنگ لوگوں سے نہیں ہوتی تھی بلکہ حکومت کے نمائندوں سے ہوتی تھی اور یہ چیز شرعاً ہمارے لئے جائز نہیں تھی، اس لئے ہم نے مقابلہ نہ کیا، ورنہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شخص جو قادیان سے بھاگ کر آتا خواہ میں ہوتا یا کوئی اور ہوتا بھگوڑا اور باغی ہوتا مگر چونکہ خدا کا حکم تھا کہ حکومت سے نہیں لڑنا اِس لئے ہم پیچھے ہٹ گئے۔ جیسے مکہ میں رہتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے دُشمن سے جنگ کرنا جائز نہیں تھا مگر جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے

تو لڑائی آپؐ کے لئے جائز ہوگئی۔ غرض اب حالات بالکل مختلف ہیں۔ اب اگر پاکستان سے کسی ملک کی لڑائی ہوگئی تو حکومت کے ساتھ ہو کر ہمیں لڑنا پڑے گا اور حکومت کی تائید میں ہمیں جنگ کرنی پڑے گی اس لئے اب پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ بہترین طریق یہی تھا کہ محاذِ کشمیر پر تین تین ماہ کے لئے ہماری جماعت کے نوجوان جاتے اور فوجی ٹریننگ حاصل کر کے آ جاتے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک چھوٹی سی تعداد بھی ہم پوری نہیں کر سکے۔ جو لوگ فوجی خدمت دے رہے ہیں اُن میں سے سَوا سَو کے قریب تو ایسے ہیں جن کو ہم کچھ گزارہ دیتے ہیں لیکن بہت کم۔ درحقیقت یہ لوگ بڑے نیک ہیں جو بڑی قربانیاں کرنے والے ہیں، بڑے اخلاص کے ساتھ کام کرنے والے ہیں اور سالہا سال سے اِس فرض کو ادا کر رہے ہیں اور پھر اپنے عہدوں کے لحاظ سے بعض پانچواں، بعض چھٹا اور بعض ساتواں حصہ گزارہ لے رہے ہیں۔ میں نے خود گورنمنٹ کی ایک رپورٹ دیکھی ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ احمدی لوگ جو یہاں کام کر رہے ہیں وہ صرف نام کا گزارہ لے رہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً سپاہی ہیں اُن میں سے بعض کو بیس بیس روپے مل رہے ہیں، آفیسر جو کمانڈ کرتا ہے، اُسے سَو روپے ملتے ہیں حالانکہ اگر وہ فوج میں ہوتا تو اُسے ہزار روپیہ ملتا۔ غرض انتہائی قربانی کے ساتھ یہ لوگ کام کر رہے ہیں اور پھر فوجی ٹریننگ میں بھی یہ لوگ کسی سے پیچھے نہیں۔ چنانچہ فوجی افسروں کی رپورٹ ہے کہ ان لوگوں کو عام سپاہیوں سے کسی طرح کم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لئے فخر کا بھی موجب ہیں مگر ہمارے لئے شرمندگی اور ذلّت کا بھی موجب ہیں۔

میں بتا چکا ہوں کہ پانچ سَو آدمی ہر وقت کام پر رہنے چاہئیں۔ ان میں سے ایک سَو بیس تو وہ نکل گیا جو معمولی گزارہ لے کر کام کر رہا ہے۔ باقی چار سَو کے قریب آدمی رہ گئے لیکن اِس وقت یہ حالت ہے کہ برابر آٹھ نو مہینوں سے ایک سَو بیس مخلصوں کو نکال کر جو جماعت کی طرف سے والنٹیرز جاتے ہیں اُن کی نفری ایک سَو پچاس تک رہ گئی ہے اور ایک سَو پچاس میں سے بھی اکثر وہ ہیں جن کو جبراً فوجی قانون کے ماتحت ہم نے روکا ہوا ہے، ورنہ وہ اپنا وقت پورا کر چکے ہیں۔ اگر ان کو بھی واپس کر دیا جاتا تو صرف ساٹھ ستّر والنٹیرز رہ جاتے۔ جس جماعت کے اقل ترین والنٹیرز دو لاکھ تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے ساڑھے بارہ ہزار

ہونے چاہئیں اور اسلامی طریق پر ۳۲ ہزار ہونے چاہئیں۔ اُس جماعت میں سے اگر صرف ڈیڑھ سَو آدمی جاتا ہے اور باقی سب بہانے بنانے لگ جاتا ہے تو ہمیں یہ خطرناک صورتِ حالات دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ جس طرح وہ شخص جو چندہ نہیں دیتا اُسے جماعت سے خارج کیا جاتا ہے۔

جہاد اور جنگ کی اہمیت

اِسی طرح وہ لوگ جو فوجی ٹریننگ کے لئے اپنے آپ کو پیش نہیں کرتے اُن کو بھی جماعت میں سے خارج کر دیا جائے بلکہ جہاد اور جنگ کی تیاری تو چندہ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ جیسے نماز پڑھنا فرض ہے اِسی طرح دین کی خاطر ضرورت پیش آنے پر لڑائی کرنا بھی فرض ہے۔ یہ کہنا کہ یہ دین کی خاطر جہاد نہیں بالکل لغو بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اگر پاکستان خطرہ میں پڑا تو لڑنے کے لئے فرشتے آئیں گے؟ جب تک تم فوجی فنون نہیں سیکھو گے اُس وقت تک تم ملک کی حفاظت کس طرح کر سکو گے؟ اور ملک کی حفاظت بھی تو ایک قسم کا جہاد ہوتا ہے گو وہ سَو فیصدی جہاد نہ ہو۔ فرض کرو پاکستان پر حملہ کرنے کے لئے ایک قوم آ جاتی ہے تو کیا تم اُس وقت اُس قوم سے یہ کہو گے کہ ابھی چھ ماہ کے لئے واپس چلے جاؤ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ ہمارے ملک پر کوئی حملہ کرنے والا ہے اس لئے ہم نے تیاری نہ کی تھی؟ اب آپ کے حملہ سے ہمیں جہاد کا احساس ہو گیا ہے، ہم فوجی ٹریننگ شروع کرنے والے ہیں، چھ مہینے کے بعد ہم آپ کو اطلاع دے دیں گے پھر آپ بے شک ہم سے لڑنے کے لئے آ جائیں۔ جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اِس قسم کے سوالات محض نفس کے بہانے ہیں اور جب انسان بہانہ بنانے پر آتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ میں کوئی ایسی بات پیش کروں جس سے میں اپنی بریت کر سکوں اور یہ ظاہر کر سکوں کہ میں نے گناہ نہیں کیا۔

میں جماعت کے دوستوں پر یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم اپنے ایمان کو سلامت لے جانا چاہتے ہو اور کسی کے ایمان کی سلامتی میرے اختیار میں نہیں ایمان کو سلامت رکھنے والی تمام باتیں قرآن کریم میں لکھی ہوئی ہیں۔ اگر تم میں وہ باتیں ہوں گی تو تم ایماندار ہو گے اور اگر نہیں ہوں گی تو ایماندار نہیں ہو گے۔ بہرحال اگر تم اپنے ایمان کو اس دُنیا سے سلامت لے جانا چاہتے ہو تو تمہیں یہ امر اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ جن امور کو

اسلام نے ایمان کا اہم ترین حصہ قرار دیا ہے اُن میں سے ایک جہاد بھی ہے بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص جہاد کے موقع پر پیٹھ دکھاتا ہے وہ جہنمی ہو جاتا ہے اور جہاد میں کوئی شخص حصہ ہی کس طرح لے سکتا ہے جب تک وہ فوجی فنون سیکھنے کے لئے نہیں جاتا۔ کشمیر کی جنگ کا شروع ہونا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اہم موقع تھا جس سے ہماری جماعت بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتی تھی بلکہ اب بھی اُٹھا سکتی ہے۔ لیکن اگر کشمیر کی جنگ نہ ہوتی تب بھی ہماری جماعت کا فرض تھا کہ وہ فوجی فنون سیکھنے کے لئے اپنے نوجوانوں کو پیش کرتی تا کہ اگر براہ راست پاکستان ہی پر حملہ ہو جاتا تو وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کی حفاظت کا کام سرانجام دے سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ فوجی خدمت سے جی چُراتے ہیں، اِس وجہ سے جی چُراتے ہیں کہ اُن کی اس کام سے جان نکلتی ہے حالانکہ دُنیا میں جب بھی کوئی قیمتی چیز کسی کو ملے گی لوگ اُسے اس سے چھیننے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساری عمر یہ کہتے رہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دو[2] لیکن دشمنوں نے اُس شخص کی قوم پر بھی تلوار چلائی اور خود حفاظتی پر مجبور کر دیا۔ اسلام کتنا صلح کُل مذہب ہے مگر مسلمانوں کو حکومت ملی تو ان کے ملک کو تباہ کرنے کے لئے چاروں طرف سے دشمن کُود پڑے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں بنی نوع انسان کی محبت اِس قدر راستوار تھی کہ گو لڑائی میں سب سے زیادہ بہادر آپ ؐ سمجھے جاتے تھے مگر آپ ؐ دشمن کو اپنے ہاتھ سے مارتے نہیں تھے۔ صرف لوگوں کو ہدایتیں دیتے تھے کہ اس اس طرح لڑائی کرو۔ گویا آپ ؐ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ لڑائی کریں لیکن چونکہ دشمن نے آپ کو لڑنے پر مجبور کر دیا اس لئے آپ کو بھی اُس کے مقابلہ میں نکلنا پڑا۔ صرف ایک دفعہ ایک دشمن نے اصرار کیا کہ آپ اُس سے لڑائی کریں اور آپ اُس کے مجبور کرنے پر اُس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر بعض دفعہ ایمان کے ساتھ محبت مل کر ایک عجیب مضحکہ خیز مثال پیدا کر دیتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہادری اور جرأت کا حال سب کو معلوم تھا مگر ایک لڑائی میں جب کُفار کا ایک جرنیل مقابلہ کے لئے نکلا اور اُس نے چیلنج کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مقابلہ کے لئے نکلیں تو صحابہؓ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے کہ آپ کی حفاظت کریں حالانکہ آپ اُن سے زیادہ بہادر تھے۔ چنانچہ

آپ نے فرمایا رستہ چھوڑ دو اور اُسے آنے دو۔ جب وہ آگے بڑھا اور اُس نے حملہ کر دیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کے وار کو روک کر اپنا نیزہ لمبا کر کے محض اُس کے جسم کو چُھوا اور وہ اُسی وقت واپس لوٹ گیا۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ تم تو اتنے بہادر تھے مگر آج تم نے کیا کیا کہ نیزہ اُدھر تمہارے جسم سے چُھوا اور اُدھر تم واپس لوٹ آئے۔ اُس نے کہا تمہیں حقیقت نہیں معلوم تمہیں یہی نظر آ رہا ہے کہ وہ نیزہ میرے جسم سے چھوا ہے۔ تم مجھ سے پوچھو جس کے نیزہ لگا ہے۔ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا جہان کی ساری آگ میرے جسم میں بھر دی گئی ہے۔[۳] یہ ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا مگر بہرحال اس سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لڑائی سے نفرت کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپؐ کو لڑنا پڑا۔ پس یہ خیال کرنا کہ ہم محبت اور پیار سے تبلیغ کرنے والے ہیں، ہمارے ساتھ کسی نے کیا لڑنا ہے یا یہ کہ ہمارا ملک صلح پسند ہے اس پر کسی نے کیا حملہ کرنا ہے محض جہالت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھیں اور فوجی ٹریننگ حاصل کریں تا وقت پر اپنے ملک کی حفاظت کر سکیں۔

پس جماعت کو اب یہ فیصلہ کر کے یہاں سے جانا چاہئے کہ وہ اپنے سارے نوجوانوں کو نکال کر فوجی ٹریننگ کے لئے بھجوائے گی ورنہ تم صاف طور پر کہہ دو کہ ہم احمدی نہیں۔ تمہارا خالی چندے دے دینا کافی نہیں ہے۔ اِن چندوں کی تمہیں عادت ہو چکی ہے اور اِس قسم کی قربانی تو اَور لوگ بھی کرتے ہیں۔ کنچنیاں ناچتی ہیں تو لوگ اُن کو ویلیں ڈالتے ہیں تم بھی کنچنیوں کو ویلیں ڈالنے والوں کی طرح چندہ دے رہے ہو ورنہ اگر تمہارے اندر حقیقی ایمان ہوتا تو وہ ہر موقع پر ظاہر ہوتا۔ مال کی قربانی کے موقع پر بھی تم اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتے اور جان کی قربانی کے موقع پر بھی تم اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتے۔ یہ سوال ہے جو آج میں نے مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا ہے۔ اس سوال پر اچھی طرح غور کرو اور سوچ سمجھ لو۔ پانچ سَو آدمی کا وہاں بیک وقت موجود رہنا تو ابھی ابتدائی قدم ہے ورنہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ وہاں ہزار ہزار دو دو ہزار آدمی ایک وقت میں رہا کریں تا کہ جب کبھی جہاد کا موقع آئے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ ہمیں اپنے ملک، اپنے اموال اور

اپنی عزتوں کی حفاظت کے لئے قربانی کرنی پڑے تو ہم اِس میدان میں بھی سب سے بہتر نمونہ دکھانے والے ہوں اور دوسرے مسلمان ہمیں یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ مولوی ملک کی حفاظت کے وقت کچے ثابت ہوئے۔ اور یہ کوئی بڑی بات نہیں، کافر بھی بڑی بڑی قربانیاں کیا کرتے ہیں۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک لڑائی کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے ایک شخص کفار پر حملہ آور ہؤا اور اُس نے ایسی بے جگری کے ساتھ لڑائی کی اور اس طرح کفار کو تہہِ تیغ کرنا شروع کیا کہ مسلمان اُس کو دیکھ دیکھ کر بے اختیار کہتے کہ خدا! اس شخص کو جزائے خیر دے، یہ اسلام کی کتنی بڑی خدمت سرانجام دے رہا ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے اِس دُنیا کے پردہ پر کوئی دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بات فرمائی تو صحابہؓ سخت حیران ہوئے کہ اتنی بڑی قربانی کرنے والے اور آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ کس طرح فرما دیا کہ اگر کسی نے اس دُنیا کے پردہ پر کوئی دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اسے دیکھ لے۔ ایک صحابی کہتے ہیں میں نے کئی لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرتے سُنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ کیا فرما دیا اور میں نے سمجھا کہ ممکن ہے اس سے بعض لوگوں کو ٹھوکر لگے۔ چنانچہ میں نے قسم کھائی کہ میں اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک میں اس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں میں اُس کے ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے زخمی ہؤا اور اُسے لوگوں نے اُٹھا کر ایک طرف لِٹا دیا۔ وہ درد کی شدت کی وجہ سے کراہتا تھا اور چیخیں مارتا تھا۔ صحابہؓ اس کے پاس پہنچتے اور کہتے اَبْشِرْ بِالْجَنَّۃِ تجھے جنت کی خوشخبری ہو۔ اِس پر وہ اُنہیں جواب میں کہتا۔ اَبْشِرُوْنِیْ بِالنَّارِ۔ مجھے جنت کی نہیں دوزخ کی خبر دو اور پھر اُس نے بتایا کہ میں آج اسلام کی خاطر نہیں لڑا بلکہ اِس لئے لڑا تھا کہ میرا ان لوگوں کے ساتھ کوئی پرانا بُغض تھا۔ آخر وہ صحابی کہتے ہیں اُس نے زمین میں اپنا نیزہ گاڑا اور پیٹ کا دباؤ ڈال کر خودکشی کر لی۔ جب وہ مر گیا تو وہ صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں پہنچے اور اُنہوں نے بلند آواز سے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ نے بھی جواب میں فرمایا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ

مَیں اُس کا رسول ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپؐ نے فلاں شخص کے متعلق یہ بات کہی تھی، اِس پر بعض صحابہؓ کے دل میں شُبہ پیدا ہؤا کہ اتنے بڑے نیک انسان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ کیا کہہ دیا مگر میں نے کہا خدا کے رسول کی بات جھوٹی نہیں ہوسکتی اور میں نے قسم کھائی کہ میں اسے چھوڑوں گا نہیں جب تک میں اِس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ رہا اور آخر وہ خودکشی کر کے مرگیا[۴] تو بے دین لوگ بھی ملک کی خاطر اور حمیت کی خاطر اور جاہلیت کی خاطر بڑی بڑی قربانی کیا کرتے ہیں۔ پس جان اتنی قیمتی چیز نہیں کہ اُسے اس طرح سنبھال کر رکھا جائے لیکن جب سینکڑوں سال کی غلامی کے بعد کسی کو آزادی ملے اور سینکڑوں سال کے بعد کسی کو اس بات کے آثار نظر آنے لگیں کہ خدا تعالیٰ پھر اسلام کی سربلندی کے مواقع بہم پہنچا رہا ہے تو اُس وقت بھی اپنے حالات میں تغیر پیدا نہ کرنا اور غلامی کے احساسات کو قائم رکھنا بڑی خطرناک بات ہے۔ ہم تو انگریزوں کے زمانہ میں بھی یہ کہا کرتے تھے کہ غلامی اور چیز ہے اور اطاعت اور چیز ہے۔ جب گاندھی کہتا کہ ہم کب تک انگریزوں کے غلام رہیں گے تو میں ہمیشہ اس کے جواب میں یہ کہا کرتا تھا کہ میں تو انگریزوں کا غلام نہیں۔ میرا ضمیر خدا تعالیٰ کے فضل سے اب بھی آزاد ہے اور اگر مجھے جائز رنگ میں اُن کا مقابلہ کرنا پڑے تو میں اُن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ غرض غلامی کے غلط اور گندے احساسات اُس وقت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے اندر نہیں تھے لیکن دوسرے لوگ اگر اُنہی احساسات کو اب بھی لئے چلے جائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ اُن پر کیا ذمہ داری آنے والی ہے تو یہ بالکل تباہی والی بات ہوگی۔

بہرحال جماعت کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اب ان باتوں کو قطعی طور پر برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کہنا کہ پاکستان کی حکومت کون سی احمدی حکومت ہے لغو بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب تمہاری اپنی حکومت ہے، چاہے موجودہ حکومت احمدی حکومت ہو یا نہ ہو۔ انگریز باہر سے آیا تھا اور وہ یہ کہا کرتا تھا کہ مَیں حاکم ہوں اور تمہیں وہی اختیار حاصل ہوگا جو میں تمہیں دوں گا لیکن اب پاکستان میں ہندو بھی ہیں، شیعہ بھی ہیں، سُنّی بھی ہیں، احمدی بھی ہیں اور کئی دوسری جماعتیں بھی ہیں لیکن حکومت کیا کہتی ہے؟ حکومت یہ نہیں کہتی کہ وہ

شیعوں کی ہے یا سُنیوں کی ہے بلکہ وہ کہتی ہے کہ یہ تم سب کی حکومت ہے۔ اگر موجودہ حکومت کی جگہ کوئی اَور حکومت آ جائے تو بہر حال وہ بھی اکثریت کی ہی حکومت ہو گی اور اکثریت کو بدلنا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم تبلیغ کر کے اکثریت بن جاؤ اِس سے تم کو کون روکتا ہے۔ یا دوسری جماعتوں سے سمجھوتے کر کے اکثریت بن جاؤ اِس سے تم کو کون روکتا ہے۔ اگر تم تبلیغ کر کے اکثریت بن جاؤ یا مسلم لیگ یا دوسری جماعتوں سے سمجھوتہ کر کے اکثریت کا جزو بن جاؤ تو اِس میں کیا شُبہ ہے کہ پاکستان کی حکومت تمہاری حکومت ہی ہوگی۔ تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اب تمہاری وطنی حکومت ہے اور وطنی حکومت اور غیر حکومت میں بڑا بھاری فرق ہوتا ہے۔ ہمارے اُصول کے مطابق تو غیر حکومت جو امن دے رہی ہو اُس کی مدد کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور وطنی حکومت کی مدد کرنا تو اِس حدیث کے ماتحت آتا ہے کہ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔ جو شخص اپنے مال اور اپنی عزت کا بچاؤ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہوتا ہے۔ یہ شہادت چاہے اتنی شاندار نہ ہو جتنی دینی جہاد میں جان دینے والے کی شہادت ہوتی ہے لیکن بہر حال یہ ایک رنگ کی شہادت ضرور ہے اور انسان جتنا بھی ثواب حاصل کر سکے اُسے ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پس آپ لوگ اپنے دلوں میں غور کریں اور جماعتوں کی طرف سے ذمہ داری لیں کہ آپ اپنے نوجوانوں کو باقاعدگی کے ساتھ فوجی فنون سیکھنے کے لئے محاذ پر بھجوایا کریں گے اور اپنی تعداد کے لحاظ سے نسبت کو قائم رکھیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ شہری لوگوں کے لئے بڑی مصیبت ہے اور اِس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے اُن کے دِل لرزتے ہیں۔ لاہور میں مَیں نے کئی تقریریں کیں، بارہا جماعت کو توجہ دلائی، مختلف پیرایوں میں اُن کے سامنے یہ تحریک رکھی مگر پانچ سَو میں سے دس آدمی بھی لاہور سے نہ جا سکے اور دس کہتے وقت بھی غالباً میں حُسنِ ظن سے کام لے رہا ہوں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شہری آبادی سے فوجی تیاری کے لئے نوجوان مہیا کرنا کتنا مشکل کام ہے لیکن بغیر مشکلات میں سے گزرنے کے کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوا کرتی۔ کسی جماعت میں شامل ہونا اور اُس کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنا بے وقوفی ہوتی ہے۔ پس یہ ایک ضروری مسئلہ ہے جسے سوچتے رہیں۔ میری طبیعت اچھی ہوئی اور گلا کُھلا تو میں کسی وقت یہ سوال بھی آپ لوگوں

کے سامنے پیش کروں گا۔ اور میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ذمہ داری بہرحال جماعت کے لوگوں کو اُٹھانی پڑے گی اور نفری پوری کرنی ہوگی۔ پانچ سَو ہی کا سوال نہیں بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ پندرہ پندرہ سَو آدمی ہر وقت وہاں موجود ہوں۔ فرض کرو کسی وقت پاکستان اور کسی اور ملک میں جنگ ہو جاتی ہے۔ تو اُس وقت جب تک لاکھوں لاکھ آدمی جان دینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے پاکستان کامیاب نہیں ہوسکتا۔

فوجی افسروں سے جب بھی میری گفتگو ہوئی ہے میں نے ہمیشہ انہیں یہی کہا ہے کہ گولیوں اور توپوں سے تم لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تمہارے پاس اگر ایک گولی ہے تو دشمن کے پاس دس گولیاں ہیں، تمہارے پاس ایک توپ ہے تو اُن کے پاس پانچ چھ توپیں ہیں، جو چیز تمہارے پاس زیادہ ہے اور دشمن کے پاس کم ہے، وہ قربانی کرنے والا آدمی ہے۔ تم اپنے آدمیوں کو مرواتے جاؤ اور کامیابی حاصل کرلو۔ گولی کی ضرورت آخر اِسی لئے ہوتی ہے کہ آدمی کم مریں لیکن جب گولی کم ہو تو دوسرا علاج یہی ہوتا ہے کہ مرتے جاؤ اور بڑھتے جاؤ۔

پٹھانوں کی بہادری کی تعریف

ہم نے دیکھا ہے۔ پٹھانوں کو بڑا وحشی سمجھا جاتا ہے لیکن اُن میں یہی خوبی ہے کہ وہ مرنے سے نہیں ڈرتے، مرتے جاتے ہیں اور آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ مجھے ایک کرنل نے سنایا کہ کشمیر میں ایک بڑا سخت مورچہ تھا۔ مہاراجہ کشمیر کا اس کے متعلق یہ اعلان تھا کہ وہ مورچہ چھ مہینے تک فتح نہیں ہوسکتا۔ یہ اُن کی ایک خاندانی جگہ تھی جسے اُنہوں نے بڑا مضبوط بنایا ہوا تھا۔ اُس نے بتایا کہ ہمیں حکم ہوا کہ پٹھانوں کو آگے بھیجو۔ اُس وقت کابل کی طرف سے پاوندے آئے ہوئے تھے۔ فوجی افسر نے اُنہیں اپنے ساتھ لیا اور نقشوں سے بتانا شروع کیا کہ فلاں جگہ سے رستہ گزرتا ہے فلاں جگہ نالا ہے، فلاں رستہ بڑا خطرناک ہے کیونکہ وہاں دشمن نے مائنز بچھائی ہوئی ہیں۔ پہلے اس طرف سے جانا، پھر پہاڑی کے اُس طرف چلے جانا، پھر اس نالے کو عبور کرنا، وہ گھبرائیں کہ یہ اپنی بات کو ختم کیوں نہیں کرتا اور یہ بتاتا کیوں نہیں کہ ہم نے کرنا کیا ہے۔ جب وہ بات کر چکا تو اُنہوں نے کہا کہ تم صرف اتنا بتاؤ کہ ہم نے کرنا کیا ہے؟ اُس نے کہا فلاں قلعہ پر قبضہ کرنا ہے۔ اُنہوں نے کہا بس اتنی بات تھی۔ تم نے خواہ مخواہ

ہمارا اتنا وقت ضائع کیا۔ اِس کے بعد وہ سیدھے اُس قلعہ کی طرف چل پڑے۔ پندرہ بیس گز گئے تھے کہ دشمن کو علم ہو گیا اور اُس نے فائرنگ شروع کر دی۔ اُن کے چالیس پچاس آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اِس پر اُنہوں نے ان لاشوں کی اوٹ میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ پھر کچھ مرے تو اُنہوں نے اُن کی لاشوں کو آگے رکھ لیا۔ اِس طرح وہ اپنی لاشوں کو پناہ بناتے ہوئے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور جس قلعہ کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ چھ مہینے تک فتح نہیں ہو سکتا اُس قلعہ پر شام کے وقت ہمارا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اُس کرنل نے بتایا کہ وہ اتنی دلیری کے ساتھ آگے بڑھے کہ ہمیں دیکھ کر حیرت آتی تھی۔ ہم اُن سے کہتے کہ دشمن سے چُھپو اور وہ ناچنے لگ جاتے اور کہتے کہ ہم تو حملہ سے پہلے ناچا کرتے ہیں۔ یہ دُنیوی چیزیں ہیں جو ایمان کے نہ ہوتے ہوئے بھی مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر یہ پہلی چیزیں ہی ہمارے اندر نہیں پائی جاتیں تو اگلی خوبیاں ہم میں کہاں ہو سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دُنیا دار لوگ جتنی قربانیاں کرتے ہیں وہ ایک چھوٹا پیمانہ ہوتا ہے جس کو دیکھتے ہوئے مومن اپنی آئندہ ترقی کی عمارت تیار کرتا ہے۔ اگر نئی عمارت بنانے کی بجائے ہم اُس پیمانہ کی قربانیاں بھی نہ کریں جس پیمانہ کی قربانیاں عام دنیا دار لوگ کیا کرتے ہیں تو ہم سے زیادہ اپنے دعووں میں جھوٹا اور کون ہو سکتا ہے۔

پس آپ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اب یہ غفلت زیادہ دیر تک برداشت نہیں کی جاسکتی۔ دُنیا میں کبھی بھی مذہب نے قربانی کے رستوں کے بغیر ترقی نہیں کی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو وہ تکلیفیں نہیں پہنچیں گی جو پہلے لوگوں کو پہنچی ہیں۔ اگر تم ایسا خیال کرتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے۔[۵] اب دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو تم یہ سمجھو کہ قرآن نعوذ باللہ جھوٹا ہے اُس نے یونہی ایک گپ ہانک دی ہے اور یا تم یہ سمجھو کہ احمدیت جھوٹی ہے اس نے ترقی ہی نہیں کرنی پھر اس کے لئے جان کی قربانی کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر قرآن نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے اور اگر احمدیت بھی سچی ہے تو لازماً اپنے ملک کی عزت کی حفاظت کے لئے اس وقت جو موقع پیدا ہوا ہے، اس میں تمہیں حصہ لینا پڑے گا کیونکہ یہ تغیر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اسلام کی آئندہ ترقی کے لئے زیادہ قربانیاں ہم کو ہندوستان میں دینی ہوں گی یا افریقہ میں

لیکن فرض کرو افریقہ میں پیش آتی ہیں تو وہاں کے احمدی ہمارا نمونہ دیکھیں گے۔ اگر ہم اُس وقت اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے تو ہم ان سے کہہ سکیں گے کہ پاکستان میں ہم کو دینی جہاد کا موقع تو نہیں ملا لیکن ہماری دُنیوی حکومت پر یا ہمارے ملک اور ہماری قوم پر جب حملہ ہؤا تو ہم نے اس کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ یہ نمونہ ہے جس سے وہ سبق سیکھیں گے اور اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے لیکن اگر ہم نے اُن سے یہ کہا کہ ہمارے آدمی تو جانیں دینے سے بھاگا کرتے تھے مگر بہادرو شاباش تم لڑو اور اپنی جانیں قربان کرو۔ تو وہ کہیں گے کہ تم نے تو ہمارے لئے نمونہ بنا تھا اگر تم لڑنے کے لئے نہیں نکلے تو ہم سے تم یہ کس طرح مطالبہ کر سکتے ہو کہ ہم اِس وقت دین کے لئے اپنی جانیں قربان کریں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ قربانی ہمیں سب سے پہلے کس ملک میں پیش کرنی پڑے گی۔ ممکن ہے ایشیا میں پیش کرنی پڑے یا ایشیا سے باہر پیش کرنی پڑے۔ بہرحال ہمیں اس وقت اچھا نمونہ دکھانا پڑے گا۔ اگر ہم اچھا نمونہ نہیں دکھائیں گے تو کبھی بھی ہم دوسرے ملکوں کے لئے نیک روایات قائم نہیں کر سکیں گے۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۰ء)

دوسرا دن

مجلس مشاورت کے دوسرے دن یعنی ۱۸/اپریل کو تلاوت قرآن کریم اور دعا کے بعد حضور نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

''جیسا کہ میں نے کل بیان کیا تھا میری طبیعت جلسہ سالانہ کے بعد سے زیادہ کمزور ہے۔ کل کی تقریر سے بھی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ بعض دفعہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کی حرکت فوراً بند ہو جائے گی۔ گلے کی تکلیف کے آثار بھی رات سے پھر شروع ہو گئے ہیں اور کان میں بھی درد شروع ہوگئی ہے اس بیماری کی ابتدا اسی طرح ہوتی ہے پچھلی دفعہ بھی اسی طرح ہوا تھا اور اب بھی یہی ہو رہا ہے ممکن ہے یہ بیماری جگر کی خرابی کی وجہ سے ہو کیونکہ بعض دفعہ بیماری کہیں ظاہر ہوتی ہے اور اُس کا سبب کہیں مخفی ہوتا ہے اس کا خیال مجھے ایک رؤیا سے آیا ہے۔

ایک رؤیا رات میں نے رؤیا میں دیکھا جیسے میں قادیان میں ہوں اور باہر کے محلّہ سے جس طرف سے پہلے زمانہ میں یکّے وغیرہ آتے تھے، آ رہا ہوں۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی میرے ساتھ ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دشمن کے نرغہ میں گِھر جائے تو وہ کیا طریق اختیار کرے۔ اگر وہ اندر چھپ کر اپنے دن گزارے تو کیا یہ ایمان کے خلاف تو نہ ہوگا؟ میں نے اُن کے جواب میں کہا کہ یہ امر ناجائز نہیں اس وقت میں سمجھتا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود مجھے ایک شخص کمرہ میں سے نکال کر دکھایا تھا اور بتایا تھا کہ یہ اس اس طرح دشمن کے نرغہ میں گِھر گیا تھا۔ مگر گھر میں پوشیدہ رہ کر اُس نے دن گزارے۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے عملاً مجھے ایک شخص ایک کمرہ سے (جو میاں عبداللہ صاحب کے مکان میں تھا) نکال کر دکھایا ہے جو دشمن کے نرغہ میں گِھر گیا تھا اور اُس نے پوشیدہ رہ کر دن گزارے تھے۔ پھر میں نے مزید وضاحت کے لئے کہا کہ میاں عبداللہ صاحب جلد ساز کے گھر میں تھا یعنی اُس مکان میں جو قادیان میں تھا۔ اِس کے بعد میں گھر میں داخل ہوا اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ڈبہ ہے اور ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب بھی وہیں موجود ہیں میں نے وہ ڈبہ انہیں دکھایا اور کہا کہ میری طبیعت خراب رہتی ہے اور یہ دوا کسی نے جگر کے مقام پر لیپ کرنے کے لئے بتائی ہے مگر میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس میں پارہ نہ ہو چونکہ میرے دانت آگے ہی کمزور ہیں اور پارہ دانتوں کے لئے مُضِر چیز ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ہاتھ کو دوا لگے اور ہاتھ دانتوں کو لگیں اور دانت خراب ہو جائیں۔ انہوں نے کہا اس میں پارہ نہیں۔ وہ ڈبہ ایسا ہے جیسے اینٹی فلوجسٹین کا ہوتا ہے۔ مگر اس میں جو دوائی نظر آ رہی ہے وہ ذرا بھورے رنگ کی ہے یوں وہ ڈبہ بند ہے مگر کشفی طور پر مجھے اس کے اندر کی دوائی بھی دکھائی دے رہی ہے اور وہ بھورے رنگ کی ہے۔

اس رؤیا سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے بعض جگہ احمدیوں کے لئے ایسا فتنہ پیدا ہو کہ اُن کے لئے کُھلے بندوں پھرنا مشکل ہو جائے۔ خواب کے دوسرے حصہ میں مجھے اپنے علاج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ممکن ہے میرے جگر میں خرابی ہو جس کی وجہ سے باقی عوارض پیدا ہو رہے ہوں یا ممکن ہے یہ حصہ بھی تعبیر طلب ہو۔

فوجی ٹریننگ میں نے کل دوستوں کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ انہیں فوجی ٹریننگ کے لئے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں پیش کرنا چاہیے تاکہ وقت آنے پر وہ اپنی قوم اور ملک کے لئے مفید وجود ثابت ہوں۔ آج شوریٰ کی کارروائی شروع کرنے سے پہلے میں پھر احباب کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے بتایا تھا جماعت میں اصولی چیزوں کا نہ ہونا اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوسکتا خالی نعرے لگا دینا اور عملاً کچھ نہ کرنا کبھی مفید نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کوئی بزدل تھا اُسے خیال ہوگیا کہ میں بڑا بہادر ہوں اور اُس نے تجویز کیا کہ وہ اپنے جسم پر کوئی بہادری کی علامت گُدوائے آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بازو پر شیر کی شکل گُدوائے گا۔ وہ گودنے والے کے پاس گیا اور اُسے کہا میرے بازو پر شیر گود دو۔ گودنے والے نے اپنے سامان لیا اور گودنے کے لئے تیار ہوگیا۔ اُس نے سُوئی جو ماری تو چونکہ وہ بزدل تھا درد کی اُس سے برداشت نہ ہوسکی اور اُس نے گودنے والے سے پوچھا تم شیر کا کون سا حصہ گود رہے ہو؟ اُس نے کہا میں دایاں کان گودنے لگا ہوں۔ اُس نے کہا اگر شیر کا دایاں کان نہ ہو تو کیا شیر رہتا ہے یا نہیں؟ گودنے والے نے کہا شیر تو رہتا ہے۔ اُس نے کہا اچھا دایاں کان چھوڑ دو اور آگے چلو۔ اسی طرح ہر عضو کے متعلق اُس نے یہی کہنا شروع کر دیا آخر گودنے والا سُوئی چھوڑ کر بیٹھ گیا، اُس نے پوچھا بیٹھ کیوں گئے ہو؟ اُس نے کہا شیر کا دایاں کان نہ ہو تب بھی وہ شیر رہتا ہے اور اگر بایاں کان نہ ہو تب بھی شیر رہتا ہے لیکن جتنے اعضاء تم نے چُھڑ وائے ہیں اُن کے بعد تو شیر ہی نہیں رہتا۔

غرض بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں خوشی سے تو نہیں لیکن مجبوراً نظر انداز کیا جاسکتا ہے مگر بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں مجبوراً بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً طبیعت میں اشتعال کا آجانا اسلام کے خلاف ہے لیکن اسے ایک حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے۔ یا بدظنی ہے یہ بھی اسلام کے خلاف ہے لیکن مجبوراً اسے ایک حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے۔ لوگ کہہ دیتے ہیں چلو جی انسان میں کچھ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں کچھ کا لفظ غیر معیّن کمزوری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ کسی شخص کے ایسے چند واقعات سن کر لوگ کہہ دیتے ہیں آپ خفا نہ ہوں انسان میں بعض کمزوریاں بھی ہوتی ہیں لیکن یہ سن کر کہ فلاں نماز نہیں پڑھتا

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ خفا نہ ہوں انسان میں بعض کمزوریاں بھی ہوتی ہیں۔ جن باتوں کو کسی حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے وہ ایسی باتیں ہوتی ہیں جن میں اجتہاد کا دخل ہوتا ہے لیکن جو معیّن احکام ہیں یا جو ایسے احکام ہیں کہ جن میں شبہ نہیں کیا جاسکتا اُن میں کمزوری دکھانے کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ ایک شخص کسی کے متعلق اپنی رائے بیان کررہا ہو تو ہم اُسے بدظنی بھی کہہ سکتے ہیں اور حقیقت حال کا اظہار بھی کہہ سکتے ہیں لیکن اگر جنگ ہورہی ہو اور ایک شخص اُس میں شامل نہ ہو اور گھر بیٹھ رہے تو اُس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جانے دو انسان میں بعض کمزوریاں بھی ہوتی ہیں کیونکہ جہاد اسلام کے معیّن احکام میں سے ہے۔ غرض جن امور کی تعیین میں اجتہاد کو دخل نہیں ہوتا اُن کا تارک کسی صورت میں بھی اُس سلسلہ میں شامل نہیں رہ سکتا جس کی تعلیم کا وہ امور جزو ہوں۔ مثلاً چندہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے[6] یہ اس لئے حکم دیا گیا کہ چندہ دینے میں اجتہاد کا دخل نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص کے متعلق بیت المال کا رجسٹر کہہ رہا ہو کہ وہ چندہ نہیں دیتا لیکن مقامی سیکرٹری کہے کہ شاید وہ چندہ دے رہا ہو۔ کیونکہ ہر شخص جو چندہ دیتا ہے وہ بیت المال کے رجسٹروں میں لکھا جاتا ہے۔ اور جب بیت المال کا رجسٹر کہہ رہا ہو کہ اُس نے چندہ نہیں دیا تو ہمیں بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ نادہندہ ہے۔ غرض جو افعال معیّن ہوتے ہیں اور جن میں اجتہاد اور احتمال کا دخل نہیں ہوتا اُن میں سے کسی فعل کے تارک کو کسی سلسلہ میں جس کا وہ جزو ہے شامل رکھنے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اُس کے بگاڑ کو ہم نے برداشت کرلیا۔ جیسے مسلمان بگڑے تو انہوں نے یہ رنگ اختیار کرلیا کہ فلاں شخص اگر نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا یا حج نہیں کرتا تو خدا تعالیٰ اُس پر رحم کرے اور پھر اِس میں ترقی کرتے کرتے مسلمان اس حد تک پہنچ گئے کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ

مستحق شفاعت گنہگارانم.

یعنی اگر ہم گناہ نہ کریں تو یہ عظیم الشان گناہ ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم گناہ نہ کریں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفیع کا درجہ کیسے پائیں گے، ہم گناہ نہیں کریں گے تو آپؐ شفاعت کیا کریں گے۔ گویا گناہ نہ کرکے ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بڑے درجہ سے محروم

کر دیں گے۔اب دیکھو یہ چیز کس حد تک پہنچ گئی۔

مسلمانوں کے بگڑنے کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ معیّن صورت کے اعمال کے ترک کو برداشت کر لیا گیا قومی حفاظت، وطنی حفاظت اور مُلکی حفاظت یا جہاد کے لئے تیار ہونے یا تیار رہنے کا مسئلہ بھی معین احکام میں سے ہے اس کے بارہ میں اجتہاد سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ یہ رؤیت کا سوال ہے فلاں گیا ہے یا نہیں، فلاں نے گولی چلائی ہے یا نہیں، فلاں نے جنگ کی ہے یا نہیں، اِن چیزوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بدظنّی مت کرو شاید وہ جہاد کے لئے تیاری کر رہا ہو۔ یہ چیزیں بدظنّیوں میں سے نہیں بلکہ شواہد میں سے ہیں اور ان کے متعلق احتمالات نہیں ہوتے۔ پس پیشتر اس کے کہ دوسرے مسائل پیش کئے جائیں میں جماعت کے دوستوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں کہ آیا وہ کم از کم کوٹہ سَوا چھ فیصدی دیں گے یا نہیں؟ اگر دیں گے تو کیسے دیں گے؟ اور کتنے عرصہ میں اس کی تکمیل شروع کر دیں گے؟ یہاں یہ سوال نہیں کہ ایسا ہونا چاہئے یا نہیں؟ یہ فضول بات ہو گی اور ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی کہے کہ نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں۔

جہاد سنت اللہ میں داخل ہے

جہاد اصولی امور میں سے ہے اور سنتُ اللہ میں داخل ہے اور سنت اللہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[7] اللہ تعالیٰ کی سنت میں ہرگز تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح قرآن کریم کہتا ہے کہ جب تک تم ان مواقع میں سے نہ گزرو گے جن میں سے پچھلے انبیاء کی جماعتیں گزریں تم برکتیں حاصل نہیں کر سکتے[8] اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں بھی اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے پس یہ خیال مت کرو کہ ہم امتحان کے مواقع میں سے گزرے بغیر کامیاب ہو جائیں گے۔ قرآن کریم نے اس چیز کو سنتُ اللہ قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو سنتُ اللہ قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت میں تم کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ جس طرح ہر نبی کا کامیاب ہونا ضروری ہے خواہ وہ یہ کہے یا نہ کہے کہ میں کامیاب ہوں گا۔ اسی طرح جب کوئی جماعت یہ کہہ دیتی ہے کہ وہ کسی مأمور مِنَ اللہ کی جماعت ہے تو خواہ وہ کامیابی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ کامیاب ہو گی۔ غرض یہ ایک غیر متبدّل قانون ہے کہ ہر بانیٔ سلسلہ کو تلواروں

کے سایہ میں چلنا پڑا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق تو خصوصاً یہ کہا گیا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کی تلواروں کے نیچے ترقی کرے گا۔

پس یہاں یہ سوال نہیں کہ جہاد کے لئے تیار رہنا چاہیے یا نہیں؟ یہ سنتُ اللہ ہے اگر اس میں اختلاف ہو جائے تو پھر یہ بھی سوال آجائے گا کہ مَیں خلیفہ ہوں یا نہیں؟ اِسی قسم کے بیوقوف کہا کرتے ہیں کہ سیّد عبدالقادر صاحب گیلانیؒ ہمارے پِیر ہیں لیکن ہمارا مذہب اَور ہے اور اُن کا مذہب اَور ہے۔ وہ حنبلی ہیں ہم حنفی ہیں جہاں تک فروع کا تعلق ہے یہ اختلاف ایک حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے۔ فقہاء نے بھی کہا ہے کہ فقہی مسائل میں خود قاضی متبوع سے اختلاف کرسکتا ہے لیکن جو امور اُصولِ دین میں سے ہوں اُن میں اختلاف جائز نہیں اُن میں امام اور جماعت کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔ اگر جماعت سمجھتی ہے کہ امام غلطی پر ہے تو اُسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ اُسے امام سمجھنے میں بھی غلطی پر ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ جائز نہیں یا غیر ضروری ہے خدا تعالیٰ نے صاف طور پر بیان کر دیا کہ کسی نبی کی جماعت کو کبھی غلبہ نہیں ملتا جب تک کہ وہ ان حالات میں سے نہ گزرے جن میں سے پچھلے تمام انبیاء گزرے ہیں اور وہ حالات یہ ہیں کہ انہیں اور اُن کی جماعت کو مارنے کی بھی کوشش کی گئی، اُن سے لڑائیاں بھی ہوئیں باقی یہ کہ نوعیتیں بدلتی رہتی ہیں۔ یہ سوال اور ہے۔

جہاد بالسیف کی صورت

یہاں سوال یہ ہے کہ کسی نہ کسی ملک میں ہم پر تلوار ضرور اُٹھائی جائے گی اور اس حد تک اُٹھائی جائے گی کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مقابلہ کی اجازت ہوگی۔ ظاہری حالات میں افغانستان ایسا ملک ہے جس میں یہ حالات پیش آئیں گے۔ افغانستان ریڈیو بار بار لوگوں کو اُکسا رہا ہے کہ تم بھی احمدیوں سے وہی سلوک کیوں نہیں کرتے جو ہم نے اُن سے کیا ہے۔ پہلے تو وہ پردہ ڈال رہے تھے کہ بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر ایسا کیا گیا ہے لیکن اب وہ اسے کُھلے بندوں تسلیم کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم احمدیوں کو ماریں گے اور جو انہیں نہیں مارے گا اُسے ہم اپنا دشمن قرار دیں گے۔ یہ صورت بتا رہی ہے کہ افغانستان والے احمدیوں کو جہاد پر مجبور کر دیں گے۔ مثلاً وہ ہجرت کرنا چاہیں گے تو وہ انہیں ہجرت نہیں کرنے دیں گے اور

کہہ دیں گے کہ اس سے فلاں ملک مضبوط ہوتا ہے۔ اور جب وہ روکیں گے تو جہاد جائز ہو جائے گا۔ ہم امن قائم کرنا چاہیں گے لیکن وہ ہمیں امن قائم نہیں کرنے دیں گے اور اگر ایسے حالات پیدا ہونے کا امکان ہو تو ضروری ہے کہ ہم اس کے لئے تیاری کریں۔ اگر ہم نے تیاری نہ کی تو ہم اُن کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ علاوہ حبُّ الوطنی کے ہمارے مذہبی مرکز کے لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان کو بچایا جائے۔ اگر لڑائی ہو جائے تو سب سے بڑا فرض احمدیہ جماعت کا ہوگا کہ وہ پاکستان کو بچائے۔ سب سے زیادہ خطرہ انہیں ہوگا۔ احمدیت اگر کوئی اہمیت اور وقعت رکھتی ہے تو ہمیں اُس کے برابر اُس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑے گی اور وہ قیمت جو قرآن نے مقرر کی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص جہاد کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو اُس وقت تک وہ گھر واپس نہیں آتا جب تک کہ خدا تعالیٰ اُسے شہادت یا فتح نہیں دے دیتا۔ خدا تعالیٰ نے اِن دونوں موت یا فتح کو **اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ** قرار دیا ہے۔ یہ صرف دو ہی چیزیں ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اگر کوئی شخص ان دو کے علاوہ کوئی اور رستہ تجویز کرتا ہے تو وہ قرآن کریم بھی اَور تجویز کر لے۔ بہرحال یہ ایک اہم فریضہ ہے جس میں نوجوانوں کو حصہ لینا چاہیئے۔ ہماری جماعت کے ذمہ دار عہدیداروں کو چاہیے کہ اگر اُن کی جماعت کے نوجوان فوجی ٹریننگ کے لئے اپنے آپ کو پیش نہ کریں یا باوجود توجہ دلانے کے وہ اس میں حصہ لینے کے لئے تیار نہ ہوں تو وہ ایسے نوجوانوں کی فہرست ہمیں ارسال کریں تاکہ اُنہیں جماعت میں سے خارج کر دیا جائے اس کے بعد بے شک وہ لوگ اپنے آپ کو احمدی کہتے رہیں ہم اُنہیں جماعت کا فرد قرار نہیں دیں گے''۔

انتخابات سے متعلق سب کمیٹی نظارت

سب کمیٹی امور عامہ کی رپورٹ سنائے جانے پر حضور نے فرمایا:-

امور عامہ کی تجاویز اور ان کا پس منظر

''احباب نے سب کمیٹی کی تینوں تجویزیں سن لی ہیں۔ ان تجاویز کا جو پس منظر ہے وہ بھی میں بتا دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ پچھلے تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مرکز کا انتخابات کے معاملہ میں دخل دینا درست نہیں۔ مسلم لیگ نے پچھلے الیکشن میں ۸۰ فیصدی ووٹ ہماری مدد سے حاصل کیا مگر اس کے باوجود جب بعض جگہ ہماری طرف سے کسی

غیر لیگی کو ووٹ چلا گیا تو اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے لیگ والوں نے ہماری جماعت کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ جماعت احمدیہ نے غیر لیگیوں کی مدد کی ہے۔ ۸۰ فیصدی ووٹ جو اُنہیں ہماری وجہ سے حاصل ہوا تھا اُس کو تو وہ بھول گئے اور چند ووٹ جو غیر لیگیوں کی طرف گئے تھے وہ انہوں نے یاد رکھے اور ہماری جماعت کی مخالفت شروع کر دی اس سے ہم نے سمجھا کہ فائدہ کیا ہے کہ خدمت بھی کرو اور بدنامی بھی مول لو۔ بہتر یہی ہے کہ لوگوں کو آزاد کر دیا جائے کہ وہ جس کو چاہیں مشورہ دیں بے شک اس سے مقامی جماعتوں کے افراد سے لوگوں کی لڑائی ہو جائے گی مگر ساری جماعت پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ دوسرے اس میں یہ بھی نقص تھا کہ بعض دفعہ مثلاً سیالکوٹ کے لوگوں کو ہم کہتے کہ فلاں کو ووٹ دو اور وہ اسے ووٹ دے دیتے۔ جب وہ ووٹ لے لیتا تو بجائے اس کے کہ جماعت کے احسان کو یاد رکھتا یہ کہنا شروع کر دیتا کہ اس میں آپ نے مجھ پر کیا احسان کیا ہے مرکز نے آپ کو حکم دیا اور آپ نے مان لیا۔ گویا مرکز کے حکم کا پابند ہونے کی وجہ سے مقامی لوگ کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے ان وجوہ کی بناء پر یہ تجویز کیا گیا ہے کہ آئندہ اس پابندی کو اُڑا دیا جائے اور ہر حلقہ انتخاب کی جماعتیں باہمی مشورہ کے ساتھ جو فیصلہ چاہیں کریں چنانچہ سب کمیٹی نے اس وقت تین تجاویز پیش کی ہیں پہلی تجویز تو کارپوریشن، میونسپل کمیٹی، کنٹونمنٹ بورڈ، ٹاؤن کمیٹی، نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی اور پنچایت کے انتخابات کے متعلق ہے۔ پہلا دستور ہمارا یہ تھا کہ اس بارہ میں

''یہ فیصلہ مقامی جماعتیں اپنے اپنے طور پر کریں کہ کس حلقہ میں کس امیدوار کی مدد کی جائے۔ یہ فیصلہ جماعت کے ووٹران اپنے اپنے حلقہ انتخابات میں اپنے امیر یا صدر کی نگرانی میں کریں گے اور ایسا فیصلہ قطعی ہوگا''۔

سب کمیٹی نے اس دستور کو قائم رکھنے کے حق میں مشورہ دیا ہے اب دوستوں کے سامنے یہ تجویز پیش ہے اگر کوئی دوست اس کے خلاف کچھ کہنا چاہتے ہوں تو وہ اپنا نام لکھوا دیں۔

کسی دوست نے اپنا نام نہ لکھوایا۔ حضور نے فرمایا:-

''اب جو دوست اس کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔''

۳۴۳ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

فیصلہ

''میں کثرتِ رائے کے حق میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ کارپوریشن، میونسپل کمیٹی، کنٹونمنٹ بورڈ، ٹاؤن کمیٹی، نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی اور پنچایت کے انتخابات میں پہلا دستور جاری رہے یعنی یہ فیصلہ مقامی جماعتیں اپنے اپنے طور پر کریں کہ کس حلقہ میں کس امیدوار کی امداد کی جائے یہ فیصلہ جماعت کے ووٹران اپنے اپنے حلقہ انتخابات میں اپنے امیر یا صدر کی نگرانی میں کریں گے اور ایسا فیصلہ قطعی ہوگا''۔

دوسری تجویز

سب کمیٹی نے دوسری تجویز یہ پیش کی تھی کہ:۔

''ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخابات میں یہ فیصلہ کہ کس حلقہ میں کس امیدوار کی مدد کی جائے ضلع کی امارت بہ پابندی مشورہ اُن انجمن ہائے مقامی کے جو اس ضلع میں ہوں کرے گی اور جن اضلاع میں اس وقت تک ضلع وار نظام قائم نہیں ہوا وہاں ضلع کے صدر مقام کی انجمن کا امیر یا صدر بہ پابندی مشورہ اُن انجمن ہائے مقامی کے جو اس ضلع میں ہوں فیصلہ کرے گا اور ایسا فیصلہ قطعی ہوگا''۔

''یہ بھی وہی فیصلہ ہے جو پہلے سے جاری ہے صرف اتنا فرق ہے کہ پہلے اس کے متعلق حلقہ حلقہ فیصلہ کیا کرتا تھا اب ضلع کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اگر کوئی دوست اس بارہ میں کچھ کہنا چاہتے ہوں تو وہ اپنے نام لکھوا دیں۔''

ڈسٹرکٹ بورڈوں کا انتخاب

بعض نمائندگان کے اظہارِ خیال کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''سب کمیٹی کی تجویز اِس وقت دوستوں کے سامنے پیش ہے اس بارہ میں ایک سوال ایک ایسی جگہ سے اُٹھایا گیا ہے جہاں حالات یہ ہیں کہ اِرد گرد تو بڑی بڑی جماعتیں ہیں اور ضلع میں چھوٹی سی جماعت ہے یہ حالت عام مقامات پر نہیں لیکن بعض جگہ یہ حالات موجود ہیں یعنی بعض اضلاع ایسے ہیں جن کے صدر مقام میں جماعت نہیں یا نہایت قلیل جماعت ہے لیکن اُن اضلاع کے بعض علاقوں میں بڑی بڑی جماعتیں موجود ہیں جو اثر اور رسوخ رکھنے والی ہیں۔ مولوی عبدالباقی صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ ایسے مقامات پر ضلع کے صدر مقام کی انجمن کا امیر یا صدر غلط نتیجہ پر پہنچے گا کیونکہ اُس کا ذاتی انٹرسٹ اُس میں کم ہوگا یہ امر کہ امیر یا صدر جماعتوں کو بلائے گا اور وہ صدر مقام میں مشورہ کے لئے پہنچ

جائیں گی یہ بھی کوئی مؤثر چیز نہیں اور یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ لوگ وہاں پہنچیں گے یا نہیں پہنچیں گے۔ ابھی شکایت کی گئی ہے کہ امیر کے انتخاب کے موقع پر بھی مقامی جماعت کے لوگ پوری طرح نہیں آتے۔ جب امارت کے انتخاب کے موقع پر بھی بعض لوگ آنے میں سُستی کرتے ہیں تو اس قسم کے مشورہ کے لئے صدر مقام میں اردگرد کی جماعتوں کے تمام افراد کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں ضلع وار تنظیم مکمل ہو چکی ہے وہاں تو ضلع کے لوگ کچھ عرصہ کے بعد صدر مقام میں آنے جانے کے عادی ہو جاتے ہیں کیونکہ جماعتوں کے افراد کو وہاں اپنی مختلف ضروریات اور جھگڑوں وغیرہ کے تصفیہ کے لئے جانا پڑتا ہے لیکن جہاں ضلع وار تنظیم مکمل نہیں وہاں کے افراد آسانی سے وہاں نہیں پہنچ سکتے اس لئے ہمیں اُن کی مشکلات کا احساس رکھنا چاہیے۔ مولوی عبدالباقی صاحب ہماری سٹیٹوں پر کام کرتے ہیں اور انہوں نے درحقیقت اپنے علاقہ کی مشکلات ہی بیان کی ہیں وہاں کنری میں ہماری جماعت کافی تعداد میں پائی جاتی ہے۔ دُکانوں میں بھی اچھی خاصی تعداد ہمارے احمدی دُکانداروں کی ہے اور جننگ فیکٹری کی وجہ سے مزدور طبقہ پر بھی زیادہ تر احمدیوں کا ہی قبضہ ہے، پیشہ وروں میں بھی ایک اچھا طبقہ ہماری جماعت کا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کنری کے حلقہ میں ہماری جماعت کے افراد پانچ سَو کے قریب ہوں گے لیکن میرپور جو ضلع ہے وہاں ہماری ساری جماعت تیس چالیس افراد پر مشتمل ہے۔ اِسی قسم کے حالات بعض اور جگہوں پر بھی ہو سکتے ہیں پس اگر ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخابات میں ضلع کی امارت یا ضلع کے صدر مقام کی انجمن کا امیر یا صدر فیصلہ کرے گا تو خواہ وہ مشورہ لے کر ہی فیصلہ کرے بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخابات میں شہروں والوں کو اتنی دلچسپی نہیں ہوتی جتنی گاؤں والوں کو ہوتی ہے اس لئے اُن کا فیصلہ لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکے گا۔ بہرحال یہ تجویز دوستوں کے سامنے پیش ہے جو دوست سب کمیٹی کی تجویز کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔''

۱۶۵ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

''اب جو دوست اس تجویز کے حق میں ہوں کہ جس طرح پہلے حلقہ حلقہ فیصلہ کیا کرتا تھا اسی طرح اب بھی ہو۔ وہ کھڑے ہو جائیں۔''

۱۲۸ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

فیصلہ

’’اکثریت تو اُن کی ہے جو سب کمیٹی کی تجویز کی تائید میں ہیں لیکن چونکہ ہمارا اصل مقصد ڈی سنٹر لائز ڈ کرنا ہے تا کہ مرکز پر بوجھ نہ پڑے بلکہ جو بوجھ پڑے مقامی حلقہ ہائے انتخاب پر پڑے اس لئے میں اقلیّت کے حق میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ:۔

’’ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخابات میں یہ فیصلہ کہ کس حلقہ میں کس امیدوار کی مدد کی جائے ہر حلقۂ انتخاب کی جماعتیں باہمی مشورہ کے ساتھ اپنے اپنے حلقۂ انتخاب کے متعلق کیا کریں گی اور ایسا فیصلہ قطعی ہوگا‘‘۔

تیسری تجویز

اس کے بعد سب کمیٹی کی یہ تیسری تجویز پیش ہوئی کہ:۔

’’اسمبلی کے انتخابات میں اس امر کا فیصلہ کہ کس حلقہ میں کس امیدوار کی مدد کی جائے ضلع کی امارت بہ پابندئ مشورہ اُن انجمن ہائے مقامی کے جو اس ضلع میں ہوں کرے گی اور جن اضلاع میں ابھی ضلع وار نظام قائم نہیں ہؤا وہاں ضلع کے صدر مقام کی انجمن کی امارت یا صدارت بہ پابندئ مشورہ اُن انجمن ہائے مقامی کے جو اس ضلع میں ہوں فیصلہ کرے گی اور ہر دو صورتوں میں آخری فیصلہ سے قبل مرکز سے بھی مشورہ کرنے کی اجازت ہوگی‘‘۔

اِس تجویز کے پیش ہونے پر حضور نے فرمایا کہ:۔

’’اگر اس تجویز کے خلاف کوئی دوست کہنا چاہتے ہوں تو وہ اپنا نام لکھوا دیں۔‘‘

اس پر صرف ایک دوست نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ حضور نے فرمایا:۔

اسمبلی کے انتخابات میں جماعت احمدیہ کی پالیسی

’’ماسٹر عبداللہ صاحب کا جو مشورہ ہے وہ دوستوں نے سن لیا ہے اسی طرح سب کمیٹی نے جو ریزولیوشن پیش کیا ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے اصل میں اس وقت ایک رسہ کشی جاری ہے مرکز کہتا ہے کہ ہم نے اپنی پیٹھوں پر بہت ڈنڈے کھالئے ہیں اور مخالفین کی طرف سے بہت طعنے سن لئے ہیں اب کچھ تم بھی سن لو اور وہ کہتے ہیں کہ آپ کو ڈنڈے کھانے کی مشق ہو چکی ہے اس لئے آپ ہی کھائیں ہمیں معاف کیا جائے۔ اصل بات جو ہمیں مدنظر رکھنی چاہیے وہ صرف اتنی ہے کہ موجودہ سیاسی

رَو کو دیکھتے ہوئے ہمیں کیا طریقِ عمل اختیار کرنا چاہیے ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ملک کے سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے اگر آج ہم کوئی قانون بنائیں گے تو حالات کے تبدیل ہونے پر ہم اُسے بدل بھی سکتے ہیں۔ بہرحال اس وقت ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ اسمبلی کے انتخابات میں اگر مرکز فیصلہ کرے اور حکم دے کہ فلاں امیدوار کی مدد کی جائے اور فلاں کی نہ کی جائے تو ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کا مرکز پر کوئی حرف لانا براہ راست حکومت کو سلسلہ سے ٹکرا دے لیکن اگر حلقہ وار جماعتیں اپنی مرضی سے کسی کو ووٹ دیں تو سلسلہ سے ٹکراؤ نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ نقطہ نگاہ ہے جو اس تجویز کے پس پردہ کام کر رہا ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اَور نقطہ نگاہ بھی ہے اور وہ یہ کہ بعض حلقوں سے جب ہماری جماعت کے افراد الیکشن میں کھڑے ہوں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہمیں آزاد کر دیا جائے اگر ہمیں آزاد نہ کیا گیا تو ہم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ یہ تو وہ دو پہلو ہیں جو اس تجویز کی تائید میں ہیں۔ لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب جماعتیں مرکز کے مشورہ کی پابند ہوا کرتی تھیں تو ہمارا مخالفین پر بڑا رعب تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ جماعت وہی کچھ کرتی ہے جس کے کرنے کا اسے مرکز سے مشورہ دیا جاتا ہے۔ لاہور کے محرم علی صاحب چشتی ایک دفعہ الیکشن کے لئے کھڑے ہوئے اُن کے حضرت خلیفہ اوّل سے بڑے تعلقات تھے۔ پِیر طرز کے آدمی تھے اور ساری ساری رات وظیفہ کرتے رہتے تھے۔ ہمیں اس الیکشن سے صرف اس لئے دلچسپی تھی کہ کانگرس نے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا تھا اور ہم نہیں چاہتے تھے کہ بائیکاٹ ہو چنانچہ شدید مخالفت کے باوجود ہم نے فیصلہ کیا کہ محرم علی صاحب چشتی کو ووٹ دیا جائے۔ اُن دنوں لاہور میں ہماری اتنی کمزور حالت تھی کہ ہمارا صرف ایک ووٹ تھا اور وہ بھی محمد اکرام صاحب تاجر کا جو بعد میں قادیان آگئے تھے۔ جب بھی کوئی شخص ووٹ دینے کے لئے آتا کانگرسی اُسے شرم دلاتے، اُس کے متعلق گندے الفاظ استعمال کرتے اور اُسے اتنا تنگ کرتے کہ آخر مجبور ہوکر وہ واپس چلا جاتا۔ محمد اکرام صاحب آئے تو اُنہیں بھی کانگرسیوں نے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا مگر اُنہوں نے کہا تم خواہ کچھ کہو میں نے ووٹ ضرور دینا ہے۔ آخر اُنہوں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے یہ پتھر کھا کر گِر گئے مگر پھر اُٹھے اور ووٹ دینے کے لئے چل پڑے۔ اُنہوں نے پھر پتھر مارنے شروع کر دیئے اِنہوں نے کہا

تم چاہے مار ڈالو میں نے تو ووٹ ضرور دینا ہے کیونکہ مرکز سے مجھے یہی حکم آیا ہے کہ محرم علی صاحب چشتی کو ووٹ دیا جائے۔ غرض اس طرح وہ تین چار دفعہ گرے اور سر سے پاؤں تک زخمی ہو گئے مگر یہی کہتے چلے گئے کہ تم خواہ کچھ کر لو میں اب واپس نہیں جا سکتا آخر انہوں نے خود ہی رستہ دے دیا کہ اس نے تو باز ہی نہیں آنا چلو اسے جانے دو۔ ان کے مقابلہ میں ملک برکت علی صاحب تھے اُنہوں نے بعد میں کیس کر دیا کہ مذہبی طور پر دباؤ ڈال کر چشتی صاحب کی امداد کی گئی ہے۔ اس پر ایک کمیشن مقرر ہوا جس میں ایک تو سر عبدالقادر صاحب مرحوم تھے اور ایک اَور تھے جن کا نام اِس وقت میرے ذہن میں نہیں۔ میں کمیشن کے سامنے پیش ہوا تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے اپنی جماعت کو حکم دیا تھا کہ چشتی صاحب کو ووٹ دیا جائے؟ میں نے کہا میں اپنی جماعت کا امام ہوں اور میرا فرض ہے کہ جماعت اگر مجھ سے کسی امر کے متعلق مشورہ پوچھے تو میں اُسے صحیح مشورہ دوں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ سے کوئی بات پوچھے اور باپ اُسے نہ بتائے۔ باقی قانون جس چیز سے روکتا ہے وہ یہ ہے کہ ڈرا دھمکا کر کسی سے ووٹ نہ لیا جائے یا یہ نہ کیا جائے کہ اگر تم نے ووٹ نہ دیا تو تم دوزخ میں چلے جاؤ گے۔ میں نے کہا اس میں دوزخ اور جنت کا سوال ہی کیا ہے یہ تو ایک دُنیوی معاملہ ہے اور ہر شخص اختیار رکھتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے باقی مجھ سے اگر مشورہ لیا جائے گا تو میں بہر حال اُسے وہی مشورہ دوں گا جو میرے نزدیک درست ہوگا۔ ملک برکت علی صاحب وکیل بھی تھے انہوں نے خوب جرح کی مگر کمیشن نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ ہندوستان کے پِیر عموماً ناجائز طور پر الیکشنوں میں دخل دیتے ہیں لیکن ہم اس حق سے کسی کو محروم نہیں کر سکتے کہ وہ دوسروں کو اپنا مشورہ دے دے۔ اس کے بعد اُنہوں نے میرا ذکر کیا اور لکھا کہ اس الیکشن میں امام جماعت احمدیہ نے ایسے رنگ میں مشورہ دیا ہے جسے ایک مثال اور نمونہ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہندوستان کے پِیر اور گدی نشین الیکشنوں میں دخل دینا چاہیں تو وہ اِس طرح دیا کریں جو ایک جائز رنگ ہے۔ سر عبدالقادر صاحب سے میرے بڑے دوستانہ تعلقات تھے اور جب بھی اُنہیں موقع ملتا وہ دلیری سے سلسلہ کی تائید کیا کرتے تھے لیکن اُن سے میری دوستی کی ابتدا اِسی کیس سے ہوئی تھی۔ تو یہ صحیح بات ہے کہ ہمیں اس سے فائدہ بھی تھا مگر یہ بھی صحیح بات ہے کہ

اب بدلے ہوئے حالات میں ہماری خواہ کوئی نیّت ہو لوگ سلسلہ کے خلاف پراپیگنڈا شروع کر دیں گے اور یہ کہنے لگ جائیں گے کہ جماعت احمدیہ نے مرکز کے حکم کے ماتحت گورنمنٹ کے فلاں فلاں نمائندوں کی مخالفت کی۔ غرض دونوں طرف خطرات ہیں اور جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس بارہ میں پورے غور کے بعد اپنا مشورہ پیش کرے۔''

حضور کی تقریر کے بعد بعض نمائندگان نے ترمیمات اور اپنی آراء پیش کیں جس پر سب کمیٹی نظارت امورعامہ نے اس تجویز کو دوبارہ ان الفاظ میں مرتب کر کے پیش کیا کہ:۔

''اسمبلی کے انتخابات میں اس امر کا فیصلہ کہ کس حلقہ میں کس امیدوار کی مدد کی جائے ہر حلقۂ انتخاب کی جماعتیں باہمی مشورہ کے ساتھ اپنے اپنے حلقۂ انتخاب کے متعلق کیا کریں گی اور ایسا فیصلہ قطعی ہوگا''۔

آراء شماری پر ۳۲۵ دوستوں نے اس کی تائید میں اپنی رائے پیش کی۔ حضور نے فرمایا:۔

فیصلہ

''میں کثرتِ رائے کے حق میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ اسمبلی کے انتخابات میں اس امر کا فیصلہ کہ کس حلقہ میں کس امیدوار کی مدد کی جائے ہر حلقۂ انتخاب کی جماعتیں باہمی مشورہ کے ساتھ اپنے اپنے حلقۂ انتخاب کے متعلق کیا کریں گی اور ایسا فیصلہ قطعی ہوگا''۔

نیز فرمایا:۔

''میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس کے صرف اتنے معنی ہیں کہ ہم مرکز کے تصرف کو اس بارہ میں آپ سے ہٹاتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم آپ کو مجبور کرتے ہیں کہ آپ اپنے معاملات میں کسی سے مشورہ نہ لیں۔ بالکل ممکن ہے کہ آپ کے حالات ایسے ہوں کہ جب تک ضلع کے سب لوگ اکٹھے نہ ہوں آپ اپنی مشکلات کو حل نہ کر سکتے ہوں ایسی صورت میں آپ بے شک اکٹھے ہو جائیں اور مشورہ کریں اور اپنا الگ گروپ بنالیں۔ اگر دو حلقوں والے سمجھیں کہ ہمارا اس وقت مل جانا زیادہ مفید ہوگا تو وہ دونوں حلقے آپس میں مل جائیں۔ اگر تین حلقوں والے یہ چاہتے ہیں کہ وہ تینوں مل کر ایک گروپ بنالیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اثر اس طرح بڑھ جائے گا تو وہ تینوں مل جائیں اس کا اُنہیں اختیار ہوگا صرف مرکز کی دخل اندازی کو ہم روکنا چاہتے ہیں۔''

تعلیمی سب کمیٹی کی تجاویز

پہلی تجویز

سب کمیٹی کی پہلی تجویز یہ تھی کہ جلسہ سالانہ کے ایام میں کوئی کمی نہ کی جائے بلکہ بدستور تین یوم ہی جلسہ رہے۔

حضور نے دوستوں کے سامنے سب کمیٹی کی تجویز رکھتے ہوئے فرمایا:۔

''دوستوں کے سامنے سب کمیٹی کی تجویز پیش ہے اصل سوال یہ تھا کہ چونکہ اب انگریزی حکومت کی طرح کرسمس کی رخصتیں نہیں ہوتیں بلکہ کم ہوتی ہیں اس لئے جلسہ سالانہ کی تاریخوں کے متعلق غور ہونا چاہئے کہ کیا انہی تاریخوں میں آئندہ جلسہ ہوا کرے یا ان تاریخوں کو بدل دیا جائے؟ سب کمیٹی کی تجویز یہ ہے کہ چونکہ دسمبر کے ایام میں کھانا محفوظ رہتا ہے اور بچا ہوا کھانا دوسرے وقت کام آسکتا ہے اسی طرح سردی کی وجہ سے سب اکٹھے مل کر سو سکتے ہیں اور ریل کے سفر میں بھی آرام رہتا ہے اس لئے دسمبر کے ایام میں ہی جلسہ ہونا چاہیے اور بدستور تین یوم جلسہ ہونا چاہیے۔ اگر کسی دوست نے اس تجویز کے خلاف کچھ کہنا ہو تو وہ اپنا نام لکھوا دے۔''

کسی نے نام نہ لکھوایا۔ حضور نے فرمایا:۔

''اب جو دوست اس تجویز کی تائید میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔

۳۴۳ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

فیصلہ

''۳۴۳ دوست اس تجویز کے حق میں ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اکثریت تائید میں ہے۔ میں بھی اکثریت کے حق میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے ایام میں کوئی کمی نہ کی جائے اور بدستور تین یوم ہی دسمبر کے ایام میں جلسہ منعقد کیا جایا کرے۔''

جلسہ سالانہ کی تواریخ کی بابت

اس تجویز کی دوسری شق یہ تھی کہ جلسہ سالانہ کے لئے ۲۶، ۲۷، ۲۸ ر دسمبر کی تاریخیں ہی ہر لحاظ سے موزوں اور مناسب ہیں جب یہ تجویز مجلس مشاورت میں پیش ہوئی تو بعض نمائندگان شوریٰ نے ۲۵، ۲۶، ۲۷ ر دسمبر کو جلسہ سالانہ منعقد کرنے کی رائے دی جبکہ بعض نے یہ رائے دی کہ جلسہ سالانہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ ر دسمبر کو ہی ہوا کرے۔ آراء شماری پر ۳۲۵ دوستوں نے

یہ رائے پیش کی کہ جس طرح ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر کو جلسہ ہوتا رہا ہے اسی طرح آئندہ بھی انہی تاریخوں میں جلسہ ہوا کرے۔

فیصلہ

حضور نے فرمایا:-

''میں کثرت رائے کے حق میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ جلسہ سالانہ بدستور ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸ دسمبر کو ہی منعقد ہوا کرے۔ اس کی تاریخوں میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔''

نیز فرمایا:-

جماعت احمدیہ اور سالانہ جلسہ

''ابتداء میں میری رائے یہ تھی کہ ہمیں جلسہ سالانہ کی تاریخوں کی تبدیلی کے متعلق غور کرنا چاہیے لیکن بعد میں آہستہ آہستہ غور کرنے کے بعد اور خصوصاً اس جگہ بعض دوستوں کی آراء سننے کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا کہ تاریخیں بدلنے کے فوائد سے اُن کو نہ بدلنے کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ دنیا میں باقی قوموں کو بھی اپنے اپنے مذہبی تہواروں پر رخصتیں ملتی ہیں اور حکومتیں اُن کے حق کو تسلیم کرتی ہیں۔ کرسمس کی رخصتیں آخر کہاں سے آئیں؟ یہ رخصتیں اسی طرح منظور ہوئیں کہ عیسائیوں نے اصرار کیا اور اُن کا حق اُن کو مل گیا۔ اسی طرح بسنت کہاں سے آئی؟ دسہرہ کہاں سے آیا؟۔ یہ تعطیلات بھی اسی لئے منظور ہوئیں کہ ہندو قوم نے اصرار کیا اور حکومت کو اُن کے مطالبہ کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ یا مثلاً شیعہ اقلیت میں ہیں مگر محرم کی رخصتیں گورنمنٹ منظور کرتی ہے کیونکہ شیعوں نے اپنے اس حق کا اصرار سے مطالبہ کیا اور وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہے۔ ان مثالوں پر غور کرنے کے بعد میں نے سمجھا کہ قوموں کا اپنے وقار کو قائم رکھنا بھی اُنہیں بہت بڑا تفوّق دے دیتا ہے۔ اگر ہم بھی اپنے طریق کو قائم رکھیں تو خواہ کچھ عرصہ تک گورنمنٹ ہمارے مطالبہ کو تسلیم نہ کرے لیکن آخر اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ ہمارا قومی حق ہے اور وہ مجبور ہوگی کہ ان ایام میں جماعت احمدیہ کے افراد کے لئے رخصتیں منظور کرے۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ پہلا سالانہ جلسہ (جیسا کہ خادم صاحب نے حوالہ نکال کر پیش کیا ہے) ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹ / دسمبر کو ہی ہوا تھا لیکن جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے اب تک اکثر ہمارا سالانہ جلسہ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸ / دسمبر کو ہی ہوتا رہا ہے بلکہ نوے فیصدی ہمارے سالانہ جلسے انہی تاریخوں میں ہوئے ہیں یہ الگ بات ہے کہ عارضی مجبوری کی وجہ سے کبھی اَور تاریخوں

میں بھی جلسے ہوگئے ہوں جیسے گذشتہ سال ہی ہم نے اپریل میں جلسہ کیا تھا مگر یہ ایک مجبوری کی بات تھی ورنہ اصل قانون یہی ہے کہ ۲۶۔۲۷۔۲۸ ؍ دسمبر کو جلسہ ہو۔ یہ عارضی تبدیلیاں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے بیمار ہونے کی وجہ سے انسان نماز بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا ہے یا دو نمازوں کو جمع بھی کر سکتا ہے لیکن بیٹھ کر نماز پڑھنا یا جمع کر کے نمازیں پڑھنا اصل قانون نہیں۔ اصل قانون یہی ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے اور الگ الگ نمازیں پڑھی جائیں۔ پس اب تک جلسہ سالانہ کے ایام میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ عارضی حالات کی وجہ سے ہوئی ہیں لیکن اب جو قانون بنے گا وہ مستقل ہوگا۔ اگر ہم نے اس قانون کو بدل دیا تو حکومتیں سمجھیں گی کہ ان کا کوئی مقررہ دستور نہیں جب جی چاہے یہ اپنا جلسہ کر لیتے ہیں لیکن اگر ہم یہ کہیں گے کہ یہ ہمارا دستور ہے جو ہمارے بزرگوں نے قائم کیا ہے تو لازماً حکومت کو ہماری جماعت کے لئے سہولتیں بہم پہنچانی پڑیں گی اور اس طرح ہماری جماعت کا ایک وقار قائم ہو جائیگا۔ بیشک اِس وقت ہم تھوڑے ہیں لیکن اس بات پر قائم رہنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ حکومتوں کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جماعت احمدیہ کے لئے یہ ایام بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور وہ ہمیں سہولتیں بہم پہنچانے پر مجبور ہو جائیں گی۔‘‘

احمدیہ تعلیمی کانفرنس کی تجویز

سب کمیٹی کی دوسری تجویز یہ تھی کہ ستمبر کے تیسرے ہفتہ میں ہر سال ایک احمدیہ تعلیمی کانفرنس منعقد کی جایا کرے جس میں تمام احمدیہ سکولوں، کالجوں اور دیگر علمی اداروں کے اساتذہ صاحبان کو شرکت کی دعوت دی جائے۔ اس کے علاوہ بعض غیر احمدی معززین کو بھی اس کانفرنس میں مختلف موضوعات پر مقالہ جات پڑھنے اور اس کے اجلاسوں میں شرکت کے لئے بلایا جائے اور اس غرض کے لئے بجٹ میں دو ہزار روپیہ کی گنجائش رکھی جائے۔

حضور نے اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

’’اصل غرض تو نظارت کی روپیہ مانگنا ہے ورنہ تعلیمی کانفرنس وہ خود بھی کر سکتے تھے بہرحال اُن کی تجویز دوستوں کے سامنے پیش ہے جو دوست اس کے خلاف کچھ کہنا چاہتے ہوں وہ اپنے نام لکھا دیں۔‘‘

حضور کے اس ارشاد پر مکرم عبدالرحمٰن صاحب خادم نے اپنی رائے پیش کی جس کے بعد

حضور نے فرمایا:-

’’دوستوں نے خادم صاحب کی تقریر سن لی ہے اُن کا خیال ہے کہ جبکہ ربوہ میں ابھی تک ہماری عمارتیں بھی نہیں بنیں اور تعلیمی ادارے بھی یہاں نہیں آئے اس کانفرنس کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا روپیہ ضائع چلا جائے گا اور جن فوائد کی اس کانفرنس سے امید کی جا رہی ہے وہ حاصل نہیں ہوں گے۔ وہ کہتے ہیں ہم اس کانفرنس کے فائدہ سے کُلّی طور پر انکار نہیں کرتے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ موقع شناسی نہیں کہ ایسے موقع پر جبکہ ابھی ہماری مرکزی عمارات بھی شروع نہیں ہوئیں اس قسم کی کانفرنسوں پر روپیہ خرچ کرنا شروع کر دیا جائے۔ یہ ترمیم نہیں بلکہ تجویز کی مخالفت ہے پس جو دوست یہ سمجھتے ہیں کہ باوجودیکہ ابھی ہمارا کالج نہیں بنا، ہمارا اسکول ابھی ربوہ میں نہیں آیا ہمیں ابھی سے یہ کانفرنس شروع کر دینی چاہیے وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

صرف ۱۹ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:۔

فیصلہ

’’چونکہ اکثریت اس تجویز کی مخالف ہے اس لئے میں بھی اکثریت کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے اسے نامنظور کرتا ہوں۔‘‘

غیر احمدی لڑکیوں سے شادی

نظارت امور عامہ کی طرف سے ایجنڈا میں یہ تجویز درج تھی کہ:-

’’مجلس مشاورت ۱۹۳۵ء میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ آئندہ تین سال تک (رشتہ ناطہ کی مشکلات کے پیش نظر) بغیر منظوری مرکز غیر احمدی لڑکی سے شادی نہ کی جائے۔ اس کے بعد ہر تین سال کے بعد اس فیصلہ میں توسیع ہوتی رہی۔ آخری مرتبہ مجلس مشاورت ۱۹۴۴ء میں مزید تین سال کیلئے توسیع ہوئی تھی اب اس معاملہ کو مزید فیصلہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ چونکہ اب جماعتوں میں لڑکیوں کے رشتہ کے متعلق پہلے کی نسبت قدرے سہولت پیدا ہوگئی ہے اس لئے آئندہ مذکورہ بالا پابندی کو صرف مزید دو سال کے لئے جاری رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد اُس وقت کے حالات کے ماتحت مزید غور کے نتیجہ میں فیصلہ کیا جائے‘‘۔

سب کمیٹی امور عامہ نے اس بارہ میں یہ رائے دی کہ:-

''موجودہ حالات میں لڑکیوں کے رشتہ کے بارہ میں کوئی سہولت پیدا نہیں ہوئی بلکہ اب بھی وہی کیفیت ہے جو اس پابندی کے نفاذ کے وقت تھی۔ پس ضروری ہے کہ اجازت سوائے خاص حالات اور اشد ضرورت کے نہ دی جائے اور اس امر کا فیصلہ زیادہ چھان بین کے بعد کیا جائے۔''

رپورٹ سننے پر حضور نے فرمایا:-

''اس تجویز کو مجلس میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔''

(از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

اس کے بعد حضور نے اس بارہ میں ایک تقریر فرمائی جو درج ذیل کی جاتی ہے فرمایا:-

''لڑکیوں کے احمدی اور غیر احمدی رشتوں کا سوال درحقیقت ایمان، اخلاص اور قومیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ہماری جماعت میں جتنے احمدی ہیں چونکہ سارے کے سارے قریب العہد ہیں یہ نہیں کہ دو چار سو سال سے وہ احمدیت میں داخل ہوں حتّٰی کہ ہمارا خاندان جو مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ بھی ایسا نہیں۔ اس لئے ہم نے اپنے خاندان میں بھی دیکھا ہے کہ ہمارے غیر احمدی رشتہ دار اشاروں کنایوں میں بعض دفعہ اپنی لڑکیاں پیش کر دیتے ہیں، یہ تو اُنہیں خیال نہیں آتا کہ ہم ان سے اپنے لئے لڑکی مانگ لیں مگر یہ ضرور ہوتا رہتا ہے کہ جب ملنے آئیں گے تو باتوں باتوں میں کہہ دیں گے کہ فلاں لڑکا بڑا اچھا ہے جی چاہتا ہے کہ آپس میں رشتہ داری ہو جائے۔ جب ہمارے خاندان میں ایسا ہوتا ہے تو باقی خاندانوں میں بھی ایسا ضرور ہوتا ہوگا کیونکہ اُنہیں بہرحال احمدیت میں داخل ہوئے ہم سے کم عرصہ ہوا ہے۔ کسی نے پانچ سال بعد بیعت کی ہے، کسی نے دس سال بعد بیعت کی ہے اور کسی نے پندرہ سال بعد بیعت کی ہے پس اس سوال کی اصل بنیاد مذہبی احساسات اور قومی احساسات پر ہے۔ کچھ لوگ ان احساسات سے اس قدر عاری ہو چکے ہیں کہ غیر احمدی لڑکیاں لینے کا سوال نہیں وہ غیر احمدیوں کو اپنی لڑکیاں بھی دے دیتے ہیں اور پھر بعض جماعتیں ان احساسات سے اتنی عاری ہیں کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے جماعت کا ایک فرد اپنی لڑکی کی غیر احمدیوں میں شادی کر دیتا ہے اور وہ چپ کر کے بیٹھی رہتی ہیں اور کہہ دیتی ہیں کہ چلو جانے دو کسی کی شکایت کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ چنانچہ ایسی لڑکیاں بعض دفعہ مجھے بھی

ملنے کے لئے آئی ہیں اور مجھے یہ معلوم کر کے انتہائی افسوس ہوا ہے کہ مقامی جماعتیں اس معاملہ میں سخت غفلت کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔

پچھلے ایام میں مَیں پشاور گیا تھا وہاں ایک دن میری بیوی نے کہا کہ ایک احمدی لڑکی آئی ہے اور وہ اصرار کرتی ہے کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں، چونکہ میں نے کہا ہوا ہے کہ جب کوئی عورت آئے تو پہلے اُس سے پوچھو کہ کیا بات ہے اور پھر اگر خود اُس کی ضرورت کو پورا کر سکتی ہو تو کر دو اور اگر مجھ تک بات پہنچانی ضروری ہو تو مجھے پہنچا دو، اس لئے میری بیوی نے اُس سے دریافت کیا کہ کیا کام ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں خود مل کر بات کرنا چاہتی ہوں۔ پھر میری بیوی کہنے لگیں کہ وہ تو آپ کی خوب واقف ہے اور کہتی ہے کہ مجھے وہ گودیوں میں کھلاتے رہے ہیں۔ میں نے کہا، ہوگا، مگر مجھے یاد نہیں آتا کہ وہ کس کی لڑکی ہے۔ غرض اس طرح وہ دو تین دفعہ آئیں اور اُنہوں نے کہا کہ وہ ایک افسر کی بیوی ہے اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ آخر میں نے کہا اُسے لے آؤ۔ جب وہ آئی تو میں نے شکل سے اُسے پہچانا نہیں، چنانچہ میں نے اُسے کہا کہ آپ نے تو یہ کہلا بھیجا تھا کہ میں اُنہیں خوب جانتی ہوں مگر میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ اُس نے بڑی حیرت سے کہا کہ آپ نے تو مجھے اپنی گودیوں میں کھلایا ہوا ہے۔ میں نے کہا، ٹھیک ہوگا، مگر مجھے کچھ اتا پتہ تو بتاؤ تا کہ مجھے بھی یاد آئے کہ میں نے تمہیں کب اپنی گودیوں میں کھلایا ہے؟ اس پر اُس نے جو اگلی بات کہی اُس سے مجھے بھی سارا واقعہ یاد آ گیا اور میں سمجھ گیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بات یہ تھی کہ اُس کے والد کے ہاں متواتر لڑکیاں پیدا ہوتی چلی گئیں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوتا تھا اور اُن کا طریق تھا کہ جب بھی لڑکی پیدا ہوتی وہ اُسے میرے پاس لاتے اور میری گود میں ڈال کر کہتے کہ دُعا کریں ان لڑکیوں کا بھائی پیدا ہو۔ اس واقعہ کے یاد آ جانے پر میں نے اُسے کہا کہ تمہارا باپ تو اتنا مخلص احمدی تھا اور تم ایک غیر احمدی سے بیاہی ہوئی ہو، یہ بات کیا ہے؟ اس پر وہ رو پڑی اور اُس نے کہا میرے خاوند نے شادی کے وقت کہہ دیا تھا کہ میں تو احمدی ہی ہوں اور گھر والوں نے زیادہ تحقیق نہ کی اور شادی کر دی اب میں سخت مصیبت میں مبتلا ہوں، اور واقع یہ ہے کہ وہ بہت دکھ میں تھی اور زار زار روتی تھی۔ لڑکی بڑی مخلص ہے۔ اُس کا باپ بھی بڑا مخلص تھا لیکن غیر احمدی سے اُس کی

شادی کردی گئی اور وہ ساری عمر کے لئے مصیبت میں مبتلا ہو گئی، بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں مرد بھی اپنے اندر کچھ نہ کچھ اخلاص رکھتا ہے کیونکہ میرے سامنے وہ اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے مگر دل کا کمزور ہے اور لوگوں سے ڈرتا ہے اگر ذرا بھی توجہ کی جاتی تو یقیناً احمدی ہو جاتا۔

اسی طرح ایک اور بڑی بھاری جماعت ہے وہاں کے ایک صاحب کی بیوی مجھ سے ملنے کے لئے آئیں، گھر والوں نے مجھے بتایا کہ ایک عورت آئی ہے اور وہ ہمارے خاندان کو خوب جانتی ہے، وہ کہتی ہے کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں، وہ فلاں کی لڑکی ہے اور فلاں سے بیاہی ہوئی ہے۔ میں نے کہا اُس کے باپ کو تو میں جانتا ہوں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابی تھا، مگر جس شخص کے ساتھ اس کی شادی بتائی جاتی ہے وہ تو غیر احمدی ہے، یہ بات کیا ہے؟ بہرحال میں نے اُسے بلایا اور کہا، نیک بخت! تُو یہاں کہاں؟ تیرا باپ تو صحابی تھا اور تُو ایک غیر احمدی سے بیاہی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا اِنہوں نے میرے باپ کو کہا تھا کہ میں احمدی ہو جاؤں گا اِس وقت میری غیرت برداشت نہیں کرتی کہ لوگ مجھے یہ کہیں کہ میں نے ایک لڑکی کی وجہ سے احمدیت قبول کی ہے۔ اس پر میرے باپ نے رشتہ دے دیا مگر پھر یہ احمدی نہیں ہوئے۔ میں نے کہا کیا یہاں کی جماعت کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں؟ اُس نے کہا سب کو پتہ ہے مگر کسی نے مرکز کو یہ حالات بتائے نہیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہی اُس کا خاوند مجھ سے ملنے کے لئے آ گیا اور اُس نے ایک ایسی بات کہی جس سے مجھے ایک پرانے برہمن کی کہاوت یاد آ گئی۔ کہتے ہیں ایک برہمن نے کسی چمارن سے شادی کر لی، ماں باپ کو برا لگا کہ ہمارے لڑکے کا دھرم بھرشٹ ہو گیا ہے اور اُنہوں نے اپنے لڑکے کا بائیکاٹ کر دیا، مگر ماں باپ آخر ماں باپ ہوتے ہیں، وہ رات دن بے چین رہتے کہ ہمارے لڑکے کو کیا ہو گیا ہے، آخر ایک دن اُنہوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ آیا واقع میں ہمارا لڑکا دین سے نکل گیا ہے یا ابھی اُس کے دل میں کچھ ایمان باقی ہے۔ اُنہوں نے لڑکے کا وہ گلاس جس میں وہ پانی پیا کرتا تھا اُس چمارن کے ہاں سے منگوا لیا اور پھر اپنے لڑکے کو گھر بلا کر اُسے اچار سے روٹی کھلا دی۔ اچار کھانے کے بعد اُسے خوب پیاس لگی مگر چونکہ وہ اُسے اپنے گلاس میں پانی نہیں دے

سکتے تھے، اُنہوں نے کہا جاؤ اور اپنے گھر سے جا کر پانی پیو، وہ گھر گیا اور بیوی سے کہنے لگا کہ پیاس سے میرا برا حال ہے جلدی کرو اور پانی لاؤ۔ وہ اُٹھی اور گلاس تلاش کرنے لگی مگر وہاں گلاس کہاں تھا وہ تو اُس کے ماں باپ لے آئے تھے۔ اس نے خاوند سے کہا کہ گلاس تو ملتا نہیں آپ کہیں تو میں اپنے گلاس میں پانی لے آؤں؟ اُس نے کہا نہیں میں تمہارے گلاس میں پانی پینے کے لئے تیار نہیں۔ غرض وہ پیاس کی شدت سے تڑپتا چلا گیا اور اُس کی کیفیت خراب تر ہونے لگی، جب وہ موت کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اپنی بیوی سے کہنے لگا، نیک بخت! اپنے منہ میں پانی بھر کے میرے منہ میں آ کر کُلّی کر دے چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا، اپنے منہ میں پانی ڈالا اور پھر اُس کے منہ میں آ کر کُلّی کر دی۔ اُس کے ماں باپ بھی چُھپ کر یہ نظارہ دیکھ رہے تھے، جب اُنہوں نے اپنے بیٹے کا یہ نمونہ دیکھا تو وہ خوشی سے دَوڑتے ہوئے آئے اور اپنے لڑکے کو دُعائیں دیتے ہوئے کہنے لگے، شکر ہے ہمارے بیٹے کا دھرم بھرشٹ نہیں ہوا۔ وہ چمارن سے شادی کر چکا تھا، اُس سے محبت اور پیار کرتا تھا مگر اُس کے برتن میں پانی پینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اِسی قسم کی بات اُس کے خاوند نے کی کہنے لگا احمدی لڑکیاں بڑی کٹّر ہوتی ہیں، میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ میرے ساتھ نماز پڑھ تو وہ نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ یہ بھی ویسی ہی بات ہے شادی ہوچکی ہے، بچے جن رہی ہے مگر نمازیں الگ الگ پڑھی جاتی ہیں تاکہ ایمان میں کوئی نقص واقع نہ ہو۔

دوستوں کا فرض ہے کہ وہ مرکز کو ہمیشہ صحیح حالات سے باخبر رکھیں

یہ صورت جو قلوب کی نظر آتی ہے اس کی اصلاح اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک جماعت میں یہ احساس پیدا نہ ہو کہ جب بھی کسی مقام پر کوئی ایسا واقعہ ہو افرادِ جماعت کا فرض ہے کہ وہ فوراً مرکز کو صحیح حالات سے باخبر کریں تاکہ مناسب کارروائی کے بعد ان واقعات کی روک تھام کی جاسکے۔ اب عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی امیر آدمی غیر احمدی کو لڑکی دے دیتا ہے تو مرکز میں اُس کی رپورٹ نہیں کی جاتی لیکن اگر غریب سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا ہے تو اُس کی فوراً رپورٹ کر دی جاتی ہے میرے نزدیک ایسے معاملات کے اصل ذمہ دار

مقامی اُمراء اور پریذیڈنٹ ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہی ایسے واقعات کو چھپاتے ہیں اور وہی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ جانے دو جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا اب کسی کی رپورٹ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ پس سب کمیٹی نے جو بورڈ تجویز کیا ہے اُس سے کچھ نہیں بن سکتا۔ اصل چیز جو اس خرابی کی جڑ ہے وہ یہ ہے کہ افراد جماعت کے اندر یہ روح نہیں ہوتی کہ وہ مضبوطی کے ساتھ احمدیت کی تعلیم پر قائم رہیں اُن کا ایک پَیر اِدھر ہوتا ہے اور دُوسرا پَیر اُدھر ہوتا ہے، ایک طرف وہ احمدی کہلاتے ہیں اور دوسری طرف اُن میں احمدیوں والی جرأت نہیں ہوتی، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے احمدیت کی ہتک ہوتی ہے اور وہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ ہمارا ایک اچھا بھلا مبلغ ہے اُس نے تھوڑے ہی دن ہوئے میرے کان کھا لئے ہر دوسرے دن اُس کی طرف سے تار آجاتا کہ فلاں شخص جسے احمدی ہوئے صرف پندرہ دن ہوئے ہیں اُسے فلاں لڑکی سے شادی کرنے کی اجازت دی جائے اور اجازت بھی بذریعہ تار بھجوائی جائے۔ میں نے اُسے جواب بھجوایا کہ نیک بخت! یہ تو گلا گھونٹ کر اجازت لینے والی بات ہے، اگر تُو نے نجاست ہی کھانی ہے تو کھا لے مجھ سے اس بارہ میں اجازت لینے کے کیا معنی ہیں۔ بعد میں ہم نے اجازت بھی دے دی کیونکہ بات یہ نکلی کہ اُس عورت کو بھی احمدی ہوئے صرف پندرہ دن ہی ہوئے تھے، ہم نے سمجھا کہ شائد یہ دونوں شادی کے لئے ہی احمدی ہوئے ہوں اس لئے چلو ان کو اجازت دے دو۔

بہرحال یہ حالات ہیں جن میں سے اِس وقت جماعت گزر رہی ہے ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے نزدیک پہلے قانون میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ جو قانون اِس وقت جاری ہے وہی درست ہے کیونکہ بہت سی احمدی لڑکیاں رشتے نہ ملنے کی وجہ سے بیٹھی ہیں اُن کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے ضروری ہے کہ آئندہ جب کسی مقام سے یہ رپورٹ ملے کہ کسی شخص نے غیر احمدی کو اپنی لڑکی دے دی ہے یا بغیر مرکز کی منظوری کے غیر احمدی لڑکی سے شادی کر لی ہے تو وہاں صرف اُس شخص کے خلاف کارروائی نہ کی جائے جس نے ایسی حرکت کی ہو بلکہ امیر یا پریذیڈنٹ کو بھی اس کا ذمہ دار سمجھا جائے اور اُن کے خلاف بھی کارروائی کی جائے بلکہ میرے نزدیک اصل کارروائی امیروں یا پریذیڈنٹوں کے متعلق ہی ہونی چاہیے کیونکہ وہی ہیں جو اس قسم کی

باتوں کو چھپاتے ہیں اور مرکز کو صحیح حالات سے اطلاع نہیں دیتے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص اُن کی خوشامد کر دیتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں اور اُس فرض کو بھول جاتے ہیں جو سلسلہ کی طرف سے اُن پر عائد ہوتا ہے اس نقص کا ازالہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ آئندہ زیادہ سختی سے کام لیا جائے اور امیروں اور پریذیڈنٹوں کو بھی ذمہ دار سمجھا جائے تا لڑکیوں کے لئے رشتہ نہ ملنے کی مشکل دور ہو۔ کتنے اندھیر کی بات ہے کہ بعض خاندانوں کی لڑکیاں غیر احمدیوں میں بیاہی جاتی ہیں مگر وہاں کی جماعتیں چپ کر کے بیٹھی رہتی ہیں اور کبھی مرکز میں رپورٹ نہیں کرتیں۔ یہ نتیجہ ہے مقامی جماعتوں اور افسروں کی کوتاہی کا۔ جہاں مقامی جماعتیں ذرا بھی ہوشیار ہوں وہاں اس قسم کے فتنے پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہوں تو رُک جاتے ہیں۔

پس اپنے تجربہ کی بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ اس تجویز کو مجلس میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ضرورت ہے تو اس بات کی کہ کارروائی میں زیادہ سختی سے کام لیا جائے۔ میں نے دیکھا ہے ہماری جماعت میں بڑی کثرت سے ایسے کیس ہوتے ہیں کہ فلاں نے اتنا قرضہ لیا تھا مگر اب تک اُس نے ادا نہیں کیا اور جب قرضہ مانگا جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ مقدمہ کر دو۔ ابھی پچھلے دنوں ایک شخص کے متعلق اِسی قسم کے کیس میں کارروائی کی گئی۔ اس پر چند دنوں کے اندر اندر ہی اُس نے سارا روپیہ ادا کر دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کے لوگوں میں ایمان تو ہے مگر اُنہیں عادت پڑ گئی ہے کہ جب تک اُن پر سختی نہ کی جائے وہ اپنے فرض کو نہیں پہچانتے۔ لوگوں کے سینکڑوں روپے دبا کر بیٹھ جاتے ہیں اور اُن کے دلوں میں یہ احساس تک پیدا نہیں ہوتا کہ اُس روپیہ کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن جہاں سختی کی جاتی ہے روپیہ ادا کر دیتے ہیں کیونکہ دل میں ایمان ہوتا ہے اور وہ اس ایمان کے لئے اپنی قوم کو چھوڑ کر اِدھر آئے ہوئے ہوتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ اس طرف بھی اُن کی عزت نہیں رہی تو وہ اپنی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی جیسا کہ میں نے ایک شوریٰ کے موقع پر بھی بیان کیا تھا کسی غیر احمدی لڑکی سے شادی کرنے کے متعلق اگر مرکز میں کوئی درخواست آئے تو اگر وہاں کی احمدی لڑکیوں کے رشتہ میں مشکلات پیدا ہونے کا ڈر نہ ہو یا یہ خطرہ نہ ہو کہ لڑکا غیر احمدیوں کے زیر اثر آجائے گا تو عموماً ایسی اجازت

دے دینی چاہیے اور اس میں مرکز کو روک پیدا نہیں کرنی چاہیے۔

اب میں اس اجلاس کو ختم کرتا ہوں کیونکہ مجھے ضعف ہو رہا ہے، اس کے بعد پہلے مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع ہوں گی پھر کھانا کھایا جائے گا اور نو بجے پھر مجلس شوریٰ کا اجلاس بھی ہوگا۔‘‘

(C-D از دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ)

تیسرا دن

مجلس مشاورت کے تیسرے دن تلاوتِ قرآن کریم کے بعد نمائندگان سے خطاب کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

’’کل کے جلسہ کے اختتام پر میں نے رات کے اجلاس کی بھی تجویز کی تھی۔ لیکن یہاں سے جاتے ہی گلے کی تکلیف تیز ہوگئی اور ساتھ ہی بخار اور ضعف بھی ہوگیا جس کی وجہ سے مجھے وہ اجلاس منسوخ کرنا پڑا اب اس اجلاس میں انشاء اللہ جماعت کا بجٹ پیش ہوگا۔

تحریک جدید کا بجٹ

میری رائے یہ ہے کہ آئندہ تحریک جدید کا بجٹ بھی مجلس شوریٰ میں پیش ہوا کرے۔ لیکن وہ بجٹ چونکہ صرف طوعی چندوں پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے مشورہ میں صرف اُنہی کو بلایا جائے گا جو تحریک جدید میں حصہ لینے والے ہوں۔ مَیں ابھی اس امر پر غور کر رہا ہوں کہ تحریک جدید کے بجٹ کے لئے اِسی مشاورت میں سے وقت نکالا جایا کرے یا اِس کے لئے کوئی اور وقت مقرر کیا جائے بہرحال تحریک جدید کا کام بھی وسیع ہوگیا ہے اور اب ان لوگوں کی بھی تربیت کی ضرورت ہے اگرچہ صدر انجمن کے بعض کاموں میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے لیکن چونکہ یہ دیر سے کام کر رہی ہے۔ اس لئے اسے مشق ہوگئی ہے۔ مگر تحریک جدید کے کارکنوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ وہاں ابھی تک ممبرانِ مجلس تحریک جدید ہی آپس میں مل کر بجٹ بنا لیتے ہیں اور اس کی مجھ سے منظوری لے لیتے ہیں لیکن اس کے نتیجہ میں بجٹ کے بہت سے پہلو پوشیدہ رہ جاتے ہیں اُن کو اس کام کی عادت ڈالنے اور ان کے نقائص کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کا بجٹ بھی مجلس شوریٰ میں پیش ہو۔

بجٹ صدر انجمن احمدیہ کے بعض نقائص اور اس کا حل

صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ میں بھی نقائص ہیں جن کو دور کرنا چاہیے مثلاً ایک نقص یہ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کی آمد کے بعض حصے بجٹ میں نہیں دکھائے جاتے جیسے ریزروفنڈ ہے اُس کا روپیہ تجارت میں لگا ہوا ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کو اس کی آمد بجٹ میں دکھانی چاہیے جو اس وقت تک نہیں دکھائی جاتی اور اس وجہ سے آمد و خرچ کا صحیح بجٹ سامنے نہیں آتا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض چندوں کی آمدن جب کم ہو جاتی ہے تو وہ آمدن خرچ کر لی جاتی ہے۔ یہ خرچ تو بے شک سلسلہ کا ہے اور جائز ہے لیکن روپیہ ایسے رستہ سے داخل ہوتا ہے جس سے جماعتی نمائندے واقف نہیں ہوتے۔ یہ جماعت کا کام ہے کہ وہ ریزروفنڈ کے متعلق مشورہ دے کہ آیا اُسے قرضے دور کرنے میں خرچ کر لیا جائے یا ہم اُسے تجارت میں ہی لگائے رکھیں ہر چیز کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔ جماعت کی جائیدادوں کے مشرقی پنجاب میں رہ جانے کی وجہ سے اُسے کئی لاکھ کا نقصان پہنچا ہے۔ آخر یہ نقصان بھی ہم نے پورا کرنا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تجویز ہو جائے کہ ریزروفنڈ کو قرضے دور کرنے میں استعمال کر لیا جائے اور آئندہ نئی عمارتیں بنانے میں بھی اس سے مدد لی جائے بہرحال صدر انجمن احمدیہ کو یہ معاملہ جماعت کے سامنے رکھنا چاہیے اور اس بارہ میں اُسے جماعتی رائے معلوم کرنی چاہیے۔

پھر قرض کی مد بجٹ میں نہیں رکھی جاتی تھی اس دفعہ میں نے یہ مد بھی رکھوائی ہے تا کہ جماعت کو اپنے قرضے کا علم ہو جائے اور وہ اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ جدوجہد کا صحیح جذبہ اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب قرض کی تفصیل سامنے آجائے۔ اگر جماعت کو معلوم ہی نہیں کہ کیا قرض ہے تو وہ اُس کے دور کرنے کے لئے کیا کوشش کرے گی۔ بجٹ میں ان سب باتوں کا ذکر ہونا چاہیے۔

ہماری جماعت کی تربیت خدا تعالیٰ کے فضل سے دوسروں سے زیادہ ہے اس لئے اس بات کا اندیشہ نہیں ہوسکتا کہ وہ قرض کو سن کر گھبرا جائے گی۔ مثلاً سکول کی قیمت لگا لو اور اس کو قرضہ کے خانہ میں دکھاؤ۔ قادیان میں زمین اتنی مہنگی ہو چکی تھی کہ ہم خود بیس ہزار روپے فی کنال کے حساب سے زمین خریدنا چاہتے تھے تو زمین نہیں ملتی تھی۔ وہاں سکول کی زمین

چالیس ایکڑ تھی اور رستوں کو نکال لیا جائے تب بھی وہ زمین قریباً ۲۰۰ کنال تھی۔ اس طرح صرف سکول کے ہاتھ سے چلے جانے کی وجہ سے جماعت کو ڈیڑھ دو کروڑ کا نقصان پہنچا ہے اور یہ ہمارے بس کی بات نہیں تھی جو کچھ ہوا خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہوا لیکن کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے اس کا ازالہ نہیں ہوسکتا۔ ان سب چیزوں کو جماعت کے سامنے لانا چاہیے۔ آخر وہ زمینیں اور عمارتیں جو ہم وہاں چھوڑ آئے ہیں کسی تماشا کے لئے تو نہیں تھیں، کسی میں ہمارا مہمان خانہ تھا کسی میں ہمارا سکول تھا اور کسی میں ہمارا کالج تھا۔ اور پھر وہ بنائی اس لئے گئی تھیں کہ اُن کے بنانے کی ہمیں ضرورت تھی اور اگر اُن کے بنانے کی ہمیں ضرورت تھیں تو وہ اب بھی بنانی پڑیں گی۔ گویا ان عمارتوں کے ہاتھ سے جانے کا ہی سوال نہیں اُن کے دوبارہ بنانے کا بھی سوال ہے اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جنہیں جماعت کے سامنے لانا چاہیے۔ احمق بے شک کہے کہ یہ عمارتیں اب نہیں بنانی چاہئیں لیکن ہم نے یہ سب عمارتیں دوبارہ بنانی ہیں۔ آخر وہ تعیّش کا سامان تو نہیں تھے کہ کہہ دیا جائے چلو سینما ہاتھ سے چلا گیا ہے آئندہ ہم سینما نہیں دیکھیں گے۔ ہم نے جو جگہیں چھوڑی ہیں وہ دینی جگہیں تھیں، سکول تھے، کالج تھے، لائبریریاں تھیں، پریس تھے ہم احمدیت کے جسم کی روح چھوڑ آئے ہیں اور اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ یہ سب چیزیں ہمیں دوبارہ بنانی پڑیں گی اور ان پر ڈیڑھ دو کروڑ روپیہ خرچ آئے گا اور جب تک ہم ان باتوں کو پوری طرح ذہن نشین نہ کر لیں گے کام نہیں بنے گا۔ جس طرح ایک شخص کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو وہ شور مچاتا ہے کبھی وہ کسی ناظر کو خط لکھتا ہے اور کبھی مجھے خط لکھتا ہے اِسی طرح ان باتوں کو جماعت مدنظر رکھتی تو اُسے شور مچا دینا چاہیے تھا کہ ہمیں سکول چاہئیں، کالج چاہئیں، آخر ہم بچوں کو پڑھائیں تو کہاں پڑھائیں۔ یہ شور ہماری طرف سے نہیں ہونا چاہیے تھا جماعت کی طرف سے ہونا چاہیے تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا کالج لاہور میں ہے لیکن ایک تو وہ ہماری اپنی عمارت نہیں گورنمنٹ کا جب جی چاہے ہمیں وہاں سے نکال سکتی ہے اور پھر ماحول اپنا نہیں جس کی وجہ سے قدم غلط مشورہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ مثلاً کالج کا رسالہ ہے اُس میں عشق و محبت کے خطوط چھپتے ہیں اور ایسی تصویریں چھپتی ہیں جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ

احمدی لڑکوں کی تصویریں ہیں۔ اگر وہ قادیان میں ہوتے تو انہیں ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ یہ صرف ماحول سے کٹنے کی وجہ سے ہے ....

غرض جب تک ہمارا کالج یہاں نہیں بن جاتا اور جب تک ہمارے طالب علم اور پروفیسر یہاں نہیں پہنچ جاتے اُن کی صحیح طور پر تربیت کرنا مشکل امر ہے۔

اس طرح مدرسہ دینیات ہے وہ بھی مرکز سے باہر ہے اس کی نگرانی کی کوئی صورت نہیں اور وہ اس طرز پر جارہا ہے کہ اُس کے نتائج کو ہم اپنے نتائج نہیں سمجھ سکتے۔ جس طرح جو چیز پہاڑ کے پیچھے ہے وہ آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے اسی طرح ہمارا اسکول بھی ہماری پوری نگرانی میں نہیں۔

پھر ہمارا یہاں کوئی پریس نہیں۔ ریویو آف ریلیجنز کو پریس نہ ہونے کی وجہ سے ہم جاری نہیں کر سکتے۔ پھر الفضل ہے وہ بھی لاہور میں ہے اُس کا حال یہ ہے کہ من چه سرایم و طنبورۂ من چه سراید

وہ اَور آواز نکالتے ہیں اور ہم اور آواز نکالتے ہیں جب تک یہ سب ادارے مرکز میں جمع نہ ہو جائیں اُن کی نگرانی مشکل ہے بے شک اُن کی بعض شاخیں مرکز سے باہر بھی ہوں گی مگر پوری نگرانی اُسی وقت ہوسکتی ہے جب اُن کے اصل مرکز میں ہوں۔ یہ سب چیزیں ہمارا بجٹ ہی سامنے لاسکتا ہے لیکن اُس میں ان باتوں کو نہیں دکھایا جاتا۔

اسی طرح مثلاً تعمیر ہے بجٹ میں صرف تعمیر کا لفظ لکھ کر اُس کے آگے رقم لکھ دی گئی ہے حالانکہ صرف تعمیر کے لفظ سے لوگوں کے جذبات نہیں اُبھرتے اور طوعی کاموں میں جذبات کو اُبھارنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہ جہان نے جو تاج محل کی عمارت بنوائی تھی وہ بھی تو تعمیر ہی تھی لیکن اور کوئی شخص ویسی عمارت بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتا۔ اس لئے تعمیر کے ساتھ تفصیل لکھنی چاہیے۔ اگر تفصیل لکھ دی جاتی تو لوگ سمجھتے کہ یہ چیزیں تو ضرور بنانی چاہییں۔

ہم یہاں بیٹھے تھے کہ ریلوے والے بھی یہیں آ گئے۔ میں نے انہیں کہا کہ اسٹیشن ابھی نہ بنائیں کیونکہ ہم سب اسٹیشن کی زمین میں ہیں۔ انہوں نے بات نہ سمجھی اور کہا یہ

مکان تو آخر گرانے ہی پڑیں گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے مکان ضرور گرانے پڑیں گے لیکن اتنی جلدی نہیں کہ ہمیں دوسرے مکانات بنانے کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن اگر کوئی ریلوے کا آفیسر آجائے اور کہے یہ عمارتیں گرادو تو ہمیں نئے مکانات بنانے تک خیموں یا جھونپڑوں میں رہنا پڑے گا۔ یہ سب چیزیں بجٹ میں واضح کرنی چاہئیں تا جماعت کو اس کا احساس ہو۔ کسی انسان کی قربانیوں کو بڑھانے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہوتا ہے کہ اُسے بتایا جائے کہ ہمیں اتنی قربانی کی ضرورت ہے ہم نے فلاں فلاں نقصان اٹھائے ہیں جن کو ہم نے بہرحال پورا کرنا ہے۔

شہد کی مکھی کا گھر ہمیشہ اُجڑتا رہتا ہے اور وہ ہمیشہ نیا گھر بنالیتی ہے اور اس سے اکتاتی نہیں خدا تعالیٰ نے بھی اس کے لئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے جس میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تمہارا گھر بے شک اُجڑتا رہتا ہے لیکن تم موردِ وحی الٰہی اور جو کچھ کرتی ہو ہمارے منشاء کے ماتحت کرتی ہو انسان کا حوصلہ مکھی سے تو بہرحال بڑھ کر ہونا چاہیے پس یہ چیزیں چھپانی نہیں چاہئیں بلکہ ان کو ظاہر کرنا چاہیے تا کہ جماعت کو اپنے فرائض کا صحیح احساس ہوسکے۔

پھر صدر انجمن احمدیہ کی اب تک یہ حالت ہے کہ اُدھر بجٹ پاس ہوا اور اِدھر انہوں نے درخواست دے دی کہ حضور فلاں چیز رہ گئی تھی اُس کی منظوری عطا فرمائی جائے۔ فلاں چیز رہ گئی تھی اُس کی منظوری عطا فرمائی جائے۔ پھر وہ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کی منظوری دیئے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔ مثلاً پاخانہ کی عمارت ہے اگر یہ نہ بنائی جائے تو کوئی ضروری نہیں لیکن جب عمارت بنا لی جائے تو اُس کے لئے کھڈیاں بنانی ضروری ہیں۔ وہ کھڈیاں عمارت کے ساتھ نہیں بنائی جاتیں مگر بعد میں درخواست دے دی جاتی ہے کہ پاخانہ کے لئے کھڈیاں بنانا ہم بھول گئے تھے اس کے لئے اتنی رقم کی منظوری دی جائے اور مجبوراً منظوری دینی پڑتی ہے۔ تعمیر کے محکمہ والوں کو کچھ اس قسم کا فن آ گیا ہے کہ وہ ضروری چیزیں چھوڑ جاتے ہیں میرے نزدیک کوئی ایسی تجویز ہونی چاہیے جس سے بجٹ مکمل بن سکے تا آئندہ کسی زیادتی کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ اور اگر کسی زیادتی کا سوال پیدا ہو تو یہ سمجھ لیا جائے

کہ غیر معمولی حالات میں یہ ضرورت پیش آ گئی ہے۔

بیرونی ممالک کے لئے کانسٹی ٹیوشن کی اشد ضرورت

ابھی شیخ بشیر احمد صاحب نے ایک بات کی طرف توجہ دلائی ہے ہم نے ایک محکمہ قانون بنایا ہے جس کا ایک کام یہ بھی ہوگا کہ وہ بیرونی ممالک کی جماعتوں کے لئے کانسٹی ٹیوشن تیار کرے پندرہ سال سے میں اس کام کی طرف توجہ دلا رہا ہوں مگر صدر انجمن احمدیہ نے اب تک یہ کانسٹی ٹیوشن تیار نہیں کی۔ حالانکہ بعض بیرونی ممالک میں ہماری جماعتیں بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

اور اُن کے لئے تفصیلی نظام کی سختی سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ ویسٹ افریقہ میں ہی ایک لاکھ کی جماعت ہے اور وہ اس طرح سے بڑھ رہی ہے کہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہم سے بھی بڑھ جائے گی وہاں بیس پچیس سکول ہیں ۳۵، ۴۰ مبلّغ ہیں لیکن ابھی تک وہاں کی جماعت کی بھی کانسٹی ٹیوشن نہیں بنی اور یہ امر پندرہ سال سے زیرِ غور ہے۔ اِسی طرح امریکہ ہے جب بھی امریکہ میں جماعت نے ترقی کی وہ لوگ فوراً شور مچا دیں گے کہ ہمارا مرکز سے کیا تعلق ہے اور مرکز کا ہم سے کیا تعلق ہے، مبلغ کو کس حد تک ہمیں کنٹرول میں رکھنے کا حق حاصل ہے اور ہمیں مبلغ پر کیا کیا حقوق حاصل ہیں اِسی طرح اَور بہت سے سوالات پیش آ جائیں گے اور یہ ایک ایسا ملک ہے کہ اگر وہاں دس پندرہ ہزار گھرانے بھی احمدی ہوگئے تو وہاں کی جماعت کا بجٹ ہم سے بڑھ جائے گا۔ یہاں بجٹ آٹھ روپے فی کس ہے اور وہاں ایک سَو روپیہ فی کس ہے اور ابھی غرباء کا طبقہ ہماری جماعت میں داخل ہے امراء آ گئے تو اُن کی ۳۶ گُنا زیادہ آمدن ہوگی۔ گویا ہمارے ۳۶ آدمیوں کے مقابلہ میں وہاں کے ایک احمدی کا چندہ ہوگا اُس وقت طبعی طور پر یہ سوال آ جائے گا کہ اس روپیہ کو ہم اپنی مرضی سے خرچ کر سکتے ہیں یا آپ کی مرضی سے خرچ کر سکتے ہیں۔ پس جب تک کوئی کانسٹی ٹیوشن نہیں بنے گی ہم اس بارہ میں اُن کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ اسی طرح انڈونیشیا ہے، مشرقی افریقہ ہے، شام ہے ان کے متعلق بھی سوال آ جائے گا پس ضروری ہے کہ بیرونی ممالک کے متعلق جلد سے جلد کانسٹی ٹیوشن مرتب کیا جائے اور یہ کام اسی محکمہ قانون کا ہے۔ اس محکمہ کا جو وکیل ہوگا اُس کے لئے لائبریری بھی چاہیے۔ شیخ بشیر احمد صاحب نے

بتایا ہے کہ کمیٹی میں یہ سوال پیش ہوا تھا اور فیصلہ ہوا تھا کہ وکیل کے لئے ۳۰۰۰ روپے کی کتب چاہئیں لیکن بجٹ میں اس کا ذکر نہیں بعد میں درخواست آجائے گی کہ لائبریری کے لئے تین ہزار روپیہ کی ضرورت ہے اس کی منظوری دی جائے۔

اسی طرح کالج کے پروفیسر ہیں گورنمنٹ نے قانون مقرر کر دیا ہے کہ پروفیسروں کا گریڈ ڈیڑھ سَو کا ہے اب چونکہ گورنمنٹ نے فیصلہ کر دیا ہے اس لئے میں نے کہہ دیا تھا کہ کالج کے پروفیسروں کا گریڈ ڈیڑھ سَو سے تین سَو کر دیا جائے لیکن بجٹ میں صرف تین پروفیسروں کے نئے گریڈ کا ذکر ہے باقیوں کا نہیں۔

اسی طرح مجلس مشاورت کے سامان کے لئے بجٹ میں کچھ نہ کچھ خرچ رکھنا چاہیے تھا اب دوست اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں کہ آپس میں مشورہ کی کوئی صورت نہیں۔

کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اشاعت کی اہمیت

اسی طرح سب سے اہم ترین چیز ہمارے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب ہیں جن کو شائع کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جا رہی۔ ہماری لائبریری کی کتابیں قادیان میں ہی رہ گئی ہیں اور گورنمنٹ انہیں یہاں لانے کی اجازت نہیں دیتی۔ میں نے غیر احمدیوں کے کئی خطوط پڑھے ہیں جن میں وہ لٹریچر کے لئے لکھتے ہیں لیکن جماعت انہیں مہیا نہیں کر سکتی۔ وہ لکھتے ہیں عجیب بات ہے کہ آپ کے مبلّغ امریکہ اور یورپ تو جا رہے ہیں لیکن اپنے ملک کے لئے آپ کے پاس لٹریچر نہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کو چاہیے کہ وہ اس بارہ میں جلد عملی قدم اُٹھائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب جو نایاب ہوتی جا رہی ہیں شائع کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ہم ان کتابوں کے بغیر چند سال بھی گزار دیں گے تو آئندہ نسل یہ سمجھے گی کہ ان کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا ہے اور اُس کا یہ فیصلہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی روٹی کے بغیر جینے کا فیصلہ کر لے۔

آمد بڑھانے کی ضرورت

یہ سب چیزیں بجٹ تیار کرتے وقت نظر انداز کر دی گئی ہیں اور دوسری طرف یہ نظر آ رہا ہے کہ بجٹ اخراجات بجٹ آمد سے زیادہ ہیں۔ اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ہم اپنی آمد کو بڑھائیں اصل چیز

تو یہی ہے کہ آمد بڑھے لیکن اس چیز کا احساس بہت کم ہے۔ قادیان سے نکلنے پر بیعت اُس معیار پر نہیں رہی جس پر وہ پہلے تھی اب کچھ ترقی ہو رہی ہے لیکن ہمیں اس سے دس بیس گُنے زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ اب حالت یہ ہے کہ بیرونی ممالک میں جماعت زیادہ بڑھ رہی ہے اور پاکستان میں کم بڑھ رہی ہے بنیادیں چوڑی ہوتی ہیں تو دیوار بڑی ہوتی ہے۔ مرکز بنیاد ہوتا ہے مرکز کی مضبوطی کی زیادہ ضرورت ہے اب پاکستان جماعت کا مرکز ہے۔ پاکستان میں نسبتی طور پر جماعت زیادہ ہونی چاہیے اور اس کے چندے بھی زیادہ ہونے چاہئیں تا ہم بیرونی ملکوں کی جماعتوں کو کہہ سکیں کہ ہم تم پر خرچ کرتے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ جب نئے احمدی ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہم تم پر خرچ کیوں کریں۔ لحاظ اور ادب کی وجہ سے وہ مجھے نہیں لکھتے مقامی مبلّغ کو کہتے ہیں۔ میں اُس مبلّغ کو یہی لکھتا ہوں کہ وہ انہیں سمجھا دے کہ اب تک پاکستان نے تم پر خرچ کیا ہے اگر یہ اصل ٹھیک ہے کہ آپ کو ہم پر خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے تو پاکستان کو آپ پر خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ قدرتی بات ہے کہ خواہ کوئی دینی بات ہو یا دُنیوی انسان دوسرے کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔

قرآن کریم میں ایک بزرگ ہستی کا ذکر آتا ہے جسے ہم جبرائیل سمجھتے ہیں لیکن دوسرے لوگ خضر کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی اطاعت سے گریز اختیار کیا حالانکہ وہ آپ سے کوئی جائداد حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے صرف دل پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اِسی طرح دنیا ہماری طاقت کو تسلیم نہیں کرتی جب تک ہم اس کے لئے کوئی مادی ذریعہ بھی اختیار نہ کریں اور وہ ذریعہ یہی ہے کہ ہم کہیں ہم نے روپیہ خرچ کر کے آپ کو ہدایت دی ہے اس پر وہ اپنی نظریں نیچی کر لیں گے اور ہماری فوقیت کا اعتراف کریں گے۔ جب ملک میں نئے طور پر کوئی حکومت قائم ہوتی ہے تو اُس کے رہنے والے اسی لئے اس حکومت کو برداشت کرتے ہیں کہ وہ اپنے پاس سے اُن پر خرچ کرتی ہے۔ جتنی امپیرلزم ہوتی ہیں اُن کا ابتدائی حصہ یہی ہوتا ہے کہ پیرنٹ باڈی (parent body) خرچ کرتی ہے اور دوسرے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور جب تک وہ حکومت خرچ کرتی چلی جاتی ہے لوگ اُس کے مطیع رہتے ہیں لیکن جب وہ خرچ کرنا

بند کر دیتی ہے تو لوگ اُس کی اطاعت سے کندھا ہٹا لیتے ہیں اور بغاوت شروع ہو جاتی ہے۔

مذہبی جماعتوں کو ہمیشہ قربانی کی عادت ڈالنی چاہیے ہر رسول جو دنیا میں آتا ہے اُسے حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ جو تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں وہ لے لو اور جس سے وہ منع فرماتے ہیں اُسے سے رک جاؤ۔[9] صحابہؓ اس پر اس طرح عمل کرتے تھے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے تو نماز توڑ دیتے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو آواز دی اور آپ نے نماز توڑ کر فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا یہ تو قرآن کریم کا حکم ہے کہ جب رسول تمہیں آواز دے تو تم فوراً جواب دو۔

پس جب تک مرکز کہے گا کہ میں ہی تمہیں دے رہا ہوں اُس وقت تک بیرونی جماعتیں اُس کے ماتحت رہیں گی۔ اور جب یہ سوال آ گیا کہ تم کِھلاؤ میں کھاتا ہوں تو وہ کہیں گے جب کھلاتی ہیں تو ہم مرکز کیوں نہ بنیں۔ پس مرکز کی ذمہ داری بہت بڑی ہے اور اُسے دوسرے سے کھانے کی نیت نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ چیز تم ہمیشہ مدنظر رکھو اور اس کو مدنظر رکھتے ہوئے بجٹ پر غور کرو۔ جب تک کوئی انسان قربانی کی اہمیت کو نہیں سمجھتا اُس کے اندر قربانی کا صحیح احساس پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہی ہے کہ مرکز ہمارے ہاتھوں میں رہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں اِس کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ بعض لوگوں نے اس بارہ میں ٹھوکر کھائی ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قانون اور استثناء الگ الگ ہوتے ہیں۔

ہمارا اصل مرکز قادیان ہی ہے

ہمارا اصل مرکز قادیان ہی ہوگا اگر وہ کہیں چلا جائے تو اُس کا وہاں جانا عارضی ہوگا۔ مثلاً کسی شخص سے میں کہوں کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ اور وہ کہے میں پشاور کا رہنے والا ہوں تو اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے یہ پشاور کا رہنے والا نہیں یہ تو ربوہ کا رہنے والا ہے تو غلط ہوگا۔ جس طرح پشاور کا رہنے والا کوئی شخص اگر ربوہ آ جائے تو اس سے

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ پشاور کا رہنے والا نہیں۔ جس طرح ربوہ کا کوئی شخص سودا لینے کے لئے لائل پور یا لاہور جائے تو وہ وہاں کا نہیں ہوجاتا اِسی طرح مرکز کے کسی دوسری جگہ عارضی طور پر چلے جانے کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ اب پہلی جگہ مستقل مرکز نہیں رہا۔ جیسے مسافر اپنے وطن کی طرف ہی منسوب ہوتا ہے۔ اسی طرح مستقل مرکز سے نکلنے والا بھی اُسی کی طرف منسوب ہوگا۔ جب یہ فضیلت خدا تعالیٰ نے ہمیں دی ہے تو پھر مرکز والوں کو خرچ کرنا پڑے گا۔ دنیا میں صرف مائیں ہی خرچ کرتی ہیں اور وہ دودھ پلاتی ہیں۔ بڑی عمر میں بھی درحقیقت مائیں ہی خرچ کرتی ہیں۔ سَو میں سے دو تین ہی ایسے بچے نکلیں گے جو ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں ورنہ اکثر ماں باپ ہی اپنے بچوں کی ساری عمر خدمت کرتے ہیں۔

اُمّ القریٰ وہ بستی ہوتی ہے جس میں خدا تعالیٰ کا مامور آتا ہے اور اُمّ القریٰ ہوتا ہے وہ ملک جس میں خدا تعالیٰ کا مامور آتا ہے۔ سکول کے طالب علم کو وظیفے دیتے وقت گورنمنٹ اُس سے شرطیں طے کرتی ہے اور اس سے اشٹام لکھواتی ہے کہ وہ اس وظیفے کو واپس کرے گا یا تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اُس کی ملازمت کرے گا لیکن مائیں خرچ کرتی ہیں اور اولاد سے کسی بدلہ کی خواہش نہیں رکھتیں۔ ماں بچہ کی اُس وقت خدمت کرتی ہے جب وہ بول بھی نہیں سکتا لیکن اس کے بدلہ میں اُسے کیا ملتا ہے؟ خدا تعالیٰ نے اسے یہ فضیلت دی ہے کہ اولاد کے ذمہ خدا تعالیٰ نے یہ فرض رکھا ہے کہ وہ سوائے شرک کے ہر بات میں اپنے ماں باپ کی اطاعت کریں۔ یہی درجہ مرکزی مقام کو بھی حاصل ہوتا ہے اور دوسرے ممالک کو خدا تعالیٰ اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ جیسے ماں کی اطاعت نہ کرنے والے گنہگار ہوتے ہیں اسی طرح اگر دوسرے ملک مرکزی مقام کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ نافرمان گردانے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے غضب کے مستوجب بنتے ہیں پس اپنی اس ذمہ داری کو سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں ماں بنایا ہے لیکن تم ماں والے حق کے اُسی وقت مستحق ہوسکتے ہو جب تم ماں والی قربانی بھی کرو۔ محسن ہمیشہ احسان مندوں کے لئے کعبہ بن جاتا ہے اور یہ کوئی معمولی عزت نہیں۔ تم جتنی قربانی بھی کرو وہ اُس نتیجہ کے مقابلہ میں کم ہے جو خدا تعالیٰ اُس کے بدلہ میں پیدا کرتا ہے۔

ماں کا اپنے بچہ کو ۹ ماہ تک پیٹ میں رکھنا، دو سال تک دودھ پلانا، اُس کے لئے راتوں کو جاگنا، اُسے کپڑے مہیا کرنا، خود بھوکے رہ کر اُسے تعلیم دلانا اور خود تکلیف اٹھا کر اُس کی شادی کرنا یہ بے شک بہت بڑی قربانی ہے لیکن یہ قربانی اُس کے بدلہ کے مقابل میں بالکل ہیچ ہے جو خدا تعالیٰ اُس کے نتیجہ میں اُسے دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے جو شخص ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے وہ میرا نافرمان ہے۔ پس تمہاری قربانی بے شک بہت بڑی ہے لیکن جو نتیجہ اس کا خدا تعالیٰ پیدا کرتا ہے اس کے سامنے یہ قربانی کوئی حیثیت نہیں رکھتی امریکہ، برطانیہ، سپین، فرانس، اٹلی، ہالینڈ اور دوسرے یورپین ممالک جو اپنی برتری کے دعوے دار ہیں جو تمہیں غلام کہنے میں بھی اپنی ہتک سمجھتے ہیں تمہاری اس قربانی کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کہے گا اے مُلکو! تم اس ملک کے غلام بن کر رہو۔ تمہاری قربانی بے شک بہت بڑی ہے لیکن خدا تعالیٰ کا جواب اُس سے بھی بہت بڑا ہے۔ بے شک اس برکت کو حاصل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے دوسرے ملکوں کے لئے دروازہ کُھلا رکھا ہے لیکن امریکہ کا ایک باشندہ تبھی برکت پا سکتا ہے جب وہ یہاں آ کر بس جائے گویا وہ اپنی وطنیت کو ترک کر کے ہی برکت حاصل کر سکتا ہے۔ اُسے بہرحال اپنی بنیاد توڑنی پڑے گی تبھی وہ اس ملک کے حقوقِ برتری سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایک خاص وطنیت برادری اور جگہ معیّن ہو چکی ہے اُس میں داخل ہو کر وہ برکت سے حصہ لے گا لیکن جب وہ اس وطنیت برادری اور جگہ سے باہر جائے گا تو وہ اس ملک کے تابع ہو کر رہے گا۔ جب تک تم ماں کی حیثیت کو قائم رکھو گے دوسرے ملک بھی بچہ کی حیثیت کو قائم رکھیں گے لیکن جب تم ماں کی حیثیت کو قائم نہیں رکھو گے تو دوسرے ممالک سے تم ماں والی عزت کی امید نہیں کر سکتے۔ جس طرح ماں جب بچہ کو پھینک دے تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ بچہ نے اپنی ماں کے حقوق کو ادا نہیں کیا وہ یہی کہیں گے کہ ماں نے خود اپنے حقوق کو چھوڑ دیا ہے اس لئے بچہ نے بھی اُن حقوق کو ادا نہیں کیا جو اُس پر عائد ہوتے تھے۔

تورات میں آتا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بڑے بیٹے **عیسُو** نے اپنا حق اپنے چھوٹے بھائی یعقوب علیہ السلام کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ پرانے زمانہ میں بڑے بیٹے کو حقوقِ برتری حاصل ہوتے تھے۔ یہود کا یہ خیال تھا کہ بڑا بیٹا ہی نبی بن سکتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ کو یہ احساس تھا کہ بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے عیسُو نبوت کا درجہ لے جائے گا اس لئے وہ اِس ٹوہ میں رہتی تھی کہ کسی طرح یہ حق اپنے بیٹے یعقوب کو لے کر دے۔ ایک دن یعقوب نے مسور کی دال پکائی عیسُو کا دال کھانے کو جی چاہا اُس نے یعقوب کو بلا کر کہا مجھے دال کھلا یعقوب نے کہا مجھے اپنا پلوٹھا ہونے کا حق دے دے تب میں تجھے دال دوں گا۔ عیسُو کا بچپن بھی تھا اور یہودیوں کے نزدیک اُس کا معیارِ اخلاق بھی اعلیٰ نہیں تھا اُس نے کہا دال تو نقد بہ نقد مل رہی ہے نبوت پتہ نہیں کب ملے اِس لئے اُس نے نبوت کا حق یعقوب کو دے دیا اِس پر یعقوب نے اُسے مسور کی دال دی اور اُس نے کھائی[۱۰]

جب حضرت اسحٰق علیہ السلام بیمار ہوگئے تو آپ نے اپنے بڑے بیٹے عیسُو کو کہا عیسُو آؤ میں تمہیں دعا دوں کہ خدا تعالیٰ تمہیں میرا وارثِ روحانی بنائے اور تمہیں نبوت کا رتبہ حاصل ہو۔ عیسُو شکار کے لئے جنگل میں چلا گیا تا دعا لینے سے پہلے اپنے باپ کے لئے لذیذ کھانا تیار کرے۔ یعقوب کی والدہ سن رہی تھی اُس نے یعقوب کو بلایا اور انہیں ایک دنبہ ذبح کر دیا اور اُس کی کھال انہیں پہنا دی یعقوب اپنے باپ اسحٰق کے پاس گئے اور عیسُو کی آواز میں کہا اے باپ! تُو مجھے دل سے دعا دے اسحٰق نے گوشت کھا کر کہا بیٹا! قریب آؤ۔ جب وہ قریب آیا تو اسحٰق نے اُس کے بدن کو ٹٹولا۔ اسحٰق نے دیکھا کہ آواز تو یعقوب والی ہے مگر بدن عیسُو والا نہیں عیسُو کے بدن پر بال تھے اور یعقوب کے بدن پر بال نہ تھے اس لئے یعقوب کی والدہ نے انہیں دنبے کی کھال پہنا دی تھی حضرت اسحٰق علیہ السلام نے یعقوب کو دعا دے دی کہ خدا تعالیٰ انہیں اُن کا روحانی وارث بنائے اور نبوت کا درجہ عطا کرے تب عیسُو شکار لے کر آیا اور کھانا پکا کر باپ کے پاس لے گیا اور کہا اے باپ مجھے برکت دے۔ اسحٰق نے کہا تیرا بھائی یعقوب آیا تھا اور دھوکا سے وہ تیری برکت لے گیا ہے۔ عیسُو نے کہا یعقوب پہلے بھی میرا حق لے گیا تھا اور اب بھی اُس نے میرے حق کو دھوکا سے حاصل کر لیا ہے۔[۱۱]

اس واقعہ میں یہی بتایا گیا ہے کہ اپنے حقوق کی حفاظت کرنا اور اُن کی خاطر قربانی کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بعض بیوقوف اپنے بڑے بڑے حقوق کو تھوڑے سے لالچ کی خاطر

ضائع کر دیتے ہیں۔ جیسے عیسُو نے مسور کی دال کی خاطر اپنا نبوت کا حق چھوڑ دیا اسی طرح بعض ملک کسی مامور کے آنے کی وجہ سے ماں بن جاتے ہیں لیکن بعض لوگ بیوقوفی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم قربانی کیوں کریں۔ تب خدا تعالیٰ کہتا ہے۔ اچھا! جب تم قربانی نہیں کرتے تو تم ماں بھی نہیں رہے۔

درحقیقت خدا تعالیٰ بہت زیادہ دے رہا ہے اور اُس کے مقابلہ میں ہماری قربانی اور جدوجہد بہت کم ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دو پیسے میں گھوڑا دیدے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں دو پیسے نہیں دیتا تو اس سے زیادہ بیوقوف اور کون ہوگا۔ غرض جہاں کوئی مامور پیدا ہوتا ہے خدا تعالیٰ وہاں کے رہنے والے لوگوں سے قربانی کرواتا ہے لیکن اُس کا جو بدلہ دیتا ہے وہ اُس قربانی کے مقابلہ میں بہت بڑا ہوتا ہے۔

پس ان سب باتوں کو سمجھ کر قربانیاں کرو اور صدر انجمن احمدیہ کو بھی چاہیے کہ وہ آئندہ واضح طور پر بجٹ بنایا کرے تاکہ تمام باتیں پوری تفصیل کے ساتھ جماعت کے نمائندوں کے سامنے آجائیں''۔

بجٹ سالِ نو

اِس کے بعد حضور نے سب کمیٹی بیتُ المال کو رپورٹ پیش کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ رپورٹ پیش ہونے پر حضور نے فرمایا:-

''اب بجٹ کے متعلق عام بحث ہوگی تاکہ اگر صیغہ جات میں کوئی نقص ہو یا ترقی کی کوئی صورت کسی کے ذہن میں ہو تو دوست اُسے پیش کر سکیں جو دوست اس بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہوں وہ اپنے نام لکھوا دیں۔''

اِس پر بعض ممبران نے اپنے نام لکھوائے اور اپنی آراء پیش کیں۔ نیز بعض نمائندگان کے سوالات کے ناظر صاحبان نے جوابات دیئے۔ جب بجٹ پر عام بحث ختم ہو چکی تو حضور نے فرمایا:-

''سب سے پہلے شیخ محمود الحسن صاحب نے جو کچھ کہا ہے میں اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک نہایت ہی مفید تجویز ہے جس کی طرف پہلے ہمارا ذہن نہیں گیا درحقیقت جب بجٹ کے متعلق ایک سب کمیٹی مقرر کی جاتی ہے اور وہ غور کرنے کے بعد اُس پر تصدیق کی مہر لگا دیتی ہے تو اس کے بعد کسی فرد کا بجٹ کے متعلق کچھ کہنا زیادہ اہمیت نہیں رکھتا

کیونکہ کمیٹی ایک بڑی تعداد ممبران پر مشتمل ہوتی ہے جن میں سے اکثر بارسوخ اور تجربہ کار ہوتے ہیں جب وہ اس مجلس میں آتے ہیں تو قانونی لحاظ سے اور تنظیم کے لحاظ سے وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے پیش کردہ بجٹ کی تصدیق کریں اور ظاہر ہے کہ جب بڑی بڑی جماعتوں کے کارکن ایک فیصلہ کر کے آئیں تو اُن کے حلقۂ اثر کی رائیں لازماً اُن کی تائید میں جائیں گی اور اس صورت میں اعتراض کرنے والے کی حیثیت بہت کمزور ہو جائے گی۔ شیخ صاحب نے کہا ہے کہ اِس وقت ایک طرف کی بات تو ذہن میں آتی ہے لیکن دوسری طرف کی نہیں آتی حالانکہ وہ سب باتیں سننے کے لئے تیار تھے اور چاہئیے تھا کہ ان امور کو سب کمیٹی کے سامنے پیش کیا جاتا۔ میرے نزدیک اس بات کو آئندہ نوٹ کر لینا چاہیے اور اس کے مطابق عمل ہونا چاہیے کیونکہ خود صدر کمیٹی نے لوگوں کے اس حق کو تسلیم کر لیا ہے۔ اگر سب کمیٹی کے پاس مختلف لوگوں کی آراء آئیں گی تو وہ اُن پر ضرور غور کرے گی اور اگر معقول ہوں گی تو اُن کے متعلق اپنی رپورٹ میں سفارشات پیش کرے گی۔ یہ سفارشات مجوزہ بجٹ میں کمی کے ساتھ بھی تعلق رکھ سکتی ہیں۔ زیادتی کے ساتھ بھی تعلق رکھ سکتی ہیں اور بجٹ کی اندرونی تبدیلیوں کے ساتھ بھی تعلق رکھ سکتی ہیں بہرحال تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد سب کمیٹی کہہ سکتی ہے کہ بجٹ کو اس شکل میں تبدیل کیا جائے اور یہ صورت زیادہ موزوں ہے بہ نسبت اس کے کہ اس جگہ بجٹ میں تبدیلی کرنے کے متعلق مشورے دیئے جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک نہایت ہی مفید تجویز ہے اور اس پر آئندہ سے عمل شروع کر دینا چاہیے سوائے اس کے کہ کوئی پرانا قانون اس کے خلاف ہو۔ اس کے نتیجہ میں کمیٹی کے سامنے نہ صرف نظارتوں کے نمائندوں کی طرف سے بلکہ مختلف لوگوں کی طرف سے بھی بہت سی تجاویز آ جائیں گی جن میں سے بعض معقول ہوں گی اور بعض غیر معقول۔ کمیٹی سب تجاویز پر غور کر کے رپورٹ کرے گی کہ ہمارے نزدیک یہ یہ باتیں اس قابل ہیں کہ ان کے مطابق بجٹ میں تبدیلی کی جائے اور فلاں فلاں امور کو نظر انداز کر دیا جائے۔

اس وقت جو باتیں پیش کی گئی ہیں اُن کا تفصیلی طور پر یہاں جواب نہیں دیا جاسکتا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ نمائندگان غلط اثر لے کر جائیں گے اور وہ سمجھیں گے کہ بعض باتوں کا تسلی بخش جواب نہیں دیا گیا حالانکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو سب کمیٹی کے سامنے

بیان کی جا سکتی ہیں لیکن ایک بڑے گروہ کے سامنے بیان نہیں کی جاسکتیں۔ اگر وہ دوست جنہوں نے بجٹ کے متعلق اِس وقت اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے سب کمیٹی کے سامنے جاتے اور اُسے بتاتے کہ اُن کے نزدیک بجٹ میں فلاں فلاں خامیاں ہیں جن کو دور کرنا چاہیے یا فلاں مد میں کمی ہونی چاہیے یا فلاں جگہ زیادتی ہونی چاہیے تو اس طرح بجٹ پر زیادہ بہتر رنگ میں غور ہو سکتا۔

فیصلہ

پس اگر کوئی پرانا قانون اس کے خلاف نہیں تو آئندہ کے متعلق میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ وہ سب کمیٹی جو بجٹ پر غور کرنے کے لئے مقرر کی جائے اُن امور پر بھی غور کر لیا کرے جو مختلف لوگوں کی طرف سے اُس کے سامنے پیش کئے جائیں اور اگر قانوناً اس میں کوئی روک ہو تو صدر انجمن احمدیہ کو چاہیے کہ اُس روک کو دور کرنے کی تجویز کرے تا کہ جس طرح نظارتوں کے نمائندے سب کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اسی طرح بیرونی جماعتوں کے نمائندے بھی سب کمیٹی میں جاسکیں اور اُن کی باتوں پر غور ہو سکے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ سب کمیٹی بجٹ شوریٰ کے اجلاس سے کچھ وقت پہلے اپنی کارروائی ختم کرے اور اپنی سفارشات کی جو صدر انجمن احمدیہ کی سفارشات کے خلاف ہوں نقل صدر انجمن احمدیہ کو بھجوا دے جو فوراً اپنے اجلاس میں اُن کے بارہ اپنی رپورٹ پیش کر دے جو سب کمیٹی کی رپورٹ کے بعد دوستوں کی اطلاع کے لئے شوریٰ میں پڑھ کر سنائی جایا کرے۔

ایک سوال کا جواب

اب میں اُن دوسری تجاویز کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو مختلف احباب کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ بعض کا جواب ناظر صاحب بیت المال نے دے دیا ہے مگر بعض کا نہیں دیا۔ ایک اعتراض مرزا ناصر احمد کی طرف سے تھا جس کا جواب ناظر صاحب نے یہ دیا ہے کہ میں صرف چند دنوں کے لئے ناظر بنا ہوں اس لئے میں اِس بارہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ درست ہے کہ وہ عارضی طور پر ناظر مقرر کئے گئے ہیں مگر یہ سوال ایسا تھا جس کا نظارت کی طرف سے جواب دیا جانا ضروری تھا۔ اگر ناظر صاحب بیتُ المال بوجہ نئے ہونے کے اِس کا جواب نہیں دے سکتے تھے تو ناظر صاحب اعلیٰ کا فرض تھا کہ وہ اس کا جواب دیتے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ مرزا ناصر احمد صاحب

کی طرف سے یہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ کالج کے پروفیسروں کے گریڈوں کی تبدیلی جدید اخراجات میں دکھائی گئی ہے لیکن سکول کے ایک ماسٹر کے گریڈ کی تبدیلی جدید اخراجات میں نہیں دکھائی گئی۔ بظاہر یہ ایک امتیاز نظر آتا ہے یا بُھول چوک کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جدید اخراجات کی اصطلاح میں ہمارے نزدیک وہ اخراجات شامل ہوتے ہیں جن کے لئے ہمارے قواعد میں پہلے سے انتظام نہ ہو۔ سکول ماسٹروں کے گریڈ پہلے سے مقرر ہیں اُن میں کوئی نئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ایک سکول ماسٹر اپنا گریڈ پورا کر کے ایک ایسے حصے میں جاتا ہے جو پہلے سے ہمارے قواعد میں آ چکا ہے اس لئے یہ جدید خرچ نہیں۔ لیکن کالج کے گریڈ نئے مقرر کئے گئے ہیں اس لئے اُنہیں جدید اخراجات میں شامل کیا گیا ہے۔ وہاں ایک فرد کو نیا گریڈ دیا گیا ہے گریڈ پہلے سے منظور شدہ ہے اس لئے وہ جدید خرچ نہیں۔ جیسے نائب ناظر کو ناظر مقرر کر دیا جائے تو لازماً اُس کا الاؤنس بڑھ جائے گا مگر یہ جدید خرچ نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے ہاں ناظر کا بھی ایک گریڈ مقرر ہے لیکن فرض کرو ناظر کے متعلق یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ آئندہ اُس کا گریڈ ۳۰۰ سے ۵۰۰ ہوگا تو یہ جدید خرچ میں دکھایا جائیگا کیونکہ اس کے لئے پہلے کوئی قاعدہ نہیں تھا۔ پس درحقیقت یہ امتیاز جو نظر آتا ہے یہ حقیقی امتیاز نہیں سکول ماسٹروں کے گریڈ پہلے سے منظور شدہ ہیں اور اُن منظور شدہ گریڈوں کے مطابق ایک شخص کو اُس کی لمبی خدمات کی وجہ سے دوسرا گریڈ دیا گیا ہے پس یہ جدید خرچ نہیں۔ لیکن کالج والوں کو جدید گریڈ دیئے جانے والے ہیں جو ہمارے ہاں پہلے منظور شدہ نہیں تھے اس لئے اُنہیں جدید اخراجات میں دکھایا گیا ہے۔

بجٹ کے متعلق بار بار شکایت کی گئی ہے کہ اُسے وقت پر شائع نہیں کیا جاتا اور یہ صرف اس سال کی بات نہیں جب سے شوریٰ ہو رہی ہے ایک دفعہ بھی بجٹ کو وقت پر شائع نہیں کیا گیا۔ اب تو لڑکوں کے امتحانوں کا وقت تھا اور پریس کی دِقتیں تھیں سوال یہ ہے کہ گزشتہ ۲۵ سالوں میں یہ کیوں وقت پر شائع نہیں ہوتا رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتی۔ یہ ہو کس طرح سکتا ہے کہ ماتحت عملہ متواتر غلطی کرتا چلا جائے اور صدر انجمن احمدیہ اُس کی اصلاح نہ کرا سکے۔ وہ اصلاح کروانا چاہے

تو کرا سکتی ہے اور اُس کے پاس سب ذرائع موجود ہیں۔ کیا صدر انجمن احمدیہ اُن ناظروں کو جرمانہ نہیں کر سکتی جو متواتر سالہا سال سے غفلت سے کام لے رہے ہیں اور کبھی بھی وقت پر اپنا بجٹ بنا کر پیش نہیں کرتے۔ مگر سوال یہ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ جرمانہ کس کو کرے؟ اصل میں تو وہی بات ہے کہ ''آپے میں رجّی پُجّی آپے میرے بچے جیون''۔ بجٹ ناظروں نے تیار کرنا ہوتا ہے۔ اب سیّد ولی اللہ یہ کس طرح فیصلہ کریں کہ سیّد ولی اللہ کی ایک ماہ کی تنخواہ بطور جرمانہ ضبط کی جاتی ہے کیونکہ ۲۵ سال ہوگئے ہیں سیّد ولی اللہ نے کبھی بھی اپنے بجٹ کو صحیح وقت پر پیش نہیں کیا۔ قاضی عبداللہ یہ کس طرح فیصلہ کریں کہ قاضی عبداللہ کی ایک ماہ کی تنخواہ بطور جرمانہ ضبط کی جاتی ہے کیونکہ ۲۵ سال ہوگئے قاضی عبداللہ نے کبھی بھی اپنے بجٹ کو صحیح وقت پر پیش نہیں کیا۔ شمس صاحب یہ کس طرح فیصلہ کریں کہ مولوی جلال الدین شمس صاحب کی ایک ماہ کی تنخواہ بطور جرمانہ ضبط کی جاتی ہے کیونکہ متواتر اور بار بار کہنے کے باوجود انہوں نے اپنے بجٹ کو ایک دفعہ بھی کبھی وقت پر پیش نہیں کیا پس ''آپے میں رجّی پُجّی آپے میرے بچے جیون''۔ سزا ملتی تو اصلاح ہو جاتی مگر چونکہ سزا خود اپنے آپ کو دینی پڑتی ہے اس لئے نہ انہیں سزا ملتی ہے اور نہ اُن کی اصلاح ہوتی ہے۔ صدر انجمن احمدیہ درحقیقت ناظروں کے مجموعہ کا نام ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ یوں کہہ لو کہ صدر انجمن احمدیہ نام ہے اُن لوگوں کا جو کبھی بھی بجٹ کو وقت پر تیار کرنے کا نام نہیں لیتے۔ اب کسی کو تم کہو کہ اپنے آپ کو سزا دے تو کیا وہ کبھی اپنے آپ کو سزا دے گا؟ وہ تو کہے گا کہ میں بالکل بَری ہوں۔ یہی حال ناظروں کا ہے۔ اگر وہ سمجھتے کہ جس طرح ہمارا ایک ذاتی وجود ہے اِسی طرح ہمارا ایک قانونی وجود بھی ہے ذاتی لحاظ سے ہماری اَور حیثیت ہے اور قانونی لحاظ سے اَور حیثیت ہے تو اُن کی کب کی اصلاح ہو چکی ہوتی۔ جہاں تک اُن کی ذاتی حیثیت کا سوال ہے وہ ولی اللہ، جلال الدین شمس صاحب، قاضی عبداللہ صاحب، عبدالسلام صاحب اور بابو محمد عبداللہ صاحب وغیرہ ہیں لیکن قانونی لحاظ سے وہ صدر انجمن احمدیہ کے مختلف اعضاء ہیں اور اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنی اس قانونی حیثیت کو اپنے سامنے رکھیں۔ سیّد ولی اللہ بُھول جائیں اس بات کو کہ میں ولی اللہ ہوں بلکہ وہ سمجھیں کہ میں صدر انجمن احمدیہ کی اُنگلی ہوں۔ جلال الدین شمس صاحب

اس بات کو بُھول جائیں کہ میں جلال الدین شمس ہوں بلکہ وہ سمجھیں کہ میں صدر انجمن احمدیہ کا سَر ہوں۔ عبدالسلام اختر اس بات کو بُھول جائیں کہ میں عبدالسلام اختر ہوں بلکہ وہ سمجھیں کہ میں صدر انجمن احمدیہ کا ہاتھ ہوں اور جب اُن سے کوئی غلطی سرزد ہو تو وہ اپنی اس قانونی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لئے خود سزا تجویز کریں تو یقیناً ایک سال کے اندر اندر اُن کی اصلاح ہو جائے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ گورداسپور میں ایک نیم پاگل انگریز ڈپٹی کمشنر آ گیا وہ بعد میں گورداسپور سے محض اس لئے تبدیل کیا گیا کہ میرے ساتھ لڑ پڑا تھا اور وزیر ہند مسٹر مانٹیگو نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا یہ پہلی سزا ہے جو ایک ہندوستانی سے لڑائی کرنے کی وجہ سے ایک انگریز کو دی گئی اور اُسے ڈی گریڈ کیا گیا۔ وہ نیم پاگل سا تھا ایک دن سیشن جج کے ہاں اُس کی دعوت تھی وہ وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لاری آئی جس پر پٹرول رکھا ہوا تھا۔ سیشن جج نے وہ پٹرول اُتروا کر اپنی کوٹھی میں رکھوا لیا۔ اُن دنوں قانون کے مطابق وہ لائسنس کے بغیر کچھ پٹرول تو رکھ سکتا تھا مگر اُس کا پٹرول زیادہ تھا اور پھر یہ پٹرول لائسنس والی جگہ میں ہی رکھا جا سکتا تھا کسی دوسری جگہ نہیں۔ جب پٹرول آیا تو وہ ڈپٹی کمشنر ہنستے ہوئے کہنے لگا آپ نے اس کا لائسنس لیا ہے؟ وہ کہنے لگا میں نے تو نہیں لیا۔ سیشن جج نے کہا کہ تمہارے ہاں بھی تو پرسوں پٹرول آیا تھا۔ اُس نے کہا ہاں آیا تھا مگر میں نے اُسی وقت ڈی سی کے حضور درخواست دے دی اور اُن کی منظوری حاصل کر لی یعنی خود ہی اپنے نام درخواست لکھی کہ مجھے اتنے گیلن پٹرول رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے اور خود ہی اُس پر لکھ دیا ''منظور'' پھر کہنے لگا میں تمہارے خلاف باقاعدہ کورٹ میں کیس پیش کروں گا۔

اب یہ ہے تو بظاہر ہنسی کی بات کہ خود ہی اپنے نام درخواست لکھی جائے اور خود ہی اُسے منظور کر لیا جائے لیکن اگر اِسی رنگ میں ذمہ دار عہدیدار اپنے آپ کو سزا دینے کی عادت اختیار کر لیں تو یقیناً اُن کی اصلاح ہو جائے۔ ہماری یہ اکتیسویں مجلس مشاورت ہے اتنا لمبا عرصہ گزر چکا ہے مگر اب تک ہمارے ناظروں کی اصلاح نہیں ہوئی اور اُنہوں نے کبھی بھی اپنے بجٹ کو صحیح وقت پر پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔

آئندہ کے متعلق میں یہ قانون مقرر کرتا ہوں کہ:-

''صدر انجمن احمدیہ ۱۵؍جنوری تک فائنل بجٹ مرتب کر کے ناظر صاحب بیت المال کو شائع کرنے کے لئے دے دیا کرے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اگلی مجلس شوریٰ میں ایک سب کمیٹی مقرر کی جائے جو یہ تجویز کرے کہ ناظروں کو کیا سزا دی جائے''۔

قابلِ گرفت غلطی

حافظ فیض صاحب نے جو باتیں بیان کی ہیں اُن میں سے بعض کا جواب تو اُنہیں مل گیا ہے لیکن ایک بات جس کا جواب میں نے ناظر صاحب سے کہا تھا کہ دیں مگر اُنہوں نے نہیں دیا میرے نزدیک وہ درست ہے اور میرے گھر کا تجربہ بھی اُس کی تصدیق کرتا ہے۔ میری بیویاں مجھ سے کئی دفعہ شکایت کرتی ہیں کہ فلاں مہینہ میں ہم نے چندہ ادا کر دیا تھا مگر اب دفتر کی طرف سے اُس کے متعلق پھر یاددہانی آ گئی ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ یاددہانیوں کے وقت عموماً دفاتر کے کارکن سب کو چٹھیاں بھجوا دیتے ہیں اور دفتری ریکارڈ سے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ کس کس نے چندہ دے دیا ہے؟ کسے چٹھی بھجوانی چاہیے اور کسے نہیں بھجوانی چاہیئے۔ اس سے نہ صرف وقت ضائع ہوتا ہے، نہ صرف سلسلہ کا روپیہ ضائع ہوتا ہے بلکہ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ درحقیقت عقل سے کام نہیں لیا جاتا اور محنت سے جی چُرایا جاتا ہے اس کے متعلق بھی آئندہ مَیں یہ قاعدہ تجویز کرتا ہوں کہ:-

''جس شخص کے پاس ایسا خط پہنچے وہ صدر انجمن احمدیہ کے پاس شکایت کرے اور صدر انجمن احمدیہ متعلقہ کارکن کو سزا دے۔''

اب میں نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ کوئی غلطی بغیر سزا کے نہ رہے۔ اس قاعدہ کے ماتحت اس قسم کی غلطی بھی قابل گرفت ہوگی۔ پہلے اس طرح ہؤا کرتا تھا کہ میرے پاس شکایت پہنچتی اور میں اُس پر گرفت کرتا تو صدر انجمن احمدیہ کہتی بڑے افسوس کی بات ہے آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ دوسرے مہینے پھر وہی غلطی کی جاتی۔ تیسرے مہینے پھر وہی غلطی کی جاتی۔ بلکہ بعض دفعہ وہی غلطی دو ہزار دفعہ کی جاتی ہے اور ہر دفعہ صدر انجمن احمدیہ یہی کہہ دیتی کہ بڑے افسوس کی بات ہے آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ اب میں نے کہا ہے کہ چاہے ناظر غلطی کرے یا کوئی اَور صدر انجمن احمدیہ کا فرض ہے کہ وہ اُس غلطی کو معیّن کرے اور پھر

اُس پر سزا دے۔ پس اگر کسی صاحب کے پاس آئندہ کوئی ایسا خط پہنچے تو وہ صدر انجمن احمدیہ کے پاس شکایت کریں کہ میں چندہ ادا کر چکا ہوں مگر مجھے پھر یاددہانی کا خط آ گیا ہے۔ اگر صدر انجمن احمدیہ اُس پر توجہ نہ کرے تو پھر میرے پاس شکایت کی جائے۔

علاوہ اس کے کہ اس طرح سلسلہ کا خرچ زیادہ ہوتا ہے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہمارے کارکن محنت نہیں کر رہے۔ جس طرح اخبار روزانہ خریداروں کو بھیجا جاتا ہے اسی طرح اگر بعض لوگوں کی طرف سے وصیت کا چندہ نہیں آتا تو تمام موصیوں کو چِٹھیاں چلی جاتی ہیں قطع نظر اس کے کہ اُن میں سے کون کون چندہ ادا کر چکا ہے اور کس کس نے ادا نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت کے دوست پریشان ہوتے ہیں کہ ہم تو چندہ بھجوا چکے تھے معلوم ہوتا ہے کوئی کھا گیا ہے۔

مالی حالت درست کرنے کا ایک طریق

اس وقت چونکہ بجٹ پر عام بحث کی گئی ہے اس لئے میں بھی اِسی سلسلہ میں ایک امر کی طرف جماعت کے دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ہمارے بجٹ میں جہاں دینی امور کے اخراجات شامل ہیں وہاں بعض دنیوی باتیں بھی شامل ہیں۔ مثلاً ہم نے کالج کھولا ہؤا ہے یہ ہمارے کاموں کا دنیوی حصہ ہے۔ ہم نے سکول کھولے ہوئے ہیں یہ بھی دنیوی حصہ ہے پس جب ہم بعض دنیوی کاموں کی طرف متوجہ ہیں اور اپنا روپیہ اُن پر صَرف کر رہے ہیں تو ہمیں بعض اور مفید کاموں کی طرف بھی جو بظاہر دنیوی ہیں توجہ کرنی چاہیے تا کہ ہماری جماعت کی مالی حالت مضبوط ہو۔

میں دیکھتا ہوں کہ ملک کے حالات بدل رہے ہیں اور آئندہ ترقی کی بنیاد صنعت و حرفت پر رکھی جانے والی ہے۔ لوہار اور ترکھان یہ دو پیشے ایسے ہیں جن پر آئندہ صنعت و حرفت کی بنیاد ہوگی۔ آگے ان کی بھی قسمیں ہیں۔ مثلاً ڈرائیور اور فٹر وغیرہ یہ بھی بہت ضروری ہیں۔ اِسی طرح اقتصادی لحاظ سے معمار اور درزی بھی ایک اہم حصہ ہیں۔ اِس وقت ایسٹ افریقہ میں اس قسم کے پیشہ وروں کی سخت ضرورت ہے اور وہاں تین چار سَو شلنگ چھوٹی سے چھوٹی تنخواہ ہے جو دی جاتی ہے اب سِکّے کی قیمت کچھ گِر گئی ہے لیکن پھر بھی تین چار سو شلنگ کے معنے دو سو روپیہ کے قریب تنخواہ ہے اور یہ وہاں کی چھوٹی سی چھوٹی تنخواہ ہے ورنہ اس قسم کے

پیشہ ور اُس ملک میں بڑی آسانی سے چار پانچ سو سے ہزار روپیہ تک ماہوار کما سکتے ہیں اور چونکہ درزیوں، معماروں اور لوہاروں کی اُس ملک میں کمی ہے اس لئے وہ پیشہ وروں کو اپنے ملک میں داخلہ کی فوراً اجازت دے دیتے ہیں۔ اگر ہمارا دو تین سَو آدمی وہاں چلا جائے تو یکدم ہمارے بجٹ پر ایک غیر معمولی اثر پڑ سکتا ہے۔ مثلاً اگر ہمارا تین سَو آدمی وہاں جائے اور اوسطاً ہر شخص تین سَو روپیہ کمائے تو نوّے ہزار روپیہ ماہوار کمائے گا اور اگر وصیّت کر دیں تو صرف تین سَو آدمی سے ہمیں نو ہزار روپیہ ماہوار چندہ آجائے گا حالانکہ اگر وہ اِسی جگہ رہیں تو اُن سے زیادہ سے زیادہ نو سو روپیہ آ سکتا ہے یہ کتنا بڑا فرق ہے جو اُس ملک میں ہمارے چند سو آدمیوں کے چلے جانے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر اگر اس تعداد میں زیادتی ہوتی چلی جائے اور پانچ سو سے ہزار تک یہ روپیہ کمانے لگیں تو اسی نسبت سے ہمارا بجٹ بھی بڑھ جائے گا۔ اور اگر تبلیغ کر کے وہاں کے ہندوستانیوں اور دوسرے لوگوں کو بھی احمدی بنانا شروع کر دیا جائے تو ترقی کا ایک وسیع باب کُھل سکتا ہے۔ وہاں اِس وقت تین لاکھ کے قریب ہندوستانی ہیں جن میں سے ایک لاکھ کے قریب مسلمان ہے اگر ہماری جماعت وہاں زور پکڑتی چلی جائے اور پچاس ہزار آدمی کمانے والے پیدا ہو جائیں تو ہمارا بجٹ کئی گُنا بڑھ جائے گا اور پھر لازماً ہماری تبلیغ بھی وسیع ہو جائے گی۔

یہ مت خیال کرو کہ ہندو اور سکھ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان میں اس وقت جہاں ہزاروں ہزار مسلمان ہندو اور سکھ ہو رہے ہیں وہاں کئی ہندو اور سکھ ایسے ہیں جو مسلمان ہو رہے ہیں اور اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو پھر ان کے ذریعہ بھی ہم اپنی تبلیغ کو وسیع کر سکتے ہیں۔

صنعت وحرفت کی طرف توجہ کی ضرورت

پس صنعت وحرفت کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئیے اور کوشش کرنی چاہئیے کہ ہمارے معمار، لوہار، درزی اور موچی وغیرہ بیرونی ملکوں میں جا کر کام کریں اس طرح تبلیغ بھی وسیع ہوگی۔ ہماری آمد بھی بڑھ جائے گی اور اقتصادی لحاظ سے بھی ہمیں ایک طاقت حاصل ہو جائے گی۔ اِس وقت ہمارا زیادہ زور زمیندار پر ہے اور یہ اقتصادی لحاظ سے نہایت ہی کمزور بنیاد ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئیے کہ ہم صنعت وحرفت میں ترقی کریں۔

اِس وقت پاکستان میں عام طور پر صنعت وحرفت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے مگر اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ کمپنیاں جاری کی جائیں۔ کمپنیاں جاری کرنے کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اگر ہم لوہار اور ترکھان تیار کردیں تو ان کمپنیوں پر ہمارا ہی قبضہ ہوگا۔ روپیہ اُن کا ہوگا اور مزدور ہمارا ہوگا اور اس طرح ہم آسانی سے ملک کی ترقی میں ایک معتد بہ حصہ لے سکیں گے۔

ماسٹر محمد دین صاحب نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ آئندہ بجٹ کے متعلق ایک سٹینڈنگ کمیٹی ہونی چاہیے جو تفصیلی طور پر پہلے تمام بجٹ کو دیکھ لیا کرے اور پھر سب کمیٹی بیت المال کے سامنے پیش ہوا کرے۔ میرے نزدیک یہ نہایت معقول بات ہے اور اس کے لئے ہمیں ممبران کے نام تجویز کرنے چاہئیں لیکن پیشتر اس کے کہ ایک سٹینڈنگ کمیٹی مقرر کی جائے مَیں بعض اور امور کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

لٹریچر کی اشاعت کی ضرورت

اِس وقت دوستوں کی طرف سے یہ شکایت کی گئی ہے کہ سلسلہ کا لٹریچر شائع نہیں کیا جارہا لوگ ہم سے لٹریچر مانگتے ہیں مگر ہم اُنہیں کوئی چیز پیش نہیں کرسکتے۔ یہ بھی دراصل اُسی غفلت کا نتیجہ ہے جو ہماری نظارتوں میں پائی جاتی ہے۔ جب ہم قادیان سے آئے ہیں تو مَیں لاہور میں روزانہ ایک مجلس شوریٰ منعقد کیا کرتا تھا جس میں صدرانجمن احمدیہ کے تمام ذمہ دار عہدیدار شریک ہوا کرتے تھے اور اُن کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا تھا اس مجلس شوریٰ میں سلسلہ کے قدیم اور جدید لٹریچر کی اشاعت کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور شمس صاحب اُس کے سیکرٹری مقرر کیئے گئے۔ چھ مہینے کے بعد میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا کام ہوا ہے؟ تو وہ کہنے لگے توبہ توبہ میرے سپرد یہ کام کب کیا گیا تھا میرا تو کبھی نام بھی نہیں لیا گیا۔ میں نے اپنے دل میں سمجھا کہ وہ ٹھیک کہتے ہیں ذمہ داری کے عدمِ احساس کی وجہ سے اُن کا حافظہ پورا کام نہیں کررہا چنانچہ میں نے کہا اچھا اب سہی۔ لیکن اب پھر دو سال گزر گئے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں ہمارے لئے اپنے قدیم لٹریچر کو شائع کرنا ضروری ہے وہاں ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم مختلف قوموں اور ملکوں کی ضروریات اور اُن کے حالات کو مدنظر

رکھتے ہوئے جدید لٹریچر شائع کریں۔ ہمارا سلسلہ اس وقت مختلف ممالک میں پھیل رہا ہے اور لوگ ہم سے لٹریچر کا مطالبہ کرتے ہیں مگر ہمارے پاس کوئی ایسا لٹریچر نہیں ہوتا جو اُن کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہو۔ ابتدائی زمانہ میں احمدیت صرف ہندوستان میں محدود تھی اور یہاں زیادہ تر ان مسائل کا چرچا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں؟ دجال کسے کہتے ہیں؟ یاجوج ماجوج سے کیا مراد ہے؟ آنے والے مسیح اور مہدی کی علامات کیا ہیں؟ جہاد کا کیا مسئلہ ہے؟ یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے مسائل پر جماعت نے لٹریچر شائع کیا۔ اس کے بعد احمدیت انگلستان میں پھیلی تو عیسائیوں کے مخصوص مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزی لٹریچر شائع کیا گیا۔ لیکن اب ہماری جماعت ایسے ملکوں میں پھیل رہی ہے جن میں اردو تو نہیں بولی جاتی لیکن وہاں مسائل وہی ہیں جو ابتدائی زمانہ احمدیت میں ہمیں پیش آئے یعنی دجال سے کیا مراد ہے؟ مسیح ناصری نے آنا ہے یا نہیں؟ جہاد کی کیا حقیقت ہے؟ مسیح اور مہدی کی پیش گوئیاں کس طرح پوری ہوئی ہیں ایسٹ افریقہ، ویسٹ افریقہ، انڈونیشیا، ماریشس، مڈغاسکر اور عرب ممالک میں یہی مسائل پوچھے جاتے ہیں۔ اور جب وہ ہم سے کہتے ہیں کہ لاؤ اپنا لٹریچر تو ہم اُن کے سامنے وہ لٹریچر پیش کر دیتے ہیں جن میں ان مسائل کا تفصیلی طور پر کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ پس جہاں ہمیں جدید لٹریچر کی ضرورت ہے وہاں ہم نے اپنے پرانے لٹریچر کو کہیں عربی زبان میں بدلنا ہے، کہیں انڈونیشین میں بدلنا ہے، کہیں افریقن میں بدلنا ہے اور اس کے لئے بڑی بھاری جدوجہد اور کوشش کی ضرورت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا علمی کام ہے جو ہماری جماعت نے سرانجام دینا ہے مگر اب تک اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جارہی اور جو کچھ شائع کیا جاتا ہے بغیر سوچے سمجھے شائع کر دیا جاتا ہے۔

نشرواشاعت کی ذمہ داری

ہمارے محکمہ نشرواشاعت نے کبھی اس بات کو سوچا ہی نہیں کہ ملک کو کون سے مسائل درپیش ہیں اور کس قسم کے لٹریچر کی لوگوں کو ضرورت ہے محض روپیہ ضائع کیا جاتا ہے اور کاغذ کالے کر کے پھینک دیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اس بارہ میں جماعت سے امداد لینا چاہتے ہیں یا مجھ سے روپیہ لینا چاہتے ہیں تو اُن کا فرض ہے کہ وہ پہلے یہ بتائیں کہ اس وقت فلاں قسم کے لٹریچر کی ضرورت ہے اگر وہ ضرورت دیکھتے نہیں اور صرف اتنا کہنا جانتے ہیں کہ ہم نے فلاں اشتہار دو لاکھ

شائع کیا ہے تو میں ایسے اشتہاروں کی اشاعت کے لئے ایک پیسہ دینا بھی گناہ سمجھتا ہوں یہ تبلیغ نہیں محض کاغذ سیاہ کرنا ہے۔ اگر تم صحیح معنوں میں کام کرنا چاہتے ہو تو پہلے تم یہ فیصلہ کرو کہ تم نے کرنا کیا ہے؟ اور جماعت کو اس وقت کن مسائل پر قلم اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ مگر یہ تو کبھی فیصلہ ہی نہیں ہوتا اور جو جی میں آجائے اس کے متعلق اشتہار شائع ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جس کا ازالہ ہونا چاہیے اور میں صدرانجمن احمدیہ کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ فوراً اس غرض کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرے۔ اس کمیٹی کے نصف ممبر تحریک جدید کے ہوں اور نصف ممبر صدرانجمن احمدیہ کے ہوں۔ اس کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنے کام کی ہفتہ وار رپورٹ صدرانجمن احمدیہ کے سامنے پیش کرے اور صدرانجمن احمدیہ کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنی ہفتہ وار رپورٹ میرے سامنے پیش کرے۔ اس کمیٹی کا یہ کام ہوگا کہ وہ سلسلہ احمدیہ کا قدیم اور جدید لٹریچر شائع کرنے کے لئے ایک مفصّل سکیم تیار کرے جو میرے سامنے پیش کی جائے اور پھر منظور شدہ لائنوں پر جماعت کے لئے لٹریچر مہیا کرے۔

اس غرض کے لئے کمیٹی کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ تمام ممالک کی ایک لسٹ تیار کرے اور پھر اُن زبانوں کی ایک لسٹ تیار کرے جو ان ممالک میں بولی جاتی ہیں اور پھر یہ جائزہ لے کہ ہر ملک کے لوگوں کے لئے کس قسم کے لٹریچر کی ضرورت ہے اور کون کون سے مسائلِ مخصوصہ ہیں جن کے لئے وہ لوگ ہم سے لٹریچر کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا جن مسائل میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ اُن کی راہنمائی کریں۔ اسی طرح یہ بھی غور کیا جائے کہ اس وقت ہندوستان اور پاکستان کے لوگ کون کون سے مسائل کو زیر بحث لاتے ہیں اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ آیا اس مقصد کے لئے ہمارے پاس کوئی سابق لٹریچر موجود ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کون کون سا ہے۔ پھر اس امر پر بھی غور ہونا چاہیے کہ ہمارے پہلے لٹریچر میں کون کون سے مسائل پر زیادہ تفصیلی مواد موجود ہے جس کا خلاصہ شائع کرنے کی ضرورت ہے اور کن مسائل پر ہمارے پاس کم مواد ہے جن پر تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح تمام امور پر غور کرنے کے بعد عملی کام شروع کیا جائے اور نہ صرف جماعت کو بلکہ غیر ممالک کے لوگوں کو بھی اُن کی زبانوں میں لٹریچر مہیا کیا جائے۔ اگر صدرانجمن احمدیہ نے اس رنگ میں

کام شروع کیا تو پھر میں بھی چندہ دے دوں گا ورنہ اب تو میں اس غرض کے لئے چندہ دینا گناہ سمجھتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اُس نے آپ سے مسجد کے لئے کچھ چندہ مانگا آپ نے گھر جا کر مجھے ایک چوّنی دی اور فرمایا یہ اُس کو دے آؤ۔ میں وہ چوّنی اُس کے پاس لے گیا تو وہ دیکھ کر کہنے لگا یہ تو کھوٹی ہے۔ میں نے واپس جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے سن کر فرمایا اَلْحَمْدُلِلّٰہ یہ کھوٹی نکلی۔ میرے دل میں پہلے ہی خلش تھی کہ یہ لوگ نماز تو پڑھتے نہیں اور مسجدیں بنواتے پھرتے ہیں میرا چندہ دینا کہیں گناہ نہ ہو۔ پھر آپ نے فرمایا امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا اُن سے بھی کسی نے مسجد کے لئے چندہ مانگا تو آپ نے ایک درہم دے دیا مگر وہ کھوٹا نکلا۔ اُس نے درہم واپس کیا تو آپؒ نے فرمایا میرے دل میں پہلے ہی یہ خیال آ رہا تھا کہ میں نے چندہ دے کر غلطی کی ہے سو اچھا ہوا کہ وہ کھوٹا نکل آیا۔ اس طرح مجھ سے بھی اگر کوئی نشر و اشاعت کے لئے چندہ مانگے تو میں ایک چوّنی دینا بھی گناہ سمجھتا ہوں لیکن اگر ان لائنوں پر کام کیا گیا تو پھر میں بھی چندہ دے دیا کروں گا اور اگر دوسرے لوگوں نے بھی چوّنی چوّنی دی تو کئی ہزار روپیہ اکٹھا ہو جائے گا مگر یہ نہ ہو کہ پہلی کمیٹی کی طرح چھ ماہ کے بعد یہ کہہ دیا جائے کہ ہمیں تو آج پتہ لگا کہ ہمیں ایسی کمیٹی بنانے کی ہدایت کی گئی تھی۔

نئی تعمیرات کے متعلق ہدایات

نئی عمارتوں کے متعلق بھی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں میرے نزدیک بجٹ میں صرف ''تعمیر مرکز پاکستان'' کے الفاظ لکھ دینے کافی نہیں تھے بلکہ عمارتوں کی تفصیل بھی دینی چاہیے تھی تاکہ لوگوں کو پتہ لگتا کہ ہمارے سامنے کتنا بڑا کام ہے اور ہم نے اپنی جدوجہد کو کتنا تیز کرنا ہے۔ مثلاً اگر مجھ سے کام لینا ہے تو مجھے مکان بھی دینا پڑے گا۔ اِسی طرح میری بیویوں کے لئے مکان بنانا پڑے گا۔ حضرت (امّاں جان) کے لئے مکان بنانا پڑے گا بلکہ جیسے حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ پہلا آٹا حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اِسی طرح آپ لوگوں کا فرض ہوگا کہ پہلے حضرت (امّاں جان) کو مکان دیں اور پھر دوسروں کے مکان بنائیں۔

اسی طرح ہم نے سکول بنانا ہے، کالج بنانا ہے، مہمان خانہ بنانا ہے ورنہ مہمان یہاں آ کر کہاں ٹھہریں گے یہ تفصیلات صرف تعمیر کا لفظ لکھ دینے سے سمجھ نہیں آسکتیں۔ اِس کے لئے ضروری تھا کہ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے عمارتوں کی لسٹ پیش کی جاتی۔

اب انجمن کو چاہیئے کہ وہ اس پر غور کر کے ایک فہرست مرتب کرے تاکہ اُس کو مدنظر رکھ کر کام کیا جائے۔ اِسی طرح ناظر ہیں اُن کے لئے مکانوں کی ضرورت ہوگی قادیان میں تو ان کے اپنے مکان تھے مگر یہاں ان کے پاس روپیہ نہیں کہ مکان بنا سکیں پھر کلرک ہیں اُن سے ہم کس طرح اُمید کر سکتے ہیں کہ وہ مکان بنا لیں گے۔ اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ آپ اُنہیں مکان بنا کر دیں جس میں وہ رہائش اختیار کریں اور سلسلہ کی خدمات سرانجام دیں۔ دس پندرہ سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ وہ اپنے مکان بنالیں گے یا اگر اس عرصہ تک ہم قادیان چلے گئے تو یہ مکان کرایہ پر چڑھ جائیں گے۔ بہرحال ہم عقل سے کام لیں گے تبھی ان مشکلات پر قابو پایا جاسکے گا۔ اِس وقت نہ کلرکوں کے پاس مکان ہے نہ ناظروں کے پاس مکان ہے نہ خلیفہ کے پاس مکان ہے نہ خلیفہ کی بیویوں کے پاس مکان۔ اپنے بچوں کے مکانات کے لئے تو میں نے کچھ روپوں کا انتظام کرلیا ہے مگر میرے خاندان کے افراد ساٹھ سے بھی زیادہ ہیں اور بہرحال مجھے اور میری بیویوں اور میرے خاندان کے دوسرے افراد کو اُسی مکان میں رہنا پڑے گا جو خلیفہ کے لئے بنایا جائیگا۔ اِسی طرح ناظروں کے پاس کون سا روپیہ ہے جس سے وہ مکان بنالیں گے۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن پر پندرہ بیس لاکھ روپیہ صَرف ہوگا۔ پھر علاوہ ان مکانات کے ہم نے ہسپتال بنانا ہے، زنانہ سکول بنانا ہے، مردانہ سکول بنانا ہے، کالج بنانا ہے اور اسی طرح اَور کئی مرکزی عمارتیں بنانی ہیں۔ میرے نزدیک ہمیں فوری طور پر جن عمارات کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں:-

1۔ دارالمسیح
2۔ قصرِ خلافت
3۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اور بعض پرانے صحابہؓ کے مکانات
4۔ لنگر خانہ
5۔ مہمان خانہ

6۔ جلسہ گاہ

7۔ کالج اور اُس کے عملہ کے مکانات

8۔ جامعہ اور اُس کے عملہ کے مکانات

9۔ مدرسہ احمدیہ اور اُس کے عملہ کے مکانات

10۔ ہائی سکول اور اُس کے عملہ کے مکانات

11۔ زنانہ سکول اور اُس کے عملہ کے مکانات

12۔ مدرسہ دینیات اور اُس کے عملہ کے مکانات

13۔ دفاتر اور اُس کے عملہ کے مکانات

14۔ ہسپتال اور اُس کے عملہ کے مکانات

15۔ پریس اور اُس کے عملہ کے مکانات

16۔ لائبریری اور اُس کے عملہ کے مکانات

17۔ دارالقضاء اور اُس کے عملہ کے مکانات

18۔ درویشانِ قادیان کیلئے مکانات

یہ لسٹ ہے جس کو انجمن نوٹ کر کے اندازہ پیش کرے کہ ان عمارتوں پر کتنا روپیہ خرچ آئے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں زمین کی فروخت سے جو روپیہ آیا ہے یا آئندہ آئے گا اُس سے بہت حد تک یہ ضروریات انشاء اللہ پوری ہو جائیں گی لیکن اگر اَور روپیہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ بہرحال جماعت کو بھی دینا پڑے گا اور اُسے یہ سمجھتے ہوئے اپنا قدم آگے بڑھانا پڑے گا کہ قربانی کرنا مومن کے اعلیٰ فرائض میں شامل ہے۔ چونکہ وقت زیادہ ہو چکا ہے اور ابھی ہمارے سامنے ایک اہم کام سٹینڈنگ کمیٹی بنانا ہے جو بجٹ کے متعلق مفید مشورے دے سکے اِس لئے مَیں اَور باتوں کو چھوڑتے ہوئے دوستوں سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ ایسے لوگوں کے نام پیش کریں جو اس کمیٹی کے ممبر ہو سکیں نام صرف ایسے لوگوں کا ہی پیش کیا جائے جو اچھے ماہرِ فن ہوں۔ مالی معاملات میں کافی تجربہ اور مہارت رکھتے ہوں اور مجلس شوریٰ کے نمائندہ ہوں۔‘‘

حضور کے اس ارشاد پر بہت سے نام پیش کئے گئے۔ چنانچہ سٹینڈنگ کمیٹی بنانے کے بعد

حضور نے فرمایا:-

’’یہ کمیٹی اس لئے قائم کی گئی ہے تا کہ بجٹ سے تعلق رکھنے والے تمام امور پر زیادہ سے زیادہ غور وخوض ہو سکے اور ہم کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائیں جو بعد میں ہمارے لئے پریشانی کا موجب ہو۔ اس کمیٹی کا ہر تیسرے مہینے مرکز میں اجلاس ہوا کرے گا اور اس کمیٹی کا یہ کام ہوگا کہ وہ ان تمام امور پر غور کرے جن کا ہمارے بجٹ پر اثر پڑتا ہے۔ اِسی طرح ایسی سکیمیں بھی تجویز کرے جن سے ہماری آمد میں اضافہ ہوسکتا ہے یہ کمیٹی بجٹ سے تعلق رکھنے والے تمام امور کے بارہ میں اپنی سفارشات صدر انجمن احمدیہ کے سامنے پیش کرے گی اور صدر انجمن احمدیہ کی سفارشات آخری منظوری کے لئے خلیفۂ وقت کے سامنے پیش ہوا کریں گی۔ اسی طرح یہ سٹینڈنگ کمیٹی ہر سال کے بجٹ کو پہلے تفصیلی طور پر دیکھ لیا کرے گی اور پھر مجلس شوریٰ کے موقع پر سب کمیٹی بیت المال اُس پر غور کیا کرے گی علاوہ ازیں مختلف صیغہ جات کی طرف سے ایزادئی بجٹ کے متعلق جو درخواستیں دورانِ سال میں آئیں وہ بھی اس کمیٹی کے سامنے پیش ہؤا کریں گی تا کہ ایزادئی بجٹ کی ذمہ داری بھی شوریٰ کی سٹینڈنگ کمیٹی پر آجائے۔ ناظر صاحب بیت المال اس کمیٹی کے صدر ہوں گے۔‘‘

بجٹ آمد ۱۹۵۰ء۔ ۱۹۵۱ء

اِس کے بعد ناظر صاحب بیت المال نے بجٹ آمد پیش کیا حضور نے فرمایا:-

’’جو دوست بجٹ آمد کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہوں وہ اپنے نام لکھوا دیں مگر یہ یاد رکھیں کہ اب جنرل ڈسکشن نہیں ہوگی اگر کسی آئٹم میں کسی دوست نے کوئی ترمیم پیش کرنی ہو تو وہ کر سکتے ہیں مگر جو کچھ کہیں مختصر الفاظ میں کہیں کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔‘‘

حضور کے اس ارشاد پر صرف ایک دوست مکرم ماسٹر محمد عبداللہ صاحب نے اپنا نام لکھوایا۔ اِن کے اظہارِ خیال کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’میں نے تنبیہہ کر دی تھی کہ یہ لمبی باتیں کرنے کا وقت نہیں مگر پھر بھی انہوں نے اپنی تقریر میں جنرل بحث کی ہے حالانکہ اس وقت وہ صرف اتنا کہہ سکتے تھے کہ اس بجٹ میں فلاں جگہ سے رقم نکال دی جائے یا فلاں جگہ اتنی رقم بڑھا دی جائے اور پھر وہ اپنی تائید میں

دلائل بھی دے سکتے تھے مگر اُنہوں نے نہ اخراجات کو کم کرنے کی کوئی تجویز بیان کی ہے اور نہ اخراجات کو بڑھانے کی کوئی تجویز بیان کی ہے صرف تقریر کی ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور پھر انہوں نے اپنی تقریر میں باتیں بھی ایسی کی ہیں جو کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ مثلاً اُنہوں نے مجلس مشاورت کی رپورٹ شائع کرنے کے اخراجات کی ضرورت بیان کی ہے حالانکہ یہ خرچ بجٹ میں موجود ہے اور اس کے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اِسی طرح جلسہ سالانہ کے اخراجات کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ساٹھ ہزار خرچ بہت زیادہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جلسہ سالانہ کے اعلان کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہیئے کہ اس سال صرف اتنے مہمان آئیں زیادہ نہ آئیں ورنہ اُنہیں کھانا نہیں کھلایا جائے گا۔

یہ امر کہ ہمارے چندہ جلسہ سالانہ کی آمد کم ہے لوگوں کے احساس کی کمی کا نتیجہ ہے ورنہ جماعت بڑی آسانی سے اس رقم کو پورا کرسکتی ہے۔ جب حفاظتِ مرکز کے لئے چندے کا اعلان کیا گیا اور وعدے آئے تو وہ تیرہ لاکھ کے قریب تھے اور یہ وعدے ہر شخص کی ماہوار آمد کو مدنظر رکھتے ہوئے لے گئے تھے اگر ہم اس کا دس فیصدی حصہ نکالیں تو ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ جلسہ سالانہ کے چندہ کے طور پر آنا چاہیئے۔ اور اگر تیرہ لاکھ میں وہ وعدے بھی شامل کر لئے جائیں جن کے متعلق ہمارا خیال تھا کہ آنے چاہئیں مگر وہ نہیں آئے تو چندہ جلسہ سالانہ کی متوقع آمد ایک لاکھ تیس ہزار کی بجائے ایک لاکھ ساٹھ ہزار تک پہنچ جاتی ہے لیکن اگر ہماری آمد صرف چالیس ہزار روپیہ ہے اور بجٹ میں ساٹھ ہزار لکھی جاتی ہے اس اُمید کے ماتحت کہ دوست اپنے فرائض کو سمجھیں گے تو درحقیقت یہ ساٹھ ہزار کی رقم دوستوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ہوتی ہے کہ اُنہوں نے اتنی معمولی رقم کو بھی اب تک پورا نہیں کیا۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ مہمان کم بلائے جائیں یا مہمان تو آئیں مگر اُن کے لئے روپیہ خرچ نہ کیا جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ساٹھ ہزار کی رقم بھی غلط ہے اگر لاکھ مہمان آئیں گے تو یہ ساٹھ ہزار دو لاکھ بن جائے گا اور ہمیں بہرحال ان اخراجات کو پورا کرنا پڑے گا۔ پس یہ چیزیں ایسی نہیں جن پر بحث کی جائے یا جن میں کسی کمی کی اُمید کی جاسکے۔ اگر اخراجات کم کئے جاسکتے ہیں تو بعض اَور مدّات میں اِن میں نہیں۔ مثلاً اس سال

(۱۹۴۹ء میں) ہمارا یہ اندازہ تھا کہ ۳۵ ہزار مہمان آئے گا اور تین دن کے قیام کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا اُن پر پچپن ہزار روپیہ خرچ ہوگا لیکن ۳۵ ہزار مہمان نہیں آیا۔ مہمانوں کی ایک دن زیادہ سے زیادہ تعداد ۲۴۵۰۵ رہی ہے باقی دنوں میں اِس سے بھی کم مہمان آئے لیکن خرچ ۵۵ ہزار کی بجائے ۶۵ ہزار روپے ہوا۔ میں نے صدر انجمن احمدیہ سے اس بارہ میں جھگڑا شروع کیا ہوا ہے اور میں نے کہا ہے کہ آئندہ کے لئے ایسا طریق اختیار کرو جس سے روپیہ ضائع نہ ہو۔ پس اگر گرفت ہوسکتی ہے تو ان رستوں سے۔ یہ نہیں کہ مہمان آجائیں تو انہیں کھانا نہ کھلایا جائے۔ بہر حال اصل سوال ساٹھ ہزار کا نہیں بلکہ اُس کے صحیح خرچ کا سوال ہے جو یہاں پیش نہیں ہوسکتا اس کی تحقیق محاسبہ کمیٹی یا کوئی کمیشن ہی کرسکتا ہے۔

بجٹ آمد کی منظوری

اب میں دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ آیا صدر انجمن احمدیہ کی آمد کا بجٹ جو سب کمیٹی نے پیش کیا ہے منظور کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

حضور کے اس استفسار پر ۳۷۲ دوستوں نے یہ رائے پیش کی کہ بجٹ آمد کو منظور فرمایا جائے۔ چنانچہ حضور نے بجٹ آمد کی منظوری کا اعلان فرمایا۔

بجٹ اخراجات

بجٹ اخراجات پیش ہونے سے قبل حضور نے فرمایا:۔

''اب اخراجات کا بجٹ پیش ہوگا دوستوں کو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ اُنہیں لمبی بحثوں کی بجائے اخراجات پر صرف اِس رنگ میں تنقید کرنی چاہیئے کہ ہمارے نزدیک فلاں اخراجات میں کمی کر دی جائے یا اتنی رقم فلاں مد میں سے کاٹ دی جائے اب صرف بیس منٹ باقی رہ گئے ہیں اس لئے لمبی بحث کا یہ وقت نہیں۔''

صدر صاحب سب کمیٹی کی طرف سے بجٹ جبکہ پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی طرف سے اضافہ بجٹ کے متعلق بعض ترامیم پیش ہونے پر حضور نے فرمایا:۔

''عجیب بات ہے کہ یہ ساری ترمیمیں نظارت کی تصدیق کے ساتھ آئی ہیں حالانکہ اِس وقت ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں جس سے ہم یہ سوچ سکیں کہ یہ آمد کہاں سے آئے گی۔ پس پیشتر اِس کے کہ یہ ترمیمات دوستوں کے سامنے پیش کی جائیں میں ناظر صاحب اعلیٰ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آمد میں یہ چالیس ہزار روپیہ کی زیادتی کس طرح ہوگی اور

اتنا روپیہ وہ کہاں سے لائیں گے؟ پہلے وہ اس کے متعلق اطمینان دلا دیں اس کے بعد وہ اس سوال کو پیش کر سکتے ہیں۔‘‘

حضور کے اس ارشاد پر مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس قائم مقام ناظر اعلیٰ کھڑے ہوئے مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ حضور نے فرمایا:-

’’چونکہ یہ تجویزیں انجمن کی طرف سے پیش ہیں اور یہ قطعی طور پر بے ضابطگی ہے کہ وہ ایک طرف آمد کم دکھاتی ہے اور دوسری طرف اس قسم کی تجاویز پیش کر دیتی ہے کہ خرچ میں اتنی زیادتی کر دی جائے اس لئے ان ترمیموں کے پیش کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اگر چاہے تو اپنے موجودہ بجٹ میں کسی دوسری جگہ سے تخفیف کر کے یہ خرچ نکال لے۔ بہرحال مَیں یہ معاملہ دوستوں کے سامنے رکھتا ہوں جو دوست چاہتے ہوں کہ انجمن کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنی مخصوص مدات میں نہیں بلکہ عمومی اخراجات میں تخفیف کر کے اگر یہ خرچ نکالنا چاہے تو نکال لے وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

اس پر ۱۵۳ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

’’اب جو دوست یہ چاہتے ہوں کہ انجمن کو اپنے عمومی اخراجات میں تخفیف کر کے بھی یہ خرچ نکالنے کی اجازت نہ دی جائے، وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

۸۳ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

’’اب اگر کوئی دوست اس بات کی تائید میں ہوں کہ بہرحال یہ اخراجات بڑھانے کی اجازت دی جائے خواہ روپیہ ہو یا نہ ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

صرف ۲ دوست کھڑے ہوئے۔ آراء شماری کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’درحقیقت یہ بہت بڑی بے ضابطگی ہے جس کا اِس وقت مظاہرہ کیا گیا ہے سٹینڈنگ کمیٹی بن جائے گی تو پھر اس قسم کی بے ضابطگیاں نہیں ہوسکیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اخراجات تو ناگزیر ہوتے ہیں۔ مثلاً لائبریری ہے اس کے لئے الماریوں کی لازماً ضرورت ہوگی۔ مگر بعض اخراجات عقلاً ناجائز ہوتے ہیں جیسے توسیع ہوسٹل کے لئے بیس ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا گیا ہے حالانکہ لاہور میں ہمارا کالج اب صرف چھ مہینے یا سال تک رہے گا۔

اس کے بعد انشاء اللہ ربوہ آجائے گا۔ درحقیقت صحیح طریق وہی ہے جس کی کثرتِ رائے نے تائید کی ہے اور جس کے مطابق مَیں بھی فیصلہ کرتا ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ اگر چاہے تو اپنے موجودہ بجٹ میں کسی دوسری جگہ سے تخفیف کر کے یہ گنجائش نکال لے۔ اخراجات کا کچھ حصہ یقیناً فرض ہے اُس کو نکال کر ضروری اخراجات کے لئے گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے۔''

اس موقع پر ایک دوست نے سوال کیا کہ کیا صدر انجمن احمدیہ اخراجات میں خود بخود تخفیف کرسکتی ہے یا اُسے حضور سے اجازت لینے کی ضرورت ہوگی؟ حضور نے فرمایا:-

''انجمن کو یہ اجازت نہیں کہ وہ خود بخود جن اخراجات کو چاہے کم کردے اس کے لئے اُسے بہرحال مجھ سے منظوری لینی پڑے گی۔ میں سمجھتا ہوں اگر سب کمیٹی کے سامنے تمام صیغہ جات کے افسروں کو اپنی اپنی ضروریات پیش کرنے کا موقع دیا جائے جس کی مَیں پہلے بھی اجازت دے چکا ہوں تو اس قسم کے سوالات پیدا ہی نہیں ہوسکتے۔

منظوری بجٹ

اب جو دوست اس بات کی تائید میں ہوں کہ سب کمیٹی بیت المال کے پیش کردہ بجٹ اخراجات بابت سال ۱۹۵۱ء۔۱۹۵۰ء کو منظور کیا جائے وہ کھڑے ہوجائیں۔''

۳۵۹ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

''چونکہ کثرت رائے اس بات کے حق میں ہے اس لئے میں سب کمیٹی بیت المال کا پیش کردہ بجٹ اخراجات برائے سال ۱۹۵۱ء۔۱۹۵۰ء منظور کرتا ہوں جس کی مجموعی میزان ۱۷۶۵۴۳۱ روپیہ ہے۔'' (از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

اختتامی خطاب

مجلس مشاورت کے تیسرے دن بجٹ اخراجات کی منظوری کے بعد اور شوریٰ کی کارروائی مکمل ہونے پر حضور نے نمائندگان شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ جس میں حضور نے جماعت کو حلقہ تبلیغ وسیع کرنے، اپنے اندر روحانی تغیر پیدا کرنے اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر سمجھنے کی طرف نہایت ہی دل آویز پیرایہ میں توجہ دلائی۔ حضور کی اس تقریر کا خلاصہ الفضل ۱۳؍ اپریل ۱۹۵۰ء میں بدیں طور پر شائع ہؤا۔

''اصل چیز تو بجٹ آمدِ انسانان ہے پس ہمارے زیادہ اخراجات ایسے ہونے چاہئیں

جو آمد بڑھانے والے ہوں یعنی جن کی وجہ سے جماعت کی تعداد میں اضافہ ہو کیونکہ یہی ہماری اصل آمد ہے۔

اس کے بعد حضور نے احباب کو صنعت وحرفت اور فریضۂ تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ دینے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ فرمایا

ہمارے دوستوں کو مفید کاموں میں وقت صَرف کر کے اپنی آمد کو بڑھانا چاہئیے۔ جو کاشتکار ہیں وہ صرف زمینداری پر ہی انحصار نہ کریں بلکہ ساتھ کے ساتھ پولٹری فارم یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پال کر آمد کو بڑھائیں۔ اسی طرح دوستوں کو بعض مخصوص پیشوں میں مہارت حاصل کر کے ملک کی صنعتی ترقی میں ہاتھ بٹانا چاہیے۔ لوہارا اور ترکھاناں وغیرہ کے پیشوں میں اگر ہمارے بعض دوست مہارت حاصل کرلیں تو وہ اپنی قدر و قیمت میں بہت زیادہ اضافہ کر سکتے ہیں۔ بعض پیشوں پر جو صنعتی لحاظ سے بہت مفید ہیں اگر قبضہ کرلیا جائے تو بڑی خدمت سرانجام دی جاسکتی ہے۔ پس جلد سے جلد ایسے مستری تیار کرنے چاہئیں جو نئے کارخانوں میں بآسانی کھپ سکیں۔'' (الفضل ۱۳؍اپریل ۱۹۵۰ء)

۱؎ مسلم کتاب الایمان باب الوکیل علیٰ ان من قصد اخذ مال غیرہ بغیر حق (الخ)

۲؎ متی باب ۵ آیت ۳۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن

۳؎ سیرت ابن ھشام جلد۳ صفحہ ۸۹ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء ۱۹۸۷ء

۴؎ بخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم

۵؎ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرة: ۲۱۵)

۶؎ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۵۵۶ مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ

۷؎ الاحزاب: ۶۳

۸؎ البقرة: ۲۱۵

۹؎ الحشر: ۸

۱۰؎ پیدائش باب ۲۵ آیت ۲۸ تا ۳۴ (مفہومًا)

۱۱؎ پیدائش باب ۲۷ آیت ۱ تا ۳۶ (مفہومًا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۱ء

(منعقدہ ۲۳ تا ۲۵ / مارچ ۱۹۵۱ء)

پہلا دن

دُعا جماعت احمدیہ کی بتیسویں مجلس مشاورت ربوہ میں ۲۳ تا ۲۵ مارچ ۱۹۵۱ء کو جامعۃ المبشرین کی عارضی عمارت کے صحن میں شامیانے کے نیچے منعقد ہوئی۔ (یعنی وہ جگہ جہاں دارالصدر غربی میں اب بیت قمر ہے) حضور کی طبیعت دردِ نقرس کی وجہ سے علیل تھی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد حضور نے بیٹھ کر دُعا سے متعلق فرمایا:-

''کارروائی شروع کرنے سے قبل احباب مل کر دعا کرلیں۔ خداتعالیٰ ہماری راہنمائی فرمائے تاکہ ہم مشورہ طلب امور کے بارے میں ایسے فیصلے کرسکیں کہ جو اسلام کی سربلندی کا باعث ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہوں۔ خداتعالیٰ ہم کو اور ان لوگوں کو جن کے ہم نمائندے ہیں ان سب فیصلوں پر کما حقہٗ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ایسے سامان پیدا کردے کہ ہم ان فیصلوں کو عملی جامہ پہنا کر صحیح معنوں میں سلسلے کی خدمت بجالاسکیں۔''

افتتاحی تقریر تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

''اِس وقت ایجنڈے کے مطابق جماعت کے سامنے دو محکموں کی تجاویز پیش ہیں۔ اِن میں سے ایک نظارت بیتُ المال ہے اور دوسری نظارت بہشتی مقبرہ۔ ان تجاویز کے علاوہ انتخاب نمائندگان کے متعلق بھی ایک تجویز ہے جو پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی طرف سے ہے۔ اِس تجویز کا مقصد یہ ہے کہ صدر انجمن، تحریک جدید اور صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نمائندگی کے لئے کیا طریق اختیار کیا جائے۔ اِس وقت تک محکموں کی نمائندگی اور

صحابہ کرام کی نمائندگی کے سلسلے میں کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے محکموں کے نمائندوں کی تعداد غیر ضروری طور پر بڑھتی جا رہی ہے۔ اس طرح صحابہ کی نمائندگی کا کوئی خاطر خواہ انتظام موجود نہیں ہے۔''

اِس ضمن میں حضور نے انگلستان اور امریکہ کے آئین پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈال کر واضح کیا کہ وہاں ایگزیکٹو کی نمائندگی کی نوعیت کیا ہے۔ حضور نے مزید فرمایا کہ:-

''نظارت بیت المال کی تجاویز پر غور و خوض کے لئے جو سب کمیٹی مقرر کی جائے گی وہ صدر انجمن اور تحریک جدید کے بجٹوں کے علاوہ اس تجویز پر بھی غور کرے گی۔''

دوسرا دن

مجلس مشاورت ۱۹۵۱ء کے دوسرے دن ۲۴؍ مارچ کو پہلے اجلاس سے قبل تلاوت قرآن مجید کے بعد حضور نے بیٹھ کر ہی نمائندگان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

دعا کی ضرورت

''اصل کارروائی شروع کرنے سے پہلے احباب دعا فرمالیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض دوست دعا کی اہمیت کو وہ درجہ نہیں دیتے جو دراصل انہیں دینا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ روحانی سلسلے خدائی نصرت کے ساتھ ہی چلتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کو بھی دُنیوی سامانوں سے کام لینا پڑتا ہے اور اسباب وعِلل .... کی قیود سے وہ بھی آزاد نہیں ہوتے لیکن وہ تمام دُنیوی سامان اور وہ اسباب وعِلل خدائی منشاء اور اُس کے فضل کے ماتحت ظاہر ہو کر الٰہی جماعتوں کی کامیابی کا موجب بنتے ہیں۔ بسا اوقات دُنیا کے بندے ظاہری سامانوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے نصرت طلب کرنے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مذہب اسباب وعِلل سے متعلق قوانینِ قدرت کے اٹل ہونے کو تسلیم کرتے ہوئے ایسے لوگوں سے کہتا ہے کہ یہ سامان جن پر تم بھروسہ کرتے ہو اور یہ اسباب وعِلل جن کی طرف رہ رہ کر تمہاری نگاہیں اُٹھتی ہیں خود خدا تعالیٰ کے ہی پیدا کردہ ہیں ان سے صحیح رنگ میں فائدہ اُٹھانے کے لئے اُس سے استمداد ضروری ہے۔ خدائی نصرت کے تحت سامانوں کا مہیا ہو جانا اور پھر اُن سے صحیح رنگ میں فائدہ اُٹھانے کی توفیق ملنا ہی معجزہ کہلاتا ہے۔

قانونِ قدرت کے اٹل ہونے سے دعا کی ضرورت یا معجزہ کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ پس ہماری جماعت کو دعاؤں کی طرف خاص توجہ دینی چاہئے۔ محض رسمی طور پر دعا مانگنا بے معنی ہے۔ ضروری ہے کہ دعا کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی جائے۔

دُعاؤں کی اہمیت کو قائم کرنا ہماری جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ ہمارا سلسلہ دیگر آسمانی سلسلوں کی طرح خدا تعالیٰ کی تقدیرِ خاص کے نتیجے میں قائم ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کی تقدیرِ عام اور تقدیرِ خاص میں بہت فرق ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض اوقات زمین میں بغیر کسی اہتمام کے بیج بکھیر دیئے جاتے ہیں اور وہ کچھ عرصہ بعد خود بخود اُگ آتے ہیں لیکن باغ وغیرہ لگانے میں بڑی مشقّت اُٹھائی جاتی ہے اور قدم قدم پر خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اِس مشقت اور اہتمام کا نتیجہ اوّل الذکر کی نسبت زیادہ نمایاں اور شاندار طریق پر ظاہر ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں تقدیرِ عام کا پہلو بھی دعا سے خالی نہیں ہے تو پھر تقدیرِ خاص میں اس کی اہمیت اور ضرورت کیوں نہ مسلّم ہو۔ وہ جماعت جو قائم ہی تقدیرِ خاص کے نتیجے میں ہوئی ہو اُس پر خدا تعالیٰ کی خاص نظر ہوتی ہے۔ اُس کی دعا رائیگاں نہیں جاتی وہ ضرور رنگ لاتی ہے۔ اُس کے افراد دعا ہی وہ مانگتے ہیں جو خدا تعالیٰ اُن سے منگوانا چاہتا ہے۔ گویا خدائی تقدیر اور بندوں کی دلی خواہش مل جاتی ہے اِسی کا نام قبولیت ہے۔ **دعا کی قبولیت کا وقت وہی ہوتا ہے کہ جب خدا کے فضل کی بارش اور بندوں کے آنسوؤں کا پانی آپس میں مل جاتا ہے۔** یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات سینکڑوں گھنٹوں کے آنسو وہ کام نہیں کرتے جو آنِ واحد میں دل سے نکلی ہوئی دعا کر جاتی ہے۔''

اس کے بعد حضور نے حاضرین سمیت لمبی دعا کی اور پھر فرمایا:-

بجٹ بروقت تیار ہو

''بجٹ بہرصورت میعادِ مقررہ کے اندر اندر تیار ہو جانا چاہئے۔ اِس سال بھی بجٹ وقت پر شائع نہ ہو سکنے کی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن جب تک ان وجوہات پر قابو نہیں پایا جائے گا اُس وقت تک بجٹ میعادِ مقررہ کے اندر کبھی شائع نہیں ہو سکے گا۔ کوشش کی جائے کہ آئندہ ایسی وجوہات پیدا نہ ہوں کہ جن کے نتیجہ میں پھر ایسی شکایت سے دوچار ہونا پڑے۔''

گزشتہ سیلابوں کے باعث چندوں میں کمی کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ:-

''آئندہ بجٹ میں شہری اور دیہاتی جماعتوں کی آمدن علیحدہ علیحدہ دکھائی جایا کرے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ کِن جماعتوں کی طرف سے وصولی کم ہوئی ہے اور اس کی وجوہات کیا ہوسکتی ہیں۔ موجودہ بجٹ سے یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ سیلاب کے باعث دیہاتی جماعتوں کی طرف سے خاطر خواہ وصولی نہیں ہوسکی۔''

حضور نے بجٹ میں قرضہ جات وغیرہ کی صحیح پوزیشن دکھانے کی اس سال بھی ہدایت فرمائی اور پھر فرمایا:-

تألیف وتصنیف کی اہمیت

''تالیف وتصنیف کا محکمہ سب سے اہم ہے لیکن صدر انجمن میں یہی محکمہ سب سے کمزور ہے۔ اگر دیکھا جائے تو لوگوں تک اپنے خیالات پہنچانے کا سب سے مؤثر ذریعہ تصنیف ہی ہے۔ ایک تبلیغی جماعت جس کا کام ہی دوسروں کو حق کی طرف بُلانا ہو تألیف وتصنیف کی اہمیت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کرسکتی۔ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''سلطان القلم'' قرار دیا ہے۔ اس خدائی اعزاز میں ہمارے لئے غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کوئی بادشاہ بغیر رعایا کے بھی ہوتا ہے؟ سلطان القلم کا مطلب تو یہ ہونا چاہئے کہ ہماری جماعت میں کثرت سے اہلِ قلم ہوں جو اپنی تصانیف کے ذریعہ عملاً اس بات کا اعلان کرتے رہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ''سلطان القلم'' ہیں۔ اِس خدائی اعزاز میں ایک بہت بڑا اشارہ تھا جسے جماعت کے افراد نے نہیں سمجھا۔ وہ اشارہ یہ تھا کہ مسیح محمدی کی جماعت کو تصنیف کی طرف خاص توجہ دینی چاہئے۔''

اِس ضمن میں حضور نے جماعت کے اہل علم طبقہ کو بِالعموم اور پروفیسر صاحبان وعلماء سلسلہ کو بِالخصوص تألیف وتصنیف سے متعلق اِس سکیم پر عمل پیرا ہونے کی ایک بار پھر تلقین فرمائی جو حضور نے ۱۹۴۹ء کے سالانہ جلسہ منعقدہ ربوہ میں نہایت تفصیل سے بیان کی تھی۔ اس سکیم کو عملی جامہ پہنانے میں اب تک جو غفلت برتی گئی ہے اُس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''جب تک جماعت اِس طرف توجہ نہیں کرے گی اُس وقت تک حقیقی اسلام

سے متعلق احمدیت کی تعلیم عام نہ ہوگی اور لوگوں تک نہ پہنچ سکے گی۔‘‘

تألیف وتصنیف کے سلسلے میں حضور نے جدید رُجحانات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تأثرات کا بھی تفصیل سے ذکر کیا اور فرمایا:-

’’ہمیں لکیر کا فقیر نہ بننا چاہئے۔ نئے حالات اور نئے ماحول کے زیر اثر جو جدید رُجحانات پیدا ہوئے ہیں اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے رسالے اور نئی کتابیں لکھنے سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو سکے گا۔‘‘

نیز فرمایا:-

’’جب تک ان رُجحانات کا ازالہ نہیں کیا جائے گا لوگ حقیقی اسلام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے پہلے احمدیت یعنی اسلام سے ذہنی مناسبت پیدا کرنی ضروری ہے۔ اس کے بغیر عقائد کی پرانی بحث کارگر ثابت نہ ہو سکے گی۔‘‘

اس کے علاوہ حضور نے احباب جماعت کو ’’الفضل‘‘ اور دیگر علمی رسائل کے لئے چھوٹے چھوٹے مضامین کی شکل میں اپنے خیالات کو عام کرنے کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دلائی۔

تحریک جدید کے کام کی اہمیت

۲۴ر مارچ ۱۹۵۱ء کو مشاورت کے دوسرے اجلاس میں تحریک جدید کا بجٹ پیش کیا گیا۔ بعض ممبران نے اپنی آراء پیش کرتے ہوئے اسے خوش کُن بجٹ قرار دیا۔ رائے شماری کے بعد احباب سے خطاب کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

’’تحریک کا بجٹ گو خوش کُن ہے لیکن مالی لحاظ سے تحریک جدید صدر انجمن احمدیہ کے مقابلے میں زیادہ خطرناک حالات میں سے گزر رہی ہے۔ پچھلے دو سال سے چندوں کی وصولی میں کمی واقع ہوگئی ہے حالانکہ کام کی اہمیت اور اس کے خوش کُن نتائج کے پیش نظر لوگوں میں قربانی کا جوش بڑھ جانا چاہئے تھا۔ یہ تحریک جدید کی ہی برکت ہے کہ آج مختلف ممالک کے لوگ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں اور اِس وقت بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ طلباء کی آمد کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ علاوہ ازیں بیرونی ممالک

کے احمدی بڑھ چڑھ کر خدمتِ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر رہے ہیں۔ امریکہ کے رشید احمد زندگی وقف کرنے کے بعد ایک عرصہ سے ربوہ میں مقیم ہیں۔ ان کے علاوہ امریکہ سے چار اَور نوجوانوں کی درخواستیں موصول ہوئی ہیں۔ اُنہوں نے بھی خدمتِ اسلام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ ادھر دُنیوی لحاظ سے بھی بیرونی جماعتیں بفضلہٖ تعالیٰ ترقی کر رہی ہیں۔ گولڈ کوسٹ کے حالیہ انتخابات میں خدا تعالیٰ کے فضل سے تین احمدی کامیاب ہو کر اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے ہیں۔ یہ چیز میری سمجھ سے باہر ہے کہ تحریک جدید کی اتنی اہمیت کے باوجود احباب نے چندوں کی ادائیگی میں غفلت سے کیوں کام لیا ہے۔ شاید لوگوں نے سمجھ لیا کہ بیرونی ممالک میں مشن قائم کر کے ہم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے اور ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے ہیں حالانکہ میدانِ تبلیغ کی وسعت کے مقابلے میں ہماری مساعی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہمارے مبلّغ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں تبلیغ کی جائے تو ہر تین سَو آدمیوں پر ایک مبلّغ ہونا چاہیئے۔ یاد رکھو تبلیغ کا حق اس وقت ہی ادا ہو گا جب ہر ایک فرد تک اسلام واحمدیت کا پیغام پہنچ جائے گا اور اس پر صداقت واضح کر دی جائے گی۔ دُنیا کی موجودہ آبادی کو دیکھتے ہوئے لاکھوں لاکھ مبلّغین اس کام پر متعیّن کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بِالمقابل ہم نے صرف چند سو مبلّغ دُنیا میں پھیلا رکھے ہیں جو آٹے میں نمک کے برابر بھی قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دوستوں نے اِس تحریک کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور اِس ضمن میں اپنی ذمہ واریوں کا کماحقہٗ احساس نہیں کیا۔ اگر وہ اس کی اہمیت کو سمجھ لیتے تو اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے اور انہیں تن کے کپڑے بھی بیچ ڈالنے سے دریغ نہ ہوتا۔ .... بیرونی ممالک میں احمدیت کی روز افزوں ترقی اِس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ہم وہاں اپنی مساعی کو اَور زیادہ تیز کر کے خدائی منشاء کو پورا کریں۔ ہونا یہ چاہیئے کہ تحریک کا بجٹ منظور ہونے کے بعد اب کوئی فرد ایسا نہ رہے کہ جو تحریک جدید میں حصہ نہ لے اور دوسروں سے بھی وعدہ پورا کرانے کا بیڑا نہ اُٹھائے۔

احباب جماعت کا فرض ہے کہ وہ اُس وقت تک چَین سے نہ بیٹھیں جب تک کہ تمام وعدہ کرنے والوں سے اُن کا وعدہ پورا نہ کروالیں۔‘‘

دورانِ تقریر میں حضور نے تحریک جدید کے کارکنوں کو قرضہ ادا کرنے اور ریزرو فنڈ قائم کرنے کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دلائی۔

تیسرا دن

نوجوانوں کی تربیت اور تبلیغ کی طرف توجہ دی جائے

بارش کی وجہ سے ۲۵ مارچ ۱۹۵۱ء کو مجلس مشاورت کا آخری اجلاس مختصر کرنا پڑا۔ بجٹ پیش ہونے کے بعد حضور نے اختصار کے ساتھ احباب جماعت کو بعض اہم امور کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:-

''آجکل ہم مالی لحاظ سے خطرناک دور میں سے گزر رہے ہیں۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تقسیم برصغیر کے بعد جماعت کا قریباً ۴۰ فیصدی حصہ اپنی جائیدادوں اور گزشتہ آمدنیوں سے محروم ہوکر پہلے کی نسبت تنگ دست ہوگیا لیکن اس کے بِالمقابل جماعت کے اخراجات پہلے کی نسبت بڑھ گئے ہیں اِس صورتِ حال کا جماعت کی مالی حالت پر اثر انداز ہونا ضروری تھا۔''

تقسیم کے معاً بعد مہاجر احباب نے قناعت سے کام لیتے ہوئے جس ہمت و استقلال کا ثبوت دیا حضور نے اس کی تعریف کی اور فرمایا کہ:-

''خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں ہنسی خوشی تکالیف اُٹھانے اور مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے جماعت کو ایمان بخشا ہے جس کے زیرِ اثر وہ ہر مصیبت کو اس حال میں جھیل جاتے ہیں کہ ان کے چہروں سے بشاشت ٹپک رہی ہوتی ہے۔''

نیز فرمایا۔

''یہ شکایت سننے میں آئی ہے کہ نوجوانوں میں دینی روح کم ہو رہی ہے۔ یہ ایک خطرناک بات ہے اِس کے ازالہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اگر اصلاح کی فوری تدابیر اختیار نہ کی گئیں تو پھر یہ چیز دس بارہ سال میں ناپسندیدہ سمت کی طرف رُخ کرسکتی ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ اس انحطاط کی زد تمام نوجوانوں پر پڑتی ہے۔ کراچی کی جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بعض ایسے نوجوان موجود ہیں جن میں دین کا ایسا ہی جوش پایا جاتا ہے جیسا کہ پرانے لوگوں میں ہؤا کرتا تھا۔ اِسی طرح راولپنڈی کی جماعت بھی ترقی کر رہی ہے وہاں بھی نوجوانوں میں بیداری کے آثار نمایاں ہیں۔ لیکن پھر بھی کوشش کرنی چاہئے کہ نوجوانوں میں دینی روح ترقی کرے۔ وہ محض نعرے لگا کر ہی دل میں خوش ہونے والے نہ ہوں بلکہ ذکر و فکر میں شغف پیدا کر کے صحیح اسلامی روح کو اپنانے والے بنیں۔ بِالخصوص موجودہ نازک دَور میں نوجوانوں کے اندر بیداری کا پیدا ہونا نہایت ضروری ہے۔ جو کام خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم آگے ہی آگے قدم بڑھاتے چلے جائیں۔ جب تک نوجوانوں میں دین کے لئے جوش پیدا نہیں ہوتا اور بحیثیت مجموعی جماعت آگے قدم نہیں بڑھاتی ہم مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ سکتے۔ ہماری نگاہ تو آج سے زیادہ کل پر ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہم کو ساری دُنیا فتح کرنی ہے یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جُوں جُوں زمانہ گزرتا جائے ہماری مشکلات کم ہوتی جائیں۔ اس کے لئے قربانی و ایثار کا مادہ پیدا کرنے اور تبلیغ پر زور دینے کی ضرورت ہے۔

تبلیغ کی طرف بہت بے توجہی برتی جا رہی ہے ایک تو مبلّغ بہت کم ہیں دوسرے ان سے کام نہیں لیا جاتا۔ تحریک کے جو مبلّغ باہر سے رخصت پر واپس آتے ہیں انہیں بھی کام پر لگا کر ان کی موجودگی سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں صدر انجمن کا بھی فرض ہے کہ وہ اندرون ملک میں مبلّغوں کی تعداد بڑھائے اور پھر انہیں ضرورت اور حالات کے مطابق لٹریچر بھی فراہم کرے۔ لٹریچر ایسے لوگوں تک پہنچانا چاہئے جو واقعی اس سے فائدہ اُٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ لٹریچر دینے سے پہلے لوگوں کے اندر دلچسپی پیدا کرنا ضروری ہے ورنہ وہ اس لٹریچر کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے اور ہماری ساری محنت اکارت جائے گی۔

فراہمیٔ لٹریچر کے سلسلے میں نئے ماحول اور نئے رُجحانات کا بھی تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔ احمدیت کی لائی ہوئی صداقتوں کو لوگوں کے ذہن نشین کرانے کے لئے حکیمانہ طریق پر عمل کرنا ضروری ہے۔‘‘

اِس موقع پر حضور نے اپنے ایک تازہ الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

’’چند دن ہوئے کہ یہ الہام ہوُا۔

’’سندھ سے پنجاب تک دونوں طرف متوازی نشان دکھاؤں گا‘‘

معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیا فیصلہ صادر ہونے والا ہے۔ ذہن میں ڈالا گیا کہ متوازی کا لفظ دونوں طرف کیساتھ لگتا ہے شاید دریائے سندھ کے اِس پار اور اُس پار دونوں طرف وسیع علاقے اِس سے متأثر ہوں۔ ساتھ ہی ڈالا گیا کہ یہ نشان ہمارے لئے برکت والا ہوگا لیکن برکت والا اِنذاری نشان بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہمیں خدا تعالیٰ کا فضل جذب کرنے کے لئے اپنے اندر ایک نیک تبدیلی پیدا کرنی چاہئے اور دعا کرنی چاہئے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ حق کے قبول کرنے کی طرف پھرے۔ متوازی سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کئی نشان ظاہر ہوں۔ اور شاید گزشتہ سیلابوں کی طرح پھر کوئی خوفناک طوفان آئے۔ بہرحال خشیتُ اللہ سے کام لیتے ہوئے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔‘‘

(الفضل ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹ / مارچ ۱۹۵۱ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء

(منعقدہ ۱۱ تا ۱۳؍ اپریل ۱۹۵۲ء)

پہلا دن

دُعا جماعت احمدیہ کی تینتیسویں مجلس مشاورت ۱۱۔ اپریل ۱۹۵۲ء کو بعد نماز جمعہ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ کے ہال میں شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد حضور نے احباب کو دعا کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:-

’’جیسا کہ شوریٰ کے ایجنڈے سے ظاہر ہے یہ اجلاس ہماری شوریٰ کا تینتیسواں اجلاس ہے۔ اور آج ہم اس لئے اس جگہ پر جمع ہوئے ہیں کہ تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ میزانیوں پر غور کریں اور بعض اہم مسائل جو سلسلہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق بھی غور کر کے کسی نتیجہ پر پہنچیں۔ اصل کارروائی کے شروع کرنے سے پہلے میں حسبِ سنت و دستور دعا کروں گا احباب میرے ساتھ دعا میں شامل ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح طور پر غور کرنے اور صحیح نتائج پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارا کام بہت وسیع ہے لیکن ہمارے ذرائع بہت محدود ہیں۔ ہماری ذمہ داریاں نہایت اہم ہیں لیکن ہمارے مزاج بہت سُبک واقع ہوئے ہیں۔ ہم اپنی تعلیم کی کمی کی وجہ سے یا تربیت کے نقص کی وجہ سے اہم چیزوں کو موقع پر اہم سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اور بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنی اہمیت دے دیتے ہیں کہ ہمارا وقت بجائے صحیح طور پر خرچ ہونے کے ضائع ہو جاتا ہے۔ اور ہماری طاقت منتشر ہو جاتی ہے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو تمام امور کی صحیح اہمیت سمجھنے کی توفیق دے اور ہمیں موقع کے مناسب

کام کرنے کی عقل اور ہمت بخشے تا کہ ہم ان تھوڑے سے سامانوں کو زیادہ سے زیادہ بہتر طور پر استعمال کر سکیں جو کہ اس وقت ہمیں حاصل ہیں اور ہماری تدبیر اور اس سعی کے نتیجہ میں ہمارے سامان آنے والے کَل میں آج سے زیادہ ہوں اور آنے والے پرسوں میں آنے والے کل سے زیادہ ہوں۔ یہاں تک کہ جو ذمہ داریاں ہمارے سپرد کی گئی ہیں ہم اُن کو پورا کرنے کے قابل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہماری باتیں باتیں ہی نہ ہوا کریں بلکہ وہ عمل کا پیش خیمہ ہوں اور ہماری فکر لھو ہی نہ ہوا کرے بلکہ وہ ایک سنجیدہ اور اٹل حقیقت ہو جس کے بعد دُنیا کا کوئی عزم اس کے آگے ٹھہر نہ سکے اور کوئی طاقت اس کو دبا نہ سکے۔ ہماری مجالس کی ابتداء میں ہمیشہ دعا ہوتی ہے، آئندہ اس کے لئے میں ایک طریق مقرر کر دیتا ہوں۔ایک دعا افتتاح کے موقع پر تینوں دنوں میں ہوا کرے گی اور ایک دعا آخر میں شوریٰ کے اختتام پر ہوگی۔گویا شوریٰ کے تین دنوں میں چار دفعہ دعا ہوگی۔ایک دفعہ پہلے دن، پھر دوسرے دن، پھر تیسرے دن ابتداء میں اور پھر شوریٰ کے اختتام پر۔

اب میں دعا کرتا ہوں تمام احباب میرے ساتھ شریک ہو جائیں۔اس کے بعد میں پروگرام کے مطابق کارروائی شروع کروں گا۔‘‘

دُعا سے فارغ ہونے کے بعد حضور نے تشہد و تعوذ کے بعد فرمایا:-

کمیٹیوں کا تقرر

’’جیسا کہ پروگرام میں لکھا ہوا ہے اور جیسا کہ دستور چلا آتا ہے شوریٰ کی کارروائی شروع کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے میں تقریر کیا کرتا ہوں لیکن آج میں اس طریق کو بدلنا چاہتا ہوں اور بجائے اِس وقت تقریر کرنے کے جب سب کمیٹیوں کا انتخاب ہو جائے گا تو میں ان سب کمیٹیوں کے سامنے بعض باتیں بیان کروں گا جن پر میرے نزدیک سب کمیٹیوں کے غور کے وقت میں بھی اور آئندہ شوریٰ کے اجلاس میں بھی ان پر غور کرنا ضروری ہے۔ یہ طریق ایک مجبوری کی وجہ سے مجھے اختیار کرنا پڑا ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے طریقِ عمل کے متعلق بعض تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ پس پہلے میں کمیٹیوں کے انتخاب کے لئے احباب سے مشورہ چاہتا ہوں۔ یہاں کئی صیغوں کی طرف سے تجاویز پیش ہیں۔سب سے اہم چیز تو میزانیہ ہے صدر انجمن احمدیہ کا اور تحریک جدید کا،

پھر صیغۂ پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے کچھ تجاویز ہیں، کچھ نظارت دعوۃ وتبلیغ کی طرف سے تجاویز ہیں۔ کچھ نظارت بہشتی مقبرہ کی طرف سے تجاویز ہیں اور کچھ نظارت امور عامہ کی طرف سے تجاویز ہیں۔ نظارت بہشتی مقبرہ کا معاملہ زیادہ تر امور عامہ کے ساتھ متعلق ہے اس لئے اِن دونوں کمیٹیوں کو میں ایک کر دیتا ہوں۔ گویا نظارت بہشتی مقبرہ اور امور عامہ کی ایک کمیٹی ہوگی اور نظارت دعوۃ وتبلیغ کی دوسری کمیٹی ہوگی۔ صیغہ پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے جو معاملات پیش ہیں ان میں سے وقف کے قواعد مَیں دعوۃ وتبلیغ والی کمیٹی کے سپرد کرتا ہوں۔ اور باقی ۱، ۳، ۴ اور ۵ یہ بجٹ کمیٹی کے سپرد کرتا ہوں۔

گویا تین کمیٹیاں ہوں گی ایک کمیٹی بجٹ کی جو علاوہ تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ کے صیغہ پرائیویٹ سیکرٹری کی تجویز ۱، ۳، ۴، ۵ پر بھی غور کرے گی۔

ایک کمیٹی امور عامہ کی ہوگی جو نظارت بہشتی مقبرہ کی تجاویز پر بھی غور کرے گی۔ ایک کمیٹی نظارت دعوۃ وتبلیغ کی ہوگی جو صیغہ پرائیویٹ سیکرٹری کی تجویز نمبر ۲ پر بھی غور کرے گی۔

تجویز بابت کمپنی چار لاکھ جو ضمیمہ ایجنڈا کی صورت میں پیش کی گئی ہے یہ چونکہ بیت المال کا حصہ ہے اِس لئے اِسے بھی بجٹ کمیٹی کے سپرد کیا جاتا ہے۔

سہولت کے لئے میں ان تینوں کمیٹیوں کے لئے مندرجہ ذیل تعداد ممبران کی مقرر کرتا ہوں۔

بجٹ کمیٹی	۳۶
امور عامہ	۱۵
دعوۃ وتبلیغ	۱۵

بجٹ کمیٹی میں ناظر صاحب بیت المال، وکیل المال تحریک جدید اور محاسب اور نائب وکیل المال یہ چار آدمی تو دفتروں کی طرف سے ہوں گے باقی ۳۲ نمائندے جماعت کی طرف سے پیش ہوں گے۔

امور عامہ میں ناظر صاحب امور عامہ اور ناظم صاحب وصیت کارکنوں کی طرف سے اور باقی ۱۳ دوست جماعت کے نمائندے ہوں گے۔

دعوۃ وتبلیغ کی کمیٹی میں ناظر صاحب دعوۃ اور وکیل الاعلیٰ سلسلہ کی طرف سے اور باقی ۱۳ دوست جماعت کی طرف سے نمائندے ہوں گے۔

اب پہلے دوست بجٹ کمیٹی کے لئے نام تجویز کر دیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کئی دفعہ ہدایت دے چکا ہوں ایسے آدمیوں کا نام نہ لیا جائے جو یہاں نہیں ہیں۔ بعض دوست یونہی نام لے دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ یہاں ہیں بھی یا نہیں۔ دوسرے ایسے آدمی کا نام پیش کرنا چاہئے جو اس کا اہل ہو۔ یہ ضروری ہے کہ جس فن کے متعلق کسی کا نام پیش کریں وہ اسے سمجھتا ہو۔ مثلاً بجٹ پر غور کرنا، اس میں تخفیف کرنا یا زیادتی کرنا یا بعض کام جو پہلے بجٹ میں شامل نہیں تھے اُن کو اب شامل کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ ان کے لئے ضروری ہے کہ اسی دوست کا نام تجویز کیا جائے جو وسعتِ معلومات بھی رکھتا ہو اور اپنے علاقہ کے حالات اور چندہ کی وصولی وغیرہ کا اُسے تجربہ ہو یا چندوں کے حصول میں جو دقتیں پیش آتی ہیں ان کو وہ جانتا ہو یا وہ ذرائع جو جماعت کی ترقی کے لئے اختیار کرنے ضروری ہیں ان سے آگاہ ہو۔ پھر یہ بھی مدنظر رہے کہ مختلف صوبہ جات کے نمائندے آجائیں۔ یہاں جو جماعتیں نمائندگی کے لحاظ سے موجود ہیں ان میں بنگال ہے، سندھ ہے، کراچی ہے، بلوچستان ہے، بہاولپور ہے، پنجاب ہے، کشمیر ہے، صوبہ سرحد ہے، اسی طرح غیر ملکی جماعتوں کے نمائندے بھی یہاں موجود ہیں۔ مثلاً امریکہ کا نمائندہ ہے، شام کا نمائندہ ہے، انڈونیشیاء کا نمائندہ ہے، مصر یا سوڈان کا نمائندہ ہے، اسی طرح بعض اور جماعتوں کے بھی نمائندے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ بیرونی جماعتوں کے بجٹ وہیں پاس ہوتے ہیں ہمارے زیر بحث نہیں آتے۔ وہ چند اصول ہمارے ساتھ طے کر لیتے ہیں اور ان کے مطابق مقامی طور پر بجٹ بنا لیتے ہیں۔ پس ان کی دلچسپی ہمارے اس بجٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جن کا چندہ بجٹ کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے وہ صرف پاکستان کے صوبے ہیں۔ ہندوستان کی جماعتیں بھی چونکہ اب ہم سے الگ ہیں اس لئے ان کو بھی ہمارے بجٹ سے زیادہ دلچسپی نہیں۔ پس ایسے نمائندے جو پاکستان کے مختلف صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں کمیٹیوں میں ضرور آجانے چاہئیں۔ بنگال کو بھی نمائندگی ملنی چاہئے، کراچی کو بھی نمائندگی ملنی چاہئے، سندھ کو بھی نمائندگی ملنی چاہئے۔ بلوچستان کو بھی نمائندگی ملنی چاہئے، بہاولپور کو بھی نمائندگی ملنی چاہئے۔ اِسی طرح پنجاب، کشمیر اور صوبہ سرحد کو بھی نمائندگی ملنی چاہئے۔ یہ گویا آٹھ صوبے بن جاتے ہیں۔ اس طرح آٹھوں صوبوں کی نمائندگی ہو جائے گی۔ پنجاب کی جماعتیں چونکہ زیادہ ہیں اس لئے لازماً ان کی نمائندگی بھی

زیادہ ہوگی مگر آدمی ایسے آنے چاہئیں جو ہمیں زیادہ سے زیادہ مدد دے سکیں۔‘‘

افتتاحی تقریر

اس کے بعد حضور کی ہدایات کے مطابق سب کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ پھر حضور نے سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد نمائندگان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

’’کمیٹیاں ان امور پر غور کرنے کے لئے جو کہ تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں مقرر ہوگئی ہیں اور اس اجلاس کے بعد جیسا کہ ان کے صدر اور سیکرٹری اعلان کریں گے کسی جگہ پر جمع ہوکر وہ ان تجاویز پر غور کریں گی جو ان کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ مَیں سابق دستور کے خلاف اس دفعہ چاہتا ہوں کہ کمیٹیوں کے اجلاس سے پہلے بعض باتیں بیان کر دوں جو کمیٹیوں کی ہدایات کے لئے ہوں گی بعض باتیں تو وقتی ہیں لیکن اکثر باتیں وہ ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ وقت آ گیا ہے کہ ہم ان پر غور کریں اور ان کے مطابق سکیم بنائیں اور ایسی باتوں کے متعلق کمیٹیوں کے بیٹھنے سے پہلے ہی توجہ دلانا ضروری ہوتا ہے تاکہ کمیٹیاں ان پر غور کرکے آئندہ کے متعلق سکیم بنا لیں۔

بجٹ کی بعض مدات کے متعلق ہدایات

سب سے پہلے تو میں اس حصہ کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جو بجٹ میں خلافت بجٹ کے طور پر پچھلے سال رکھا گیا تھا۔ غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ بجائے خلافت کے بجٹ کے نیچے ان کا نام رکھنے کے اُنہیں پرائیویٹ سیکرٹری کے بجٹ کے نیچے رکھنا چاہئے۔ وہ کام بھی پرائیویٹ سیکرٹری کا ہی ہے اور گو وہ خلیفۂ وقت کی ہدایات کے ماتحت ہی کام کرے گا لیکن عنوان کے لحاظ سے اِس چیز کو اُس کے بجٹ کے نیچے چلا جانا چاہئے تاکہ نگرانی بھی رہے اور حساب کتاب بھی رکھا جاسکے۔ ان میں سے پہلی چیز میرے نزدیک موٹر ہے۔ موٹر کو میرے نزدیک خلافت کے بجٹ میں سے نکال کر سیکرٹری کے بجٹ میں رکھ دینا چاہئے کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا حساب ہونا چاہئے اور ہوتا ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر کے نیچے اِس کو نہ رکھا جائے۔ اِسی طرح چار مدّات میں سے ایک مد ایسی ہے جس کے متعلق میں چاہتا ہوں کہ اسے اڑا دوں۔ کسی الٰہی مصلحت کے ماتحت وہ گزشتہ سال رکھی گئی تھی مگر میں سمجھتا ہوں اب وہ

مصلحت پوری ہو چکی ہے اور مناسب یہی ہے کہ اِس مد کو اُڑا دیا جائے اور وہ مہمان نوازی کی مد ہے۔ مہمان نوازی کی مد ہے تو ضروری لیکن میں سمجھتا ہوں اگر کسی شخص کو توفیق حاصل ہو تو اُس کے لئے کسی قسم کا روپیہ وصول کرنا طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ چنانچہ میں نے اِس سال سے محسوس کیا ہے کہ ہر دعوت پر مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں بھیک مانگ رہا ہوں۔ اب اِس پر ایک دفعہ عمل ہو گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ خلفاء کے لئے اب یہ طریقِ عمل معیوب نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی خلیفہ ایسا ہو کہ اُس کی ذاتی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ اس کام کو چلانا اس کے لئے دوبھر ہو تو ایک سال تک اس مد کے جاری رہنے سے سنت پڑ گئی ہے اور اگر آئندہ خلفاء کے لئے اس بارہ میں کوئی عار ہوسکتی تھی تو وہ ٹوٹ گئی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کم سے کم میرے لئے اس کا لینا بہت گراں گزرتا ہے اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ اس مد کو نکال دیا جائے۔ صرف سلسلہ کے ایسے لوگوں کی امداد کے لئے جو پرانے خادم ہیں کچھ رقم ضرور ہونی چاہئے کیونکہ کئی ایسے مواقع پیش آجاتے ہیں جب ضرورت ہوتی ہے کہ اُن کی دلجوئی کے لئے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کچھ مدد کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس غرض کے لئے صرف تین ہزار کی رقم اس سال کے لئے رہنے دی جائے۔

باقی موٹر کے متعلق فنانس کمیٹی کے اصرار پر پچھلے سال جو فیصلہ کیا گیا تھا بعد میں غور کرنے پر میں نے سمجھا کہ وہ غلط طریق ہے درحقیقت ہونا یہ چاہئے کہ موٹر جب خریدا جائے تو اس کے لئے بجٹ میں گنجائش رکھی جائے اور جب پرانا موٹر بیچا جائے تو اس کی قیمت آمد میں شمار کی جائے۔ یہ جو فیصلہ کیا گیا تھا کہ موٹر کی خرید کے لئے قرضہ لے لیا جائے اور ہر سال تین ہزار روپیہ اس قرض میں واپس کیا جائے بعد میں مَیں نے سمجھا کہ یہ طریق درست نہیں۔ گزشتہ سال کے بجٹ میں سے صرف تین ہزار روپیہ موٹر کی خرید کے لئے لیا گیا تھا اور باقی روپیہ قرض لے لیا گیا تھا۔ موٹر کے متعلق جیسا کہ چوہدری عبداللہ خان صاحب نے کہا تھا یہ ضروری تھا کہ ایسا موٹر خریدا جاتا جو زیادہ محفوظ ہوتا۔ ان کا اندازہ ۲۲ ہزار روپیہ کا تھا مگر ہم نے سترہ ہزار میں موٹر خریدا۔ تین ہزار موٹر کی مد میں سے نکال کر دیا گیا۔ چھ ہزار بجٹ میں خرید موٹر کی قسط کے طور پر موجود تھا اور آٹھ ہزار امانت سے قرض لے کر ادا کر دیا گیا۔ میری تجویز یہ ہے کہ موٹر کی خرید کے لئے جو رقم قرض لے کر خرچ کی گئی ہے اس کو موجودہ بجٹ سے

ادا کر دیا جائے۔ آئندہ جب تک یہ موٹر رہے رہے جب نیا موٹر خریدنے کی ضرورت محسوس ہو تو اسے بیچ کر جو روپیہ حاصل ہو وہ آمد میں ڈال دیا جائے اور جتنے روپیہ کی مزید ضرورت محسوس ہو اُتنا روپیہ نئے موٹر کے لئے بجٹ میں رکھا جائے۔ باقی موٹر کے جو ماہوار اخراجات ہیں مثلاً ڈرائیور کی تنخواہ ہے، مرمت ہے، پٹرول ہے، ٹیکس ہے، ان چیزوں کا بجٹ مناسب طور پر سب کمیٹی تجویز کر سکتی ہے مگر بہرحال یہ بجٹ پرائیویٹ سیکرٹری کے ماتحت رکھا جائے اور خلافت بجٹ میں اعانت کی ایک مد رکھ دی جائے اور تین ہزار روپیہ سالانہ اس کے لئے رقم رکھی جائے ضیافت والی مد اُڑا دی جائے اور کار کے اخراجات مثلاً تنخواہ ڈرائیور، پٹرول، مرمت، لائسنس اور بیمہ وغیرہ کے متعلق اندازہ کر کے ایک رقم معیّن کر دی جائے۔

خلافت لائبریری

چوتھی چیز جس پر میں زیادہ زور اور وضاحت سے کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ خلافت لائبریری ہے تین ہزار روپیہ اسی مد میں لائبریری کے لئے میں نے رکھوایا تھا۔ درحقیقت لائبریری خلافت کا کوئی ذاتی خرچ نہیں بلکہ انجمن کا خرچ ہے اس لئے میں کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ اس کو خلافت کے خرچ کے ماتحت رکھا جائے کیونکہ اس کا بھی حساب ہوتا ہے۔ اور امداد مستحقین والے حصہ کو میں نے خلافت کے ماتحت اس لئے رکھا ہے کہ اس میں ایک قسم کا اخفاء ضروری ہے کیونکہ اس میں زیادہ تر یہی مدنظر ہے کہ وابستگان خلافت اور وابستگانِ جماعت کی امداد کی جائے اور ان کی دلجوئی کے لئے انہیں کچھ رقمیں دی جائیں اور اِس قسم کی امداد کا ظاہر ہونا طبعًا لوگ پسند نہیں کرتے اور گو اِس صورت میں بھی بہت چھوٹی چھوٹی رقمیں ان کے حصہ میں آئیں گی مگر چونکہ عام طور پر طبائع پر اِس قسم کی امداد کا اظہار گراں گزرتا ہے اس لئے خلافت کی مد ہی ایسی ہے کہ اس کے ماتحت بغیر دفتر میں سے گزرنے کے دوسرے کی امداد کے لئے رقم دی جا سکتی ہے اور اس شخص کی طبیعت پر بھی گراں نہیں گزرتا۔ لیکن لائبریری کوئی پوشیدہ رہنے والی چیز نہیں وہ پرائیویٹ سیکرٹری کے ماتحت ہونی چاہیئے اور گو اس کا نام خلافت لائبریری ہی ہوگا مگر باقی دفاتر کو بھی اس سے فائدہ اُٹھانے کا حق ہوگا۔

لائبریری کی اہمیت

لائبریری کے متعلق میرے نزدیک سلسلہ نے بہت بڑی غفلت برتی ہے لائبریری ایک ایسی چیز ہے کہ کوئی تبلیغی جماعت اِس کے بغیر

کام نہیں کر سکتی۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں جب سے میری خلافت شروع ہوئی ہے کسی بڑے دفتر کے چپڑاسیوں پر جو رقم خرچ ہو چکی ہے اُتنی رقم لائبریری کے لئے انجمن نے نہیں کی۔ ایک دو چپڑاسیوں کی رقم ہی جمع کر لو تو تمہیں فوراً پتہ لگ جائے گا کہ اِس بارہ میں کتنی بڑی غفلت اور کوتاہی سے کام لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اتنی اہم چیز ہے کہ ہمارے سارے کام اِس سے وابستہ ہیں۔ تبلیغِ اسلام، مخالفوں کے اعتراضات کے جواب، تربیت یہ سب کام لائبریری ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس وقت تک جتنا کام ہو رہا ہے یا تو حضرت خلیفہ اول کی لائبریری سے ہو رہا ہے اور یا پھر میری لائبریری سے ہو رہا ہے۔ میں نے اپنے طور پر بہت سی کتابیں جمع کی ہوئی ہیں جن پر میرا پچاس ساٹھ بلکہ ستّر ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ پس یا میری کتابیں کام آتی ہیں اور یا پھر حضرت خلیفہ اول کو کتابوں کا شوق تھا اور آپ نے بھی ہزاروں کتابیں اکٹھی کی ہوئی تھیں وہ کام آتی ہیں لیکن وہ جماعت جو ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کے کام کے لئے کھڑی ہوئی ہے، اس کے علوم کی بنیاد کسی دوسرے شخص کی لائبریری پر ہونا عقل کے بالکل خلاف ہے۔ ہمارے پاس تو اتنی مکمل لائبریری ہونی چاہئے کہ جس قسم کی مکمل لائبریری کسی دوسری جگہ نہ ہو مگر ہمارا خانہ اِس بارہ میں بالکل خالی ہے۔ پچھلے سال لائبریری کی مد میں مَیں نے کچھ رقم رکھوائی تھی مگر وہ زیادہ تر الماریوں وغیرہ پر ہی صَرف ہوگئی شاید بارہ چودہ سو روپیہ الماریوں پر صَرف ہو گیا تھا باقی جو روپیہ بچا اس میں سے ایک کتاب ہی آٹھ سَو اسّی روپیہ کی آئی ہے اور جو باقی کتابیں منگوائی گئی ہیں ان کی قیمت سرِ دست امانت سے قرض لے کر دی گئی ہے۔ غرض میں نے ایک خاصی رقم کتابوں کے جمع کرنے پر خرچ کی ہے۔ تقسیم کے وقت قادیان میں میری لائبریری کی بہت سے کتابیں رہ گئیں۔ حضرت خلیفہ اول کی لائبریری کا بھی ایک اچھا خاصہ حصہ وہیں رہ گیا اور گورنمنٹ نے اس لائبریری کو تالا لگا دیا۔ میرے بیٹے چونکہ وہاں موجود تھے اس لئے میں شروع ہجرت میں ان کو لکھتا رہا کہ میری کتابیں بھجوانے کی کوشش کرو۔ چنانچہ انہوں نے میری بہت سی کتب بھجوا دیں لیکن انجمن کے نمائندوں نے ہوشیاری سے کام نہ لیا اور حضرت خلیفہ اول کی کتابوں کا اکثر حصہ وہیں رہ گیا اور اس کی بڑی وجہ یہ مصیبت ہے کہ ہماری جماعت کے دوست اِس بات کے عادی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے الہام کے ایک معنے پہلے

اپنے پاس سے کریں گے اور پھر خدا تعالیٰ کو ان معنوں کے تابع کرنا چاہیں گے اور کہیں گے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ ہم نے الہام کا یہ مطلب سمجھ رکھا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی لوگ شروع میں اِنہیں خیالات میں مبتلا رہے کہ دو مہینہ کے بعد ہم نے قادیان واپس چلے جانا ہے، ہمیں کتابیں منگوانے کی کیا ضرورت ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکتوبر یا نومبر میں گورنمنٹ نے لائبریری کو تالے لگا دیئے مگر میں نے اپنے بیٹوں کو چونکہ تاکید کر دی تھی کہ جلدی وہاں سے کتابیں نکال کر بجھوا دو کیونکہ یہی تو ہماری اصل جائیداد ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے میری کتابوں میں سے دو تہائی یا شاید اِس سے بھی زیادہ کتابیں آ گئی ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل کی لائبریری کے متعلق میں کہہ نہیں سکتا کہ اس کی کتنی کتابیں آئی ہیں لیکن حضرت خلیفہ اوّل کی جتنی بڑی لائبریری تھی اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے میرا اندازہ یہی ہے کہ آپ کی کتابوں کا اکثر حصہ وہیں رہ گیا ہے۔

لائبریری کی کتب میں اضافہ کی تلقین

پھر دُنیا میں نئی سے نئی کتابیں نکل رہی ہیں اور ان کتابوں کا منگوانا بھی ضروری ہے۔ صرف مذہب سے تعلق رکھنے والی ہی نہیں بلکہ تاریخی اور ادبی کتابیں منگوانا بھی لائبریری کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اچھی لائبریری وہ ہوسکتی ہے جس میں کم سے کم ایک لاکھ جلد منتخب کردہ کتب کی موجود ہو اور اگر ایک جلد کی اوسط قیمت ۲۵ روپے لگا لی جائے تو میرے نزدیک صرف ایک لائبریری کے لئے پچیس لاکھ روپیہ ہونا چاہئے لیکن ظاہر ہے کہ پچیس لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ایسی صورت میں یہی طریق رہ جاتا ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق اِس بوجھ کو اُٹھائیں اور اس کی اہمیت کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اِس کام کو اپنے سامنے رکھیں اور اپنی لائبریری کو زیادہ سے زیادہ مکمل کرتے چلے جائیں۔ لائبریری کا بجٹ بھی پرائیویٹ سیکرٹری کے بجٹ میں ہوگا گو اس کے خرچ کا تعلق لائبریرین سے ہوگا۔ عام طور پر ہمارا طریق یہ ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں کسی کام کی ہمت نہیں تو ہم اُس کام کو کرتے ہی نہیں حالانکہ کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہئے۔ پس میں تجویز کروں گا کہ فنانس کمیٹی ان تمام حالات کو دیکھ لے اور بجٹ میں اِس کی گنجائش رکھے۔ اور جماعت کو بھی اس بات کی اجازت ہوگی کہ اگر وہ دیکھے کہ میری کوئی

تجویز ضروری تھی مگر فنانس کمیٹی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تو وہ ترمیم کے طور پر اس کو یہاں مجلس میں پیش کر دے۔ میری تجویز یہ ہے کہ سرِ دست ہم کو دس ہزار روپیہ سالانہ کے خرچ سے لائبریری کے کام کو شروع کر دینا چاہئے لیکن دس ہزار روپیہ سالانہ خرچ کرنے کے بھی یہ معنے ہیں کہ ہم اڑھائی سَو سال میں پچیس لاکھ روپے کی کتابیں اکٹھی کر سکیں گے۔ پس میرا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں ہمیشہ دس ہزار روپیہ پر ہی کھڑے رہنا چاہئے۔ جُوں جُوں ہماری تبلیغ بڑھے گی اور چندہ میں زیادتی ہوگی یہ رقم بھی بڑھتی چلی جائے گی۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم اِس خرچ کو کسی وقت لاکھ دو لاکھ بلکہ دس پندرہ لاکھ سالانہ بھی کر سکتے ہیں۔ یہ دس ہزار روپیہ صرف کتابوں کے لئے ہوگا۔ عملہ جو تھوڑا بہت پہلے بجٹ میں رکھا جا چکا ہے وہ الگ ہوگا۔ شاید اس میں بھی کچھ زیادتی کرنی پڑے گی۔

لائبریرین کے فرائض

کیونکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ لائبریرین کے طور پر ایک ہی نیا آدمی رکھا گیا ہے حالانکہ وہاں کم از کم دو آدمی اَور ہونے چاہئیں۔ لائبریرین کا کام ایسا ہے کہ اس کے لئے آجکل پاس شدہ آدمی رکھے جاتے ہیں۔ پہلے انسان گریجوایٹ ہو اور پھر لائبریرین کا امتحان پاس کرے تب وہ لائبریرین لگایا جاتا ہے ورنہ نہیں۔ لائبریرین کے معنے محض چپڑاسی یا کتابوں کی دیکھ بھال کرنے والے کے نہیں ہوتے بلکہ لائبریرین کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ مختلف مضامین کی کتابوں سے واقف ہو۔ اور جب اُس سے پوچھا جائے کہ فلاں فلاں مضمون پر کون کون سی کتابیں دیکھنی چاہئیں تو وہ فوراً اُن کتابوں کے نام بتا سکے اور پوچھنے والے کی راہ نمائی کر سکے کہ اسے کس کتاب سے کس قسم کی مدد مل سکتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ انجمن نے تیسرے آدمی کو نہیں رکھا تو یہ قابلِ تعجب بات ہے۔ تین آدمی بھی درحقیقت لائبریری میں کم ہیں۔ میری چھ ہزار کتاب قادیان سے آ چکی ہے اور حضرت خلیفہ اول کی ساڑھے چار ہزار کتاب آئی ہے اور حضرت خلیفہ اوّل کا اندازہ یہ تھا کہ آپ کے پاس ۲۰۔۳۰ ہزار کتاب موجود ہے۔ بہرحال چھ ہزار میری کتابیں اور ساڑھے چار ہزار وہ گویا گیارہ ہزار کتابیں ہوگئیں۔ گیارہ ہزار کتابوں کے لئے دو آدمی کسی طرح کافی نہیں۔ خصوصاً جب ان کو چپڑاسی بھی نہیں دیا گیا۔ اب بھی اگر تین آدمی ہوں گے اور چپڑاسی ملے گا تو ان کی تمام تر توجہ کتابوں کی عام نگرانی اور جلد بندی تک ہی

محدود رہے گی۔ لائبریری کی اصل غرض بہت وسیع ہے۔ ہماری جماعت کو چونکہ علمی چیزوں سے شغف کم ہے اس لئے وہ سمجھتے نہیں کہ لائبریرین کا کام کیا ہؤا کرتا ہے۔ میں دوستوں کو بتاتا ہوں کہ ایک کار آمد لائبریرین کے کیا فرائض ہونے چاہئیں۔

اوّل۔ لائبریری میں ہر فن کے جاننے والے آدمی ہونے چاہئیں۔ ان کا کام یہ ہو کہ وہ کتابیں پڑھتے رہیں اور ان کے خلاصے نکالتے رہیں اور ان خلاصوں کو ایک جگہ نتھی کرتے چلے جائیں۔ اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب لوگوں کو ان کتابوں کے حوالوں کی ضرورت ہوگی، وہ خلاصہ سے فوراً ضروری باتیں اخذ کرلیں گے۔ مثلاً ہماری جماعت کا یہ ایک معروف مسئلہ ہے کہ حضرت مسیح کشمیر گئے تھے۔ اب مسیح کے کشمیر جانے کا کچھ حصہ انجیلوں سے تعلق رکھتا ہے، کچھ انجیلوں کی تفسیروں میں بحث آئے گی کہ یہ جو لکھا ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سِوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا اس میں کھوئی ہوئی بھیڑوں سے بنی اسرائیل کے کون کون سے قبائل مراد ہیں اور مسیح ان کی تلاش کے لئے کہاں کہاں گئے۔ یا جو لکھا ہے کہ مسیح کُہر میں غائب ہوگیا اِس کے کیا معنے ہیں۔ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ اس میں مسیح کے سفر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض جو لوگ تفسیر کریں گے اُن کا ذہن اس طرف ضرور جائے گا کہ ان فقروں کا حل کیا ہے اور وہ اس پر بحث کریں گے۔ جس طرح ہمارے ہاں تفسیریں ہیں اِسی طرح عیسائیوں میں بھی سینکڑوں تفسیریں ہیں۔ اب جو لائبریرین مقرر ہوں گے، ان میں سے وہ جو عیسائی لٹریچر پر مقرر کیا جائے گا اُس کا کام یہ ہوگا کہ وہ زائد وقت میں تمام تفاسیر پر نظر ڈالتا چلا جائے اور ان کے انڈیکس تیار کرتا چلا جائے جس وقت ہم کو کسی تحقیق کی ضرورت ہوگی ہم انچارج کو بُلا کر کہیں گے کہ کتابوں پر نشان لگا کر لاؤ کہ مفسرین نے اس بارہ میں کہاں کہاں بحث کی ہے۔ پھر یہی مضمون تاریخوں میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد تاریخوں کے ماہر کو بلایا جائے گا اور اُسے کہا جائے گا کہ اس اس مضمون کے متعلق تاریخی کتابوں پر نشان لگا کر لاؤ اِس طرح کتاب لکھنے والا آسانی اور سہولت کے ساتھ کتاب لکھ لے گا۔ کتاب والے کا فن یہ ہوگا کہ وہ اپنی کتاب کے لئے چند اصول تجویز کرے اور پھر اپنے مضمون کو ترتیب دے اور اُسے ایسی عبارت میں لکھے جو مؤثر اور دلنشین ہو۔ گویا

لڑنے والا حصہ اور ہوگا اور گولہ بارود تیار کرنے والا حصہ اَور ہوگا۔ کیا تم نے کبھی کوئی سپاہی ایسا دیکھا ہے جسے لڑائی پر جانے کا حکم ملے تو وہ کارتوس بنانا شروع کر دے یا بندوق بنانا شروع کر دے۔ کیا کبھی تم نے دیکھا کہ کسی کو مدرّس مقرر کیا گیا ہو تو ساتھ ہی اسے یہ کہا گیا ہو کہ اب جغرافیہ پر ایسی کتاب لکھ دو جو پڑھانے کے کام آ سکے۔ ہمیشہ اصل کام والا حصہ الگ ہوتا ہے اور تعاونی حصہ الگ ہوتا ہے مگر ہمارے ہاں چونکہ اِس کا خیال نہیں رکھا جاتا، اس لئے ہمارا علم ترقی نہیں کرتا۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں میں جہاں بھی سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ دشمنوں کی سخت کلامی کے جواب میں استعمال کئے ہیں مگر کبھی ایسے لائبریرین نہیں رکھے گئے جو اس قسم کی قابلیت اپنے اندر رکھتے کہ مخالفوں کے تمام سخت الفاظ کو یکجا کر دیتے تاکہ اعتراض کرنے والوں کو ان کی اپنی کتابوں کے حوالوں سے جواب دیا جا سکتا۔ لائبریرین کا بس اتنا ہی کام ہوتا ہے کہ وہ لکھ دیتا ہے کہ فلاں فلاں کتاب کی جلد ٹوٹ گئی ہے اس کے لئے پندرہ روپے منظور کئے جائیں۔ فلاں کُرسی ٹوٹ گئی ہے اس کے لئے پانچ روپے منظور کئے جائیں۔ گویا پانچ کرسیوں، ایک میز اور چند الماریوں کی وہ حفاظت کرتا ہے اور کتابوں کو بھی ایسی حالت میں رکھتا ہے کہ نہ انہیں دھوپ لگائی جاتی ہے اور نہ ان کی صفائی کا کوئی انتظام ہوتا ہے۔

درحقیقت لائبریرین کے عُہدہ پر ایسے آدمی ہونے چاہئیں جو صَرف ونحو کا علم رکھتے ہوں، تاریخ جانتے ہوں، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تفسیرِ قرآن اور اصولِ تفسیر سے تعلق رکھنے والے تمام علوم سے آگاہ ہو اور جب مصنفین کو حوالجات وغیرہ کی ضرورت ہو تو وہ کتابیں نکال نکال کر ان کے سامنے رکھتے چلے جائیں۔ جیسے لڑنے کے لئے سپاہی جاتا ہے تو اسے وردی تم سِلا کر دیتے ہو، اسے گولہ بارود خود تیار کر کے دیتے ہو۔ اس کے بعد ہمیں ضرورت ہوگی کہ جرمن جاننے والے آدمی ہمارے پاس موجود ہوں، فرانسیسی جاننے والے ہمارے پاس موجود ہوں، انگریزی جاننے والے ہمارے پاس موجود ہوں، اِسی طرح عربی علوم کے جاننے والے لوگ موجود ہوں۔ کوئی تفسیر کا ماہر ہو، کوئی حدیث کا ماہر ہو، کوئی لغت کا ماہر ہو، اور ان کا کام یہی ہو کہ وہ رات دن ان کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیں اور ان کے خلاصے تیار کرتے رہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہوں جو سلسلہ کے خلاف دشمنوں کا شائع کردہ

لٹریچر ہی پڑھتے رہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوں جو وفاتِ مسیح وغیرہ کے متعلق نئے دلائل کی جستجو میں مشغول رہنے والے ہوں۔ اب تو اس مسئلہ پر کچھ لکھتے ہوئے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ یہ مضمون پامال ہو چکا ہے لیکن بعض دفعہ کوئی نیا نکتہ بھی ذہن میں آجاتا ہے۔ بعض دفعہ کوئی نیا اعتراض آجاتا ہے۔ جس کے متعلق انسان سمجھ لیتا ہے کہ اس کا حل ہونا ضروری ہے۔ یہ لائبریرین کا کام ہے کہ وہ بتائے کہ فلاں فلاں مسائل پر ہمارے علماء نے روشنی نہیں ڈالی یا ان کو ان کتابوں سے مدد مل سکتی ہے۔

گویا لائبریری ایک آرڈی ننس ڈپو یا سپلائی ڈپو ہے جو مبلّغین اور علمائے سلسلہ کی مدد کے لئے ضروری ہے۔ یہ کام بہت بڑا ہے میں جب حساب لگاتا ہوں تو میرا اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ہمارے پاس ایک لاکھ کتاب ہو تو ہمارے پاس پچاس آدمی ماہر لائبریرین ہونا چاہئے۔ جن میں سے کچھ نئی کتابوں کے پڑھنے میں لگا رہے۔ کچھ پرانی کتابوں کے خلاصے تیار کرنے میں لگا رہے، کچھ ایسے ہوں جو طلباء کے لئے نئی نئی کتابوں کے ضروری مضامین الگ کرتے چلے جائیں تاکہ وہ تھوڑے سے وقت میں ان پر نظر ڈال کر اپنے علم کو بڑھا سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طالب علموں کو جو سکولوں اور کالجوں میں کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اُن سے دُنیا میں وہ کوئی مفید کام نہیں کر سکتے کیونکہ وہ صرف ابتدائی کتابیں ہوتی ہیں مگر پھر بھی کسی کالج اور سکول سے امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ہر طالب علم کو لاکھ لاکھ دو دو لاکھ کتاب پڑھا دے۔ یہ لائبریرین کا کام ہوتا ہے کہ وہ ایسے خلاصے نکال کر رکھیں کہ جن پر طلباء کا نظر ڈالنا ضروری ہو اور جن سے تھوڑے وقت میں ہی وہ زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہوں۔ ہمیں تو حضرت خلیفہ اوّل نے اس طرح علم کی چاٹ لگائی کہ ایک کتاب کے چار پانچ نسخے منگوا لینا اور فرمانا میاں! یہ کتاب بڑی اچھی ہے ضرور لو اور مطالعہ کرو۔ چنانچہ اسی ابتدائی زمانہ میں تیس چالیس اچھی اچھی کتابیں میرے پاس جمع ہوگئی تھیں۔ ان میں سے بعض تو حضرت خلیفہ اوّل نے مجھے تحفہ کے طور پر دی تھیں اور بعض میں نے خود خریدی تھیں اِس طرح میرا علم بڑھتا چلا جاتا تھا مگر اب یہ حالت ہے کہ مولوی شاید اپنے آپ کو بدقسمت سمجھے گا اگر وہ کوئی کتاب خرید لے حالانکہ کتاب ہی سب سے زیادہ اُس کے کام آنے والی چیز ہوتی ہے۔

مجھے خوب یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا کی ہر چیز مولوی خرید لے گا

مگر وہی چیز جس سے اس کی ترقی وابستہ ہے نہیں خریدے گا۔ یعنی کتاب خریدنے کے لئے وہ کبھی تیار نہیں ہوگا۔ اس کا یہی جی چاہے گا کہ کوئی مجھے تحفہ کے طور پر دے دے حالانکہ یہ وہ چیز ہے جو اس کے کپڑے سے زیادہ، اس کے کھانے سے زیادہ، اس کے پینے سے زیادہ، بلکہ اس کے بیوی بچوں کی ضروریات سے بھی زیادہ اہمیت رکھنے والی ہے۔

ہر شخص کی لائبریری ہونی چاہئے

میں پچیس سال کی عمر میں خلیفہ ہوا تھا۔ میرے بچے اب ستائیس ستائیس سال کے ہیں لیکن ستائیس سال کی عمر میں ان کے پاس اتنی کتابیں نہیں جتنی کتابیں بیس سال کی عمر میں میرے پاس موجود تھیں اس چھوٹی سی عمر میں پندرہ بیس کتابیں کئی کئی جلدوں کی میرے پاس موجود تھیں مگر اب میرے لڑکوں کو اس کا شوق نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پڑھانے والوں نے انہیں اس طرف کبھی توجہ نہیں دلائی۔ ایک لائبریری مرکزی ہوتی ہے مگر ایک لائبریری وہ ہے جو ہر شخص کے گھر میں ہونی چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پچیس تیس کتابیں ایسی ہیں جو ہر مولوی کے پاس ہونی چاہئیں۔ بلکہ اب موجودہ علوم کے لحاظ سے ایک سَو کتابیں ایسی ہیں کہ چاہے انسان فاقہ کرے، ننگا رہے وہ کتابیں اس کے پاس ضرور ہونی چاہئیں لیکن اگر سَو نہیں تو کم از کم پچاس ساٹھ کتابیں تو ضرور ہونی چاہئیں مگر یہ تحریک تبھی کامیاب ہوسکتی ہے جب مرکز کو کتابوں کی خواہش ہو۔ جب مرکز کا یہ حال ہو کہ اسے لائبریری کے لئے اتنا بھی خرچ کرنے کی توفیق نہ ملے جتنا وہ ایک چپڑاسی کے لئے خرچ کرتا رہا ہے تو اور لوگوں کے دلوں میں کہاں شوق پیدا ہوسکتا ہے۔ پس میرے نزدیک اس مد کو الگ مستقل طور پر رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ لائبریری کو ہم صحیح معنوں میں قائم کرسکیں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ اَور لائبریریاں نہیں رہیں گی سکول کی لائبریری بھی رہے گی، کالج کی لائبریری بھی رہے گی، جامعہ کی لائبریری بھی رہے گی، ریسرچ کی لائبریری بھی رہے گی مگر وہ مختصر لائبریریاں ہوں گی زیادہ اہم کتابیں مرکزی لائبریری میں جمع کی جائیں گی۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہاماً یہ کہا گیا ہے کہ

"ہے کرشن رودّر گوپال تیری مہما گیتا میں بھی لکھی گئی ہے"[1]

اور اسے ہم فخر کے طور پر بیان کیا کرتے ہیں لیکن ہم اِس طرف کبھی توجہ نہیں کرتے کہ

اِس زبان کو سیکھیں جس میں یہ پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں اور اُن کتابوں کو پڑھیں جنہیں آپ کی صداقت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اِس غرض کے لئے سب سے اہم چیز وید ہیں، پھر ویدوں کی تشریحات ہیں، اِسی طرح پُران ہیں اور پھر پُرانوں کی تشریحات ہیں، گیتا اور اُس کی تفسیر ہے، یہ تمام کتابیں ہندو فلسفہ پر مشتمل ہیں اور ہمارے پاس اِن کا موجود ہونا ضروری ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ہماری لائبریری میں ایسی کتابیں بہت ہی کم ہوں گی۔ ہمارے مبلّغ جو ہندوؤں اور سکھوں میں کام کرتے ہیں، ان کو کتابوں کا شوق ہے۔ معلوم نہیں کہ شوق ان کے دلوں میں کس طرح پیدا ہوا۔ چنانچہ مہاشہ فضل حسین صاحب کے پاس بڑا کافی لٹریچر موجود ہے۔ مہاشہ محمد عمر صاحب کے پاس بھی کئی کتابیں ہیں، گیانی عباد اللہ صاحب اور گیانی واحد حسین صاحب کے پاس بھی کتابیں ہیں مگر مولویوں کو اِس کا کوئی شوق نہیں۔ میرے خیال میں اگر ان چاروں کی کتابیں جمع کی جائیں تو اتنی کتابیں سَو مولوی کے پاس بھی نہیں نکلیں گی بلکہ شاید ان سے آدھی بھی نہیں ملیں گی۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر رودّر گوپال کہا گیا تھا تو اس کے کوئی معنے تھے اور وہ معنی یہی تھے کہ ہندو قوم کو تبلیغ کی جائے مگر جن لوگوں کو نہ ہندو قوم کے خیالات کا پتہ ہے نہ ان کی زبان کا علم ہے انہوں نے تبلیغ کیا کرنی ہے۔ پس ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والی تمام کتابیں ہمارے پاس ہونی چاہیں اور وہ ہزاروں ہزار ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کم سے کم دس بارہ ہزار کتاب ضرور ہوگی مگر یہ تو ایک لمبی خواب ہے سرِ دست ہم نے دس ہزار کے خرچ سے اس کام کو شروع کر دیا ہے۔ پھر کسی سال پندرہ ہزار اور کسی سال بیس ہزار روپیہ بھی اس غرض کے لئے رکھا جا سکتا ہے۔ اور پھر اَور اَور اسے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اِسی طرح عیسائی لٹریچر ہمارے پاس قطعی طور پر ہے ہی نہیں۔ ایک کتاب انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا کے خریدنے پر ہی نو سَو روپیہ خرچ ہو گیا۔ باقی کتابوں کی میں نے ولایت سے لِسٹیں منگوائی ہیں اور میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نے لنڈن میں چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کو لکھا کہ اِس اِس قسم کی کتابوں کی فہرستیں مجھے بھجوائی جائیں۔ پہلے تو وہ گھبرائے مگر پھر اُنہوں نے اِدھر اُدھر ہاتھ مارے۔ آخر جوئندہ یابندہ اُنہوں نے نہایت اعلیٰ درجہ کی دو لِسٹیں تلاش کر کے مجھے بھجوائیں جن میں کئی ہزار کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔ میں ان فہرستوں پر نشان لگا رہا ہوں لیکن اگر ہم وہی کتابیں منگوانا چاہیں

جن پر میں نے نشان لگایا ہے تو انہی پر ستّر اسّی ہزار روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ اِس کا طریق یہی ہے کہ کچھ اس سال کتابیں منگوائی جائیں اور کچھ اگلے سال۔ پھر اسلامی لٹریچر پر کئی قسم کی کتابیں نکل رہی ہیں۔ کچھ مصر والے شائع کر رہے ہیں، کچھ شام والے شائع کر رہے ہیں، کچھ یورپ والے شائع کر رہے ہیں۔ جب تک وہ کتابیں بھی ہمارے پاس موجود نہ ہوں ہم اپنے علم کے لحاظ سے اپ ٹو ڈیٹ (UP TO DATE) نہیں سمجھے جاسکتے۔ یورپ والے بعض دفعہ فخریہ طور پر ان کتابوں کے حوالے دیتے ہیں اور بعض دفعہ زبانی گفتگو میں بھی پوچھ بیٹھتے ہیں کہ فلاں کتاب آپ نے پڑھی ہے یا نہیں؟ اور اگر انہیں یہ کہا جائے کہ ہمیں تو اِس کتاب کا علم ہی نہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ اس شخص کو علمی شوق نہیں ہے۔ غرض یہ کام نہایت اہم ہے اس کے بغیر ہماری جماعت کی علمی ترقی نہیں ہوسکتی۔ مرکزی لائبریری یعنی حضرت خلیفہ اول کی لائبریری بھی اِسی میں شامل ہو جائے گی۔ اور پھر میری کتابیں بھی آخر آپ لوگوں کے ہی کام آنی ہیں۔ اس طرح پانچ سات سال میں اِس قدر کتابیں جمع کر لی جائیں کہ ہر قسم کے علوم ہمارے پاس محفوظ ہو جائیں۔

میں تو سمجھ ہی نہیں سکتا کہ کیوں ہمارے علماء اپنی ذہنی وسعت کے لئے کوشش نہیں کرتے اور کتابیں تو الگ رہیں مَیں تو جادو کی کتاب ہاتھ آ جائے اُسے بھی نہیں چھوڑتا۔ ہتھکنڈوں کی کتاب مل جائے اُسے بھی پڑھ جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر علم والے سے بات کر لیتا ہوں اگر اَور لوگ بھی اِسی رنگ میں کوشش کریں تو وہ بھی اپنے علم کو بہت بڑھا سکتے ہیں۔ مجھے ایسی مشق ہے کہ میں کتاب کو پڑھتے ہی صحیح اور غلط بات کا فوراً پتہ لگا لیتا ہوں اور اِس طرح تھوڑے سے وقت میں مَیں کتاب کا بہت بڑا حصہ پڑھ لیتا ہوں۔ حضرت خلیفہ اول کو بھی ایسی ہی مشق تھی۔ ہم آپ کو بچپن میں پڑھتے دیکھتے تو حیران ہوا کرتے تھے۔ آپ کا طریق یہ تھا کہ کتاب اُٹھائی اس کے ایک صفحہ پر جستہ جستہ نظر ڈالی اور جھٹ اُلٹ کر دوسرے صفحہ پر جا پہنچے۔ بس چند سیکنڈ میں ہی اُس پر نظر ڈالی کہ آگے جا پہنچے اور ہم حیران ہوتے تھے کہ آپ اتنی جلدی کس طرح پڑھ لیتے ہیں مگر بڑے ہو کر خود مشق ہوئی تو معلوم ہوا کہ کثرتِ مطالعہ کے نتیجہ میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کتاب پر ایک نظر ڈالتے ہی پتہ لگا لیتا ہے کہ یہ میرے کام کی چیز ہے یا نہیں اور

اس طرح دو چار گھنٹہ میں بڑی بھاری کتاب بھی ختم ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک ایک آدمی نہایت آسانی کے ساتھ اگر وہ مطالعہ کے ساتھ دلچسپی رکھتا ہو تو آٹھ نو سَو کتاب بھی ایک سال میں سرسری طور پر پڑھ سکتا ہے اور پچاس، سَو کتاب تو عام لوگ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مَیں نے ایک لاکھ کتابوں کے لئے پچاس آدمیوں کا اندازہ لگایا تھا جس کے معنے یہ ہیں کہ دو ہزار کتاب ساری ملازمت میں ایک آدمی کے حصے میں آتی ہے اگر وہ ہر سال پچاس کتاب پڑھے اور پھر ان کے انڈیکس تیار کرے، ان کے مضامین کے خلاصہ جات تیار کرے تو چند سال میں ہی ہمارے پاس تمام کتب کے اس طرح انڈیکس تیا ہو جائیں گے اور تمام علوم کے اس طرح خلاصے تیار ہو جائیں گے کہ عیسائیوں کی طرف سے حملہ ہو، ہندوؤں کی طرف سے حملہ ہو، دہریوں کی طرف سے حملہ ہو، ہم فوراً اُن کا جواب دے سکیں گے اور اُن کے حملہ کا دفاع کر سکیں گے۔

بہرحال ایک تو خلافت کی مہمان نوازی کا خرچ اُڑا دو ہاں امداد مستحقین کا خرچ رہنے دو۔ اِسی طرح موٹر کا بجٹ پرائیویٹ سیکرٹری کے ماتحت رکھ دو اور قیمت موٹر کے علاوہ ماہوار اخراجات کے لئے مناسب رقم تجویز کر دو۔ نیز لائبریری کے متعلق علاوہ عملہ کے دس ہزار روپیہ رکھا جائے۔ مجھے تو ذاتی طور پر کتابوں کا شوق ہے، تم نہ خریدو گے تو میں تو ضرور خریدوں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ خلافت لائبریری بھی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو اور اِسی غرض کے لئے میں نے اس کی ضرورت کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔

بیرونی ممالک میں تعمیر مساجد کی اہمیت

تیسرا مسئلہ بیرونی ممالک میں مساجد کی تعمیر کا ہے۔ یہ بھی ایک اہم ترین امر ہے اور اِسے باقاعدہ طور پر ہمیں اپنے بجٹ میں مدنظر رکھنا چاہئے۔ اِس وقت بعض اسلامی ممالک میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں اور ہمارے دوست ان سے فائدہ بھی اُٹھا رہے ہیں لیکن یورپین ممالک میں تو مسجد کے بغیر ہمارا گزارہ ہی نہیں ہوسکتا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد اُن کی نگاہ میں ایسی عجیب چیز ہوتی ہے کہ جیسے گاؤں میں سینما یا تھیٹر چلا جائے تو لوگ اُس کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اِسی طرح یورپین لوگوں نے مسجد کا ذکر صرف سُنا ہوتا ہے مسجد اُنہوں نے دیکھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب اُنہیں کسی مسجد کا پتہ لگتا ہے تو وہ بڑے شوق سے

عجوبہ کے طور پر اُسے دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ انگلستان میں چونکہ ہماری مسجد کئی سال سے قائم ہے، اس لئے ہر سال مختلف مقامات سے لوگ وہاں آتے رہتے ہیں اور ان کے آنے کی غرض محض یہ ہوتی ہے کہ ہم مسجد دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ آتے ہیں تو ہمارے مبلّغوں کو بھی تبلیغ کا موقع مل جاتا ہے اور انہیں لٹریچر وغیرہ دیا جاتا ہے۔ پس یورپین ممالک میں مسجد تبلیغ کا ایک ضروری حصہ ہے مگر اب تک مساجد کی تعمیر بھی کسی پروگرام کے ماتحت نہیں۔ مثلاً ہم نے لنڈن میں مسجد کی تحریک کی اور مردوں نے اس کے لئے چندہ دیا۔ دوسری طرف برلن مسجد کے لئے عورتوں میں تحریک کی گئی اور ان کے چندہ سے زمین بھی خریدی گئی مگر حکومت کی طرف سے ایسی شرطیں عائد کر دی گئیں کہ ہم یہ مسجد نہ بنا سکے اور وہی روپیہ ہم نے لنڈن مسجد میں لگا دیا۔ مسجد خدا تعالیٰ کے فضل سے بن گئی اور کچھ روپیہ بچ بھی گیا۔ چنانچہ اُس وقت سے ہمارا قریباً ایک ہزار پونڈ بنک میں محفوظ پڑا تھا۔ اب مسجد کی مرمت کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی کیونکہ اس کی چھت وغیرہ ٹوٹ گئی تھی۔ مجھ سے پوچھا گیا تو میں نے لکھا کہ روپیہ موجود ہے وہ روپیہ لو اور مسجد کی مرمت کے لئے خرچ کرلو۔ اگر اس روپیہ کو پہلے ہی خرچ کر لیا جاتا تو اب دقّت پیش آتی۔ اس کے بعد مسجد ہالینڈ کا سوال پیدا ہوا اور زمین خریدی گئی۔ اس مد میں پچاس ہزار روپیہ کی آمد ہوئی تھی جس میں سے ۳۲ ہزار کی زمین خریدی گئی۔ اب مسجد اور مکان پر ساٹھ سے ستّر ہزار روپیہ کے خرچ کا اندازہ ہے اور ہمارے پاس ۱۸، ۱۹ ہزار روپیہ ہے۔ گویا ۵۰ ہزار روپیہ کی ابھی ہمیں اور ضرورت ہے۔ مشکل یہ ہے کہ جس شخص سے زمین لی گئی ہے اُس سے یہ شرط کی گئی تھی کہ یہ زمین محض مسجد کے لئے استعمال کی جائے گی۔ اگر اس میں زیادہ دیر ہو جائے تو وہ بھی قانون کے مطابق کسی وقت دعویٰ کر کے زمین واپس لے سکتا ہے۔

واشنگٹن کی مسجد کے لئے ڈیڑھ لاکھ کی تحریک کی گئی تھی جس میں جماعت نے صرف ۳۷ ہزار روپیہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھیاسی ہزار روپیہ تحریک کی مختلف مدات سے ہمیں قرض لینا پڑا اور اب اِس بوجھ کو اُتارنے کے لئے ہمیں روپیہ کی ضرورت ہے۔ پس مساجد کے متعلق ہماری جماعت کو ایک معیّن پالیسی طے کرنی چاہئے۔ لنڈن میں مسجد بن چکی ہے۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں مکان خریدا جا چکا ہے مگر مسجد ابھی نہیں بنی۔ اسی طرح ہالینڈ،

جرمنی، اٹلی، سپین اور فرانس یہ چھ ممالک ہیں جن میں اگر ہماری مسجدیں بن جائیں تو تبلیغ کا بڑا بھاری ذریعہ ثابت ہوسکتی ہیں۔ اگر ان مساجد پر سات لاکھ روپیہ کے خرچ کا بھی اندازہ ہو اور ہم اپنے بجٹ میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ تعمیر مساجد کے لئے رکھیں تو سات سال میں اور اگر پچاس ہزار روپیہ رکھیں تو چودہ سال میں اِس رقم کو پورا کر سکتے ہیں مگر بہرحال کچھ تو ہونا چاہئے تا کہ ہم اپنے تبلیغ کے کام کو وسیع کر سکیں اور لوگوں کے جمع ہونے کا امکان ہو۔

منصوبہ بندی کی ضرورت

ایک اور امر جس کی طرف میں جماعت کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے کاموں میں منصوبہ بندی نہیں اور یہ ایک خطرناک نقص ہے جس کو جلد سے جلد دور کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے کام اِس وقت تک ہنگامی طور پر چلتے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ ہی جو کام نئے ہوتے ہیں وہ شروع میں ہنگامی طور پر ہی چلا کرتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اول ہمیشہ ہی اس سوال کے جواب میں کہ خلافت تو انتخابی چیز ہے پھر ابوبکرؓ کو کس نے خلیفہ بنایا تھا؟ فرمایا کرتے تھے کہ وہ ایک ہنگامی وقت تھا۔ جس شکل میں بھی اُنہوں نے چُنا چُن لیا۔ تو شروع میں ہمیشہ ہنگامی کام ہؤا کرتے ہیں لیکن آخر میں وہ کسی قانون کے ماتحت آجاتے ہیں اور اگر نہ آئیں تو ان میں بے ترتیبی اور بے اصولا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

میں اِس بارہ میں پچھلے سال سے خطبات دے رہا ہوں مگر میں دیکھتا ہوں کہ نہ جماعت کو اِس طرف توجہ ہے اور نہ اُن کارکنوں کو جو وکالتوں یا نظارتوں میں کام کرتے ہیں اِس طرف توجہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمارے کام بجائے ہنگامی طور پر چلنے کے منصوبہ بندی کے ماتحت ہونے چاہئیں مگر میرے بار بار توجہ دلانے کے باوجود کسی منصوبہ بندی کے ماتحت کام نہیں ہو رہے بلکہ بعض محکموں میں تو کام ہو ہی نہیں رہا۔ میں تو ناظروں اور وکیلوں کو پوسٹ ماسٹر سمجھا کرتا ہوں اور کہا کرتا ہوں کہ تمہارا کام اتنا ہی ہے کہ تمہارے پاس چِٹھّیاں آئیں اور تم اُن کا جواب دے دو۔ نظارت علیاء کو ہی لے لو سوائے پوسٹ آفس کے اِس محکمہ میں کوئی کام نہیں۔ نہ نظارتوں کے کام کا معائنہ ہے، نہ ان کے متعلق کوئی رپورٹ ہے، نہ منصوبہ بندی کے لئے اس کی نگرانی میں کوئی مجالس ہوتی ہیں حالانکہ ہم جو

دعویٰ کرتے ہیں وہ کسی چھوٹے سے کام کا نہیں کرتے بلکہ ساری دُنیا میں اسلام کے پھیلانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس تفصیلی طور سکیمیں تیار ہونی چاہئیں۔ اگر ہم پورے طور پر منصوبہ بندی کر لیں اور پھر اس سکیم پر ہم آج عمل نہیں کرتے بلکہ کل عمل کرتے ہیں تو یہ ٹھیک ہوگا لیکن اگر ہمیں پتہ ہی نہ ہو کہ ہم نے کیا کرنا ہے اور ہم خاموش بیٹھے رہیں تو یہ امر ہماری جہالت اور بے توجہی پر دلالت کرے گا۔ میرے نزدیک اب ہم ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں اور ایسی قوموں تک پہنچ چکے ہیں کہ اب ہمارے کاموں میں منصوبہ بندی کا ہونا ایک ضروری امر ہے۔ امریکہ, انگلینڈ، فرانس اور سوئٹزر لینڈ والے سمجھ ہی نہیں سکتے کہ کوئی قوم بغیر کسی پروگرام اور منصوبہ بندی کے کسی کام کے لئے کھڑی ہی کس طرح ہوسکتی ہے۔ چاہے دس سال کا پروگرام ہو یا پانچ سال کا بہرحال کچھ نہ کچھ پروگرام تو ضرور ہونا چاہئے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے امریکہ فتح کرنا ہے تو وہ سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرنے والا یا تو کوئی بڑا اعقلمند ہے اور یا کوئی بڑا پاگل ہے کیونکہ بڑی سکیم یا تو کوئی بڑا اعقلمند بنایا کرتا ہے اور یا پھر بڑا پاگل بنایا کرتا ہے۔ جیسے لطیفہ مشہور ہے کہ کسی شخص کو اُس کے آقا نے پانچ روپے انعام کے طور پر دیئے۔ اس نے برتن خرید لئے اور اندازے لگانے شروع کر دیئے کہ یہ پانچ روپوں کے برتن اِتنی قیمت پر بیچوں گا اور اِس طرح پانچ روپے آٹھ بن جائیں گے۔ پھر آٹھ روپے کے اَور برتن لوں گا اور فروخت کروں گا اِس طرح بارہ روپے بن جائیں گے۔ بارہ سے چوبیس اور چوبیس سے اڑتالیس بن جائیں گے اور پھر برتنوں کی تجارت اَور زیادہ وسیع کروں گا۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ایک دن لکھ پتی ہو جاؤں گا اور وزیر مجھ سے درخواست کرے گا کہ میری بیٹی سے شادی کر لو۔ میں پہلے تو نخرے کروں گا مگر آخر مان جاؤں گا اور اُسے گھر میں لے آؤں گا مگر جب بیوی گھر میں آئے گی تو میں اُسے پوچھوں گا نہیں۔ تین چار دن کے بعد اُس کی ماں اُسے کہے گی کہ تُو جا اور اپنے خاوند سے معافی مانگ، شاید وہ کسی بات پر ناراض ہوگیا ہو۔ چنانچہ وہ آئے گی اور کہے گی میرے آقا! میں آپ کی خادمہ ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے کہ آپ مجھ سے بولتے ہی نہیں۔ میں پیر اُٹھا کر

اُسے یوں ماروں گا کہ جا دفعہ ہو جا۔ اِدھر اس نے یہ سوچا اور اُدھر واقعہ میں زور سے پیر مارا جس سے اس کے تمام برتن ٹوٹ گئے۔ تو بڑی نیت یا بڑا اعقلمند کیا کرتا ہے یا بڑا پاگل کیا کرتا ہے۔ اس نے بھی سکیم تو بڑی اچھی بنائی تھی اور وہ وزیر کا داماد بلکہ آئندہ بادشاہ بھی بن جاتا بشرطیکہ اُس کے برتن نہ ٹوٹتے۔ تو بڑے ارادے یا احمق کیا کرتا ہے یا بڑا اعقلمند کیا کرتا ہے۔ ایک امریکن جب ہمارے مبلّغ سے سنتا ہے کہ ہم نے امریکہ فتح کرنا ہے تو وہ یکدم حیران ہو جاتا ہے اور کہتا ہے اچھا! اتنے بڑے بڑے ارادے ہیں۔ پھر وہ پوچھتا ہے کہ بتائیے آپ کام کس طرح کرتے ہیں وہ کہتا ہے بس اسی طرح کام کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرے پاس آجاتا ہے تو میں اُسے تبلیغ کر دیتا ہوں، اگر کوئی سوال دریافت کرتا ہے تو میں اُس کا جواب دے دیتا ہوں۔ وہ طنزاً کہتا ہے بس میں سمجھ گیا کہ آپ امریکہ کس طرح فتح کریں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ کوئی سکھ کہیں بیٹھا ہؤا تھا اور اس کی ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال اس طرح بڑھے ہوئے تھے کہ سارا منہ چُھپا ہؤا تھا۔ ایک شخص قریب آیا اور کافی دیر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بالوں میں اپنی اُنگلی ڈالی یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کا منہ بھی ہے یا نہیں۔ جب اس نے منہ میں انگلی ڈالی تو سکھ سے برداشت نہ ہو سکا اور اُسے گالیاں دینے لگا۔ اس نے کہا سردار صاحب! غصہ نہ کیجئے۔ بس یہی دیکھنا تھا کہ آپ کا منہ بھی ہے یا نہیں۔ وہ بھی جب یہ جواب سنتا ہے تو کہتا ہے بس پتہ لگ گیا کہ آپ امریکہ کو کس طرح فتح کریں گے۔ تو جب بھی کوئی بڑی نیت کی جائے اس کے لئے کوئی بڑی سکیم بھی بنانی چاہئے۔ ورنہ لوگ یہی کہیں گے کہ یہ لوگ پاگل ہیں۔ مثلاً اگر یہی سکیم کسی کے سامنے رکھ دی جائے کہ اس وقت ہمارے چار مبلّغ امریکہ کے چار بڑے بڑے شہروں میں ہیں اور وہاں مثلاً ۲ ہزار یونیورسٹی ہے۔ تین تین ماہ ہم میں سے ہر شخص اِن یونیورسٹیوں میں لیکچر دے گا اور اِس طرح ایک سال میں ۳۶۰ یونیورسٹیوں کو ہم اپنے خیالات سے روشناس کرا دیں گے پھر اگلے سال اور ۳۶۰ یونیورسٹیوں کو روشناس کریں گے یہاں تک کہ تین چار سال میں امریکہ کا تمام علمی طبقہ ہمارے خیالات سے واقف ہو جائے گا۔ پھر فلاں فلاں سیاسی اور مذہبی سوالات ہیں جن کا امریکن دماغ پر گہرا اثر ہے ہم ہر ماہ

دس یا پندرہ مضامین ان مسائل کے متعلق شائع کرائیں گے اور اس طرح ۱۲۰ یا ۱۲۵ آرٹیکل مختلف اخبارات میں شائع کروائیں گے۔ یا ہم نے فلاں مشنری کالج کھولا ہے اور اس میں نَومسلموں کو داخل کر دیتے ہیں۔ جب وہ اسلامی تعلیم سے واقف ہو جاتے ہیں تو انہیں اپنے اپنے حلقوں میں کام کے لئے بھجوا دیا جاتا ہے۔ اگر اس طرح کسی معیّن سکیم کے مطابق جواب دیا جائے تو دوسرا بھی سمجھ جاتا ہے کہ یہ لوگ کسی مقصد کے ماتحت کام کر رہے ہیں ورنہ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ پاگل لوگ ہیں جو بغیر کسی سکیم کے کام کرنے کے لئے آ گئے ہیں۔

پھر ہر ملک کی تبلیغ کے الگ الگ طریق اور الگ الگ ذرائع ہیں۔ جب تک ان ذرائع سے کام نہ لیا جائے اُس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی۔ میں نے دیکھا ہے جہاں بھی ہمارے مبلّغوں نے ہوشیاری کے ساتھ کام کیا ہے ان کی کوششوں کے نہایت شاندار نتائج نکلے ہیں۔ مثلاً انڈونیشیا میں ہی جماعت کے افراد میں خاص طور پر بیداری کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس سال ان کی طرف سے عام چندوں کا بجٹ ایک لاکھ اسّی ہزار روپیہ کا آ چکا ہے اور اب اُنہوں نے اطلاع دی ہے کہ تحریک جدید کے وعدے اسی ہزار کے ہو چکے ہیں۔ گویا ۲ لاکھ ۶۰ ہزار تک ان کا بجٹ پہنچ چکا ہے۔ ویسٹ افریقہ کے تینوں ممالک کے چندے بھی سال میں پونے دو لاکھ روپے کے قریب ہوئے ہیں۔

انڈونیشیا میں احمدیت کا آغاز

انڈونیشیا کی تبلیغ بھی ابتداء میں اتفاقی طور پر شروع ہوئی ہے۔ اس ملک کے چار پانچ طالب علم لاہور میں آئے اور اُنہوں نے مولوی محمد علی صاحب کے پاس پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ تعلیم سے بالکل اُچاٹ ہو گئے اور میرے پاس آئے۔ کہنے لگے ہم تعلیم کے لئے آئے تھے مگر ہمارا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ میں نے کہا کیا اُنہوں نے آپ لوگوں کے لئے کوئی مدرّس نہیں رکھا تھا؟ کہنے لگے مدرّس تو رکھا تھا۔ میں نے کہا تو کھانے کے لئے نہیں دیتے تھے؟ کہنے لگے کھانے کے لئے بھی دیتے تھے۔ میں نے کہا تو پھر تمہیں اور کیا چاہئے تھا؟ تمہیں سب کچھ مل رہا تھا اگر اس کے باوجود تم تعلیم حاصل نہیں کر سکے تو معلوم ہوتا ہے کوئی اور نقص تھا۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ میں تمہاری تعلیم کا تو انتظام کر سکتا ہوں مگر ایک شرط ہوگی اور وہ یہ کہ چھ مہینے تک تم نے کوئی دینی تعلیم نہیں سیکھنی تم صرف اردو پڑھو

اور سمجھو۔ اُنہوں نے کہا ہم تو جلدی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا میں تو اِسی طرح پڑھا سکتا ہوں اگر پڑھنا نہیں چاہتے تو اِسی طرح واپس چلے جاؤ۔ پھر میں نے اُن سے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ علم ہمیشہ کان کے ذریعہ آتا ہے اور جب تم ہماری باتوں کو سمجھتے ہی نہیں تو تم ہم سے سیکھو گے کیا؟ پس اگر تم کچھ سیکھنا چاہتے ہو تو میری شرط یہ ہے کہ پہلے چھ مہینے تک اردو پڑھو۔ چنانچہ اُن کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور اُنہوں نے پہلے اردو سیکھی اور پھر دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ چنانچہ انہی لڑکوں میں سے ایک مولوی فاضل ہے اور ہالینڈ میں ہمارا مبلّغ ہے۔ اس کے بعد اَور لڑکے آئے اور اُنہوں نے تعلیم حاصل کی اور اس طرح انڈونیشیا میں ہماری تبلیغ کا آغاز ہو گیا۔ تو ہر کام ایک سکیم کا متقاضی ہوتا ہے۔ جب تک کوئی معیّن سکیم سامنے نہ ہو اس وقت تک انسان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ میں نے مختلف نظارتیں اس غرض کے ماتحت قائم کی تھیں کہ وہ ایک پروگرام کے مطابق جماعت کی ترقی میں حصہ لیں مگر جہاں تک ان کے کام کا تعلق ہے اُنہوں نے کچھ بھی نہیں کیا اور نہ جماعت نے کبھی ان سے دریافت کیا ہے کہ تمہیں قائم کس غرض کے لئے کیا گیا تھا اور تم نے وہ کام کیوں نہیں کیا۔

امورِ عامہ کے فرائض

مثلاً امورِ عامہ کو لے لو۔ امورِ عامہ والوں نے کبھی بھی لوگوں کو نہیں بتایا کہ اس محکمہ کو کیوں قائم کیا گیا تھا اور نہ جماعت نے کبھی محاسبہ کیا کہ یہ محکمہ کیا کام کر رہا ہے۔ امورِ عامہ کا کام محض اِس وقت پوسٹ آفس کا ہے۔ چِٹّھیاں آتی ہیں اور ان کا جواب چلا جاتا ہے۔ صرف دو کام ایسے ہیں جو امورِ عامہ اس وقت کر رہا ہے۔ ایک تنفیذ کا کام اور دوسرے رشتہ ناطہ کا کام مگر یہ دونوں کام کرنے والے محض کلرک ہیں، نہ ناظر کا ان سے کوئی تعلق ہے اور نہ نائب ناظر کا۔ اگر ان عُہدوں کو اُڑا بھی دیا جائے تو کام اسی طرح چلتا چلا جائے جس طرح اب چل رہا ہے۔ حالانکہ امورِ عامہ کے سپرد جو کام کئے گئے تھے وہ یہ تھے۔

اوّل۔ جماعت کی تنظیم۔ مگر کیا امورِ عامہ والے بتا سکتے ہیں کہ جماعت کی تنظیم کے لئے پچھلے ۳۳ سال میں اُنہوں نے کچھ بھی کام کیا ہے؟

دوم۔ نوجوانوں کو کام پر لگانا۔ یہ کام بھی امورِ عامہ نے کبھی نہیں کیا۔ اتفاقی حادثہ کے طور پر

کچھ نوجوان کام پر لگ گئے ہوں تو اور بات ہے ورنہ دفتر نے یہ کبھی کوشش نہیں کی کہ منظّم طریق پر نوجوانوں کو مختلف کاموں پر لگائے اور اُنہیں سلسلہ کے لئے مفید وجود بنائے۔

سوم۔ ناظر تعلیم اور افسرانِ تعلیم سے مل کر نوجوانوں کو مختلف شعبوں کے لئے تیار کرنا یہ کام بھی امور عامہ نے کبھی نہیں کیا۔

چہارم۔ تمام ہنگامی کاموں کی نگرانی کرنا۔ یہ کام صرف میرے ہاتھوں سے ہو رہا ہے۔ امور عامہ نے اس بارہ میں بھی اپنے فرض کو کبھی نہیں پہچانا۔

پنجم۔ دشمنانِ سلسلہ کا سیاسی مقابلہ۔ یہ کام بھی امور عامہ نے کبھی نہیں کیا۔

ششم۔ جماعت کی اقتصادی ترقی کے لئے سکیمیں بنانا۔ اس بارہ میں بھی ہر محکمہ اپنے فرائض سے سراسر غافل ہے۔

ہفتم۔ رشتوں ناطوں کا انتظام۔

ہشتم۔ تنفیذ

یہ آخری دو کام ایسے ہیں جو کسی قدر ہو رہے ہیں مگر وہ بھی کلرکوں کی وجہ سے، ناظر اور نائب ناظر کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

نہم۔ اخلاق سے گرنے والے عنصر کی نگرانی یا اخراج وغیرہ۔ یہ کام صرف اس حد تک ہوتا ہے کہ جماعتوں کی طرف سے جب اطلاعات آجاتی ہیں تو امور عامہ مناسب کارروائی کے لئے چند چٹھیاں لکھ دیتا ہے ورنہ کوئی خاص پروگرام اس کے مدنظر نہیں، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ اِس محکمہ کا پروگرام زیادہ سے زیادہ تفصیلی ہوتا۔

غرض وہ کام جو امور عامہ کے سپرد کئے گئے تھے ان میں سے دو کاموں کے سِوا جن کے لئے الگ آدمی مقرر ہیں کوئی کام بھی امور عامہ نہیں کر رہا اور وہ دونوں کام کلرک کرتے ہیں۔ پس امور عامہ گویا ان دو کلرکوں کے کام کا نام ہے، ناظر اور نائب ناظر محض زیبِ مجلس ہیں۔ جماعت کی اقتصادی حالت کی درستی کے لئے اُنہوں نے کب کچھ کیا ہے۔ زمینداروں سے اُنہوں نے کب تعلق پیدا کیا ہے یا کب اِس بارہ میں اُن سے مشورہ کیا ہے یا کب اس سے متعلقہ امور کے احمدیوں سے مشورے کئے ہیں۔ تجارت وصنعت کی ترقی کے متعلق کب مشورہ کیا ہے، کب کوئی تحریک جماعت میں کی ہے۔ اگر آج آپ لوگ

ناظر اور نائب ناظر کو اِس محکمہ سے ہٹا دیں تو ایک ذرہ بھر بھی فرق کام میں نہیں پڑے گا۔

صوبہ داری نظام

ہمارا سارا فخر اجتماع پر ہے۔ ہم کہتے ہیں ہم ایک جماعت ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ اجتماع سے جو فوائد وابستہ ہوا کرتے ہیں وہ ہمیں حاصل ہیں لیکن اگر ہم اس اجتماع سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو اجتماع کا فائدہ کیا اور فخر کس امر پر۔ آخر اِس جمود کو دیکھتے ہوئے میں نے ضروری سمجھا کہ پنجاب میں صوبہ داری نظام شروع کیا جائے چنانچہ پچھلے سال سے یہ نظام قائم کر دیا گیا ہے اور گو ابھی کام کی ابتداء ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ گزشتہ پندرہ سال میں امور عامہ نے جو کام نہیں کیا تھا وہ اِس صوبہ داری نظام کے ماتحت صرف ایک سال میں ہوا ہے اور جس رنگ میں یہ کام ہو رہا ہے اِس کو دیکھتے ہوئے بہت کچھ ترقی کی امید ہے۔

اِسی طرح ربوہ کی زمین کا اب تک کوئی فیصلہ ہونے میں نہیں آتا۔ ناظر صاحب صرف لاہور کا چکر لگا آتے ہیں اور پھر ایک امید کا فقرہ کہہ دیتے ہیں اور بات وہیں کی وہیں رہ جاتی ہے۔ اگر کسی کام کے نہ ہونے کو ہم کام کہہ سکیں تو شاید اس محکمہ کا بھی کچھ کام ہے۔

نظارت تعلیم کا کام

تعلیم۔ تعلیم کے محکموں کی غرض یہ تھی اول تعلیم کو پھیلانا، دوم تعلیم کی اصلاح کرنا، سوم نوجوانوں کو اقتصادی اور قومی ضرورتوں کے کے مطابق تعلیم دلوانا، چہارم معلّموں کا پیدا کرنا، پنجم سلسلہ کی ضرورتوں کے مطابق مختلف فنون، زبانوں اور کاموں کی تعلیم دلوانا۔

اِس محکمہ کا کام بوجہ کالج اور سکول اور جامعہ کے کچھ نظر آتا ہے لیکن وہ بھی کسی اصول کے ماتحت نہیں مگر اِس کا ایک جواب ہوسکتا ہے کہ تعلیم کے محکمہ کو کبھی کوئی موزوں اور مناسب ناظر ملا ہی نہیں۔ یہ تو مولوی محمد دین صاحب کا احسان ہے کہ وہ ۷۱ سال کی عمر میں بھی یہ کام کر رہے ہیں اور اپنی طاقت کے مطابق اچھا کر رہے ہیں ورنہ کچھ بھی نہ ہوتا۔

مَیں نے گزشتہ دنوں ایک خطبہ پڑھا تھا جس میں مَیں نے بیان کیا تھا کہ ہمارے نوجوانوں کو مختلف شعبوں میں جانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ شروع شروع میں نوجوانوں سے یہ غلطی ہوئی کہ اُنہوں نے یہ دیکھ کر کہ فوج میں اچھی تنخواہیں مل رہی ہیں کثرت کے ساتھ فوج میں جانا شروع کر دیا مگر اِس کا نتیجہ خراب نکلا کیونکہ جب بھی کسی قوم کے افراد

کسی خاص محکمہ میں جمع ہو جائیں، دشمن اُنہیں شبہ کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کثرت کی وجہ سے کئی احمدی افسر زیرِ عتاب آ گئے۔ ابھی ایک دوست نے اپنے ایک بھائی کے متعلق جو فوج میں میجر ہیں اور ہندوستان سے آئے ہیں لکھا ہے کہ وہ کئی روز سے غائب ہیں معلوم نہیں ان کے ساتھ کیا ہوا۔ ان پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ دشمن کے جاسوس ہیں۔ یہ خرابیاں اِسی لئے پیدا ہوئیں کہ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں کثرت کے ساتھ داخل ہو گئے۔ اگر وہ مختلف محکموں میں جاتے اور کسی ایک جگہ جمع نہ ہوتے تو یہ خرابی پیدا نہ ہوتی۔ سورۂ یوسف کو دیکھو حضرت یعقوبؑ نے اسی خوف سے اپنے لڑکوں کو مصر میں ایک دروازہ سے داخل ہونے سے منع کیا تھا۔

محکمہ تعلیم کا کام یہ ہے کہ وہ نوجوانوں کو قومی ضرورتوں کے مطابق تعلیم دلوائے اور اس غرض کے لئے نوجوانوں کی ذہنیت کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے اور یہ کام تبھی ہو سکتا ہے جب سکولوں اور کالجوں کے طلباء سے رابطہ رکھا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ وہ کس کس لائن میں ترقی کر سکتے ہیں۔ ہمارا سکول چنیوٹ میں ہے اور آنے جانے پر اگر ریل کے ذریعہ جائیں تو چھ آنے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اگر ناظر صاحب تعلیم تین چار آدمیوں کو ساتھ لے کر ریل کے ذریعہ جاتے اور شام کو واپس آ جاتے تو ایک دَورہ پر ان کے صرف دو اڑھائی روپے خرچ ہو سکتے تھے۔ اِسی طرح کچھ جلسے وہ جامعہ احمدیہ میں کرتے۔ ایک دو دفعہ لاہور چلے جاتے۔ اُستادوں کو جمع کرتے، طلباء کو اکٹھا کرتے اور انہیں بتاتے کہ تمہیں ایسی طرز پر کام کرنا چاہیے کہ تمہیں روپیہ بھی ملے اور سلسلہ کے لئے بھی تم مفید وجود بن سکو۔ تو اس طرز پر کام کرنے کے نتیجہ میں بہت کچھ اصلاح ہو جاتی مگر ادھر توجہ ہی نہیں کی گئی۔ اب بھی ہماری تعلیم کی نسبت دوسرں سے بہت زیادہ ہے۔ لوگ شور مچاتے ہیں کہ احمدیوں کو نوکریاں زیادہ ملتی ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کے بیٹے سینما دیکھتے رہتے ہیں اور ہمارے لڑکے پڑھائی میں مشغول رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان اُن سے آگے نکل جاتے ہیں اور ملازمتوں میں بھی وہ دوسروں سے آگے رہتے ہیں۔ بہرحال یہ محکمہ تعلیم کا کام ہے کہ وہ نوجوانوں کو مفید کام پر لگائے۔

اِسی طرح غرباء کو ابھارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دیہات میں بعض جگہ بیس بیس

سال سے ہماری جماعتیں قائم ہیں مگر ان میں کوئی گریجویٹ نہیں۔ اگر محکمہ کی طرف سے ان کو تحریک کی جائے کہ پندرہ بیس زمیندار مل کر ایک لڑکے کی اعلیٰ تعلیم کا بوجھ اُٹھائیں اور اسے قرضہ کے طور پر ماہوار کچھ وظیفے دے دیا کریں تو چند سالوں میں ہی کئی لڑکے گریجویٹ بن سکتے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ زمینداروں کی ذہنیت ایسی ہوتی ہے کہ ان میں سے بہتوں نے اس کو ماننا نہیں لیکن بہرحال جب کوئی تحریک کی جائے تو کچھ نہ کچھ لوگ اس میں حصہ لینے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور رفتہ رفتہ کئی گریجویٹ تیار ہو جائیں گے مگر اس کے متعلق بھی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

معلّم پیدا کرنا بھی ہمارے محکمہ کا کام ہے مگر یہ کام بھی ہمارے محکمہ نے نہیں کیا۔ میں نام نہیں لیتا تعلیم کے ایک بڑے افسر نے جسے احمدیت سے اُنس ہے ہمارے ایک دوست سے کہا کہ اگر آپ لوگ مجھے گریجویٹ مہیا کریں تو میں ان سب کو فلاں علاقہ میں پھیلانے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ اُس نے محکمہ کو اس بارہ میں چِٹھی بھی لکھی مگر اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ جواب دے بھی کیا سکتے تھے جبکہ آدمی ان کے پاس ہی نہیں۔ غیر ممالک سے بھی برابر اس قسم کی مانگیں آتی رہتی ہیں۔ افریقہ میں ہم نے ایک کالج قائم کیا ہوا ہے اور وہ نہایت اچھا کام کر رہا ہے اب ایک اَور مقام پر کالج کھولنے پر اصرار کیا جا رہا ہے مگر ہمارے پاس اساتذہ نہیں ہیں۔ اسی طرح مشرقی افریقہ کی طرف سے بار بار مطالبہ ہو رہا ہے کہ مدرس بجھواؤ۔ وہاں تنخواہیں بھی زیادہ ملتی ہیں اور پھر وہ علاقہ اس جگہ سے سَستا بھی ہے۔ اسی طرح وہاں درزیوں اور لوہاروں کی سخت ضرورت رہتی ہے۔ اگر ہماری جماعت میں اِس قسم کے پیشہ ور کافی تعداد میں ہوں تو سینکڑوں آدمی وہاں کھپائے جا سکتے ہیں۔ ایک آدمی چار پانچ سَو شلنگ وہاں آسانی سے کما سکتا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر ہم سَو آدمی بھی بجھوا دیں تو ان کے ذریعہ ہمارے بجٹ میں غیر معمولی اضافہ ہو سکتا ہے مگر تیس سال سے اِس بارہ میں کوشش نہیں کی گئی اور نہ محکمہ نے اِس طرف کبھی توجہ کی ہے کہ وہ سلسلہ کی ضرورتوں کے مطابق مختلف فنون، زبانوں اور کاموں کی تعلیم دلوائے۔

محکمہ تصنیف واشاعت کا کام

پھر تصنیف واشاعت کا محکمہ ہے۔ یہ کام نیا شروع ہوا ہے لیکن ایک حد تک اس کی اُٹھان بہت مبارک ہے۔

شمس صاحب نے اس کام میں جان ڈال دی ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ اب مغرور ہو کر سُست ہو جائیں، بہر حال ان پر الزام کوئی نہیں۔ انہوں نے پہلے ایک کتاب شائع کی اور پھر اس کی آمد سے اور بہت سی کتابیں شائع کر دیں۔ یہ سلسلہ اگر جاری رہا تو امید ہے کہ تین چار سال میں وہ سلسلہ کی ساری کتابیں چھاپ لیں گے مگر اِس سلسلہ میں ابھی بہت سی گنجائش ہے اور اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ **اوّل** روپیہ، اگر اس کام کو ہم وسیع کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کام کے لئے ہم روپیہ صَرف کریں۔ **دوم**۔ تصانیف ہمیشہ کسی اصول کے ماتحت ہونی چاہئیں اور ہر سال ایک میٹنگ بُلائی جانی چاہئے جس میں اِس امر پر غور ہونا چاہئے کہ زمانہ کا دماغ کدھر جا رہا ہے اور لوگوں کے خیالات کی رَو کس طرف ہے۔ پھر اس کے مطابق کام ہونا چاہئے۔ کسی زمانہ میں خالی وفات مسیح کے مسئلہ سے کام ہو جاتا تھا لیکن اب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام پیٹ کے دھندوں کا کیا علاج کرتا ہے؟ امن کے قیام کے لئے وہ کونسی تجاویز پیش کرتا ہے؟ یا کونسی تدابیر ہیں جن سے پاکستان مضبوط ہو جائے اور اسلام دنیا پر غالب آ جائے؟ چونکہ اب مسلمانوں کو حکومت مل گئی ہے اس لئے نئے سوالات ان کے دلوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اِن سوالات کے متعلق ہماری طرف سے کتابیں شائع ہونی چاہئیں مگر ان امور کے متعلق بھی کوئی پلاننگ نہیں۔ اب تک یہی طریق رہا ہے کہ جنہیں لکھنے کا شوق ہے وہ اپنے طور پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں، کسی معیّن اور واضح سکیم کے ماتحت ان کا کام نہیں ہوتا۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے میں نے علماء کو بعض رسالے لکھنے کی تحریک کی تھی جن میں سے ۲۵ مضامین پر رسالے لکھے جا چکے ہیں۔ ابھی وہ صرف بچوں کے لئے لکھ رہے ہیں پھر نوجوانوں کے لئے کتابیں لکھی جائیں گی اور اس کے بعد زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے کتابیں لکھی جائیں گی۔ ان کتابوں کی اشاعت تجارتی لحاظ سے بھی ہمارے لئے مفید ہوگی اور ہماری تبلیغ کا سلسلہ بھی وسیع ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ علماء اِس میں تعاون نہیں کر رہے حالانکہ اِن کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے علم کو بڑھائیں۔ جن علماء اور مدرّسوں کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا ان سے بھی بڑی مصیبتوں کے بعد لجاجتیں کر کر کے مضمون لئے گئے ہیں اور بعض نے اب تک نہیں دیئے۔ اِس کام میں مولوی ابوالعطاء صاحب رسالہ فرقان کے ذریعہ سے

کچھ نہ کچھ شغل رکھتے ہیں۔ باقی بھی یقیناً ایسا کر سکتے ہیں بلکہ ان میں سے بعض اپنے فن میں ان پرانے علماء سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں مگر وہ اِس طرف توجہ نہیں کرتے اور مساجد کے ملانوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ اِسی سلسلہ میں ہماری سکیم یہ ہونی چاہئے کہ ہر بڑے شہر میں ہم ایک پبلک لائبریری قائم کر دیں لیکن بجٹ میں اس کے متعلق گنجائش نہیں رکھی جاتی۔ حالانکہ یہ ایسا اہم کام ہے کہ اس سے آپ ہی آپ تعلیم یافتہ طبقہ میں تبلیغ کا سلسلہ وسیع ہو جاتا ہے۔

دعوۃ و تبلیغ: یہ صیغہ بھی دوسرے صیغوں کی طرح سو رہا تھا لیکن جب سے شاہ صاحب مقرر ہوئے ہیں اس میں بیداری ہے اور ان کے نائب بھی گو قابل نہیں ہیں مگر کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ وہ اپنے نائبوں کو کام دیں اور ان سے کام کروائیں لیکن حقیقی منصوبہ بندی اس صیغہ میں بھی نہیں صرف ہنگامی کام کر رہے ہیں۔

محکمہ مال: یہ محکمہ تو بے چارا روز پکڑا جاتا ہے۔ اگر تنخواہیں ملنے میں ذرا بھی دیر ہو تو شور مچ جاتا ہے۔ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب اس محکمہ کی روح رواں ہیں۔ باوجود بوڑھے اور بیمار ہونے کے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ملکہ عطا فرمایا ہے کہ جو محکمہ بھی خان صاحب کے سپرد کر دیا جائے اس میں زندگی اور بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ جس سے چاہتا ہے کام لیتا ہے۔

وکالتِ اعلیٰ: یہ نظارت علیاء کی طرح ہے لیکن نظارت علیاء تو ایک بوڑھے کے قبضہ میں ہے اور وکالت علیاء ایک نوجوان کے قبضہ میں۔ مگر ایک نوجوان کے قبضہ میں ہونے کے باوجود یہ بہت کچھ بے کارسا صیغہ ہے اور تعاون اور منصوبہ بندی کی طرف سے غافل ہے۔ اب تک بیرونی ممالک کے لئے قانونِ اساسی تک نہیں بن سکا۔ متواتر بیس سال سے وہاں کی جماعتیں لکھ رہی ہیں کہ ہمیں قانونِ اساسی بھجواؤ مگر محکمہ نے اس طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ نائیجیریا میں دس ہزار کے قریب آدمی ایک دفعہ مرتد ہو گیا۔ اس لئے کہ اُنہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم کسی غیر مُلکی آدمی کو اپنا افسر نہیں مان سکتے۔ اگر شروع سے ہی اس معاملے کو طے کر لیا جاتا تو اُنہیں یہ ٹھوکر نہ لگتی۔

وکالتِ قانون: تنگ آ کر میں نے اس غرض کے لئے ایک **وکالتِ قانون** قائم کی

مگر اِس وکالت کا بھی صرف اتنا کام ہے کہ رپورٹ آجاتی ہے کہ فلاں پانچ روپے جو نہیں ملتے اُن کے متعلق تحقیق ہو رہی ہے، فلاں چار آنے کی رقم کی تحقیق ہو رہی ہے دو سال اس محکمہ کو قائم ہوئے ہو گئے مگر ابھی تک بیرونی ممالک کی کانسٹی ٹیوشن نہیں بن سکی۔ بیرونی جماعتیں اِس وقت تک صرف اخلاص سے چلی جا رہی ہیں۔ ورنہ حقیقتاً اگر اخلاص نہ ہوتا تو وہ مرتد ہو جاتیں۔ یہ محکمہ بھی ایک پوسٹ آفس ہے کہ چٹھیاں آتی ہیں اور اُن کا جواب چلا جاتا ہے۔

(اس نصیحت کا یہ اثر ہوا ہے کہ سات ماہ پہلے کبھی کبھی اس کام کے بارہ میں رپورٹ آجاتی تھی، اب وکالت اعلیٰ ایسی کوئی رپورٹ ہی نہیں ارسال کرتی)

وکالتِ تعلیم: اس محکمہ میں بہت کچھ اسراف ہو رہا ہے۔ چالیس پچاس طالب علم ہیں اور گیارہ بارہ استاد ہیں۔ جس آدمی کو کوئی کام نہیں ملتا اسے اس محکمہ میں بھرتی کر لیا جاتا ہے اور پھر تعلیم میں منصوبہ بندی بھی نہیں۔ علماء بھی اپنا علم نہیں بڑھا رہے اور نہ لڑکوں کی صحیح راہنمائی کر رہے ہیں۔ تصنیف کی طرف ان کی بہت ہی کم توجہ ہے حالانکہ اس محکمہ میں بڑے خرچ کے بعد چار پانچ نوجوانوں کو مختلف علوم کی انتہائی تعلیم دلوائی گئی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ ذرا بھی توجہ کریں اور اپنے مطالعہ کو وسیع کریں تو یقیناً اپنے فن میں وہ چوٹی کے علماء بن سکتے ہیں اور جماعت کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں مگر افسوس ہے کہ اس طرف کوئی توجہ نہیں کی جا رہی ہے۔

وکالتِ تبشیر: وکیل نوجوان ہیں لیکن ابھی تک منصوبہ بندی نہیں کر سکے۔ تبلیغ وسیع ہو رہی ہے مگر صرف مقامی مبلّغوں کی وجہ سے۔ صیغہ نہ اُن کو مدد دے رہا ہے اور نہ اُن کی راہنمائی کر رہا ہے۔ بے انتہاء اصلاح کی ضرورت ہے۔ مرکزی نگرانی نہ ہونے کے برابر ہے۔ بیرونجات میں تبلیغی سکولوں کی بنیاد رکھنی چاہئے۔ لٹریچر کو صحیح بنیادوں پر شائع کرنا چاہئے اور جو اعتراضات اور وساوس لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اُن کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ یہ بہت بڑا کام ہے جو خالی پڑا ہے۔ اِسی سلسلہ میں ان کی تصنیف کا خانہ بالکل خالی ہے۔ حالانکہ جیسے صدر انجمن احمدیہ میں ایک تصنیف و اشاعت کا محکمہ ہے اِسی طرح تحریک میں بھی تصنیف و اشاعت کا الگ محکمہ ہونا چاہئے۔ سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ دو لاکھ روپیہ تراجمِ قرآن کے لئے رکھا گیا تھا وہ روپیہ بھی موجود ہے اور ترجمے بھی

موجود ہیں مگر یہ نہیں ہوسکا کہ ان پر نظرثانی کروا کے ان کو شائع کروایا جاتا۔ حالانکہ تراجم سات سال سے ہو چکے ہیں۔ یہ کتنا عظیم الشان کام تھا جو دنیا کے سامنے پیش کیا جاسکتا تھا مگر اِس طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ ہم نے سات زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کروائے تھے۔ اگر دو تین زبانوں کے تراجم ہی شائع کروا دیئے جاتے تو ان کی آمد سے پھر باقی ترجمے شائع کئے جاسکتے تھے۔ اِسی طرح اور لٹریچر شائع کیا جاسکتا تھا مگر چونکہ تصنیف کے متعلق بھی کوئی سکیم نہیں سوچی گئی اِس لئے یہ عظیم الشان کام بھی لوگوں کی نگاہوں سے مخفی پڑا ہے۔ محکمہ صرف اتنا کام جانتا ہے کہ مختلف مبلّغین کی رپورٹوں کے خلاصے تیار کر کے مجھے بھجوا دیتا ہے کہ خلاصہ رپورٹ امریکن مشن، خلاصہ رپورٹ نائیجیریا مشن، خلاصہ رپورٹ لنڈن مشن حالانکہ پہلے ان رپورٹوں کو میں خود پڑھ چکا ہوتا ہوں۔ اِس طرح مجھے دو دفعہ وہ رپورٹیں پڑھنی پڑتی ہیں میرے نزدیک اِس میں اصلاح کی یہ صورت ہے کہ کمیٹی غور کر کے ایک نائب وکیل التصنیف کا عُہدہ قائم کرے تا کہ یہ کام کسی سکیم کے ماتحت آسکیں۔

تحریک جدید کے بجٹ کے متعلق

اِسی سلسلہ میں مَیں تحریک کے بجٹ کی نسبت یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں امریکہ اور انگلستان کی مدد بند کر کے سخت ظلم کیا گیا ہے۔ امریکہ میں اِس وقت ساڑھے چار سَو احمدی ہے۔ اگر ہم ان کی ذرا بھی مدد کریں تو اِس چار سَو کا آٹھ سَو یا ہزار بن جانا کوئی قابلِ تعجب بات نہیں لیکن اِس وقت امداد بند کرنے کے یہ معنے ہیں کہ ہم اس ملک میں اپنی تبلیغ کو بند کر دیں۔ مفتی صاحب جب امریکہ گئے ہیں تو خواجہ صاحب کے طریق کے مطابق ان کی بھی عادت تھی کہ حُسنِ ظنی سے کام لیتے اور جو شخص بھی کہتا کہ احمدیت تو بڑی اچھی تحریک ہے تو اُسے کہتے اچھا اِس فارم پر دستخط کر دیں۔ اس طرح مفتی صاحب نے کئی بیعتیں اپنی سادگی میں ایسی کروالیں جو درحقیقت صرف نمائشی تھیں۔ پھر کچھ مفتی صاحب میں دعاؤں کی بھی عادت تھی اِس سے بھی لوگ متأثر ہوتے اور وہ احمدیت کو قبول کر لیتے مگر بہرحال کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو صرف نام کے احمدی تھے وہ الگ ہو گئے۔ ان کے بعد ڈیڑھ دو سَو کے قریب آدمی تھا جو ہمیں ملا۔ اب ان کی تعداد ساڑھے چار سَو تک پہنچ چکی ہے۔ اور زائد خوبی ان میں یہ ہے کہ وہ قربانی کرنے والے ہیں۔ بعض ان میں سے اپنی زندگیاں بھی وقف کر چکے ہیں۔

اگر ہم ان کی امداد بند کر دیں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ سن رائز بند کر دیا جائے، مبلّغین کے تبلیغی دورے بند کر دیئے جائیں، لٹریچر کی اشاعت بند کر دی جائے اور محض روٹی کھانے کے لئے چار آدمی امریکہ میں بٹھا دیئے جائیں۔ اگر ہم نے ان سے تبلیغ کا کام لینا ہے تو پھر ہمیں تبلیغ کا سامان بھی دینا پڑے گا۔ اگر ہم سفر خرچ کے لئے اُنہیں روپیہ نہیں دیتے، اگر ہم اشتہارات کے لئے اُنہیں روپیہ نہیں دیتے تو ہم سلسلہ کی اشاعت کی کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ پس مَیں فنانس کمیٹی کو مشورہ دوں گا کہ وہ مناسب روپیہ امریکن مشن کے لئے بجٹ میں رکھے اور یہ رقم تین سال میں آہستہ آہستہ ختم کی جائے تاکہ اِس عرصہ میں وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر سکیں۔

اِسی طرح انگلستان کی مدد بند کر دینا بھی ظلم ہے۔ میرے نزدیک انگلینڈ مشن کے لئے مناسب روپیہ بجٹ میں اب بھی رکھنا چاہیئے اور اس کو بھی اگلے تین چار سال میں آہستہ آہستہ ختم کرنا چاہیئے۔ زیادہ ضرورت مرکزی بجٹ کی نگرانی کی ہے مثلاً جامعہ ہے اس میں ضرورت سے زیادہ اساتذہ ہیں اور سلسلہ کا روپیہ بِلا وجہ ضائع ہو رہا ہے۔

صنعت و حرفت: اب تک یہ صیغہ کوئی مفید کام نہیں کر سکا مگر بعض کاموں کی اصلاح ضرور ہوئی ہے اور ریسرچ کا محکمہ لمبی غفلت سے نکل کر اب کچھ ترقی کر رہا ہے اور بعض نوجوان اچھا کام کر رہے ہیں۔ گو بعض نوجوان ابھی تک اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اور ترقی سے غافل ہیں۔ صنعت و حرفت کی بھی ایک وکالت ضرور ہے مگر پلاننگ کوئی نہیں کہ کس طرح صنعت میں ترقی کی جاسکتی ہے۔ چونکہ یہ اقتصادی ترقی کا کام زیادہ تر نظارت کے سپرد ہے اِس لئے میں پھر اُنہیں توجہ دلاتا ہوں کہ جماعت کی ریڑھ کی ہڈی زمیندار اور پیشہ ور ہوتے ہیں مگر نظارت نے اِس بارہ میں کبھی بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا۔ میں نے دیکھا ہے سکھوں نے لوہارے کے کام پر اور ڈرائیوری پر قبضہ کیا ہوا تھا اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ دوسری قوموں کے مقابلہ کے خوف سے آزاد ہو گئے تھے لیکن ہماری جماعت کے ہزاروں آدمی بیکار ہیں اور محکمہ کوئی کوشش نہیں کر رہا کہ ان کو لوہارا کام سکھائے یا انہیں معماری کے کام پر لگائے یا انہیں نجّاری کے کام پر لگائے۔ اگر ایک پیشہ پر بھی ہماری جماعت کا قبضہ ہو جاتا تو ہماری اقتصادی حالت موجودہ حالت سے کئی گُنا اچھی ہو جاتی۔

تجارت: اس میں تحریک نے کوشش تو کی ہے مگر سخت شکست کھائی ہے۔ ہم اب تک تجارت میں ترقی کرنا تو الگ رہا اس میں ادنیٰ کامیاب بھی نہیں ہو سکے اور میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ احمدی تاجروں کی ذہنیت ہے جن میں تعاون کا مادہ نہیں ہے۔ ایک عام احمدی سمجھتا ہے کہ اگر میں چندہ دوں گا تو میرے بھائیوں کی امداد ہوگی۔ ملازم بھی ایک حد تک دیانتدار ہوتا ہے اور اسے موقع ملے تو وہ اپنے بھائیوں کی مدد کرنے سے دریغ نہیں کرتا لیکن ایک تاجر کی ذہنیت سخت پست ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میری تجارت میرے ہاتھ میں ہی رہنی چاہئے ورنہ میری اولاد تباہ ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ اول درجہ کی حماقت اور پاگل پن والی بات ہے۔ ہر تاجر صرف اپنے فائدہ کو دیکھتا ہے قوم کے فائدہ کا خیال اُس کے دماغ میں نہیں آتا۔ اس سلسلہ میں اگر کسی نے کچھ تعاون سے کام لیا ہے تو ملک عبدالرحمٰن صاحب قصوری ہیں۔ وہ بے شک تجارتی طور پر کام کرتے ہیں مگر کرتے تو ہیں۔ دوسرے تاجر تو اس فکر میں رہتے ہیں کہ سَو فیصدی خود فائدہ اُٹھائیں اور اگر کوئی سکیم لاتے ہیں تو وہی جو خود اُن کے فائدہ کی ہو۔ اِس وقت سلسلہ کی طرف سے ایک تیل کا کارخانہ جاری ہے۔ میں نے کئی احمدی تاجروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ وہ سلسلہ کے اس کارخانہ کو دیکھیں اور پھر مشورہ دیں کہ ہم اسے کس طرح ترقی دے سکتے ہیں مگر وہ ہاں جی یا بہت اچھا کہہ کر چلے گئے اور پھر اُنہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ میں حیران ہوں کہ تاجروں کی ذہنیت اِس قدر گندی کیوں ہے۔ جتنے تاجر ہیں ان میں عدمِ تعاون اور عدمِ ذمہ داری کا مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ صرف عاجل فائدہ کو دیکھتے ہیں آجل کو نہیں۔ اِس وقت تو وہ اپنے آپ کو فائدہ میں محسوس کر رہے ہیں لیکن میں اُنہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر اُنہوں نے اصلاح نہ کی تو کسی دن وہ اِس کا بُری طرح خمیازہ بُھگتیں گے۔ ہمارے خلاف سیاسی جوش بڑھتا جا رہا ہے اور گو آج تاجر محفوظ ہیں مگر کل یہی لوگ سلسلہ کے سامنے اپنا ناک رگڑنے پر مجبور ہوں گے اور سلسلہ کو ہی اپنی مدد کے لئے بلائیں گے۔ پس جب کل اُنہوں نے سلسلہ کو اپنی مدد کے لئے بلانا ہے تو کیوں آج ہی وہ سلسلہ سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

یاد رکھو ہر وہ تجارت یا صنعت یا ملازمت جو قوم کے اکثر افراد کے ہاتھوں میں آ جاتی ہے اسے کوئی دشمن تباہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ فرد کے ہاتھ سے نکل کر قوم کے ہاتھ میں پہنچ چکی

ہوتی ہے۔ مثلاً تعلیم کا محکمہ ہے اگر اس میں ہمارے صرف آٹھ دس استاد ہوں تو وہ کسی شورش کے وقت آسانی سے ان کو نکال سکتے ہیں لیکن اگر دو چار سَو استاد ہوں تو وہ ان کو نکال ہی نہیں سکتے کیونکہ ان کے نکالنے سے خود ان کا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ میں اس کی ایک موٹی مثال دیتا ہوں۔ میں ایک دفعہ دلی گیا۔ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اُس وقت ہندوستان میں آئے ہوئے تھے۔ چوہدری ظفر اللہ خان بھی اُس وقت میرے ساتھ تھے اور گو وہ اُس وقت صرف وکیل تھے مگر اچھے ذہین اور ہوشیار تھے اور قربانی کا مادہ بھی ان میں پایا جاتا تھا۔ اُنہی دنوں مجھے ایک احمدی دوست کا جو فوج میں ملازم تھے خط آیا کہ مجھے فوج سے نکال دیا گیا ہے اور مجھے کہا گیا ہے کہ تم بڑا اچھا کام کرنے والے ہو مگر چونکہ تم احمدی ہو اِس لئے تمہیں فارغ کیا جاتا ہے۔ میں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ آپ کمانڈر اِنچیف سے ملیں اور اُسے کہیں کہ ایک شخص اگر اپنے کام میں اچھا بھی ہو، گورنمنٹ کا وفادار بھی ہو اور پھر بھی اسے نکال دیا جائے تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ وفاداری کی آپ کی نگاہ میں کوئی قیمت نہیں اور آپ ان لوگوں کو منہ لگا رہے ہیں جو شورش پسند ہیں، اِس کا نقصان آپ کو ہی پہنچے گا کیونکہ وفاداری کی آپ کوئی قیمت نہیں لگا رہے۔ چوہدری صاحب واپس آئے تو ان کے چہرہ سے غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ اُنہوں نے بتایا کہ میں مل تو آیا ہوں مگر اس کے ڈھب ٹھیک نہیں۔ میں نے کہا کیا ہؤا؟ کہنے لگا اس نے جواب یہ دیا کہ چوہدری صاحب! ہمیں فوج میں امن کی ضرورت ہے۔ اگر ایک احمدی کے رکھ لینے سے باقی ننانوے فوجیوں میں بددلی پیدا ہو اور وہ وفادار نہ رہیں تو ہم کیا کریں۔ ہمارے پاس یہی علاج ہے کہ ہم اِس ایک احمدی کو نکال دیں تاکہ باقی فوج میں بددلی پیدا نہ ہو۔ میں نے کہا چوہدری صاحب اُس نے ٹھیک کہا ہے انگریز کو اپنے لئے تین لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ ہماری تو ساری جماعت ایک لاکھ بھی نہیں بنتی اور جب ہماری جماعت اس کی فوجی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی تو لازماً وہ مجبور ہے کہ دوسروں کے جذبات کا خیال رکھے۔ یا تو یہ ہونا چاہئے کہ اگر انگریز اُنہیں کہے کہ جاؤ میں تمہاری پرواہ نہیں کرتا اور وہ سب کے سب فوج سے نکل جائیں تو ہم اُتنی ہی فوج اُنہیں بھرتی کر کے دے سکیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یقیناً ننانوے کی سُنی جائے گی اور ایک کی نہیں سُنی جائے گی خواہ وہ کتنا ہی وفادار ہو۔ تو حقیقت یہ ہے کہ

ایک ایک محکمہ میں اگر ہمارے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو تین تین ہزار آدمی موجود ہوں تو وہ ان کو نکال ہی نہیں سکیں گے کیونکہ ان کے اپنے کام معطّل ہو جائیں گے۔ اتنی خالی جگہوں کو کوئی حکومت بھی چند دنوں میں پُر نہیں کر سکتی۔ مثلاً ایک صوبہ میں پانچ سات سَو مدرّس ہوں، پچاس ساٹھ انجینئر ہوں، تو وہ اُن کو نکالیں گے کس طرح؟ اُن کو نکالنے کے معنے اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کے ہوں گی۔

پس لوگ خواہ ہمارے دشمن ہوں اگر ہمارے آدمی مختلف فن سیکھ کر کافی تعداد میں ایک ایک پیشہ میں کام کر رہے ہوں تو دشمن ہمیں نکال نہیں سکتے۔ وہ اُسی وقت نکال سکتے ہیں جب ہمارے افراد خال خال ہوں۔ یہی حال تاجروں کا ہے۔ اگر وہ بھی مختلف مقامات پر چھائے ہوئے ہوں اور اپنی تجارت کو فروغ دے کر اِرد گِرد پھیلتے چلے جائیں تو ان کا بائیکاٹ کبھی کامیاب ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر وہ ان کا بائیکاٹ کریں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ اپنے فوائد کو آپ قربان کر دیں اور دُنیا میں کون ایسا احمق ہے جو اُسی شاخ کو کاٹنا شروع کر دے جس پر خود بیٹھا ہوا ہو۔ پس جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایسے اصول یقیناً اختیار کئے جا سکتے تھے جن سے کام کو وسیع طور پر پھیلایا جا سکتا تھا اور اگر تاجر ہمارے ساتھ تعاون کرتے تو بعض تجارتوں میں ہم خاصے ماہر ہو جاتے۔ صرف اس لئے کہ ہمارے تاجر کمپنیاں بنا کر کام کرنے کے عادی نہیں، ان کی تجارت وسیع نہیں ہوتی۔ دُنیا کی کوئی قوم صرف انفرادی تجارت کے زور سے باقی اقوام پر غالب نہیں آ سکتی۔ جب مسلمانوں کی تجارت اپنے عروج پر تھی تو اُس وقت بھی دوسرے لوگوں کا اِن کی تجارت میں حصہ شامل ہوتا تھا۔ یورپ اور امریکہ میں بھی یہی طریق رائج ہے اور اِسی وجہ سے وہ ایک لمبے عرصے سے تجارت پر چھائے ہوئے ہیں۔ فرد کبھی لمبی تجارت کر ہی نہیں سکتا، آخر ایک نہ ایک دن وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لئے کمپنیاں بنا کر تجارت کرنا ہی تجارت کا کامیاب طریق ہے مگر ہمارا تاجر ہمیشہ عاجل فائدہ کو دیکھتا ہے آجل کو نہیں۔ وہ یہ تو چاہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کو تجارت پر لگا دوں یا اپنے بھائی کو تجارت میں شامل کر لوں مگر وہ یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے ہمسایہ کو بھی اپنی تجارت میں شریک کر لوں۔

میں نے ایک دفعہ بمبئی میں ایک تبلیغی وفد بھیجا۔ میر محمد اسحٰق صاحب بھی اس میں

شامل تھے، وہ بڑے ذہین آدمی تھے۔ واپس آئے تو اُنہوں نے کہا کہ میں نے اِس سفر میں ایک ایسی بات دیکھی ہے جس سے میں بڑا متأثر ہوا ہوں۔ اُنہوں نے بتایا کہ میں بمبئی میں بڑے بڑے بوہرہ تاجروں سے ملا ہوں۔ وہ مذہباً شیعہ ہیں مگر تجارت میں ان کو بڑا غلبہ حاصل ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کو جو طاقت حاصل ہے اِس کی کیا وجہ ہے؟ اور وہ کون سا گُر ہے جو تمہاری اس ترقی کا باعث ہے۔ اُنہوں نے کہا ہم نے اپنی جتھا بندی اس رنگ میں کی ہوئی ہے کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً ہم میں سے ایک شخص کا دیوالہ نکل جائے تو جب ہمیں اُس کا علم ہوتا ہے تو ہم اُسے بلا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں روپیہ تو دے نہیں سکتے لیکن ہم تمہاری مدد بھی کرنا چاہتے ہیں اس لئے آج سے ہم اپنی تمام دیا سلائیاں تمہیں دے دیتے ہیں یا مٹی کا تیل تمہیں دے دیتے ہیں یا صابن تمہیں دے دیتے ہیں۔ تم یہ چیز لو اور اِس کی تجارت کرو۔ جب ہمارے پاس کوئی گاہک آئے گا تو ہم اُسے تمہارے پاس بھجوا دیا کریں گے۔ چنانچہ کمیٹی بیٹھتی ہے اور فیصلہ کر دیتی ہے کہ آج سے کسی بوہرے نے دیا سلائی یا صابن یا تیل فروخت نہیں کرنا۔ وہ ہول سیل تاجر ہیں، جب ان کے پاس کوئی شخص مال لینے کے لئے آتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہمارے پاس تو مال ختم ہے لیکن ہم نے سنا ہے کہ فلاں تاجر کے پاس مال موجود ہے آپ اس سے لے لیجئے۔ چنانچہ وہ شخص زیادہ گراں قیمت پر مال اس سے خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور چونکہ بڑے بڑے شہروں میں لاکھوں کا مال خریدا جاتا ہے کسی نے پندرہ ہزار کا مال خریدنا ہوتا ہے، کسی نے پچیس ہزار کا اور کسی نے پچاس ہزار کا اِس لئے جب دکانداروں سے پوچھتے ہیں کہ مال ہے تو جواب ملتا ہے کہ مال تو ختم ہے لیکن فلاں تاجر کے پاس مال سنا جاتا ہے۔ آپ اس کے پاس چلے جایئے وہ ممکن ہے کچھ مہنگا ہی دے۔ کیونکہ مال کسی اور جگہ سے مل نہیں رہا اس پر وہ مجبور ہو کر اس کے پاس آتے ہیں اور سَودا خرید لیتے ہیں۔ اِس طرح چند دن یا چند ہفتوں میں ہی لاکھ دو لاکھ روپیہ وہ کما لیتا ہے اور اِس کے بعد وہ ان کے مال کی قیمت ان کو واپس کر کے باقی روپیہ سے اپنی تجارت شروع کر دیتا ہے۔ غرض چھوٹی چھوٹی چیزیں جیسے سگریٹ ہوئے یا دیا سلائی کی ڈبیاں ہوئیں یا جُرابیں ہوئیں یا بنیانیں ہوئیں، ان کے ذریعہ سے وہ تھوڑے دنوں میں ہی اُس کے اندر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی طاقت پیدا

کر دیتے ہیں۔ یہ جتھا بندی کی روح جب بھی کسی قوم میں ہو گی سارے لوگ اُس کے سامنے سر جُھکانے پر مجبور ہوں گے لیکن جب نفس پرستی ہو گی اور دل میں احساس ہو گا کہ ہم نے دوسروں کو اپنے قریب نہیں آنے دینا تو ایسے لوگ ہمیشہ قوم کو گرایا کرتے ہیں۔ اُسے ترقی نہیں دیا کرتے۔ پس مال بڑھانے کا وہ ذریعہ اختیار کرو جس سے قومی رنگ میں تم کو اعزاز حاصل ہو۔ تجارت اور صنعت میں ترقی کرنے کے لئے احمدی صنّاعوں اور تاجروں کی انجمنیں بنا کر ان کے اندر قومی خدمت کا مادہ پیدا کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ورنہ ذاتی اور خاندانی ترقی صرف ایک حد تک جا سکتی ہے اس سے آگے نہیں۔ یہ امورِ عامہ کا کام ہے مگر وہ اس سے کُلّیۃً غافل ہے۔☆

زراعت

پھر زراعت ہے اِس میں بھی بہت سی مشکلات آئی ہیں مگر بہرحال ان پر قابو پا لیا گیا ہے اور ترقی کی امید ہے۔ تحریک جدید کا ریزرو فنڈ قائم کرنے کے لئے سندھ میں دس ہزار ایکڑ یا چار سَو مربع زمین خریدی گئی ہے جس پر تیس لاکھ کے قریب خرچ ہوا ہے۔ چندوں کے ذریعہ تو صرف دس بارہ لاکھ روپیہ ہی آیا تھا۔ دس لاکھ کے قریب قرض لیا گیا اور سات آٹھ لاکھ روپیہ وہ ہے جو ان زمینوں کی آمد سے ہی ادا کیا گیا۔ اس زمین کا اکثر حصہ آزاد ہو چکا ہے لیکن ابھی دس لاکھ کے قریب قرض باقی ہے۔ اسی طرح صدر انجمن احمدیہ کی زمین وہاں ایک سَو دس مربع ہے جو ساری کی ساری آزاد ہو چکی ہے۔ سندھ میں تین سَو روپیہ فی ایکڑ عام طور پر قیمت سمجھنی چاہئے یہاں تو فی ایکڑ ایک ہزار سے دو ہزار روپیہ تک قیمت ہے۔ اگر وہاں بھی کسی وقت یہی قیمت ہو جائے تو دس ہزار ایکڑ کے لحاظ سے تحریک جدید کا ایک کروڑ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم ہو جاتا ہے اور اگر دو ہزار قیمت لگائی جائے تو دو کروڑ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم ہو جاتا ہے۔ انجمن کی زمین بھی سندھ کی قیمتوں کے لحاظ سے سات آٹھ لاکھ روپیہ کی ہے لیکن ہمارے ملک کے لحاظ سے وہ

☆ اس تقریر کے کچھ عرصہ بعد میں نے ناظر اعلیٰ کو توجہ دلائی کہ باوجود میری تقریر کے اُنہوں نے یا امورِ عامہ نے کچھ نہیں کیا۔ تو اُنہوں نے رپورٹ کی کہ ناظر امورِ عامہ آپ کی تقریر کے چھپنے کے منتظر ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اس میں کون سی تفصیلات تھیں کہ اس کے چھپنے کے انتظار کی ضرورت تھی مگر ناظر امورِ عامہ اس کے بعد بھی غافل ہی رہے۔

پچاس لاکھ روپیہ سے کم نہیں۔ پھر کچھ اَور جائیداد بھی ہم نے اِسی علاقہ میں خریدی ہوئی ہے اور وہ بھی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اگر اس پر مکان اور دُکانیں بن جائیں تو دو تین ہزار روپیہ ماہوار کی آمد ہو سکتی ہے۔ اِسی طرح انجمن کی طرف سے کُنری میں ایک کارخانہ بھی کُھلا ہوا ہے جو پندرہ ہزار کے سرمایہ سے شروع ہوا تھا اب یہ کارخانہ بھی کافی ترقی کر چکا ہے۔ بہرحال جیسا کہ میں نے بتایا ہے تحریک کی زمین پر ابھی آٹھ دس لاکھ قرض ہے جو آہستہ آہستہ ادا ہونے کی صورت اب نظر آ رہی ہے بشرطیکہ بھاؤ نہ گر گئے۔ میرا خیال تھا کہ اس سال ہم اڑھائی لاکھ روپیہ ادا کر دیں گے مگر ٹریکٹر خریدنے کی وجہ سے روپیہ اس طرف صَرف ہو گیا۔ آئندہ سال اگر بھاؤ اچھے رہے تو امید ہے ہم اڑھائی تین لاکھ روپیہ قرض ادا کر سکیں گے۔ میری سکیم یہ ہے کہ جب قرض اُترنے کے بعد ایک اچھا ریزروفنڈ قائم ہو جائے تو ہم اس کی آمد کے ایک حصہ سے ہنگامی اخراجات چلایا کریں اور عام طور پر ہنگامی کاموں کے لئے چندہ کو استعمال نہ کیا کریں، دوسرے حِصّہ سے ریزروفنڈ کو بڑھایا جاتا رہے۔ بہرحال زراعت میں گو ہمیں اتنی کامیابی نہیں ہوئی جتنی ایک پنجابی زمیندار کو ہوتی ہے لیکن ایسی کامیابی ضرور ہوئی ہے کہ ہم شرمندگی سے بچ سکتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے حالات نظر آ رہے ہیں کہ اگر قیمتیں نہ گریں تو ریزروفنڈ آسانی کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔

محاسبہ کی ضرورت

اب سوال یہ ہے کہ سب نقائص جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے کس طرح دور کئے جائیں؟ اس بارہ میں ہمیں سب سے پہلے اِس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اِن نقائص کی وجوہات کیا ہیں؟ میرے نزدیک اِن نقائص کی ایک بڑی وجہ عدمِ محاسبہ ہے۔ جماعت کی طرف سے کوئی محاسبہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ہمارے اداروں کے کاموں پر سُستی اور غفلت چھائی ہوئی ہے۔ اگر افسروں سے محاسبہ کیا جائے تو یہ نقائص بہت جلد دور ہو سکتے ہیں۔ ان کی سستی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں اور جب قوم میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو افسروں کے اندر سُستی کا احساس ترقی کر جاتا ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کے پاس افسر کوئی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس قسم کے افسر ہماری انجمن میں کام کر رہے ہیں ان پر

کوئی بھی سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔

ناظر صاحب اعلیٰ اکسٹھ سالہ عمر کے پنشنر ہیں اور سات آٹھ سال میں وہ اُس عمر کو پہنچنے والے ہیں جب انسان کسی کام کے قابل نہیں رہتا۔ ناظر صاحب امور عامہ نوجوانی کی حالت میں آئے اور اب وہ ساٹھ سال کے قریب پہنچ چکے ہیں اور بوجہ آزاد مشنوں میں کام کرنے کے کام کی عادت بالکل بُھلا چکے ہیں۔

ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ باسٹھ یا چونسٹھ سال کے ہیں۔ (میں ان کی عمر اپنی عمر سے ایک سال زیادہ سمجھتا ہوں اور وہ ہمیشہ اپنی عمر مجھ سے ایک سال کم بتاتے ہیں۔ میرے حساب کی رو سے وہ چونسٹھ سال کے ہیں اور اپنے حساب کی رو سے وہ باسٹھ سال کے ہیں) مگر یہ ہمت والے ہیں اور اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ناظر صاحب تعلیم وتربیت بھی اکہتر سال کے ہو چکے ہیں۔ ناظر صاحب بیت المال اُٹھہتر سال کے ہیں اور پھر ساتھ ہی انہیں فالج بھی ہے۔

نائب ناظر تیار کئے جائیں

یہ لوگ دماغ تو ہیں مگر ہاتھ بھی تو ہونے چاہئیں اور اس کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ۱۵۔۱۶ نائب ناظر تیار کئے جائیں۔ ورنہ کسی وقت انجمن بالکل دیوالیہ ہو جائے گی لیکن نہ تو ہماری فنانس کمیٹی نے اِس بات کو سوچا اور نہ انجمن نے اس پر کبھی غور کیا۔ ان میں یہ مرض ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جتنا کام ہے وہ سب ہمارے ہاتھوں میں ہی رہے۔ جن قوموں میں بیداری نہیں ہوتی اور حکومت کا مادہ اُن میں نہیں پایا جاتا، وہ یہی چاہتی ہیں کہ جو کام بھی ہو ہمارے ہاتھ میں ہی رہے نوجوانوں کے پاس نہ جائے مگر سوال تو یہ ہے کہ ایسی حالت میں کب تک کام چلے گا۔ ہمارے ہر محکمہ کے لئے قابل، لائق اور کام کے ماہر نوجوانوں کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں کے فارغ ہونے سے پہلے پہلے وہ ان کے کام کو سنبھال لیں۔ اگر اس غرض کے لئے صدر انجمن احمدیہ کو زیادہ تنخواہیں بھی دینی پڑیں تو بہرحال اسے زیادہ تنخواہیں دینی چاہئیں اور کام کے قابل نوجوان جو اچھے تعلیم یافتہ ہوں ہمیں فوری طور پر تیار کرنے چاہئیں۔ ورنہ مجھے تو صدر انجمن احمدیہ کام کے لحاظ سے دیوالیہ نظر آتی ہے۔

غلبہ اسلام کیلئے سکیم کی ضرورت

اب میں وہ عام باتیں لیتا ہوں جن سے کام لینا ضروری ہے۔ اوّل تمام کام نیک نیتی سے درست ہوا کرتے ہیں۔ پس ہر شخص میں احساس ہونا چاہئے کہ وہ نیک نیتی سے کام کرے اور ہمیشہ اِس امر کو مدنظر رکھے کہ میں نے دُنیا فتح کرنی ہے۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آنے کی غرض تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بتاتا ہے کہ ہم نے ظلِّ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس لئے بھجوانا ہے تاکہ وہ سارے ادیان پر اسلام کو غالب کرے [۲] اور جب مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنا ہے تو اس کام کے لئے کوئی نہ کوئی سکیم ہونی چاہئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فتح اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت سے ہوا کرتی ہے اور ہماری کوششیں ایک حقیر چیز ہیں مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی سکیم تو ہمارے سامنے ہونی چاہئے جس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکیں کہ ہم اپنی جدوجہد کو اِس اِس رنگ میں جاری رکھیں گے۔ محض کسی وقت ایک آدھ اشتہار کا شائع کر دینا یا کسی کتاب کا شائع کر دینا سکیم نہیں کہلا سکتا۔ سکیم وہ ہوتی ہے جو متواتر جاری رہنے والی ہو اور جس سے ہر فرد واقف ہو اور جس پر عمل کرنے کے لئے ہر شخص کے اندر جوش اور تڑپ ہو۔ اس کے بغیر عقلی طور پر دُنیا کو فتح کرنا ناممکن ہے مگر میرے پاس دفاتر کی طرف سے جو رپورٹیں آتی ہیں ان میں اس قسم کی کسی سکیم کا ذکر نہیں ہوتا۔ مثلاً ناظر صاحب اعلیٰ کی طرف سے ہی رپورٹ آ جائے گی کہ اس ہفتہ میں ہم نے ساٹھ چِٹھیاں بھیجیں۔ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے دنیا میں اسلام اور احمدیت پھیلانے کے لئے کیا کوشش کی ہے۔ چِٹھیاں بھجوا دینا تو ایک پوسٹ آفس کا کام ہے۔

مصارف کی نگرانی

دوسرے ایک زبردست رائے عامہ پیدا کرو تاکہ یہ مردے کسی طرح زندہ ہو جائیں۔ ہر فرد کے اندر یہ احساس ہونا چاہئے کہ میں چندہ تو خدا کو دیتا ہوں مگر میرا ساتھ ہی یہ بھی کام ہے کہ میں اس روپیہ کا حساب لوں اور دیکھوں کہ وہ صحیح مقام پر صرف ہوا ہے یا نہیں۔ یہ دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ روپیہ دینا تمہارے لئے ضروری ہے اور تمہارے لئے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ تم یہ روپیہ کسی انسان کو نہیں بلکہ خدا کو دے رہے ہو مگر ساتھ ہی تمہارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ

تم خدا تعالیٰ کے روپیہ کی نگرانی اپنے روپیہ سے بھی زیادہ رکھو تا کہ وہ بے جا خرچ نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ شام میں گئے وہاں اطلاع ملی کہ ارد گرد کے علاقوں میں طاعون پھیل رہی ہے۔ آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو سب نے یہی رائے دی کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں، آپ واپس تشریف لے جائیں۔ لیکن حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ جو کمانڈر انچیف تھے اُن کی رائے اس کے خلاف تھی۔ جب واپسی کا فیصلہ ہو گیا اور تیاری ہونے لگی تو حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اَتَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ کیا آپ اللہ کی ایک تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰہِ[۳] ہاں ہم خدا کی تقدیر سے اس کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ اس طرح بیشک روپیہ تمہارا نہیں مگر ساتھ ہی تمہاری یہ بھی تو ذمہ داری ہے کہ تم دیکھتے رہو کہ خدا کے روپیہ کا صحیح استعمال ہو ورنہ غلط ذہنیتیں بعض دفعہ بڑی بڑی خرابیاں پیدا کر دیتی ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے جب کوئی شخص کہتا کہ مجھے روپیہ کی ضرورت ہے تو آپ کہا کرتے کہ بیت المال سے کیوں نہیں لے لیتے؟ بیت المال میں جتنا مال ہے سب خدا کا ہے اور تم خدا کے بندے ہو خدا کا مال اگر خدا کے بندے نے لے لیا تو کیا حرج ہؤا۔ اُن کی باتیں سُن سُن کر بعض لوگوں نے ڈاکے مارنے شرع کر دیئے۔ جب حضرت عثمانؓ کو اِس بات کا علم ہؤا تو آپ نے اُنہیں ڈانٹا اور پھر حکم دے دیا کہ وہ مدینہ سے دس بارہ میل باہر رہا کریں تا کہ لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب نہ بنیں۔[۴] لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر جو اعتراضات کئے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو باہر نکال دیا اور اُن پر ظلم کیا حالانکہ اگر وہ مدینہ میں رہتے تو سارا اسلامی خزانہ لُوٹا جاتا کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ خدا کا مال اگر خدا کے بندے استعمال کر لیں تو یہ ان کا حق ہے۔ حالانکہ خدا کے مال کے صرف اتنے معنے ہوتے ہیں کہ اس کا ناجائز استعمال نہ کرو اور اسے زیادہ سے زیادہ روحانیت کی ترقی کے لئے استعمال کرو۔ یہ معنے نہیں ہوتے کہ اسے جب چاہو اپنے ذاتی استعمال میں لے آؤ۔ پس جماعت کو ایک زبردست رائے عامہ پیدا کرنی چاہئے۔ اب تو میں شور مچاتا ہوں اور یہ لوگ اپنی مجالس میں مجھ پر پھبتیاں اُڑاتے ہیں اور رائے عامہ ان کی تائید کرتی ہے اگر رائے عامہ بیدار ہو جائے تو پھر سُستوں کے خوش ہونے

کی کوئی صورت نہیں رہتی۔

پنشنرز اپنی خدمات پیش کریں

تیسرے جب تک نئے لوگ تیار نہ ہوں اس وقت تک ضروری ہے کہ پنشنرز آئیں اور کام کریں۔ کچھ انہیں پنشن مل جائے گی اور تھوڑی سی رقم سلسلہ سے لے لیں۔ اس طرح ان کا گزارہ بھی معقول ہو جائے گا اور سلسلہ کے کام میں بھی ترقی ہو گی۔ آجکل لوگوں میں یہ ایک مرض پیدا ہو رہا ہے کہ سلسلہ کے کاموں سے عموماً بے توجہی برتی جاتی ہے۔ یہ بڑی غفلت کی علامت ہے اور اس کو جس قدر جلد ہو سکے دور کرنا چاہئے کیونکہ دین کے کام میں جو عزت ہے وہ کسی اور کام میں نہیں۔

ناظر اور وکلاء نائبین کو کام سکھائیں

(۴) میں نے بتایا ہے کہ اصلاح کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ نئے نوجوان نائب ناظر اور نائب وکیل لگائے جائیں مگر اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ایسا نہ ہو ناظر اور وکلاء انہیں الگ کر کے بٹھا دیں یا انہیں ایسے کاموں پر لگا دیں جو ناظروں کے نہیں بلکہ کلرکوں کے ہیں۔ پہلے بعض ناظروں اور وکلاء نے ایسا کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بعض نوجوان دل برداشتہ ہو گئے اور وہ کام چھوڑ کر چلے گئے۔ ورنہ جن نوجوانوں کو کام کرنے کا موقع ملا ہے انہوں نے اپنے اپنے درجہ کے مطابق نہایت اچھا کام کیا ہے مثلاً بیتُ الْمال میں عبدالباری ہے۔ جب خان صاحب بیمار ہو گئے اور راجہ علی محمد صاحب کام چھوڑ کر چلے گئے، عبدالباری ہی ناظر بنا رہا اور دو تین سال تک اس نے اچھا کام چلایا۔ اس کے کام میں نقص بھی نکالے جاتے ہیں مگر جب بوجھ آپڑا تو اس نے کام کر کے دکھا دیا۔ گو اس کی طبیعت میں شدید بدظنی اور غلط نکتہ چینی کا مادہ ہے جس کی وجہ سے وہ ہر وقت خطرناک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح صلاح الدین ہے، اس نے اپنے کام کو خوب سنبھال لیا ہے۔ پھر سعید عالمگیر ہے، وہ بھی بہت اچھا کام کرنے والا ہے۔ عزیز احمد وقف زندگی ہے وہ بھی خوب کام کر رہا ہے اور تعریف کے قابل ہے شاہ صاحب نے بھی اب اپنے دو ماتحت گریجوایٹ کو کام سکھانا شروع کر دیا ہے۔ میں نے اب بھی کہا ہے کہ وہ ایسے قابل نہیں مگر میری رائے پہلے ان کے متعلق بہت زیادہ خراب تھی۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے

کچھ نہ کچھ کام سنبھال لیا ہے۔ بہرحال ناظروں اور وکلاء کا فرض ہے کہ وہ اپنے نائبین کو کام سکھائیں تاکہ وقت آنے پر وہ سلسلہ کا بوجھ برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ نوجوان بی۔اے بلکہ ایم۔اے ہونے چاہئیں۔ اِسی طرح پنشنروں کو چاہئے کہ وہ آخری عمر میں سلسلہ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ وہ ساری عمر ایک ایک دو دو روپیہ کی ترقی کے لئے لڑتے رہے ہیں۔اب انہیں خدا کی خوشنودی کے لئے بھی کوئی کام کرنا چاہئے تاکہ ان کی عاقبت سنور جائے۔

تمام محکمے اپنی سکیم جماعت کے سامنے لائیں

(۵) پھر ترقی کے لئے ضروری ہے کہ تمام محکموں کو جماعت کے سامنے پروگرام پیش کرنے پر مجبور کیا جائے۔ مثلاً اخبارات میں ہر محکمہ کا پروگرام شائع ہو اور پھر دوسرے لوگ اخبار ہی کے ذریعہ سے اس کے متعلق مشورہ دیں۔ یا سہ ماہی مجالس مرکز میں ہوں جن میں جماعت کے نمائندے مشورے دیں اور کام کا جائزہ لیں۔ بہرحال کوئی نہ کوئی طریق ایسا ہونا چاہئے جس سے محکمے اپنے پروگرام پیش کرنے پر مجبور ہوں۔ ہمارا کام دنیا میں اسلام پھیلانا ہے۔ پس ہمارے محکموں کو یہ بتانا چاہئے کہ انہوں نے اس غرض کے لئے کیا سکیم بنائی ہے۔ اس پر تقریریں کرواؤ، مضامین شائع کرواؤ، محاسبہ کرو اور پوچھو کہ تم کیا کر رہے ہو۔ اس طرح امید ہے کہ دو چار سال کے اندر اندر جماعت میں بیداری پیدا ہونی شروع ہو جائے گی اور محکموں کی غفلت کم ہو جائے گی۔

نگران کمیٹیاں

(۶) پھر جیسے فنانس کمیٹی مقرر ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ آئندہ تین تین آدمیوں کی نگران کمیٹیاں بنائی جائیں۔ ایک امورِ عامہ کی نگران کمیٹی ہو، ایک دعوۃ و تبلیغ کی ہو، ایک وکالتِ تبشیر کی ہو، ایک تعلیم و تربیت کی ہو، ایک تجارت اور صنعت کی ہو، ایک بیت المال کی ہو، ایک تصنیف کی ہو، ایک زراعت کی ہو، ہر شخص کو معائنہ کا حق حاصل ہو اور سال بھر میں دو دفعہ لازمی طور پر اجتماعی معائنہ ہو۔ آدمی وہی لئے جائیں جو تعلیم یافتہ ہوں اور فن کو سمجھنے والے ہوں۔ سال میں دو دفعہ معائنہ کرنے کے بعد وہ تفصیلی رپورٹ کریں جو شوریٰ میں پیش ہو اور پھر وہ رپورٹ تمام جماعتوں کے مطالعہ کے لئے شائع کی جائے۔ اس قسم کی رپورٹوں پر شروع میں بے شک

اخراجات ہوں گے لیکن دو تین سال میں ہی جماعتیں بیدار ہو جائیں گی اور پھر امید ہے کہ اس کے نتیجہ میں چندوں میں بھی آٹھ دس لاکھ کی زیادتی ہو جائے گی۔ شاہ صاحب نے کچھ کام کرنا شروع کیا ہے جس کے نتیجہ میں جماعتوں میں تبلیغی لحاظ سے کچھ بیداری نظر آتی ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام محکموں میں ایک نیا خون داخل کیا جائے اور اس کی یہی صورت ہوسکتی ہے کہ نگران کمیٹیاں مقرر ہوں جو تمام محکموں کا معائنہ کریں اور پھر معائنہ کی رپورٹ پیش کریں تاکہ اس کی روشنی میں محکمے اپنے اپنے نقائص کا ازالہ کرسکیں۔ بہرحال پانی سر سے گزر چکا ہے اگر اس وقت اس طرف توجہ نہ کی گئی تو پھر پچھتانا فضول ہوگا اور اپنے نفس کے سوا آپ لوگوں کو کسی پر حرف گیری کرنے کا حق نہ ہوگا۔

تبلیغ کی طرف توجہ کی ضرورت

تبلیغ کی طرف بھی ہماری توجہ بہت ہی کم ہے بِالعموم ہماری جماعت میں جو پڑھے لکھے آدمی ہیں وہ تبلیغ سے اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اور تبلیغ کرتے بھی ہیں تو اس طرح کہ بڑے فخر سے خط لکھتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا کہ فلاں چپڑاسی جو بیس سال سے زیرِ تبلیغ تھا اس نے احمدیت قبول کر لی ہے۔ کیا تم چپڑاسی جتنی لیاقت رکھنے والے ہو۔ تمہاری قابلیت تو اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ تم کسی ای۔ اے سی کو تبلیغ کرتے یا اگر تم ڈاکٹر یا وکیل ہو تو کہتے فلاں ڈاکٹر اور وکیل نے ہماری تبلیغ سے احمدیت قبول کی ہے مگر کیا ان کو تبلیغ کرتے ہوئے تمہاری زبان کٹتی ہے۔ تم سلام کر کے آجاتے ہو اور تم انہیں کہتے کچھ نہیں تاکہ ان کے سامنے تمہاری عزت قائم رہے مگر دنیا پھر بھی تم کو بدنام کرتی ہے اور تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ تم خدا کو جواب دینے کے بھی قابل نہیں۔ پس تم غور کرو اور سوچو کہ تم نے کتنے لوگوں کو تبلیغ کی ہے۔ اگر تم تبلیغ کرو تو لازماً لوگوں کے دلوں میں صداقت کی جستجو پیدا ہو۔ ابھی پچھلے دنوں دو احمدی وکلاء کی تحریک پر پانچ سات غیر احمدی وکیل ربوہ میں آئے اور انہوں نے مرکز کو دیکھا اور حالات معلوم کئے۔ اسی طرح اگر سب لوگ کوشش کریں تو نہایت شاندار نتائج پیدا ہوسکتے ہیں۔ آخر تم کو غور کرنا چاہئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کے لاڈلے تھے کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں احمدی بنا دیا اور اُن کو احمدی نہیں بنا سکتا۔ جس طرح تم پر فضل ہوا اسی طرح اُن پر بھی ہوسکتا ہے۔ یہ صرف تمہاری سُستی ہے کہ تم مجالس میں اپنی واہ واہ کرانے کے لئے

اُنہیں تبلیغ نہیں کرتے مگر دشمن پھر بھی تمہیں بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ گویا دونوں جگہ تم اپنا منہ کالا کراتے ہو۔ پاکستان گورنمنٹ سے لوگ ملنے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہر احمدی تبلیغ کرتا ہے گو ہر احمدی کا تبلیغ کرنا جُرم نہیں۔ بُری بات یہ ہے کہ کوئی اپنے ماتحت پر اثر ڈال کر اسے تبلیغ کرے۔ اور ادھر خدا سے تم ملنے جاؤ گے تو خدا کہے گا کہ مجھ سے کیا لینے آئے ہو، میری تو تم نے کبھی تبلیغ ہی نہیں کی۔ پس نہ اِس جہاں میں عزت رہی اور نہ اگلے جہان میں عزت ملی۔ پھر اس کا فائدہ کیا ہوا۔ پس ہر شخص جسے قانون اجازت دیتا ہے اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنی اپنی سوسائٹی میں تبلیغ کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو کسی وکیل کا یہ لکھ دینا کہ میرا منشی بیعت کرتا ہے، یہ کوئی خوبی کی بات نہیں۔ معلوم نہیں اس نے کسی لالچ کے لئے احمدیت قبول کی ہے یا محض خانہ پُری کے لئے کی ہے۔ تبلیغ اپنی حیثیت کے لوگوں میں کرنی چاہیئے اور اگر ہر شخص ایسا کرے تو تم دیکھ لوگے کہ کس طرح دو چار سال میں ہی جماعت بڑھ جاتی ہے۔ یہ کہہ دینا کہ کوئی مانتا نہیں بالکل غلط ہے۔ وجہ صرف یہی ہے کہ تم تبلیغ نہیں کرتے۔ اگر اس کے لئے کوئی معیّن سکیم تیار کی جائے تو بڑے وسیع نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

دارالتبلیغ کراچی: مَیں اس موقع پر یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ کراچی کی اہمیت چونکہ پاکستان کی وجہ سے بہت بڑھ گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں ہمارا مکان بن جائے اور ضروری ہے کہ سلسلہ کے نہایت اچھے اور قابل نمائندے وہاں رہیں۔ تا کہ ہمارا سلسلہ ساری دنیا سے روشناس ہو سکے ورنہ بیرونی ملکوں پر بُرا اثر پڑے گا۔

وقف کی شرائط

ایک اور بات جس کو مَیں دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وقف کی شرائط کے متعلق میرے نظریہ میں کچھ تبدیلی پیدا ہوئی ہے کیونکہ میں نے دیکھا کہ کئی لوگوں نے اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کیا اور پھر بھاگ گئے۔ اس کی بڑی وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ وقف بچپن میں کیا جاتا ہے یا وہ لوگ بھی جن کا صرف ایک ہی بچہ ہوتا ہے، اپنے بچوں کو وقف کر دیتے ہیں اور پھر اُنہیں مشکلات پیش آتی ہیں۔ اب غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ وقف کے متعلق مندرجہ ذیل امور مدنظر رکھنے چاہئیں۔

اوّل:- وقف ایک سے زیادہ اولاد والوں میں سے کسی ایک کا ہو۔ ہم دوسروں کا رستہ بند نہیں کرتے وہ بھی وقف کر سکتے ہیں مگر ایسے قواعد ضرور ہونے چاہئیں کہ مجبوری کے وقت وہ آسانی سے فارغ کئے جا سکتے ہوں۔

(۲) وقف صرف بالغ مرد کا ہو۔ اکیس سال سے پہلے کے وقف آئندہ نہ لئے جائیں اور گزشتہ وقفوں کو بھی فارغ کرنے کا راستہ کُھلا رکھا جائے تاکہ وقف لڑکے کا ہو باپ کا نہ ہو اور اس میں نمائش نہ ہو بلکہ حقیقت ہو۔

(۳) اکیس سال سے پہلے جن کو وظائف دیئے جائیں جیسے جامعہ احمدیہ وغیرہ میں تعلیم پانے والوں کو دیئے جاتے ہیں، وہ بطور قرض ہوں جو وقف کی صورت میں وقف کے اندر مدغم ہو جائیں اور غیر وقف کی صورت میں وہ صرف قرضہ ہو جو حسب شرائط و معاہدہ وصول کر لیا جائے۔

(۴) سابق واقفین جن کی تعلیم پر سلسلہ کا روپیہ خرچ ہوا ہے، وہ بھی محکمہ کے قواعد کے مطابق رقم واپس کر کے فارغ ہو سکتے ہیں۔

(۵) جو والدین اپنے بچوں کو وقف کرنا چاہیں وہ امیدوارانِ وقف کی لسٹ میں رہیں۔ جب وہ اکیس سال کے ہو جائیں تو اُن سے دوبارہ پوچھا جائے کہ آیا وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے وقف کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ وقف نہ کرنا چاہیں تو ان کو فارغ کر دیا جائے اور اگر وقف ہونا چاہیں تو ان کا وقف قبول کر لیا جائے۔ بہرحال بچوں کو بڑے ہو کر آزاد ہونے کا پورا حق حاصل ہو تاکہ ان کی خدمت چٹّی نہ ہو اصلی اور سوچی سمجھی ہوئی قربانی ہو۔ میرے نزدیک اس سال کی مجلس شوریٰ میں اس امر پر بھی غور ہونا چاہئے کہ ہماری جماعت کے تاجروں، صنّاعوں اور زمینداروں کی الگ الگ کمیٹیاں مقرر ہوں۔ جن کے نمائندے سال میں کم سے کم ایک دفعہ یہاں آئیں اور باہمی مشورہ کر کے اپنی ترقی کی سکیمیں طے کریں۔ تاجر اور صنّاع جس قدر آ سکیں ان کو اس موقع پر آنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسی طرح زمینداروں کے نمائندے بھی آنے چاہئیں کیونکہ وہ بڑی تعداد میں ہیں۔ یہ سرِدست ایک مشاورتی کمیٹی ہو جو قربانی تعاون اور ترقی کی روح پیدا کرے اور تحریک سے کام لے نہ کہ جبر سے یہ نظارت امور عامہ کا

کام ہے۔

اخراجات میں تقدّم وتأخّر کو ملحوظ رکھا جائے

اصولی طور پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنے تمام اخراجات میں تقدّم اور تأخّر کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ یعنی ہمارا کام یہ ہونا چاہئے کہ جو بھی پروگرام بنایا جائے اور اس کے لئے جو رقوم بھی تجویز کی جائیں آئندہ سالوں میں بجٹ کی توسیع اس سکیم کے تابع ہو اور جب بھی روپیہ میں زیادتی ہو ان تجاویز کو مقدم رکھا جائے تا کہ بے منصوبہ کام نہ بڑھے اور اگر خاص ضرورت کے ماتحت کانٹا بدلنا پڑے تو یا خلیفۂ وقت کی سابق منظوری سے تجویز بدلی جائے۔ جس میں صاف لفظوں میں لکھا ہو کہ فلاں فلاں مقدّم کام کو مؤخّر کر کے اس نئے کام میں روپیہ لگایا جائے اور یا پھر شوریٰ میں پہلے فیصلہ کروایا جائے کہ اس کام کو دوسرے کاموں پر مقدّم کیا جائے اور پھر وہ تجویز پیش ہو۔ اب تو بعض دفعہ مجھ سے کھیل کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں کام کے لئے اتنی رقم منظور کی جائے اور جب میں منظور کر لیتا ہوں اور بعد میں دریافت کرتا ہوں کہ فلاں کام جس کی منظوری میں پہلے دے چکا تھا وہ کیوں نہیں ہوا تو کہا جاتا ہے کہ آپ کی منظوری سے ہی وہ رقم فلاں کام میں خرچ کر دی گئی ہے۔ حالانکہ ایسے موقعوں پر ضروری ہوتا ہے کہ نام لے کر وضاحت کروائی جائے اور فیصلہ کروایا جائے کہ فلاں کام کی جو منظوری دی گئی تھی اُسے ردّ کیا جاتا ہے اور پھر کسی نئے کام کے لئے کسی رقم کی منظوری کا سوال اُٹھایا جائے۔ بہرحال ہمارے کاموں میں تقدّم اور تأخّر کا فیصلہ ہونا ضروری ہے تا کہ مقدم کاموں کو اختیار کیا جا سکے اور بغیر کسی سکیم کے ہمارا کام نہ بڑھے اور نہ روپیہ کا ضیاع ہو۔

مَیں سب کمیٹیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان امور پر غور کر کے اپنی اپنی رپورٹیں تیار کریں اور مَیں جماعت کے نمائندگان سے بھی کہتا ہوں کہ اگر وہ یہ دیکھیں کہ جن امور کی طرف مَیں نے توجہ دلائی ہے ان میں سے کسی بات پر کمیٹی نے غور نہیں کیا تو اس بارہ میں انہیں مجلس شوریٰ میں ترمیم پیش کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ خواہ فنانس کمیٹی کسی بات کی طرف توجہ نہ کرے یا دوسری کمیٹیاں کسی پہلو کو نظر انداز کر دیں۔

اس کے بعد مَیں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور سب کمیٹیوں کے صدر صاحبان سے

کہتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے ممبروں کو یہ بتا دیں کہ کس وقت اور کس مقام پر ان کا مشورہ کے لئے جمع ہونا ضروری ہوگا تا کہ سب کمیٹیاں اپنی اپنی کارروائی جاری رکھ سکیں‘‘۔

دوسرا دن

مجلس مشاورت میں صحابہ کی نمائندگی

مشاورت کے دوسرے دن ۱۲۔ اپریل ۱۹۵۲ء کو نظارت اعلیٰ کی رپورٹ پیش ہونے کے بعد حضور نے فرمایا:-

دوستوں نے ناظر صاحب اعلیٰ کی رپورٹ سُن لی ہے۔گزشتہ سال کے فیصلہ جات جو تعیین نمائندگان کے متعلق تھے اس میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں مثلاً صحابہؓ کی نمائندگی کے متعلق ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ۱۹۰۰ء سے پہلے کے صحابہ سارے کے سارے بطور حق کے ممبر ہیں اس میں جو مضمون ہے وہ بتاتا ہے کہ اس میں درحقیقت صحابہؓ کی اہمیت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔یعنی وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صُحبت حاصل کی اور استفادہ کیا۔ان کے شوریٰ میں بُلانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کی صُحبت کے اثر سے برکت کی جائے لیکن صحابہؓ کا لفظ بولتے وقت ایسی تشریح نہیں کی گئی جس میں یہ سارا مضمون آجائے۔صحابہ کو بطور حق ممبر بناتے وقت یہی بات مدنظر تھی کہ ایسے لوگوں کو شمولیت کا موقع دیا جائے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صُحبت حاصل کی ہو اور اس سے فائدہ اُٹھایا ہو لیکن محض صحابہؓ کے لفظ میں وہ بچہ بھی شامل ہے جو ۱۸۹۸ء، ۱۸۹۹ء، یا ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوُا۔ بہرحال صحابی کے لفظ کی تشریح ہونی چاہئے۔صحابہ کی یہ تعریف بھی کی جاتی ہے کہ وہ شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہوگیا اور اس نے اپنی زندگی میں چاہے کفر کی حالت میں ہی ہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا ہو تو وہ صحابی ہے۔ پھر ایک تعریف یہ بھی ہے کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا ہو یا آپؐ نے اُسے دیکھا ہو۔غرض صحابیؓ کی کئی تعریفیں ہیں، مختلف ضرورتوں کے ماتحت اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں لیکن محض دیکھ لینے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا، ہمیں فائدہ تو اسی صورت

میں ہوگا کہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صُحبت حاصل کی ہو اور پھر اس سے استفادہ کیا ہو۔ پس یہ بتانا چاہئے کہ صحابہؓ سے کون سے صحابہ مراد ہیں۔ چونکہ اس بات کی پہلے تشریح نہیں کی گئی تھی اس لئے نتیجہ یہ ہؤا کہ شوریٰ کے لئے بعض ایسے صحابہ کے نام بھی آ گئے جن کے متعلق مَیں قطعی طور پر یہ سمجھتا تھا کہ وہ ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ جب ان پر یہ سوال کیا گیا کہ ان میں سے وہ کون سے صحابہ ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صُحبت حاصل ہوئی ہے؟ تو بعض ایسے لوگ بھی نکل آئے جنہیں صُحبت نصیب ہی نہیں ہوئی تھی۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے تین دن تک کاغذات اپنے پاس رکھے کہ تحقیقات ہو رہی ہے حالانکہ بعض معروف صحابہ تھے مثلاً ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب اور ماسٹر فقیر اللہ صاحب جن کو ہم جانتے ہیں لیکن اُنہیں بھی اِسی بناء پر محروم کر دیا گیا کہ ابھی تحقیقات ہو رہی ہے حالانکہ یہ ایسی چیز نہیں تھی جو ہم نہیں کر سکتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ کے لئے اس بات کا فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ صحابی کی تعریف اس حق کے حاصل کرنے کے لئے کیا ہوگی۔ آیا صحابی کی یہ تعریف ہوگی کہ وہ شخص جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی حالت میں بھی دیکھا ہو اور اُس زمانہ میں یا بعد میں ایمان لایا ہو۔ یا جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھ لیا ہو۔ یا اس کی یہ تعریف کی جائے گی کہ اس سے وہ صحابی مراد ہے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہ صرف دیکھا ہو بلکہ آپ کی صُحبت بھی حاصل کی ہو اور پھر استفادہ بھی کیا ہو۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ یہ قانون تو بنا دیا گیا کہ ۱۹۰۰ء کے بعد کے صحابہ میں سے پندرہ صحابہ لے لئے جائیں لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ ان کے انتخاب کی کیا صورت ہوگی اور نتیجہ یہ ہؤا کہ صرف ربوہ کے صحابہ کی فہرست دے دی گئی۔ میں نے کہا کیا ربوہ کے صحابہ کو کوئی خاص فوقیت حاصل ہے کہ صرف انہیں حق دے دیا گیا ہے اور باہر کی جماعتوں کا خیال نہیں رکھا گیا۔ میں رات کو اِس بات پر غور کر رہا تھا لیکن میرے ذہن میں کوئی صورت نہیں آئی کہ کس طرح سارے صحابہ کا خیال رکھا جائے۔ آیا سارے صحابہ کی ایک فہرست بنا لی جائے اور پھر ان میں قُرعہ ڈال کر نام منتخب کئے جائیں یا کوئی اور صورت نکالی جائے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ شوریٰ میں نمائندگی کا حق لاہور، سیالکوٹ، گجرات، گوجرانوالہ اور

دوسری جگہوں کے رہنے والے صحابہ کو نہ دیا جائے۔ مثلاً اپنی سہولت کے لئے یہ قاعدہ بنا سکتے ہیں کہ ہر جماعت جو ایک نمائندہ منتخب کر سکتی ہے اگر اسے ایک نمائندہ کا حق ہے تو اسے ایک زائد نمائندہ بھیجنے کا حق ہوگا جو صحابی ہوگا کیونکہ ہم ایک کے ٹکڑے نہیں کر سکتے۔ یا مثلاً یہ رکھا جائے کہ ۲۵ فیصدی نمائندگی پر ایک زائد نمائندہ صحابی آئے، اس طرح ہر جماعت کو نمائندہ بنانے کا حق حاصل ہو جائے گا اور کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بظاہر پچیس فیصدی نمائندگی کا حق دے کر ہم نے صحابہ کو کوئی زائد نمائندگی نہیں دی بلکہ پہلے انہیں ۱۰۰ فیصدی نمائندگی حاصل ہؤا کرتی تھی وہ ہم نے پچیس فیصدی کر دی ہے۔ صحابہ ویسے ہی نمائندگی کے حقدار ہیں جیسے دوسرے لوگ۔ صرف یہ علیحدہ نمائندگی کا حق اس لئے دیا گیا ہے تا صحابہ کا عنصر کم نہ ہو۔ اگر کسی جماعت کو ۱۲ نمائندے بھیجنے کا حق ہے تو اسے تین صحابہ بھیجنے کا بھی حق ہوگا۔ اگر کسی جماعت کے نمائندے چار سے کم ہوں تب بھی وہ ایک صحابی بطور نمائندہ بھیج سکتی ہے۔

یہ تجاویز ہیں، آپ ان پر غور کر لیں۔ پہلے دن مجلس شوریٰ میں صحابہ کی نمائندگی مفقود تھی۔ آج ۱۹۰۰ء سے قبل کے صحابہ کو تو نمائندگی مل گئی ہے لیکن ۱۹۰۰ء سے بعد کے صحابہ میں سے جن پندرہ صحابہ کو نمائندگی کا حق ملنا تھا وہ نہیں ملا کیونکہ ان کے انتخاب کا ذریعہ نہیں بتایا گیا تھا۔‘‘

تیسرا دن

جماعتی کاموں کو ترقی دینے کے لئے زریں ہدایات

۱۳۔ اپریل ۱۹۵۲ء کو مجلس مشاورت کا آخری اجلاس شروع ہؤا۔ عام کارروائی سے قبل حضور نے جماعتی کاموں کو ترقی دینے کے لئے احباب جماعت کو بیش قیمت ہدایات سے نوازا۔ تلاوت قرآن کریم اور دعا کے بعد فرمایا:-

’’کل صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ کے متعلق فیصلہ کیا گیا تھا کہ اصولی طور پر اعداد وشمار کو قبول کر لیا جائے لیکن بعد میں مزید غور کر کے مَیں اس میں مناسب تبدیلی کروں گا تا کہ

بجٹ کم ہو جائے۔ جن دوستوں نے بجٹ کے متعلق تقاریر کی تھیں میں اُن کے نوٹ لیتا گیا تھا اور بعض باتیں اپنی طرف سے لکھتا گیا تھا۔ آج مَیں دوسری کارروائی شروع کرنے سے پہلے ان باتوں کے متعلق کچھ بیان کر دینا چاہتا ہوں۔

بعض باتیں چھوٹی ہوتی ہیں لیکن نتائج کے لحاظ سے بڑی اہم ہوتی ہیں۔ میں نے صدر انجمن احمدیہ کی مشکلات کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ بجٹ اخراجات ہمیشہ گزشتہ سال یا اس سے پہلے سال کی آمد سے ۱۰ فیصدی کم رکھا جایا کرے اور اس فیصلہ سے میری غرض یہ تھی کہ اس ذریعہ سے جماعت اپنے پروگرام بڑھانے میں کامیاب ہو سکے گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ یونہی خرچ ہوتا چلا جائے اور بعد میں ندامت اور پشیمانی حاصل ہو۔ کچھ سال تک تو اس سکیم پر عمل ہوتا رہا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدر انجمن احمدیہ نے آٹھ لاکھ روپیہ بطور ریزرو فنڈ جمع کر لیا لیکن ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں یہ قاعدہ ٹوٹ گیا اور شاید مجھ سے بھی اجازت طلب کر لی گئی تھی کہ مشکلات کی وجہ سے اس قاعدہ پر عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ آمد کو سخت صدمہ پہنچا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اخراجات بے انتہاء بڑھنے شروع ہوئے۔ آپس میں رسہ کشیاں شروع ہوئیں اور بجٹ اخراجات کو آمد سے بڑھا دیا گیا۔ اگر نتائج بھی بڑھتے تو ہمیں کوئی پریشانی نہ ہوتی مگر آمد کم رہی اور اخراجات بڑھتے چلے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اخراجات میں اتنی زیادتی ہوگئی کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ اگر کچھ دیر پہلے اس حالت کا پتہ لگ جاتا تو ہم سنبھل جاتے اور دیکھنے سے معلوم ہو جاتا کہ کس کس جگہ زیادتی ہوئی ہے۔ آیا عملہ میں زیادتی ہوئی ہے یا سائر میں زیادتی ہوئی ہے۔ اگر عملہ میں زیادتی ہوئی ہے تو عملہ میں مناسب کمی کی جاتی اور اگر سائر میں زیادتی ہوئی ہے تو سائر میں مناسب کمی کی جاتی اور آہستہ آہستہ بجٹ اعتدال پر آ جاتا۔

کارکنوں کی تنخواہیں

کل کہا گیا تھا کہ اگر کارکنوں کی تنخواہیں زیادہ ہوں تو وہ کام اچھا کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کارکنوں کی تنخواہیں قادیان سے بہت زیادہ ہیں لیکن مجھے کوئی ایسا کارکن نظر نہیں آتا جو خوش ہو۔ جتنی جتنی تنخواہ بڑھتی گئی ہے اُتنا اُتنا ملال بھی بڑھتا گیا ہے مثلاً صدر انجمن احمدیہ نے گریڈ چار کی بجائے پانچ کر دیا تو ایک کارکن چار کے گریڈ میں جتنا خوش تھا اُتنا ہی وہ اب پانچ کے گریڈ میں ناراض ہے

اُس کے نزدیک گریڈ پانچ نہیں ہونا چاہئے بلکہ آٹھ ہونا چاہئے۔ اگر انجمن نے کسی کارکن کی تنخواہ پچاس کی بجائے ساٹھ کر دی ہے تو جتنا شکوہ اُسے پچاس روپے تنخواہ کے متعلق تھا ساٹھ روپے تنخواہ پر اُس کا شکوہ اس سے بڑھ گیا ہے اس کے نزدیک تنخواہ ساٹھ نہیں اسّی ہونی چاہئے تھی حالانکہ بعض حالات میں ہمارے یہاں کے کارکنوں کی حالت گورنمنٹ کے کارکنوں کی حالت سے اچھی ہے۔ گورنمنٹ کے سارے محکموں کی تنخواہیں ایک سی نہیں۔ مرکز میں کارکنوں کی تنخواہیں اَور ہوتی ہیں، اضلاع میں تنخواہیں اَور ہوتی ہیں اور تحصیلوں میں تنخواہیں اَور ہوتی ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کی تنخواہوں کو جب دیکھا گیا تو ہمارے کارکنوں کی تنخواہیں ان کی تنخواہوں سے بڑھی ہوئی تھیں۔ اخباروں میں وقتاً فوقتاً جو اعلانات چَھپتے رہتے ہیں، ان سے ڈسٹرکٹ بورڈ کی تنخواہوں اور صدر انجمن احمدیہ کی تنخواہوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن پھر بھی یہ کہا گیا کہ صدر انجمن احمدیہ کے کارکنوں کی تنخواہیں کم ہیں۔ تو میں نے کہا تنخواہیں بڑھائی جائیں اور اصولاً مغز اسلام کے لحاظ سے بھی تنخواہیں بڑھانی چاہئیں۔ اسلام کا مغز یہ ہے کہ ہر شخص کے کھانے پینے کے لئے کافی گنجائش ہو۔ گو کارکن بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ حکومت، صدر انجمن احمدیہ اور ذاتی کاموں میں فرق ہے۔ حکومت جبراً ٹیکس وصول کرتی ہے لیکن صدر انجمن احمدیہ جبر نہیں کرسکتی۔ حکومت جبراً ٹیکس لیتی ہے اور دینے والے دیتے ہیں لیکن یہاں یہ کام نہیں ہوسکتا۔ کوئی انجمن خواہ کتنی طاقتور ہو، اس کے پاس جبر کی طاقت نہیں ہوسکتی اور لوگوں کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جو جبر سے مانتا ہے۔ حکومت جبر سے ٹیکس وصول کرے گی مگر ایک خلیفہ یا نبی ایسا نہیں کرے گا۔ ان کو جبر کی طاقت حاصل نہیں، جبر کی طاقت حکومت کو ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کے پاس زکوٰۃ لینے کے لئے آدمی بھیجے۔ اس نے کہا میرا اپنا گھر پورا نہیں ہوتا تمہیں کہاں سے دوں جس طرح یہاں بعض لوگ کہتے ہیں۔ اگر ان سے چندہ مانگا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ اپنے گھر کا حساب ٹھیک کریں یا آپ کو چندے دیں۔ حکومت ہوتی تو وہ کیا کرتی؟ وہ یقیناً جبراً وصول کر لیتی۔ انہیں جُرمانہ کرتی، قید کرتی، یا دونوں سزائیں ایک وقت میں انہیں دیتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی ایک وقت میں حکومت مل گئی تھی لیکن وہ حکومت جبری حکومت نہیں تھی اس لئے آپؐ نے جبر کا پہلو اختیار نہیں کیا بلکہ

اخلاقی پہلو اختیار کیا اور فرمایا اس شخص سے آئندہ زکوٰۃ نہ لی جائے۔ حکومت کے لحاظ سے آپ نے اس سے زیادہ وصول کر لینا تھا لیکن چونکہ آپؐ کے پاس حکومت نہیں تھی یا جو حکومت تھی اس میں مذہبی رنگ غالب تھا آپ اپنی زندگی میں بتانا چاہتے تھے کہ نبوت کا پہلو حکومت کے پہلو پر جو اتفاقی طور پر ملی ہے غالب ہے اس لئے آپؐ باوجود دُنیاوی حکومت مل جانے کے اس پر مذہبی پہلو غالب رکھتے تھے۔ پس آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرتا ہے اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کرو اور صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ زائد روپیہ وصول کرو بلکہ یہ فرمایا کہ اس سے آئندہ زکوٰۃ نہ لی جائے۔

سزا کا اثر مومن قلوب پر

اخلاقی لحاظ سے ایک شخص کے لئے جس میں ایمان ہو یہ سزا بہت بڑی ہے لیکن جس شخص میں ایمان نہیں وہ خوش ہوتا ہے کہ چلو اب کچھ دینا نہیں پڑے گا۔ میرا اپنا تجربہ ہے، جماعت کے بعض افراد کو جب یہ سزا دی جاتی ہے کہ ان سے چندہ نہ لیا جائے تو ان کے خطوط پر خطوط آتے ہیں کہ ہمیں معاف کر دیا جائے، غلطی ہوگئی تھی آئندہ ایسا نہیں ہوگا لیکن بعض کی طرف سے کوئی خط آتا ہی نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اچھا ہوا روپیہ ضائع ہو رہا تھا ہمارے کام آئے گا۔ وہ شخص جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سزا دی تھی اُس میں ایمان موجود تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اس لئے وہ اگلے سال دونوں سالوں کی زکوٰۃ لے کر آ گیا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللہ! وہ حکم تو پچھلے سال کے لئے تھا، اِس سال کی زکوٰۃ لے لی جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نہیں ہم زکوٰۃ نہیں لیں گے۔ وہ ہر سال زکوٰۃ لے کر آتا رہا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زندگی میں اُس سے زکوٰۃ نہیں لی۔ آپؐ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھی زکوٰۃ لے کر آیا لیکن آپ نے فرمایا جس شخص سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زکوٰۃ نہیں لی، میں اُس سے زکوٰۃ کیسے لے سکتا ہوں۔ احادیث میں آتا ہے کہ وہ ہر سال گلّے کو پالتا اور پھر اس کے ساتھ نئی زکوٰۃ لے کر آتا اور زکوٰۃ کے جانور اس کے پاس اِتنی تعداد میں ہوگئے کہ جب وہ زکوٰۃ لاتا تو وادی بھر جاتی تھی لیکن اس سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی۔ وہ روتا ہوا آتا تھا اور روتا ہوا چلا جاتا تھا[۵]

پس مان لیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو حکومت ملی تھی وہ اور قسم کی تھی لیکن سزا کا

اثر بھی مومن قلوب پر ہوتا ہے غیر مومن قلوب پر نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق حکومت

پس ہمارے چندے طوعی ہیں اور ہمارے پاس حکومت نہیں۔ اگر حکومت ہو بھی تو ہم وہ طریق اختیار نہیں کر سکتے جو دوسری حکومتیں اختیار کرتی ہیں۔ فرض کرو اگر کوئی حکومت احمدی ہو جائے اور وہ احمدیوں سے جبراً چندے وصول کرنے کا اختیار دے دے تو بھی ہماری حکومت الگ قسم کی ہوگی اور ہم وہ اختیارات اس صورت میں استعمال نہیں کریں گے جس صورت میں دوسری حکومتیں استعمال کرتی ہیں۔ ہم اخلاقی پہلو کو غالب کریں گے۔ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق جبر استعمال نہیں کریں گے اور ایسے حالات میں کہ جب ہمارے چندوں کا آنا قطعی نہیں ہم جبر کے اصول پر عمل کیسے کر سکتے ہیں۔ شریعت نے وہ احکام حکومت کو دیئے ہیں اور وہ اسی سے وابستہ ہیں لیکن باوجود اس کے ہم نے دیکھا ہے کہ یہ طریق چلا نہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ یا تو کام کرنے والوں کے نفوس میں ایمان کا وہ مقام نہیں یا کام لینے والے ایسے رنگ میں کام نہیں لیتے کہ کارکنوں کے دلوں میں روحانی اور مذہبی روح زیادہ ہو جائے اور کارکن ہونے کی روح کم ہو جائے۔

غرض ان طریقوں سے بھی فائدہ نہیں پہنچا اور اب جو مَیں نے بجٹ دیکھا تو یہ میرے لئے تکلیف کا موجب ہوا۔ مجھے سر درد تھی اور اسہال بھی آ رہے تھے لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت کو کس طرح ٹلایا جائے۔

میں ذکر کر رہا تھا کہ میں نے احتیاط کے طور پر یہ قاعدہ بنایا تھا کہ نظارت بیت المال موجودہ سال یا اس سے پہلے سال کا بجٹ آمد سامنے رکھ کر اس سے دس فیصدی کم بجٹ اخراجات تیار کیا کرے لیکن نظارت نے اس کی پابندی نہیں کی۔ نظارت نے کہا ہے کہ میری طرف سے یہ بات کہی گئی تھی کہ کسی سال کے بجٹ سے دس فیصدی کم بجٹ بنایا جائے حالانکہ یہ درست نہیں۔ خود بیت المال والوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے جواب دیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ پچھلے سال کے بجٹ آمد سے دس فیصدی کم رکھ لیا جائے یا اس سے پہلے سال کے بجٹ آمد سے دس فیصدی کم رکھ لیا جائے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ قاعدہ ٹوٹ چکا ہے اس لئے اسے دوبارہ سہولت سے قائم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ٹوٹی ہوئی چیز زور سے اصلاح پذیر نہیں ہوتی۔

میں نے جواب دیا کہ کوشش یہی کرو کہ بجٹ کم رہے لیکن میں یہ پابند نہیں کرتا کہ اس سال یا اس سے پہلے سال کے بجٹ کے مطابق بجٹ بنایا جائے اور پھر دس فیصدی کی کمی کر دی جائے۔ اب اس سال یا اس سے پہلے سال اور کسی سال میں فرق ہے۔ کسی سال کا یہ مطلب ہے کہ صدر انجمن احمدیہ آزاد ہے وہ کوئی ایک سال اپنی مرضی سے چُن لے اور اس کے مطابق بجٹ بنا کر اس میں دس فیصدی کی کمی کر دے۔ لیکن اس سال یا پچھلے سال میں وہ مقیّد رہتی ہے۔

پس یہ غلط ہے کہ میں نے ''کسی سال'' کے الفاظ کہے تھے۔ میں نے ۱۹۵۰-۵۱ء کے متعلق اجازت دی تھی یا ۱۹۵۱-۵۲ء کے متعلق اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک سال لے لو اور اس پر بجٹ کی بنیاد رکھو لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ ایسے قاعدے ہمیشہ نہیں چلا کرتے۔ چار پانچ سال کے بعد پھر اس قاعدہ پر غور ہو سکتا ہے۔ بہر حال اب بھی میں کہتا ہوں کہ ہماری آمدنیں محدود ہیں اور کام کو ہم نے وسیع کرنا ہے اس لئے ایسی صورت ہونی چاہئے کہ ہمارے پاس کچھ رقم جمع ہو تا کہ ہم ہنگامی کام کر سکیں۔ اِس وقت ہم ہنگامی کام نہیں کر سکتے۔

مجلس شوریٰ کا ہال

دوسری چیز جو بظاہر خرچ کے متعلق ہے اور اِس وقت میرے دل میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت ہم لجنہ اماء اللہ کی مہربانی سے ان کے ہال میں بیٹھے ہیں۔ گویا مجلس شوریٰ کا اجلاس جو یہاں ہو رہا ہے اس کے لئے ہم عورتوں کے ممنونِ احسان ہیں۔ میں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ عورتیں مردوں سے چندوں کے معاملہ میں پیش پیش ہیں اور ان میں بیداری پائی جاتی ہے۔ میں نے ایک دفعہ مردوں کو طعنہ دیا تو ایک دوست نے کہا کہ عورتیں آخر ہم سے ہی لے کر دیتی ہیں۔ میں نے کہا عورتیں پھر بھی ہمت والی ہیں۔ تمہارے پاس روپیہ ہوتا ہے لیکن تم دیتے نہیں۔ ان کے پاس روپیہ نہیں ہوتا پھر بھی وہ تم سے لے کر دے دیتی ہیں۔ یہ کیا ہی شاندار عمارت ہے جو عورتوں نے بنا لی ہے۔ یہ ہال میرے مشورہ سے بنا ہے اور عمارت کو اس طرز پر بنایا گیا ہے کہ ضرورت پڑے تو اِسے وسیع کر لیا جائے۔ اب یہ ۳۶×۷۰ فٹ ہے لیکن اسے ۳۶×۱۰۰ فٹ تک وسیع کیا جا سکتا ہے اگر یہ ہال اِس قدر وسیع ہو جائے تو میرے خیال میں یہ مناسب ہال کہلا سکتا ہے۔ اس صورت میں بند کُھل جائیں گے اور گیلریاں بند ہو جائیں گی اور اس طرح دو اڑھائی ہزار آدمی

ایک وقت میں ہال میں بیٹھ سکیں گے۔ ہمارے لئے ضروری تھا کہ ہال تیار کرتے لیکن ابھی تک ہال تیار نہیں ہوا۔ یہاں روپے کا بھی سوال نہیں تھا روپیہ عمارت کے لئے آ رہا ہے خواہ وہ کم مقدار میں آ رہا ہے لیکن آ رہا ہے۔ میں نے چوہدری صاحب سے ایک بات کہی ہے اگر خدا تعالیٰ ہمیں کامیاب کر دے تو ایک اَور صورت بھی پیدا ہو جائے گی۔ دفاتر کے لئے روپیہ موجود ہے اور تجویز یہ ہے کہ دفاتر کے پہلو میں ایک ہال بن جائے اور یہ ہال ۵۰×۱۰۰ فٹ کا ہو۔ اگر اتنا بڑا ہال بن جائے تو یہ قادیان کے ہال سے ڈیوڑھا ہوگا۔ پھر گیلریاں بھی ہوں گی اور اس طرح اجتماع آسانی سے ہو سکے گا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اب تک ہال نہ بن چکا ہوتا۔ مَیں اس کے لئے ۹۰ ہزار روپیہ کی بھی منظوری دے دیتا۔ ابھی لجنہ کے ہال کی بنیادیں بھی نہیں کُھدی تھیں کہ اُس وقت میں نے صدر انجمن احمدیہ کو ہال بنوانے کے لئے کہا تھا۔ مَیں حیران ہوں کہ اس قدر کوتاہی سے کام کیوں لیا گیا ہے۔

ربوہ کی عمارات کی تاریخ

عمارت کی تاریخ اور ریکارڈ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ربوہ کی تمام عمارات میری ممنونِ احسان ہیں۔ چاہے ناظر یہ کہہ دیں کہ میں بڑا ظالم ہوں لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی ایک عمارت بھی نظارت نے بنوائی ہے مَیں نے روزانہ سختیاں کر کر کے اور یہ کہہ کر کہ جب تک فلاں عمارت نہ بنے کارکن دو گھنٹہ زائد وقت دفاتر میں بیٹھیں یہ عمارتیں بنوائی ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کا کام میں نے سب سے اچھے آدمی کو دیا تھا اور ادھر تحریک جدید کے دفاتر کا کام میں نے چوہدری فقیر محمد صاحب مرحوم کے سپرد کیا تھا مگر دونوں دفاتر والوں نے سُستی سے کام لیا ہے۔ اُس وقت یہ شکوہ تھا کہ اینٹیں نہیں ملتیں۔ اب اینٹیں ملنے لگ گئی ہیں بلکہ شکایت ہے تو یہ کہ اینٹیں اُٹھائی نہیں جاتیں، اینٹیں بہت زیادہ ہیں۔ بہرحال اگلے سال تک ہال بن جانا چاہئے۔ روپیہ منظور ہے اور دفاتر کی جگہ پر نشان لگا دیا گیا ہے۔ اس سال دفاتر مکمل ہو جانے چاہئیں تا کہ اگلے سال مجلس شوریٰ کا اجلاس وہاں ہو سکے۔

جہاں روپے کی دِقّت بتائی گئی ہے وہاں میرے خیال میں اس کی ذمہ داری اَوروں پر بھی آتی ہے۔ مثلاً میرے خیال میں بعض رقوم سکول پر خرچ ہوئی ہیں گورنمنٹ کے قانون کے مطابق یہ رقوم واپس ملنی چاہئیں۔ اسی طرح کالج پر بھی بعض رقوم خرچ ہوئی ہیں اور یہ رقوم

ساٹھ ہزار روپے کے قریب ہیں۔ دونوں محکموں نے گورنمنٹ کے بعض قوانین کی عدم پابندی کرکے ان رقوم کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ گورنمنٹ کا قاعدہ ہے کہ ایسی رقوم کو محکمہ سے چیک کروا کے معیّن کروالیا جائے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ کالج اور سکول کا کام ہے کہ وہ ان رقوم کو وصول کریں۔ اس طرح ہمیں ۶۰۔۷۰ ہزار روپیہ مل سکتا ہے اور اس سے اور عمارت مثلاً بورڈنگ ہاؤس ہی بن سکتا ہے۔

زکوٰۃ

میں نے مساجد کے متعلق بھی ایک نوٹ لکھا تھا۔ دراصل باوجود توجہ دلانے کے جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ اگر لوگ تھوڑی بہت توجہ بھی کرتے تو ہم امید کرتے تھے کہ دو تین سال میں مطلوبہ رقوم جمع ہو جاتیں۔ ایک دوست نے کہا تھا کہ اگر جماعت پورے طور پر زکوٰۃ دے تو ایک لاکھ کی رقم جمع ہو جاتی ہے حالانکہ اگر جماعت زکوٰۃ دے تو آبادی کا صرف دس فیصدی حصہ زکوٰۃ دیتا ہے، اس طرح ایک لاکھ روپیہ چالیس لاکھ افراد سے آ سکتا ہے لیکن جماعت اڑھائی لاکھ کی ہے اور ہم اندازہ کرتے ہیں کہ بیرونی جماعتوں کو ملا کر ہماری جماعت پانچ لاکھ کی ہے، اب کُجا چالیس لاکھ اور کُجا اڑھائی لاکھ۔ حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی جو تفاصیل شریعت نے بیان کی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری جماعت میں تین ہزار آدمی بھی ایسا نہیں بنتا جو زکوٰۃ دینے والا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو حصے ہوتے ہیں اور عام طور پر زکوٰۃ پر بحث کرنے والے اس سے غافل ہیں۔ ایک حصہ وہ ہے جسے انسان خود خرچ کرنے کا مجاز ہے اور ایک حصہ وہ ہے جو حکومت لیتی ہے۔ جو زکوٰۃ حکومت لیتی ہے اس نے اس کا نام اب بدل دیا ہے۔ پس اس کا مطلب یہ نہیں کہ دُہری زکوٰۃ لگا دی جائے۔ ایک زمیندار جو زکوٰۃ حکومت کو ادا کرتا ہے، اسلام میں اسے زکوٰۃ کہتے ہیں لیکن انگریزوں نے اسے ریونیو کہہ دیا ہے۔ پاکستان والے بھی اسے ریونیو کہتے ہیں۔ اب ریونیو کہنے سے ہم وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتے۔ وہ بہرحال زکوٰۃ ادا کرتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض جگہ حکومت زکوٰۃ سے دوگنا ٹیکس لے رہی ہے۔ جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے، پنجاب میں بہت کم لوگ جانور رکھتے ہیں لیکن سندھ میں لوگ جانور رکھتے ہیں، اب زکوٰۃ لگے گی تو حکومت لے گی اور کوئی نہیں لے گا۔ تجارتوں پر زکوٰۃ ہے لیکن یہ زکوٰۃ بھی حکومت لیتی ہے اور ٹیکس کی صورت میں لیتی ہے۔ اب یہ نہیں کہ چونکہ اس زکوٰۃ کا

نام ٹیکس رکھ دیا گیا ہے اس لئے دُہری زکوٰۃ وصول کی جائے۔ زکوٰۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب ایک تاجر مقررہ زکوٰۃ سے کم دے لیکن بِالعموم گورنمنٹ مقررہ زکوٰۃ سے زیادہ ہی لیتی ہے۔ ہاں نفع نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کم ہو جاتی ہے لیکن اسلام نے زکوٰۃ نفع پر نہیں رکھی کیپیٹل (Capital) پر رکھی ہے۔ باقی افراد کی زکوٰۃ رہ جاتی ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کا حصہ جو جماعت کو مل سکتا ہے بہت کم ہو جاتا ہے۔ زیور پر جو زکوٰۃ ہے اس کا ایک حصہ بھی باقی نہیں رہتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو زیور گھستا ہے اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے[6] تاجروں کے پاس زیور زیادہ ہوتے ہیں۔ تم لوگ کھاتے پیتے زیادہ ہو اور تمہاری عورتیں زیادہ خرچ کرتی ہیں لیکن ایک تاجر کی عورت زیادہ خرچ نہیں کرتی۔ وہ تہہ بند پہنتی ہے اور جب مجلس میں آتی ہے تو ایک خاص جوڑا جو اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے پہن کر آ جاتی ہے تم سمجھتے ہو کہ وہ روزانہ ایسی پوشاک پہنتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ گویا تاجر لوگ تنگی سے گزارہ کر لیتے ہیں اور جو کچھ بچتا ہے وہ زیورات میں لگا دیتے ہیں۔ تاجر لوگ زیورات کو اپنی جائداد سمجھتے ہیں اور جب کیپیٹل (Capital) میں گھاٹا پڑتا ہے تو زیور بیچ کر اس گھاٹے کو پورا کر لیتے ہیں۔ پس یہ آمد کا معیار نہیں اور نہ ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ چونکہ فلاں کے پاس زیور زیادہ ہے اس لئے وہ زیادہ مالدار ہے۔ عام زیور پہننے والے ہوتے ہیں اور ان پر زکوٰۃ نہیں۔ پھر آجکل جڑاؤ زیور کا رواج ہے اور جڑاؤ زیور پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ سونے کے حصہ پر ہوتی ہے اور وہ بہت کم ہوتا ہے اس رنگ میں ہزارواں حصہ زکوٰۃ کا بھی باقی نہیں رہتا۔ درحقیقت کھینچ تان کر یوں سمجھنا چاہیئے کہ سَو میں سے ایک شخص پر زکوٰۃ واجب ہے اور جب سَو میں سے ایک شخص پر زکوٰۃ واجب ہے تو اڑھائی لاکھ میں سے زکوٰۃ دینے والا صرف اڑھائی ہزار آدمی ہوا اور پھر ان اڑھائی ہزار آدمیوں میں سے بھی بعض نادہند ہوتے ہیں۔ ناظر صاحب بیت المال نے بتایا ہے کہ ان کے پاس چار سَو کے قریب زکوٰۃ دینے والوں کے کھاتے ہیں اور جب چار سَو کے قریب کھاتے ہیں تو تم زکوٰۃ دینے والے زیادہ سے زیادہ آٹھ سَو سمجھ لو۔

پس یہ محض خیالی باتیں ہوتی ہیں جس وقت وہ دوست یہ بات کہہ رہے تھے میرا ذہن بچپن کے ایک واقعہ کی طرف چلا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے بخاری لے دیں۔ بخاری ان دنوں ۲۵، ۳۰ روپیہ کو آتی تھی۔ آپ نے فرمایا اِس وقت بخاری خرید کر دینے کی مجھے توفیق نہیں۔ وہ غصہ میں آ کر کہنے لگا کہ یوں کہو کہ میں نے بخاری لے کر دینی نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا میں سچ کہہ رہا ہوں کہ مجھ میں اِتنی طاقت نہیں۔ اُس نے کہا میں دھوکا میں نہیں آ سکتا ایک لاکھ کی جماعت ہے۔ اگر ہر شخص مرزا صاحب کو ایک روپیہ نذرانہ بھی دے تو ان کو ایک لاکھ روپیہ سالانہ آمد ہوتی ہے اور اگر وہ ایک چوّنی بھی آپ کو نذرانہ دیں تو آپ کو پچیس ہزار روپیہ کی آمد ہوتی ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ تم بتاؤ اب تک تم نے مجھے کتنی چوّنیاں نذرانہ دی ہیں۔

مساجد کیلئے چندہ کی تحریک

پس یہ قیاسات ہیں، انہیں واقعات پر مبنی نہیں سمجھنا چاہئے۔ میں نے تحفہ شہزادہ ویلز کے چھپوانے کی تحریک کی تھی تو جماعت نے ایک خاصی رقم جمع کر دی تھی۔ اسی طرح اگر مساجد کے لئے بھی کچھ نہ کچھ ہمت کی جائے تو کام بن سکتا ہے۔ جہاں یہ بات غلط ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس ۲۵ ہزار روپیہ آتا تھا، وہاں یہ بات بھی تو غلط ہے کہ آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ آپ کھاتے پیتے تھے اور آپ کے پاس روپیہ بھی آتا تھا۔ اس زمانہ میں سب سے زیادہ چندے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے ہی ہوتے تھے۔ تو جماعت کو اس بارہ میں کوئی نہ کوئی کوشش تو کرنی چاہئے۔ چاہے تم ایک آنہ فی کس دو یا ایک پیسہ فی کس دو۔ آخر یہ تو سمجھا جائے کہ اس بارہ میں کوئی نہ کوئی کوشش ہو رہی ہے۔ چلو یہی فیصلہ کر لو کہ جب کسی بیٹے یا بیٹی کی شادی ہوگی تو ہم کچھ نہ کچھ مسجد واشنگٹن کے لئے دیں گے۔ مجھ سے نکاح پڑھائے جاتے ہیں وہ ہزار ڈیڑھ ہزار ہو جاتے ہیں اور جو نکاح اپنی اپنی جگہوں پر ہوتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اگر پانچ روپیہ فی نکاح اوسط رکھ لی جائے تو بیس پچیس ہزار روپیہ آ جانا چاہئے۔ پھر بیٹا پیدا ہوتا ہے یا بیٹی پیدا ہوتی ہے تو کچھ نہ کچھ مسجد کے لئے دے دیں۔ ایک ہزار پر ایک پیدائش ماہوار ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں ایک فیصدی کی سالانہ ترقی ہوتی ہے اور ہماری جماعت میں تو اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر اڑھائی فیصدی ہی ترقی ہو تو اڑھائی روپیہ تو یہی ہو جاتا ہے۔ پھر خوشی کی اور تقاریب ہیں، ان کو ملا لو تو یہ آمد اَور بھی

بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً یہ وعدہ کرلو کہ اگر سالانہ ترقی ملی تو پہلے ماہ کی ترقی مسجد فنڈ میں دے دوں گا۔ یعنی اگر پچاس روپے کی بجائے ۵۴ روپے تنخواہ ہو جاتی ہے تو یہ تنخواہ اسے بارہ مہینہ ملنی ہے بلکہ اگر اس نے بیس سال نوکری کرنی ہے تو یہ تنخواہ اسے بیس سال تک ملے گی۔ وہ نیت کرلے کہ میں پہلے ماہ کی ترقی مسجد فنڈ میں دے دوں گا۔ پھر پیشہ ور ہیں وہ اپنی آمدن کا اندازہ لگالیں اور پھر اس پر جو زیادتی ہو اُس کا دسواں حصہ مسجد فنڈ میں دے دیں۔ مثلاً ایک شخص کی بارہ ہزار روپیہ آمد تھی۔ اگلے سال وہ تیرہ ہزار روپیہ ہوگئی اس ایک ہزار روپیہ کی زیادتی کا دسواں حصہ وہ مسجد فنڈ میں دیدے۔ اگر وہ یہ نیت کرلے کہ اس میں سے دسواں حصہ وہ مسجد فنڈ میں دیدے گا تو کون سا بوجھ ہے۔ پھر جو لوگ نئے ملازم ہوں وہ اپنی پہلی تنخواہ کا دسواں حصہ مسجد فنڈ میں دیں تو اس سے زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔ اگر پانچ سَو روپیہ تنخواہ ہے تو پچاس روپیہ مسجد فنڈ میں دیدے۔ پھر اگر یہ رقم ایک ہی ماہ میں ادا نہیں ہو سکتی تو ۲۵۔۲۵ روپے ماہوار کرکے دیدے۔ ساڑھے بارہ بارہ روپے کرکے دیدے۔ تو اس طرح کافی رقم اکٹھی ہو جاتی ہے صرف ارادہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

میں نے بوہرا تاجروں میں دیکھا ہے کہ وہ دن میں ایک سَودا ضرور خدا تعالیٰ کے نام پر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے تاجر بھی کر سکتے ہیں۔ ہندو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں ہم عموماً کپاس ہندوؤں کے پاس بیچتے تھے۔ وہ ہمیشہ ایک سَودا مذہب کے نام پر کیا کرتے تھے اور مجھے کسی دوست نے بتایا کہ اس طرح سات کروڑ روپیہ سالانہ آجاتا ہے اور اس سے ان کے سارے قومی ادارے چلتے ہیں۔ اب ہمارا تاجر اگر نیت کرلے کہ دن میں پہلا سَودا جو میں کروں گا اس کا نفع مذہب کو دوں گا تو کتنی آمد ہو سکتی ہے۔ چلو بُخل کی وجہ سے وہ مہینہ میں ایک سَودا ہی خدا تعالیٰ کے نام پر کردے تب بھی تیس ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ آمد ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کئی اور طریق ہیں جن سے آمد بڑھائی جا سکتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم کہتا ہے کہ جب فصل پک جائے تو اُس کا حق دو۔ جب فصل پکتی ہے تو زمینداروں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اُن سے مانگتا ہے تو وہ خوب دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی زمیندار یہ کہے کہ فی ایکڑ ایک کرم فصل خدا تعالیٰ کی ہے یا مسجد کے لئے ہے تو اس میں کونسی مشکل بات ہے۔ ایک کرم کو تو زمیندار کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ ایک کرم میں پچیس فٹ

ہوتے ہیں۔ ایک ایکڑ میں سے ایک کرم دینے کے یہ معنے ہوئے کہ ایک ایکڑ کا دوسواں حصہ۔ اگر جماعت کے چار ہزار زمیندار بھی ہوں تو دو ایکڑ کی آمد تو آ جائے گی۔ ایک ایکڑ کی پیداوار ۲۵۔۲۶ من اوسط ہوتی ہے اور دو ایکڑ کے معنے یہ ہوئے کہ ہمیں ۵۰ من پیداوار آ جائے گی۔ اِسی طرح توریا، کپاس اور دوسری فصلوں کا حساب لگائیں تو بغیر اسکے کہ ہمیں اتنی تکلیف ہو جتنی بالوں میں کُھجلی کرنے سے ہوتی ہے ہمیں ایک ہزار کے قریب روپیہ آ سکتا ہے۔ دو ایکڑ کپاس ہو اور بیس من کپاس فی ایکڑ بھی نکل آئے تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ اگر ۴۰ روپے فی من کپاس کی قیمت ہو تو ۱۶۰۰ روپیہ آ گیا۔ اسی طرح دوسری فصلوں کو ملا کر بغیر کوئی دِقّت محسوس کئے اڑھائی تین ہزار روپیہ آ جاتا ہے۔ بلکہ ایک زمیندار اس سے بھی زیادہ دے دیتا ہے۔ ان دنوں اس کی ہمت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ طریق ایسا ہے کہ اگر ہم اسے استعمال کریں تو جماعت میں حرکت پیدا ہو جائے گی۔ پس اپنے اندر حرکت پیدا کرو اور ایسا رنگ پیدا کرو کہ نیکی زندہ رہے۔ بہرحال گاڑی کو چلنے دو، کھڑا نہ ہونے دو۔ مسجد کی تحریک کے بارہ میں عورتوں کا جوش بڑھتا جاتا ہے لیکن مردوں کا جوش کم ہے۔ لوگوں نے وعدے کئے، تقریریں ہوئیں، جلسے ہوئے، اخبارات میں تحریکیں ہوئیں لیکن مسجد واشنگٹن کا چندہ ۳۶ ہزار سے نہیں بڑھا۔ پس کوئی نہ کوئی نیت کر لو۔ مثلاً وہی لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں یہ بتا دیں کہ جو تجویزیں میں نے بتائی ہیں کیا ان پر عمل کرنے کے لئے وہ تیار ہیں؟ مثلاً ملازمین کو سالانہ ترقی ملے تو پہلے ماہ کی ترقی وہ مسجد فنڈ میں دے دیں۔ ملازم بولیں کہ کیا وہ ایسا کرنے کا وعدہ کرتے ہیں؟''

اس پر سب ملازمین کھڑے ہو گئے اور اُنہوں نے ایسا کرنے کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا۔

''اب تاجر بولیں، کیا وہ مہینہ میں سب سے پہلے سَودے یا سب سے آخری سَودے کا نفع مسجد فنڈ میں دیں گے؟ تاجر لوگ عہد کر لیں کہ روزانہ نہیں تو ہفتہ یا مہینہ میں ایک دن کے پہلے سَودے کا نفع مسجد فنڈ میں دیں گے۔''

اِس پر تاجر دوست اُٹھے اور اُنہوں نے اس تجویز پر عمل کرنے کا عہد کیا اور کہا کہ ہم مہینہ میں سب سے پہلے سَودے کا نفع مسجد فنڈ میں دیا کریں گے۔ حضور نے فرمایا:-

’’پہلا سَودا اچھا ہے۔ آپ پہلے سَودے کا نفع نکالیں اور اسے مسجد فنڈ میں جمع کرائیں۔ اب زمیندار بولیں کہ وہ ایک ایکڑ میں سے ایک کرم یعنی ۵ × ۵ فٹ فصل مسجد فنڈ میں دیں گے؟ گویا ایک مرلہ کا بھی دسواں حصہ۔ یعنی ایک ایکڑ کا دوسواں حصہ یا ایک سَو روپیہ میں سے آٹھ آنہ تم ایک کرم فصل کاٹ لو اور اس کے نتیجہ میں جو آمد ہو وہ مسجد فنڈ میں دو۔‘‘

اس پر زمیندار کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے ایسا کرنے کا عہد کیا۔ حضور نے فرمایا:-

’’ہر فصل میں سے ایک کرم فی ایکڑ دینا ہوگا ہاں چارہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ باقی توریا ہے، گندم ہے، گنّا ہے، کپاس ہے، سرسوں ہے، ان سب فصلوں میں سے ۵ × ۵ فٹ فصل مسجد فنڈ میں دینی ہوگی۔ ایکڑ میں سے جس جگہ سے چاہیں ایک کرم بھر لیں لیکن یہ خیال رکھیں کہ خدا تعالیٰ کے نام پر جو دینا ہے وہ بہتر مال ہونا چاہئے۔

ایک تاجر نے کہا ہے کہ پہلے سَودے میں گھاٹا پڑ جائے تو وہ گھاٹا کس کا ہوگا۔ یہ تاجرانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ اگر پہلے سَودے میں گھاٹا پڑ جاتا ہے تو وہ گھاٹا تاجر کا ہے نفع خدا تعالیٰ کا ہے۔ اگر اس نے خدا تعالیٰ کو گھاٹا دیا تو اُسے ہمیشہ گھاٹا ہی رہے گا۔

اب رہ گئے پیشہ ور، ملازموں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے پہلے ماہ کی ترقی مسجد فنڈ میں دیں گے۔ اسی طرح تاجروں نے بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ مہینہ میں سب سے پہلے سَودے کا منافع مسجد فنڈ میں دیں گے۔ اِس وقت مسجد فنڈ سے مراد مسجد ہالینڈ اور مسجد واشنگٹن ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کا مسجد فنڈ مراد نہیں۔ یہ غیر ملکوں کی مسجدیں ہیں اس لئے یہ روپیہ تحریک جدید میں وکیل المال کو بھیجا جائے اور لکھا مسجد فنڈ جائے۔ ملازمتوں کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اگر ملازم فوجی لئے جائیں تو دوسَو کے قریب ہمارے فوجی افسر ہیں جن کی غالباً ترقی ۱۵ روپے سالانہ ہوتی ہے، اگر دوسَو افسر ہوں اور پھر ان کی ترقی ۱۵ روپے سالانہ ہو تو تین ہزار سالانہ مسجد فنڈ میں آجاتا ہے۔ سپاہیوں کی تو تنخواہ بدلتی نہیں، دوسرے ملازم بھی ہمارے کراچی میں دو تین سَو ہوں گے۔ دوسو کے قریب احمدی ملازم لاہور میں ہوں گے، سارے ویسٹ پاکستان میں اگر ایک ہزار احمدی ملازم بھی ہوں اور ایک ملازم کی اوسط ترقی ۵ روپے سالانہ رکھ لی جائے تو پانچ ہزار روپیہ آجاتا ہے اور سارا ملاکر بیس پچیس ہزار ہو جائے

تو بڑی بات نہیں اس سے زیادہ بھی آ سکتا ہے۔ پھر شادیوں بیاہوں میں جہاں لوگ اور جگہوں پر روپیہ خرچ کرتے ہیں وہاں مسجد فنڈ میں بھی کچھ نہ کچھ دے دیا کریں۔

اب پیشوں کو لیجئے۔ میں نے بتایا تھا کہ پیشہ ور اپنی اوسط آمدن لگا کر اس پر جو ماہانہ زیادتی ہو اُس کا دسواں حصہ مسجد فنڈ میں دیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ مہینہ میں ایک گاہک مقرر کر لیں۔ مثلاً وکیل یہ کریں کہ فلاں مقدمہ میں مؤکل جو فیس ہمیں دے گا وہ ہم مسجد فنڈ میں دے دیں گے۔ ان دونوں تجاویز میں سے جو تجویز زیادہ سہولت والی ہو وہ مقرر کر لیں۔''

اس پر وکلاء کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے کہا ہم اپنی ماہوار آمد کی زیادتی کا دسواں حصہ مسجد فنڈ میں دیں گے۔ حضور نے فرمایا:-

''وکالت مال کو چاہئے کہ وہ وکلاء، ڈاکٹروں، کنٹریکٹروں اور دوسرے پیشہ وروں کی فہرستیں بنالے۔

اب رہ گئے مستری، مزدور، لوہار اور ترکھان وغیرہ۔ ان کے متعلق میری تجویز یہ ہے کہ وہ مہینہ میں کوئی ایک دن مقرر کر لیں۔ وہ مہینہ کا پہلا دن ہو یا آخری دن۔ اس تاریخ کی جو مزدوری اُنہیں ملے وہ اس کا دسواں حصہ مسجد فنڈ میں دیں۔ مثلاً وہ اگر اُس دن پانچ روپے کمائیں تو ۶ آنہ مسجد فنڈ میں دیں اور اگر ڈیڑھ روپیہ کمائیں تو سَوا دو آنہ مسجد فنڈ میں دیں۔ اگر لوہاروں، ترکھانوں یا مزدوروں میں سے ان کا کوئی نمائندہ یہاں آیا ہو تو وہ کھڑا ہو جائے۔''

اس پر ان پیشوں سے تعلق رکھنے والے نمائندے کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے عہد کیا کہ وہ مہینہ میں سے پہلے دن کی مزدوری کا دسواں حصہ مسجد فنڈ میں دیا کریں گے۔ اس کے بعد حضور نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

''مرزا عبدالحق صاحب کہتے ہیں کہ پہلی تجویز میں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وکلاء اپنی سالانہ آمد کی زیادتی کا دسواں حصہ مسجد فنڈ میں دیں، ہر ایک وکیل نہیں آ سکتا۔ مرزا عبدالحق صاحب کی تجویز ہے کہ علاوہ زیادتی کے پہلے ماہ کی آمد کا پانچ فیصدی حصہ ہر ایک وکیل دے۔''

اِس پر سب وکلاء کھڑے ہو گئے اور اُنہوں نے اس ترمیم سے اتفاق کیا۔ یعنی اُنہوں نے

عہد کیا کہ وہ زیادتی کے حصہ کے علاوہ ہر سال مئی کی آمد کا پانچ فیصدی مسجد فنڈ میں دیا کریں گے۔

تاجروں کے پہلے سَودے کی تشریح کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔

''تاجر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو نقد و نقد بیچتے ہیں اور ایک وہ جو آڑھتی یا اسی قسم کے اور تاجر ہیں۔ جو دکاندار نقد و نقد بیچتے ہیں وہ ہفتہ کے پہلے دن کے پہلے سَودے کا نفع نکال کر مسجد فنڈ میں دیں اور جو آڑھتی ہیں وہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کے پہلے سَودے کا نفع نکال کر مسجد فنڈ میں دیں۔ اگر پہلی تاریخ کو وہ صرف سَودا کرے، اُسے کوئی آمد نہ ہو تو وہ سَودا سلسلہ کے نام پر رہے گا اور جب اس میں نفع ہو گا وہ سلسلہ کا ہو گا۔''

اس کے بعد فرمایا۔

اشاعت لٹریچر کے متعلق ایک خصوصی ہدایت

''میں نے اشاعت لٹریچر کے متعلق فیصلہ کر دیا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی طرف سے دو لمیٹڈ کمپنیاں بنائی جائیں۔ جو دوست اِن کمپنیوں میں حصہ لیں گے اُنہیں ثواب بھی حاصل ہو گا اور فائدہ بھی ہو گا۔ گزشتہ سال سے میں تحریک اور صدر انجمن احمدیہ کو اس طرف توجہ دلا رہا ہوں کہ جب ہمیں ہر کاروبار میں نقصان ہی نقصان ہوتا ہے تو کیوں نہ وہ تجارت کی جائے جو ہمارے کام کے مطابق ہو۔ تاکہ اگر اس میں فائدہ نہ ہو تو ہمیں نقصان بھی نہ ہو۔ پچھلے دنوں الفضل میں میری طرف منسوب کر کے یہ قول شائع ہو گیا کہ اگر میں آزاد ہوتا تو میں عطر کی تجارت کرتا تاکہ اگر مجھے کوئی نفع نہ پہنچتا تو اس کی ریح تو مجھے پہنچتی۔ میں نے لکھنے والے کو پکڑا تو اس نے کہا میں نے تو ٹھیک لکھا تھا لیکن کتابت کرنے والے نے غلط لکھ دیا۔ یہ قول حضرت عمرؓ کا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں خلیفہ نہ ہوتا تو میں عطر کی تجارت کرتا۔ اگر اس تجارت میں مجھے کوئی نفع نہ پہنچتا تو مجھے خوشبو تو پہنچتی۔ اسی طرح میں نے کہا کہ تم لٹریچر کی تجارت کرو۔ جتنا لٹریچر شائع ہو گا اُتنا ہی ہمارا پروپیگنڈا ہو گا اور اگر ہمیں مالی لحاظ سے گھاٹا بھی پڑے گا تو کم از کم ہمیں یہ فائدہ تو پہنچے گا کہ ہم خود اس لٹریچر سے فائدہ اُٹھا لیں گے۔ میں تو سال بھر سے یہ تحریک بھی کر رہا ہوں اور میں نے ناظروں کو بلا کر بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ

بڑی بڑی جگہوں پر کتب خانے کھولو۔ مثلاً راولپنڈی ہے، لاہور ہے، ملتان ہے، کراچی ہے، پشاور ہے اور پھر انہیں پھیلاتے جاؤ۔ تو یہ چیز ایسی ہے کہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہوگا اور پھر ثواب کا ثواب ہے۔ جو دوست اِن کمپنیوں میں حصہ لیں گے اُنہیں جہاں مالی فائدہ ہوگا وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی۔

احمدیہ لٹریچر کے اثرات

بعض چیزوں کا فائدہ دیر سے ہوتا ہے۔ پرنس آف ویلز کو جو مَیں نے تبلیغ کی تھی اس کا بڑی دیر سے اثر ہوا ہے۔ اب اس لئے ایک کتاب شائع کی ہے جس کے دو حصے ہیں اور وہ دونوں عیسائیت کو کُچلنے والے ہیں۔ مجھے ان کے ایک ہمسفر نے بتایا کہ وہ لاہور سے سیالکوٹ جا رہے تھے کہ رستہ میں انہوں نے آپ کی کتاب تحفہ پرنس آف ویلز کو پڑھا۔ وہ ان کے ایڈی کانگ مقرر تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ کتاب پڑھتے پڑھتے یکدم کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کے بعد انہوں نے صراحتاً عیسائیت سے بیزاری کا اظہار کیا۔ میں حیران ہوں کہ کس طرح تحفہ شہزادہ ویلز نے اس پر اثر کیا۔ یہاں تک کہ وہ عیسائیت سے کُلّی طور پر بیزار ہو گئے۔

سر غلام حسین ہدایت اللہ گورنر سندھ فوت ہو گئے ہیں، وہ مجھ سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں کراچی گیا تو اُنہوں نے مجھے دعوت پر بلایا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا تاہم میں دعوت پر چلا گیا۔ دعوت میں اور لوگ بھی مدعو تھے۔ سر غلام حسین ہدایت اللہ بھاری جسم کے تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ہوشیار نہیں لیکن اس مجلس میں مجھ پر یہ اثر ہوا کہ وہ نہایت ہوشیار آدمی ہیں۔ ایک آدمی نے اسلام کے متعلق ایک سوال کیا اور میں نے اُس کا جواب دینا شروع کیا۔ اِتنے میں سر غلام حسین ہدایت اللہ نے کُرسی پر بیٹھے بیٹھے خراٹے مارنے شروع کر دیئے۔ میری طبیعت پر یہ بات گراں گزری کہ اِدھر سوال کا میں نے جواب دینا شروع کیا ہے اور اُدھر اُنہوں نے خراٹے مارنے شروع کر دیئے ہیں۔ میں پندرہ سولہ منٹ تک بولتا رہا۔ ابھی وہ شخص کہ جس نے سوال کیا تھا بولا نہیں تھا کہ سر غلام حسین ہدایت اللہ نے آنکھیں کھول لیں اور کہا سچی بات یہ ہے کہ میں اور تو کچھ جانتا نہیں، ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب نہ آتے تو میں عیسائی ہو جاتا۔ انہی کی کتابیں پڑھ کر اور سُن کر میں اسلام پر قائم رہا ہوں۔ معلوم ہوتا تھا کہ

بڑھاپے کی وجہ سے وہ لیٹ گئے تھے، ورنہ جاگ رہے تھے۔ اُنہوں نے آنکھیں کھولیں اور فوراً کہنے لگے جو تشریح اسلام کی علماء نے کی ہے، اُسے پڑھ کر کوئی تعلیم یافتہ مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا۔ میں جب کالج میں پڑھتا تھا تو میں نے مرزا صاحب کی بعض کتابیں پڑھیں اور ان کتابوں کا یہ اثر تھا کہ اب تک میں مسلمان ہوں۔ سر غلام حسین ہدایت اللہ بھاری جسم کے تھے، بُڈھے تھے اور صحت بھی کمزور تھی اور بظاہر معلوم ہوتا تھا اب ان کا حافظہ ویسا نہیں جیسا جوانی میں ہوگا مگر پھر بھی انہیں طالب علمی کے وقت کی یہ بات یاد تھی۔ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں نے سر غلام حسین ہدایت اللہ سے کہا ہو کہ احمدی غلط راستہ پر جارہے ہیں اور احمدیوں نے کہا ہو کہ جو باتیں ہمارے متعلق کہی جاتی ہیں وہ غلط ہیں۔ تو اُنہوں نے کہا ہو کہ مجھے احمدیت کا لٹریچر دیکھ لینا چاہئے۔ پس بڑے بڑے لوگ تقریریں نہیں سنتے لٹریچر پڑھ لیتے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید دونوں کو چاہئے کہ وہ جلد از جلد ان دونوں کمپنیوں کو لمیٹڈ کروالیں۔ اگر کمپنیاں لمیٹڈ ہوں گی تو گورنمنٹ بھی ان کی نگرانی کرے گی۔ پھر دوسرے لوگوں کے حِصص ہوں گے تو اُنہیں بھی اپنی رقوم کا فکر ہوگا اور ہر شخص اس طرف توجہ کرے گا کہ جب سرمایہ لگایا گیا ہے تو کمپنی کو فائدہ بھی دکھانا چاہئے۔ اس طرح عمدہ کتابیں شائع ہوں گی۔ لوگوں کے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں گے اور پھر مالی فائدہ بھی ہوگا۔

پلاننگ سیکشن کے متعلق میں کہہ چکا ہوں کہ اس کا مہینہ بھر میں ایک اجلاس ہوا کرے۔ اسی طرح محاسبہ کمیٹیوں کے متعلق بھی میں بات کر چکا ہوں۔

اب میں کراچی کے دارالتبلیغ کے متعلق شوریٰ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کراچی میں ہماری بارہ ہزار روپیہ کی ایک جائیداد ہے جو ہم نے ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء میں خریدی تھی اور اب وہ جائیداد ۳۵۔ ۳۶ ہزار روپیہ میں فروخت ہوسکتی ہے۔ اگر وہ جائیداد فروخت ہو جائے تو بغیر کسی بار کے ۳۵۔ ۳۶ ہزار روپے مل جائیں گے۔ اگر وہ ۳۵۔ ۳۶ ہزار میں فروخت نہیں ہوگی تو کچھ کم رقم مل جائے گی لیکن بہرحال جتنی رقم ملے گی اُتنی ہی مجوزہ بجٹ میں کمی ہو جائے گی۔ اس جائیداد کو بیچ کر زمین خریدی جاسکتی ہے۔

پھر ایک اَور جائیداد بھی ہے اور اس میں اٹھارہ حصے میرے ہیں، دس حصے انجمن کے ہیں

اور ایک حصہ میاں بشیر احمد صاحب کا ہے۔ ہم نے مشترکہ طور پر یہ جائیداد خریدی تھی علاوہ سندھ کی زرعی زمینوں کے۔ یہ جائیداد اگر بِک جائے تو دس ہزار روپیہ صدر انجمن احمدیہ کو مل سکتا ہے۔ اگر صدر انجمن احمدیہ ان جائیدادوں کو اِس سال بیچنے میں کامیاب ہو جائے تو بجٹ میں ۳۰۔۳۵ ہزار روپیہ کی کمی آ سکتی ہے۔

میں نے صدر انجمن احمدیہ کو بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ بوجھ کو ننگا کرنا چاہئے چھپانا نہیں چاہئے۔ جتنا ظاہر کرو گے تمہیں اُتنی ہی گھبراہٹ ہو گی اور تم اسے ہلکا کرنے کی کوشش کرو گے۔ فنانس سٹینڈنگ کمیٹی نے کہا ہے کہ بجٹ میں ایک لاکھ ستّر ہزار روپے کا قرض ہے۔ اگر کمیٹی اس چیز کو ننگا نہ کرتی تو اگلے سال بوجھ زیادہ ہو جاتا۔ اب کم از کم گھبراہٹ تو رہے گی اور یہ فکر رہے گا کہ کسی طرح یہ بوجھ ہلکا ہو جائے۔

اپنے اپنے طبقہ میں تبلیغ کرو

اِس کے علاوہ تبلیغ کو زیادہ وسیع کرو اور اپنے اپنے دائرہ میں تبلیغ کرو۔ بڑے عُہدیداروں کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ ان پر تبلیغ گراں گزرتی ہے اس لئے نہیں کہ انہیں تبلیغ کا احساس نہیں یا اُن کے پاس علمی مواد نہیں ہوتا بلکہ صرف اس لئے کہ اگر ہم نے فلاں کو تبلیغ کی تو شاید وہ مخالفت کرنے لگ جائے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے افسر انہیں مُردہ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس اصل کو لیا ہے کہ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى[ے] اس آیت میں ''اِنْ'' کے معنے ''قد'' کے ہیں شرط کے نہیں۔ یہ محض زور دینے کے لئے ہے اس کے معنے شرط کے ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اگر ''اِنْ'' کے معنے شرط کے ہوں تو آیت کے یہ معنے ہوں گے۔ تو نصیحت کر۔ اگر نصیحت کرنا فائدہ دے لیکن سوال تو یہ ہے کہ تمہیں کیسے پتہ لگے گا کہ اگر تم نصیحت کرو تو ضرور فائدہ ہوگا۔ یہ تو مستقبل کے متعلق ہے اور مستقبل کا حال انسان نہیں جانتا۔ اس لئے یہ لازمی بات ہے کہ اس آیت کے یہ معنے غلط ہیں اس طرح تو کوئی نصیحت ہی نہیں کر سکے گا کیونکہ حکم یہ ہے کہ تمہیں نصیحت سے فائدہ کا یقین ہو تب نصیحت کرو پس ''اِنْ'' کے معنے یہاں ''قد'' کے ہیں۔ اس صورت میں اس کے یہ معنے بنیں گے کہ تم نصیحت کرو اس لئے کہ نصیحت سابق میں فائدہ دیتی چلی آئی ہے۔ چاہے جس کو نصیحت کی جائے وہ مانے یا نہ مانے۔ دیکھو نجاشی نے نصیحت کو مان لیا یا نہیں۔ پھر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب بادشاہوں کو خطوط بھیجے تو کیا بحرین کے بادشاہ نے مانا یا نہیں؟ دیکھو یہ کتنی دلیری تھی کہ اس نے اسلامی بادشاہت قائم کرنے کے لئے لکھا۔ نجاشی نے اسلام لانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ فائدہ نہیں اُٹھایا اس لئے بعض لوگوں کے نزدیک وہ مسلمان نہیں تھا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نجاشی کا جنازہ پڑھو[8] نیز فرمایا میرے بھائی نجاشی نے یوں کہا ہے[9] اس سے ظاہر ہے کہ وہ مومن تھا لیکن چونکہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جس سے دوسرے مذاہب کے ساتھ ٹکراؤ ہو اس لئے بعض لوگ غلطی سے اسے مسلمان نہیں سمجھتے۔ لیکن بحرین کا بادشاہ نہ صرف مسلمان ہؤا بلکہ مسلمان ہو کر اس نے اپنے علاقہ میں اسلامی حکومت کے قیام کی درخواست کی بلکہ اسلام میں جو یہ مسئلہ آتا ہے کہ عیسائیوں، مجوسیوں، اور دیگر مذاہب والوں سے حُسنِ سلوک کرو، یہ اِسی کی وجہ سے ہے۔ اس نے یہ دریافت کیا تھا کہ میری حکومت میں عیسائی بھی رہتے ہیں، مجوسی بھی رہتے ہیں، یہودی بھی رہتے ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ کیا میں انہیں ملک سے نکال دوں؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نہیں۔ انہیں نکالنے کی ضرورت نہیں، تم ان سے حُسنِ سلوک کرو[10] پس تبلیغ ہر ایک شخص کے لئے ضروری ہے۔ پھر اپنے اپنے حلقہ میں تبلیغ ضروری ہے۔

اِس وقت صرف ایک جگہ پر صحیح رنگ میں تبلیغ ہو رہی ہے اور وہ شیخوپورہ ہے۔ چوہدری انور حسین صاحب نئے آدمی ہیں، نوجوان ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کمزور ہیں لیکن اُنہوں نے اچھی تبلیغ شروع کی ہے اور وہاں کے زمینداروں سے بھی بعض احمدیت میں داخل ہوئے ہیں اور بعض کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ احمدیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ دوسری جگہوں پر بھی تبلیغ مؤثر نہ ہو۔ کراچی میں بھی پچھلے دنوں ایک ڈاکٹر اور ایک وکیل احمدی ہوئے ہیں۔ لاہور میں کوئی بڑا آدمی احمدی نہیں ہؤا۔ گجرات میں چھ سات سال ہوئے مولوی ظہور الدین صاحب پلیڈر احمدی ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس طبقہ میں سے کوئی احمدی نہیں ہؤا اور میں سمجھتا ہوں کہ جب کوئی شخص کسی اعلیٰ طبقہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اکثر یہ بات اُس کی فطرت میں داخل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے طبقہ میں تبلیغ نہیں کرتا۔ مثلاً بڑے بڑے زمینداروں میں سے کچھ عرصہ سے کوئی احمدی نہیں

ہو رہا۔ اِن دنوں صرف ایک زمیندار نے ضلع جھنگ میں جماعت سرگودھا کے ذریعہ احمدیت کو قبول کیا ہے حالانکہ دیر سے اس طرف خاموشی تھی۔ صرف غرباء جماعت میں داخل ہوتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام غرباء میں ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو بُھوکوں مرتے ہیں وہی لوگ اسلام قبول کرتے ہیں۔ مکہ میں جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے اُن میں امیر بھی شامل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ لو آپ امیر تھے۔ اگر آپ غریب تھے تو آپ نے سات آٹھ غلام آزاد کیسے کرائے۔ ایک ایک غلام کی قیمت اُن دنوں سات سات آٹھ آٹھ ہزار درہم تھی۔ پھر سارا بیت المال حضرت خدیجہؓ تھیں۔ آپ بڑی مالدار عورت تھیں۔ اسلام کے پاس کوئی خزانہ نہیں تھا۔ سارا بوجھ حضرت خدیجہؓ نے ہی اُٹھایا ہوا تھا۔ پھر حضرت عثمانؓ کا نام ہی غنی ہے۔ پھر حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت عمرؓ سارے کے سارے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے پاس پانچ پانچ غلام کام کرتے تھے اور یہ سب جائدادوں اور زمینوں والے تھے۔

یہ لازمی بات ہے کہ جب لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے تو ان میں کثرت غرباء کی تھی لیکن غرباء کی کثرت کے یہ معنے نہیں کہ کوئی پڑھا لکھا اور عقلمند انسان اسلام کے متعلق کوئی بات نہیں سنتا۔ اگر کسی کا ذہن اعلیٰ ہے اور وہ عقلمند ہے تو وہ آپ کی طرف ضرور توجہ کرے گا۔ صرف سُستی کی وجہ سے ہم پر زنگ لگ گیا ہے اور ہمیں یہ مرض ہو گیا ہے کہ ہم دوسروں کو تبلیغ نہیں کرتے۔ یہ مرض دوسروں کی پیدا کی ہوئی نہیں ہماری خود پیدا کی ہوئی ہے۔ پھر یہ مرض خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی نہیں، ہم نے خود اپنے اندر یہ بیماری پیدا کی ہے۔ پس ان لوگوں میں بھی تبلیغ کرنی چاہئے اور پھر اپنے اپنے طبقہ میں بھی تبلیغ کرنی چاہئے۔ کشمیر کے لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔ میں نے انہیں کہا تم تبلیغ کرو۔ چنانچہ انہوں نے میری بات مان لی۔ اب اکثر لوگ کہتے ہیں ہمیں گلگار صاحب نے تبلیغ کی ہے۔ بہر حال اگر ہمارے دوست اپنے اپنے طبقہ میں تبلیغ کریں تو اس کا ضرور اثر ہو گا اور اگر ہم اس طرح تبلیغ میں لگے رہے تو پانچ چھ سال میں ایک مضبوط جماعت قائم ہو جائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم نے تبلیغ کی ہی نہیں ہوتی۔ بڑے لوگوں کی تبلیغ یہ ہے کہ بعض

لوگوں کی دعوت کر دی یا انہیں میرے پاس لے آئے۔ وہ ننگی تبلیغ نہیں کرتے۔ غرباء ننگی تبلیغ کرتے ہیں۔ اگر سب لوگ ننگی تبلیغ کرتے تو جماعت کہیں کی کہیں چلی جاتی۔ مجھے آج ہی ایک دوست کا خط ملا ہے کہ اُنہیں ایک بہت بڑے عالم ملے اور انہوں نے احمدیت سے اتنی ناواقفیت ظاہر کی کہ حیرت آتی ہے۔ جب میں نے ان سے کُھل کر باتیں کیں تو ان کی آخری گفتگو پہلی گفتگو سے بہت نرم تھی۔ پس چاہے کوئی بڑا آدمی ہو جب اس پر حق کُھل گیا ہو تو وہ ضرور اس طرف متوجہ ہوگا۔

میں جب شام گیا تو وہاں کے ایک عالم شیخ عبدالقادر صاحب مغربی جو ابھی تک زندہ ہیں میرے پاس آئے وہ شریف آدمی ہیں۔ مجھے ملنے کے لئے آئے تو کچھ نوجوان جو یونیورسٹی کے سٹوڈنٹ تھے میرے ساتھ کج بحثی کر رہے تھے۔ شیخ عبدالقادر صاحب مغربی اُن سے لڑ پڑے اور کہا ہمارا طرۂ امتیاز تو مہمان نوازی ہے تمہیں ان کی باتیں سن لینی چاہئیں کج بحثی نہیں کرنی چاہئے۔ پھر انہوں نے مجھ سے معافی مانگی۔ وہ بہت بڑے عالم ہیں اور عربی سوسائٹی کے سرکردہ ممبر ہیں، اس سوسائٹی کے وہ صدر ہیں یا نائب صدر ہیں، وہ مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے ہم عرب ہیں۔ بیوقوف یا جاہل نہیں کہ آپ کی بات مان لیں۔ اُس وقت میں نے اُنہیں کہا آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی اچھا عرب احمدیت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ میں تو اب واپس جا رہا ہوں لیکن وطن پہنچ کر سب سے پہلا کام جو میں کروں گا وہ یہ ہے کہ میں یہاں اپنا مبلّغ بھیجوں اور اُس وقت تک نہیں ہٹوں گا جب تک کہ یہاں ایک مخلص جماعت قائم نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں نے یہاں آ کر سید ولی اللہ شاہ صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب شمس کو شام میں بھیجا اور کہا جاؤ اور شیخ عبدالقادر صاحب مغربی سے کہہ دو کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ جب یہ دونوں وہاں گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک مخلص جماعت بھی قائم کر دی اور جب شیخ عبدالقادر صاحب مغربی سے ملے اور انہیں کہا کہ خلیفۃ المسیح نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے تو انہوں نے اس بات کا اقرار کیا اور کہا تم نے واقعہ میں اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اسی مجلس میں مسٹر سلیم حسن جابی نے تلاوت کی ہے۔ یہ شام کے رہنے والے ہیں یہ وہاں سے آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے نہ صرف انہیں احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے بلکہ انہیں یہ توفیق بھی دی ہے کہ وہ یہاں آ کر دینی تعلیم

حاصل کریں۔

پھر علماء کا طبقہ ہے آجکل اس طبقہ میں بھی تبلیغ کم ہے اور کوئی بڑا عالم چند سال سے احمدیت میں داخل نہیں ہوا۔ یہ بات نہیں کہ مولوی لوگ احمدیت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل بھی علماء میں سے تھے۔ پھر آپ احمدیت میں داخل ہوئے یا نہیں؟ جس طرح اُس وقت غیر احمدیوں میں خدا تعالیٰ کا خوف پایا جاتا تھا اب بھی خدا تعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہے اگر اب بھی تم تبلیغ کرو تو کئی لوگ احمدیت میں آجائیں۔ درحقیقت ہمیں صحیح طور پر تبلیغ کرنی آتی ہی نہیں۔ ورنہ اگر مخالف سے مخالف شخص کو بھی لایا جائے اور اسے خدا تعالیٰ کا خوف ہو تو وہ احمدیت کو قبول کر لیتا ہے۔ اب تو بہت سے غیر احمدی یہاں ملنے آتے ہیں کیونکہ ربوہ سڑک پر واقع ہے قادیان کنارے پر واقع تھا۔ پچھلے دنوں ایک لیڈی ڈاکٹر یہاں آگئیں۔ وہ کراچی سے سرگودھا جا رہی تھیں جب وہ ربوہ سے گزریں تو انہوں نے مسجد کے مینارے دیکھے اور وہ مسجد دیکھنے کے لئے یہاں آگئیں۔ انہوں نے کہا میں نے سنا تھا کہ آپ کا مذہب الگ ہے لیکن جب مسجد دیکھی تو یہ ویسی ہی تھی جیسے اور مسلمانوں کی ہوتی ہے تو میں اسے دیکھنے کے لئے یہاں آگئی۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ بعض لوگ یہاں سے گزرے اور ربوہ کی آبادی دیکھی تو وہ یہاں آگئے۔ پس یہ بڑی بھاری غفلت ہے اس کو دور کرنا چاہئے۔

خدا تعالیٰ نے ہماری آمد کا جو ذریعہ مقرر کیا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام ''حق اولاد در اولاد'' [11] میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ماننے والوں کے اندر ایسا مادہ رکھ دیا گیا ہے کہ اگر وہ اپنا فرض پورا کریں گے تو آمد ہمارے ذمہ ہوگی۔ مخالف سے مخالف شخص کے اندر بھی نیکی اور تقویٰ ہوتا ہے اور جب اسے سچائی کی طرف بلایا جائے تو وہ اسے مان لیتا ہے۔ جب میں پہلی دفعہ حیدرآباد (سندھ) گیا تو وہ شخص جس نے اُس وقت سب سے زیادہ مخالفت کی تھی، میں نے اِس دفعہ جب لیکچر کیا تو وہ میرے پاس آیا۔ سیکرٹری صاحب نے کہا کہ فلاں شخص آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اس نے مصافحہ کیا اور کہا مجھے جماعت پر جو سیاسی اعتراض تھے اُن میں سے اکثر حصہ دور ہو گیا ہے۔ میں نے کہا باقی اعتراض بھی دور ہو جائیں گے۔ اب دیکھو وہی شخص جو اختلاف کی بنیاد رکھنے والا تھا

آخر متفق ہو گیا۔ ہمارے ایک معزز احمدی کراچی جا رہے تھے تو ان سے ایک شخص نے کہا اگر میں پندرہ بیس منٹ اور وہاں بیٹھ جاتا تو سارے شبہات دور ہو جاتے۔

پس بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے اپنے طبقہ کے لوگوں میں تبلیغ کی ہی نہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ احمدیت ان پر اثر نہ کرتی۔ امراء ہیں، علماء ہیں، علماء سے مراد صرف دینی علماء ہی نہیں دُنیوی علماء بھی ہیں۔ پھر وکلاء ہیں، ڈاکٹر ہیں یہ سب اپنے اپنے طبقہ میں جائیں۔ خدا تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت نیک رکھی ہے آپ اگر کسی کے پاس جائیں گے اور اسے صحیح رنگ میں تبلیغ کریں گے تو وہ احمدیت میں داخل ہو جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرے بھائی کو دست آتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اُسے شہد دو۔ چنانچہ اُسے شہد دیا گیا لیکن دست زیادہ ہو گئے۔ وہ دوبارہ حاضر ہؤا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے شہد دیا تھا لیکن دست اَور زیادہ ہو گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اور شہد دے دو۔ وہ پھر واپس آیا اور عرض کیا میں نے دوبارہ شہد دیا ہے لیکن دست اور بڑھ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اَور شہد دے دو۔ وہ پھر آیا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! مرض اور بڑھ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، خدا تعالیٰ جھوٹا نہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے شہد میں شفا ہے۔ تم اسے اور شہد دو وہ ضرور ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے پھر شہد دیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔[12] اسی طرح میں کہتا ہوں خدا تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت نیک بنائی ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اسے تبلیغ کرو تو وہ ضرور مانے گا۔ اگر وہ نہیں مانتا تو ہم غلطی پر ہیں۔ خدا تعالیٰ کا قول صحیح ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آج ابوجہل، عتبہ اور شیبہ نہیں، بے شک وہ ہیں لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ کوئی شخص احمدیت کو قبول نہیں کر سکتا۔ بشرطیکہ تم صحیح رنگ میں تبلیغ کرو۔ تم خود ان لوگوں کی مجالس میں جاؤ اور تبلیغ کے مواقع تلاش کرو۔

صاحبِ پوزیشن لوگوں کو تبلیغ

اگر تم نے دُنیا کو فتح کرنا ہے تو دُنیا تدبیر سے فتح ہو گی ویسے نہیں۔ یہ بات غلط ہے کہ صاحبِ پوزیشن لوگ صداقت قبول نہیں کرتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاحبِ پوزیشن لوگوں نے قبول کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غریبوں نے مانا تھا لیکن

ان کا اس وقت تک دُنیا پر قبضہ نہیں ہوا جب تک کہ انہیں صاحبِ پوزیشن لوگوں نے نہیں مانا۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں خدا تعالیٰ نے دُنیا کی کنجی دی ہوئی ہوتی ہے، ان کا وجود بھی ضروری ہوتا ہے اس لئے ان لوگوں کو جماعت میں لانے کی کوشش کرو۔

مولوی محمد صاحب پراونشل امیر صوبہ بنگال نے یہ بات پیش کی ہے کہ ان کے چندہ کے اُنتیس ہزار روپے میں سے ۲۳ ہزار روپے انہیں چاہئیں۔ جہاں تک کام کا سوال ہے اتنی رقم بھی تھوڑی ہے لیکن جہاں تک اصول کا سوال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب میں جب کام شروع ہوا تو پہلے پہلے صرف چالیس آدمی احمدی ہوئے۔ پھر اُنہوں نے کام کیا۔ ان لوگوں میں ویسے لوگ نہیں تھے جیسے اس وقت بنگال میں ہیں بلکہ وہ اس سے کم درجہ کے تھے۔ وہ کام کرتے گئے اور جماعت بڑھتی گئی یہاں تک کہ صوبہ سرحد اور یو۔پی سے بعض لوگ آئے۔ صوبہ سرحد میں بالکل ابتدائی زمانہ میں بعض لوگ احمدی ہو گئے تھے۔ مولوی غلام رسول صاحب ۱۸۹۷ء میں وہاں گئے تھے۔ ان مُلکوں میں تبلیغ پھیلی اور اُنہوں نے سلسلہ کے بوجھ اُٹھائے اور اُٹھاتے چلے گئے اور اب جو جماعت بنی ہے وہ انہی چند لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ان کو مدد دینے والا کوئی نہیں تھا۔ بنگال کو بھی اپنے اندر اعزازِ نفس پیدا کرنا چاہئے۔ مولوی محمد صاحب نے کہا ہے کہ ہمارا کُل چندہ ۲۹ ہزار روپے ہے۔ اگر اس کی تحلیل کی جائے تو اس میں سے بارہ ہزار روپیہ غیر بنگالیوں کا ہوگا۔ بنگالیوں کا چندہ صرف پندرہ سولہ ہزار روپیہ رہ جائے گا۔ بے شک بچہ روتا ہے تو ماں کی چھاتی میں دودھ آتا ہے۔ پس جہاں تک رونے کا سوال ہے یہ جائز امر ہے۔ مطالبہ کے لئے چلّانا جائز ہے لیکن جہاں تک حقیقت کا سوال ہے یہ ایسی حقیقت نہیں جس میں بنگال والے منفرد ہوں اور اس میں کوئی اور شامل نہ ہو۔ انہی حالات میں سے پنجاب گزرا ہے۔ اس کا جواب پراونشل امیر صوبہ بنگال نے یہ سوچا ہے کہ دو میں سے ایک بات کر دیا تو ہمیں ضرورت کے مطابق مالی امداد دی جائے اور یا خلیفہ ہمیں دے دیا جائے اور چندے لے لئے جائیں۔ یہ بات درست ہے کہ خلیفہ تبلیغ کا ایک ذریعہ ہے لیکن اگر بنگال والوں کا مطالبہ جائز ہے تو پھر اور ممالک بھی یہی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً شام ہے، شام والے بھی یہی مطالبہ کریں گے کہ خلیفہ ہمیں دے دیا جائے۔ شام کو جتنا اختلاف ہے بنگال کو نہیں۔ جو برتری کا دعویٰ

شام والوں کو ہے وہ بنگال کو نہیں لیکن وہ اپنا بوجھ آپ اُٹھا رہے ہیں۔ ہم انہیں کوئی مدد نہیں دے رہے۔ صرف ایک ہزار روپیہ کی مدد دے رہے ہیں۔

پھر مولوی محمد صاحب نے پریس کا سوال اُٹھایا ہے۔ بنگال میں دو تین ہزار احمدی ہوگا لیکن سیلون میں کوئی سَو ڈیڑھ سو احمدی ہے۔ ان کا آج ہی خط پہنچا ہے کہ اُنہوں نے اپنا پریس جاری کر رکھا ہے۔ پھر مکان بھی بنایا ہے، ان چیزوں کے لئے اُنہوں نے وہیں سے چندہ لیا ہے۔ پھر انڈونیشیا ہے۔ وہ مرکز سے کتنا دور ہے وہ نہ صرف اپنا کام چلا رہے ہیں بلکہ ہمارا حصہ بھی نکالتے ہیں۔ پھر سنگاپور ہے۔ وہاں صرف چند افراد ہیں لیکن وہ سارے ملک میں کام کرتے ہیں۔ پھر گولڈ کوسٹ ہے۔ نائیجیریا ہے۔ یہ ممالک کتنے دور ہیں۔ ان کی زبان مختلف ہے، اخلاق مختلف ہیں، عادات مختلف ہیں، وہ اپنا کام بھی چلا رہے ہیں اور ہمارا حصہ بھی دے رہے ہیں۔ وہ کہیں تجارت کرتے ہیں اور کہیں نئے کام کرتے ہیں۔ تین مبلّغ وہاں ہیں، صرف ان کی تنخواہیں دی جا رہی ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ اپنی ضرورتوں کے مطابق کوشش کرنی چاہئے اور مطالبہ کرنا چاہئے لیکن اسے حقیقت سمجھ لینا غلط ہے۔ مانگنے کا ایک ذریعہ ضرور ہے۔ خداتعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ شور مچاؤ۔ پس آپ بے شک شور کریں لیکن جو مل جائے مل جائے۔ پنجاب پر ساری دُنیا کا بوجھ ہے۔ تحریک جدید کا روپیہ تو باہر ہی خرچ ہوتا ہے اور یہ روپیہ ساڑھے تین ہزار آدمی دے رہے ہیں۔ جو قریباً سب کے سب ویسٹرن پاکستان والے ہی ہیں۔ انہیں احساس ہے کہ ہماری ذمہ داری اور قسم کی ہے۔ راولپنڈی نے کل شور مچایا تھا، اب ان کی تسلی ہو جائے گی وہ لوٹ لیتے تو لوٹ لیتے۔

انڈونیشیا میں نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گئے ہیں اور نہ آپ کا کوئی خلیفہ وہاں گیا ہے، اِسی طرح ملایا اور سنگاپور ہے وہاں نہ نبی گیا ہے اور نہ خلیفہ۔ سنگاپور میں پچاس آدمی ہیں وہ بادشاہوں اور نوابوں کے پاس جاتے ہیں اور اُنہیں تبلیغ کرتے ہیں اور ایک بادشاہ کے متعلق تو خیال ہے کہ وہ احمدی ہو جائے گا۔ وہ ابھی احمدی ہوا تو نہیں لیکن اس نے کہا ہے کہ میں اپنے علاقہ میں احمدیت کی تبلیغ میں کوئی روک پیدا نہیں کروں گا۔ باقی لوگ بھی مخالفت کرتے ہیں۔ سارے افراد کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جانا اصل

چیز ہے۔ باہر کی تبلیغ بھی ہمارے ذمہ ہے اور تبلیغ ہی ہمارا اصل کام ہے جو مغربی پاکستان کر رہا ہے۔ اگر اصل کام مغربی پاکستان کر رہا ہے تو کیا تمہارا فرض نہیں کہ تم بھی تبلیغ کرو۔ میں بنگال کو اس لحاظ سے اہمیت دیتا ہوں کہ وہ ایک طرف ہے اور یہ کہ اس کے لوگ زیادہ ذہین اور حساس ہیں لیکن میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جہاں تک کوشش کا سوال ہے تم بے شک سوال کرو لیکن یہ نہ سمجھو کہ بنگال کی ذمہ داری بنگال پر نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری باہر کی جماعتوں پر ہے اگر یہی احساس پنجاب میں پیدا ہو جائے اور وہ کہے کہ ہمارا مقابلہ صرف اپنے صوبہ کے لوگوں سے ہے تو کام کیسے چل سکتا ہے۔ ہمارا مقابلہ اڑھائی کروڑ یا تین کروڑ سے نہیں بلکہ ہمارا مقابلہ اڑھائی ارب سے ہے اور یہ مقابلہ کم نہیں جو حالت آپ لوگوں کی ہے وہی حالت ہماری ہے۔ ہم نے دُنیا میں تبلیغ کرنی ہے حوصلہ پست نہ کیجئے اور یہ مت کہیئے کہ فلاں رعایت ملے گی تو کام ہوگا۔ اگر پنجاب والے حوصلہ چھوڑ دیں تو کام ہی رُک جائے۔ تم اپنا کام بھی کرو اور اس کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی تبلیغ کا کام کرو۔

ہر مومن اپنے آپ کو ساری دنیا کا مبلّغ سمجھے

کسی مومن کے ذمہ کوئی خاص گھر نہیں، کوئی خاص گاؤں نہیں، کوئی خاص شہر نہیں، کوئی خاص ملک نہیں، بلکہ ساری دُنیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی زندگی میں بڑا کام کرنے کا موقعہ دیا ہے لیکن سب سے بڑا کام مَیں صرف اس عہد کو سمجھتا ہوں جو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہو گئے تو لوگوں نے خیال کیا کہ آپ کی وفات بے وقت ہوئی ہے ابھی آپ کی بہت پیشگوئیاں ایسی ہیں جو پوری نہیں ہوئیں۔ میں نے آپ کے سرہانے کھڑے ہو کر خاموش زبان میں کہا لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ وفات بے وقت ہوئی ہے یہ اچھا نہیں ہوا لیکن میں عہد کرتا ہوں کہ اگر ساری دُنیا بھی مرتد ہو جائے تب بھی میں آپ کا کام کروں گا اور اس بات کی پرواہ نہیں کروں گا کہ میں اکیلا ہوں اور میری زندگی کے کاموں میں سے سب سے زیادہ اہم کام یہی ہے جو میں نے کیا۔ اب بھی میں تحریک کرتا ہوں، اِنذار کرتا ہوں تبشیر کرتا ہوں لیکن آج بھی میرا ایمان ہے۔ (خدا تعالیٰ ساری جماعت کو حفاظت میں رکھے اور اسے ترقی عطا فرمائے) کہ اگر سارے لوگ بھی مرتد ہو جائیں تو اس بڑھاپے میں

بھی میں یہ یقین کرتا ہوں کہ میں اپنے اس وعدہ پر قائم رہوں گا اور اِسی یقین سے کھڑا رہوں گا جس یقین سے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت کھڑا ہوُا تھا۔ یہ مومنانہ سپرٹ ہے اِسے چھوڑنے سے کچھ نہیں بنتا۔ ہر فرد یہ سمجھے کہ میں ہی وہ فرد ہوں جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قائم مقام بنایا گیا ہے اور ساری دُنیا کی تبلیغ میرے ذمہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کون سا روپیہ تھا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کون سا روپیہ تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس کون سا روپیہ تھا۔ میں جب خلیفہ ہوُا تو میرے پاس کون سا روپیہ تھا۔ میرے پاس پہلا اشتہار شائع کرنے کے لئے بھی پیسے نہیں تھے۔ خزانہ میں بارہ روپے تھے اور جماعت کا اکثر حصہ مخالف ہو چکا تھا۔ بہت تھوڑی سی جماعت میرے ساتھ تھی۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب مساجد کے لئے چندہ اکٹھا کیا کرتے تھے۔ مسجد نور اور نور ہسپتال انہی کی کوششوں کے نتیجے میں بنے ہیں۔ ان کے پاس پانچ سَو روپیہ تھا۔ اُن کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ میں نے ایک اشتہار لکھا ہے لیکن اسے شائع کرانے کے لئے میرے پاس روپیہ نہیں وہ میرے پاس آئے اور کہا یہ پانچ سَو روپیہ کی تھیلی ہے جو میں مساجد کی تعمیر کے لئے جمع کر کے لایا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسے اس مصرف میں لانا جائز ہے اس لئے یہ رقم خرچ کر لی جائے۔ چنانچہ اس رقم سے میں نے پہلا اشتہار شائع کیا۔ خزانہ میں بارہ یا اٹھارہ روپے تھے اور باوجود اس حالت کے ہمارے حوصلے پست نہیں ہوئے تھے۔ میرا پہلا اشتہار آج بھی چیلنج ہے۔ اس کا ہیڈنگ تھا ''کون ہے جو خدا کے کاموں کو روک سکے۔'' میں نے اُس وقت یہی لکھا تھا کہ تم خیال کرتے ہو کہ تم زیادہ ہو لیکن زیادہ ہم ہوں گے جن کے ساتھ خدا ہے۔ چنانچہ آج اُن کے جلسہ سالانہ میں اتنے لوگ بھی نہیں ہوتے جتنے ہماری مجلس شوریٰ میں شامل ہوتے ہیں۔ پس فتح ایمان سے ہوتی ہے روپیہ سے نہیں، تم اپنے اندر ایمان پیدا کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کون سا روپیہ تھا۔ آپ کا کھانا اور کپڑا آپ کی بیوی دیتی تھیں لیکن آپؐ کے اندر ایمان تھا اور یہی ایمان تھا جس کی وجہ سے آپ جیتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کون سا روپیہ تھا۔ بے شک آپ کے

پاس جائیداد تھی لیکن وہ جائیداد دوسروں کے قبضہ میں تھی۔ آپ خود فرماتے ہیں:-

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ　　وَ صِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ [۱۳]

یعنی کسی زمانہ میں دسترخوان کے بچے کھچے ٹکڑے مجھے کھانے کو دیئے جاتے تھے لیکن آج کئی خاندان میرے ذریعہ سے پرورش پا رہے ہیں۔ جب تک تم یہ احساس نہیں رکھو گے تبلیغ نہیں کر سکو گے۔ تم روپیہ دو گے تو تبلیغ ہو گی لیکن یہ بنیادی چیز نہیں ہم تم سے اس وقت تک چندہ مانگتے ہیں جب تک تم میں روپیہ دینے کی طاقت ہے۔ جب تم میں روپیہ دینے کی طاقت نہیں رہے گی تو ہم چندہ نہیں مانگیں گے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔

ایمان کی قدر کریں

پس میں نصیحت کروں گا کہ آپ لوگ ایمان کی قدر کریں، اس سے آپ جیتیں گے۔ ایک وقت وہ تھا جب ستّر روپے بھی چندہ کے طور پر اکٹھے کئے گئے تھے اور اس قدر قلیل رقم کے لئے ہمیں اشتہار دینا پڑا تھا لیکن آج ہم اپنی جیب سے اتنی رقم دے دیتے ہیں اور اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ ابھی چندہ کی تحریک ہوئی ہے تو پونے پانچ ہزار روپیہ اکٹھا ہو گیا ہے۔ یہ چیز ہمارا حوصلہ بڑھاتی ہے کہ چندہ کی تحریک کی جاتی ہے تو اس کمرہ میں سے پونے پانچ ہزار روپیہ کی رقم اکٹھی ہو جاتی ہے۔ منارۃ المسیح کے لئے کتنا زور لگایا گیا لیکن صرف دس ہزار روپیہ کی رقم اکٹھی ہوئی تھی اور وہ نامکمل رہ گیا تھا۔ بعد میں اور چندہ اکٹھا کیا گیا اور ۷۵ ہزار روپیہ کی رقم سے منارۃ المسیح مکمل ہوا۔ پس حوصلے بلند رکھو اور خدا تعالیٰ پر نظر رکھو تم بے شک مانگو لیکن مانگنے پر توکل نہ کرو۔ تمہارا اصل توکل خدا تعالیٰ پر ہونا چاہئے۔‘‘

موصی کی جائیداد وہی شمار ہو گی جو وفات کے وقت ثابت ہو

مجلس مشاورت میں نظارت بہشتی مقبرہ کی یہ تجویز پیش ہوئی کہ:-

’’جن موصیوں کی وصیت میں نقدی، زیور، مال مویشی مہر درج ہو اُن سے ان چیزوں کا حصہ وصول کر کے پھر سرٹیفکیٹ دیا جایا کرے کیونکہ یہ ایسی اشیاء ہیں جو ضائع ہونے والی ہیں بعد میں ان کا حصہ اکثر نہیں ملتا۔‘‘

حضور نے اس کے بارہ میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا:-

’’میرے نزدیک وصیت کے لئے وہ شرط جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ جہاں تک کسی کی آمدن کا سوال ہے وہ تو بالکل واضح ہے اور ہر شخص کے لئے جس کا گزارہ کسی ماہوار آمد پر ہو ضروری ہے کہ وہ اپنی ماہوار آمد کا مقررہ حصہ دفتر بہشتی مقبرہ کو ادا کرے لیکن جہاں تک اس جائیداد کا سوال ہے جو کوئی آمد پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی قیمت کے لحاظ سے اس پر حصہ واجب ہوتا ہے، ایسی جائیداد پر وصیت کے لحاظ سے مرنے کے بعد ہی قانون جاری کیا جا سکتا ہے اس سے پہلے نہیں اور ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم اس کے متعلق یہ فیصلہ کر دیں کہ وصیت کرنے والے کو اپنی زندگی میں ہی جائیداد کا حصہ ادا کرنا چاہئے۔ بے شک اگر کسی وقت سلسلہ کو مالی مشکلات ہوں تو اس وقت طوعی رنگ میں تحریک کی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی دوست اپنے مال مویشیوں کا مقررہ حصہ ادا کر دیں یا اپنی جائیداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے سلسلہ کی مدد کریں تو اللہ تعالیٰ سے وہ ثواب کے مستحق ہوں گے لیکن وصیت میں جس بھینس کا ذکر کیا جاتا ہے اس سے مراد بہرحال وہی بھینس ہوگی جو مرنے کے بعد باقی رہے یا اگر وصیت میں کوئی عورت اپنا زیور لکھواتی ہے تو اس سے مراد اس کا وہ زیور نہیں جو اس وقت اس کے پاس موجود ہے بلکہ وہ زیور مراد ہے جو مرنے کے بعد اس سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی صورت زمین کی ہے۔ زمین سے بھی وہی زمین مراد ہے جو مرنے کے بعد پائی جائے۔ اگر کوئی شخص وصیت میں اپنی زمین لکھواتا ہے یا کوئی عورت زیور درج کراتی ہے اور پھر وہ اپنی زندگی میں ہی اپنی ضروریات کے لئے اس زمین کو فروخت کر دیتا ہے یا عورت اپنے زیور کو فروخت کر دیتی ہے تو چونکہ ان کے پاس کوئی جائیداد نہیں رہے گی اس لئے ترکہ میں یہ چیزیں شمار نہیں ہوں گی۔ حقیقتاً وصیت کا اطلاق اس آمد پر جو کسی کو ہو رہی ہو جمع اس ترکہ کے ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑتا ہے۔

زندگی میں اگر وہ اپنی جائیداد کو فروخت کر دیتا ہے یا اپنے کسی اور مصرف میں لے آتا ہے تو اس کا اُسے حق حاصل ہے۔ جیسے کسی شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو اور وہ پچاس ہزار بیٹے کو اور پچیس پچیس ہزار اپنی دو بیٹیوں کو دے دے تو اس کا ایک لاکھ روپیہ ختم ہو جائے گا۔ یہی حالت وصیت کی ہے۔ وصیت کا حق درحقیقت جائیداد کے لحاظ سے

مرنے کے بعد ہی قائم ہوتا ہے۔ پس میرے نزدیک وصیت کے قانون کے ماتحت ہم اس قاعدہ کو جاری نہیں کر سکتے۔ دفتر بہشتی مقبرہ والوں کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ کریں کہ حصہ جائیداد ادا کرنا ان پر آج سے ہی واجب ہے یہ حصہ درحقیقت ان کی موت پر لیا جائے گا۔ پس جو دوست مشورہ دیں ان کو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ شرعی مسئلہ کے لحاظ سے جائیداد پر موت کے بعد ہی وصیت حاوی ہوتی ہے۔ چاہے ایک بھینس بھی باقی نہ رہے یا ایک زیور بھی نہ رہے۔ اگر مرنے کے بعد کسی کے پاس ایک بھینس کی بجائے دو بھینس ہوں گی تو وصیت دونوں بھینسوں پر حاوی ہو جائے گی۔ اگر پانچ ہوں گی تو پانچوں پر حاوی ہو جائے گی۔ اگر ایک بھی نہ رہے گی تو ایک پر بھی حاوی نہیں رہے گی۔ سب کمیٹی کی تجویز بھی یہی ہے کہ اس بارہ میں کوئی قاعدہ بنانے کی ضرورت نہیں طوعی رنگ میں دوستوں کو تحریک بے شک کی جا سکتی ہے لیکن شرعی قاعدہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد کے زمانہ پر وصیت واجب ہوتی ہے۔''

اِس کے بعد رائے شماری ہوئی۔ اکثریت نے سب کمیٹی کی تجویز کی تائید کی۔ اِس پر حضور نے فرمایا:-

فیصلہ

''چونکہ اکثریت سب کمیٹی کی رائے کے حق میں ہے اس لئے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ رسالہ الوصیت کے مطابق وصیت ترکہ پر واجب ہے پس موصی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حصۂ وصیت اپنی زندگی میں ہی ادا کرے تو اس کو سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔ جو لوگ جائداد کی وصیت کرتے ہیں سوائے اِس کے کہ وہ اپنی مرضی سے کچھ دیدیں قاعدہ کے طور پر اُن کے لئے اپنی زندگی میں جائداد بطور حصّۂ وصیت ادا کرنا ضروری نہیں۔ قاعدہ یہی ہے کہ وفات کے بعد جو جائداد باقی ہوگی اُس پر وصیت حاوی ہوگی۔''

بہشتی مقبرہ میں قبر کے لئے جگہ ریزرو کرانا

نظارت بہشتی مقبرہ کی ایک تجویز کے بارہ میں سب کمیٹی کی طرف سے رپورٹ پیش ہوئی کہ ''سب کمیٹی اُن دوستوں کی خواہش کی تائید میں نہیں جو ایسا قاعدہ بنوانا چاہتے ہیں جس سے اُن کے خاندان کے افراد کو ایک قطعہ میں دفن کرنے کا

انتظام کیا جائے۔‘‘

نمائندگان مجلس مشاورت نے اس رپورٹ کے بارہ میں اپنی آراء کا تفصیل سے اظہار کیا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’جہاں تک عمل کا سوال ہے اس میں بڑی دِقتیں ہیں لیکن جہاں تک جذبات کا سوال ہے اس کے لحاظ سے بھی اِس میں بڑی دِقتیں ہیں۔ سب کمیٹی نے بے شک مخالف رائے کا اظہار کیا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ایک حد تک اس سوال کی اہمیت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اپنی وفات کے متعلق متواتر الہامات ہوئے اور آپ نے بعض رؤیا بھی دیکھے تو ایک دن آپ سیر کرتے ہوئے بہشتی مقبرہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا یہاں مجھے چاندی کی بنی ہوئی قبریں دکھائی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ یہ تیری اور تیرے خاندان کے افراد کی قبریں ہیں۔ چنانچہ اسی رؤیا کی بناء پر جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مدفون ہیں، وہاں ایک بڑا سا احاطہ بنایا گیا تا کہ آپ کے خاندان کے افراد یہیں دفن ہوں۔ ادھر قرآن کریم بھی فرماتا ہے کہ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ [14] یعنی ہم جنتیوں کے ساتھ اُن کے رشتہ داروں کو بھی جمع کر دیں گے۔ تو اس بارہ میں دلوں کے اندر جو جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ اتنے اہم ہوتے ہیں کہ خدا نے بھی ان کا لحاظ رکھا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی رؤیا میں بتایا گیا کہ یہ تیری اور تیرے خاندان کے افراد کی قبریں ہیں جو چاندی کی طرح چمک رہی ہیں مگر یہ مطالبات پھر بڑھتے بڑھتے ایسا رنگ اختیار کر لیتے ہیں کہ انتظام میں کئی قسم کی دِقتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور جب لوگ ریزرو شدہ قطعات کو دیکھتے ہیں تو انہیں غصہ آتا ہے کہ یہ قطعے تو اوروں نے ریزرو کروا لئے اب ہمیں کہیں دُور جگہ ملے گی۔ پس میرے نزدیک جہاں قاعدہ کے رو سے اِس میں مشکلات ہیں وہاں اگر مزید غور کی ضرورت محسوس ہونے پر کسی وقت یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ اگر میاں بیوی اکٹھے دفن ہونا چاہیں تو ان کے لئے فلاں قطعہ مخصوص ہوگا تو میرے نزدیک اس قسم کی تجویز نکالی جا سکتی ہے مگر موجودہ حالات میں چونکہ اس پر غور نہیں ہو رہا اس لئے اس وقت صرف اس بات پر غور ہوگا کہ کیا موصیوں کو یہ اجازت دی جائے یا نہ کہ وہ اپنے اور اپنے عزیزوں کے لئے ایک قطعہ مخصوص کرالیں۔ سب کمیٹی کی رائے اس کے خلاف ہے۔ جو دوست کمیٹی

کی رائے کے حق میں ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘
حضور کے اس ارشاد پر نمائندگان کی اکثریت نے سب کمیٹی کی رائے کی تائید کی۔

فیصلہ

حضور نے فرمایا:-
’’چونکہ اکثریت سب کمیٹی کی رائے کے حق میں ہے کہ اس قسم کا قاعدہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں جس کی رو سے بہشتی مقبرہ میں قطعات مخصوص کرانے کا طریق جاری کیا جائے۔ جن میں ایک خاندان کے افراد ان کی خواہش کے مطابق اکٹھے دفن ہوں۔ اس لئے میں بھی کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں لیکن اگلے سال غور کر کے اس بات کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ بہشتی مقبرہ کے ایک طرف علیحدہ ایک قطعہ مخصوص کر دیا جائے جس میں صرف میاں بیوی اگر اپنے لئے جگہ ریزرو کرانا چاہیں تو کروالیں۔‘‘

اختتامی تقریر

مجلس مشاورت کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد حضور نے احباب کو رخصت کرتے ہوئے انہیں ایک مختصر خطاب سے نوازا۔ دعاؤں کی تلقین کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:-
’’اب مَیں دعا کر کے اس جلسہ کو برخاست کروں گا۔ دوستوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میرے ساتھ دعا میں شریک ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضلوں سے ڈھانپ لے اور ہماری مشکلات اور تکالیف کو دور فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ایام میں میری طبیعت پر حضرت (اماں جان) کی تشویشناک علالت کی وجہ سے سخت بوجھ رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور میں اس کام کو سرانجام دے سکا۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وہ ان دنوں خاص طور پر دعاؤں سے کام لیں اور اپنے اندر ایک نیک تبدیلی پیدا کریں۔ ہمارا سلسلہ مالی لحاظ سے اس وقت ایک نازک دور میں سے گزر رہا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں بھی ذکر آچکا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے کہ بَلِیَّۃٌ مَا لِیَّۃٌ [۱۵] یعنی مالی مشکلات کا دور آنے والا ہے۔ سو وہ دَور تو آچکا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان مشکلات کے حل کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا فرما دے گا اور وہ ہماری کشتی کو اس بھنور سے سلامتی کے ساتھ نکال لے جائے گا۔

ہمارے سلسلہ پر پہلے بھی کئی نازک دَور آئے مگر ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد فرمائی اور اب بھی مجھے یقین ہے کہ اگر دوستوں نے دعاؤں سے کام لیا اور اپنے اندر قربانی اور ایثار کے مادہ کو ترقی دی تو یہ مشکلات دُور ہو جائیں گی اور سلسلہ کی ترقی پہلے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ہونے لگے گی۔ بہرحال اب میں دُعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے دوستوں کی مدد فرمائے اور انہیں اپنے اندر ایک نیا تغیر پیدا کرنے کی توفیق عطا کرے تاکہ وہ سلسلہ کے بوجھوں کو ہلکا کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے آگے بڑھیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا اور خوشنودی کا وارث بنائے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ زندگی وہی ہے جو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت میں گزرے اس کے بغیر روح کو تازگی حاصل نہیں ہوسکتی۔ وہ غفلت کی حالت میں جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ مُردنی اس پر چھا جاتی ہے اور ترقی کی راہیں اس کے لئے بند ہو جاتی ہیں۔ پس دعائیں کرو اور اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ خدمت دین میں لگاؤ۔ یہی بات دیکھ لو بظاہر کتنی معمولی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے کتنی اہم ہے کہ میں نے ایک سرسری تحریک کی اور اسی ہال میں مساجد کے لئے ۵ ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ یہ بات بتاتی ہے کہ ہماری جماعت کے اندر ایک زندہ ایمان موجود ہے، قربانی کا مادہ نہایت نمایاں طور پر پایا جاتا ہے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ سلسلہ کی مشکلات کا ہر فرد کو احساس دلایا جائے تاکہ اس کی مخفی قوتیں بیدار ہوں اور وہ اپنے فرائض کو صحیح رنگ میں ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اب میں بھی دُعا کرتا ہوں دوست بھی میرے ساتھ دُعا میں شریک ہو جائیں۔‘‘ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء)

۱؎ تذکرہ صفحہ ۳۸۰۔ ایڈیشن چہارم

۲؎ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (الصّف: ۱۰)

۳؎ مسلم کتاب السلام باب الطَّاعُوْن و الطیرة (الخ)

۴؎ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۴۔۱۱۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۵؎ اسد الغابة جلد ۱ صفحہ ۲۳۷۔۲۳۸ مطبوعہ ریاض ۱۳۸۴ھ

۶ مؤطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب مالا زکوٰۃ فیه من الحلی والتبر والعنبر (مفہوماً)

۷ الاعلیٰ: ۱۰

۸ بخاری کتاب الجنائز باب الصفوف علی الجنازۃ

۹ صحیح مسلم کتاب الجنائز باب فی التکبیر علیٰ جنازۃ

۱۰ السیرۃ الحلبیه جلد۳ صفحہ ۲۸۳۔۲۸۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۱ تذکرہ صفحہ ۷۹۴۔ ایڈیشن چہارم

۱۲ بخاری کتاب الطب باب الدواء بالعسل

۱۳ آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۹۶

۱۴ الطور: ۲۲

۱۵ تذکرہ صفحہ ۴۰۶۔ ایڈیشن چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء

(منعقدہ ۱۶ تا ۱۸ / اپریل ۱۹۵۴ء)

تیسرا دن

نمائندگان مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء سے خطاب

جماعت احمدیہ کی پینتیسویں مجلس مشاورت ۱۶ تا ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ء کو ربوہ میں منعقد ہوئی۔ ناسازیٔ طبع کی وجہ سے حضور ۱۶۔ اپریل کو افتتاحی دعا کروا کر اور مختصر نصیحت فرما کر واپس تشریف لے گئے۔ اسی طرح اختتامی اجلاس میں بھی حضور صرف دُعا کے لئے ہی تشریف لا سکے۔ تاہم تیسرے دن ۱۸۔ اپریل کو علالت کے باوجود صبح کے اجلاس میں آپ رونق افروز ہوئے اور کُرسی پر بیٹھے بیٹھے نمائندگان سے خطاب فرمایا اور اُنہیں زرّیں ہدایات سے نوازا۔ تشہّد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

''پرسوں مَیں تھوڑی دیر کے لئے مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں آ گیا تھا اور مختصر سی تقریر بھی کی تھی۔ اُس تقریر کے بعد میری طبیعت خراب ہوگئی اور بقیہ سارا دن درد رہی۔ اسی طرح رات کو بھی درد ہوتی رہی۔ آج رات بھی درد رہی۔ اِسی تکلیف کی وجہ سے بجائے اس کے کہ میں یہ فیصلہ کرتا کہ میں مجلس شوریٰ کے اجلاس میں نہ جاؤں میں نے مناسب سمجھا کہ چونکہ اس موقع پر جماعت کے نمائندے باہر سے آئے ہوئے ہیں، آئندہ شاید ان سے ملنے کا موقع ملے یا نہ ملے اس لئے میں مجلس شوریٰ میں چلا جاؤں چاہے چند منٹ بیٹھ کر آجاؤں۔ اِس خیال سے آج میں یہاں آیا ہوں۔ میری تکلیف بڑھ رہی ہے اس کی وجہ

معلوم نہیں ہوسکی۔ بظاہر اِس کی موٹی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حملہ کے بعد کل مَیں پہلی دفعہ پگڑی پہن کر آیا تھا اور پگڑی کا سر پر بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ اِسی طرح کُلاہ عین زخم کی جگہ کے اوپر لگتا تھا، اس کی وجہ سے درد شروع ہو گیا۔ آج میں ایک قسم کی ترکی ٹوپی پہن کر آیا ہوں جو ایک دوست لائے تھے۔ شوریٰ میں آنے لگا تو میں نے یہ ٹوپی سر پر رکھ لی۔ گھر والے اعتراض کرتے تھے کہ یہ وقار کے خلاف ہے۔ میں نے کہا اگر وقار کے خلاف بھی یہ بات ہو تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ میں جانتا تھا کہ پگڑی باندھ کر آنا میرے لئے ممکن نہیں۔ میں نے ٹوپی پہن لی اور گھر والوں کا لحاظ کر کے ٹوپی پر ایک رومال باندھ لیا تا ٹوپی رومال کے نیچے چُھپ جائے اور سر بھی ننگا نہ رہے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے تھوڑی دیر کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا۔ جب مجلس شوریٰ کی کارروائی ختم ہوگی تو مجھے اطلاع دے دی جائے گی اور میں اختتامی دُعا کے لئے پھر آ جاؤں گا۔ اِس عرصہ میں اگر کوئی ایسی کارروائی ہوئی کہ جس کے متعلق میں نے کچھ کہنا ضروری سمجھا تو میں کہہ دوں گا۔

میری طبیعت کی خرابی کے مطابق اُن دوستوں کو جو اس عرصہ میں مجھے ملتے رہے ہیں یا خطوط لکھتے رہے ہیں سب کو ایک قسم کی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ زخم بظاہر مندمل ہو گیا ہے اور جو لوگ طب سے واقف نہیں وہ زخم مندمل ہونے کے معنے کُلّی صحت کے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تھوڑے سے تدبر سے بھی انسان سمجھ سکتا ہے کہ دُنیا میں ہر شخص مرتا ہے لیکن زخم کی وجہ سے مرنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ اگر ایک لاکھ اشخاص مرتے ہیں تو ان میں سے شاید ایک زخم کی وجہ سے مرتا ہے۔ باقی ۹۹۹۹۹ بخار کی وجہ سے مرتے ہیں، نمونیہ کی وجہ سے مرتے ہیں، ذات الجنب کی وجہ سے مرتے ہیں، کھانسی یا سِل کی وجہ سے مرتے ہیں، ذیابیطس کی وجہ سے مرتے ہیں یا اَور کسی قسم کی کمزوری اور ضعف سے مرتے ہیں۔ پس محض زخم کا مندمل ہو جانا اس بات کی علامت نہیں کہ میں اچھا ہو چکا ہوں کیونکہ ایک ایسے شخص کے جسم سے اُس کے سارے خون کا نکل جانا جس کی عمر شمسی حساب سے ۶۵ سال کی ہو چکی ہے اور قمری لحاظ سے وہ ۶۷ ½ سال کا ہو چکا ہے، زخم سے بھی زیادہ خطرناک بیماری ہے۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ بیماری کا مقابلہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے جو چیز جسم کے اندر بنائی ہے وہ ختم ہوگئی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ذیابیطس کی بھی شکایت پیدا ہوگئی ہے اس کی وجہ سے

جن چیزوں سے پرہیز بتایا جاتا ہے وہی چیزیں تندرستی کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً میٹھے سے جسم کے اندر طاقت پیدا ہوتی ہے لیکن ذیابیطس کی صورت میں میٹھا کھانا قطعی طور پر بند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب سے مجھے پیشاب میں شکر آ رہی ہے میں نے صرف ایک دن چائے میں ایک چمچہ میٹھا ڈال کر پیا ہے ورنہ میں پھیکی چائے پیتا ہوں یا اس میں دوائی ڈال کر پیتا رہا ہوں۔ غرض ذیابیطس کی وجہ سے طاقت پیدا کرنے والی جو چیزیں تھیں وہ میں نے چھوڑ دی ہیں پھر گاؤٹ (نقرس) کی وجہ سے گوشت کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ گاؤٹ کی بیماری میں گوشت کا استعمال طبی طور پر منع ہے۔ ڈاکٹر اِس کے استعمال سے روکتے ہیں۔ گویا ایک طرف مجھے روٹی کھانے سے روکا جاتا ہے اور دوسری طرف ذیابیطس اور گاؤٹ کی وجہ سے میٹھا اور گوشت جیسی طاقت پیدا کرنے والی چیزوں سے روکا جاتا ہے۔............

باقی جو چیزیں رہ گئیں مثلاً شوربا ترکاری یا صرف ترکاری انہیں نہ تو کوئی انسان رغبت سے کھا سکتا ہے اور نہ ان کے کھانے سے کوئی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اوّل تو میں یہ چیزیں کھا ہی نہیں سکتا اور اگر کسی وقت کچھ کھا لیتا ہوں تو نفرت سے کھاتا ہوں۔ پس جن چیزوں سے جسم کے اندر طاقت پیدا ہوتی ہے وہ علاج کے دوران میں چھوڑنی ضروری ہیں۔ ایسی صورت میں خود ظاہر ہے کہ طاقت بحال ہونے کے لئے ایک لمبا عرصہ درکار ہے۔ اسی طرح جب لاہور سے علاج کیلئے ڈاکٹر یہاں آئے تو میں نے اُن سے پوچھا آپ کے خیال میں یہ زخم کتنے عرصہ تک ٹھیک ہو جائے گا؟ اُنہوں نے کہا جو ٹانکوں والا حصہ ہے یہ تو دس دن میں ٹھیک ہو جائے گا اور جو نلکی والا حصہ ہے وہ کوئی بائیس دن میں ٹھیک ہو جائے گا لیکن اندر کے زخم کے ٹھیک ہونے میں دیر لگتی ہے۔ میں نے کہا اندر کا زخم کب تک ٹھیک ہو جائے گا؟ تو اُنہوں نے کہا ممکن ہے کہ اِس پر تین ساڑھے تین ماہ کا عرصہ لگ جائے۔ ایک عصبہ جو کٹ گیا ہے اس کی وجہ سے میرے سر کا چوتھا حصہ سُن ہے، اِس کی حِسّ ماری گئی ہے۔ اس کے متعلق میں نے ڈاکٹروں سے دریافت کیا تو اُنہوں نے بتایا یقین تو نہیں لیکن اکثر یہ عصبہ ٹھیک ہو جایا کرتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد وہ خود بڑھنا بھی شروع ہو جایا کرتا ہے اگر ایسا ہو یعنی وہ عصبہ ٹھیک ہو جائے اور خود بڑھنا شروع کر دے تو اِس پر چھ ماہ کا عرصہ لگ جائے گا۔ گویا صحت کے لئے اگر وہ ممکن ہو تو تین ماہ سے ساڑھے چھ ماہ تک کا عرصہ

ضروری ہے لیکن جب دوستوں نے سُنا کہ زخم مندمل ہو چکا ہے تو وہ پوری اُمید رکھنے لگ گئے کہ اب مجھے خلافت کا پورا بوجھ اُٹھا لینا چاہئے۔ بعض نے تو اخلاص میں آ کر مجھے تنگ کرنا بھی شروع کر دیا۔ کل ایک شخص نے جب وہ ملاقات کے لئے آیا تو میرے سر کو پکڑ کر خوب ہلایا جس کی وجہ سے مجھے درد شروع ہو گیا۔ میرا سر ہلانے والے پرانے صحابی تھے۔ اپنے خیال میں اُنہوں نے مجھ سے محبت کا اظہار کیا لیکن اس محبت کے اظہار کی وجہ سے میری تکلیف بڑھ گئی۔ اس پر مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا بیان کردہ ایک قصہ یاد آ گیا۔ آپ جب گھوڑے سے گرے اور سر میں شدید زخم آیا تو دوستوں نے آپ کی عیادت کے لئے آنا شروع کر دیا اور ہر دوست اپنے اخلاص میں چاہتا کہ وہ زخم دیکھے اور اس کے متعلق پوری معلومات حاصل کرے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ میرے زخم کی حالت تو بندر کے زخم کی سی ہو گئی ہے۔ جب کسی بندر کو زخم ہو جاتا ہے تو قریب قریب کے سارے بندر اُس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ پہلے ایک بندر یہ دیکھنے کے لئے کہ زخم کہاں ہے اور کتنا ہے، آگے بڑھ کر زخم میں پنجہ ڈال دیتا ہے پھر دوسرا بندر آگے آتا ہے اور وہ بھی زخمی بندر سے یہی سلوک کرتا ہے۔ اِسی طرح سارے بندر ایک ایک کر کے آتے ہیں اور اُس کے زخم میں ہاتھ ڈال ڈال کر دیکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زخم کی حالت بجائے درست ہونے کے اور زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ آخر زخمی بندر جنگل میں بھاگ جاتا ہے اور جب تک زخم ٹھیک نہ ہو وہ واپس نہیں آتا۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے زخم کی حالت بھی بندر کے زخم کی سی ہو گئی ہے ہر ایک شخص جو تیمارداری کے لئے آتا ہے، اخلاص اور محبت کی وجہ سے کہتا ہے مجھے زخم دکھاؤ۔ اور پھر کہتا ہے یہ کیسے ہوُا؟ کیوں ہوُا؟ اس کی اب کیا حالت ہے؟ کیا علاج کیا گیا ہے؟ غرض رات دن یہی ہوتا رہتا ہے۔ آپ فرماتے اگر کوئی شخص بیمار ہو اور وہ رات دن یہی کہتا رہے کہ میں بیمار ہوں تو وہ اپنے آپ کو بیمار کہتے کہتے مر جائے گا اور اگر وہ کہے کہ میں اچھا ہوں تو سُننے والے اُسے جھوٹ کہیں گے۔ پس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ ہزاروں پوچھنے والے ہیں اور ان کے سوالات بھی کئی ہوتے ہیں۔ مثلاً کیا بیماری ہے؟ یہ کیسے لاحق ہوئی؟ اس کا کیا علاج کر رہے ہیں؟ علاج کون کر رہا ہے؟ اب علاج کی وجہ سے کس قدر آرام ہے؟ اگر دو چار سَو ملاقاتی ہوں اور مریض ان سے صبح سے شام تک

اپنی بیماری کی کیفیت ہی بیان کرتا رہے تو صحت ہونی مشکل ہے۔ صحت تب ہوتی ہے کہ جب مریض اپنی بیماری کو بُھلانے کی کوشش کرے لیکن اس قسم کے سوالات کرنے والے بیماری کو بُھلانے نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص اس قسم کے سوالات کے جواب میں یہ کہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اب میں تندرست ہوں یا پہلے کی نسبت بہت افاقہ ہے تو وہ گویا سارا دن جھوٹ بولتا رہے اور اگر بیماری کو بیان کرتا رہے تو اس کا اچھا ہونا مشکل ہے۔ پس اس صورت میں مریض کے لئے صرف دو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں یا تو وہ رات دن جھوٹ بولے اور یا اپنی بیماری کو سارا دن اور ساری رات بیان کرتا رہے۔ حالانکہ ہر ایک شخص کے الگ کام ہیں۔ جب ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ زخم اتنے عرصہ میں ٹھیک ہوگا تو دوسروں کو اب زیادہ سوالات کی کیا ضرورت ہے۔ ڈاکٹروں کے معاملہ میں دخل دینا ایسا ہی ہے جس طرح آجکل کے مولویوں نے سیاست میں دخل دینا شروع کر دیا ہے۔ اور سیاست میں دخل دے کر مُلک کا ستیاناس کر دیا ہے۔

ہمارے ایک مولوی تھے وہ مسجد میں بیٹھے رہتے اور جب مَیں مسجد میں آتا تو وہ مجھ سے معانقہ ضرور کرتے اور پھر پوچھتے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ نزلہ اور بخار تو نہیں ہوا؟ اور میں کہتا نہیں۔ تو کہتے اچھا کھانسی تو نہیں ہوئی؟ جواب ملتا نہیں۔ پھر کہتے رات کو نیند تو آجاتی ہے؟ میں کہتا ہاں۔ پھر پوچھتے اچھا کام کے وقت تکلیف تو نہیں ہوتی؟ اس پر پھر میں کہتا نہیں۔ غرض اس قسم کے وہ کئی سوالات کر ڈالتے۔ چار ماہ تو میں چُپ رہا آخر میں نے کہا اِس طرح کے سوالات دریافت نہ کیا کریں۔ اگر ہر احمدی نے اِس قسم کے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے تو میں کیا کروں گا۔ اس پر اُنہوں نے بُرا تو منایا لیکن پھر وہ چُپ ہو گئے ورنہ اس سے قبل جتنی بیماریاں اُنہوں نے سُنی ہوئی تھیں وہ ساری دُہرا دیا کرتے تھے اور انہیں بغیر گنوائے صبر نہیں آتا تھا۔ یہ بے اصولے پن کی بات ہے اور میرے نزدیک اِس کی بڑی وجہ جہالت ہے۔

لوگوں نے ملاقات میں کوئی بات تو کرنی ہوتی ہے لیکن چونکہ علم نہیں ہوتا کہ کیا بات کی جائے اور چونکہ جماعت میں مسائل پوچھنے کا شوق نہیں رہا اس لئے وہ ملاقات کے موقع پر کوئی مفید بات نہیں پوچھ سکتے۔ پس یہی چیز رہ گئی ہے کہ پوچھا جائے کیا حال ہے؟ بخار تو

نہیں ہوا؟ کھانسی تو نہیں ہوئی؟ نزلہ تو نہیں ہوا، پیاس تو لگتی ہے؟ نیند آتی ہے یا نہیں؟ کچھ کھاتے پیتے بھی ہیں یا نہیں؟ اگر حالات پر غور کرنے کی عادت ہو، سوچنے کی عادت ہو تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جب آپ کوئی بات کریں گے تو معقول کریں گے، اِس سے مُلک اور قوم کو فائدہ ہوگا۔

بہرحال میرا گلہ پھر خراب ہو گیا ہے اور اس کے اندر سے پانی نکلتا ہے۔ زخم کے ابتدائی دنوں میں بھی یہ تکلیف پیدا ہوگئی تھی اِس لئے ڈاکٹروں سے دوبارہ مشورہ لینا پڑے گا۔ زخم کے ابتدائی دنوں میں رات کے وقت جب تک میری آنکھ نہیں کُھلتی تھی میں کروٹ نہیں بدل سکتا تھا۔ آنکھ کُھلنے پر سہارا لے کر کروٹ بدلتا تھا۔ آج رات بھی یہی حالت رہی کہ میں سوتے سوتے کروٹ نہیں بدل سکتا تھا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تحریک خاص کے چندہ کے متعلق جو میں نے تجویز کی تھی اس کے علاوہ جماعت کی طرف سے ساٹھ ہزار روپے کی رقم جمع کی گئی ہے۔ میرا خیال تھا کہ دوستوں نے اِس بجٹ کو کافی نہیں سمجھا اور انہوں نے خیال کیا کہ تحریکِ خاص کے ذریعہ جو رقم اکٹھی ہوگی وہ کم ہے اس لئے مزید ساٹھ ہزار کی رقم جمع کر کے دے دی جائے۔ جو مدّات میرے ذہن میں تھیں، میرا خیال تھا کہ وہ خود بخود بڑھتی چلی جائیں گی کیونکہ اس رقم کے ذریعہ ربوہ کے علاوہ بعض بیرونی جگہوں پر بھی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا۔ اگر صرف ربوہ میں انتظام کیا جائے تو شاید اس روپیہ کا پچاسواں حصہ ہی کافی ہو لیکن اصل مقصد تو فتنہ کا سدِّ باب کرنا ہے۔ پس میرا خیال تھا کہ دوستوں نے میری سکیم کو ناکافی سمجھتے ہوئے خیال کیا کہ ساٹھ ہزار روپے کی مزید رقم جمع کر کے دے دی جائے۔

بہرحال اِس روپیہ کے جمع ہونے کے بعد مجھے پیغام پہنچا کہ جماعت کے کچھ امراء آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ چونکہ شوریٰ میں سے بعض امراء کا علیحدہ طور پر ملنا خلافِ قاعدہ تھا اس لئے میں نے اس ملاقات کو پسند نہ کیا۔ ملاقات ایک وقت میں خلافِ قاعدہ ہوتی ہے اور دوسرے وقت میں باقاعدہ ہو جاتی ہے۔ جب مجلس شوریٰ بیٹھی ہو تو سارے افراد شوریٰ کا حصہ ہوتے ہیں اِس لئے اُس میں سے بعض افراد کا علیحدہ طور پر ملاقات کرنا چاہے وہ امراء ہوں یا عام ممبر خلافِ قاعدہ ہوتا ہے لیکن اگر مجلسِ شوریٰ نہ ہو تو پھر امیر اور غریب کا

کوئی سوال نہیں، ہر شخص کو ملاقات کا حق ہوتا ہے اور وہ ملاقات کرتا ہے۔

قادیان کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص بہت غریب تھا اُس نے یہ کہنا شروع کیا کہ آپ امیروں کے ہاں دعوتیں کھاتے ہیں غریبوں کے ہاں دعوت نہیں کھاتے۔ اُس شخص کی اپنی یہ حالت تھی کہ میرا خیال یہ تھا کہ اگر وہ سامنے دال روٹی بھی رکھے گا تو اُسے تکلیف ہو گی لیکن ہر دو تین ماہ کے بعد وہ میرے پاس آتا اور کہتا کہ آپ غریبوں کی دعوت نہیں کھاتے۔ آپ میری دعوت قبول کریں۔ میرے گھر آئیں اور وہاں بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ آخر میں نے کہا میں تمہاری دعوت مان لیتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم سالن پکاؤ یا دال یعنی ان دونوں میں سے کچھ پکاؤ مگر ہو ایک ہی چیز اور اس کے ساتھ پُھلکے پکالیں، چاول نہیں پکانے۔ اگر تم نے سالن اور دال دونوں چیزیں پکالیں یا چاول پکالئے تو میں تمہاری دعوت قبول نہیں کروں گا۔ اُس نے کہا مجھے یہ شرط منظور ہے۔ وہ شخص مجھ سے اخلاص رکھتا تھا اُس نے میرا مطلب سمجھ لیا۔ چنانچہ جس دن دعوت تھی اُس نے پتلا سا شوربہ بنا لیا اور اُس کے ساتھ پُھلکے تیار کر لئے۔ میں اُس کے گھر گیا اور کھانا کھایا۔ کھانا سے فارغ ہو کر میں اُس کے گھر سے باہر نکلنے لگا تو غالباً سیالکوٹ کے ایک دوست دروازے پر کھڑے تھے۔ اُنہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا ’’تُسی ایسے غریباں دی دعوت وی کھالیندے او۔‘‘ میں نے کہا اس شخص کی یہ بات کہ ’’تُسی غریباں دی دعوت نہیں کھاندے‘‘ میں نے تین سال سُنی ہے۔ اب تمہاری یہ بات تین سال تک سُن لوں گا۔ اِس پر وہ شخص شرمندہ ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ غرض ایک طرف تو وہ امیر شخص تھا جس کو غریب کے ہاں میرا جانا بُرا لگا۔ اور دوسری طرف وہ غریب شخص تھا جو مجھے تین سال تک یہ کہتا رہا کہ آپ غریبوں کی دعوت قبول نہیں کرتے اور آخر مجھے اُس کی دعوت منظور کرنی پڑی۔ تو اعتراض کرنے والے بعض اوقات اعتراض کرتے رہتے ہیں اور حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔

مخالفت اور ہماری ذمہ داری

اب ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ ہمارے لئے اس مُلک میں رہنا بھی محال بنایا جا رہا ہے۔ ہر سیاسی تغیر جو مُلک میں پیدا ہوتا ہے اس کو ہماری مخالفت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ بنگال میں جو الیکشن ہوُا اُس کا احمدیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اُدھر مسلم لیگ والے صوبہ میں

کمزور ہوئے اور اِدھر مودودی صاحب نے اعلان کر دیا کہ ہم اس کے خلاف ہیں اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ ہم ہر اس شخص سے ملنے کے لئے تیار ہیں جو احمدیوں کو اقلیّت قرار دے دے۔ گویا ہر تغیر جو ملک میں پیدا ہوتا ہے اُسے ہماری مخالفت کا ایک ذریعہ بنالیا جاتا ہے۔ احمدی پاکستان کے باشندے ہیں اور نہ صرف پاکستان کے باشندے ہیں بلکہ پاکستان کے بنانے والوں میں سے ہیں لیکن وہی ملک جس کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں اور جائز طور پر سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری کوششوں سے بنا ہے اگرچہ ایک وقت میں ہمارے ذہن میں بھی اس کی وہ شکل نہیں تھی جو اَب ہے لیکن مسلم لیگ کی ہر تحریک میں جو اس کے حصول کے لئے کی گئی ہم نے حصہ لیا اور اُسے مدد دی۔ جو لوگ ہمارے دشمن ہیں اور اُنہوں نے ملک کے بنانے میں عملی طور پر کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ اِس کی مخالفت میں لگے رہے ہیں آج مسلم لیگ سے سازباز کر رہے ہیں کہ احمدیوں کو پاکستان میں اقلیّت قرار دے دیا جائے۔ ایسے وقت میں احمدیوں کا فرض ہے کہ وہ جو کام بھی کریں ہوشیار ہو کر کریں۔ یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ ہی ہر کام کرتا ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ عملی طور پر یہ نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ آسمان سے اُتر کر یہ کہے کہ تم لحاف اوڑھ کر چارپائی پر لیٹے رہو میں تمہاری جگہ کام کرتا ہوں۔

خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تم اس باغ میں رہو اور اس کے پھل کھاؤ لیکن فلاں دروازہ سے چوکنّا رہیں۔ اگر اس دروازہ سے شیطان تم پر حملہ آور ہو گیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ پھر جب شیطان نے حملہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ یہ میری غلطی تھی، میں نے تمہیں کیوں نہ بچایا بلکہ اُس نے کہا میں نے تمہیں باغ دیا تھا، دودھ اور شہد کی نہریں عطا کی تھیں اور ہر قسم کی آسائش کا سامان مہیا کر دیا تھا لیکن تم اتنے سُست نکلے کہ تم نے احتیاط کو بھی نظر انداز کر دیا اور شیطان کو اندر آنے دیا۔ اب تم سے یہ شہد اور دودھ کی نہریں اور دوسرے آسائش کے سامان واپس لے لئے جاتے ہیں۔

خلیفۂ وقت کی حفاظت

حضرت نوح علیہ السلام کو بھی خدا تعالیٰ نے نعمتیں دیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں چیزیں بھی دوں گا اور پھر ان کی حفاظت بھی کروں گا۔ حفاظت تمہیں خود کرنی ہوگی۔ اگر تم نے سُستی اور غفلت سے کام لیا تو میں نے تمہارا ہاتھ نہیں بٹانا۔ ہاں اگر تم کام کرو گے اور پوری محنت

سے کرو گے اور اس کے بعد بھی کوئی کسر رہ جائے گی تو اُس کو میں پورا کروں گا یعنی اگر تم خود رخنہ پیدا کرو گے تو میں اُس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ ہاں اگر تمہاری پوری جدوجہد کرنے کے باوجود کوئی رخنہ باقی رہ گیا تو میں اُس کو پورا کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی یہی ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی یہی ہوا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں بھی یہی ہوا، آپؐ کو یہودیوں نے کھانے میں زہر ملا کر دے دیا۔ بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ آپؐ نے ان کی دعوت کو منظور کیوں کر لیا لیکن آپؐ کی شان یہی تھی کہ آپؐ ان کی دعوت قبول کر لیتے۔ یہ صحابہؓ کا کام تھا کہ وہ کھانے کو پہلے چکھ کر دیکھ لیتے اور اطمینان کر لیتے۔ اب مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو بعض دوستوں نے لکھنا شروع کر دیا کہ خلیفۂ وقت کو نماز کے لئے مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔ اِسی طرح ملاقات کا سلسلہ بھی بند کر دینا چاہئے۔ میں نے کہا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلیفہ وقت کو کسی منارہ پر باندھ دیا جائے اور جماعت اپنا فرض ادا نہ کرے۔ جب تک خلافت رہے گی خلیفہ مسجد میں نماز پڑھانے ضرور جائے گا، وہ ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رکھے گا، چاہے دشمن اُس پر حملہ کرے یا نہ کرے۔ اِسی طرح وہ اپنے فرائض بھی بجا لائے گا آگے جماعت کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ وہاں کوئی مشکوک آدمی تو موجود نہیں۔

رسول کریم ﷺ کی الٰہی حفاظت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہودیوں کی دعوت کو منظور کر لیا تھا اور آپؐ کی شان یہی تھی کہ اس دعوت کو منظور فرما لیتے۔ صحابہؓ کا یہ فرض تھا کہ وہ حفاظت کے پیش نظر کھانا چکھ لیتے لیکن اُن سے یہ غلطی سرزد ہو گئی اُنہوں نے کھانا چکھا نہیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا کھا لیا۔ آپؐ کو الہاماً پتہ لگ گیا کہ اِس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے اور آپؐ نے لقمہ منہ سے نکال کر پھینک دیا تھا لیکن غالباً حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ وفات کے وقت آپؐ نے فرمایا کہ یہودیوں نے کھانے میں جو زہر کھلایا تھا اُس کا اثر اُس وقت تو نہیں ہوا لیکن اب جسم میں اُس کا اثر معلوم ہوتا ہے یعنی اُس وقت تو آپؐ بچ گئے لیکن اس زہر کا اعصاب پر ایسا اثر ہوا کہ بڑھاپے میں جا کر وہ محسوس ہوا۔[1]

اسی طرح ایک اور واقعہ آتا ہے آپؐ ایک جنگ سے واپس آ رہے تھے کہ رستہ میں

ایک جگہ آرام کرنے کے لئے لشکر ٹھہر گیا۔ صحابہؓ کا خیال تھا کہ چونکہ ہم اب مدینہ کے قریب آ گئے ہیں اس لئے خطرہ باقی نہیں رہا مگر وہ تھکے ہوئے تھے اس لئے علیحدگی میں آرام کرنے کے لئے بکھر گئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے ایک درخت کے نیچے رہ گئے۔ آپؐ نے اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی اور خود آرام کی خاطر لیٹ گئے۔ لمبے سفر کی تھکاوٹ تھی اِس لئے آپؐ کو نیند آ گئی۔ ایک کافر جس کا بھائی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا اُس نے یہ قسم کھائی تھی کہ چونکہ اُس کے بھائی کو مارنے والے مسلمان ہی ہیں اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے ہیں اِس لئے میں اپنے بھائی کا انتقام لینے کی خاطر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماروں گا۔ چنانچہ وہ اس ارادہ سے چوری چُھپے آپؐ کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ اس نے اس موقع کو جب صحابہؓ کسی خطرہ کا احساس نہ کرتے ہوئے آرام کی خاطر منتشر ہو گئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے سایہ میں اکیلے سوئے ہوئے تھے، غنیمت جانا۔ اُس نے درخت سے تلوار اُتاری اور آپؐ کو آواز دے کر کہا اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟ اُس وقت باوجود اس کے کہ آپؐ بے ہتھیار تھے اور بوجہ لیٹے ہوئے ہونے کے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے، آپؐ نے نہایت اطمینان اور سکون سے جواب دیا۔ ''اللہ''۔ اب اللہ کا لفظ تو سارے لوگ کہتے ہیں۔ فقیر بھی اللہ اللہ کہتے ہیں لیکن ظاہر میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ''اللہ'' کہا تو خدا تعالیٰ کی ذات آپؐ کے پیچھے موجود تھی۔ آپؐ کا یہ لفظ زبان سے نکالنا تھا کہ اُس دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر گئی[۲] وہ تلوار آپؐ نے فوراً اُٹھالی۔ اب وہ شخص جو آپؐ کے قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا آپؐ کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا تھا۔ آپؐ نے معلوم کرنا چاہا کہ آیا میرے منہ سے اللہ کا لفظ سُن کر بھی اسے سمجھ آئی ہے یا نہیں آپؐ نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اب مجھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ تو اُس نے کہا آپؐ ہی رحم کریں تو مجھے چھوڑ سکتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں بھی کہنا چاہئے تھا کہ اللہ ہی بچا سکتا ہے کیا میرے منہ سے سُننے کے باوجود بھی تمہیں اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔

اسلام ذہنیت بدلنے کا نام ہے

اب دیکھ لو۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی ایک نشان کے طور پر حفاظت تو کردی لیکن دراصل یہ ذمہ داری صحابہؓ کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے کہا میرا کام حفاظت نہیں ہاں موت سے بچانا میرا کام ہے اور موت سے میں بچالوں گا لیکن اُس نے حملہ میں کوئی روک پیدا نہیں کی۔ پس کچھ کام جماعت کو بھی کرنے پڑتے ہیں۔ خلیفہ پر پابندیاں عائد نہیں کی جاسکتیں۔ خلیفہ اپنا کام کرے گا اور جماعت کو اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ذہنیت کو بدلا جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ جماعت نے کچھ مسائل سمجھ لینے اور نماز و روزہ کی پابندی کرنے کا نام ہی اسلام سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں علامات ہیں۔ اسلام ذہنیت بدلنے کا نام ہے۔ صلوۃ خود کوئی چیز نہیں، ہاں یہ ایک ذریعہ ہے فحشاء اور منکر سے بچنے کا۔ اِسی طرح روپیہ دینا کوئی چیز نہیں بلکہ اصل مقصد یہ روح پیدا کرتا ہے کہ مالوں میں پاکیزگی پیدا کی جائے۔ اسی طرح حج ہے، خالی حج میں بھی کوئی فائدہ نہیں۔ انسان حج کے لئے جاتا ہے تو اُس کی یہ غرض ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر اگر اُسے اپنا مُلک بھی چھوڑنا پڑے تو وہ اس سے دریغ نہیں کرے گا یعنی ضرورت پڑنے پر وہ وطن کی قربانی بھی کردے گا۔ آجکل وطن کی محبت باقی سب چیزوں کی محبت سے بڑھی ہوئی ہے اور حج میں یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر ان کو وطن چھوڑنا پڑتا ہے۔ اگر یہ غرض باقی نہ رہے تو خالی حج کوئی چیز نہیں۔

مجھے یاد ہے جب مَیں حج کر کے واپس آرہا تھا تو جس جہاز پر میں واپس آرہا تھا اُس کا کپتان انگریز تھا۔ اس نے مجھ سے کہا میں نے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔ آپ کی عمر ۲۳، ۲۴ سال کی ہے۔ (میں اُس وقت خلیفہ نہیں بنا تھا)۔ آپ حج کر کے آئے ہیں، اس لئے اب آپ کو نماز روزے کی ضرورت تو نہیں رہی۔ میں نے کہا حج کا نماز، روزہ ترک کرنے سے کیا تعلق ہے؟ اُس نے کہا مسلمان کہتے ہیں کہ حج کرنے سے نماز، روزہ معاف ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا جب آپ نیا سوٹ پہن لیتے ہیں تو کیا دوسرے سوٹ کی حفاظت ترک کردیتے ہیں؟ اِس پر وہ ہنس پڑا۔ میں نے کہا حج کیا ہے؟ ایک نیا سوٹ ہے۔ اب کیا اُس نئے سوٹ کی حفاظت کی وجہ سے دوسرے لباس کی حفاظت ترک کردی جائے گی؟

مجھے خوب یاد ہے کہ جس سال میں نے حج کیا اُس سال سُورت کے ایک تاجر نے بھی

حج کیا تھا۔ میں نے دیکھا جب وہ شخص منیٰ کی طرف جا رہا تھا تو وہ اُردو کے نہایت گندے عشقیہ شعر پڑھ رہا تھا۔ اتفاقاً جس جہاز پر میں واپس آ رہا تھا اُس پر وہ تاجر بھی سوار تھا۔ جب اُسے پتہ لگا کہ میں کون ہوں تو اس شخص نے کہا خدایا! یہ جہاز جس میں یہ شخص ہے غرق کیوں نہیں ہو جاتا۔ میں نے سُنا تو کہا اگر یہ جہاز غرق ہو گیا تو تُو کہاں جائے گا؟ وہ شخص دن میں کوئی نماز نہیں پڑھتا تھا لیکن یہ بات اکثر کہتا رہتا تھا کہ خدایا! وہ جہاز جس میں یہ شخص سوار ہے غرق کیوں نہیں ہو جاتا۔ ایک دن میں نے اُس سے سوال کیا کہ کیا آپ حج کر کے آئے ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا میں نے آپ کو پہلی دفعہ اُس وقت دیکھا تھا جب آپ ایک اونٹ پر سوار ہو کر منیٰ کی طرف جا رہے تھے۔ یہ وقت دعا کا ہوتا ہے لیکن آپ اُس وقت فحش اور گندے شعر پڑھ رہے تھے۔ اسی طرح آپ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ پھر آپ پر کون سی مصیبت پڑی تھی کہ آپ حج کے لئے گئے اور اتنا روپیہ تباہ کیا؟ اُس نے کہا میں میمن قوم کا ایک فرد ہوں، میرا باپ ایک بڑا تاجر ہے، ہماری دُکان سے ہر روز لوگ دس دس پندرہ پندرہ ہزار روپیہ کا سَودا لے جاتے ہیں، ہمارے ساتھ کی دُکان پر دو بھائی کام کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھائی حج کر کے آیا اور واپس آ کر اُس نے دُکان پر ایک بورڈ لگایا۔ جس پر اُس نے اپنے آپ کو حاجی لکھا۔ اب اس بورڈ کو پڑھ کر ہر شخص اُن کی دکان پر جانے لگا جس سے ہماری بِکری کم ہوگئی۔ میرے باپ نے کہا تم بھی حج کر آؤ تا کہ ہم بھی اپنی دکان پر حاجی کا بورڈ لگا سکیں نہیں تو ہماری دکان ختم ہو جائے گی، ورنہ مجھے حج سے کیا کام؟

حقیقت یہ ہے کہ مذہب قبول کرنے کے معنے ہی یہ ہوتے ہیں کہ انسان کی حرکات، افکار، اور دماغ سب تبدیل ہو جائیں۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو کسی مذہب کے قبول کرنے سے اُسے کچھ بھی نہیں ملتا۔ باقی سب چیزیں رسمی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب فرمایا اگر میں کسی انسان کو اپنا خلیل بنانا چاہتا تو ابوبکرؓ کو بناتا[۳] یہ تم سب پر فضیلت رکھتا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اسے ہم پر کون سی فضیلت حاصل ہے۔ اسے تم پر جو فضیلت حاصل ہے وہ نماز، روزہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان جذبات کی وجہ سے ہے جو اس کے دل میں موجزن ہیں۔ نماز اور روزہ کا ادا کرنا بھی ضروری ہے لیکن ان کے ہوتے ہوئے

بعض اوقات خدا تعالیٰ نہیں ملتا۔ خدا تعالیٰ کو پانے کی خاطر اپنی ذہنیت کو بدلنا ضروری ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے وہ ہر کام کو بغیر یہ سوچنے کے کہ یہ عقل کے معیار پر پورا اُترتا ہے یا نہیں کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں وعظ فرما رہے تھے۔ بعض صحابہ مجلس کے کناروں پر کھڑے تھے، آپؐ نے اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اُس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پاس کی گلی میں سے گزر رہے تھے۔ آپ کے کان میں یہ آواز پڑی تو آپ وہیں بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے مسجد کی طرف اُنہوں نے گھسٹتے ہوئے آنا شروع کر دیا۔ کسی شخص نے آپ سے کہا یہ کیا احمقانہ حرکت ہے کہ تم گلی میں اس طرح بیٹھ کر چل رہے ہو۔ آپ نے فرمایا میرے کان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ آواز پڑی تھی کہ بیٹھ جاؤ تو میں بیٹھ گیا۔ اس پر اس شخص نے کہا کیا تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم اُن لوگوں کو دیا ہے جو مسجد میں آپؐ کے سامنے کھڑے تھے؟ آپ نے فرمایا یہ درست ہے لیکن موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ پتہ نہیں مَیں مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی مر جاؤں اور اِس حکم پر عمل نہ کر سکوں تو خدا تعالیٰ کے سامنے میں کیا جواب دوں گا[۴] کیا خدا تعالیٰ کے سامنے میں یہ کہوں گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک حکم میں نے نہیں مانا تھا اس لئے جونہی آواز میرے کان میں پڑی تو میں بیٹھ گیا۔ چاہے یہ بیوقوفی کا کام قرار دے دیا جائے لیکن اگر مسجد میں جانے سے قبل مجھے موت آ گئی تو خدا تعالیٰ کے سامنے میں یہ تو کہہ سکوں گا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر حکم جو میرے کانوں میں پڑا مانا ہے۔

اِسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے حرام ہونے کے متعلق اعلان فرمایا تو اُس وقت کچھ صحابہؓ ایک شادی کے موقع پر جمع تھے۔ ایک مٹکا باقی تھا جس کو وہ شروع کرنے ہی والے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ اِس پر اُن میں سے ایک نے کہا سنو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے شراب حرام ہوگئی ہے۔ دوسرے نے کہا باہر نکل کر ذرا تصدیق کر لو لیکن جس صحابیؓ کو اُس نے یہ بات کہی تھی اُس نے ڈنڈا مٹکے پر مارا اور اُسے پھوڑ کر کہا خدا کی قسم! میں پہلے مٹکا توڑوں گا اور پھر تحقیقات کروں گا۔ جب میرے کان میں آواز پڑ گئی تو تحقیقات کا

سوال بعد میں پیدا ہوگا، عمل پہلے ہوگا۔[۵]

پس صحابہؓ میں یہ روح تھی کہ وہ احکام پر فوری طور پر عمل کرتے تھے اور یہ نہیں سوچتے تھے کہ آیا وہ عقلی معیار پر پورا اُترتے ہیں یا نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں ابھی یہ روح نہیں پائی جاتی۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ موقع پر لوگ قربانی بھی کر جاتے ہیں اور پھر معمولی معمولی باتوں پر اُن کا قدم رُک بھی جاتا ہے۔ اس بیماری کے دنوں میں ہی ایک نوجوان میرے پاس آیا۔ اُس نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں نے زندگی وقف کی ہوئی ہے۔ اُس نے داڑھی پر اُسترا بڑے زور سے استعمال کیا ہوا تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اس نوجوان نے زندگی وقف کی ہوئی ہے وہ زندگی کھوٹی ہی سہی، چاہے اُس نے پوری طرح زندگی وقف نہ کی ہوتا ہم یہ ایک سال بھی وقف پر قائم رہ جائے تو ایک سال اپنی عمر کا دے دینا بھی آسان نہیں لیکن اِسے یہ احساس نہیں کہ وقف کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مشابہت کی بھی ضرورت ہے لیکن اِس طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ سے اُس نے پرواہ نہیں کی۔ پس میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں قربانی تو ہے لیکن یہ احساس نہیں کہ وہ قربانی کس رنگ میں کرنی چاہیئے اِس لئے اس قربانی سے پوری طرح فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

ایک جج تھے جو احمدی تھے بعد میں اُنہیں ٹھوکر بھی لگی۔ اُنہوں نے جب بیعت کی تو اس کے بعد ایک دفعہ مجھے ملنے کے لئے آئے۔ میں اُنہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ میرا جوڑا پہن کر آ گئے ہیں۔ شلوار، کوٹ اور قمیض سب یوں معلوم ہوتے تھے کہ وہ میرے ہی ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ ہمیشہ اِسی قسم کا لباس پہنتے ہیں؟ تو اُنہوں نے جواب دیا جب میں نے بیعت کی تو میں نے خیال کیا کہ اب ظاہری طور بھی آپ کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے ایک احمدی سے پوچھا کہ آپ کا لباس کس قسم کا ہوتا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ آپ کا لباس اِس اِس قسم کا ہوتا ہے تو میں نے اِسی قسم کا لباس بنوا لیا۔ انسان کی روحانی طور پر بھی اس قسم کی کوشش کی ضرورت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت آتی ہے کہ جب آپ حج کے لئے تشریف لے جاتے تو ایک جگہ پر پہنچ کر آپ رستہ سے ہٹ کر کچھ دُور چلے جاتے اور وہاں کچھ دیر

کے لئے اس طرح بیٹھ جاتے جیسے کوئی پیشاب کرنے بیٹھتا ہے۔ ایک صحابیؓ نے دیکھا کہ آپ ہر دفعہ اس جگہ جاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے بظاہر پیشاب کرنے کی غرض سے وہاں بیٹھ جاتے ہیں اور پھر واپس آ جاتے ہیں تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ آپ اُس جگہ کیوں جاتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں ہمیشہ اِس بات کو چُھپاتا رہا ہوں اور میری خواہش تھی کہ میرا یہ راز لوگوں کو معلوم نہ ہو لیکن چونکہ آپ نے اب پوچھ لیا ہے اِس لئے بتا دیتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس جگہ بیٹھ کر پیشاب کیا تھا۔ میں نے چاہا کہ چلو آپؐ کے اِس کام کی بھی نقل ہو جائے۔ پس جماعت کے افراد کو کوشش کرنی چاہئے کہ ان کی قربانی کا معیار بلند ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کی ذہنیت میں تبدیلی پیدا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذہنیت کو دیکھو آپؐ کس قدر ہوشیار واقع ہوئے تھے۔ ایک صحابیؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک رات خطرہ کا الارم ہؤا۔ سب لوگ جاگ اُٹھے اور ایک جگہ پر اکٹھے ہو کر یہ تجویز کرنے لگے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اطلاع دے کر ہدایات لی جائیں۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سوار آ رہا ہے۔ جب لوگ بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سوار خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپؐ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کوئی فکر کی بات نہیں تم سب گھروں میں واپس چلے جاؤ۔[۶] اور سو جاؤ۔ کچھ بدوی لوگ اُونٹوں کو لڑا رہے تھے میں نے خیال کیا کہ شاید دشمن آ گیا ہے چنانچہ میں اُس طرف چلا گیا جدھر سے آواز آ رہی تھی تا صحیح خبر لا سکوں۔

یہ ذہنیت تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے اندر پائی جاتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں ہماری جماعت کی یہ حالت ہے کہ چوہدری عبداللہ خان صاحب نے مجھے بتایا کہ محراب کے سامنے جو لوگ بیٹھے تھے میں نے جب اُن سے بعض باتیں دریافت کیں تو ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ شخص مشکوک حالت میں تھا۔ وہ کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور اُس کا منہ کمبل سے ڈھکا ہؤا تھا۔ جب وہ سجدہ میں گیا تو مجھے یوں محسوس ہؤا کہ کوئی چیز اُس کی جیب سے گر رہی ہے لیکن اس شخص کو یہ احساس نہ ہؤا کہ اُسے احتیاطی تدبیر کرنی چاہئے۔ اُس نے یہ خیال کیا کہ یہ صدر انجمن احمدیہ کا کام ہے مجھے اس کے کام میں دخل

نہیں دینا چاہئے۔

قادیان میں ایک دفعہ اسی قسم کا واقعہ ہؤا۔ میں دارالحمد میں تھا کہ میرے ایک لڑکے نے مجھے اطلاع دی کہ ایک نوجوان آیا ہے اور وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ میں باہر آیا لیکن ابھی رستہ میں ہی تھا کہ باہر شور پڑ گیا۔ باہر آکر دریافت کرنے پر مجھے بتایا گیا کہ کوئی نوجوان تھا، اُس کے پاس چُھرا تھا اور وہ حملہ کی نیت سے یہاں آیا تھا۔ اب اُسے پکڑ لیا گیا ہے۔ مجھے عبدالاحد خان پٹھان نے بتایا کہ یہ نوجوان بچوں کے پاس کھڑا تھا اور اُن سے کہہ رہا تھا کہ میں مرزا صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ بات کرتے وقت اُس نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی اور یہ حرکت اِس قسم کی تھی کہ جیسے پٹھان اُس وقت کیا کرتے ہیں جب اُنہوں نے چُھرا چُھپایا ہؤا ہو۔ میں نے اُسے اس قسم کی حرکت کرتے دیکھا تو میں نے اُسے پکڑ لیا اور ٹٹولنے پر واقع میں اندر سے چُھرا نکل آیا۔ لیکن یہاں وہ نوجوان آتا ہے، مسجد میں آکر بیٹھتا ہے، اس کی ظاہری حالت اُسے مشکوک بتاتی ہے پھر جب نماز پڑھتا ہے تو اُس کی جیب میں سے چاقو نیچے گر جاتا ہے اور وہ اُسے اُٹھا کر جیب میں دوبارہ ڈال لیتا ہے لیکن اُسے کسی نے پکڑا نہیں۔

صحابہؓ کا کردار

ایک دفعہ مکہ کے قریب دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں ایک خیمہ میں بیٹھے تھے کہ کھٹ کھٹ کی آواز آئی۔ آپ نے دریافت فرمایا کون ہے؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں فلاں شخص ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ تو اُس نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے خیال کیا کہ مکہ والوں نے مسلمانوں سے لڑائی شروع کر دی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار مدینہ پر بھی حملہ کر دیں۔ میں یہاں حاضر ہؤا ہوں تا آپؐ کی خدمت میں درخواست کروں کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے میری قوم حاضر ہے اب دیکھو مکہ میں لڑائی ہو رہی ہے لیکن صحابہؓ مدینہ میں پہرہ کا انتظام کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر جب صحابہ عدل وانصاف پر آتے تھے وہ ہمیشہ اپنی چیز کی قیمت گرا دیتے تھے بڑھاتے نہیں تھے۔ اور جب دوسروں کے حقوق کا سوال آتا تھا تو وہ اپنی عورتوں کو طلاق دے کر کہتے تھے کہ تم ان میں سے جس سے چاہو شادی کر لو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیدادیں آتی ہیں تو آپؐ انصار کو بلا کر

فرماتے ہیں کہ جائیدادیں لے لوتو وہ جائیدادیں لیتے نہیں بلکہ کہتے ہیں یہ مہاجرین کو دے دیں۔ یہ وہ رنگ ہے جسے اختیار کرنے کے بعد قومیں ترقی کیا کرتی ہیں۔

جاپان میں ایک مذہبی کانفرنس ہو رہی ہے۔ اِس میں یہ سوال پیش ہے کہ دُنیا میں امن کیسے قائم ہو؟ اور کچھ مذہبی سوال بھی ہیں مجھے بھی اس میں شریک ہونے کے لئے دعوت آئی۔ میں نے خلیل احمد ناصر کو امریکہ سے ہدایت کی کہ وہ اس کانفرنس میں شریک ہوں، چنانچہ وہ وہاں گئے۔ اب وہاں سے اطلاع آئی ہے کہ ۳۶ نمائندے باقی دُنیا سے اس میں شرکت کے لئے آئے ہیں۔ ۱۳ نمائندے ہندوستان سے اور ایک نمائندہ پاکستان سے بھی اِس کانفرنس میں شریک ہوا ہے۔ کانفرنس کی کارروائی سُننے کیلئے لوگ بڑی کثرت سے آئے اور باہر سے آنے والوں کی خوراک اور رہائش کا بڑا عمدہ انتظام کیا گیا۔ جاپان میں لوگوں نے بعض نئے گرجے بنائے ہیں جن میں اِس قسم کے مقابلے ہوتے ہیں لیکن ہیں یہ لوگ بہت کنگال ان میں سے کوئی بھی مالدار نہیں لیکن اس قسم کی کانفرنسوں پر لاکھوں روپے خرچ کر دیئے۔ خلیل احمد ناصر نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض غریبوں نے اپنے کپڑے تک بیچ کر کانفرنس کی کارروائی سُننے کے لئے سفر کیا۔ چنانچہ یہ کانفرنس بڑی شان سے ہو رہی ہے۔

رومن ہسٹری کو دیکھ لو، مسیح کے حواریوں کو عیسائی نہیں کہا جاتا تھا بلکہ فقیر کہا جاتا تھا۔ جہاں بھی حواریوں کا نام آئے گا وہ کہیں گے فقیروں کا گروہ کیونکہ وہ لوگ اپنا سارا مال دین کی خدمت کے لئے دے دیتے تھے۔ تم لوگ تو اپنی آمد کا دسواں، بارھواں، پندرھواں حصہ دیتے ہو لیکن وہ لوگ معمولی گزارہ رکھنے کے بعد اپنا سب کچھ دین کی خدمت کے لئے دے دیتے تھے۔ یہ وہ روح ہے جس سے قومیں بنتی ہیں۔ خدا تعالیٰ تو دھوکا نہیں کھا سکتا۔ جس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اور آپ کی قوم سے کہا تھا کہ تم یہ یہ کام کرو گے تو تمہیں جنت ملے گی، جس نے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم سے کہا تم نے یہ قربانی کی تو تمہیں جنت ملے گی، جس نے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم سے کہا کہ اگر تم نے یہ یہ کام کیا تو میں تمہیں جنت دوں گا، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم سے کہا تھا کہ اگر تم نے یہ یہ قربانی کی تو تمہیں جنت دوں گا۔ جس نے عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی

قوم سے کہا کہ اگر تم نے یہ یہ قربانی کی تو تمہیں جنت ملے گی ، جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام میں کہا کہ جب تک آپؐ کی قوم فلاں قسم کی قربانی نہیں کرے گی وہ انعام حاصل نہیں کر سکتی۔

اپنے آپ کو کُلّی طور پر خدا کے حوالہ کرو

کیا تم اب یہ خیال کرتے ہو کہ اب وہ خدا نہیں جو پہلے تھا؟ یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اب خدا بڈھا ہو گیا ہے اور وہ تمہاری بات سے دھوکا کھا جائے گا؟ جیسے بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام نے دھوکا دیا۔ نبوت کا حق دراصل عیسو کا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے عیسو سے کہا میں تمہارے لئے دُعا کر دیتا ہوں تم جنگل میں جاؤ اور میرے لئے کوئی جانور شکار کر کے لاؤ۔ یعقوب علیہ السلام کی ماں نے جب دیکھا کہ اب عیسو نبی بن جائے گا اور اُس کی خواہش تھی کہ نبوت اس کے بیٹے یعقوب کو ملے تو اُس نے یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ پیشتر اِس کے کہ عیسو شکار سے واپس آئے تُو ریوڑ سے ایک دُنبہ لے کر اُسے ذبح کر اور اپنے باپ کو کھانا کِھلا اور اس کی دُعا حاصل کر۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عیسو کے آنے سے پہلے دھوکا سے حضرت اسحاق علیہ السلام سے دُعا کرائی اور اس طرح نبوت کا حق اپنے بڑے بھائی عیسو سے چھین لیا۔ پھر کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو حضرت اسحاق علیہ السلام سے بھی کم علم ہے اور تم اسے دھوکا دے لوگے؟ پس تمہیں خدا تعالیٰ کے متعلق اپنی ذہنیت کو بدلنا ہوگا۔ تمہیں کُلّی طور پر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کرنا ہوگا۔ جب تم اپنے آپ کو کُلّی طور پر خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دو گے تو تم خدا تعالیٰ کی گود میں ہو گے۔ اُس وقت دُشمن تم پر حملہ آور نہیں ہوگا خدا تعالیٰ پر حملہ آور ہوگا۔

باقی رہا تکالیف کا سوال سو تکالیف تو خدا کی جماعتوں کو بڑھانے والی ہوتی ہیں۔ یہ تو جماعت کے تمغے ہیں، سزائیں نہیں اور قوم کی تباہی کا موجب خدا تعالیٰ کی سزا ہوتی ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اُس کا ہو جاتا ہے۔ تمہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس قسم کے حملے انفرادی نہیں ہوتے۔ ایک عرصہ سے مجھے مخالفین کی طرف سے خطوط آرہے تھے کہ یوں ہوگا۔ اگر اس حملہ کا جو مجھ پر کیا گیا ایک فرد سے ہی تعلق ہے تو یہ سینکڑوں خطوط

کہاں سے آ گئے تھے۔ اس قسم کی باتیں لوگوں نے دوسروں سے سُنی ہوئی تھیں تو تبھی اُنہوں نے تحریر کیں۔ بہرحال کچھ لیڈر اِس حملہ کے پیچھے کام کر رہے ہیں۔ عوام کے خلاف تمہارا جوش اور غصہ بیکار ہے، اِس حملہ کے اصل ذمہ وار لیڈر ہیں۔ اس فعل کا تعلق کسی ایک فرد سے نہیں، یہ ایک قومی فعل ہے اور اس کی ذمہ داری قوم پر ہے۔ اس کا ایک علاج تو یہ ہے کہ حکومت اِس طرف توجہ کرے لیکن حکومت اِس طرف توجہ نہیں کرتی۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس طرف توجہ کرے اور خدا تعالیٰ اس طرف ضرور توجہ کرے گا بشرطیکہ تم اُس کی طرف رجوع کرو۔ خدا تعالیٰ سے کی ہوئی دعائیں اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنا خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتے ہیں اور دشمن کو ناکام کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گو ایک عورت نے کھانے میں زہر دے دیا تھا یا یہودیوں نے آپؐ پر پتھر پھینکنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر بھی وہ سمجھتے تھے کہ اُن لوگوں نے خدا تعالیٰ پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ اگر ہم نے ان پر حملہ کیا تو خدا تعالیٰ خود اِن کی طرف سے ہم سے بدلہ لے گا۔ پھر ان میں اِس قسم کی تنظیم تھی کہ ان پر دشمن ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ چاہے جماعت کتنی بھی چھوٹی ہو دشمن سمجھتا ہے کہ اگر وہ اِس پر ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ ایک چھوٹی سی جماعت پر ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ ایک تنظیم پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ لیکن جہاں تنظیم نہیں ہوتی، جماعت میں پراگندگی پائی جاتی ہے، اُس کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں ہوتا، دشمن اس پر حملہ کرنے میں دلیر ہو جاتا ہے۔

صحابہؓ میں دیکھ لو جب عبداللہ بن ابی بن سلول نے یہ کہا کہ جو شخص سب سے زیادہ معزز ہے یعنی عبداللہ بن ابی بن سلول۔ وہ نعوذ باللہ سب سے ادنیٰ اور ذلیل شخص یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ سے باہر نکال دے گا تو یہ خبر اس کے بیٹے کو بھی ملی جو اسلام لا چکا تھا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ میرے باپ نے ایسے الفاظ کہے ہیں اور اس قسم کے الفاظ کی سزا قتل کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا میرا تو اُسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں۔ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اگر آپؐ کا یہ ارادہ ہو کہ میرے باپ کو قتل کر دیا جائے تو آپ مجھے حکم دیں کہ میں اُسے قتل کروں۔ اگر کسی اور شخص نے میرے باپ کو قتل کیا تو ممکن ہے کبھی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اُس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے اور میں اس کو کوئی نقصان

پہنچا بیٹھوں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ جب وہ شخص مدینہ پہنچا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں داخل ہو چکے تھے، باقی لوگ داخل ہو رہے تھے۔ وہ تلوار کھینچ کر رستہ میں کھڑا ہو گیا اور اپنے باپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا اگر تم نے مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ تم مدینہ میں داخل ہونے سے قبل یہ اعلان کرو کہ مَیں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ معزز ہیں اور جب تک تم اِس بات کا اعلان نہیں کرو گے میں تمہیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے اعلان کیا میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ معزز ہیں [کے] یہ الٰہی تصرّف تھا۔ خود عبداللہ کے بیٹے نے یہ تہیہ کر لیا کہ جب تک میں اپنے باپ کے منہ سے یہ فقرہ نکلوا نہ لوں گا میں اُسے چھوڑوں گا نہیں۔ اگر تم بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کر لو تو خواہ دشمن تمہیں نقصان پہنچانے کی کتنی ہی کوشش کرے اللہ تعالیٰ اِس کے ازالہ کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دے گا۔

ایک ریزولیوشن پر تبصرہ

پچھتر ہزار روپے جو جمع کئے گئے ہیں اِن کے متعلق بعد میں پتہ لگا کہ یہ اس لئے جمع کئے گئے کہ میں امریکہ جا کر اپنا علاج کراؤں۔ اوّل تو یہ بات ہے کہ میری موجودہ صحت امریکہ جانے والی نہیں۔ اب بھی تھوڑی دیر کے لئے یہاں آیا ہوں تو درد شروع ہو گئی ہے۔ پس میرے لئے امریکہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر ایسا سوال پیدا بھی ہو جائے تب بھی یہ رقم اُن اخراجات کی کفیل نہیں ہو سکتی جو میرے امریکہ جانے پر آئیں گے۔ انسان جب کسی چیز کا اندازہ لگائے تو صحیح تو لگائے۔ جماعت کو اخراجات کا اندازہ کرتے وقت یہ دیکھ لینا چاہئے تھا کہ کیا اِس رقم میں امریکہ جانا ممکن ہے؟ ہم نے یہاں سے خلیل احمد ناصر کو بھجوایا تو دو ہزار ڈالر خرچ آئے۔ پھر اگر میں امریکہ جاؤں تو ہسپتال ساحل پر ہی تو نہیں اِس کے لئے ملک کے اندر جانا پڑے گا۔ اس لئے ریلوں پر سفر بھی ہو گا اس پر بھی کچھ رقم خرچ آئے گی۔ پھر سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے مزدوریاں دینی پڑیں گی۔ پھر اگر میں امریکہ گیا تو آپ کو پرائیویٹ سیکرٹری کا عملہ بھی ساتھ بھیجنا پڑے گا۔

میں جب انگلینڈ گیا تو جماعت کے افراد کو یہ شکایت تھی کہ اُنہیں خطوط کا جواب نہیں ملتا تھا۔ اِس وقت عملہ میں دس آدمی کام کر رہے ہیں۔ تب بھی دوست شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے خطوط کا جواب نہیں دیا جاتا۔ باہر گیا تو اور شکوہ ہوگا۔ آپ لوگوں نے خطوط بھی لکھنے ہیں، تاریں بھی دینی ہیں۔ اُن کے جوابات کے لئے عملہ کی ضرورت ہے۔ پھر اگر میں باہر گیا تو ہر طبقہ کے لوگ میرے پاس آئیں گے۔ مجھ سے مسائل دریافت کریں گے۔ جب میں انگلستان گیا تھا تو اُس وقت ہر طبقہ کے لوگ میرے پاس آئے تھے۔ میرے پاس آنے والوں میں پروفیسر بھی تھے۔ لارڈ بھی تھے، سیاست دان بھی تھے اور مستشرقین بھی تھے اور مختلف مسائل پر وہ مجھ سے باتیں کرتے تھے اِس لئے اگر میں امریکہ گیا تو میرے ساتھ ایک دو مبلّغ بھی ہونے چاہئیں۔ جب میں انگلستان گیا تھا اُس وقت میرے ساتھ ۱۳ اشخاص تھے۔ ایک ڈاکٹر تھا۔ دو مبلّغ تھے اور ایک آدمی خادم کے طور پر تھا۔ دفتر کے عملہ کے تین آدمی بھی میرے ساتھ تھے اور اُس وقت ۵۶۰۰۰ روپے صرف کرایہ لگا تھا۔ اِس طرح مکان کا کرایہ اور انگلستان میں قیام کے اخراجات شامل نہیں تھے۔ اب تم ان لوگوں کے کرایہ کا اندازہ کرلو اور پھر مثلاً مَیں امریکہ میں تین ماہ تک قیام کروں تو اِن دِنوں کے اخراجات کا بھی اندازہ لگا لو۔ ہمارا مبلّغ اِس وقت ایک کمرہ میں رہتا ہے اور اس کمرہ کا کرایہ ۲۹۰۰ ڈالر ہے۔ اب اگر میرے ساتھ عملہ جائے گا تو ان کے لئے عارضی طور پر مکان کا انتظام کیا جائے گا۔ انگلستان میں جو مکان لیا گیا تھا اُس کا کرایہ ۱۵۰۰ پونڈ تھا۔ گویا ۲۱، ۲۲ ہزار روپیہ یہ ہو گیا۔ پھر وہاں ایک ادنیٰ مزدور کی مزدوری ۱۲۰ ڈالر ماہوار مقرر ہے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ایک سَو ڈالر فی فرد ماہوار خرچ کا اندازہ لگایا جائے تو آٹھ ہزار ڈالر یہ ہوئے اور روپے کے حساب سے تیس ہزار روپیہ بنا۔ گویا ایک لاکھ دس ہزار روپیہ تو صرف تمہارے عملہ پر خرچ ہوگا اور تم یہ ریزولیوشن پاس کر رہے ہو کہ خلیفۂ وقت کو ۶۰ ہزار روپیہ دے دو تا وہ امریکہ جا کر علاج کرائے۔ میں جب انگلستان گیا تھا اُس وقت بھی میں نے اپنا ذاتی خرچ نہیں لیا تھا اور اب امریکہ جاؤں گا تب بھی اپنا ذاتی خرچ نہیں لوں گا بلکہ انگلستان کے تجربہ کے بعد تو میں کبھی نہیں لوں گا۔ اس وقت بھی جماعت نے کہا تھا ہم خرچ دیں گے لیکن میں نے انکار کیا تھا۔ اُس وقت عملہ کے اخراجات کے سلسلہ میں جماعت کی

طرف سے پچاس ہزار روپیہ دیا گیا باقی روپیہ کے متعلق تاریں دی گئیں کہ خرچ ختم ہو گیا اور اگر خرچ نہ ملا تو ہماری ذلّت ہو گی لیکن کوئی خرچ نہ گیا۔ اِس تجربہ کے بعد کیا مَیں اس بات کی ہمت کرسکتا ہوں کہ تمہاری یہ بات مان لوں کہ ہم سفر کا سارا خرچ دیں گے؟ تم ہی بتاؤ اگر میرے ساتھ مبلّغ نہ ہؤا تو ملاقات کرنے والوں سے بات کون کرے گا؟ اگر سیکرٹری کا عملہ نہ ہؤا تو تمہاری چٹھیوں اور تاروں کا جواب کون دے گا؟ کیا سیکرٹری کے عملہ کے لئے حکومتِ امریکہ سے درخواست کی جائے گی؟ تم نے مجھے ٦٠ ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور صرف تمہارے عملہ کا خرچ اندازاً ایک لاکھ دس ہزار روپیہ ہے۔ گویا اِس کا یہ مطلب ہے کہ عملہ کا باقی خرچ بھی تم نے مجھ پر ڈال دیا ہے۔ پس میں صحت کی خرابی کی وجہ سے امریکہ جا تو نہیں سکتا لیکن اگر حالات اِس قسم کے پیدا ہو گئے کہ مجھے امریکہ جانا پڑا تو میں کسی کے خرچ پر جانے کو تیار نہیں ہوں۔ تم اپنے آدمیوں کو ہی خرچ دے دو تو کافی ہے انگلستان میں مَیں بہت ذلیل ہؤا تھا۔ نوکر شور مچاتا تھا کہ مجھے تنخواہ دو لیکن ہمارے پاس روپیہ نہیں تھا۔ میرے اپنے پاس کچھ روپیہ تھا اُس سے ہم کسی حد تک گزارہ کر لیتے تھے۔ پس اگر جماعت کوئی قدم اُٹھانا چاہتی ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس کی اہمیت کو بھی سمجھ لے۔ جب میں انگلستان گیا تھا اُس وقت جماعت مالی لحاظ سے کمزور تھی لیکن پھر بھی اگر وہ انگلستان کے سفر کی اہمیت کو سمجھ لیتی تو وہ روپیہ کا انتظام کر لیتی۔ اُس وقت پانچ ہزار روپیہ کی ایک رقم میرے بنک کے حساب میں جمع ہوگئی تھی اُس وقت صدر انجمن احمدیہ قرض لے رہی تھی۔ میں نے صدر انجمن احمدیہ کو لکھا کہ یہ رقم کیسی ہے؟ تو اُس نے بیرونی جماعتوں سے تحریراً دریافت کیا کہ کیا یہ رقم تم نے بطور قرض دی ہے؟ تو کسی جماعت نے بھی یہ نہ لکھا کہ ہم نے یہ رقم بطور قرض صدر انجمن احمدیہ کو دی ہے۔ یہ رقم نذرانہ کے طور پر کسی نے مجھے دی تھی ورنہ میرے پاس بھی زائد روپیہ نہیں تھا کہ عملہ کے لوگ مجھ سے قرض لے لیتے۔ غرض بڑی مصیبت کے ساتھ وہ سفر ختم ہؤا۔ پس انسان کو ہمیشہ سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہئے۔ جو کام ہوسکتا ہے کر دیا جائے اور جس بات کے متعلق ایک دفعہ بات منہ سے نکال دی جائے اُسے جان مار کر پورا کیا جائے۔

بہرحال جو ریزولیوشن پاس کیا گیا ہے، درست نہیں۔ میں نے بنگال جانے کا ارادہ

کیا تھا۔ میں وہاں گیا تو نہیں لیکن میں نے صدر انجمن احمدیہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ عملہ کے لئے دس ہزار روپیہ علیحدہ کر کے رکھ دے۔ اب دس ہزار روپے اِس غرض کے لئے جمع ہیں۔ اگر میں مشرقی بنگال گیا تو یہ رقم کام آ جائے گی۔ اِسی طرح کراچی میں ایک عمارت تیار کرنے کا سوال پیش آیا تو میں نے تحریک جدید سے بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اِس کیلئے رقم جمع کر دے۔ اِس طرح تم اپنے عملہ کے لئے روپیہ دے دو اور اُسے علیحدہ رکھو۔ جب ضرورت پیش آئی مَیں لے لوں گا۔ اب میری ایسی حالت نہیں کہ میں لمبا سفر کرسکوں۔ امریکہ بحری رستہ سے جاؤں تو دو ماہ جانے میں لگیں گے اور دو ماہ آنے میں لگیں گے اور تین ماہ تک وہاں قیام کرنا ہوگا۔ ہاں ہوائی جہاز پر سفر کیا جائے تو وقت کم لگے گا لیکن ہوائی جہاز پر سفر کرنے کے مَیں قابل نہیں۔

پس تم شوق سے چندہ جمع کرو لیکن اگر صرف اتنا روپیہ ہی دینا ہے تو تم وعدہ کرو کہ اس عرصہ میں تم مجھے خط نہیں لکھو گے۔ اگر تم اس قسم کا وعدہ کرلو تو چاہے کتنی ذلّت ہو میں انتظام کرلوں گا ورنہ تم مجھ پر احسان کیوں جتاتے ہو۔ یہ تو وہی بات ہوگئی کہ کسی کے رشتہ دار کی شادی تھی۔ رشتہ دار ایسے مواقع پر تحفہ دیا کرتے ہیں۔ ایک عورت بخیل بھی تھی لیکن اپنی شان دکھانے کی بھی عادی تھی۔ اُس نے اس موقع پر ایک روپیہ دے دیا۔ اُس کی بھاوجہ امیر تھی اس نے بیس روپے دیئے۔ جب اُس بخیل عورت سے سوال کیا جاتا کہ تم نے کیا دیا ہے؟ تو وہ یہ جواب دیتی میں اور بھابی اکیس۔ اس طرح تم یہ بات نہ کرو کہ خرچ تو آدھا دو اور مجھ سے کہو کہ میں اُسے قبول کرلوں، میں عملہ کا خرچ کہاں سے لاؤں گا؟

میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس کی محرک میری وہ تحریک تھی جو مجلس کے پہلے اجلاس میں مَیں نے افتتاحی تقریر میں کی تھی۔ میری اس سے یہ غرض نہیں تھی کہ مَیں ربوہ سے باہر علاج کیلئے جانا چاہتا ہوں۔ میں تو کہتا ہوں کہ مَیں علاج کے لئے باہر نہیں جا سکتا۔ اس تحریک سے میری یہ غرض تھی کہ ربوہ اور جماعت کے لئے حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ دوسرے دشمنوں کے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ تیسرے دُنیا کے سامنے اپنا نمونہ پیش کیا جائے۔ اگر جماعت یہ ثابت کر دے کہ تمہارا مارا جانا ملک اور قوم کے لئے نقصان دہ ہے تو تمہارے اُوپر ہاتھ اُٹھانے پر ہر طرف شور پڑ جائے گا۔ اب تو یہ حالت ہے کہ جب مغربی پاکستان

میں طوفان آیا تو تم نے لوگوں کی امداد کے لئے کوئی تحریک نہیں کی۔ مشرقی بنگال میں طوفان آیا تو تمہارا فرض تھا کہ چاہے کچھ دیتے تم دیتے ضرور۔ اُس وقت تم نے یہ بہانہ بنالیا کہ ہمارا مرکز ہے اگر اس سلسلہ میں مرکز کوئی ہدایت دے گا تو ہم اِس پر عمل کریں گے۔ میں تو اس بہانہ کو تب درست مانوں گا جب تمہارا اپنا بچہ یا کوئی اور رشتہ دار بیمار ہو اور پھر تم یہ بہانہ بناؤ۔ اگر تم ایسے وقت پر یہ بہانا نہیں بنایا کرتے تو پھر تم مرکز کا نام لے کر اُسے بدنام کیوں کرتے ہو۔ چندہ تم مرکز میں بھیجتے ہو اور اس کی بھی یہ حالت ہے کہ جو بھیجنے والا ہے وہ تو مرکز کی تحریک پر چندہ بھیج دیتا ہے اور جسے چندہ دینے کی عادت نہیں وہ پھر بھی بہانہ بنا دیتا ہے۔ اِس قسم کی دھوکا بازی کی ہزاروں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ یہی لوگ جو چندہ دیتے وقت کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتے ہیں کیا اپنے بیوی بچوں کا علاج کرتے وقت بھی وہ اِس قسم کا بہانہ بنایا کرتے ہیں؟ وہ سفر بھی کرتے ہیں، اپنے رشتہ داروں کی خدمت بھی کرتے ہیں اور کبھی مرکز کا بہانہ نہیں بناتے۔ وہ بھی تو تمہارے بھائی ہی ہیں۔ اگر تم نے اُن پر کچھ خرچ کر دیا تو کیا ہؤا۔ اگر تم مصائب کے وقت میں آگے آؤ اور لوگوں کی مدد کرو تو جب تمہارے خلاف دشمن کوئی بات کرے گا تو وہ بھی آگے آئیں گے۔ گزشتہ سال کے فسادات کی تحقیقات کے لئے کمیشن مقرر ہؤا تو وہاں ہمیں یہی رونا رونا پڑا ہے کہ ہم لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر یہ کام جماعتی طور پر ہوتا تو ہمیں ہر جگہ یہ رونا کیوں رونا پڑتا کہ ہم لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر مصیبت کے وقت سرگودہا، سیالکوٹ، سندھ، بنگال، کراچی اور سرحد کی جماعتیں نکل کھڑی ہوتیں اور لوگوں کی بھائیوں کی مانند خدمت کرتیں تو اِس قسم کا جواب دینے کی ہمیں ضرورت پیش نہ آتی۔ جب یہ فتنہ اُٹھا تھا ہر جگہ کے لوگ تمہاری مدد کے لئے نکل کھڑے ہوتے۔ اب تو ہماری مدد کا ریکارڈ مسلم لیگ کے رجسٹروں کے سِوا اور کہیں نہیں۔ لوگ تمہیں کیا سمجھیں؟ میرا مطلب یہی تھا تم لوگ اپنے قلوب کی اصلاح کرو اور ایسے کام کرو کہ دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تم خدمتِ خلق کرتے ہو کیونکہ خدمتِ خلق ہی اصل چیز ہے اور یہ ہر جگہ ہو سکتی ہے۔

اپنی آمد میں گزارا کریں

ڈاکٹروں کی تنخواہوں کی زیادتی کے متعلق میں نے کہا تھا۔ میں نے اس کے متعلق مختلف آراء پڑھی ہیں جن کا مطلب

یہ ہے کہ چاہے تبلیغ بند ہو جائے، ہم ایک بڑا سا ہسپتال قائم کر دیں حالانکہ جب آمد تھوڑی ہو گی تو بہرحال اُسے ہر جگہ تقسیم کرنا ہوگا اور ہر شخص یہی کرتا ہے۔ اگر ایک شخص کی آمد پانچ روپے ہو تو وہ یہ نہیں کرتا کہ ایک دن مرغا لا کر کھا لیا اور باقی دن بغیر خوراک کے گزار لئے بلکہ وہ تین روپے کا آٹا لے لیتے ہیں ایک روپیہ کا ایندھن لے لیتے ہیں اور ایک روپیہ متفرق ضروریات کے لئے رکھ لیتے ہیں اور اس طرح گزارہ کرتے ہیں۔ ہماری حالت بھی یہی ہے ہم نے ہر چیز پر نسبتی طور پر خرچ کرنا ہے۔ مثلاً ہسپتال والوں نے لکھا ہے کہ ہمیں ریڈیالوجسٹ کی بھی ضرورت ہے پھر فلاں ماہر کی ضرورت بھی ہے، فلاں ماہر کی بھی ضرورت ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تبلیغ کا کام بند کر دیا جائے اور ہسپتال پر سارا روپیہ خرچ کر دیا جائے۔ ہماری جماعت کے ایک ڈاکٹر تھے وہ ریڈیالوجسٹ بھی تھے۔ وہ ایک وقت میں ۷۵ روپے لیتے تھے اب وہ ہزاروں روپے لیتے ہیں۔

پس ہمارا کام ہے کہ ہم اپنی آمد میں گزارہ کریں۔ دوائیں تو عورتیں بھی دے لیتی ہیں۔ ہاں سرجری کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں اور بات صرف یہ تھی کہ اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ ہو جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم انگلینڈ یا امریکہ کے ہسپتالوں کے سٹینڈرڈ کا کوئی ہسپتال بنا لیں۔ میں نے ایک ہسپتال کے متعلق پڑھا تھا کہ اُسے ۳۴ لاکھ روپیہ گورنمنٹ کی طرف سے ایڈ کے طور پر ملتا ہے اور اِس کے علاوہ اُس کی اپنی آمد بھی ہے۔ اب تمہاری آمد تو اتنی نہیں، پھر تم ان کی نقل کیسے کر سکتے ہو۔ بات صرف یہ تھی کہ ایک آدمی رکھ لیا جائے جو سرجری کا کام کرے۔ کوئی احمدی نوجوان اِس کام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دے یا کوئی بوڑھا پنشن لے لے اور یہاں گزارہ پر کام کرے یا کسی نوجوان کو مشق کرائی جائے، پھر ہسپتال بنانے کا سوال ہے تم پہلے ڈاکٹر تو تلاش کر لو ہسپتال پھر بنا لیا جائے گا۔

وقف کے قواعد

وقف کے قواعد کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے کارکنوں کی ذہنیت غیر احمدیوں والی ہے ان کے اندر نظم اور ضبط نہیں۔ میں نے ان کے فائدہ کے لئے بعض قواعد جاری کئے تھے لیکن وقف کمیٹی نے اِن کی اَور صورت بنا دی ہے۔ وہ لوگ تو امن میں ہیں لیکن میرا بُرا حال ہے۔ واقفین کی طرف سے مجھے رُقعے لکھے جا رہے ہیں۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ حضور! ان لوگوں نے اوورسیئر کو گریجوایٹ

بنا دیا ہے حالانکہ وہ اس سے زیادہ معیار کا ہوتا ہے حالانکہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ ایک گریجویٹ وزیر بھی بن سکتا ہے لیکن اوورسیئر وزیر نہیں دیکھا۔ پیشہ ور صرف اپنے پیشہ میں لیا جاتا ہے لیکن عام تعلیم یافتہ یا تو بہت اوپر آجاتا ہے یا بہت نیچے چلا جاتا ہے۔ مسولینی مزدور تھا لیکن بعد میں وہ مُلک کا ڈکٹیٹر بن گیا۔ اب کوئی ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ اگر مزدور وزیر بن سکتا ہے تو میں تو ڈاکٹر ہوں مجھے بادشاہ کیوں نہ بنا دیا جائے، تو یہ بات درست نہیں ہو گی۔ وقف کمیٹی نے وقف کے قواعد مرتب کئے اور اُنہیں واقفین میں بھی سرکولیٹ کر دیا تو اتنا شور پڑ گیا کہ حد نہیں۔ مجھے اپنے گھر میں بھی اس کا تجربہ ہوا۔ بچے بڑی بڑی دیر تک اونچی آواز سے اِس پر بحثیں کرتے رہے۔ میں نے دریافت کرایا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو اِس پر مجھے بتایا گیا کہ یہ واقفین کے گریڈوں کے متعلق بحث کر رہے ہیں۔ سو میں کہوں گا کہ اِس رپورٹ کو دریا برد کر دو۔ بات دراصل یہ ہوئی کہ یہ رپورٹ واقفین کے سامنے پیش کر دی گئی۔ تحریک جدید انجمن احمدیہ نے ایک مجلس بلائی اُس میں واقفین کو بلایا گیا اور اُن سے رائے لی گئی۔ اب تم واقفین کو ایسی مجلس میں بلاؤ گے تو وہ بولیں گے ہی اور اگر بولیں گے تو مجھے بھی تنگ کریں گے۔ چنانچہ کئی لوگوں نے مجھے لکھ دیا کہ ڈرافس مین اوورسیئر کے برابر ہے لیکن اُسے اوورسیئر کا معیار نہیں دیا گیا۔ اوورسیئر گریجوایٹ قرار دے دیا گیا ہے حالانکہ اس کا معیار اس سے بلند ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس رپورٹ کو واقفین کے سامنے پیش کر کے سارا فساد کھڑا کیا گیا ہے۔ جو کچھ مقرر کرنا تھا اُن کے لئے مقرر کر دیتے اور پھر کہتے کہ تم نے رہنا ہے تو اِسے قبول کرو ورنہ جو جی میں آتا ہے کرو۔

صحیح لٹریچر شائع کرو

ایک اَور بات جو میں کہنی چاہتا ہوں یہ ہے کہ اِس وقت ضرورت یہ ہے کہ صحیح لٹریچر شائع کیا جائے جس سے مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہو۔ پاگلانہ لٹریچر شائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تک نبوت کے متعلق جو لٹریچر ہماری جماعت کی طرف سے لکھا گیا ہے یا شائع کیا گیا ہے وہ محض پیغامیوں کو ملحوظ رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اِس سلسلہ میں جو اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں وہ ہماری اپنی اصطلاحیں تھیں اور ان کے معنے بھی وہی تھے جو ہم لیتے ہیں۔ اس قسم کے لٹریچر کے متعلق ہمارا یہ خیال بھی نہیں تھا کہ یہ غیر احمدیوں کے سامنے پیش ہوگا اور وہ چِڑیں گے۔

ایک دفعہ عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا اور ایک احمدی ڈاکٹر بطور گواہ پیش ہوئے۔ مخالف فریق یہ سمجھتا تھا کہ احمدی غَضِّ بصر سے کام لیتے ہیں اور عورتوں کی طرف نہیں دیکھتے۔ اُس کے مخالف فریق کے وکیل نے احمدی ڈاکٹر پر یہ سوال کیا کہ کیا آپ نے فلاں عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا تھا؟ اُس کے جواب میں اُنہوں نے کہا میں نے اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا حالانکہ وہ کہہ سکتا تھا کہ میں اُس کی آواز کو پہچانتا ہوں، اُس کی چال کو پہچانتا ہوں۔ لیکن غیر احمدی وکیل کو چونکہ یہ پتہ تھا کہ احمدی سچ کی خاطر جھوٹ نہیں بولتا اِس لئے اُس نے یہ تدبیر کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عورت جس پر مقدمہ تھا بری ہوگئی۔

اِسی طرح ہم نے کفر کا لفظ استعمال کیا ہے تو اُن معنوں میں نہیں کیا جو غیر احمدی مراد لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مخالفین نے ہمارے متعلق غلط پروپیگنڈا کر کے لوگوں کو ہم سے بہت دور کر دیا ہے۔ اُنہیں یقین دلا دیا گیا ہے کہ ہم نیا کلمہ پڑھتے ہیں، ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کرنے والے ہیں اِس لئے ان اعتراضات کا جواب دینا اُنہیں اپنے قریب کرنا ہے۔ جب وہ ہم سے دور نہیں ہوں گے تو خود بخود ہماری بات پر غور کریں گے اور اُسے تسلیم کریں گے۔ تم اپنا کچھ نام رکھ لو! اِس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حق کو ماننے کے لئے اِس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ باطل کی تردید کی جائے۔ تمہیں منکرِ رسول کہا جاتا ہے، تمہیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کرنے والا کہا جاتا ہے اور یہ تمہاری اپنی ہتک ہے اِس لئے تم ان اعتراضات کے جواب مناسب پیرایہ میں دو اور اِن کی خوب اشاعت کرو تو لوگ تمہارے قریب آجائیں گے اور اس طرح تبلیغ میں سہولت پیدا ہو جائے گی۔

دوسرے یہ عادت ڈالو کہ جب کوئی بات کہی جائے تو اُسی وقت اُسے کرو۔ اُسے دوسرے وقت پر نہ ڈالو۔ ناظر کہتے ہیں کہ ہم جماعتوں کو پندرہ پندرہ خطوط لکھتے ہیں تب جا کر کہیں جواب آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی کوئی کَل بگڑی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ یہ ایسی چیز نہیں کہ اِسے نظر انداز کیا جائے۔ جماعت میں تنظیم ہو تو سب کام ہو جاتے ہیں۔ اگر تنظیم ہی باقی نہ رہے تو

کوئی کام بھی مناسب طور پر نہیں کیا جا سکتا۔

بچوں کو وقف کی تحریک کرو

تم اپنے منہ سے تو قربانی، قربانی قربانی کی آواز بلند کرتے ہو لیکن تم اپنے بیٹوں کو نہیں کہتے کہ سلسلہ کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ اور اگر وہ وقف کر کے آجاتے ہیں تو تم خود اُن کو ورغلاتے ہو کہ وہ وقف سے بھاگ جائیں۔ تم پہلے اپنے گھر کی قربانی پیش کرو اور پھر بات کرو۔ میں کس طرح مان سکتا ہوں کہ تمہارے بیٹے اپنی زندگیاں وقف کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ میرے تو ۱۳ کے ۱۳ بیٹے اپنی زندگیاں وقف کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور تمہارا ایک بیٹا بھی زندگی وقف نہ کرے، میں مان نہیں سکتا۔ اگر تم یہ عذر پیش کرتے ہو کہ تمہارے بیٹے زندگی وقف کرنے کے لئے تیار نہیں تو تم جھوٹ بولتے ہو۔ آخر میرے ۱۳ بیٹوں نے زندگیاں وقف کی ہیں یا نہیں؟ ان میں اس بات کا احساس ہے یا نہیں؟ وہ جانتے ہیں کہ اگر اُنہوں نے وقف چھوڑا تو میں نے ان کی شکل نہیں دیکھنی۔ میرے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ آخر دین کی اشاعت ہم نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ تمہارے بیٹوں میں اِس قسم کا احساس نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر تم اُنہیں زندگی وقف کرنے کی تحریک کرتے ہو تو تم یہ بات دل سے نہیں کر رہے، صرف ظاہری طور پر اِس قسم کی بات کر رہے ہو۔

عورتوں کو اُن کے حقوق دو

پھر تم اپنے اخلاق درست کرو۔ ہماری جماعت میں میاں اور بیوی کے تعلقات اتنے گندے ہو رہے ہیں کہ ایک احمدی کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اُس کے اپنی بیوی سے اِس قدر گندے تعلقات ہوں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ غیر احمدیوں میں بھی اس قسم کے گندے اخلاق والے لوگ ہوتے ہیں لیکن اُن کا یہ دعویٰ نہیں کہ ہم نے ان اخلاق کو دوبارہ قائم کرنا ہے لیکن تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اسلام کی تعلیم کو دوبارہ قائم کر رہے ہو۔ پھر تم میں اس قسم کے گندے اخلاق کیوں ہیں۔ بات بات پر طلاق دی جا رہی ہے اور بات بات پر خلع کرایا جا رہا ہے۔ آخر انسانیت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ شادی کے وقت کوئی شخص تمہیں مجبور نہیں کرتا کہ تم ضرور فلاں عورت سے شادی کرو۔ شریعت نے تمہیں یہ حق دیا ہے کہ شادی سے قبل تم لڑکی کو دیکھ لو اور اس کے متعلق تحقیقات کر لو اور عورت کو بھی شریعت نے یہ حق دیا ہے

کہ وہ خاوند کو دیکھ لے[8] اور اُس کے متعلق تحقیقات کر لے لیکن جب تعلق قائم ہو جاتا ہے تو تمہیں ایک دوسرے کی ایسی باتیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جماعت کے بعض افراد بڑی آزادی کے ساتھ اس تعلق کو توڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی انصاف ہے؟ یہ عورت کو ذلیل کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ تم عورتوں کے ساتھ لیٹتے ہو اور پھر ان کے حقوق ادا نہیں کرتے،[9] یہ کتنی قابلِ شرم بات ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر تم مجبور ہو کر کسی عورت کو اپنے ازدواجی تعلق سے علیحدہ بھی کرنا چاہو تو اُسے احسان کے ساتھ، علیحدہ کرو۔[10] لیکن یہاں ایک مقدمہ دکھا دو جہاں خاوند یہ کہتا ہو کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں اور مقرر کردہ مہر اُسے دیتا ہوں۔ کل ہی ایک مقدمہ پیش ہؤا۔ ایک خاوند نے کہا میری بیوی کو طلاق دلائی جائے لیکن میں مہر نہیں دوں گا۔ میری بیوی کو مجھ سے علیحدہ کر دیا جائے لیکن یہ خلع کی صورت میں ہو، تا مجھے مہر نہ دینا پڑے۔ اس قسم کے مقدموں میں اگر مجبور ہو کر بیوی خلع بھی کرالے تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُس کے خاوند سے مہر دلائے کیونکہ خاوند طلاق دینا چاہتا تھا لیکن مہر دینے پر راضی نہیں تھا اِس لئے اُس نے بیوی کو خلع لینے پر مجبور کر دیا۔ قاضی کا یہ حق ہے کہ وہ اس قسم کے خلع کو طلاق قرار دے کر بیوی کو اُس کا مہر دلائے۔ یہ کوئی اسلام نہیں یہ غنڈوں اور بدمعاشوں والا اسلام کہلائے گا شرفاء کا اسلام نہیں کہلائے گا۔ عورت اگر خلع کرائے تو کرائے لیکن اگر قاضی سمجھتا ہے کہ وہ مجبور ہو کر خلع کرا رہی ہے تو وہ اُس کے خاوند سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تم اِس کے سارے حقوق دو پھر اُسے علیحدہ کیا جائے گا۔ میں اِن امور کے سلسلہ میں جماعت میں برابر کمزوریاں دیکھ رہا ہوں۔ پس تم اپنے اخلاق درست کرو اور عورتوں کے حقوق دینے کی طرف توجہ کرو، ان کے حقوق مارنے کی طرف متوجہ نہ ہو۔

ناظر صاحب اعلیٰ کا ایک رُقعہ مجھے پہنچا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ میں جو خراب عنصر پیدا ہو گیا اسے نکال دیا جائے۔ اِس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہ خود نئے نئے آئے ہیں۔ میں نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ جب کوئی کارکن غلطی کرتا ہے اور میں اُسے سزا دینے کی کوشش کرتا ہوں تو نظارت اسے بچاتی ہے۔ اگر وہ کوشش کریں تو کام بن جائے گا۔ جماعت تو

صرف تین دن کے لئے یہاں آتی ہے۔ جماعت کو ان امور کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ مگر مجھے پتہ لگ جاتا ہے اور میں سزا دیتا ہوں تو اِس کا نام ڈکٹیٹر شپ رکھ دیا جاتا ہے۔ آخر اِن باتوں کی اصلاح کرنے کے لئے میرے ساتھ مدد کرنے والا بھی تو ہونا چاہیئے۔ یا ناظر صاحب اعلیٰ مدد کریں یا شوریٰ سال میں بار بار منعقد ہو اور وہ ان امور کی تحقیقات کرلے جو جماعت سے چُھپائے جاتے ہیں۔

شوریٰ چار دن

شوریٰ کے متعلق میں نے یہ ہدایت دی ہے کہ وہ آئندہ چار دن کے لئے ہو۔ یہ چوتھا دن آخر میں زیادہ کیا جائے یا شروع میں اِس کے متعلق یہ رائے دی گئی ہے کہ چُھٹی کے دوسرے دن کی چھٹی لی جائے تو وہ دو چُھٹیاں شمار ہو جاتی ہیں۔ اِس لئے اگر اتوار کے ساتھ سوموار کو ملایا جائے تو ملازمت پیشہ لوگوں کے لئے دِقت ہوگی۔ ان کی اتوار کی رخصت بھی شمار ہو جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ جمعرات کا دن ساتھ ملایا جائے اس میں زیادہ آسانی ہوگی۔ چنانچہ اگلے سال تین کی بجائے چار دن تک شوریٰ ہوگی۔ اتوار کو کام ختم کیا جائے گا۔ اِس میں یہ فائدہ بھی ہوگا کہ بعض نمائندے اتوار کو یہاں سے روانہ ہو کر اپنے کام پر وقت پر پہنچ جائیں گے۔

بہرحال میں نے بعض چیزیں شوریٰ کے سامنے رکھ دی ہیں ان کی اصلاح اِسی طرح ہوسکتی ہے کہ جماعت کے اجلاس بار بار ہوں۔ ناظر صاحب اعلیٰ مجرموں کی معافی کی طرف زیادہ توجہ نہ کریں۔ معافی اُس وقت بہتر ہوتی ہے جب زیادہ خرابی پیدا نہ ہو۔ جب خرابی زیادہ ہو تو سزا بہتر ہوتی ہے۔ موجودہ ناظر صاحب اعلیٰ اگر تعاون کریں گے تو یہ کام آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ میں اُنہیں اِسی غرض سے یہاں لایا ہوں تا وہ مجھ سے تعاون کریں۔ باقی اصلاح کا یہ طریق درست نہیں کہ پرانے لوگوں کو فوراً نکال دیا جائے۔ اصل علاج یہ ہے کہ باہر سے آدمی آئیں اور کام کو سنبھالیں۔ جب نئے آدمی کام سنبھال لیں تو پرانے کارکنوں کو فارغ کر دیا جائے۔ موجودہ ناظر بھاگ دَوڑ کا کام نہیں کر سکتے۔ مثلاً مولوی محمد دین صاحب ہیں ان کی عمر ۷۵ سال سے کم نہیں جب ہم بچے تھے تو وہ کالج میں پڑھتے تھے۔ اب ۷۵ سال کا ایک بوڑھا شخص نوجوانوں کی طرح کس طرح کام کر سکتا ہے۔ اچھے پنشنر باہر سے آجائیں اور وہ کام کرنے لگیں تو پرانے آدمی فارغ کر دیئے جائیں۔

پچاس، پچپن سال کی عمر میں جا کر بِالعموم پنشن مل جاتی ہے اور اس عمر میں بھاگ دَوڑ کا کام کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت تعاون کی ہے۔ پہلے بڑی خطرناک غلطی واقع ہوئی ہے۔ میں نے بعض نوجوانوں کو بلایا اور اُن کو نائب ناظر کے طور پر محکموں میں لگایا لیکن بجائے اِس کے کہ اُنہیں کام سکھایا جاتا اُن سے چپڑاسیوں والا سلوک کیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ پتھر کی طرح ہو گئے ہیں۔ میں اب اُن کی مدد کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ جب بھی موقع ملے گا میں اُنہیں نکالوں گا لیکن وہ نوجوان محض ان ناظروں کی وجہ سے اِس حد تک پہنچے ہیں۔ اِس بارہ میں مَیں ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ کی مثال دیتا ہوں۔ ان کے ساتھ دو گریجوایٹ کام کرتے ہیں لیکن ان کی ذہنیت پرائمری پاس نوجوانوں والی بھی نہیں۔

ان کو خراب دماغ والا بنا دیا گیا ہے لیکن اب بھی اگر انہیں کسی اچھے آدمی کے ماتحت کام کرنے دیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ کام کر سکتے ہیں۔

بہرحال مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اپنی ذات کی وجہ سے سلسلہ سے دشمنی کی جائے۔ نوجوانوں کو محض اِس لئے کام نہ کرنے دیا جائے تا اُن کی گدّی قائم رہے۔ تم نوجوانوں کو آگے لاؤ تا کام کو زیادہ تیز رفتاری سے کیا جا سکے اور سلسلہ کو نقصان سے بچایا جائے۔

اب میں واپس جاتا ہوں، تم باقی کام کرو۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء)

۱؎ السیرة الحلبیة جلد۳ صفحہ ۶۳ تا ۶۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۲؎ مسلم کتاب الفضائل باب توکُّلِہٖ (الخ)

۳؎ مسلم کتاب فضائل الصحابة باب مِنْ فضائل ابی بکر

۴؎ اسد الغابة جلد۳ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

نیز۔ ابو داؤد ابواب الجمعة باب اَلْاِمَامُ یُعَلِّمُ الرَّجُلَ فی خُطْبَتِہٖ

۵؎ بخاری کتاب التفسیر. تفسیر سورة المائدہ باب قولہ اِنَّمَا الخمر (الخ)

۶؎ بخاری کتاب الجهاد وَ السَّیر باب الحمائل وَ تَعلِیْقُ السَّیْفِ بِالْعُنُقِ

۷؎ سیرت ابن هشام جلد۳ صفحہ ۳۰۴۔۳۰۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء و السیرة الحلبیة جلد۲ صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۸؎ ترمذی کتاب النکاح باب مَا جاء فی النظر (الخ)

۹؎ وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ (النساء:۲۲)

۱۰؎ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحاً جَمِيْلًا (الاحزاب:۵۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء

(منعقدہ ۷ تا ۹/اپریل ۱۹۵۵ء)

مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء کے موقع پر احباب جماعت کے نام حضور کا پیغام

جماعت احمدیہ کی چھتیسویں مجلس مشاورت ۷ تا ۹۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو ہال لجنہ اماء اللہ ربوہ میں منعقد ہوئی۔ حضور ان ایام میں ڈاکٹری مشورہ کے مطابق سفرِ یورپ کے ارادہ سے کراچی میں تشریف فرما تھے اس لئے آپ اس مجلس میں رونق افروز نہ ہو سکے۔ تاہم اس موقع پر حضور نے احباب جماعت کے نام ایک پیغام کراچی سے ارسال فرمایا جو مشاورت کے دوسرے دن ۸۔ اپریل کو صدر مجلس محترم مرزا عبدالحق صاحب نے احباب کو پڑھ کر سنایا۔ یہ پیغام درج ذیل ہے:-

"اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّــــــــاصِر

احباب جماعت احمدیہ!

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

پہلی بات تو میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ شوریٰ میری غیر حاضری میں آرہی ہے۔ پچھلے سال مَیں بوجہ زخم کے شوریٰ میں پورا حصہ نہیں لے سکا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشق کروادی مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ ابھی آپ لوگوں میں اتنی طاقت نہیں پیدا ہوئی کہ میری غیر موجودگی میں اپنی ذمہ داری پر پورا کام کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ایسی طاقت بھی

پیدا کر دے اور مجھے بھی ایسی صحت بخشے کہ آپ سے مل کر اسلام کی فتح کی بنیادیں رکھ سکوں۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے پچھلے چند دنوں سے میری طبیعت زیادہ خراب ہونے لگ گئی تھی مگر دو دِنوں سے پھر بحالی کی طرف قدم جلدی جلدی اُٹھ رہا ہے، چنانچہ اس وقت بھی کہ میں یہ پیغام لکھوا رہا ہوں میں کمرہ میں ٹہل رہا ہوں اور میرے قدم آسانی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ پہلے جو بیماری کے حملہ کے بعد دماغ خالی خالی معلوم ہوتا تھا کل سے وقفہ وقفہ کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میں بھی نیک تغیر پیدا ہو رہا ہے اور میں بعض اوقات محسوس کرتا ہوں کہ میں سوچ سکتا ہوں اور پچھلے واقعات کا تسلسل میرے دماغ میں شروع ہو جاتا ہے بلکہ کراچی آتی دفعہ ریل میں ایک سورۃ میرے دماغ میں آئی جس کے بعض حصے لوگوں سے اب تک حل نہیں ہو سکے تھے اور باوجود بیماری کے اس سورۃ کی شرح اور بسط مَیں نے کرنی شروع کی اور وہ تفسیر عمدگی کے ساتھ حل ہونی شروع ہوگئی۔ تب میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے خدا! ابھی دُنیا تک تیرا قرآن صحیح طور پر نہیں پہنچا اور قرآن کے بغیر نہ اسلام ہے نہ مسلمانوں کی زندگی تُو مجھے پھر سے توفیق بخش کہ میں قرآن کے بقیہ حصہ کی تفسیر کر دوں اور دُنیا پھر ایک لمبے عرصے کے لئے قرآن شریف سے واقف ہو جائے اور اس پر عامل ہو جائے اور اس کی عاشق ہو جائے۔ بہرحال آج میری طبیعت پچھلے چند دن سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے کچھ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ سفر کی پریشانیاں جو پیدا ہو رہی تھیں وہ دور ہو رہی ہیں پچھلے دِنوں اختر صاحب اور مشتاق احمد صاحب باجوہ جو کام کے لئے جاتے رہے تو اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتے تھے کہ فوراً رپورٹ نہ پہنچی تو مجھے صدمہ ہوگا۔ دو چار دن کے تجربہ کے بعد میں نے خود اس بات کو محسوس کر لیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ جب وہ باہر جایا کریں تو ایک زائد آدمی لے کر جایا کریں اور اسے اس وقت کی رپورٹ دے کر میرے پاس بھجوا دیا کریں تاکہ مجھے پتہ لگتا رہے۔ جب سے اس پر عمل ہوا میری گھبراہٹ اور پریشانی دور ہونی شروع ہوگئی اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے طبیعت میں سکون ہے۔ خدا نے یہ بھی فضل کیا ہے کہ جہاز کے ٹکٹوں کے ملنے کے غیر معمولی سامان ہو گئے اور ایکسچینج کے ملنے کے سامان بھی پیدا ہو گئے۔ اس موقع پر اسلامی ملک کے بعض نمائندوں نے غیر معمولی شرافت کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ان کے ملکوں کو عزت اور

ترقی بخشے۔ اس واقعہ سے طبیعت میں اور بھی زیادہ سکون پیدا ہوا اور پریشانی دور ہوئی۔

خدا کرے کہ مسلمانوں میں پھر سے اتحاد پیدا ہو جائے اور پھر سے وہ گزشتہ عروج کو حاصل کرنے لگ جائیں اور اسلام کے نام میں وہی رُعب پیدا ہو جائے جو آج سے ہزار بارہ سو سال پہلے تھا۔ میں اس دن کے دیکھنے کا متمنی ہوں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں۔ جب سعودی، عراقی، شامی اور لبنانی، ترک، مصری اور یمنی سو رہے ہوتے ہیں میں ان کے لئے دعا کر رہا ہوتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ دعائیں قبول ہوں گی۔ خدا تعالیٰ ان کو پھر ضائع شدہ عروج بخشے گا اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم ہمارے لئے فخر و مباہات کا موجب بن جائے گی۔ خدا کرے جلد ایسا ہو۔

میں شوریٰ میں آنے والے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سنجیدگی سے بجٹ اور دوسری باتوں پر غور کریں۔ اس سال دس بارہ دن لگا کر میں نے خود بجٹ کو حل کیا ہے اِس لئے بجٹ میں دوستوں کو زیادہ تبدیلی نہیں کرنی چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ میری بیماری کا موجب وہ محنت بھی تھی جو تحریک اور انجمن کے بجٹوں کو ٹھیک کرنے کے لئے مجھے کرنی پڑی۔ میں تو بیمار ہو گیا مگر میری محنت کئی سال تک آمد و خرچ کے توازن کو ٹھیک کر دے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور آپ کو ان فرائض کے پورا کرنے کی توفیق دے۔ جن کا آپ وعدہ کر چکے ہیں اور جن کے بغیر جماعت کی قریب کی ترقی ناممکن ہے۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

۱۹۵۵/۴/۶ء''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء

(منعقدہ ۲۹ تا ۳۱ / مارچ ۱۹۵۶ء)

پہلا دن

دُعا جماعت احمدیہ کی سینتیسویں مجلس مشاورت ۲۹ تا ۳۱ مارچ ۱۹۵۶ء کو ہال لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ میں منعقد ہوئی۔ ۲۹ مارچ کو بعد دوپہر حضور نے اِس کا افتتاح فرمایا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد احباب کو دعاؤں کی تلقین کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''شوریٰ کی کارروائی شروع کرنے سے پہلے میں مختصر طور پر دُعا کروں گا۔ دُعائیں جتنی بھی لمبی ہوں اُتنی ہی اچھی ہوتی ہیں لیکن بیماری کی وجہ سے مجھے دعائیں مختصر کرنی پڑتی ہیں۔ جب شروع شروع میں خلافت کا کام میرے سپرد ہوُا تو میں لمبی لمبی دُعائیں کیا کرتا تھا۔ اُس وقت جوانی کا عالَم تھا اور میرے بدن میں طاقت اور قوت تھی لیکن اب بڑھاپا اور بیماری ہے اِس وجہ سے بھی لمبی دُعائیں کرنا مشکل ہے۔ خصوصاً اِس بیماری کے بعد تو میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ اگر کسی امر کے متعلق دُعا کرنے کا کچھ خیال آتا ہے تو اُس کے آخر تک پہنچ کر میں اُس کا ابتدائی حصہ بُھول جاتا ہوں اور بیماری کی وجہ سے میرا دماغ بوجھ محسوس کرنے لگتا ہے اس لئے میں اِس وقت مختصر طور پر ہی دُعا کروں گا۔ آپ لوگوں نے بہت دفعہ میری تقریریں سُنی ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ میں جماعت کو کِن امور کے لئے دُعا کرنے کی تحریک کیا کرتا ہوں اس لئے میرا تھوڑا کہنا بھی بہت ہو سکتا ہے۔

کِن امور کے لئے دعا کرنی چاہئے سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرنی چاہئے کہ ہمیں اور ہماری

اولادوں کو ہمیشہ ہمیش کے لئے اسلام کا کام جاری رکھنے کی توفیق دے۔ ہم لوگ غریب ہیں۔ اگر صرف روپوں سے کام ہوتا تو اسلام کی خدمت کا جو موقع ہمیں ملا ہے کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا لیکن اگر ہماری اولادوں میں ایمان کا سلسلہ قائم رہے تو تھوڑے روپیہ سے بھی قیامت تک کام ہوتا چلا جائے گا کیونکہ روپیہ کی مقدار کو دوام حاصل نہیں ہوتا بلکہ اخلاص اور ایمان کا جوش دوام اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفاء اور صحابہؓ کو جو کچھ ملا وہ اُنہوں نے اسلام کی خدمت میں لگا دیا لیکن اس کے بعد اسلام لاوارث ہو گیا۔ روپیہ تو مسلمانوں کے پاس بہت آیا لیکن ان میں اخلاص اور ایمان کا سلسلہ باقی نہ رہا۔ اب اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا ہے۔ آپ ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ آپ کی آواز پر چند لوگ آپ کے ساتھ مل گئے اور اس چھوٹی سی جماعت نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ آپ کے پاس کوئی خزانہ نہیں تھا اور پھر ظاہری لحاظ سے بھی آپ کو کوئی شُہرت حاصل نہیں تھی۔ قادیان بھی کوئی مشہور مقام نہیں تھا بلکہ ایک معمولی اور گمنام سی بستی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں اپنے دین کی محبت کی چنگاری سُلگا دی تھی اس لئے جو کام آپ سے پہلے بڑی بڑی اسلامی حکومتیں بھی نہ کر سکیں وہ ایک گمنام اور معمولی گاؤں کا رہنے والا کر گیا۔ اس نے اسلام کی جو بے مثال خدمت کی ہے اس کا شدید سے شدید دشمنوں کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔

مِصر کا ایک مشہور اخبار ''الفتح'' ہے وہ احمدیت کی ہمیشہ مخالفت کرتا ہے۔ ایک دفعہ اس میں کسی نے مضمون لکھا کہ احمدیوں کو ہم بے شک کافر کہتے ہیں لیکن میں نے سارے افریقہ میں پھر کر دیکھا ہے، اسلام کی خدمت کی جو توفیق ۱۳۰۰ سال میں بڑی بڑی اسلامی حکومتوں کو نہیں ملی وہ اِس چھوٹی سی جماعت کو ملی ہے۔ اِس جماعت نے جو کام کیا ہے وہ اب تک کوئی دوسری مسلمان قوم نہیں کر سکی۔

تو دیکھو روپیہ کوئی چیز نہیں صرف ایمان ہے جو کام کرتا ہے۔ ہمیں دُعا کرنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ یہ ایمان ہم میں اور ہماری آئندہ نسلوں میں قائم رکھے۔ انسان جب تک مر نہ جائے اُس کے متعلق یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ آخر تک ایمان پر قائم رہے گا۔ پس

دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ نہ صرف ہمیں ایمان پر قائم رکھے بلکہ اُسے روز بروز زیادہ کرتا چلا جائے اور نہ صرف ہمیں گزشتہ پاک لوگوں کا وارث بنائے بلکہ قیامت تک اپنی برکات ہم پر نازل کرتا چلا جائے اور ہماری اولاد نہ صرف اُس جوش کی وارث ہو جو ہمارے دلوں میں خدمت دین کے لئے پایا جاتا ہے بلکہ اس کا جوش ہم سے بڑھ کر ہو اور وہ جوش قیامت تک قائم رہے تا اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں رہے اور وہ کبھی سرنگوں نہ ہو۔ وہ اپنی متواتر جدوجہد سے ساری دُنیا کو اسلام کے جھنڈے تلے لے آئیں اور اِس دُنیا میں ایک ہی خدا اور ایک ہی دین ہو۔

پھر اِس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم دُعائیں کریں جہاں اللہ تعالیٰ ہمیں روپیہ دے وہاں ہمیں اس کے صحیح استعمال کی بھی توفیق عطا فرمائے کیونکہ روپیہ کا غلط استعمال کیا جائے تو وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ اُن کا ایک دوست بہت امیر تھا۔ جب وہ مرا تو اُس نے لاکھوں روپیہ اپنے پیچھے چھوڑا اور وہ روپیہ اُس کے لڑکے کو ملا۔ خود تو اُس نے بڑی تنگی میں گزارا کیا تھا لیکن اپنے بیٹے کے لئے اُس نے کافی سرمایہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ ایک دن کسی شخص نے آپ سے آکر کہا کہ آپ اپنے دوست کے بیٹے کو سمجھائیں وہ قیمتی تھان کپڑے کے خریدتا ہے اور اُنہیں سارا دن پھاڑتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ بات سُن کر بڑا تعجب ہوا کیونکہ میرے نزدیک یہ پاگلانہ حرکت تھی۔ تاہم میں نے اُسے اپنے پاس بلایا اور کہا میاں! تمہارے متعلق یہ شکایت آئی ہے کہ تم اپنی دولت کو ضائع کر رہے ہو۔ تم قیمتی تھان کپڑے کے خریدتے ہو اور پھر انہیں بیٹھے پھاڑتے رہتے ہو، اس کا کیا فائدہ۔ وہ کہنے لگا مولوی صاحب! نیا کپڑا پھاڑنے کے نتیجہ میں جو چِر کی آواز آتی ہے وہ مجھے بڑی اچھی لگتی ہے اِس لئے میں سارا دن یہی کام کرتا رہتا ہوں۔

اب دیکھو اگرچہ اس کے پاس روپیہ بہت تھا لیکن اس نے اُسے ناواجب طور پر ضائع کر دیا۔ اسلامی بادشاہوں کے پاس بھی بہت روپیہ رہا لیکن اُنہوں نے بھی اسے اِسی طرح ضائع کر دیا۔ اب بھی جب مَیں دمشق گیا تو میں نے سُنا کہ ایک اسلامی حکومت کا شہزادہ وہاں آیا اس نے مصر سے دوسو ناچنے والی عورتیں منگوائیں۔ ان میں سے ہر عورت کی

ایک ایک ہزار روپیہ فی رات اُجرت تھی۔ گویا اُس نے دو لاکھ روپیہ صرف ایک رات میں کنچنیوں کو دیدیا۔ اس مُلک کے والی کو پتہ لگا تو اُس نے شہزادہ کو ہدایت کی کہ ان ناچنے والیوں کو فوراً واپس کرو لیکن جو روپیہ وہ لے چکی تھیں وہ تو لے چکی تھیں وہ واپس نہیں آ سکتا تھا۔ اس طرح سے اُس نے چند دنوں میں ۲۰ لاکھ کے قریب روپیہ ان عورتوں پر خرچ کیا۔ اشاعتِ اسلام پر خرچ کیا جاتا تو اس سے کتنا فائدہ اُٹھایا جا سکتا تھا۔ تحریک جدید کا بجٹ پانچ چھ لاکھ روپیہ سالانہ ہوتا ہے اور پانچ چھ لاکھ روپیہ سے ہم ایسا اچھا کام کرتے ہیں کہ دُنیا حیران ہوتی ہے۔ اگر یہ بیس لاکھ روپیہ ہمارے پاس ہوتا تو دُنیا کے چپہ چپہ پر تبلیغ ہو سکتی تھی لیکن اس شہزادہ نے وہ روپیہ کنچنیوں کو دیدیا۔ پس روپیہ مسلمانوں کے پاس ہے لیکن اُنہیں خدمتِ دین کی توفیق نہیں ملی۔ ہمارے پاس روپیہ نہیں لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ دُنیا کی خدمت کریں اور ہم ''نہیں'' سے وہ کام کر رہے ہیں جو دوسرے لوگ ''ہے'' سے بھی نہیں کر رہے۔

پس دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیانت سے کام کرنے کی توفیق دے۔ دشمن تو اب بھی اِس بات کا قائل ہے کہ ہم نہایت دیانتداری سے کام کر رہے ہیں لیکن قوموں میں بعض افراد بد دیانت ہوتے ہی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کتنے پاکیزہ اور دیانتدار لوگ تھے لیکن اُن کی نسلوں میں بھی چور، ڈاکو، اور خائن پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں نہایت متقی اور ایمان والے لوگ تھے۔ وہ دوسروں کے روپیہ کی حفاظت کرنے والے تھے لیکن اب ان کی اولاد راہ زن ہے اور دوسروں کے مالوں کو ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے آتی ہے۔ پس مجھے ڈر ہے کہ ہماری اولادوں میں سے بھی کہیں چور، ڈاکو اور خائن لوگ پیدا نہ ہو جائیں جو سلسلہ کے روپیہ کی حفاظت نہ کر سکیں۔

پس دُعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس بات کی توفیق دے کہ ہم جماعت کا بجٹ اس طرح بنائیں کہ اس کا ایک ایک پیسہ صحیح طور پر خرچ ہو اور اس کے نتیجہ میں اسلام مضبوط ہو پھر اس کام کی ہماری آئندہ نسلوں کو بھی توفیق ملے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے ان کا یہ کریکٹر قائم رہے کہ دین کا جو روپیہ ان کے پاس آئے وہ بینک کے سیف سے بھی زیادہ محفوظ رہے۔ وہ اس کا استعمال پوری عقل سے کریں اور اس میں سے ایک پیسہ بھی ضائع نہ ہونے دیں۔

بے شک انسان سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں مگر ہمیں دُعائیں کرنی چاہئیں کہ خدا تعالیٰ ہمیں غلطیوں سے بچائے اور بد دیانتی سے محفوظ رکھے کیونکہ غلطی سے بھی روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔

پس دُعائیں کرو کہ جہاں اللہ تعالیٰ ہمیں غلطیوں اور بد دیانتی سے بچائے وہاں وہ ہماری اولاد کو بھی ہمیشہ کے لئے دیانت سے روپیہ خرچ کرنے کی توفیق دے اور ایسا کوئی وقت نہ آئے کہ ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں روپیہ خرچ کرنے میں بُخل محسوس کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''الوصیت'' میں فرمایا ہے کہ

''مجھے اِس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال جمع کیونکر ہوں گے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے۔ بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں، وہ کثرت مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھاویں اور دُنیا سے پیار نہ کریں'' [1]

بہرحال شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے ممکن ہے وہ ہم میں سے کسی کے دل میں شرارت کا خیال پیدا کرے۔ اس کو شرارت کرنے کے کئی ڈھنگ آتے ہیں۔ بعض دفعہ اس کی تحریک بظاہر نیک ہوتی ہے لیکن حقیقتاً وہ بُری ہوتی ہے۔ جب جماعت نے خلافت جوبلی منانے کا فیصلہ کیا اور اس نے میرے لئے نذرانہ کے طور پر ایک رقم اکٹھی کی تو جلسہ سالانہ کے موقع پر میر محمد اسحاق صاحب نے جماعت کی طرف سے مجھے دو لاکھ ستّر ہزار روپیہ کا چیک پیش کیا اور کہا کہ مصلح موعود کی پیشگوئی میں چونکہ یہ بھی ذکر آتا ہے کہ وہ صاحبِ دولت ہوگا اس لئے اس روپیہ سے حضور کے صاحبِ دولت ہونے کی ایک صورت پیدا ہوگی لیکن میں نے اُس روپیہ کو بھی اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے جماعت پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا میں اس شرط پر اس روپیہ کو قبول کرتا ہوں کہ میں اسے اپنی ذات پر نہیں بلکہ جماعت پر خرچ کروں گا۔ چنانچہ اب بھی وہ روپیہ بنک میں موجود ہے اور صدر انجمن احمدیہ اس کا زیادہ تر حصہ اسلام پر خرچ کرتی ہے اور کچھ حصہ وظائف پر خرچ کرتی ہے۔ روپیہ تجارت میں لگا ہؤا ہے تاکہ اس سے مستقل آمد کی صورت پیدا ہوتی رہے۔

بیماری کی وجہ سے چونکہ میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے اس لئے جوبلی فنڈ کے خرچ کی سکیم مجھے پوری طرح یاد نہیں رہی۔ صرف اِتنا یاد ہے کہ وہ روپیہ صدر انجمن احمدیہ کے پاس تھا اور وہی اس کے خرچ کرنے کی ذمہ دار تھی لیکن چونکہ روپیہ میرے نام پر جمع ہے اس لئے وہ مجھ سے چیک پر دستخط کرا لیتے ہیں۔

بہر حال مَیں یہ ذکر کر رہا تھا کہ خلافت جوبلی کے جلسہ پر میر محمد اسحاق صاحب کے ذریعہ جماعت نے دو لاکھ ستّر ہزار روپیہ مجھے دیا اور میں نے کہا کہ میں اس صورت میں یہ روپیہ قبول کروں گا کہ میں اسے جماعت کے سپرد کر دوں اور وہی اِسے خرچ کرے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اپنے طور پر بھی صاحبِ دولت بنایا ہے۔ میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا تھا کہ سندھ میں میرے پیر لگے ہیں۔ اس پر میں نے صدر انجمن احمدیہ اور بعض دوسرے دوستوں کو جن میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بھی شامل تھے، تحریک کی کہ ہم ایک کمیٹی بنالیں اور اس طرح سندھ میں زمینیں خریدیں چنانچہ ہم نے وہاں زمینیں خرید لیں۔ چونکہ اُس وقت جو لوگ زمینوں پر کام کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے، انہیں تجربہ نہیں تھا اِس لئے لوگوں کو خسارہ ہونا شروع ہؤا اور حصہ داروں نے تنگ آ کر اپنے حصے بیچنے شروع کر دیئے۔ ایک دن ایک حصہ دار میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپ ہی زمین لے لیں، میں اس سے تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ اس زمین میں برکت ہوگی اِس لئے میں نے وہ زمین لے لی۔ پھر دوسرا حصہ دار آیا، پھر تیسرا آیا، پھر چوتھا آیا اور اُنہوں نے اپنی زمینیں میرے سپرد کر دیں اور کہا کہ ہم نفع نہیں مانگتے جتنی رقم ہم نے خرچ کی ہے وہ ہمیں دے دیں اور ساری زمین سنبھال لیں۔ میرے پاس روپیہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی سامان کر دیا۔ ایک دوست ملازمت سے فارغ ہو کر آئے اور اُنہوں نے مجھے کہا کہ ہمارے محکمہ میں پنشن نہیں ملتی، پراویڈنٹ فنڈ ملتا ہے۔ مجھے پراویڈنٹ فنڈ اور گریجوٹی کے طور پر کئی ہزار روپیہ ملا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے اسے استعمال کر لیں۔ میں نے کہا میں تو آہستہ آہستہ روپیہ واپس کر سکوں گا۔ اُنہوں نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ میں نے وہ رقم لے لی اور زمین خرید لی۔ اس کے بعد میں نے زمینوں پر کام کرنے والے عملہ میں تبدیلی شروع کی اور صدر انجمن احمدیہ کو کہا کہ

وہ بھی اپنی زمین انتظام کے لئے میرے قبضہ میں دیدے چنانچہ اُنہوں نے بھی زمین میرے سپرد کر دی اور اِس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ صرف ہمیں خسارہ سے نجات ملی بلکہ وہ زمین نفع دینے لگ گئی۔ رفتہ رفتہ اس آمد کے ذریعہ میں نے اَور زمین بھی خرید لی اور اِسی طرح میں صاحبِ دولت ہو گیا۔

جائیداد کی تقسیم

۱۹۴۳ء میں جب میں بیمار ہؤا تو میں نے اپنی وصیت لکھ کر محفوظ کر لی۔ میں نے اُس میں لکھا کہ میری وفات پر میری جس قدر جائیداد ہو اس کا $\frac{1}{5}$ حصہ صدر انجمن احمدیہ کو دیدیا جائے۔ اس میں سے $\frac{1}{10}$ حصہ تو صدر انجمن احمدیہ خود خرچ کرے اور $\frac{1}{10}$ حصہ غریبوں پر خرچ کرے۔ جب مجھ پر موجودہ بیماری کا حملہ ہؤا تو مجھے کسی نے کہا کہ آپ اپنی جائیداد اپنی اولاد میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ میں نے اُسے تقسیم کر دیا۔ ایک دن اچانک مجھے خیال آیا کہ میں نے تو اپنی جائیداد کا $\frac{1}{5}$ حصہ وقف کرنے کی وصیت کی تھی مگر میں نے تو ساری جائیداد اپنی اولاد میں تقسیم کر دی ہے۔ اس پر میری راتوں کی نیند اُڑ گئی۔ میں نے اِس کا ذکر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے بھی کیا اور ملک سیف الرحمٰن صاحب سے بھی ذکر کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ کی اِس وصیت کا اطلاق صرف اس جائیداد پر ہوتا ہے جو آپ کی وفات کے بعد بچے۔ اپنی زندگی میں آپ اپنی جائیداد کو اپنی مرضی سے تقسیم کر سکتے ہیں۔ بعض دوسرے فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اِس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ وہ اپنی جائیداد جس کو چاہے دے، وصیت کا اثر صرف اس جائیداد پر ہوتا ہے جو اس کی وفات کے بعد بچے۔ لیکن پھر بھی میں نے کچھ جائیداد جو تقسیم سے بچ گئی تھی صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دی اور اُن سے یہ شرط کی کہ وہ اس کا $\frac{1}{2}$ حصہ خود خرچ کرے اور $\frac{1}{2}$ حصہ غرباء پر خرچ کیا جائے۔ اس کے علاوہ میں نے اور کوئی شرط نہیں کی۔ پس یہ سندھ کی زمینیں ہی تھیں جنہوں نے مجھے صاحبِ دولت بنایا اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئی پوری ہوگئی۔

اِسی طرح پچھلے دنوں جب تھل میں زمین سستے داموں مل رہی تھی۔ میں نے ۶۵۰۔ ایکڑ زمین خرید لی۔ اس میں سے کچھ حصہ تو گورنمنٹ نے ضبط کر لیا ہے اور کچھ حصہ مجھے مل جانے کی اُمید ہے۔ یہ ساری زمین مَیں نے صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دی ہے۔

۳۶ ۔ ایکٹر زمین اِس وقت تک با قاعدہ طور پر صدر انجمن احمدیہ کے نام لگ چکی ہے اور ڈیڑھ سَو ایکڑ کے قریب اور زمین ملنے کی اُمید ہے۔ جب ملی یہ بھی صدر انجمن احمدیہ کے نام کرا دی جائے گی۔ اس زمین کے علاوہ سابق سندھ کی زمین میں سے بھی ۸۰ ۔ ایکڑ زمین صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کی جا چکی ہے اور یہ کُل ۲۶۶ ۔ ایکٹر بن جاتی ہے۔

میں نے بتایا ہے کہ سندھ میں صدر انجمن احمدیہ نے زمینوں کا انتظام کیا تو اُسے نقصان شروع ہؤا لیکن جب مجھے اپنی زمین سے نفع ہونا شروع ہؤا تو میں نے صدر انجمن احمدیہ کو بھی کہا کہ وہ بھی اپنی زمین میرے سپرد کر دے، میں اُس کی طرف سے انتظام کروں گا۔ چنانچہ اس زمین نے ۶۰ ۔ ۷۰ ہزار روپیہ سالانہ دینا شروع کیا اور نہ صرف یہ کہ اس کی قیمت جو پہلے قرض لے کر ادا کی گئی تھی وہ اُتر گئی بلکہ بعد میں اِس زمین سے آمد کی بھی صورت پیدا ہوگئی۔ اب یہ سال سندھ والوں کے لئے بڑی تکلیف کا سال ہے۔ وہاں گزشتہ سال اتنی بارش ہوئی تھی کہ فصل کا ایک تنکا بھی نہیں بچا لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ اس سال بھی اِن زمینوں سے ۳۰ ۔ ۳۵ ہزار روپیہ کا نفع ہؤا ہے۔ ویسے جب تک زمین میرے انتظام میں رہی، میں ۵ ۔ ۶ ۔ ۷ ہزار روپیہ سالانہ دیتا رہا ہوں۔

غرض اللہ تعالیٰ جہاں چاہے برکت دے دیتا ہے۔ ہالینڈ میں تین تین ہزار روپیہ فی ایکٹر آمد ہوتی ہے۔ اگر ہماری زمینوں سے بھی اِتنی آمد ہونے لگے تو صدر انجمن احمدیہ کے پاس چونکہ تین ہزار ایکٹر زمین ہے۔ اس لئے ہمیں نوّے لاکھ روپیہ سالانہ آ سکتا ہے بلکہ اگر اِس سے نصف آمد بھی ہونے لگے تو ۴۵ لاکھ کی آمد ہو سکتی ہے۔ اگر چوتھا حصہ بھی آمد ہو تو بائیس لاکھ پچاس ہزار روپیہ کی آمد ہو سکتی ہے مگر افسوس ہے کہ ہمیں ابھی تک صحیح طور پر کام کرنے والے نہیں ملے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تحریر فرمایا تھا کہ مجھے اس بات کا فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا بلکہ فکر ہے تو اس بات کا کہ روپیہ خرچ کرنے والے دیانتدار آدمی کہاں سے ملیں گے۔ اِس لئے دُعائیں کرو کہ کارکنوں کو اللہ تعالیٰ اپنے لئے بھی اور دین کے لئے بھی اچھے سے اچھا کام کرنے کی توفیق دے اور وہ اس طرح محنت کریں کہ تھوڑی جائیداد سے لاکھوں کی رقم پیدا کریں۔ یورپ میں چھوٹی چھوٹی جائیدادیں بڑی بڑی آمد پیدا کرتی ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہماری جائیداد سے اتنی آمد

پیدا نہ ہو۔

پس دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح رنگ میں سوچنے اور کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر وہ قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کو بھی صحیح رنگ میں کام کرنے اور دیانتداری سے روپیہ خرچ کرنے کی توفیق دیتا چلا جائے۔ تا ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سُرخرو ہو سکیں''

اس کے بعد حضور نے احباب سمیت ہاتھ اُٹھا کر لمبی دُعا کروائی۔

افتتاحی تقریر

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

''اب شوریٰ کا ایجنڈا پیش ہوگا۔ میں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید دونوں کے بجٹ ۲۵۔ ۲۵ لاکھ روپیہ تک پہنچ جائیں۔ جب تک ان دونوں اداروں کے بجٹ ۲۵' ۲۵ لاکھ تک نہیں پہنچ جاتے اُس وقت تک نہ تو پاکستان میں صحیح طور پر کام ہوسکتا ہے اور نہ ہی بیرونی ممالک میں صحیح طور پر کام کیا جاسکتا ہے اور اگر کوشش کی جائے تو یہ کوئی مشکل امر نہیں۔

میں نے بتایا تھا کہ اگر باہر کے ممالک کے زمیندار زیادہ آمد پیدا کرتے ہیں تو کیوں ہمارے زمیندار بھی اپنے بچوں کے لئے نہیں، اپنی آسائش اور سہولت کے لئے نہیں بلکہ خداتعالیٰ کی خاطر زیادہ آمد پیدا نہ کریں۔ اِس وقت ہماری جماعت کے پاس کم سے کم ایک لاکھ ایکڑ زمین ہے۔ اگر ہماری زمین کی سالانہ آمد فی ایکڑ سات سو روپیہ تک پہنچ جائے جو ہالینڈ کی آمد کا چوتھا حصہ اور اٹلی کی آمد سے نصف سے بھی کم ہے تو جماعت کی کُل آمد سات کروڑ روپیہ بن جاتی ہے۔ اس سات کروڑ میں سے ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے بھی احمدی زمیندار چندہ دیں تو ۴۴ لاکھ کے قریب روپیہ آ جاتا ہے اور اگر سلسلہ کی زمینوں کی آمد کو اس میں شامل کرلیا جائے تو یہ رقم بڑی آسانی سے پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اب تم اندازہ لگا لو کہ اگر ہماری جماعت کا سالانہ بجٹ پچاس لاکھ روپیہ تک پہنچ جائے تو ہمارے پھیلنے کی رفتار کتنی تیز ہو جائے گی۔

احمدیت کی ترقی کی رَو

اس وقت باہر سے جو خبریں آ رہی ہیں وہ خداتعالیٰ کے فضل سے بڑی خوش کُن اور حوصلہ افزا ہیں چنانچہ جب بھی ڈاک

میرے پاس آئی ہے، وہ کوئی نہ کوئی خوشخبری اپنے ساتھ لائی ہے۔ ملایا سے خبر آئی ہے کہ وہاں ایک بڑے افسر نے احمدیت قبول کرلی ہے مگر ساتھ ہی اُس نے کہا ہے کہ میری بیعت کو فی الحال مخفی رکھا جائے کیونکہ مجھے اُمید ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مَیں ملک میں کوئی اہم پوزیشن حاصل کرلوں گا۔ اس طرح جرمنی میں ہمبرگ یونیورسٹی کے ایک مشہور پروفیسر ہیں جو مشرقی زبانوں کے ماہر ہیں۔ یونیورسٹی نے انہیں اسلام پر ایک کتاب لکھنے کے لئے بھی مقرر کیا ہے اُنہوں نے ایک جرمن رسالہ میں ایک اہم مضمون لکھا تھا جس پر امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے پریذیڈنٹ نے انہیں مبارکباد دی اور لکھا کہ میں نے اب تک جرمن کے کسی رسالہ میں اتنا قیمتی مضمون نہیں پڑھا۔ وہ پروفیسر جرمنی میں میری آمد کی خبر سُن کر مجھے ملنے کے لئے آ گیا اور کہنے لگا میں نے آپ سے بعض مخفی باتیں کرنی ہیں آپ اپنے سیکرٹری اور دوسرے ساتھیوں کو ذرا کمرہ سے باہر بھیج دیں۔ چنانچہ میں نے اپنے سیکرٹری اور دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ وہ کچھ دیر کے لئے کمرہ سے باہر چلے جائیں۔ جب وہ کمرہ سے باہر چلے گئے تو اُس نے کہا میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اسے فی الحال مخفی رکھا جائے۔ میں نے کہا بہت اچھا، بیعت کے مخفی رکھنے میں کوئی حرج نہیں چنانچہ اُس نے بیعت کرلی۔ جب نماز کا وقت آیا تو میں اُس کمرہ میں گیا جو نماز کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ وہ پروفیسر بھی مقتدیوں میں بیٹھا ہؤا ہے۔ میں نے اپنے مبلّغ کو پاس بلایا اور اس سے کہا کہ اِس سے پوچھو کہ تم نے تو اپنی بیعت کو مخفی رکھنے کے لئے کہا تھا اور اب خود ہی نماز میں شامل ہو گئے ہو، اب تمہاری بیعت مخفی کس طرح رہ سکتی ہے؟ مبلّغ نے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا کہ بے شک میں نے اپنی بیعت مخفی رکھنے کی درخواست کی تھی لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ شاید خدا تعالیٰ انہیں میری خاطر ہی جرمنی میں لایا ہے۔ پھر نہ معلوم یہ موقع نصیب ہو یا نہ ہو۔ اِس لئے میں نے کہا کہ آپ کی اقتداء میں چند نمازیں تو پڑھ لوں۔ اب خط آیا ہے کہ وہ دو تین ماہ کے لئے ربوہ آکر دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اِسی طرح انگلینڈ سے بھی خوش کُن خبریں آ رہی ہیں۔ وہاں ہمارا مشن دیر سے قائم ہے لیکن اب وہاں کی یونیورسٹیاں بھی ہمارے مبلّغ کو اپنے ہاں بُلاتی اور اسلام پر لیکچر کراتی ہیں۔

وہاں کے مبلّغ نے اطلاع دی ہے کہ اب وہ لیکچر کے لئے گلاسگو جا رہے ہیں۔ اس طرح اُنہوں نے لکھا ہے کہ میں ایک اَور یونیورسٹی میں لیکچر دینے گیا۔ اس یونیورسٹی میں ہماری بہت مخالفت کی جاتی تھی لیکن جب میں وہاں گیا تو ہال بھرا ہؤا تھا۔ بعض لوگوں نے مجھے بتایا کہ جب لیکچر کا اعلان ہؤا تو یہودیوں نے بڑی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ اس لیکچر میں کوئی نہ جائے۔ ہم نے کہا کہ اگر یہودی اس لیکچر کی مخالفت کرتے ہیں تو ہم ضرور جائیں گے۔ اب اطلاع آئی ہے کہ کسی اَور یونیورسٹی نے بھی انہیں اپنے ہاں لیکچر کے لئے بلایا ہے۔

غرض وہاں بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے اب ایک رَو پیدا ہوگئی ہے اور اچھے اچھے خاندانوں میں احمدیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ احمدیت کے غلبہ کا وقت جب آئے گا، آئے گا لیکن اِس وقت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ دیکھ لو یہاں الیکشن میں کوئی احمدی کھڑا ہوتا ہے تو وہ ہار جاتا ہے۔ پچھلے الیکشن میں احرار نے اعلان کیا تھا کہ ہماری مخالفت کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ انتخاب میں ایک بھی احمدی کامیاب نہیں ہو سکا لیکن چند دن ہوئے، میرے پاس ایک ایم۔ ایل۔ اے۔ آئے۔ میں نے اُن کے نام کے آگے ایم۔ ایل۔ اے۔ کا لفظ دیکھ کر دریافت کیا کہ اِس کا کیا مطلب ہے؟ تو اُنہوں نے بتایا میں اسمبلی کا ممبر ہوں۔ میں نے کہا الیکشن تو شورش میں ہوئے تھے، پھر آپ کیسے ایم۔ ایل۔ اے۔ بن گئے۔ کیا آپ کے علاقہ میں مولوی نہیں گئے تھے؟ اُنہوں نے بتایا کہ ہمارے علاقے میں بھی مولوی گئے تھے اور انہوں نے میرے خلاف پروپیگنڈا بھی کیا تھا لیکن میری قوم کے لوگ کھڑے ہوگئے اور اُنہوں نے کہا کہ یہ شخص کافر ہے تو کافر ہی سہی ہماری قوم کا فرد تو ہے ہم بہرحال اسے ووٹ دیں گے۔

سیلون سے بھی خط آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ایسے طبقہ سے بھی بعض لوگ احمدیت قبول کر رہے ہیں جن کے متعلق اُمید ہے کہ وہ اپنے مُلک کی اسمبلی کے الیکشن میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مغربی افریقہ میں بھی ہمارے چار دوست وہاں کی اسمبلی کے ممبر ہیں۔

بہرحال اگر پاکستان میں ہماری جماعت کے دوستوں کے لئے مشکلات ہیں اور وہ اسمبلی کے انتخابات میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو باہر کے ممالک میں ہمارے غلبہ کے آثار

ظاہر ہو رہے ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ تم اپنے کام کو دیانت داری سے کرو اور اپنی زمینوں کی پیداوار بڑھانے کی کوشش کرو۔ وہ دن قریب آ رہے ہیں جب خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے لئے کامیابی کے راستے کھول دے گا۔

ہماری جماعت سیاسی جماعت نہیں لیکن چند دنوں سے جماعت کے بعض دوستوں کو متواتر خوابیں آ رہی ہیں کہ ہم قادیان گئے ہیں۔ چنانچہ ۳۰۔۳۱ جنوری ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب کو مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو خواب آئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اگلے سال جون یا جولائی کے مہینہ میں قادیان جائیں گے۔ پھر میرا بھانجا عباس احمد قادیان گیا تو وہاں ایک سکھ نے اُس سے کہا کہ آپ فکر نہ کریں، آپ بہت جلد قادیان آنے والے ہیں۔ اُنہوں نے دریافت کیا کہ تمہیں اِس کا کیسے علم ہؤا؟ اُس نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ کنکیں پکنے والی ہیں۔ (یعنی گندم پکنے کے دن قریب ہیں) اور لوگ کہتے ہیں کہ مرزائی واپس آنے والے ہیں۔ پھر یہاں کی ایک عورت نے خواب دیکھا کہ گندم پک رہی ہے اور ہم قادیان جا رہے ہیں۔ وسیم احمد کا بھی اِس کے متعلق قادیان سے ایک خط آیا ہے۔ اُس کا پاسپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا نے واپس لے لیا تھا۔ اُنہی دنوں میں نے خواب میں دیکھا کہ وسیم احمد مجھ سے دُور دُور جا رہا ہے۔ اُس کے ساتھ ایک اور نوجوان ہے جس نے فوج یا پولیس کی طرح پگڑی باندھی ہوئی ہے۔ وسیم احمد نے جب دیکھا کہ میں اس بات پر حیران ہوں کہ وہ کیوں مجھ سے دور جا رہا ہے تو اُس نے کہا کہ لیلا رام مجھے لے جا رہا ہے۔ باقی عِندَ الطَّلَب۔

اِس خواب سے میں نے سمجھا کہ دعاؤں اور ادھر کی کوششوں کے نتیجہ میں اس کا پاسپورٹ بنے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور اُسے پاسپورٹ مل گیا۔ بہر حال اُس نے خط میں ایک ہندو سادھو کے متعلق جو امرتسر کا رہنے والا ہے لکھا کہ وہ برما میں آٹھ دس سال تک مالی کا کام کرتا رہا ہے۔ اُس نے بتایا کہ میں مالی کا کام اس لئے کرتا تھا کہ مجھے الہاماً بتایا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ سے کام کیا کرو۔ پھر اُس نے بتایا کہ مجھے الہام ہؤا کہ قادیان جاؤ، وہاں تمہیں روحانیت ملے گی۔ وسیم احمد نے لکھا ہے کہ وہ بہت دیر یہاں رہا اور دُعائیں کرتا رہا۔ ایک دفعہ اُس نے اِس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ میں بیت الدعا میں بیٹھ کر دعا کرنا

چاہتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے وہاں جا کر بھی دُعا کی۔ پھر اُس نے کہا میں تمہیں وہ کچھ بتاتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے مجھے کہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ وہ جلد تمہیں ادھر لانے کے سامان پیدا کرے گا۔

بہرحال دوستوں کو متواتر ایسی خوابیں آ رہی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ قادیان میں ہماری واپسی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کرنے والا ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ جب بھی مَیں ربوہ کا نام لینا چاہتا ہوں، اس کی بجائے قادیان کا نام منہ سے نکلتا ہے۔ مثلاً میں نے اگر کہنا ہو کہ ربوہ کب جانا ہے؟ تو یہ کہہ دیتا ہوں کہ قادیان کب جانا ہے۔ پھر میں نے خود بھی رؤیا میں دیکھا کہ میں قادیان گیا ہوں۔ دفتر کے نیچے سے اُمِّ ناصر کے گھر کو جو رستہ جاتا ہے وہاں بیٹھا ہوں۔ چھتری میں مَیں نے ہار ڈالے ہوئے ہیں۔ میں نے چابیوں کا ایک گُچھا نکالا اور میں اپنی بیویوں سے کہتا ہوں کہ چابیوں کو زنگ لگ گیا تھا اور مجھے شبہ تھا کہ کہیں تالے کھولتے وقت وہ ٹوٹ نہ جائیں اِس لئے میں نے نئی چابیاں بنوائی ہیں اب ہم تالے کھول کر اندر چلے جائیں گے۔

بہرحال یہ سب خوش خبریاں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی کیا تعبیر ہے اور کس رنگ میں اِن کا ظہور مقدر ہے۔ البتہ ان خوابوں سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کی ترقی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کرنے والا ہے۔ یہ ترقی کس شکل میں ظاہر ہوگی اسے وہ خود ہی جانتا ہے، ہمیں اس کا علم نہیں۔ ہم یہی دُعا کرتے ہیں کہ جو ترقیات بھی ہمارے لئے مقدر ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے صحیح طور پر فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور حقیقی ایمان اور سچا توکّل ہمارے اندر پیدا کرے تاکہ اس کے سوا کسی اَور کی طرف ہماری آنکھ نہ اُٹھے۔ وہی ہمارا ملجا و ماویٰ ہو۔ وہی ہمارا سہارا ہو اور اسی کی مدد سے ہم اُس کے دین اور شریعت کو قائم کرنے والے ہوں۔ ہماری اپنی اغراض مٹ جائیں اور صرف اُسی کی غرض اور اُسی کا مقصد ہمارے سامنے رہے۔“

دوسرا دن

مجلس مشاورت کے دوسرے دن

قرآن مجید کا دیگر زبانوں میں ترجمہ نہایت اہم کام ہے

۳۰ /مارچ ۱۹۵۶ء کو حضور نے احباب جماعت کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:-

''سب سے بڑی چیز جس کی کسی دینی سلسلہ کو ضرورت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اس میں خلافت اور تنظیم ہمیشہ کے لئے قائم رہے، اللہ تعالیٰ سے محبت قائم رہے۔

احمدیت کی طرف ہر قوم کی توجہ

اگر یہ سب باتیں قائم رہیں تو دُنیا کی فتح میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ میں تو بیمار ہوں اور مجھے بعض دفعہ اپنی زندگی کا ایک ایک دن دوبھر معلوم ہوتا ہے لیکن مجھے یہ بات نظر آ رہی ہے اور ہم میں سے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے کہ چند سالوں کے اندر اندر دُنیا میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا ہوگا اور احمدیت ایک نمایاں حیثیت اختیار کر لے گی بلکہ اب بھی احمدیت نے اِتنی اہمیت حاصل کر لی ہے کہ امریکہ کے ایک رسالہ نے جس کی اشاعت دو کروڑ کے قریب ہے ایک زبردست مضمون لکھا ہے کہ مشرقی افریقہ میں احمدیوں نے، اسلام کی اِس طرح تبلیغ کی ہے کہ اس کے مقابلہ میں عیسائیت شکست کھا کر رہ گئی ہے۔ انگلستان کے ایک اور مشہور شخص نے بھی لکھا ہے کہ مشرقی افریقہ میں اب عیسائیت کی اشاعت کے لئے کوئی موقع نہیں رہا اور احمدیوں نے اس کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ یہ احمدیت کی صداقت کا ایک بڑا نشان ہے۔ پھر جنوبی افریقہ میں ہمارے خلاف ایک شخص نے مضمون لکھا ہے جب ہماری جماعت نے پروٹسٹ کیا تو اُس نے معذرت کی اور کہا کہ مجھے لوگوں نے دھوکا دیا تھا آئندہ میں ایسا کوئی مضمون شائع نہیں کروں گا۔

اب دیکھو یہ کتنا عظیم تغیر ہے جو احمدیت کے متعلق لوگوں میں پیدا ہو رہا ہے کہ مخالف اس کی اہمیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پچھلے دو سال کی بات ہے کہ ایک شخص نے ایک کتاب لکھی اور اس میں ہمارے امریکہ کے مشن کے کام کو اُس نے غیر مبائعین کی طرف

منسوب کر دیا۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے جو اُس وقت لنڈن میں امام تھے اُسے توجہ دلائی کہ یہ مشن تو ہماری جماعت کا قائم کردہ ہے۔ اِس پر اُس نے تحریر کیا کہ میں تحقیق کروں گا اور اگر اس تحقیق کے نتیجہ میں اطلاع غلط ثابت ہوئی تو میں اس کی تردید کر دوں گا۔ چنانچہ اُس نے نئے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی ہے اور لکھا ہے کہ میں نے اس مشن کو ایک غلط اطلاع کی بناء پر پہلے لاہور والوں کی طرف منسوب کر دیا تھا اب تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ میری وہ اطلاع غلط تھی، یہ مشن درحقیقت قادیانی جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ غرض پہلے لوگ ہماری باتوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے لیکن اب ایسا تغیر واقع ہوا ہے کہ وہ ہماری باتوں کی پرواہ کرنے لگ گئے ہیں۔

میں پچھلے سال انگلینڈ گیا۔ میں بیمار تھا اس لئے عام لوگوں سے تو ملاقات نہیں کر سکتا تھا لیکن پھر بھی بعض لوگ ملنے آجاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص مجھے ملنے کے لئے آیا وہ ایک ایسے رسالہ کا ایڈیٹر تھا جس کی اشاعت ۸۰ لاکھ کی ہے۔ اُس نے میرے سامنے خود یہ تجویز پیش کی کہ فلسطین میں آپ کی جماعت پر سختی ہوئی ہے آپ اُس کی تفصیل مجھے بتائیں۔ یو این او میں میرے بعض واقف آدمی ہیں، میں اُنہیں کہہ کر وہاں سوال اُٹھوا دوں گا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا لڑکا لنڈن میں رہے گا۔ آپ اُسے کہیں کہ وہ مجھے ملتا رہے، میں اُسے یہاں کی اچھی سوسائٹی سے ملاؤں گا۔

غرض خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا تغیر واقع ہوا ہے کہ لوگوں کی توجہ اور رجحان خود بخود احمدیت کی طرف ہو رہا ہے اور اُنہیں احساس ہو رہا ہے کہ احمدیت ایک دن غالب آئے گی۔ پہلے یہ بات ان کے خواب وخیال میں بھی نہیں آتی تھی لیکن اب یہ خیال ایسی خواب بن گیا ہے جو اُنہیں بار بار آرہی ہے اور اُن کے نفوس محسوس کر رہے ہیں کہ احمدیت کا غلبہ یقینی بات ہے۔ انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے .Coming events cost their shadow before یعنی آنے والے حادثات کا ان کے وقوع سے پہلے پتہ لگ جاتا ہے۔ اب ہر قوم میں احمدیت کی طرف توجہ ہو رہی ہے۔

تراجم قرآن کی اہمیت

ہمارے کارناموں میں سے سب سے زیادہ اہم کارنامہ قرآن کریم کا متعدد زبانوں میں ترجمہ کرنا ہے۔ جماعت کو

اِس کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔ خصوصاً میاں عبدالمنان صاحب عمر کو جو اس کمپنی کے چیئر مین ہیں جس کے زیرِ اہتمام قرآن کریم کا ترجمہ غیر زبانوں میں شائع ہو رہا ہے اُنہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے بزرگ والد کو قرآن سے عشق تھا۔ اگر ان کی روح کو پتہ لگے کہ جس کمپنی کے زیرِ انتظام قرآن کریم کا مختلف زبانوں میں ترجمہ شائع ہو رہا ہے، اُس کا چیئر مین اُن کا لڑکا ہے اور اُس کی نگرانی میں یہ سب کام ہو رہا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اُن کی روح وَجد میں آ جائے گی۔

مجھے یاد ہے آپ مجھے قرآن کریم پڑھاتے پڑھاتے کہتے جاتے تھے میاں! مجھے قرآن کریم سے عشق ہے اور واقع میں اُنہیں قرآن کریم سے عشق تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اِن تراجم کی اشاعت کی سعادت میرے لئے رکھی ہوئی تھی ورنہ جس قدر عشق قرآن کریم سے حضرت خلیفہ اوّل کو تھا اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کوئی بعید امر نہیں تھا کہ تراجم قرآن کریم کا کام انہی کے زمانہ میں شروع ہو جاتا لیکن چونکہ یہ سعادت خدا تعالیٰ نے میرے لئے مقدر رکھی تھی اس لئے اُس زمانہ میں یہ کام شروع نہ ہؤا تا قرآن کریم کے انوار کا ظہور میرے زمانۂ خلافت میں ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام پورا ہو کہ **''نُور آتا ہے نُور''**۔[۲]

اِس الہام کا ایک مفہوم یہ بھی تھا کہ میرے زمانۂ خلافت میں قرآن کریم کی اشاعت ہوگی اور اس کے تراجم مختلف زبانوں میں کئے جائیں گے کیونکہ قرآن کریم کا ایک نام ''نُور'' بھی رکھا گیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اب تک جو کچھ کام ہؤا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوا ہے اور اُسی نے مختلف زبانیں جاننے والے آدمی ہمیں مہیا کئے۔ ورنہ ہمارے پاس مختلف زبانیں جاننے والے لوگ موجود نہیں تھے۔ پچھلی جنگ ختم ہوئی تو مختلف ممالک کے لوگ انگلینڈ آ گئے۔ میں نے مولوی جلال الدین صاحب شمس کو لکھا کہ یہ موقع ہے، مختلف زبانیں جاننے والے انگلستان میں موجود ہیں آپ ان سے قرآن کریم کا ترجمہ کروا لیں۔ چنانچہ ڈچ، جرمن، ہسپانوی، اطالوی، فرانسیسی اور پرتگالی زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کروایا گیا۔ بعد میں ہمارے مبلّغ ان ممالک میں گئے اور اُنہوں نے وہاں کی زبانیں سیکھیں اور اس کے بعد اُنہوں نے ان تراجم کی اصلاح کی۔ ابھی تک ہمیں روسی زبان کا

کوئی ماہر نہیں ملا تھا لیکن اب ایسا ماہر مل گیا ہے جس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارے مبلّغ کے ساتھ مل کر ترجمہ پر نظر ثانی کا کام کر دے گا اور عجیب بات یہ ہے کہ اُس نے بہت کم رقم اُجرت کے طور پر مانگی ہے۔ چنانچہ اُس ماہر نے سارے قرآن کریم کے ترجمہ پر نظر ثانی کے عوض صرف ۱۸۰ پونڈ کی رقم طلب کی ہے۔ ہمارے مبلّغ نے لکھا ہے میں کوشش کروں گا کہ وہ اس مطالبہ میں بھی کسی قدر کمی کر دے مگر میں نے تحریک جدید کو لکھا ہے کہ نظر ثانی کی اُجرت کو بڑھا دیں، کم نہ کریں کیونکہ وہ روسی زبان کا چوٹی کا ماہر ہے اور اس کی قابلیت کے مقابلے میں اُجرت بہت کم ہے۔ اگر روسی زبان میں ترجمہ کا کام ہو جائے تو یہ ایسا اہم کارنامہ ہوگا جو اِس وقت تک اور کسی نے نہیں کیا۔

چوہدری صاحب (چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب) نے بتایا ہے کہ ایک امریکن نے جو روس گیا تھا اُنہیں لکھا کہ میں وہاں کے مسلمانوں سے بھی ملا اور اُنہوں نے مجھے کہا کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو قرآن کریم کا ترجمہ روسی زبان میں کراؤ اور پھر اُسے جلد شائع کرو کیونکہ وہ اگر ہمارے مرنے کے بعد یہاں آیا تو اسلام ختم ہو جائے گا۔ اگر اسلام نے روس میں باقی رہنا ہے تو اُس کی ایک ہی صورت ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ ہماری زندگیوں میں یہاں آ جائے اور ہم اپنی اولادوں کو پڑھا دیں، پھر وہ اپنی اولادوں کو پڑھائیں۔ ورنہ اگر اس میں کوئی وقفہ پڑ گیا اور ہم اپنی اولادوں کو قرآن کریم پڑھائے بغیر مر گئے تو روس سے اسلام ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ پس مجھے ہر وقت اس بات کا فکر رہتا ہے کہ کسی طرح قرآن کریم کا ترجمہ روسی زبان میں شائع ہو جائے اور ہم اُسے پہنچا دیں تا وہاں اسلام سے محبت رکھنے والے لوگ پیدا ہوں۔

یورپ کے سفر میں یوگوسلاویہ کا ایک مسلمان جو احمدی ہو گیا تھا مجھے ملا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ پہلے قسطنطنیہ کے لوگ ہمارے ملک میں آتے تھے اور مسلمانوں کو قرآن کریم پڑھاتے تھے لیکن اب وہ ہمارے ملک میں نہیں آتے کیونکہ ملک کی حکومت اسلام کے خلاف ہے اور جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں وہ ختم ہو گئے تو وہاں اسلام بھی ختم ہو جائے گا۔ آپ ہماری زبان میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ کروائیں اور اس کی اشاعت ہمارے ملک میں کریں۔ اگر اس ترجمہ میں دیر لگ گئی تو کروڑوں مسلمان اسلام کے حلقہ سے نکل جائیں گے۔

خلافت اور تنظیم کی برکات

پس یہ برکتیں اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے لئے رکھی تھیں۔ درحقیقت اِن تراجم کا کام کسی فرد کا کام نہیں تھا بلکہ خلافت، تنظیم اور جتھے کا کام تھا۔ ورنہ جماعت میں سے کون ہے جو ان تراجم میں سے ایک ترجمہ بھی شائع کروا سکتا لیکن ہم سب نے مل کر وہ کام کر لیا جو بڑے بڑے بادشاہ بھی نہیں کر سکے تھے۔

کہتے ہیں ایک شخص نے موت کے وقت اپنے سب بیٹوں کو بُلایا اور ایک جھاڑو منگوا کر کہا اِس جھاڑو میں سے ایک تنکا نکال کر توڑو۔ اُنہوں نے اُس تنکے کو بڑی آسانی سے توڑ دیا۔ اس کے بعد اُس نے انہیں جھاڑو دیا اور کہا کہ اسے توڑو مگر ان سے نہ ٹوٹا۔ اِس پر اُس نے کہا میرے بیٹو! تم نے دیکھا کہ ایک ایک تنکا ذاتی طور پر کوئی قوت نہیں رکھتا، تم نے اُسے ایک اُنگلی کے دباؤ سے ہی توڑ دیا لیکن جھاڑو کو توڑنا تمہارے لئے مشکل ہو گیا۔ اسی طرح اگر تم متفرق ہو گئے تو دُنیا کی ہر طاقت تمہیں تباہ کر سکتی ہے لیکن اگر تم اکٹھے اور متفق رہے تو تم محفوظ و مصؤن رہو گے۔

اِسی طرح یہ خلافت اور تنظیم کی ہی برکت ہے کہ جماعت نے متعدد زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع کر دیئے۔ ورنہ جماعت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا مالدار نہیں جو اِن تراجم میں سے ایک ترجمہ بھی شائع کروا سکتا۔ اِسی طرح کوئی فرد ایسا رسوخ نہیں رکھتا کہ وہ علیٰحدہ طور پر کسی زبان میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرا سکتا لیکن اجتماعی صورت میں ہم اس وقت تک انگریزی، ڈچ، روسی، سپینش، پرتگیزی، اٹالین، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کروا چکے ہیں۔ مشرقی افریقہ میں ''سواحیلی'' زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے اور ''لوگنڈا'' زبان میں ترجمہ کا کام ہو رہا ہے۔ انڈونیشین اور ملائی زبانوں میں بھی ترجمہ کا کام ہو رہا ہے۔ ہندی اور گورمکھی زبانوں میں بھی ترجمہ کروایا جا رہا ہے اور اُمید ہے کہ اگلے تین چار سال میں بیس سے زائد زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع ہو جائے گا۔ ہماری نیت ہے کہ ہر اہم زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کر دیں تا کسی زبان کا جاننے والا ایسا نہ رہے جو اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کے کام میں برکت دی ہے۔ دُعائیں کرو کہ

خدا تعالیٰ ہمیں اِس تنظیم کو قائم رکھنے کی توفیق دے اور دین کی خدمت کا ولولہ اور جوش قیامت تک ہم میں قائم رہے اور ہم دین کی خدمت اِس طور پر کریں کہ قرآن کریم کو دُنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز دُنیا کے کناروں تک بلند کر دیں اور کوئی انسان ایسا نہ رہے جس تک قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام نہ پہنچا ہو۔''

جماعتی مشاورت میں حصہ لینا بڑے اعزاز کا کام ہے

بعض امور کی تحقیق کے لئے جماعت کی طرف سے ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ ممبران کی سُستی کی وجہ سے اس کا اجلاس جلد نہ ہو سکا۔ اس سلسلہ میں نصیحت کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''ناظر صاحب اعلیٰ نے ابھی رپورٹ فیصلہ جات سال گزشتہ پڑھ کر سُنائی ہے۔ افسوس ہے کہ مجلس شوریٰ ۱۹۵۵ء کے فیصلہ کے مطابق صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر میں نظم ونسق اور ملازمین و پنشنرز کے حقوق و مفاد کے بارہ میں تحقیقات کرنے کے لئے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا اس کا دو دفعہ اجلاس بلایا گیا لیکن دونوں دفعہ اس کمیشن کا کورم جو تین ممبران پر مشتمل تھا پورا نہ ہو سکا اور اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ تیسرے اجلاس میں کورم پورا ہؤا اور کارروائی کی جا سکی لیکن کمیشن کی کارگزاری کے متعلق کوئی رپورٹ ابھی تک موصول نہیں ہوئی۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جماعت کے دوستوں کو کام کی طرف توجہ نہیں۔

ہماری جماعت میں تو مشورہ لینے کا کام چونتیس سال سے شروع ہے لیکن انگلستان میں یہ کام ایک ہزار سال سے ہو رہا ہے۔ وہاں یہ خبر کبھی نہیں آئی کہ اجلاس میں ممبران حاضر نہ ہوئے۔ وہ لوگ ان اجلاسوں میں شریک ہونے کو موجبِ فخر سمجھتے ہیں اور بڑے شوق سے ان کاموں میں حصہ لیتے ہیں لیکن یہاں یہ حال ہے کہ جماعت کے دوست سلسلہ کے ایک اہم کام کے متعلق جو کمیٹی بنائی گئی تھی اُس کے اجلاس میں بھی نہیں آئے۔ گویا وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے اجلاسوں میں شرکت کو تو عزت سمجھتے ہیں لیکن سلسلہ کے اجلاسوں میں شمولیت کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ مومن کو چاہئے کہ وہ سلسلہ کی کمیٹیوں کو

پارلیمنٹ کی ممبری سے بھی زیادہ موجب عزت خیال کرے۔ جب تک جماعت میں یہ احساس پیدا نہیں ہوگا وہ اپنا کام کامیابی کے ساتھ جاری نہیں رکھ سکتی۔ آخر کاموں کو تواتر سے چلانے کے لئے ضروری ہے کہ افراد کو بھی مشورہ میں شریک کیا جائے لیکن اگر انہیں سلسلہ کے کاموں میں دلچسپی ہی نہ ہو تو گو کام پھر بھی ایک حد تک چلتا رہے گا لیکن اسے ترقی نہیں دی جا سکے گی۔ مثلاً یہی کام جس کے لئے مشورہ طلب کیا گیا تھا، ایک ناظر کر رہا تھا لیکن صدر انجمن احمدیہ نے خیال کیا کہ ناظر کے ساتھ جماعت بھی مشورہ میں شریک ہوتا یہ کام ایک آدمی کا کام نہ رہے لیکن جماعت نے یہ نمونہ دکھایا کہ جو ممبر کمیشن کے طور پر مقرر کئے گئے تھے وہ اجلاس میں حاضر نہ ہوئے اور دو دفعہ کمیشن کا کورم پورا نہ ہو سکا۔ اگر ان لوگوں کو گورنر لاہور میں چائے پر بلاتا اور یہ لوگ پشاور میں ہوتے تب بھی وہ اس دعوت میں شریک ہونے کے لئے چل پڑتے اور اس شرکت کو اپنے لئے موجبِ عزت خیال کرتے مگر سلسلہ کی کمیٹیوں میں شامل ہونا ان کے نزدیک موجبِ عزت نہیں۔

سلسلہ کی میٹنگز میں حاضری کی اہمیت

تم جو چاہو کر لو لیکن یاد رکھو وہ دن آنے والا ہے جب احمدیت کے کاموں میں حصہ لینے والے بڑی بڑی عزتیں پائیں گے لیکن ان لوگوں کی اولادوں کو جو اِس وقت جماعتی کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے دھتکار دیا جائے گا۔ جب انگلستان اور امریکہ ایسی بڑی بڑی حکومتیں مشورہ کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں گی اور وہ اُسے اپنے لئے موجبِ عزت خیال کریں گے، اُس وقت ان لوگوں کی اولاد کہے گی کہ ہمیں بھی مشورہ میں شریک کرو لیکن کہنے والا اُنہیں کہے گا کہ جاؤ، تمہارے باپ دادوں نے اِس مشورہ کو اپنے وقت میں ردّ کر دیا تھا اور جماعتی کاموں کی اُنہوں نے پرواہ نہیں کی تھی اِس لئے تمہیں بھی اب اس مشورہ میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔

پس اِس غفلت کو دور کرو اور اپنے اندر یہ احساس پیدا کرو کہ جو شخص سلسلہ کی کسی میٹنگ میں شامل ہوتا ہے اس پر اس قدر انعام ہوتا ہے کہ امریکہ کی کونسل کی ممبری بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور اسے سَو حرج کر کے بھی اس میٹنگ میں شامل ہونا چاہئے اگر وہ اس میٹنگ میں شامل نہیں ہوتا تو اس کی غیر حاضری کی وجہ سے سلسلہ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا

لیکن وہ خود الٰہی انعامات سے محروم ہو جائے گا۔

جب شوریٰ نہیں تھی تب بھی کام چلتا تھا اور اب شوریٰ بلائی جاتی ہے تب بھی کام چل رہا ہے پس تم حصہ لو یا نہ لو سلسلہ کا کام چلتا رہے گا۔ ہاں اگر تم اس وقت جماعتی کاموں میں حصہ نہیں لیتے اور اُنہیں اپنے لئے موجبِ عزت خیال نہیں کرتے تو تمہاری اولادیں آئندہ انعامات سے محروم ہو جائیں گی لوگ اپنی زندگیوں میں اپنی اولادوں کے لئے ہزاروں ہزار روپیہ کی جائیدادیں بنا جاتے ہیں تا ان کے کام آئیں۔ تم بھی اگر سلسلہ کے کاموں میں حصہ لیتے رہو گے تو تمہارا ایسا کرنا تمہاری اولاد کے لئے ایک بڑی بھاری جائیداد ثابت ہوگا۔

خدمت سلسلہ کا اعزاز

یاد رکھو اگر تم میں سے کسی کو سلسلہ کے کسی کام کے لئے مقرر کیا جائے تو اُس کا اُس سے بھاگنا سخت غلطی ہے۔ تم سلسلہ کے کام کی سرانجام دہی میں ہرگز کوتاہی نہ کرو بلکہ اُسے اپنی عزت کا موجب سمجھو۔ اگر تم سلسلہ کے کاموں کو عزت والا قرار دو گے تو خدا تعالیٰ بھی تمہیں عزت والا بنا دے گا۔ گو اس وقت جماعتوں کے پاس دولت نہیں، اسے دُنیا میں کوئی اہمیت حاصل نہیں لیکن تھوڑے عرصہ میں ہی احمدیت دُنیا پر غالب آنے والی ہے اور اس کے آثار خدا تعالیٰ کے فضل سے نظر آرہے ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں کی توجہ احمدیت کی طرف ہو رہی ہے۔ یہ بڑے بڑے لوگ جس علاقہ سے بھی آئیں گے وہ احمدیت کو زیادہ معزز سمجھیں گے اور احمدیت کی وجہ سے اُنہیں اور عزت حاصل ہوگی لیکن جو لوگ سلسلہ کے کاموں میں شریک ہونے کو ذلّت اور وقت کا ضیاع سمجھیں گے ان کے علاقہ میں عزت دیر سے آئے گی۔ اور اگر وہ عزت آ گئی تو جن لوگوں نے اپنے وقت میں سلسلہ کی خدمت میں کوتاہی کی ہوگی اُن کی اولادیں اس عزت سے محروم کر دی جائیں گی۔ پس آئندہ کے لئے احتیاط کرو اور ہمیشہ سلسلہ کے **کاموں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ تم میں سے کسی کو سلسلہ کے کسی کام کے لئے مقرر کیا جائے تو وہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ نے اُسے بہت بڑے خطاب سے نوازا ہے۔‘‘**

مربیان کی تیاری اور ان سے کام لینے کے سلسلہ میں ہدایات

مربیان سلسلہ کے سائر اخراجات میں اضافہ کا مسئلہ مشاورت میں زیر بحث آیا۔ چند ممبران نے اس بارہ میں اپنی آراء پیش کیں۔ اس موقع پر حضور نے حقیقتِ حال واضح کرتے ہوئے فرمایا:-

''نمائندگان نے اس وقت جو تقاریر کی ہیں اُن میں زیادہ تر اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مربیوں کا سفر خرچ کم رکھا گیا ہے اور اشارۃً اِس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ۳۵ مربی تھوڑے ہیں۔ نمائندگان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک کوئی نوجوان شاہد کلاس پاس نہ کرے اُسے مربی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ آخر مربیوں کی تعداد کو فوری طور پر بڑھانے کے لئے یہ تو نہیں کیا جا سکتا کہ جو بھی رستہ میں ملے اُسے مربی بنا دیا جائے۔ جبری فوجی بھرتی میں سینہ اور قد ناپ لیا جاتا ہے اور انسان کو بھرتی کر لیا جاتا ہے لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہمیں مربی بنانے کے لئے دیکھنا پڑتا ہے کہ اُس نے سلسلہ کی تعلیمی درسگاہوں میں مکمل تعلیم حاصل کی یا نہیں۔

اِس وقت جامعۃ المبشرین کی آخری کلاس میں ۱۶ طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن میں سے آٹھ صدر انجمن احمدیہ نے لے لینے ہیں اور آٹھ تحریک جدید نے لے لینے ہیں۔ گویا صدر انجمن احمدیہ کو صرف آٹھ شاہد مل سکتے ہیں۔ پس مربیوں کی تعداد میں فوری طور پر زیادتی ایک ناممکن امر ہے۔ جب تک نوجوان شاہد کلاس پاس کر کے نہیں نکلتے محض ریزولیوشن پاس کرنے سے کچھ نہیں بن سکتا۔ اگر صدر انجمن احمدیہ عام لوگوں کو بھرتی کر کے انہیں مربی بنا دے تو پھر آپ کہیں گے کہ وہ شخص تو معمولی آدمیوں سے بھی ہار جاتا ہے، اِس کا کیا فائدہ۔

تحریک وقفِ زندگی اور والدین کی ذمہ داری

پس مربیوں کی تعداد صرف اُسی وقت بڑھے گی جب آپ لوگ اپنی اولادوں کو وقف کریں گے اور اُنہیں یہاں پڑھنے کے لئے بھیجیں گے۔ اس وقت تعلیم کیلئے آنے والے واقفین کا یہ حال ہے کہ پچھلے سال صرف ایک طالب علم جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے کے لئے آیا تھا۔ اس کے بعد آپ لوگ کس طرح اُمید کر سکتے ہیں کہ مرکز زیادہ سے زیادہ مربی آپ لوگوں کے لئے بھجوا سکے۔ میں سمجھتا ہوں یہ ناشکری ہوگی کہ میں

اِس موقع پر تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر اور اساتذہ کا ذکر نہ کروں۔ یہ لوگ واقفِ زندگی کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور ہر سال وقف میں طلباء بھجواتے ہیں۔ پچھلے سالوں میں بھی انہوں نے اس بارہ میں کام کیا ہے اور بڑی تعداد میں طلباء وقف کے لئے بھجواتے رہے ہیں۔ اس سال بھی اُنہوں نے اس بارہ میں بہت کچھ کیا ہے وہ بِالعموم ۲۰۔۲۵ طلباء ہر سال وقف کراتے ہیں۔ اگر اُنہوں نے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا تو ممکن ہے ہر سال سَو ڈیڑھ سَو طلباء وقف کے لئے مل جائیں۔ پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ ان طلباء کو وظیفہ کہاں سے دیا جائے گا کیونکہ دینیات کلاسز میں بِالعموم وہی نوجوان آتے ہیں جو دوسرے کالجوں میں تعلیم حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ دوسرے کالجوں کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں اور وہ انہیں برداشت نہیں کر سکتے۔ اِس وقت سلسلہ دس پندرہ طلباء ہر سال لیتا ہے مگر ان کو پڑھانے پر سات سال لگ جاتے ہیں۔ گویا جو سات آٹھ طلباء اب صدر انجمن کو ملیں گے وہ بھی سات سال کی تعلیم کے بعد ملیں گے۔ پس آپ اپنے بچوں میں وقف کی تحریک کریں اور ان میں تبلیغ کا احساس پیدا کریں۔

میرے پاس ایک نوجوان آیا اور اُس نے کہا کہ میں اپنی زندگی وقف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ تمہیں زندگی وقف کرنے کا خیال کس طرح پیدا ہوُا اور یہ بھی دریافت کیا کہ تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ اُس نے اپنے نانا کا نام لیا اور کہا کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ اُس نے کہا میں ان کا نواسہ ہوں۔ مَیں نے کہا ان کی تو ایک لڑکی قادیان آیا کرتی تھی۔ اس پر اُس نے کہا کہ وہ میری والدہ تھیں۔ میرے نانا کو تو احمدیت قبول کرنے کی توفیق نہ ملی مگر میری والدہ احمدی ہوگئی تھیں اور ان میں دین کی خدمت کا جذبہ اس قدر پایا جاتا تھا کہ جونہی میں نے ہوش سنبھالی، اُنہوں نے میرے کان میں یہ بات ڈالنی شروع کی کہ میں نے تمہیں دین کی خدمت کے لئے وقف کرنا ہے۔ میں نے بڑے ہو کر تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد مجھے ایک اچھی ملازمت مل گئی لیکن جب کبھی مجھے اپنی والدہ کا خیال آتا اُن کی وہ بات یاد آجاتی کہ میں نے تمہیں دین کی خدمت کے لئے وقف کرنا ہے چنانچہ اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ میں اپنی والدہ کی خواہش کو پورا کروں گا۔ میں نے اپنے باپ سے بھی اِس بات کا ذکر کیا ہے۔ اُنہوں نے بھی کہا ہے کہ تم

بے شک زندگی وقف کرو، یہ اچھی بات ہے۔ اب آپ لوگ دیکھیں کہ ماں کی بچپن سے کان میں ڈالی ہوئی بات اس نوجوان کو یاد رہ گئی۔ اگر دوسرے دوست بھی اپنے بچوں کے کانوں میں بچپن سے ہی دین کی باتیں ڈالتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی زندگیاں وقف نہ کریں۔ اِسی طرح مجھے کراچی سے ایک اور نوجوان نے لکھا کہ میں نے وقف کیا کرنا ہے بچپن سے ہی میرے کانوں میں یہ بات ڈالی جاتی رہی ہے کہ تم نے بڑا عُہدہ حاصل کرنا ہے۔ اب میں بچپن سے ہی کان میں پڑی ہوئی بات کس طرح چھوڑ دوں۔

پس یہ ضروری امر ہے کہ ماں باپ اپنی اولادوں کے کانوں میں یہ بات ڈالتے رہیں کہ سب سے بڑا عُہدہ یہی ہے کہ دین کی خدمت کی جائے۔ اِس وقت تک یہ دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ کھاتے پیتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کی اولاد دُنیا کی تعلیم حاصل کرے۔ اگر سَو ڈیڑھ سَو لڑکا ہر سال زندگی وقف کرے تو ہم بڑی آسانی سے ہر سال مربیوں کی تعداد بڑھا سکتے ہیں اور اِس طرح یہ سوال بڑی آسانی سے حل ہو جائے گا کہ مربیوں کی تعداد سَو ڈیڑھ سَو تک بڑھا دی جائے۔ بہرحال مربیوں کی تعداد بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے پاس نوجوان آئیں جو اپنی زندگی دین کے لئے وقف کریں ورنہ یونہی تقریریں کرنے سے ان کی تعداد نہیں بڑھ سکتی۔ پس اگر آپ کا یہ مطالبہ کہ مربیوں کی تعداد ۷۰ تک بڑھا دی جائے صدر انجمن احمدیہ مان بھی لے تب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ وہ آپ کو ۷۰ چپڑاسی دے دیں گے، مبلّغ ان کے پاس موجود نہیں۔ اِس وقت ان کے پاس صرف ۸ نوجوان ہیں جو شاہد کلاس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اُن آٹھ نوجوانوں کو ہی شاہد کلاس پڑھنے کے بعد مربی کے کام پر لگا سکتے ہیں۔

میرے نزدیک ایک ضروری بات یہ ہے کہ مربیوں کا سائر خرچ بڑھایا جائے تاکہ وہ تربیت وغیرہ کا کام وسیع پیمانہ پر کرسکیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے مخالف علماء کا ایک ایک آدمی بعض دفعہ چار چار پانچ پانچ سَو میل تک چلا جاتا ہے اور ہر جگہ تقریریں کرتا پھرتا ہے لیکن ہمارا مربی جب کسی جگہ جاتا ہے تو وہیں بیٹھ جاتا ہے کیونکہ اُس کے سفر کے لئے اخراجات مہیا نہیں کئے جاتے۔ رامہ صاحب نے کہا ہے کہ انسپکٹروں کو چونکہ ایک جگہ پر قیام نہیں کرنا پڑتا بلکہ اُنہیں ہر وقت سفر میں رہنا پڑتا ہے، اِس لئے ان کا سائر خرچ زیادہ

رکھا گیا ہے اور مربیوں کے پاس اتنا کام نہیں ہوتا اس لئے ان کے سائر اخراجات کم رکھے گئے ہیں مگر یہ بات درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مربیوں سے صحیح رنگ میں کام نہیں لیا جاتا۔ اگر ان کے سائر اخراجات کے لئے کافی روپیہ رکھا جائے تو ایک ایک مربی لاکھوں افراد تک سلسلہ کا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ مگر اب چونکہ بجٹ بن چکا ہے اس لئے اور تو کچھ نہیں کیا جا سکتا صرف اتنا مدنظر رکھا جائے کہ موجودہ بجٹ کے اندر اندر مربیوں کو اتنے اخراجات مہیا کئے جائیں کہ وہ سارا سال دَورہ کر سکیں اور آئندہ ہر سال ایک طرف تو مربیوں کی تعداد بڑھائی جائے اور دوسری طرف ان کے سائر اخراجات میں زیادتی کی جائے تا کہ ہر جگہ سلسلہ کی آواز پہنچ جائے۔ جہاں تک مربیوں کی تعداد کا سوال ہے وہ فوری طور پر نہیں بڑھائی جا سکتی۔ اِس وقت صدر انجمن احمدیہ کے پاس صرف آٹھ شاہد امیدوار ہیں۔ جنہیں مربی مقرر کیا جا سکتا ہے اور پھر ممکن ہے کہ ان آٹھ میں سے بھی کوئی فیل ہو جائے اور اس طرح یہ تعداد اور بھی کم ہو جائے۔ بہر حال اس مشکل کا علاج یہی ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں تا کہ ہمیں اتنے شاہدین مل سکیں کہ اپنے ملک میں بھی اور دوسرے ممالک میں بھی کام کرنے کے لئے ۷۰، ۸۰، ۸۰ مربی میسر آ سکیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس اِس وقت جس قدر مربی موجود ہیں اگر انہی سے صحیح طور پر کام لیا جائے تو ہمارا کام بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے کیونکہ چندہ کی زیادتی کا تمام تر مدار مربیوں پر ہی ہوتا ہے اگر صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ ۲۵ لاکھ تک پہنچ جائے تو مربیوں کے لئے پانچ لاکھ کی رقم بھی رکھی جا سکتی ہے اور اگر ہم سَو ڈیڑھ سَو مربی رکھیں تو پاکستان کے ہر ضلع میں تین تین مربی رکھے جا سکتے ہیں جو ہر سال ضلع کا دَورہ کریں۔ اس وقت درحقیقت کوئی کام نہیں ہو رہا کیونکہ اِس وقت جو ۳۵ مربی موجود ہیں ان سے بھی نظارت رُشد و اصلاح صحیح طور پر کوئی کام نہیں لے رہی۔ انہیں ایک جگہ پر ناکارہ کر کے بٹھا دیا گیا ہے اور اُن سے کوئی کام نہیں لیا جا رہا اگر وہ مربیوں سے کام لے تو جماعت کی ترقی کی رفتار بڑی تیزی سے بڑھ سکتی ہے مگر اس کے لئے پھر بجٹ کا سوال آ جاتا ہے۔ اگر اِس وقت مربیوں کے سائر اخراجات کو بڑھانے کی ہدایت کی گئی تو صدر انجمن احمدیہ کے لئے مشکلات پیدا

ہو جائیں گی اِس لئے میرے نزدیک مناسب یہی ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کو اُصولی رنگ میں یہ ہدایت دے دی جائے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ مربیوں کی تعداد اور ان کے اخراجات کو بڑھانے کی کوشش کرے اور آئندہ ہر سال ان کی تعداد اور سائر اخراجات میں اضافہ کرتی چلی جائے اور اتنے سائر اخراجات ان کے لئے مہیا کر دے کہ وہ سال بھر دَورے کرتے رہیں اور اگر وہ کسی جگہ بیٹھیں تو سائر اخراجات کی کمی کا بہانہ کرنے کی ان کے لئے گنجائش نہ ہو۔

بہرحال صحیح طور پر کام کرنے کے لئے مربیوں کو سارا سال دَورہ کرتے رہنا چاہئے تا کہ ایک مربی ایک ماہ میں کراچی سے پشاور تک کے علاقہ میں تقریریں وغیرہ کر سکے۔ اگر ایسا کیا جائے تو سائر اخراجات میں بہرحال زیادتی کرنی پڑے گی۔ مثلاً پشاور سے کراچی جاتے ہوئے تھرڈ کلاس میں بھی سفر کیا جائے تو قریباً سَو روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ اب اگر ۳۵ مربی ہوں تو سفر کے لئے ۳۵۰۰ روپیہ درکار ہوگا۔ اور اگر ان کی تعداد ۷۰ کر دی جائے تو سات ہزار روپیہ صرف ایک سفر کے لئے درکار ہوگا اور ہر سال بھر کے اخراجات کے لئے ۸۴ ہزار روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ بہرحال ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم مربیوں سے کام لیں ورنہ ایک جگہ پر بیکار بٹھا دینا ایسا ہی ہوگا جیسے گھوڑے کو کیلے پر باندھ دیا جائے۔

پس اگر مربیوں کی تعداد بڑھی نہیں تو اس میں صدر انجمن احمدیہ کا کوئی قصور نہیں۔ قصور جماعت کا ہے کیونکہ وہ جامعۃ المبشرین میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے واقفِ زندگی نوجوان نہیں بھجواتی۔ صدر انجمن احمدیہ اس سال صرف آٹھ مربی اَور رکھ سکتی ہے اس سے زیادہ نہیں اور ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ مربیوں کے اخراجاتِ سفر اس قدر بڑھائے جائیں کہ وہ بیکار نہ بیٹھ سکیں۔ اسی طرح جماعتوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے ہاں مختلف پارٹیوں پر لوگوں کو بلا کر مربیوں سے تقریریں کرایا کریں، اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ جلسہ کرانے پر تو بہت خرچ آ جاتا ہے لیکن اس قسم کی پارٹیوں پر بعض دفعہ دو آنہ فی کس میں بھی گزارہ ہو جاتا ہے۔ ہیمبرگ جرمنی میں مَیں نے دیکھا ہے کہ وہاں پارٹیوں میں بہت سادگی برتی جاتی ہے مثلاً چائے کے ساتھ صرف سادہ بسکٹ رکھ دیئے جاتے ہیں بلکہ ایک دعوت کے موقع پر تو بسکٹ صرف ایک تھالی میں تھے اور وہ بھی صرف میرے آگے۔ میرے کہنے پر

وہ تھالی دوسرے دوستوں کے آگے رکھ دی گئی لیکن مجھے یاد ہے کہ ان میں سے کوئی بسکٹ بھی کھایا نہیں گیا۔ وہاں سوشل تقریب کے موقع پر پیسٹری وغیرہ کا کوئی رواج نہیں بلکہ وہاں ایسے مواقع پر بہت معمولی چیزیں میزوں پر چُنی جاتی ہیں جن میں اخراجات بہت تھوڑے آتے ہیں۔ اِسی طرح آپ لوگ بھی کریں کہ چند دوستوں کو چائے پر بلا لیا اور پھر اس موقع پر مبلّغ سے مختلف سوالات شروع کر دیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں میاں معراج الدین صاحب مرحوم کی یہ عادت تھی کہ وہ مجلس میں آ کر خود ہی سوالات شروع کر دیتے اور کہتے حضور لوگ ایک سوال یہ کرتے ہیں، اِس کا کیا جواب ہے؟ اور پھر جب آپ جواب دے دیتے تو ایک اور سوال کر دیتے۔ اسی طرح بعض اوقات دو دو چار چار گھنٹہ تک سوالات وجوابات کا سلسلہ جاری رہتا اور باہر سے آنے والے لوگ بڑے خوش واپس جاتے۔ میاں معراج الدین صاحب مرحوم کا یہ طریق تھا کہ وہ باہر سے آنے والوں سے پوچھتے رہتے تھے کہ مخالف کیا کیا اعتراض کرتے ہیں اور اگر کوئی نیا اعتراض مل جاتا تو وہ مجلس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیتے تا کہ دوسرے لوگ بھی آپ کے جواب سے مستفید ہوں۔ اب یہ دیکھ کر افسوس آتا ہے کہ اِس قسم کے لوگ موجود نہیں۔ لوگ مجلس میں آتے ہیں اور خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ پس تم یہ طریق اختیار کرو اور اس سے فائدہ اُٹھا کر لوگوں کو سلسلہ سے روشناس کرنے کی کوشش کرو۔ اِس قسم کی دعوتوں میں زیادہ تکلیف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چائے کی ایک پیالی آگے رکھ دی اور دیسی بسکٹ جو بِالعموم تنوروں پر بکتے ہیں خرید کر ایک ایک دو دو بسکٹ ہر ایک کے آگے رکھ دیئے۔ اس طرح چالیس دوست بھی ایک موقع پر بلا لئے جائیں تو روپیہ دو روپیہ سے زیادہ خرچ نہیں ہوگا۔ دوسرے دن چالیس آدمی اور بلا لئے اِس طرح تبلیغ کا کام وسیع کیا جا سکتا ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کو چاہئے کہ اگر مزید مربی نہیں مل سکتے تو جو مربی موجود ہیں انہی سے کام لیا جائے اور انہیں فارغ بیٹھنے نہ دیا جائے۔ مربیوں کی تعداد فوری طور پر ۳۵ سے ۷۰ کر دینے کے یہ معنے ہیں کہ چپڑاسی بھرتی کر لئے جائیں۔

اِسی طرح مربیوں کو کافی لٹریچر دو اور ان کا سفر خرچ بھی زیادہ رکھو تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ

جگہوں پر جاسکیں۔ لٹریچر کے بارہ میں بھی جب تک ہماری جماعت کوئی اصلاحی قدم نہیں اُٹھائے گی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جس قدر لٹریچر ہم اِس وقت شائع کرتے ہیں بہائی لوگ اس کا پچاسواں حصہ بھی شائع نہیں کرتے لیکن پھر بھی وہ اپنے کام کو وسیع کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک پارسی بہائی ہوا ہے جس نے ایک لاکھ روپیہ اشاعتِ بہائیت کے لئے دیا ہے۔ وہ لوگ لٹریچر قیمتاً دیتے ہیں لیکن ہمارے ہاں لٹریچر مفت تقسیم کے لئے لیا جاتا ہے اور پھر ایک آدمی یہ لٹریچر ہاتھ میں لے کر بازار میں کھڑا ہو جاتا ہے اور پاس سے گزرنے والے ہر شخص کے ہاتھ میں دیتا چلا جاتا ہے چاہے وہ چوہڑا اور چمار ہی کیوں نہ ہو اور اِس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ جسے لٹریچر دیا جاتا ہے وہ پڑھنا جانتا ہے یا نہیں بھلا اس قسم کی تقسیم کا کیا فائدہ۔ بہائیوں کے ہاں لٹریچر کی تقسیم کے متعلق یہ تاکید ہوتی ہے کہ کسی کو مفت نہ دو بلکہ اسے فروخت کرو۔ چاہے چار آنہ کی چیز ایک آنہ میں ہی دے دو لیکن دو قیمتاً۔ اِس طرح لٹریچر لینے والے کو یہ خیال رہتا ہے کہ اس نے قیمتاً چیز خریدی ہے اسے پڑھے بھی۔

کراچی میں مجھے ایک بڑے افسر ملے جو ایک بڑے خاندان کے فرد ہیں اُنہوں نے بتایا کہ میں خود احمدی ہوں لیکن میری بیوی احمدی نہیں اس کے لئے لٹریچر گھر لے جا رہا ہوں۔ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اسے احمدیت قبول کرنے کی توفیق دیدے۔ تین چار دن کے بعد خط آیا کہ وہ بھی احمدی ہوگئی ہے۔ اِسی طرح ایک اور تھے اُنہوں نے بتایا کہ ان کی بیوی کہتی ہے کہ آپ جماعت کا لٹریچر گھر لایا کریں اردو کا بھی اور انگریزی کا بھی۔ انگریزی کا آپ پڑھیں اور اُردو کا میں پڑھوں گی۔ پھر ان کی بیوی مجھے ملنے آئیں تو اُنہوں نے چار سَو روپیہ پیش کیا اور کہا میں نے عہد کیا تھا کہ میرا بیٹا ملازم ہوگا تو چار سَو روپیہ اشاعت اسلام کے لئے دوں گی، سو یہ روپیہ حاضر ہے۔

پس جو لوگ لٹریچر کے لئے تھوڑی بہت رقم خرچ کرتے ہیں وہ تو اُسے پڑھ لیتے ہیں لیکن مفت لینے والوں میں سے زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں جو اسے پڑھتے نہیں۔ پس لٹریچر کی اشاعت کے لئے بھی ہمارے پاس کافی روپیہ ہونا چاہئے۔ انڈونیشیا کے ایک مشہور لیڈر کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ اُنہوں نے ہمارے مبلّغ سے ذکر کیا کہ آپ کی جماعت کا لٹریچر

میرے پاس ہے اور میں اسے پڑھتا رہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ لوگوں کے خیالات سے واقف ہوں۔ اِسی طرح ایسٹ بنگال کے ایک عالم ہمارے ایک دوست سے ملے تو اُنہوں نے کہا کہ میں پرانی طرز کا عالم نہیں بلکہ میں آپ کی جماعت کا لٹریچر بھی پڑھتا رہتا ہوں اگر آپ میرے گھر چلیں تو میں آپ کو سارا لٹریچر دکھا دوں۔ پس لوگ لٹریچر پڑھتے ہیں لیکن عام قاعدہ یہ ہے کہ جو لٹریچر مفت دیا جاتا ہے اُسے بہت کم لوگ پڑھتے ہیں اور جو لٹریچر خرید کر لیا جاتا ہے اُسے لوگ پڑھتے ہیں پس اگر لٹریچر مفت تقسیم کرنے کی بجائے فروخت کیا جائے، چاہے اس کی قیمت بہت معمولی رکھی جائے تو اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

پس اِس سال صدر انجمن احمدیہ کو لٹریچر کی اشاعت اور مربیوں کے سائر اخراجات میں زیادتی کرنے کے متعلق صرف مشورہ دیا جاتا ہے۔ اگلے سال ہم دیکھیں گے کہ اُس نے ہمارے مشورہ پر کس حد تک عمل کیا ہے۔ اگر اس نے ہمارے مشورہ پر عمل نہ کیا تو ہم سمجھیں گے کہ اُس نے ہمارے مشورہ کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے اور اگر عمل کریں تو ہم سمجھیں گے کہ ہمارے یہاں آنے کا کچھ فائدہ ہؤا ہے۔

پس اِس وقت بجائے کوئی نئی تجویز پیش کرنے کے مربیوں کی تعداد اور سائر اخراجات کے بارہ میں صدر انجمن احمدیہ کو صرف یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مربیوں کی تعداد جس قدر بڑھا سکتی ہے اسے بڑھانے کی کوشش کرے اور پھر ان کا سائر بھی اِس قدر بڑھائے کہ نہ صرف وہ بیکار نہ رہیں بلکہ ان کے پاس لٹریچر بھی کافی مقدار میں ہو۔''

رپورٹ دَورہ جات ناظر صاحبان

ناظران کے دَورہ جات کی رپورٹ پیش ہونے پر حضور نے فرمایا:۔

''اِس وقت دَورہ کے متعلق جو رپورٹ پیش کی گئی ہے میرے نزدیک یہ غیر تسلی بخش ہے۔ دَورہ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جماعت کے حالات سے واقفیت حاصل ہو جائے لیکن اگر ناظر صاحب رُشد واصلاح چک چھور، بہوڑو چک، کرتار پور، گھسیٹ پور اور رام دیوالی وغیرہ چلے جاتے ہیں تو اُنہیں جماعت کے حالات سے کیا واقفیت حاصل ہو گی۔ پھر

رپورٹ کا ہر فقرہ لاہور پر ختم ہوتا ہے۔ لاہور بے شک مرکزی مقام ہے اور اُسے بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن جس جگہ ناظر صاحب کے اپنے رشتہ دار ہوں وہاں بار بار دورہ کرنے کے سوائے اس کے کیا معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے ملنا چاہتے تھے۔

دَورے تبھی مفید ہو سکتے ہیں جب حکومت کے افسروں کی طرح ان کا پروگرام بنایا جائے اور پہلے سے ان کا وقت مقرر کر کے جماعت متعلقہ کو اطلاع دے دی جائے تا کہ وہ اِردگرد کی پچاس ساٹھ جماعتوں کے لوگوں کو وہاں بُلا لے اور پھر وہاں کانفرنس کی جائے ورنہ جس قسم کے دَورے سال کے دوران میں کئے گئے ہیں انہیں ہرگز دَورہ نہیں کہا جا سکتا۔ دَورہ اِس چیز کا نام ہے کہ کسی جماعت میں اردگرد کے پچاس ساٹھ میل تک کے رہنے والے احمدیوں کو اکٹھا کیا جائے اور ان سے جماعتی امور پر تبادلۂ خیالات کیا جائے اور پھر جو مشورہ طے پائے اُس پر عمل کیا جائے۔

پھر میں نے یہ ہدایت بھی دی تھی کہ ناظر صرف اپنے صیغہ کا ہی خیال نہ رکھے بلکہ جب دَورہ پر جائے تو صدر انجمن احمدیہ کے ہر ناظر سے ہدایات لے کر جائے اور جو دِقتیں اُنہیں پیش ہوں اُن کو دور کرے۔ مثلاً اگر بعض جماعتوں میں جھگڑے طے نہ ہو رہے ہوں یا تعلیم کا اچھا انتظام نہ ہو تو چاہے دَورہ کرنے والے ناظر کا ان امور سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اُس کا فرض ہے کہ وہ ان امور کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کرے۔

بہرحال اس چیز کا نام دَورہ نہیں کہ کوئی ناظر چک چھور یا بھوڑو چک وغیرہ چلا جائے یا لاہور جہاں ناظر کے رشتہ دار اور دوست موجود ہوں وہاں بار بار جائے دَورہ کی تعریف وہی ہے جو میں نے کی ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اب ڈاکٹر مجھے واپس جانے پر مجبور کر رہے ہیں اس لئے میں اب جاتا ہوں۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب شوریٰ کا کام کرائیں گے۔‘‘

تیسرا دن

احمدی زمیندار محنت اور دعاؤں سے کام لیکر پیداوار بڑھائیں

مجلس مشاورت کے تیسرے دن ۳۱؍مارچ ۱۹۵۶ء صبح کے اجلاس میں زراعت کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی تو حضور نے فرمایا:-

''اِس وقت زراعت کمیٹی کی رپورٹ پیش ہو رہی ہے اور زمیندارہ کام سخت مشکل ہے کیونکہ زمیندار دوسرے کی بات ماننے کا عادی نہیں ہوتا۔ میں نے ایک دفعہ قادیان میں ایک خطبہ پڑھا جس میں مَیں نے تاجروں کو کسی امر کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ تم لوگ بعض غلطیاں کرتے ہو اگر تم یہ نہ کرو تو تمہارے کاروبار میں ترقی ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد مجھے ایک تاجر ملے تو میں نے ان سے کہا آپ سچ سچ بتائیں آپ کے چہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کی وجہ سے آپ نے یہ تأثر لیا ہے کہ تاجر تو میں ہوں اور یہ ہدایات مجھے خلیفۃ المسیح دے رہے ہیں جو تاجر نہیں۔ اِس پر وہ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ آپ کی بات ٹھیک ہے میں اِس وقت یہی سوچ رہا تھا کہ تاجر تو میں ہوں اور نصیحت مجھے یہ کر رہے ہیں۔ میں نے کہا دیکھنا یہ چاہئے کہ جو بات کہی جا رہی ہے وہ معقول ہے یا نہیں۔ زمینداروں کی بھی یہی حالت ہے ہمارا زمیندار ابھی تک لکیر کا فقیر چلا آتا ہے اور وہ بار بار توجہ دلانے کے باوجود کبھی توجہ نہیں کرتا۔ گورنمنٹ سالہا سال سے بیج اور کھاد کے متعلق شور مچا رہی ہے مگر یہ ہے کہ پرانے ڈگر پر چلتا چلا جاتا ہے کھاد ابھی تک جلائی جاتی ہے اور بیج کا یہ حال ہے کہ ہم سالہا سال سے بیج مزارعوں کو خرید کر دیتے ہیں لیکن وہ گھروں میں کھا جاتے ہیں اور ردّی بیج بو دیتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی سرد مقام کا آدمی تھا وہ دھوپ میں کھڑا تھا اُس کے پاس سے ایک اور شخص گزرا اور اُس نے کہا میاں تم دھوپ میں کیوں کھڑے ہو، سایہ میں بیٹھ جاؤ۔ اُس نے ہاتھ پھیلا کر کہا میں سایہ میں بیٹھ جاؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟ یہی حال زمینداروں کا ہے۔تم بے شک ان کے فائدہ کی بات کرو مگر وہ اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے باپ دادے جس طرح شروع سے کرتے آئے ہیں اُسی طرح ہم بھی کریں گے اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اب

دوسرے ملک ہم سے کس قدر آگے بڑھ گئے ہیں۔ بہرحال زمینداروں کی اصلاح بہت مشکل امر ہے اور یہ صرف دعاؤں سے ہی ہو گی۔ آپ لوگ دعائیں کریں کہ خداتعالیٰ ہمارے زمینداروں کے دلوں کو بدل دے تاکہ وہ صحیح طور پر اپنے کام کی طرف توجہ کریں۔ ابھی تک وہ اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرتے ہیں۔ وقت پر اور صحیح طور پر ہل نہیں چلاتے اور نہ وقت پر پانی دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انکی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری عمر اِس وقت ۶۷ سال کی ہو رہی ہے اور میرا عمر بھر کا یہ تجربہ ہے کہ مسلمان زمیندار وقت پر ہل نہیں چلاتے۔ قادیان میں ہمارے اِرد گرد سکھ زمیندار تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ تہجد کے وقت ہل چلاتے تھے اور اِس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کی فصلیں مسلمان زمینداروں کی فصلوں سے بہت اچھی ہوتی تھیں۔ مسلمانوں کو یہ غصہ تھا کہ زمیندارہ پر سکھوں نے قبضہ کر لیا ہے لیکن میں اُنہیں بھی کہتا تھا کہ وہ قبضہ کیوں نہ کریں وہ محنت کرتے ہیں اور تم محنت نہیں کرتے۔ جو محنت نہیں کرتا وہ کاٹے گا کیا۔ بہرحال میرا یہ تجربہ ہے کہ سکھوں کی فصلیں اچھی ہوتی ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فصلیں ردّی ہوتی تھیں۔ میں جب بھی کسی کی فصل دیکھتا تھا تو حیران ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ میں نے سندھ میں زمینداروں کو بڑا اچھا بیج مہیا کر کے دیا لیکن فصل میں پھر بھی کئی اَور چیزیں اُگ آئیں۔ میں نے جب دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا وہ تو مزارع کھا گئے ہیں اور اس کی بجائے ردّی بیج انہوں نے بو دیا ہے جس کی وجہ سے فصل میں اور کئی چیزیں اُگ آئی ہیں۔

پس دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے زمینداروں کو عقل دے اور وہ اپنے فائدہ کے لئے ہی محنت سے کام لیں۔ اس سے دُہرا فائدہ ہو گا یعنی نہ صرف زمینداروں کی آمد پہلے کی نسبت بڑھ جائے گی بلکہ جماعت کا بجٹ بھی بڑھ جائے گا اور تبلیغ کا کام زیادہ وسیع کیا جا سکے گا۔ اگر احمدی زمیندار محنت کریں تو ہمارا بجٹ تین گُنا ہو سکتا ہے لیکن مصیبت یہی ہے کہ وہ صحیح طور پر کام نہیں کرتے۔ سیالکوٹ کے ایک دوست غلام حسن صاحب ہیں ان کے بیٹے مولوی نذیر احمد صاحب مبشر گولڈ کوسٹ مشن کے انچارج ہیں اور ایک بھتیجا امریکہ میں مبلّغ ہے وہ ایک دفعہ قادیان آئے انہوں نے کہا حضور دعا کریں میں نے اس دفعہ سات ایکڑ زمین گیارہ ہزار سالانہ کے ٹھیکہ پر لی ہے۔ میں یہ سُن کر حیران ہو گیا کہ سات ایکڑ

اور گیارہ ہزار روپیہ زرِ ٹھیکہ۔ میں نے کہا آپ تو بہت ہوشیار تھے پھر آپ نے یہ بیوقوفی کا کام کیوں کیا ہے۔ آپ تو مارے گئے، اس قدر رقم پوری کیسے ہوگی کیونکہ سات ایکڑ کے لحاظ سے گیارہ ہزار روپے کی رقم بہت زیادہ ہے۔ اُنہوں نے کہا حضور! فکر کی کوئی بات نہیں۔ یہ زمین شہر کے پاس ہے۔ اس میں ہم پونڈا[۳] کماد بوئیں گے اور اس سے بہت زیادہ آمد ہوگی۔ اس طرح نہ صرف ہم زرِ ٹھیکہ ادا کرسکیں گے بلکہ اپنے لئے بھی کچھ نہ کچھ بچا سکیں گے، بہرحال یہ سَودا خسارہ والا نہیں۔

اِسی طرح ایک دفعہ مجھے ڈائریکٹر زراعت ڈلہوزی میں ملے۔ ملاقات کے وقت پیداوار کا حساب ہونے لگا۔ اُنہوں نے بتایا کہ زمیندار بہت ہوشیار ہوتے ہیں مجھے دو مربعے ملے تھے اور میں سمجھتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اڑھائی ہزار روپیہ ٹھیکہ پر چڑھ سکیں گے لیکن میرے پاس ایک زمیندار آیا اور اُس نے کہا مجھے اپنے مربعے ٹھیکہ پر دے دیں۔ میں نے وہ دونوں مربعے اُسے ٹھیکہ پر دے دیئے اور اُس نے اس کے عوض سات ہزار روپے پیش کئے۔ میں نے سمجھا کہ میں نے اسے لُوٹ لیا ہے لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ زمیندار مجھے مقاطعہ[۴] دینے کے لئے آیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں کچھ زیادہ نقصان تو نہیں ہؤا؟ اُس نے کہا نقصان، میں نے تو اٹھارہ ہزار روپیہ کمایا ہے۔ سات ہزار روپیہ آپ کو دے رہا ہوں اور باقی گیارہ ہزار روپیہ بنک میں جمع کرا رہا ہوں اور ابھی ایک فصل باقی ہے۔ پھر اُس نے کہا اصل بات یہ ہے کہ آپ کی زمین کے پاس گورنمنٹ کے دس مربع زمین تھی۔ اُس کو پانچ روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے بھی کوئی نہیں لیتا تھا۔ ہم دونوں بھائی ہوشیار ہیں ہم نے اندازہ لگایا کہ آپ والے دونوں مربعے اچھے ہیں ان سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے چنانچہ ہم نے سات ہزار روپیہ آپ کو پیش کیا اور چھ سَو روپیہ پر گورنمنٹ والے دس مربعے ٹھیکہ پر لئے۔ ہم نے سمجھا کہ ان دس مربعوں کا پانی آپ والے مربعوں کو دیں گے اور ان میں گنّا بوئیں گے چنانچہ ان دس مربعوں کا پانی آپ والے دونوں مربعوں کو ملا تو گنّا کی نہایت شاندار فصل ہوئی اور اب نہ صرف آپ کو زرِ ٹھیکہ تمام کا تمام ادا کر دیا گیا ہے بلکہ گیارہ ہزار روپیہ کی رقم ہم نے بنک میں بھی جمع کرا دی ہے اور ابھی ایک فصل باقی ہے۔ پس ہوشیار زمیندار کافی آمد پیدا کر سکتے ہیں۔

صحابہؓ کو دیکھ لو اُنہوں نے مدینہ کی زمین کو ایسا آباد کیا کہ اس کی کھجور سارے عرب میں جاتی تھی۔ دو دو چار چار کنال کے ٹکڑے ان کے پاس تھے لیکن وہ ان سے بہت زیادہ آمد پیدا کرتے تھے۔

مَیں ایک دفعہ پھیروچیچی گیا وہاں ایک احمدی دوست تھے جو اَب سندھ میں میری زمینوں پر ناصر آباد میں رہتے ہیں۔ وہ میرے استقبال کے لئے آئے اُن دنوں وہ مقروض رہتے تھے اگرچہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں لیکن پھر بھی وہ مولوی کہلاتے ہیں اور تبلیغ کا اُنہیں بہت شوق ہے۔ اِسی شوق کی وجہ سے ان کا نام مولوی پڑ گیا۔ رحمت علی اُن کا نام ہے۔ میں نے کہا مولوی صاحب آپ ہمیشہ مقروض رہتے ہیں کیا آپ کی زمین کم ہے یا اس کی کوئی اور وجہ ہے؟ اس پر وہ نہایت سادگی سے کہنے لگے حضور! زمین تو بہت ہے۔ دو کنال میرے باپ کی زمین تھی اور چار کنال میں نے رِگرو لے لی ہے، کچھ اللہ کی مار ہی ہے۔ ان کا کنبہ کافی بڑا تھا۔ چار پانچ لڑکیاں تھیں اور تین لڑکے تھے اور تین بچے پڑھتے تھے ان کا ایک لڑکا اُن دنوں قادیان میں پڑھتا تھا جو بعد میں ناصر آباد میں غلطی سے بندوق چل جانے کی وجہ سے شہید ہو گیا اور پھر خود میاں بیوی بھی تھے لیکن وہ سمجھتے تھے کہ چھ کنال زمین بہت زیادہ ہے اور اس میں کافی آمد پیدا ہو سکتی ہے اور اگر اس کے باوجود مَیں مقروض ہوں تو اس میں زمین کا کوئی قصور نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی مخفی گناہ کی سزا ہے۔

اب دیکھ لو ان کے پاس صرف چھ کنال زمین تھی پھر بھی وہ زیادہ آمد نہ ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ کی مار سمجھتے تھے لیکن دوسرے زمیندار جن کے پاس پندرہ پندرہ ایکڑ زمین ہے یعنی مولوی رحمت علی صاحب کی زمین سے بیس گُنے زیادہ ان پر باوجود اس قدر زمین کے اللہ تعالیٰ کی مار پڑ رہی ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس زمین کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتے۔

پس دوست دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے زمینداروں کو صحیح طور پر محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ جو کچھ کمائی کرتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی حصہ ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ ان کی کمائی میں برکت دے تو سلسلہ کی آمد بڑھ سکتی ہے۔

اِس وقت تحریک جدید کے پاس دس ہزار ایکڑ زمین ہے۔ اگر وہ سرگودھا کی زمین

کے مقابلہ میں ردّی سے ردّی زمین بھی شمار کر لی جائے تب بھی اس زمین کی آمد چار لاکھ روپیہ سے زیادہ ہونی چاہئے لیکن اس سال بجٹ میں صرف ڈیڑھ لاکھ روپیہ آمد دکھائی گئی ہے۔ پچھلے سال فصل خراب ہوگئی تھی تب بھی دو لاکھ روپیہ آمد ہوئی لیکن اس سال پہلے ہی اندازہ لگا لیا گیا ہے کہ تباہی آ جائے گی اور اس کا فصل پر اس قدر اثر پڑے گا کہ پچھلے سالوں سے بھی کم آمد ہوگی حالانکہ اِس سال تین چار لاکھ روپیہ آمد کا اندازہ ہونا چاہئے تھا۔ میں نے محکمہ سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ ممکن ہے پچھلے سال کی طرح اِس سال بھی تباہی آ جائے اس لئے ہم نے آمد کا کم اندازہ لگایا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ پر پہلے ہی بدظنی کر لی گئی ہے اور سمجھ لیا گیا ہے کہ ہم پر ضرور تباہی آئے گی حالانکہ اگر صحیح طور پر محنت کی جائے تو اس زمین سے پانچ لاکھ روپیہ نفع آنا چاہئے۔

مجھے ایک دفعہ مرزا مظفر احمد صاحب نے بتایا کہ گورنمنٹ نے لائل پور کے پاس ایک جگہ پچاس پچاس ہزار روپیہ پر مربعے ٹھیکہ پر دیئے تھے لیکن پانچ پانچ چھ چھ ہزار روپیہ فی مربع کی مثالیں تو بڑی کثرت سے ملتی ہیں۔ پچھلے سال میں نے جھنگ کی زمین کا اندازہ لگوایا۔ میرا ایک لڑکا جھنگ گیا تو اُس نے بتایا کہ وہاں پندرہ بیس مربعے ایسے ہیں جو دس دس ہزار روپیہ ٹھیکہ پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اب اگر چار سَو مربعے دس دس ہزار روپیہ ٹھیکہ پر چڑھے ہوئے ہوں تو چالیس لاکھ روپیہ سے ہم سارے یورپ میں مساجد تعمیر کر سکتے ہیں۔

ایک مسجد پر قریباً ایک لاکھ روپیہ لگتا ہے۔ پس چالیس لاکھ روپیہ میں چالیس مساجد بنائی جا سکتی ہیں اور اگر اِس سارے روپیہ سے مساجد بنائی جائیں تب بھی اس سے سارے یورپ میں مشنوں اور مساجد کی تعداد کو دوگنا کیا جا سکتا ہے لیکن ہماری مثال تو اُس میراثی کی سی ہے جس نے بھرتی ہونے سے پہلے ہی اپنے آپ کو مُردہ تصور کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کوئی میراثی تھا جو ہمیشہ بیکار رہتا تھا جب اس کی بیکاری سے تنگ آ کر اُس کی بیوی اُسے کوئی کام کرنے کے لئے کہتی تو وہ جواب دیتا کہ بڑی دِقّت تو یہی ہے کہ ان دنوں کوئی کام نہیں ملتا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اُن دنوں اس ملک کے بادشاہ کی کسی اور ملک سے جنگ ہوگئی اور اُس نے ملک میں عام فوجی بھرتی کا اعلان کر دیا۔ میراثی کی بیوی نے کہا گھر میں کھانے کو کچھ نہیں اور تم کوئی کام نہیں کرتے۔ اگر واقعی کوئی کام نہیں ملتا تو یہ سنہری موقع ہے تم فوج میں

بھرتی ہو جاؤ اور کماؤ۔ بے شک تنخواہ کم ہے لیکن تاہم کچھ نہ کچھ تو آئے گا اور جو کچھ آئے گا وہ بیکاری سے بہرحال بہتر ہوگا۔ میراثی نے کہا تم بھی عجیب ہو، بیویاں تو اپنے خاوندوں کی خیر خواہ ہوتی ہیں اور تم مجھے فوج میں بھرتی کرا کے مروانا چاہتی ہو۔ اُس کی بیوی نے اُسے سمجھانے کے لئے چکّی میں چند دانے ڈالے اور چکی کو چلایا اِس پر آٹے کے ساتھ بعض سالم دانے بھی نکل آئے۔ چنانچہ اُس نے میراثی سے کہا کہ دیکھو جنہیں خدا تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہتا ہے وہ چکی کے پاٹوں کے درمیان سے بھی سالم نکل آتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ تم نے اپنے متعلق یہ خیال کیوں کر لیا کہ تم ضرور مر جاؤ گے جو لوگ فوج میں بھرتی ہوتے ہیں وہ سارے کے سارے تو نہیں مر جاتے۔ اس پر میراثی نے کہا مجھے تو پسے ہوئے دانوں میں ہی سمجھ لے۔ یہی حالت ہمارے زراعت کے محکمہ کی ہے۔ اُنہوں نے پہلے سے ہی خدا تعالیٰ پر بدظنی کر لی ہے کہ اِس سال بھی ضرور تباہی آئے گی حالانکہ پچھلے سال بہت زیادہ تباہی آئی تھی اور پھر بھی دو لاکھ روپیہ کا منافع ہؤا تھا لیکن اِس سال نفع کا اندازہ صرف ڈیڑھ لاکھ کیا گیا ہے۔ میں نے جب وکیل الاعلیٰ کو پکڑا کہ یہ کیا اندھیر ہے؟ تو اُنہوں نے بتایا یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ممکن ہے کوئی تباہی آ جائے۔ حالانکہ مومن شاعر نہیں ہوتا۔ شاعروں کے متعلق تو خدا تعالیٰ نے بے شک فرمایا ہے کہ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ [5] وہ ہر وادی میں سرگردان پھرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ جو بجلی بھی گرے گی وہ ہمارے آشیانوں پر گرے گی لیکن مومن کی مثال شاعر کی نہیں ہوتی۔ پھر بھی ہمارے محکمہ نے یہ سمجھ لیا کہ جو آفت بھی آئے گی وہ تحریک جدید کی زمینوں پر ہی آئے گی پس اگر احمدی زمیندار صحیح طور پر محنت کریں تو نہ صرف ان کی اپنی آمد میں ترقی ہوگی بلکہ جماعت کا بجٹ بھی بڑھ جائے گا اور ہمارا کام پہلے کی نسبت وسیع ہو جائے گا۔

اٹلی میں ہمارے ایک مبلّغ گئے تھے اُنہوں نے وہیں ایک عورت سے شادی کر لی ہے اُنہوں نے مجھے بتایا کہ وہاں زمین کی اوسط آمد چودہ سَو روپیہ فی ایکڑ ہے لیکن اگر اس کا نصف بھی لگا لیا جائے تب بھی سلسلہ کی زمینوں سے ستّر لاکھ روپیہ کی آمد ہو سکتی ہے اور اگر اتنی آمد ہو جائے تو نہ صرف ہم کافی تعداد میں مساجد تعمیر کر سکتے ہیں بلکہ اپنے مشنوں کے اگلے دس سالوں کا خرچ بھی رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم محنت سے کام کریں لیکن ہمارا حال

یہ ہے کہ ہم پہلے سے ہی خدا تعالیٰ پر بدظنی کر لیتے ہیں حالانکہ احادیث میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ[۶] یعنی میرے متعلق جس قسم کا گمان میرا بندہ کرتا ہے، اُسی قسم کا سلوک اس سے کرتا ہوں۔

اپنے اندر ایمان پیدا کریں

پس تحریک جدید کے کارکن پہلے اپنے اندر ایمان پیدا کریں پھر وہ کاشتکاروں میں ایمان پیدا کریں اور ان کے اندر عمل کا جوش پیدا کریں اگر وہ اس رنگ میں کام کریں تو صرف تحریک جدید کی زمینوں سے اِس قدر آمد ہو سکتی ہے کہ اس کے ذریعہ تبلیغی کام کو خوب وسیع کیا جا سکتا ہے اور دُنیا کے کئی ممالک میں مساجد تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ جب تک میں نے تحریک جدید کی زمینوں کی طرف توجہ نہیں کی تھی تحریک جدید کو ستائیس ہزار روپیہ سالانہ خسارہ ہوتا تھا لیکن جب میں نے زمینیں اپنی نگرانی میں لے لیں تو بجائے ستائیس ہزار روپیہ سالانہ خسارہ کے پچھتّر ہزار روپیہ سالانہ نفع آنے لگا۔

پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے بڑی برکتیں رکھی ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ تم ان سے فائدہ اُٹھاؤ اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان برکات سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری فصلوں کو حوادث سے محفوظ رکھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی برکت ہمارے شاملِ حال رہے تو ہمارا تھوڑا مال بھی بہت بڑے نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے پاس ایک شیشی میں مشک تھی جسے آپ کافی عرصہ تک استعمال فرماتے رہے لیکن وہ ختم ہونے میں نہ آتی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن مجھے خیال آیا کہ دیکھوں اس شیشی میں کس قدر مشک باقی ہے چنانچہ میں نے شیشی کو کھول کر دیکھا اور اس کے بعد وہ مشک جلدی ختم ہو گئی۔

اِسی طرح احادیث میں آتا ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک وسق جَو تھے میں کافی عرصہ تک اس میں سے جَو لے کر استعمال کرتی رہی لیکن وہ جو ختم نہ ہوئے۔ ایک دن مجھے خیال آیا کہ صرف ایک وسق جَو تھے تعجب ہے کہ وہ ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔ میں دیکھوں تو سہی کہ اب کتنے باقی ہیں چنانچہ میں نے جَو کا اندازہ کیا اور اس کے بعد وہ جلد ہی ختم ہو گئے۔[۷] پس اللہ تعالیٰ مومن کے اموال میں برکت دیتا ہے تم اس پر

توکل کرو اور محنت کرو پھر دیکھو تمہاری ان زمینوں سے خدا تعالیٰ تمہیں اتنا دے گا جو تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا۔

دعاؤں کی برکت

ناصر آباد میں میری زمینوں پر ایک دوست منشی قدرت اللہ صاحب سنوری مینیجر تھے۔ ایک دفعہ ہم زمین دیکھنے گئے۔ چونکہ سندھ میں صدر انجمن احمدیہ کی زمین تھی اس لئے میرے ساتھ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے اور مرزا بشیر احمد صاحب بھی تھے۔ وہاں اُن دنوں گھوڑے کم ملتے تھے۔ اُنہوں نے میرے لئے تو گھوڑا کسی سے مانگ لیا تھا اور دوسرے ساتھی میرے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ منشی قدرت اللہ صاحب نے باتوں باتوں میں بتایا کہ اُنہیں اِس قدر آمد کی اُمید ہے۔ اِس پر چوہدری صاحب اور مرزا بشیر احمد صاحب نے اِس خیال سے کہ منشی قدرت اللہ صاحب کو ان کی باتوں کا علم ہو کر تکلیف نہ ہو آپس میں انگریزی میں باتیں کرنی شروع کر دیں اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ شخص گپ ہانک رہا ہے، اِتنی فصل کبھی نہیں ہوسکتی۔ ان کا خیال تھا کہ منشی قدرت اللہ صاحب سنوری انگریزی نہیں جانتے مگر دراصل وہ اتنی انگریزی جانتے تھے کہ ان کی باتوں کو خوب سمجھ سکیں مگر وہ خاموشی سے ان کی باتیں سُنتے رہے۔ جب اُنہوں نے باتیں ختم کر لیں تو منشی صاحب کہنے لگے آپ لوگ خواہ کچھ خیال کریں، دیکھ لینا میری فصل اِس سے بھی زیادہ نکلے گی جو مَیں نے بتائی ہے۔ آپ کو کیا علم ہے؟ میں نے ہر کھیت کے کونوں پر سجدے کئے ہوئے ہیں اور یہ فصل میری محنت کے نتیجہ میں نہیں بلکہ میرے سجدوں کی وجہ سے ہوگی۔ میں نے ہر کونہ پر دو دو رکعت نماز پڑھی ہے اور چار چار سجدے کئے ہیں۔ اِس پر ان دونوں کا رنگ فق ہوگیا کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا انہیں پتہ نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صدر انجمن احمدیہ کو اس سال گھاٹا رہا لیکن منشی قدرت اللہ صاحب نے کئی ہزار روپیہ مجھے بھجوایا۔ میں نے سمجھا کہ یہ صدر انجمن احمدیہ کا روپیہ ہے جو غلطی سے میرے نام آ گیا ہے لیکن دیکھا تو معلوم ہوا یہ میرا ہی روپیہ ہے۔ ساتھ ہی منشی قدرت اللہ صاحب نے لکھا کہ میرا اندازہ ہے کہ اِتنی ہی آمد اَور ہو جائے گی۔ میں نے جو پیداوار ابھی تک اُٹھائی ہے وہ مَیں نے ایک ہندو تاجر کے پاس بھیجی ہے۔ آٹھ ہزار روپیہ مَیں بطور پیشگی لے کر بھیج رہا ہوں اور میں ابھی اَور روپیہ ارسال کروں گا حالانکہ

میری زمین صدر انجمن احمدیہ کی نسبت بہت تھوڑی تھی لیکن اُس سال صدر انجمن احمدیہ کو تو گھاٹا رہا لیکن مجھے نفع آیا۔ یہ محض منشی قدرت اللہ صاحب سنوری کے سجدوں کی برکت تھی۔

پس اگر احمدی زمیندار یہ دونوں کام کریں یعنی محنت بھی کریں اور سجدے بھی کریں اور خدا سے دُعا کریں کہ وہ ان کے دلوں کے زنگ کو دور کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم یورپ کی طرح اپنی پیداوار نہ بڑھا سکیں۔ جو ہاتھ پاؤں خدا تعالیٰ نے یورپ والوں کو دیئے ہیں وہی ہاتھ پاؤں اُس نے پاکستانیوں کو دیئے ہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں ہم لوگ یورپین لوگوں سے زیادہ محنت کر سکتے ہیں لیکن ہمیں بُری عادتیں پڑی ہوئی ہیں ہم اپنی طاقت کا صحیح استعمال نہیں کرتے ورنہ ہم میں طاقت اُن سے زیادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر ایک پاکستانی مسلمان پوری طاقت کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو وہ اکیلا چار یورپین افراد کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن نقص یہ ہے کہ یہ سُستی کرتا ہے اور یورپ والے سُستی نہیں کرتے۔

اہلِ یورپ کی محنت

میں ۱۹۲۴ء میں انگلینڈ گیا تو حافظ روشن علی صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ ان کی طبیعت میں مزاح تھا۔ ہم ایک زیرِ تعمیر مکان کے پاس سے گزرے تو ہم نے دیکھا کہ معمار اور مزدور اِس طرح بھاگ بھاگ کر کام کر رہے تھے جیسے کہیں آگ لگی ہوئی ہے اور وہ اُسے بُجھا رہے ہیں۔ ہم وہاں سے کچھ دور گئے تو حافظ صاحب نے کہا حضور! کیا آپ نے یہاں کوئی آدمی چلتا ہؤا بھی دیکھا ہے؟ میں ان کی بات کو سمجھ گیا اور میں نے کہا آپ درست کہتے ہیں۔ میں نے یہاں کسی کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا سب کو دَوڑتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔ غرض وہ لوگ کام کرنے کے عادی ہیں وہ ناممکن کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ ہم اُسے کر لیں گے لیکن ہم ممکن کو بھی ناممکن کہہ دیتے ہیں اِس لئے ہمارے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی برکت نہیں ہوتی لیکن اگر ہم صحیح رنگ میں محنت کریں اور دُعاؤں کی عادت بھی ڈال لیں تو ہمیں بھی سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔''

حضور کی اس تقریر کے بعد ایجنڈا کی اس تجویز کے بارہ میں ''کہ ہر جماعت میں سیکرٹری زراعت مقرر کیا جائے'' چند ممبران نے اپنی آراء پیش کیں۔ محترم میاں غلام محمد اختر صاحب ناظر زراعت نے بھی اس بارہ میں اظہار خیال کیا۔ اس پر حضور نے فرمایا:-

’’میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ غلام محمد اختر صاحب نے اپنے آپ کو ناظر زراعت قرار دیا ہے لیکن میرے خیال میں اس محکمہ کا کام وہی شخص کرسکتا ہے جسے زراعت سے واقفیت ہو۔ اختر صاحب محکمہ ریل کے ناظر تو ہو سکتے ہیں لیکن زراعت کے نہیں کیونکہ نہ اُنہوں نے خود کبھی زراعت کا کام کیا ہے اور نہ زراعت کا کام کروایا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں نے بھی کبھی ہل نہیں چلایا لیکن بچپن سے ہی مجھے زراعت کے کام کا شغف رہا ہے۔ مَیں نے خود کئی باغ لگوائے ہیں اور بڑے کامیاب باغ لگوائے ہیں۔ پھر گو میں نے زراعت کا باقاعدہ علم حاصل نہیں کیا لیکن اگر میرے ماتحت کوئی زراعت کا ایکسپرٹ کام کرے تو میں اُس سے اس موضوع پر تبادلہ خیالات کرسکتا ہوں اور اگر میں اس سے کچھ سیکھوں گا تو اُسے کچھ سکھاؤں گا بھی۔ اگر اختر صاحب اپنی تقریر میں یہ بتا دیتے کہ میرے ماتحت فلاں زراعت کا ایکسپرٹ کام کر رہا ہے اور وہ فارغ بھی ہے اور میں اس سے کچھ سیکھ رہا ہوں اور کچھ اُسے سکھا رہا ہوں تو اُن کا جواب درست ہوسکتا تھا، ورنہ موجودہ صورت میں اُن کا جواب تسلی بخش نہیں۔

میں نے جب نظارت زراعت قائم کرنے کے لئے کہا تھا تو اُس وقت میرے ذہن میں یہ تھا کہ میں اس کام پر کوئی ایکسپرٹ لگاؤں گا۔ میں نے اُس وقت یہ کہا تھا کہ ضروری نہیں کہ زراعت کا کوئی بی۔ ایس۔ سی یا ایم۔ ایس۔ سی ہو اور اُسے اِس کام پر لگایا جائے بلکہ میں نے کہا تھا کہ اِس کام سے شغف رکھنے والوں کو لگایا جائے اور اِس کے ساتھ ہی میں نے یہ تحریک کی تھی کہ جامعۃ المبشرین کے دو لڑکوں کو اِس کام پر لگاؤ۔ یہ دونوں لڑکے اُس زمین پر کام کریں جو ربوہ کے قریب ہمیں الاٹ ہوئی ہے۔ چنانچہ دو لڑکوں کو اِس کام پر لگا دیا گیا اور اگر وہ استقلال سے کام کرتے رہے تو تھوڑے عرصہ میں ہی وہ اس کے ماہر بن جائیں گے۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ دونوں ہل چلانے لگ گئے ہیں۔ اگر وہ اِسی طرح محنت کرتے رہے تو ایک سال میں ہی وہ ایکسپرٹ ہو جائیں گے۔ اِسی طرح اسی محکمہ میں سید عبدالرزاق شاہ صاحب ہیں اگرچہ وہ افریقہ میں ملازمت کرتے رہے ہیں لیکن جب وہ وقف کرکے آئے تو میں نے اُنہیں سندھ کی زمینوں پر لگایا اور وہاں اُنہوں نے زراعت کا کام سیکھا۔ اب بڑی حد تک اُنہوں نے زراعت کے کام میں

مہارت حاصل کر لی ہے۔ اُنہوں نے مجھے بتایا کہ حیدرآباد کے ضلع میں ایک زمیندار ہے، اُس نے ۷۰ من کپاس فی ایکڑ اور ۳۶ من فی ایکڑ توریا پیدا کیا ہے اگر اتنی پیداوار ہو جائے تو اٹلی والوں کی سی پیداوار ہو جاتی ہے کیونکہ اِس طرح فی ایکڑ ہزار ڈیڑھ ہزار روپے کی آمد ہو جاتی ہے۔ مجھے ان کی بات پر یقین نہیں آتا کیونکہ میں نے سندھ میں کوئی زمین اِس کے لگ بھگ پیداوار دینے والی بھی نہیں دیکھی تھی۔ چنانچہ اب وہ سندھ گئے تو میں نے اُنہیں کہا ہے کہ وہ اس زمیندار کا فارم دیکھ کر آئیں۔

بہرحال یہ بات درست نہیں کہ ہماری جماعت میں اِس کام کا کوئی ماہر نہیں۔ ہماری جماعت میں بھی ماہر موجود ہیں لیکن جہاں وہ زمیندارہ کام کے ماہر ہیں وہاں ٹلانے کے بھی ماہر ہیں۔ چنانچہ ایک دوست لمبے عرصہ تک مجھے خطوط لکھتے رہے کہ مجھے سلسلہ کا کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس کے باپ بھی ایک محکمہ کے سیکرٹری رہے ہیں اور بھائی بھی بڑے عُہدہ پر کام کرتا رہا ہے۔ میں نے انہیں کہا آپ آ جائیں۔ ہم آپ کو گورنمنٹ سے زیادہ گزارہ دے دیں گے۔ وہ زراعت کے ماہر ہیں اور انہیں اس کام کا وسیع تجربہ ہے۔ جہاں بھی کام خراب ہوتا ہے گورنمنٹ انہیں وہاں بھیج دیتی ہے اور اُنہوں نے ہزار ہزار روپیہ فی ایکڑ آمد پیدا کی ہے لیکن ہر دفعہ جب میں خط لکھتا ہوں تو وہ چُپ ہو جاتے ہیں اور پھر دو سال کے بعد اُن کا خط آ جاتا ہے کہ حضور مجھے سلسلہ کی خدمت کرنے کا موقع دیں، میری بدقسمتی ہے کہ مجھے ابھی تک جماعت کے کسی کام پر نہیں لگایا گیا۔ میں پھر اُنہیں لکھتا ہوں کہ آپ چُھٹی لے کر آ جائیں اور یہاں کچھ عرصہ کام کریں لیکن وہ پھر چُپ ہو جاتے ہیں۔ یورپ کے سفر سے واپسی کے بعد وہ پھر میرے پاس آئے اور کہا اب کوئی خدمت میرے سپرد کر دیں میں آ جاؤں گا۔ میں نے کہا ہم آپ کو کام پر لگانے کے لئے تیار ہیں لیکن آپ پورے طور سے فارغ ہو کر آ جائیں۔ اِس پر اُن کی طرف سے اطلاع آئی کہ میں اب ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایگریکلچر لگ گیا ہوں اِس لئے اب میں نہیں آ سکتا۔ غرض میں نے دیکھا ہے کہ وہ دوست زراعت کے کام میں ماہر ہیں لیکن ٹلانے میں بھی بڑے ماہر ہیں۔

اب جیسا کہ میں نے بتایا ہے دو شاہدین کو میں نے زراعت کے کام پر لگایا ہے کالج میں اُنہیں دیسی طب اور ٹیکہ لگانے کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ اِسی طرح اُمید ہے وہ

ہمارے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔

ہر مبلّغ کو کوئی نہ کوئی فن آنا چاہئے

مَیں نے جامعہ والوں کو کہا ہے کہ ہر مولوی کو کوئی نہ کوئی فن آنا چاہئے۔ مثلاً اُسے موٹر ڈرائیوری اور مکینک کا کام سکھایا جائے۔ اسی طرح اَور فنون سکھائے جائیں تا کہ وہ قوم کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہوں۔ یہ دونوں لڑکے جنہیں زراعت کے کام پر لگایا گیا ہے مخلص خاندانوں کے ممبر ہیں اور بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں۔ اگر وہ ایکسپرٹ ہو جائیں تو ہم انہیں نظارت زراعت میں ایڈوائزر کے طور پر لگا لیں گے۔ بہرحال میرے نزدیک اختر صاحب اس محکمہ کی نگرانی نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے یہ کام نہ کبھی خود کیا ہے اور نہ کسی اور سے کروایا ہے۔ وہ ریلوے میں ساری عمر ملازمت کرتے رہے ہیں اِس لئے وہ ریلوں کے ٹائم ٹیبل تو بتا سکتے ہیں مگر زراعت کی نگرانی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہم بعض مبلّغوں کو یہ کام سکھا رہے ہیں اور اُمید ہے کہ چند ماہ میں وہ اس بارہ میں مشورے دینے کے اہل ہو جائیں گے۔

میں اکثر زمینوں پر سیر کے لئے جاتا ہوں۔ وہاں ایک دفعہ میں نے اپنے مالی کو کہا کہ کھاد بناؤ۔ میں نے اُسے ہدایت دی کہ آٹھ دس فٹ گہرا گڑھا کھودو۔ جو قریباً اسقدر چوڑا بھی ہو۔ اس میں درختوں اور پودوں کے پتے ڈال دو اور اُس پر مٹی ڈال کر پانی دے دو تو وہ گل سڑ جائیں۔ کچھ دنوں کے بعد مَیں پھر سیر کے لئے گیا اور اُس سے دریافت کیا کہ کیا گڑھا تیار ہو گیا ہے تو اُس نے کہا میں اِس بارہ میں سوچ رہا ہوں۔ پانچ سات دن کے بعد پھر گیا تو اُس نے ایک ٹوکری کے برابر گڑھا مجھے دکھایا اور کہا اِسے مَیں جلد پورا کر دوں گا۔ دس بارہ دن کے بعد پھر گیا تو اُس نے گڑھا تو بنا دیا تھا لیکن ابھی پتے نہیں ڈالے تھے۔ میں نے دریافت کیا تو اُس نے کہا میں پتے جمع کر رہا ہوں۔ پھر گیا تو دریافت کیا کہ کیا پتے جمع ہو گئے ہیں؟ تو اُس نے کہا پتے جمع کر لئے ہیں۔ میں نے کہا ان پر مٹی ڈالو اور پھر پانی ڈالو تا وہ گل جائیں تو وہ کہنے لگا ٹیوب ویل کی بجلی خراب ہو گئی ہے۔ جب ٹیوب ویل چلا اور مَیں نے کہا تم نے اس گڑھے میں پانی ڈالا ہے تو وہ کہنے لگا آج تو فلاں طرف پانی لگایا ہے، کل اس طرف پانی لگاؤں گا تو اس گڑھے میں بھی پانی پڑ جائے گا۔ غرض ڈیڑھ ماہ

کے بعد اُس نے تھوڑی سی کھاد تیار کی۔ یہ نقص محض محنت نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر ہمارے مبلّغ زراعت کا کام سیکھ لیں تو وہ ہمیں بہت کچھ کام دے سکتے ہیں بلکہ ہم ان سے ایڈوائزر کا کام بھی لے سکتے ہیں۔ پھر اختر صاحب بھی اُن سے یہ فن سیکھ سکتے ہیں لیکن اس سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے آدمی مہیا کیے جائیں جو ہل چلانا بھی جانتے ہوں اور زراعت کے کام سے بھی واقفیت رکھتے ہوں۔

ایک دوست نے ابھی کہا ہے کہ کھیت میں سے گھاس اُکھاڑ دی جائے تو فصل اچھی ہوسکتی ہے لیکن بڑی مصیبت تو یہی ہے کہ زمیندار اِس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ میں ایک دفعہ سندھ کی زمینوں پر گیا تو وہاں میں نے دیکھا کہ اگر دس ہزار پودا کپاس کا تھا تو پچاس ہزار پودا گھاس کا تھا پس یہ بات کہنی تو بہت آسان ہے کہ زمین سے گھاس نکلوا دو تو فصل اچھی ہوسکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ گھاس نکلوانے کے لئے کیا طریق اختیار کیا جائے۔ زمیندار تو گھاس نکالنے سے رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک امیر کا واقعہ سُنایا کرتے تھے کہ اُسے ایک دفعہ یہ شکایت پیدا ہوئی کہ کھانے کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے کہا کہ بجٹ بڑھ جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے سٹور کا دروازہ کُھلا رہتا ہے اور کھانے کی اشیاء گیدڑ اور کُتّے وغیرہ کھا جاتے ہیں آپ سٹور کو دروازہ لگوا دیں تو بجٹ کم ہوسکتا ہے چنانچہ اُس نے سٹور کو دروازہ لگوا دیا۔ گیدڑوں نے یہ بات سُنی تو اُنہوں نے رونا شروع کر دیا۔ ایک بوڑھا گیدڑ اُن کے رونے کی آواز سُن کر آیا تو اُس نے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے تم روکیوں رہے ہو؟ اُنہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور کہا ہم اِسی سٹور سے کھانا کھایا کرتے ہیں اب چونکہ سٹور کا دروازہ بن گیا ہے اس لئے ہمارے گزارے کی کوئی صورت نہیں رہی، اب تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔ بوڑھے گیدڑ نے کہا تمہاری عقل ماری گئی ہے جس شخص کو بیس سال تک سٹور کو دروازہ لگوانے کا خیال نہیں آیا، اُس کے سٹور کا دروازہ بند کون کرے گا۔

پس اصل بات تو یہ ہے کہ کام کس طرح کرایا جائے ورنہ سکیم پاس کر دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ میں جن لوگوں کو زمین کے کام پر لگاتا ہوں اُنہیں ہمیشہ یہی نصیحت کرتا ہوں

کہ زمیندارہ کام کے لئے ضروری ہے کہ سختی سے کام کروایا جائے اور قانون کی پابندی کروائی جائے ، ورنہ تم اس کام میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ صرف ایک شخص کو ناظر زراعت لگا دینے سے زراعت نہیں ہوسکتی ، نہ ہی زراعت کے پاس شدہ نوجوان کافی ہوسکتے ہیں۔اصل کام محنت کرنا ہے۔گھاس اُکھڑوانے کا قانون پاس کر دینا بہت آسان ہے لیکن گھاس اُکھڑوانا بہت مشکل ہے۔کام کروانے کے لئے کچھ عرصہ محنت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پھر مزارعہ خود بھی ماہر ہو جاتا ہے۔

میں ایک دفعہ سندھ گیا تو میرے پاس شکایت کی گئی کہ مزارع سوئے رہتے ہیں اور پانی ضائع ہو جاتا ہے میں نے کارکنوں کو لکھا کہ تم خود پانچ چھ دن جاگو اور کام کی نگرانی کرو تو یہ کام ہو جائے گا۔ پس ضروری امر یہ ہے کہ نگرانی کی جائے اور کام کرنے کی عادت پیدا کی جائے۔ پھر چاہے کوئی مولوی ہی ہو، وہ کام چلا لے گا۔ وہ گاؤں میں جا کر جب کسی زمیندار کا ہل چلائے گا اور پھر اُسے وعظ بھی کرے گا تو اُس کا اثر یقیناً زیادہ ہو گا۔ اِسی طرح لائبریری میں اِس موضوع پر لٹریچر جمع کرو اور پھر طلباء کو اس کے پڑھنے کی تلقین کرو تاکہ وہ نئے آلات اور نئے طریق کاشت سے واقف ہوسکیں۔ مثلاً آجکل حکومت مشینی کھاد پر زور دیتی ہے مجھے ایک شخص نے بتایا کہ اس کھاد سے اس کی فصل خراب ہوگئی ہے۔ اس پر میں نے اُسے ایکسپرٹ کے پاس بھیجا۔ اُس نے کہا مشینی کھاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ سبزہ کی یا جانور کی کھاد بھی ہو۔ اگر دوسری کھاد اس کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہو تو یہ فصل کو خراب کر دیتی ہے پھر ہم نے یہی طریق اختیار کیا تو فصل بجائے خراب ہونے کے اچھی ہوئی۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن اگر ان کے متعلق تجربہ حاصل ہو جائے تو بڑے مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔‘‘

زراعتی کمیٹیاں

سب کمیٹی کی تجویز کہ ’’باقی اضلاع میں صرف ضلعوار زراعتی کمیٹیاں مقرر کی جائیں‘‘ پر چند نمائندگان نے اظہارِ خیال کیا۔ اِس کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’اصل چیز جس کی طرف نہ ناظر صاحب زراعت نے توجہ دلائی ہے اور نہ وکیل الزراعت صاحب نے وہ یہ ہے کہ سب سے بڑی پرابلم (PROBLEM) یہ ہوتی ہے کہ

کون سے ٹکڑوں میں کون سی فصل کی کون سی قسم کاشت کی جائے۔ ضلع وار کمیٹی اِس کا فیصلہ نہیں کرسکتی اور نہ اس کے متعلق وہ تفصیلی علم حاصل کرسکتی ہے اس کا فیصلہ گورنمنٹ کے گزٹیئر (GAZETTEER) یا رپورٹیں پڑھ کر کیا جاسکتا ہے۔ سنٹر کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ ایسے آدمی مقرر کرے جو گورنمنٹ کا گزٹیئر اور رپورٹیں پڑھیں اور معلوم کریں کہ کس کس ضلع کے کس کس ٹکڑا میں فصل کی کون کون سی اقسام پیدا ہوسکتی ہیں مثلاً کسی علاقہ میں کپاس کی ایک قسم اچھی ہوگی اور کسی میں دوسری اور بعض علاقے ایسے ہوں گے جہاں کپاس ہو ہی نہیں سکتی۔ اب یہ واقفیت پہنچانا مرکز کا کام ہے۔ احمد نگر میں ہمیں زمین الاٹ ہوئی تو میں نے دیکھا وہاں کپاس کے پودے بہت اچھے قد کے تھے۔ میں نے سمجھا کہ سندھ میں اس قسم کی کپاس ہو تو بارہ بارہ تیرہ تیرہ من کپاس فی ایکڑ نکلے لیکن ایک زمیندار نے مجھے بتایا کہ یہاں تو فی ایکڑ اڑھائی تین من سے زیادہ نہیں نکلے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا بعد میں پتہ لگا کہ گورنمنٹ کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اس علاقہ میں کپاس نہیں ہوسکتی۔

پھر ایک احمدی انسپکٹر نے کہا یہاں تمباکو بوئیں تو اچھی آمد ہوسکتی ہے۔ بعض دوستوں نے اس وقت اعتراض بھی کیا کہ تمباکو کے استعمال سے تو ہم منع کرتے ہیں۔ میں نے کہا بے شک ہم نہیں پیتے مگر اَور پینے والے تو ہیں اس لئے تمباکو کو بونے میں کیا حرج ہے۔ میں نے اس انسپکٹر سے کہا کہ تمباکو پر ٹیکس زیادہ لگتا ہے۔ میں نے قادیان کے قریب راجپورہ میں دو کنال تمباکو لگوایا تھا تو اس پر ایک سو روپیہ ٹیکس لگ گیا تھا۔ اس انسپکٹر نے کہا گورنمنٹ نے سارے ملک کا سروے کرنے کے بعد معلوم کیا ہے کہ کس کس علاقہ میں کس کس قدر مقدار میں تمباکو فی ایکڑ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے مطابق اُس نے ٹیکس کی مقدار مقرر کی ہے۔ اب اگر آپ کے علاقہ میں تمباکو کم پیدا ہوتا ہے اور کوئی انسپکٹر زیادہ ٹیکس لگاتا ہے اور آپ گورنمنٹ کے پاس احتجاج کرتے ہیں تو آپ کے احتجاج کو درست تسلیم کیا جائے گا اور اُس کی رپورٹ کو غلط سمجھا جائے گا بعض علاقوں میں ۶۰۔ ۶۰ من تمباکو فی ایکڑ پیدا ہوتا ہے۔ وہاں اگر انسپکٹر کے لگائے ہوئے زیادہ ٹیکس پر زمیندار احتجاج کرے تو اس کی طرف گورنمنٹ توجہ نہیں دے گی اور انسپکٹر کے لگائے ہوئے ٹیکس کو منظور کرے گی۔ بہرحال ہر علاقہ کے لئے مناسب ٹیکس کی مقدار مقرر کی گئی ہے اس سے زیادہ ٹیکس لگے تو اس پر احتجاج

کیا جا سکتا ہے۔

پھر بعض علاقوں میں کپاس کی امریکن قسم اچھی ہوتی ہے اور بعض میں دیسی کپاس بوئیں تو اس سے زیادہ آمد ہوسکتی ہے۔ اب یہ کہ کس علاقہ میں کپاس کی کون سی فصل بوئی جائے اِس کا فیصلہ مرکز کر سکتا ہے۔ مرکز ماہرفن مقرر کرے، وہ گورنمنٹ کی ہدایات اور رپورٹیں پڑھتا ہے۔ پھر لائبریری میں اس قسم کا لٹریچر منگوایا جائے جس کا وہ مطالعہ کرے اور اس کے مطابق احمدی زمینداروں کو ہدایات جاری کرے۔ مثلاً ضلع سیالکوٹ کے متعلق گورنمنٹ کی زرعی رپورٹ پڑھ کر جماعتوں کو یہ اطلاع دے کہ فلاں فلاں حصہ میں چاول کی فلاں فصل ہوسکتی ہے اور فلاں فلاں حصہ میں فلاں فصل۔ پھر آجکل گندم کی بعض خاص اقسام دریافت کی گئی ہیں۔ بعض علاقوں میں ایک قسم اچھی پیدا ہوتی ہے۔ پھر گورنمنٹ نے بھی بعض علاقوں میں یہ شرط رکھی ہے کہ ان میں صرف فلاں قسم کی گندم بوئی جائے۔ مثلاً زمین زیادہ اعلیٰ ہو تو اس میں ۵۹۱ بوئی جائے اور اس سے ادنیٰ میں ۵۱۸ کی کاشت کی جائے۔

پس ماہر فن مطالعہ کرنے کے بعد ہر ضلع کی زمین کو تقسیم کرے اور جماعتوں کو اطلاع دے تا ادنیٰ اور اعلیٰ ٹکڑوں کو آپس میں بدلنے سے نقصان نہ ہو۔ احمد نگر کی زمین کے متعلق گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ یہاں باسمتی نہیں ہوتی۔ میں زچ ہو گیا اور منتظمین سے کہا کہ وہ دو کنال زمین میں باسمتی بوئیں اور دیکھیں کہ اس سے کس قدر پیداوار ہوتی ہے چنانچہ ایک ٹکڑا زمین جو چار کنال سے بھی کم تھا بویا گیا اور اس سے نو من کے قریب باسمتی نکلی۔ اس حساب سے ایک ایکڑ میں ۱۸۔ ۱۹ من باسمتی پیدا ہوسکتی ہے۔ اس طرح گورنمنٹ کی رپورٹ غلط ثابت ہوئی کیونکہ باسمتی بونے سے فی ایکڑ آمد ۔/۳۶۰ روپیہ کے قریب ہو جاتی ہے لیکن جھونا بونے سے نوے یا سَو روپیہ آمد ہوتی ہے۔

پس مرکز ایسا انتظام کرے کہ وہ اپنے طور پر بھی تجربہ کر کے زمینداروں کو مناسب ہدایات جاری کرے اگر زمیندار ان ہدایات پر عمل کرنے سے ہچکچاہٹ محسوس کریں تو ان میں سے کسی سے کہیں کہ وہ فلاں قسم کی فصل کسی چھوٹے سے ٹکڑا میں کاشت کرے تا کہ پتہ لگے کہ فصل کیسی ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ تجربہ کامیاب ہو جائے تو دوسروں سے بھی ایسا کرنے کے لئے کہا جائے۔

بہرحال بعض رپورٹیں گورنمنٹ کی بھی غلط ہوتی ہیں لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ گورنمنٹ کی رپورٹیں درست ہوتی ہیں اور ان کے مطابق عمل کرنے سے زمیندار اپنی آمد میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ کماد کی فصل کے متعلق بھی تجربہ کیا گیا ہے کہ بعض جگہ اس کی ایک خاص قسم اچھی پیدا ہوتی ہے اور بعض جگہ دوسری۔ پھر بعض جگہ موڈھا کماد کام دے جاتا ہے اور بعض جگہ نہیں۔ مثلاً سندھ میں موڈھا کماد کام نہیں دیتا لیکن مجھے ایک زمیندار نے بتایا (وہ جالندھر کے تھے) کہ ہمارے ہاں گیارہ سال تک موڈھا کماد چلا گیا۔ اس سال تو فصل کم ہوئی لیکن دوسرے سال اس میں زیادتی ہوئی اور پھر چھ سال تک اس میں زیادتی ہوتی چلی گئی۔ چھ سال کے بعد مقدار میں کمی آنی شروع ہوئی۔ ماریشس کے علاقہ میں گیارہ گیارہ بارہ بارہ سال تک موڈھا چلا آتا ہے۔ وہاں زمین اچھی ہے لیکن سندھ میں دوسرے سال ہی فصل خراب ہو جاتی ہے اگر مرکز اس قسم کے تجربات اپنی نگرانی میں کرائے تو تھوڑے سے ہی عرصہ میں بہت سی چیزوں کی لسٹ بن جائے گی اور اس سے زمیندار فائدہ اُٹھاسکیں گے۔ راجپورہ ضلع گورداسپور میں ریتلی زمین تھی، وہاں گندم اور کماد کی کاشت کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شخص نے کسی جگہ بیٹھ کر مونگ پھلی کھائی۔ بعض مونگ پھلیاں خراب تھیں اُس نے اُنہیں زمین پر پھینک دیا۔ ان پر اتفاقاً جانور کا گوبر پڑا۔ جس کی وجہ سے اِس قدر مونگ پھلی نکلی کہ اگر اسے ایکڑوں کے حساب سے بویا جاتا تو فی ایکڑ ہزار ہزار روپیہ آمد ہو جاتی۔ اِسی طرح بعض اور چیزیں بھی ہیں جو بعض علاقوں میں اچھی ہوتی ہیں لیکن بعض میں نہیں ہوتیں۔

سندھ والوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ہندوستانی قسم کے آم نہیں ہوتے۔ ملتان میں ایک خاص قسم کا آم ہوتا ہے۔ مرزا مظفر احمد وہاں ڈی۔ سی مقرر ہوئے تو میں نے ان سے کہا اس کا ایک پیوند حاصل کرو تا کہ اسے سندھ میں اپنی زمینوں میں بویا جائے۔ اُنہوں نے کوشش کی لیکن پیوند نہ مل سکا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر دوسرے لوگ بھی اِسی قسم کو پیدا کرنے لگ گئے تو ہمارا فخر جاتا رہے گا۔ وہاں پادریوں کا ایک ہسپتال ہے اس قبیلہ کے لوگ بِالعموم اسی ہسپتال سے علاج کراتے ہیں۔ ان کے ذریعہ بھی ہم نے پیوند حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن پیوند نہ ملا۔ بعد میں ایسا اتفاق ہوا کہ اس قبیلہ نے ملک عمر علی صاحب سے کسی معاملہ میں

سفارش کرائی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کر ان سے تین پودے لے لو۔ ایک اپنے ہاں بوؤ، ایک مجھے دے دو اور ایک میاں بشیر احمد صاحب کو دے دو۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک پیوند حاصل کر کے مجھے بھجوایا میں نے وہ اپنے مالی کو دے دیا اور اس نے اُسے دوسرے درختوں میں لگایا لیکن اُس نے پتہ نہ دیا اور ہمارا تجربہ کامیاب نہ ہؤا۔ پھر میں نے انہیں ہدایت دی کہ آم خرید کر لگائیں چنانچہ بارہ آم خرید کئے گئے لیکن قاعدہ یہ ہے کہ پیوند لگانے سے بہترین آم پیدا ہوتا ہے، گٹھلی بونے سے اچھا آم پیدا نہیں ہوتا لیکن ایک دفعہ ایک کتاب مرے مطالعہ میں آئی وہ امداد امام صاحب جو بہار کے رئیس تھے اور علی امام صاحب کے والد تھے، اُنہوں نے لکھی تھی۔ انہیں باغات لگانے کا بڑا شوق تھا۔ اُنہوں نے اپنے تجربات کی بناء پر اس کتاب میں لکھا تھا کہ اگر کسی گٹھلی کو بویا جائے اور وہ اُگ آئے تو چھ ماہ کے بعد پودے کو دوسری جگہ لگائیں اور پھر ہر تین ماہ کے بعد اُس کی جگہ بدلتے جائیں۔ تو وہ درخت اصل آم کی طرح پھل دینے لگ جائے گا۔ پھر میں نے پڑھا تھا کہ شہد میں ڈبو کر گٹھلی کو لگایا جائے تو آم میٹھا ہوتا ہے۔ میں نے وہ گٹھلیاں لگوائیں اور ان کتابوں کے مطابق تجربہ کیا تو بارہ گٹھلیوں میں سے سات گٹھلیاں اُگیں۔ پھر ان میں سے دو پودے مر گئے، پانچ بچے، ان پودوں کو میں نرسری میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کراتا رہا۔ اب وہ درخت آم دینے لگ گئے ہیں اور وہ آم بالکل اصل آموں کی طرح ہیں۔ پھر اُن آموں کی بڑی شُہرت ہوئی۔ میرا ایک کارکن مچل فارم کے پاس بعض پودے لینے گیا تو اُنہوں نے کہا کہ ناصر آباد کے ''نورالہدیٰ'' آم بہت اچھے ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک درخت مجھے بھی دیں کہ میں اُسے اپنے باغ میں لگاؤں۔ اب دیکھو پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سندھ میں ہندوستان اور ملتان کے آم پیدا نہیں ہوتے لیکن بعد میں ہم نے تجربہ کیا اور ملتان کا ''نورالہدیٰ'' اور ہندوستان کی بعض اقسام پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

پس تجربہ سے بعض نئی نئی چیزیں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ مرکز میں جو آدمی ہو اُسے ان کاموں کی دھت سی لگی رہے۔ قادیان میں میاں بشیر احمد نے باغ لگایا ہؤا تھا۔ اُنہیں آم لگانے کا بہت شوق تھا چنانچہ انہیں کئی دفعہ انعام ملا۔

ناصر آباد میں بھی بڑے سائز کا ’’فجری‘‘ آم پیدا ہو گیا ہے۔ پس کوشش کی جائے تو بہت حد تک کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

میں نے قادیان میں دوستوں کو نصیحت کی تھی کہ ہر زمیندار آم کے چار چار درخت ہر کھیت میں بوئے لیکن اُنہوں نے میری بات نہ مانی۔ اگر اُنہوں نے اس ہدایت پر عمل کیا ہوتا تو ہر احمدی زمیندار کے پاس ایک باغ ہوتا۔ پھر الگ الگ لگائے ہوئے درخت پھل بھی زیادہ دیتے ہیں۔ دیوانی وال کے تکیہ میں ایک آم کا درخت تھا وہ ہر سال تین تین چار چار سَو روپیہ پر بِک جاتا تھا گویا ایک ایک ایکڑ سے تین تین چار چار سَو کی زائد آمد پیدا کی جاسکتی ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ آم کا درخت سات سال کے بعد پھل دیتا ہے اور مالٹا کا درخت پانچویں چھٹے سال پھل دیتا ہے لیکن آم کا درخت سو سال تک پھل دیتا چلا جاتا ہے۔ شالا مار باغ میں بعض ایسے درخت ہیں جو اڑھائی سَو سال سے پھل دے رہے ہیں۔ بہرحال عام طور پر آم کا درخت دونسلوں تک پھل دیتا چلا جاتا ہے۔ جماعت کو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور ہر احمدی کو یہ نصیحت کرنی چاہئے کہ وہ اپنے ہر کھیت میں پھلوں کے چار چار درخت لگائے۔ آٹھ سال کے بعد ان کے پاس ایک مستقل باغ ہو جائے گا اور اس سے زائد آمد کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

ہماری جماعت کا ایک بڑا حصہ زمینداروں پر مشتمل ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ وہ حارث اور حرّاث ہوگا یعنی وہ خود بھی زمیندار ہوگا اور ایک بڑے زمیندار کا بیٹا بھی ہوگا اِس لئے آپ کی جماعت کو سمجھ لینا چاہئے کہ زمیندارہ کام میں بہت برکت ہے۔ پس زمینداروں کو چاہئے کہ وہ صحیح طور پر کام کریں اور اپنی آمد اور پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کریں۔

جو سکیم زراعت کے متعلق پیش کی گئی ہے اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے علمی حصے ضلع کی جماعت پورے نہیں کر سکتی۔ ضلع کی امارت آگے کئی امارتوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ مثلاً بوہلہ مہاراں کی جماعت کو ہی لے لو اِس حلقہ کی امارت اپنی امارت کے حلقہ کی جماعتوں کو ہی ہدایات جاری کر سکتی ہے اور اپنے علاقہ کے متعلق ہی معلومات حاصل کر سکتی ہے۔

جو حصہ اِس سکیم کا تمام صوبے یا ملک سے تعلق رکھتا ہے اُس کے متعلق ضلع کی جماعت کو مرکز ہی اطلاع دے سکتا ہے۔ ایک امارت زیادہ سے زیادہ ۵ × ۵ میل پر مشتمل ہوگی اور ضلع کی امارت زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ × ۱۰۰ میل پر حاوی ہوگی بہرحال مرکز کو چاہئے کہ وہ جماعتوں کو زرعی امور کے متعلق ہدایات جاری کرے اور اُنہیں بتائے کہ فلاں جگہ فلاں فصل کم ہوتی ہے اور فلاں جگہ زیادہ۔

روس نے زمین کا سروے کرنے کے بعد جب اپنے ملک میں ہدایات جاری کیں کہ فلاں علاقہ میں صرف فلاں فصل کی کاشت ہوسکتی ہے اور فلاں علاقے میں فلاں کی تو اُن کی آمد میں دس گُنا اضافہ ہوگیا لیکن ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ ہر زمیندار یہ سمجھتا ہے کہ ساری چیزیں اپنے گھر کی ہی ہوں۔ ماش بھی اپنے گھر کے ہوں، تِل بھی اپنے گھر کے ہوں، شکر بھی اپنے گھر کی ہو، چاول بھی اپنے گھر کے ہوں، گندم بھی اپنے گھر کی ہو، کپاس بھی اپنے گھر کی ہو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ساری فصلیں اس زمین کے حالات کے مطابق نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے زمیندار کی آمد میں کمی آ جاتی ہے۔ اگر ہمارے ملک میں بھی ہر فصل کے مطابق علاقہ کو چُن لیا جائے اور پھر وہاں صرف اُسی چیز کی کاشت کرنے کا زمینداروں کو مشورہ دیا جائے تو نہ صرف ملک کی آمد میں اضافہ ہوگا بلکہ افراد کی اقتصادی حالت ترقی کرے گی اور یہ ہدایات مرکز ہی دے سکتا ہے ضلع کی کمیٹی یہ کام نہیں کرسکتی۔''

نیز فرمایا:۔

''ڈاکٹر نے مجھے لکھا ہے کہ آپ کو یہاں آئے ہوئے اڑھائی گھنٹے ہوگئے ہیں اس لئے اب آپ کو واپس چلنا چاہئے کل تو شور بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے تکلیف محسوس ہوتی رہی لیکن آج اِتنی دیر بیٹھنے کے باوجود کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ شاید کام کرنے کی عادت بڑھ رہی ہے۔

ایک رؤیا

بہرحال اس وقت میں دوستوں کو ایک رؤیا سنا دیتا ہوں۔ چند دن ہوئے مجھے رؤیا میں ایک عورت نظر آئی جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اُس نے مجھے غافل پا کر مجھ پر توجہ کی تھی۔ خواب میں مَیں سمجھتا ہوں کہ ۱۹۵۳ء کے فسادات میں چونکہ جماعت کے دشمن بُری طرح خائب وخاسر ہوئے تھے اِس لئے اس ناکامی کے بعد میرے متعلق

ان کے اندر یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! یہ شخص ختم ہو جائے کیونکہ یہ ہمارے راستہ میں روک بنا ہوا ہے اگر یہ رستہ سے ہٹ جائے تو یہ جماعت بھی ختم ہو جائے گی۔ جب مجھے محسوس ہوا کہ اس عورت نے مجھ پر توجہ کی تھی تو میں نے اُسے کہا کہ تم نے بے خبری کے عالَم میں مجھ پر توجہ کر لی تھی اب مجھ پر توجہ کرو تو جانوں۔ اِتنے میں مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک مرد اُس عورت کو اشارہ کر رہا ہے۔ اِس پر اُس عورت نے بھی انگلی سے اُسے اشارہ کیا۔ میں نے اس وقت اس کی انگلی پر توجہ کی اور میں نے دیکھا کہ اس توجہ کے نتیجہ میں اُس کی انگلی بالکل اکڑ گئی۔ پھر میں نے اس کی انگلی پکڑ کر دیکھا تو وہ مُڑتی نہیں تھی۔ اُس مرد نے بھی اس کی انگلی مروڑی لیکن وہ نہ مُڑی۔ اس سے مَیں نے یہ سمجھا کہ میری یہ بیماری چونکہ دشمنوں کی ایک مخفی توجہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی، اس لئے اس کا تعلق زیادہ تر دعاؤں سے ہی ہے۔ چنانچہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ جن دنوں کثرت سے دُعائیں ہوں مجھے آرام آنا شروع ہو جاتا ہے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی میں نے دیکھا ہے کہ اگرچہ میں نے بہت زیادہ کام کیا تھا لیکن چونکہ دوستوں نے دعا کی طرف خاص توجہ کی تھی اِس لئے نہ صرف میری طبیعت پر کام کا کوئی بوجھ نہ پڑا بلکہ بعد میں بھی میری صحت ترقی کرتی گئی۔

سوئٹزرلینڈ میں بھی مَیں نے رؤیا دیکھا تھا کہ ہماری جماعت کے ہزاروں ہزار آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور میرے لئے دُعا کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے خدا! اِس نے تیری کتاب قرآن کریم کو ہمارے اِتنا قریب کر دیا تھا کہ ہمیں یوں معلوم ہوتا تھا یہ ہم پر ہی نازل ہو رہی ہے۔ ابھی ہم اِس بات کے لئے تیار نہیں ہیں کہ یہ شخص ہم سے جُدا ہو جائے تو ہم پر رحم کر اور اسے ہمارے درمیان رہنے دے[8] اس وقت میں نے سمجھا کہ اِس رؤیا میں میری موت کی طرف اشارہ ہے لیکن بعد میں مَیں نے دیکھا کہ میری صحت ترقی کرنے لگی اور کچھ دنوں کے بعد اُس دُعا کے نتیجہ میں جو رمضان کے آخر میں ربوہ میں ہوئی تھی میری طبیعت بڑی حد تک اچھی ہوگئی۔

میں گھر میں بھی کہا کرتا ہوں کہ میری بیماری جناتی قسم کی بیماری ہے۔ ایک منٹ میں طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور ایک منٹ میں سنبھل جاتی ہے۔ جب تکلیف کا اظہار کرتا ہوں تو گھر والے کہتے ہیں ابھی تو آپ اچھے بھلے تھے اور اب آپ تکلیف کا اظہار کر رہے ہیں۔

مَیں انہیں یہی جواب دیتا ہوں کہ میری بیماری جنّاتی قسم کی ہے۔
احادیث میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو ہو جانے کے متعلق روایت آتی ہے اُس کی وجہ بھی درحقیقت یہی تھی کہ یہودی خواہش رکھتے تھے کہ آپ فوت ہو جائیں اور اُن کے اندر یہ خواہش اتنی شدت اختیار کر گئی کہ اُس کا آپؐ کی طبیعت پر بھی اثر گیا۔ میری بیماری کی وجہ بھی یہی تھی چنانچہ میں نے خواب میں اُس عورت سے یہی کہا کہ پہلے تو مَیں ناواقف تھا اِس لئے تمہاری توجہ کا اثر ہو گیا، اب توجہ کرو تو میں جانوں۔ پھر میں نے اُس کی اُنگلی پر توجہ کی تو وہ اکڑ گئی اور اُس کی ایسی حالت ہو گئی کہ وہ اِدھر اُدھر مُڑتی نہیں تھی۔ دوسرے شخص نے بھی اس کی انگلی مروڑی تو وہ نہ مُڑی۔ بہرحال میری طبیعت ایسی ہے کہ اگر صبح کو اچھی ہوتی ہے تو شام کو خراب ہو جاتی ہے۔ مَیں نے خطبہ میں بھی بیان کیا تھا کہ میری حالت عجیب ہے اگر میں کہتا ہوں کہ میں اچھا ہوں تو پچاس آدمیوں کے نام ملاقات کے لئے آ جاتے ہیں اور اگر مَیں یہ کہوں کہ میں بیمار ہوں تو یہ جھوٹ ہوتا ہے کیونکہ اُس وقت میں تندرست ہوتا ہوں۔ ویسے ملاقات ہوتی رہتی ہے اور تفسیر کا کام بھی کر رہا ہوں لیکن آنے والے تھوڑا وقت لیں اور میری صحت کا خیال رکھیں تو کوئی حرج نہیں لیکن آنے والے سمجھتے ہیں کہ آج ہی ساری کسر پوری کر لی جائے۔ ڈاکٹر تو ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ آپ کی طبیعت بالکل اچھی ہے لیکن ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ اچھا ہونا آپ کے اختیار میں ہے۔ کام کا یہ حال ہے کہ میں نے سَیر روحانی کی تین تقریریں ٹھیک کروا دی ہیں۔ سورۃ کافرون کی تفسیر ہو چکی ہے اور سورۃ مریم اور طٰہٰ کے نوٹ لکھوا رہا ہوں۔ احباب دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے قرآن کریم کی تفسیر کا کام پورا کرنے کی توفیق دیدے اور میرا اگلا سال اِس سال سے بہتر ہو۔ اب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کام کرائیں گے میں واپس جاتا ہوں۔‘‘

نوجوانوں کو جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے کی تحریک

مشاورت میں یہ سوال زیرِ بحث آیا کہ جامعہ احمدیہ میں طلباء کے داخلہ کی کمی کیسے دور کی جائے۔ اس بارہ میں ممبران کے اظہارِ خیال کے بعد حضور نے فرمایا:-

''ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے جو دونوں سوالوں پر غور کرے۔ علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں مقرر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب ان امور پر اس اجلاس میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں کمیٹی بیٹھے گی اور ان امور پر غور کر لے گی اور اس کی سفارشات پر صدر انجمن احمدیہ غور کرے گی۔ باقی اصل چیز یہ ہے کہ ہمیں تو نسخہ قرآن کریم نے بتا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى [9] یعنی تم تحریک کرتے جاؤ ایک نہ ایک دن وہ تحریک ضرور کامیاب ہو گی۔ خالی میرے خطبات کافی نہیں۔ جب لڑکے پڑھتے ہیں تو کئی لڑکے ایک دفعہ بات سن کر متأثر ہوتے ہیں، کئی دو دفعہ بات سن کر متأثر ہوتے ہیں اس لئے اگر میں ایک یا دو خطبات میں کسی امر کی تحریک کروں تو اُس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ چاہئے تھا کہ اساتذہ لوگوں سے درخواست کرتے کہ وہ طلباء کو جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے کے لئے تحریک کریں اور اُن کے دلوں میں دینی علوم حاصل کرنے کا شوق پیدا کریں لیکن اُنہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی حالانکہ دُنیا میں یہی طریق رائج ہے کہ اصلاح کے قابل لوگوں تک پہنچ کر اُن کی اصلاح کی جاتی ہے۔ جیل خانہ جات میں بھی لوگ جاتے ہیں اور قیدیوں کو اخلاق کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ سکول اور کالج میں اس کا انتظام کیا جائے اور علماء بھی اِس طرف توجہ کریں۔ وہ ہیڈ ماسٹر صاحب اور پرنسپل صاحب کو ملیں اور اُن سے کہیں کہ وہ اُنہیں طلباء سے مل کر اُنہیں دینی تعلیم کی عظمت بتانے کا موقع دیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو طلباء میں جوش پیدا ہو جائے اور بہت سے لڑکے جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آ جائیں گے۔

پچھلے دنوں مَیں نے چند خطبات پڑھے ہیں ان کی وجہ سے کئی لوگوں نے اپنی زندگی وقف کی ہے۔ ایک دوست کا خط آیا ہے کہ اس نے اپنے میٹرک پاس لڑکے سے زندگی وقف کرنے کا ذکر کیا اور وہ جامعہ احمدیہ میں آنے کو تیار ہے۔ اِسی طرح ایک اَور بی۔ اے کے طالب علم کی طرف سے بھی خط آیا ہے اور بھی کئی لوگوں کے خطوط آئے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ تحریک کی جائے اور اس کا کوئی اثر نہ ہو۔ ضرورت ہے کہ انہیں بار بار تحریک کی جائے اور علماء اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ وہ یہ خیال نہ کریں کہ میں نے خطبہ پڑھ دیا ہے اِس لئے مزید تحریک کی ضرورت نہیں۔ وہ ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل سے مل کر طلباء کو دینی تعلیم

کی طرف توجہ دلائیں۔ لڑکوں سے مل کر اُنہیں نصیحت کریں اور سمجھائیں کہ دین کی خدمت کرنا اچھا ہے۔ اگر علماء اِس طرف توجہ کریں تو طلباء کو جامعہ احمدیہ کی طرف متوجہ کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔

داخلہ کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں اُن کے متعلق ابھی کچھ بیان کرنا تضیعِ اوقات ہے، ان پر بھی کمیٹی خود غور کرے گی۔ بیرونی مبلّغوں سے بھی رائے طلب کی جائے کہ کتنے مبلّغوں کی ضرورت ہے اور اس کے مقابلہ میں کس قدر داخلہ ہوسکتا ہے۔ مجھے شکایت ہے کہ سرحد کے احمدی نوجوانوں میں سے بہت کم نوجوان زندگی وقف کر کے آئے ہیں۔ صرف ایک سرحدی نوجوان نے بی۔ اے پاس کر کے اپنی زندگی وقف کی ہے۔ اس کے رشتہ دار کامیاب وکیل ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ مجھے وکالت پاس کرنے کی اجازت دیں، میں وکالت پاس کر کے وقف میں آ جاؤں گا اور سلسلہ کے لئے زیادہ مفید وجود ثابت ہوں گا۔ میں نے کہا یہ سب دھوکا ہے تم دینی کام کرو اور اس بات کا خیال جانے دو کہ تم اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سلسلہ کے لئے مفید وجود ثابت ہو گے۔ چنانچہ اس نے شرح صدر سے میرا مشورہ قبول کیا اور جامعۃ المبشرین میں داخل ہو گیا اور اگلے سال وہ شاہد ہو جائے گا۔

پس سمجھانے سے سب کچھ ہو جاتا ہے اب جماعت لاکھوں کی ہے۔ اگر جماعت کے دس فیصدی لوگ بھی ہماری بات نہ مانیں تو گھبرانے کی وجہ نہیں، سمجھنے والے موجود ہیں اس لئے علماء کو چاہئے کہ وہ والدین اور اُن سے زیادہ بچوں کو سمجھائیں اور دینی تعلیم کی طرف اُنہیں توجہ دلائیں۔ بچے دلیر ہوتے ہیں اور بعض اوقات وہ ماں باپ کے روکنے کے باوجود وقف کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مجھے کئی ایک بچوں کے خطوط آتے ہیں کہ وہ دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارے والدین منع کرتے ہیں، کیا ہم والدین کی نافرمانی کر کے وقف کر سکتے ہیں؟ میں انہیں یہی لکھتا ہوں کہ کیا فوج میں بھرتی کے لئے ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے شک باپ منع کرتا ہے تو کرے تم وقف کر کے سلسلہ کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاؤ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لو۔ آپ کے والد نے آپ کو سیالکوٹ میں ملازم کرا دیا لیکن آپ جلد ہی ملازمت چھوڑ کر آ گئے اور ہم آپ کے ملازمت چھوڑ کر آ جانے کو نیکی سمجھتے ہیں اور

آپ کے اِس فعل کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں۔ پھر ماں باپ کی ناپسندیدگی کے باوجود وقف کرنے والے لڑکوں کو قابلِ مذمت کیوں قرار دیں۔ چنانچہ میں ایسے لڑکوں کو یہی جواب دیتا ہوں کہ اگر تمہیں اطمینان قلب حاصل ہے اور تم خدا تعالیٰ کا کام کرنا چاہتے ہو تو والدین کی پرواہ نہ کرو اور دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں پیش کر دو۔

پس اصل چیز یہ ہے کہ پوری طرح تحریک نہیں کی جاتی۔ باہر سے مہمان آتے ہیں، علماء کو چاہئے کہ اُنہیں بھی ملیں اور اِس بارہ میں انہیں تحریک کریں۔ قادیان میں پچاس ساٹھ مہمان روزانہ آ جاتے تھے۔ پندرہ بیس تو یہاں بھی آ جاتے ہوں گے، علماء ان کے پاس جائیں اور انہیں تحریک کریں کہ وہ اپنی اولاد میں سے ایک حصہ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کریں۔ چھٹیوں میں اُنہیں یہاں بھیج دیا کریں تا کہ وہ قرآن کریم سیکھیں۔ جب میٹرک پاس کر لیں تو اُنہیں جامعہ احمدیہ میں بھیج دیں اس کے بعد وہ عالم بن جائیں گے۔

پس علماء تحریک کریں، وہ دیکھیں گے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں نوجوانوں کو وقفِ زندگی کی طرف رغبت پیدا ہو جائے گی۔ دل خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ وہ اُنہیں جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے۔ صرف زبان ہلانے کی ضرورت ہے، نتائج کے متعلق فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا

پس خدا تعالیٰ تو آپ لوگوں کو مفت میں اَجر دینا چاہتا ہے ورنہ یہ اُس کا فیصلہ ہے کہ کام بہر حال ہوگا اس لئے چاہے والدین ناراض ہوں لیکن بچے وقفِ زندگی میں ضرور آئیں گے کیونکہ خدا تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وقف کرنے والے آئیں گے اور ضرور آئیں گے اور ہمارا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس قول پر ایمان لائیں جو مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ والدین اور بچوں کو تحریک کریں تا احمدیوں کے کانوں میں یہ بات پڑتی رہے کہ احمدیت کی خدمت کے لئے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ سپاہیانہ زندگی میں نوجوان بڑے شوق سے آتے ہیں۔ وقف بھی ایک قسم کا فوجی کام ہی ہے اِس میں نوجوان ضرور آئیں گے۔ ہمیں صرف تحریک کرتے رہنا چاہئے خدا تعالیٰ ضرور امداد

کرے گا، باقی تفصیلات کمیٹی خود طے کر لے گی۔''

اختتامی تقریر

مجلس مشاورت کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد حضور نے مختصر الوداعی خطاب فرمایا:-

اِس سال مشاورت کے لئے چار دن مقرر کیئے گئے تھے تاہم تین دن میں ہی کام مکمل ہو گیا۔ اِس کا نیز اپنی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔

''میں بیماری کی وجہ سے اپنے ماحول کو بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ مجلس میں کئی باتیں ہوتی ہیں ایک بات کا دوسری بات سے تعلق ہوتا ہے لیکن میں اپنے ذہن میں ان کے تسلسل کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ ورنہ جب میری صحت اچھی تھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارا کام میں خود ہی کرتا رہا ہوں اب مجبور ہوں۔ جب ایک بات کے بعد دوسری بات شروع ہوتی ہے تو میں پہلی بات بُھول جاتا ہوں اور اس طرح تسلسل قائم نہیں رہتا، دماغ پریشان ہو جاتا ہے اس لئے جو کام میری طاقت سے باہر ہے اسے کرنا میرے لئے مشکل ہے۔

شوریٰ کے لئے اِس سال چار دن مقرر تھے مگر میں نے دیکھا ہے کہ اس سال بہت کم لوگ شوریٰ پر آئے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں آہستہ آہستہ اِس کی عادت پڑ جائے گی۔ چندوں کو ہی لے لو، شروع شروع میں لوگ بہت کم چندہ دیتے تھے پرانی لِسٹوں کو دیکھ لو آنہ آنہ، دو دو آنہ چندہ لکھا ہے آج جماعت کے غریب سے غریب افراد بھی بڑی بڑی رقوم بطور چندہ دے جاتے ہیں۔ تھوڑے دن ہوئے ایک شخص مجھے ملنے آیا وہ غیر احمدی تھا دیر تک وہ مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ بعد میں اُس نے سَو روپے چندہ دیا اور کہا کہ اِس رقم سے کتابیں خریدیں اور اپنی لائبریری میں رکھیں۔

پس کُجا یہ حالت تھی کہ اگر کوئی احمدی دو آنہ یا تین آنہ چندہ دیتا تھا تو اخبارات میں چھپتا تھا کہ فلاں شخص نے اِتنی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے لیکن اب ایک معمولی احمدی بھی پانچ چھ روپیہ سالانہ دے دیتا ہے۔ پھر کئی ایسے بھی ہیں جو ہزار ہزار، دو دو ہزار روپیہ سالانہ چندہ دیتے ہیں اور اب تو عام چندہ کے علاوہ تحریک جدید کا چندہ بھی ہے۔ پس یہ عارضی روکیں ہیں۔ علماء سکولوں سے تعلقات پیدا کریں اور لڑکوں کو تحریک کریں کہ وہ خدمتِ دین

کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ پھر انٹرنس کیا بی اے بھی وقف میں آئیں گے ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اُن سے ملیں اور اُن پر دین کی اہمیت واضح کریں اور سلسلہ کی ضرورت پیش کریں۔ اِس سے اُن کے اندر خدمتِ دین کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔

اس سال شوریٰ کے لئے چار دن مقرر تھے لیکن مجلس نے پچھلے سال کی طرح تین دن میں اپنا کام ختم کر دیا مگر امید ہے کہ آہستہ آہستہ جماعت کے دوست اِس بات کی اہمیت کو سمجھ جائیں گے اور نمائندگان بھی کثرت سے آئیں گے اور کام بھی تین دنوں میں ختم نہیں ہوگا۔ اِسی طرح تقریریں کرنے والوں کو بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے زیادہ وقت دیا جاسکے گا۔

ہمارے ملک میں ایک مشہور ضربُ المثل ہے کہ ''سہج پکے سو میٹھا ہو'' جو پھل آہستہ آہستہ پکتا ہے وہ ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ اگر کسی آم کو جلد پکانے کے لئے پندرہ لحاف اُس پر ڈال دیئے جائیں تو زیادہ گرمی کی وجہ سے وہ سڑ جائے گا لیکن اگر اسے تھوڑی اور مناسب گرمی پہنچائی جائے تو وہ میٹھا ہوگا جماعت کو بھی جو ترقیات ملی ہیں وہ آہستہ آہستہ ہی ملی ہیں۔ پہلی شوریٰ کو ہی لے لو اُس میں سَو ڈیڑھ سَو ممبر شامل ہوتے تھے لیکن پھر ان کی تعداد پانچ سَو سے بھی بڑھ گئی۔ تقسیم ملک کے بعد ممبران میں پھر کمی آنی شروع ہوئی لیکن آہستہ آہستہ یہ کمی پھر زیادتی سے بدل گئی۔

بہر حال جب کسی چیز پر نیا دَور آتا ہے تو کم لوگ اس میں حصہ لیتے ہیں۔ ربوہ میں پہلا سالانہ جلسہ ہؤا تو اُس میں بہت کم لوگ آئے تھے لیکن اب جلسہ پر آنے والوں کی تعداد چالیس پچاس ہزار کے قریب ہوتی ہے اور دوست دیکھیں گے کہ کسی دن جلسہ پر آنے والوں کی تعداد خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھ سے بھی آگے نکل جائے گی۔ اِسی طرح اِس دفعہ شوریٰ کا کام چار دن کی بجائے تین دن میں ختم کر دیا گیا ہے لیکن جب دو چار دفعہ چار دن کی سکیم چل جائے گی تو دماغ پک جائیں گے اور آنے والے سوچیں گے کہ اُنہوں نے چار دن تک یہاں رہنا ہے اور پھر لوگ بڑی کثرت سے آنے لگ جائیں گے۔

آؤ اب ہم یہ دعا کر کے شوریٰ کے اجلاس کو ختم کریں کہ خدا تعالیٰ ہمیں پھر اگلے سال شوریٰ میں شریک ہونے کا موقعہ دے اور ہمیں عمدگی سے ان چار دنوں کو استعمال کرنے کی

توفیق بخشے۔ اسی طرح کام کرنے والوں کو یہ بات سمجھنے کی عادت پڑ جائے کہ ہم نے چار دن کام کرنا ہے اور آنے والوں کو بھی یقین ہو کہ اُنہوں نے چار دن تک یہاں رہنا ہے اور اس کے بعد واپس جانا ہے۔''

اس کے بعد حضور نے نمائندگان سمیت لمبی دعا کروائی اور شوریٰ کا اجلاس ختم ہوا۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء)

---

۱ الوصیت صفحہ ۲۱۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۱۹

۲ تذکرہ صفحہ ۱۳۹ ایڈیشن چہارم

۳ **پونڈا:** گنّا۔ موٹا اور نرم گنّا

۴ **مقاطعہ:** ٹھیکہ

۵ الشعراء: ۲۲۶

۶ بخاری کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تَعَالٰی وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ

۷ صحیح بخاری کتاب الرقاق باب فضل الفقر

۸ الفضل ۱۴ جون ۱۹۵۵ء

۹ الاعلیٰ: ۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۷ء

(منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ ؍ مارچ ۱۹۵۷ء)

پہلا دن

دُعا

جماعت احمدیہ کی اڑتیسویں مجلس مشاورت ۲۱ تا ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ہال میں منعقد ہوئی۔ کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوُا۔ اس کے بعد حضور نے دُعا سے متعلق فرمایا:-

''اب مَیں دُعا کر دیتا ہوں دوست بھی میرے ساتھ شامل ہوں۔ دعاؤں میں اس بات کا خیال رکھیں کہ اپنے ملک اور سلسلہ دونوں کے لئے دعائیں کریں۔ بعض لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ ملک کی ترقی یا اس کی کامیابی ایک دُنیوی معاملہ ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہمارے ملک کی ترقی نہیں ہوگی تو ہماری جماعت کی آمد بھی نہیں بڑھے گی۔ ہماری جماعت کا بڑا حصہ پاکستان میں رہتا ہے۔ اگر پاکستان کی مالی حالت ترقی کرے تو جماعت کی مالی حالت بھی ترقی کرے گی اور چندے بھی بڑھیں گے اور جُوں جُوں چندے بڑھیں گے بجٹ بھی بڑھے گا، اسی طرح آپ کی مسجدیں بھی انشاء اللہ بڑھتی چلی جائیں گی۔

اِسی طرح اگر ملک کی تجارتی ترقی ہو تو فارن ایکسچینج آزاد ہو جاتا ہے۔ آجکل مسجدیں بنانے میں روپیہ کی اِتنی دِقّت نہیں جتنی فارن ایکسچینج کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہماری جماعتیں یورپ میں بھی ہیں، افریقہ میں بھی ہیں، امریکہ میں بھی ہیں اس کی وجہ سے گورنمنٹ کی مہربانی کے علاوہ ان جماعتوں کی مدد سے بھی ہمارے کچھ کام ہو جاتے ہیں مگر اس میں ابھی زیادہ آزادی نہیں۔ ہماری باہر کی جماعتیں ابھی تھوڑی ہیں، زیادہ جماعتیں

پاکستان میں ہی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کی تجارت میں برکت دے اور ملک کا ایکسچینج بڑھ جائے اور ہماری جماعت کو بھی کثرت سے ایکسچینج مل سکے تو ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑی سُرعت کے ساتھ مسجدیں بنا سکتے ہیں۔ دِقّت زیادہ تر ایکسچینج کی ہوتی ہے۔ باہر کے لوگ چونکہ ہماری حکومت کے قانون کے نیچے نہیں ہوتے اِس لئے کچھ تو گورنمنٹ ایکسچینج دیتی ہے اور کچھ ہمارے غیر ملکی احمدیوں سے امداد مل جاتی ہے اور ان دونوں کو ملا کر مبلّغوں کا خرچ بھیجا جاتا ہے اور مساجد کی تعمیر کی کوشش کی جاتی ہے لیکن پاکستان گورنمنٹ سے حاصل کردہ ایکسچینج اور غیر ملکی احمدیوں کی مدد ملا کر بھی اتنی رقم جمع نہیں ہوتی کہ ہم کوئی بڑا کام کر سکیں۔ وہ رقم بہت قلیل ہوتی ہے اور بڑی مشکل سے بیرونی مشنوں کے اخراجات چلائے جا سکتے ہیں۔

پس دُعائیں کرو کہ جن باتوں پر ہم یہاں غور کرنے کے لئے آئے ہیں اُن میں اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح طریق اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم ایسی باتوں کا فیصلہ کریں جو اسلام اور سچائی اور امن کے لئے مفید ہوں اور ایسی باتوں کا فیصلہ نہ کریں جو اسلام اور سچائی اور امن کے لئے مُضِر ہوں۔

خدا تعالیٰ خود ہماری راہ نمائی کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہم بڑے غور و فکر کے ساتھ ایک بات کے متعلق یہ خیال کریں کہ وہ ہمارے لئے مفید ہوگی لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بُری ہو۔ پس خدا کرے کہ ہمارے ذہن میں وہ باتیں آئیں جو ہمارے نزدیک بھی اچھی ہوں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہوں تا کہ اس سے ہم کو بھی فائدہ پہنچے، اسلام کو بھی فائدہ پہنچے اور دینِ حقّہ کو بھی فائدہ پہنچے۔ پس تم یہ دُعائیں کرو اور یہ دُعا بھی کرو کہ تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کا جو بجٹ ہم پاس کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بجٹ شاندار بنا لیا جائے چاہے دس لاکھ کا بنا لیا جائے لیکن آئے دس ہزار بھی نہیں تو اُس بجٹ کا فائدہ کیا ہے۔ اس دفعہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ ۲۸ لاکھ کا ہے مگر ۲۸ لاکھ کا بجٹ تبھی بابرکت ہو سکتا ہے جب ۲۸ لاکھ کی بجائے ۳۰ لاکھ آئیں۔ ہم تو اُس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب کروڑوں نہیں اربوں کا بجٹ ہوا کرے گا اور دُنیا کے چپہ چپہ پر مسجدیں ہوں گی اور دُنیا کے چپہ چپہ پر اسلام کا مبلّغ ہوگا اور

ہماری خوشی اور ہماری راحت کا وقت وہی ہوگا اِس لئے دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صرف بجٹ پاس کرنے کی ہی توفیق نہ دے بلکہ بجٹ میں جو رقوم درج ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے بہت زیادہ سلسلہ کے لئے مالی قربانی کی ہمیں توفیق دے اور پھر جماعت کی مالی حیثیت اور اس کی تعداد کو بڑھاتا جائے یہاں تک کہ ہمارا بجٹ کروڑوں نہیں اربوں اور کھربوں تک پہنچ جائے گا اور دُنیا کا کوئی ملک اور کوئی گوشہ ایسا نہ ہو جس میں ہم مسجدیں نہ بنالیں اور کوئی گوشہ ایسا نہ ہو جس میں ہماری طرف سے اسلام کے مبلّغ موجود نہ ہوں۔

اِسی طرح جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے یہ بھی دُعائیں کرو کہ ہماری گورنمنٹ کے لئے جو تجارت کی دقتیں ہیں، اسی طرح فارن کرنسی کی دِقّتیں ہیں خدا تعالیٰ انہیں دُور کرے۔ پھر حکومت کا دل بھی وسیع کرے کہ جو ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ کرنسی منظور کرے جس کے ساتھ مسجدیں بھی بنیں اور مبلّغ بھی باہر جا سکیں۔ غرض اللہ تعالیٰ دینی اور دُنیوی دونوں حالتوں میں ہماری بھی اور ہمارے ملک کی بھی مدد کرے۔

دُعا کے بعد سب سے پہلے ایک ریزولیوشن پیش ہوگا جس کے متعلق میں نے جلسہ میں بھی ذکر کیا تھا۔ اس کے بعد سب کمیٹیاں تجویز کی جائیں گی۔ اب سب لوگ میرے ساتھ شامل ہو کر دعا کریں۔''

اِس کے بعد حضور نے دعا کروائی اور دعا کے بعد فرمایا:-

انتخابِ خلافت کے متعلق ایک ریزولیوشن

''اب میں باقی ایجنڈا شروع کرنے سے پہلے مولوی ابوالعطاء صاحب کو ہدایت دیتا ہوں کہ وہ ریزولیوشن جو میری ہدایت کے مطابق بنایا گیا ہے اور جلسہ سالانہ پر انتخاب خلافت کے سلسلہ میں مَیں نے اس کا ذکر کیا تھا پڑھ کر سنائیں۔''

اس پر مولوی ابوالعطاء صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور آپ نے مندرجہ ذیل تقریر کی:-

''مسئلہ خلافت اسلام کا ایک اہم مسئلہ ہے اور جماعت احمدیہ نصف صدی سے پُوری وضاحت اور یقین کے ساتھ اس پر قائم ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا انتخاب ہوا تو جماعت نے بِالاتفاق اس بات کا

اظہار کیا کہ یہ مسئلہ جماعت کے لئے نیز اسلام کی حفاظت اور ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ کا دَور شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر یہ امر ثابت کر دیا کہ جماعت کے انتظام، اس کی ترقی اور اشاعت کے لئے خلافت کا وجود نہایت ضروری ہے۔ پچھلے ۴۵ سال کا دَور ہماری نظر کے سامنے سے گزرا ہے اور ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ کس طرح خلافت کے افضال اور برکات جماعت پر نازل ہوئی ہیں۔

حيّ و قيّوم صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہر انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اُس نے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے امام کو لمبی اور صحت والی زندگی عطا فرمائے لیکن یہ مسئلہ جماعت کے لئے انتہائی قابلِ توجہ ہے تا آئندہ جماعت میں تشتّت اور تفرقہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔

جماعت کے احباب کو علم ہے کہ بعض فتنہ پردازوں نے ایک گروہ بنا کر فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ۱۹۵۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پر منکشف فرمایا کہ بعض لوگ جاہ طلبی کی وجہ سے جماعت کے انتظام کو توڑنے اور اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حضور نے بیماری کے باوجود نہایت ہمت اور محنت سے اس فتنہ کی سرکوبی فرمائی اور آپ سب لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر آپ کی مدد اور نصرت فرمائی۔ حضور نے واضح فرمایا ہے کہ خلیفہ خدا ہی مقرر فرماتا ہے اس کے لئے کوشش کرنا ناجائز ہے۔ خلافت ایک مقدس امانت ہے اور جماعت کا فرض ہے کہ وقت آنے پر نئے خلیفہ کا انتخاب کرے لیکن اِن جاہ طلب اور فتنہ پرداز لوگوں کو مایوس کرنے اور جماعت میں اتحاد کو مستحکم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ابھی سے خلافت کے انتخاب کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرے۔‘‘

مکرم مولوی صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:-

’’تازہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین خلافت احمدیہ ابھی تک اپنی کوششوں میں سرگرم ہیں اور ہر رنگ میں جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے جماعت کے ہر فرد کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت بیدار رہے۔ تا کہ دشمن اپنے منصوبہ اور سازش میں

کامیاب نہ ہوں۔ اب میں اس بات کے ثبوت میں کہ خلافت کے مخالف ابھی تک اپنی کوششوں میں سرگرم عمل ہیں بعض شہادتیں پیش کرتا ہوں۔

مکرم جناب چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی کی شہادت

مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی فرماتے ہیں:-

''غالباً فروری یا مارچ ۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی مجھ سے کراچی میں دو تین دفعہ ملنے کے لئے آئے اتفاق ایسا ہوا کہ میں انہیں مل نہ سکا۔ اس کے بعد اُنہوں نے مجھے پیغام بھجوایا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں مجھے کچھ وقت دیا جائے۔ میں نے یہ محسوس کر کے کہ وہ دو تین دفعہ مجھ سے پہلے بھی ملنے کی کوشش کر چکے ہیں مگر میں انہیں نہیں ملا حسنِ اخلاق کے ماتحت مناسب سمجھا کہ انہیں خود جا کر مل لوں کیونکہ وہ میری بیوی کے رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ میں نے پیغامبر سے کہا کہ میں آج شام خود اس جگہ حاضر ہو جاؤں گا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اُن کا قیام اس وقت احمد غزنوی صاحب سپیشل جج کے ہاں تھا۔ شام کو میں حسب وعدہ اُن کے ہاں گیا۔ دوران گفتگو میں اُنہوں نے حضرت (خلیفۃ المسیح الثانی) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ذکر شروع کر دیا اور مجھے کہا کہ میں نے حضور کی بیعت کر لی ہے۔ میں اس پر ہنس پڑا اور میں نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس پر اُنہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے بیعت کر لی ہے اور کہا میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ کہ میں نے بیعت کر لی ہے اور اس کے بیان کرنے میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں۔ دوسرے دن میں اور ملک اُن کے پاس گئے۔ مَیں منصور ملک کو اُن کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ بعد میں منصور ملک صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ نے تو مجھے بتایا نہیں۔ یہ بزرگ تو احمدی ہیں۔ میں نے کہا یہ مجھ سے بھی یہی بات کہتے تھے لیکن اس بزرگ کا اعتبار نہیں۔ یونہی منافقت کر رہے ہیں۔ احمدی نہیں ہیں۔''

''دسمبر ۱۹۵۶ء کے تیسرے ہفتہ کا واقعہ ہے کہ عبدالرحمٰن غزنوی جو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی کا بھانجا ہے ایک شادی کے سلسلہ میں مجھے میٹروپول ہوٹل میں ملا اور اُس نے کوئی گفتگو چھیڑ کر مجھے کہا کہ آپ لوگوں نے ہمارے ماموؤں کو جماعت سے نکال دیا ہے لیکن ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے نانا کی خلافت ہمارے ماموؤں کو مل جائے۔

آپ بھی ہمارے ماموؤں کے ساتھ مل جائیں۔ میں نے کہا مجھ سے تُو مار کھائے گا کہنے لگا اگر آپ نہیں تو آپ کی اولاد ہمارے قابو آجائے گی۔ میں نے کہا میں نے اس اولاد کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ سے دُعائیں شروع کر دی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اسے شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے اس لئے میری اولاد آپ لوگوں کے قابو نہیں آسکتی۔ دوسرے خلافت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے دے۔ آپ کو ہماری خلافت کی اتنی فکر کیوں ہے۔ پھر اپنے ماموؤں کے متعلق تو آپ کو اتنی گھبراہٹ ہے۔ کم سے کم آپ نے اپنے نانا کی بیعت تو کر لی ہوتی کہنے لگا آپ لوگوں نے ہمارے ماموؤں کو جماعت سے نکال دیا ہے وہ خلیفہ ہوں یا نہ ہوں آپ لوگوں میں ہم نے اختلاف ضرور پیدا کر دیا ہے۔ میں نے کہا شیطان کی جانشینی بھی تو کسی نے کرنی تھی۔ دورانِ گفتگو میں اُس نے یہ بھی کہا کہ میں اللہ رکھا کو پچاس روپے ماہوار دیتا رہا ہوں۔ یا یہ کہا کہ اب بھی دے رہا ہوں۔ بہرحال اس کا مفہوم یہی تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ میرے گھر آ کر ذرا اپنی بہن کو بھی مل لو۔ کہنے لگا۔ میں گیا تو اُس نے بات تو سُنی نہیں جوتیاں مارنی شروع کر دینی ہیں۔ میں نے کہا۔ تمہارا علاج ہی یہی ہے۔

خاکسار عبداللہ خان امیر جماعت احمدیہ کراچی‘‘

اس شہادت سے جو دسمبر ۱۹۵۶ء کے واقعات پر مشتمل ہے ثابت ہے کہ مخرجین کا خاص مقصد خلافت کا حصول یا کم از کم جماعت احمدیہ میں تفرقہ پیدا کرنا ہے۔ جس کا میاں عبدالمنان صاحب کے رشتہ دار برملا اظہار کرتے ہیں۔ اس ناپاک سکیم کے لئے یہ لوگ اللہ رکھا جیسے انسان کو رقمیں دے کر بھی کام لے رہے ہیں۔

پس احباب جماعت کا فرض ہے کہ وہ مخرجین کے فتنہ سے ہوشیار رہیں اور انہیں جماعت احمدیہ میں تفرقہ پیدا کرنے کے منصوبہ میں کامیاب نہ ہونے دیں۔

مکرم مولوی صاحب نے مزید فرمایا کہ:-

۷/ مارچ ۵۷ء کی بات ہے کہ عزیزم عطاء الرحیم حامد کو گول بازار میں سے گزرتے ہوئے ایک خط کا ایک ورق ملا جو وہ اُٹھا کر گھر لے آیا۔ وہ ورق میں آپ کو سناتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے ماموں صاحب! خدا تعالیٰ آپ کو عمر دراز دے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

صبح کا ایک بجنے کو ہے۔ میں ابھی ابھی منہ لپیٹ کر رضائی اوڑھے پڑا تھا۔ خیال آیا کہ ماموں جان نے کوئی خبر اپنے ہاتھ سے نہیں بھیجی۔ دل یا دماغ دونوں میں سے کسی ایک نے کچھ گلہ شکوہ بھی تجویز کیا۔ پھر معاً خیال آیا کہ آپ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ بھلے مانس تم نے کیا ہماری خبر لی جو ہم پر دوش دیتے ہو۔ ماموں جان! جس بات نے مجھے اس وقت چراغ جلا کر لکھنے کو مجبور کیا ہے وہ یہ ہے کہ جناب کو جو صدمہ جماعت کی ناراضگی سے پہنچا ہے وہ غم و غصہ میں تبدیل ہو کر اللہ تعالیٰ نہ کرے کہ آپ کے ایمان کو ضائع کر دے۔ پیارے ماموں! اگرچہ ظاہر میں آپ کی ربوہ سے ہجرت بُری نظر آتی ہے مگر اس سے خوبی جنم لیتی ہے۔ یہ موقع آپ کے ایمان کو اجاگر کرنے کے لئے بڑا ہی مبارک ہو سکتا ہے اگر آپ زیادہ سے زیادہ تبلیغ اسلام کی اپنے قلم سے کرسکیں۔ پیارے ماموں! خدا تعالیٰ وہ دن جلد لائے کہ لاہور کے ہر اخبار میں آپ کے ہدایت سے بھرپور مضمون نظر آنے لگیں اور احباب مجبور ہو کر یہ کہہ اُٹھیں کہ یہ صاحب احمدی ہیں۔ آپ صرف کمربستہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ پیارے ماموں! یہی ایک طریقہ ہے جو آپ کو پریشانیوں سے نجات دلا سکتا ہے۔''

یہ خط ظاہر کرتا ہے کہ یہ میاں عبدالمنان صاحب کے نام لکھا گیا ہے اور اُن کی جیب سے گرا ہے۔ وہ ان دنوں ربوہ آئے ہوئے تھے۔ اس خط میں انہیں یہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ وہ اخبارات میں مضامین شائع کر کے یہ اثر قائم کریں کہ وہ احمدی ہیں تاکہ اپنی سکیم کو بروئے کار لاسکیں۔ ان منصوبوں کے ہوتے ہوئے جماعت کے لئے ضروری ہے کہ وہ انتخابِ خلافت کے لئے کوئی مبین طریق تجویز کرے۔

جماعت پر یہ امر واضح ہے کہ انتخاب کے وقت جماعت کے ہر فرد کا حاضر ہونا ضروری نہیں۔ اربابِ حلّ وعقد کا فرض ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک نہایت موزوں اور متقی شخص کو خلیفہ منتخب کرلیں اور باقی جماعتوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کی وفاداری کا

حلف اُٹھائیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:-

(ترجمہ) ’’جب یہ طے ہو گیا کہ امام کا مقرر کرنا اجتماعی طور پر واجب ہے تو یہ امر فرض کفایہ قرار پایا۔ اب اربابِ حل و عقد کے ذمہ ہوگا کہ وہ خلیفہ کا تقرر کریں اور باقی جماعت پر واجب ہوگا کہ سب کے سب خلیفہ کی اطاعت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔‘‘ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۶۱ مطبوعہ مصر)

شیخ رشید رضا صاحب ایڈیٹر ’’المنار‘‘ مصر نے اپنی کتاب ’’الخلافۃ‘‘ میں اس بات پر بحث کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

(ترجمہ) ’’اہل سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خلیفہ مقرر کرنا فرض کفایہ ہے اور امت کے اربابِ حل و عقد اس تقرر کے ذمہ وار ہیں۔ معتزلہ اور خوارج بھی اس پر متفق ہیں کہ اربابِ حل و عقد کی بیعت کے ساتھ خلافت قائم ہو جاتی ہے۔ ہاں بعض علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اربابِ حل و عقد کون ہیں؟ آیا اِن سب کی بیعت ضروری ہے یا معین تعداد کی بیعت سے خلافت قائم ہو جاتی ہے یا یہ کہ اس بارے میں تعداد کی کوئی شرط نہیں۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ اُن کا اربابِ حل و عقد قرار دیا جانا ہر قسم کے اختلاف سے خالی ہو۔ کیونکہ اس لفظ کے ظاہری معنے یہ ہیں کہ وہ امت کے لیڈر ہیں اور امت کی اکثریت ان پر اعتماد رکھتی ہے۔ اور ان کے مقام کو ایسے طور پر مانتی ہے کہ جس کو وہ خلیفہ مقرر کریں گے امت اس کی اطاعت کرنے میں اُن کی پیروی کرے گی تا کہ امت کا نظام قائم رہے اور مقرر ہونے والے خلیفہ کی نافرمانی اور بغاوت کا سوال پیدا ہی نہ ہو۔ علامہ سعد الدین تفتازانی شرح المقاصد میں دوسرے متکلمین اور فقہاء کے ہم نوا ہو کر لکھتے ہیں کہ اربابِ حل و عقد سے مراد علماء اور قوم کے سردار اور بڑے لوگ ہیں۔ امام نوویؒ المنہاج میں فرماتے ہیں کہ اُن میں سے جن کا حاضر ہونا وقت پر ممکن ہو وہ منتخب کریں گے۔‘‘ (صفحہ ۱۱)

امام ابوالحسن الماوردی جنہیں سب سے بڑا قاضی سمجھا جاتا تھا اپنی کتاب

’’الاحکام السلطانیہ‘‘ میں لکھتے ہیں:-

(ترجمہ) ’’امامت دو طرح سے منعقد ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ جماعت مسلمین کے ارباب بسط وکشاد کسی شخص کو منتخب کریں۔ دوم اس طرح کہ سابق خلیفہ کسی کو نامزد کرے۔ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہؤا ہے کہ ارباب بسط وکشاد کی کتنی تعداد انتخاب کرنے والی ہونی چاہئے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ہر ملک کے عمومی ارباب حل وعقد کا اجتماع ہونا چاہئے۔ تا کہ سب کی رضا مندی ہو اور سب منتخب ہونے والے خلیفہ کی خلافت کو اجتماعی طور پر تسلیم کرلیں۔ مگر یہ رائے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے مسئلہ سے نادرست قرار پاتی ہے کیونکہ وہاں پر جو لوگ اس موقع پر حاضر تھے ان کے انتخاب سے خلیفہ کا انتخاب کیا گیا تھا اور غیر حاضر لوگوں کے آنے کے انتظار میں بیعت کو ملتوی نہیں کیا گیا تھا۔ علماء کی ایک دوسری جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ کا انتخاب ارباب حل وعقد میں سے کم از کم پانچ افراد کے انتخاب سے صحیح ہو جاتا ہے خواہ وہ پانچوں ہی اس خلافت کے بارے میں اجتماعی طور پر انتخاب کرنے والے ہوں۔ یا ان میں سے ایک مقرر کرے اور باقی چار رضا مندی کا اظہار کرنے والے ہوں۔ علماء کی اس جماعت کا استدلال دو باتوں پر ہے (۱) حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پانچ اصحاب کے اجتماع سے ہوئی تھی۔ باقی لوگوں نے ان پانچ کی اس بارے میں اتباع کی تھی۔ وہ پانچ حضرات عمر ابن الخطاب۔ ابوعبیدہ بن الجراح۔ اُسید بن حضیر۔ بشیر بن سعد اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم تھے۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کے انتخاب کے لئے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ مقرر کی تھی اور فرمایا تھا کہ پانچ کی رضا مندی سے ان میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ خلافت کے انتخاب کے لئے اربابِ حل وعقد کی مقدار پانچ ہونے کے متعلق ہی اہل بصرہ کے اکثر فقہاء اور متکلمین کا مذہب ہے۔‘‘

(الاحکام السلطانیہ صفحہ ۴)

جناب ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی لیکچرار عربی علی گڑھ یونیورسٹی

لکھتے ہیں:-

الف ’’تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس بناء پر کافی تشویش رہتی تھی کہ امتِ مسلمہ کے باقی ماندہ اعیانِ ملت میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو جانشینی کے لئے تجویز کیا جاسکے حضرت عمرؓ نے انتخاب (اور یہ حقیقی معنوں میں انتخاب تھا) کا معاملہ چھ اشخاص کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا۔ فیصلہ کثرت رائے سے ہونا تھا اور آراء کی مساوات کی حالت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حَکَم بنایا جانا تھا بشرطیکہ مجلس کے اراکین اس پر متفق ہوں۔ بصورت دیگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اختیار دیا گیا کہ اپنی فیصلہ کن رائے (casting vote) سے کسی اور امیدوار کے حق میں فیصلہ کر دیں۔ اس میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ اعیانِ ملت کا فیصلہ ہمیشہ قطعی سمجھا جائے گا اور عامۃ المسلمین اس فیصلہ کی تصدیق حلف وفاداری سے کریں گے ...... الماوردی کا بیان اس بارے میں نہایت واضح ہے کہ اعیانِ ملت کا انتخاب عامۃ الناس کے لئے قبول کرنا لازمی ہے۔‘‘

(رسالہ ’’اسلام میں خلیفہ کا انتخاب‘‘ صفحہ ۲۳، صفحہ ۲۴)

مکرم مولوی صاحب نے اس تقریر کے بعد فرمایا۔

اب میں وہ قرارداد پڑھتا ہوں جو شریعتِ اسلامیہ اور پرانے علماء کی تحقیقات کی روشنی میں مجلسِ علماء سلسلۂ احمدیہ نے مرتب کی ہے۔ قرارداد کا متن یہ ہے:-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

انتخاب خلافت کے متعلق ایک ضروری ریزولیوشن

تمہید

سیدنا حضرت ...... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے موقع پر آئندہ خلافت کے انتخاب کے متعلق یہ بیان فرمایا تھا کہ پہلے یہ قانون تھا کہ مجلس شوریٰ کے ممبران جمع ہو کر خلافت کا انتخاب کریں لیکن آجکل کے فتنہ کے حالات نے اِدھر توجہ دلائی ہے کہ تمام ممبرانِ شوریٰ کا جمع ہونا بڑا لمبا کام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھا کر منافق کوئی فتنہ کھڑا کر دیں اِس لئے اب میں یہ تجویز کرتا ہوں جو اسلامی شریعت

کے عین مطابق ہے کہ آئندہ خلافت کے انتخاب میں مجلس شوریٰ کے جملہ ممبران کی بجائے صرف ناظران صدر انجمن احمدیہ، ممبران صدر انجمن احمدیہ، وکلاء تحریک جدید، خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زندہ افراد (جن کی تعداد اس غرض کے لئے اس وقت تین ہے۔ یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب میاں عبداللہ خان صاحب) جامعۃ المبشرین کا پرنسپل۔ جامعہ احمدیہ کا پرنسپل اور مفتی سلسلہ احمدیہ مل کر فیصلہ کیا کریں۔

مجلس انتخاب خلافت کے اراکین میں اضافہ

جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے بعد حضرت......خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے علماء سلسلہ اور دیگر بعض صاحبان کے مشورہ کے مطابق مجلس انتخاب خلافت میں مندرجہ ذیل اراکین کا اضافہ فرمایا۔

۱۔ مغربی پاکستان کا امیر اور اگر مغربی پاکستان کا ایک امیر مقرر نہ ہو تو علاقہ جات مغربی پاکستان کے امراء جو اس وقت چار ہیں۔

۲۔ مشرقی پاکستان کا امیر۔

۳۔ کراچی کا امیر

۴۔ تمام اضلاع کے امراء

۵۔ تمام سابق امراء جو دو دفعہ کسی ضلع کے امیر رہ چکے ہوں۔ گو انتخاب خلافت کے وقت امیر نہ ہوں۔ (ان کے اسماء کا اعلان صدر انجمن احمدیہ کرے گی)

۶۔ امیر جماعت احمدیہ قادیان۔

۷۔ ممبران صدر انجمن احمدیہ قادیان

۸۔ تمام زندہ صحابہ کرام کو بھی انتخاب خلافت میں رائے دینے کا حق ہوگا۔ (اس غرض کے لئے صحابی وہ ہوگا جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہو اور حضورؑ کی باتیں سُنی ہوں اور ۱۹۰۸ء میں حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت اس کی عمر کم از کم بارہ سال کی ہو۔ صدر انجمن احمدیہ تحقیقات کے بعد صحابۂ کرام کے لئے سرٹیفیکیٹ جاری کریگی اور ان کے ناموں کا اعلان کرے گی)

۹۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوّلین صحابیوں میں سے ہر ایک کا بڑا لڑکا انتخاب میں رائے دینے کا حقدار ہوگا بشرطیکہ وہ مبائعین میں شامل ہو۔ (اس جگہ صحابہ اوّلین سے مراد وہ احمدی ہیں جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتب میں فرمایا ہے (ان کے ناموں کا اعلان بھی صدر انجمن احمدیہ کرے گی)

۱۰۔ ایسے تمام مبلّغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے کم از کم ایک سال بیرونی ممالک میں تبلیغ کا کام کیا ہو اور بعد میں تحریک جدید نے کسی الزام کے ماتحت اُنہیں فارغ نہ کر دیا ہو۔ (اُن کو تحریک جدید سرٹیفکیٹ دے گی اور اُن کے ناموں کا اعلان کرے گی)

۱۱۔ ایسے تمام مبلّغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے پاکستان کے کسی صوبہ یا ضلع میں رئیس التبلیغ کے طور پر کم از کم ایک سال کام کیا ہو اور بعد میں اُن کو صدر انجمن احمدیہ نے کسی الزام کے ماتحت فارغ نہ کر دیا ہو۔ (اُنہیں صدر انجمن احمدیہ سرٹیفکیٹ دے گی اور اُن کے ناموں کا اعلان کرے گی)

مجلس انتخاب خلافت کا دستور العمل

سیدنا حضرت...... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مندرجہ بالا جملہ اراکین مجلس انتخاب خلافت کے کام کے لئے حسبِ ذیل دستورُ العمل منظور فرمایا ہے:-

الف۔ مجلس انتخاب خلافت کے جو اراکین مقرر کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے بوقت انتخاب حاضر افراد انتخاب کرنے کے مجاز ہوں گے۔ غیر حاضر افراد کی غیر حاضری اثر انداز نہ ہوگی اور انتخاب جائز ہوگا۔

ب۔ انتخابِ خلافت کے وقت اور مقام کا اعلان کرنا مجلس شوریٰ کے سیکرٹری اور ناظر اعلیٰ کے ذمہ ہوگا۔ اُن کا فرض ہوگا کہ موقع پیش آنے پر فوراً مقامی اراکینِ مجلس انتخاب کو اطلاع دیں۔ بیرونی جماعتوں کو تاروں کے ذریعہ اطلاع دی جائے۔ اخبار الفضل میں بھی اعلان کر دیا جائے۔

ج۔ نئے خلیفہ کا انتخاب مناسب انتظار کے بعد چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہونا چاہئے مجبوری کی صورت میں زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر انتخاب ہونا لازمی ہے۔

اس درمیانی عرصہ میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان جماعت کے جملہ کاموں کو سرانجام دینے کی ذمہ دار ہوگی۔

د۔ اگر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی زندگی میں نئے خلیفہ کے انتخاب کا سوال اُٹھے تو مجلس انتخاب خلافت کے اجلاس کے وہ پریذیڈنٹ ہوں گے۔ ورنہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے اُس وقت کے سینیئر ناظر یا وکیل اجلاس کے پریذیڈنٹ ہوں گے۔ (ضروری ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید فوری طور پر مشترکہ اجلاس کر کے ناظروں اور وکلاء کی سینیارٹی فہرست مرتب کر لے)

ھ۔ مجلس انتخاب خلافت کا ہر رُکن انتخاب سے پہلے یہ حلف اُٹھائے گا کہ:-

''میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اعلان کرتا ہوں کہ میں خلافت احمدیہ کا قائل ہوں اور کسی ایسے شخص کو ووٹ نہیں دوں گا جو جماعت مبائعین میں سے خارج کیا گیا ہو یا اُس کا تعلق احمدیت یا خلافت احمدیہ کے مخالفین سے ثابت ہو۔''

جب خلافت کا انتخاب عمل میں آ جائے تو منتخب شُدہ خلیفہ کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ لوگوں سے بیعت لینے سے پہلے کھڑے ہو کر قسم کھائے کہ:-

''میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں خلافت احمدیہ پر ایمان رکھتا ہوں اور میں ان لوگوں کو جو خلافت احمدیہ کے خلاف ہیں باطل سمجھتا ہوں اور میں خلافت احمدیہ کو قیامت تک جاری رکھنے کے لئے پوری کوشش کروں گا اور اسلام کی تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے انتہائی کوشش کرتا رہوں گا اور میں ہر غریب اور امیر احمدی کے حقوق کا خیال رکھوں گا اور قرآن شریف اور حدیث کے علوم کی ترویج کے لئے جماعت کے مردوں اور عورتوں میں ذاتی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی کوشاں رہوں گا۔''

ز۔ اوپر کے قواعد کے مطابق صحابہ اور نمائندگان جماعت جن میں امراء اضلاع سابق و حال بھی شامل ہیں کی تعداد ڈیڑھ صد سے زیادہ ہو جائے گی۔ ان میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کی تعداد اتنی قلیل رہ جاتی ہے کہ منتخب شُدہ ممبروں کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔ ہاں خلیفۂ وقت کا انتخاب

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے خاندان کے افراد اور جماعت کے ایسے مخلصین میں سے ہو سکے گا جو مبائعین ہوں اور جن کا کوئی تعلق غیر مبائعین یا احرار وغیرہ دشمنانِ سلسلہ احمدیہ سے نہ ہو (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اِس وقت تک ایسے مخلصین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے)

ضروری نوٹ:-

بنیادی قانون

سیدنا حضرت...... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آئندہ کے لئے انتخابِ خلافت کے لئے مذکورہ بالا اراکین اور قواعد کی منظوری کے ساتھ بطور بنیادی قانون کے فیصلہ فرمایا ہے کہ:-

''آئندہ خلافت کے انتخاب کے لئے یہی قانون جاری رہے گا سوائے اس کے کہ خلیفۂ وقت کی منظوری سے شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے اور شوریٰ کے مشورہ کے بعد خلیفۂ وقت کوئی اَور تجویز منظور کرے۔''

مجلس علماء سلسلہ احمدیہ

۱۸۔۳۔۱۹۵۷

''مجلس علماء کی یہ تجویز درست ہے''
دستخط مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی
۲۰۔۳۔۱۹۵۷ء''

افتتاحی تقریر

اس کے بعد حضور نے تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور نمائندگانِ مجلس شوریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

''شاید مولوی صاحب کو یہ بات یاد نہیں رہی یا پھر اُنہیں بتائی نہیں گئی کہ یہ خط جو اُنہوں نے پڑھا ہے اور اُس میں عبدالمنان سے کہا گیا ہے کہ تم بعض ایسے مضامین لکھو جو اسلام کی تائید میں ہوں تا اس سے جماعت احمدیہ کو جو تم سے نفرت ہے دور ہو جائے اِس کے اوپر لکھا ہے ''ماموں جان''۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''ماموں جان'' کے الفاظ سے کیسے پتہ لگا کہ یہ خط عبدالمنان کو لکھا گیا ہے۔ سو اس کا پتہ اس طرح لگتا ہے کہ جس دن یہ خط ملا اور مولوی صاحب نے مجھے بھیجا اور کہا کہ یہ میرے بیٹے کو بازار سے ملا ہے تو اُس دن

نائی میری حجامت بنانے آیا ہوا تھا۔ پہلے جب بھی وہ آیا کرتا تھا مجھے بتایا کرتا تھا کہ آج میاں عبدالمنان نے مجھے حجامت بنوانے کے لئے بُلوایا اور وہاں مجھ سے یہ یہ باتیں کیں لیکن اُس دن اُس نے کوئی بات نہ کی۔ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ آج تُو نے میاں عبدالمنان کی کوئی بات نہیں بتائی۔ اِس پر اُس نے کہا کہ میاں عبدالمنان تو بڑی مدّت سے میری دُکان پر نہیں آئے اور نہ ہی اُنہوں نے مجھے اپنے گھر بلایا ہے۔ آج اتفاقاً گول بازار میں (جہاں سے یہ خط ملا ہے) وہ خود اور اُن کے بیٹے پھر رہے تھے۔ وہاں مَیں نے دیکھا کہ ایک دکاندار جو اُن کا کرایہ دار تھا آگے آیا اور کہنے لگا میاں صاحب! مَیں بڑی دیر سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ دفتروں میں مَیں کہاں کہاں جاتا۔ مَیں نے آپ کو کرایہ دینا تھا آپ ملتے ہی نہیں۔ مَیں نے اُس دکاندار کو کہا کہ تم کیوں تکلیف کرتے ہو۔ میاں صاحب کو ضرورت ہوگی تو وہ آ کر کرایہ مانگ لیں گے۔ تو یہ واقعہ اور اس خط کا وہاں سے ملنا بتاتا ہے کہ ممکن ہے جیب سے رومال نکالتے ہوئے یہ خط میاں عبدالمنان سے نیچے گر گیا ہو۔ پھر مَیں نے گھر میں بات کی تو اُنہوں نے مجھے بتایا کہ شاید آپ کو معلوم نہیں حضرت خلیفۂ اوّل کے خاندان کے ساتھ جو تعلق رکھنے والے لوگ ہیں وہ سارے کے سارے میاں عبدالمنان کو ''ماموں جان'' ہی کہتے ہیں اِس لئے اُنہوں نے کہا۔ ''ماموں جان'' کے الفاظ کی وجہ سے آپ ان کے کسی بھانجے یا بھانجی کو تلاش نہ کریں کیونکہ بیسیوں ایسے آدمی ہیں جن کے ساتھ اُن کے تعلقات ہیں اور وہ سب اُن کو عادتاً ''ماموں'' کہتے ہیں۔ بہرحال میاں عبداللہ صاحب حجام کی گواہی سے پتہ لگ گیا کہ یہ خط فی الواقع عبدالمنان کا ہے کیونکہ اُس نے اُسی جگہ جہاں سے یہ خط ملا ہے اور اُسی دن جس دن خط ملا ربوہ میں اُنہیں دیکھا تھا۔

انتخابِ خلافت کے ریزولیوشن پر تبصرہ

اِس کے بعد ریزولیوشن کے متعلق ووٹ لینے سے پہلے میں یہ بات کہنی چاہتا ہوں کہ اِس ریزولیوشن کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض جماعتوں نے اپنے نمائندوں سے قسمیں لی ہیں کہ وہ شوریٰ میں اِس ریزولیوشن کی تائید کریں اور اس کے خلاف ووٹ نہ دیں۔ بعض لوگوں نے اِس پر اعتراض کیا ہے اور وہ اعتراض یہ ہے کہ ہم نے تو اپنے ایمان

کی بناء پر اور یہ بتانے کے لئے کہ ہمیں خلافت کے ساتھ وابستگی ہے اور ہم خلافت احمدیہ کو کسی صورت میں بھی تباہ نہیں ہونے دیں گے اِس ریزولیوشن کی تائید کرنی تھی لیکن ہوا یہ کہ جماعتوں نے ہم سے اس بات کے متعلق بھی حلف لیا ہے کہ ہم ضرور اِس ریزولیوشن کی تائید کریں۔ اِس طرح جو بات ہم نے اپنے ایمان کے ثابت کرنے کے لئے کرنی تھی وہ حلف کے ذریعہ سے کروائی جائے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس شخص میں ایمان تو کوئی نہیں صرف جماعت سے وعدہ کی بناء پر یہ ایسا کر رہا ہے۔ اِس طرح گویا ہمارے ثواب کا راستہ بند ہوتا ہے اور ہم اپنے اخلاص کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ان کی یہ بات چونکہ معقول ہے اِس لئے جو دوست باہر سے جماعت کے نمائندہ بن کے آئے ہیں اور اُن سے جماعتوں نے اِس بات کے لئے حلف لیا ہے کہ وہ ضرور اِس ریزولیوشن کی تائید کریں، میں اُنہیں اس حلف سے آزاد کرتا ہوں۔ خلافت احمدیہ کو خدا تعالیٰ نے قائم کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ایمان میں کمزور ہے اور وہ کوئی ایسا راستہ کھولتا ہے جس کی وجہ سے خلافت احمدیہ خطرہ میں پڑ جاتی ہے یا دشمنوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو اس کے ووٹ کی نہ خلافت احمدیہ کو ضرورت ہے اور نہ خدا کو ضرورت ہے۔ یہاں جماعتیں کچھ نہیں کر سکتیں، اگلے جہاں میں خدا تعالیٰ خود اس کو سیدھا کر سکتا ہے۔ اس لئے مجھے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے نمائندگان کو تائید کا پابند کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ وہ ووٹ دیں تو اپنے ایمان کی بناء پر دیں۔ یہ سمجھ کر نہ دیں کہ وہ کسی جماعت کے حلف کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں بلکہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ریزولیوشن جماعت احمدیہ کی خلافت کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے آئندہ فتنوں کا سدِّ باب ہوتا ہے تو وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے ووٹ دیں نہ کہ اپنی جماعت کو خوش کرنے کے لئے۔ اور اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ اِس ریزولیوشن سے شرارت بڑھتی ہے اور فتنہ کا دروازہ کُھلتا ہے تو وہ ووٹ نہ دے۔ ہمیں اُس کے ووٹ کی ضرورت نہیں اور نہ خدا تعالیٰ کو اُس کے ووٹ کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب مجھے خلیفہ بنایا تھا اُس وقت اِس قسم کا کوئی قانون نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ نے فتنہ پردازوں کی کوششوں کو ناکام کر دیا۔ پس ہم خدا تعالیٰ پر توکّل کرتے ہیں۔ جو شخص ووٹ دے وہ اس بات کو سمجھ کر دے کہ اِس ریزولیوشن کی وجہ سے جماعت میں شرارت کا سدِّ باب ہوتا ہے

لیکن اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس ریزولیوشن سے شرارت کا سدِّ باب نہیں ہوتا بلکہ اس سے شرارت کا دروازہ کھلتا ہے تو وہ ووٹ نہ دے۔ آگے اُس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ خدا تعالیٰ جس طرح چاہے گا اُس کے ساتھ برتاؤ کرے گا۔ وہ اپنی جماعت سے نہ ڈرے۔ کراچی کا نمائندہ کراچی کی جماعت سے نہ ڈرے، لاہور کا نمائندہ لاہور کی جماعت سے نہ ڈرے، سرگودھا کا نمائندہ سرگودھا کی جماعت سے نہ ڈرے۔ وہ ووٹ دے تو خدا تعالیٰ سے ڈر کر دے اور پھر اس کے بعد ہمارا اور اُس کا جو معاملہ ہے وہ خدا تعالیٰ خود طے کرے گا۔ ہمیں اُس کے ووٹ کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف اُس شخص کے ووٹ کی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے والا ہے، اسلام سے محبت رکھنے والا ہے اور خلافت سے محبت رکھنے والا ہے۔ پس اگر وہ خدا تعالیٰ اسلام اور خلافت کی خاطر ووٹ دیتا ہے تو دے اور اگر وہ اپنی جماعت کی خاطر ووٹ دیتا ہے تو ہمیں اُس کے ووٹ کی ضرورت نہیں۔

یہ تحریک کرنے کے بعد میں جماعت کے دوستوں کی رائے اِس بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں مگر میں یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اِس ریزولیوشن کے بعض حصے ایسے ہیں جن پر آئندہ زمانوں میں دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہوگی لیکن بہرحال جب تک کوئی دوسرا ریزولیوشن پاس نہ ہوگا اُس وقت تک یہ ریزولیوشن قائم رہے گا جیسا کہ خود اس ریزولیوشن میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ آئندہ خلافت کے انتخاب کے لئے یہی قانون جاری رہے گا سوائے اس کے کہ خلیفۂ وقت کی منظوری سے شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے اور شوریٰ کے مشورہ کے بعد خلیفۂ وقت کوئی اَور تجویز منظور کرے۔ پس یہ ریزولیوشن دوبارہ بھی مزید غور کیلئے پیش ہوسکتا ہے اور آئندہ پیدا ہونے والی مشکلات کو دور کیا جاسکتا ہے۔

مجھے خود اِس میں بعض ایسی باتیں نظر آتی ہیں جن میں بعد میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوگی مثلاً کچھ عرصہ کے بعد صحابی نہیں رہیں گے۔ پھر ہمیں یہ کرنا پڑے گا کہ انتخاب کی مجلس میں تابعی لئے جائیں یا وہ لوگ لئے جائیں جنہوں نے ۱۹۱۴ء سے پہلے بیعت کی ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ قانون بنانا پڑے گا کہ وہ لوگ لئے جائیں جنہوں نے ۱۹۴۰ء سے پہلے بیعت کی ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ قانون بنانا پڑے گا کہ وہ لوگ لئے جائیں

جنہوں نے ۱۹۵۶ء سے پہلے بیعت کی ہوئی ہے۔ بہرحال یہ درستیاں حالات کے بدلنے کے ساتھ ہوتی رہیں گی اور ریزولیوشن بار بار مجلس شوریٰ کے سامنے آتا رہے گا۔ سرِ دست یہ ریزولیوشن شرارت کے فوری سدِّ باب کے لئے ہے۔ ورنہ آئندہ زمانہ کے لحاظ سے دوبارہ ریزولیوشن ہوتے رہیں گے اور پھر دوبارہ غور کرنے کا لوگوں کو موقع ملتا رہے گا۔

اِس کے بعد مَیں دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی رائے دیں۔ جو دوست اس بات کی تائید میں ہوں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اسلام سے محبت رکھتے ہوئے یہ رائے رکھتے ہوں کہ اِس ریزولیوشن کو پاس کیا جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔ جماعتوں کی طرف سے جو پابندی عائد کی گئی تھی اور نمائندگان سے وعدے کئے گئے تھے اُن کو میں نے ختم کر دیا ہے۔ اب صرف اُس وعدہ کو پورا کرو جو تمہارا خدا تعالیٰ کے ساتھ تھا۔''

حضور کے اس ارشاد پر تمام نمائندگان کھڑے ہو گئے۔

رائے شماری کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''۳۴۱ ☆ دوستوں کی رائے ہے کہ اِس ریزولیوشن کو منظور کر لیا جائے مگر میں چاہتا ہوں کہ اگر کوئی نمائندہ اِس تجویز کے مخالف ہو اور اس کی رائے یہ ہو کہ اِس ریزولیوشن کو منظور نہ کیا جائے تو وہ بھی کھڑا ہو جائے لیکن یہ یاد رہے کہ جن دوستوں نے اِس ریزولیوشن کے موافق رائے دی ہے اُن کو دوبارہ کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر کوئی نمائندہ ایسا ہو جو اس کے مخالف رائے رکھتا ہو تو وہ کھڑا ہو جائے۔''

اس پر کوئی دوست کھڑے نہ ہوئے۔ فرمایا:۔

فیصلہ

''گنتی میں سہولت کے لئے اس وقت آٹھ حلقے بنائے گئے ہیں۔ اِن آٹھ حلقوں میں کوئی نمائندہ بھی اس ریزولیوشن کے خلاف کھڑا نہیں ہوا اور اِس کے بِالمقابل ۳۴۱ ووٹ اِس ریزولیوشن کی تائید میں ہیں۔ اس طرح دوستوں نے واضح کر دیا ہے کہ اُنہوں نے اِس وقت اپنی مرضی سے ریزولیوشن کے حق میں رائے دی ہے۔ جماعتوں کے دباؤ کی وجہ سے اُنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ سو میں اِس ریزولیوشن کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں

☆ سیکرٹری مجلس مشاورت کی طرف سے ۳۴۴ ٹکٹ تقسیم کئے گئے تھے مگر رائے شماری کے موقع پر تین نمائندے حال میں موجود نہیں تھے۔

اور اسے منظور کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اِس کو مبارک کرے۔

میں جانتا ہوں کہ اس ریزولیوشن کے بعض حصے ایسے ہیں جن پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہوگی جیسا کہ مولوی ابوالعطاء صاحب نے کہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو رسالہ الوصیّة میں اُٹھایا ہے کہ جو بھی اس دُنیا میں پیدا ہوا ہے اُس نے ضرور مرنا ہے چاہے وہ آج مرے یا کل مرے اِس لئے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی خلیفہ قیامت تک زندہ رہے یا اُس کا کوئی ماننے والا قیامت تک زندگی پائے۔ پس ہم نے جو کچھ کرنا ہے اِس دُنیا کی زندگی کے متعلق کرنا ہے۔ اگلی دُنیا کا خدا خود ذمہ دار ہے۔ اس جہان میں خدا تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کا اختیار دیا ہے۔ اگلے جہان کا کام وہ خود کرے گا۔ پس چونکہ صرف اِس دُنیا کا کام چلانا انسان کے اختیار میں ہے اِس لئے ہماری کوشش اس حد تک ہونی چاہئے کہ ہم اس دُنیا کے نظام کو اچھا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اگلے جہان کا نظام خدا تعالیٰ نے خود اپنے اختیار میں رکھا ہے اور وہ اُسے آپ ہی ٹھیک کر دے گا۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے یہی دُعا ہے کہ وہ نظامِ خلافتِ حقّہ کو احمدیت میں ہمیشہ کے لئے قائم رکھے اور اِس نظام کے ذریعہ سے جماعت ہمیشہ ہمیش منظّم صورت میں اپنے مال وجان کی قربانی اسلام اور احمدیت کے لئے کرتی رہے اور اِس طرح خدا تعالیٰ ان کی مدد اور نصرت کرتا رہے کہ آہستہ آہستہ دُنیا کے چپہ چپہ پر مسجدیں بن جائیں اور دُنیا کے چپہ چپہ پر مبلّغ ہو جائیں اور وہ دن آ جائے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ دُنیا کے دیگر مذاہب اسلام اور احمدیت کے مقابلہ میں ایسے رہ جائیں جیسے ادنیٰ اقوام کے لوگ ہیں۔ دُنیا میں ہر کہیں لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے پڑھنے والے نظر آئیں اور روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے لوگ جو آج اسلام پر ہنسی اُڑا رہے ہیں وہ سب کے سب احمدی ہو جائیں۔ وہ اسلام کو قبول کر لیں اور انہیں اپنی ترقی کے لئے اسلام اور مسلمانوں کا دستِ نگر ہونا پڑے۔ ہم اِن ممالک کے دشمن نہیں ہماری دُعا ہے کہ یہ ملک ترقی کریں لیکن ترقی کریں اسلام اور مسلمانوں کی مدد سے۔ آج تو دمشق اور مصر روس کے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا ہے کہ کس طرح اس سے کچھ مدد مل جائے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دمشق اور مصر کے مسلمانوں کو پکا مسلمان بھی بنائے اور پھر دُنیوی طاقت بھی

اتنی دے کہ دمشق اور مصر روس سے مدد نہ مانگیں بلکہ روس دمشق اور مصر کو تاریں دے کہ ہمیں سامانِ جنگ بھیجو۔ اِسی طرح امریکہ ان سے یہ نہ کہے کہ ہم تمہیں مدد دیں گے بلکہ امریکہ، شام، مصر، عراق، ایران، پاکستان اور دوسری اسلامی سلطنتوں سے کہے کہ ہمیں اتنے ڈالر بھیجو ہمیں ضرورت ہے۔ ورنہ ہم تو خالص دین کے بندے ہیں اور دُنیا سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو چیز ہے وہی ہمیں پیاری ہے۔

خلافت کی غرض

پس اللہ تعالیٰ اسلام کے غلبہ کی کوئی صورت پیدا کرے اور خلافت کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ مسلمان نیک رہیں اور اسلام کی اشاعت میں لگے رہیں یہاں تک کہ اسلام کی اشاعت دُنیا کے چپہ چپہ پر ہو جائے اور کوئی غیر مُسلم باقی نہ رہے۔ اگر یہ ہو جائے تو ہماری غرض پوری ہوگئی اور اگر یہ نہ ہو تو محض نام کی خلافت نہ ہمارے کسی کام کی ہے اور نہ اس خلافت کے ماننے والے ہمارے کسی کام کے ہیں۔ ہمارا دوست وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام کو دُنیا کے کناروں تک پھیلائے۔ وہ خلیفہ ہمارے سر آنکھوں پر جو خدا تعالیٰ کے نام کو دُنیا کے کناروں تک پھیلاتا ہے۔ وہ مبائع ہمارے سر آنکھوں پر جو خدائے واحد کے نام کو دُنیا میں پھیلاتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کی صداقت کو دُنیا پر ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے دل اُن کے لئے دُعائیں کرتے ہیں چاہے وہ ہزار سال بعد آئیں اور ہمارے دماغ بھی اُن کے لئے دُعا کرتے ہیں چاہے وہ سینکڑوں نہیں ہزاروں سال ہم سے بعد آئیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا حافظ و ناصر ہو اور اُن کی مدد کرے اور ہمیشہ اُن کو راہ راست پر قائم رکھے اور اسلام کی ترقی کے سامان پیدا کرتا رہے۔''

نظارت عُلیا کی تجویز نمبر ا کے متعلق فیصلہ

اس کے بعد حضور نے شوریٰ کے سامنے ایجنڈا کی تجویز نمبر ا پیش کی جس کے الفاظ یہ ہیں:-

''جس شخص پر کسی وقت سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے کا الزام ثابت ہو تو ایسے شخص کو خدمتِ سلسلہ کے کام سے برطرف کر دیا

جائے گا اور اس کے بعد ایسے شخص کو کسی مقامی یا مرکزی عُہدہ پر مقرر نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ایسا شخص مجلس شوریٰ کا ممبر بننے کا اہل ہوگا‘‘۔

حضور نے فرمایا۔

’’اس کے متعلق کسی کمیٹی کے مقرر کرنے کی ضرورت نہیں۔ چھوٹا سا مسئلہ ہے جو دوست اس بات کے حق میں ہوں کہ جس شخص کے متعلق سلسلہ یہ فیصلہ کرے کہ اس نے سلسلہ احمدیہ کے خلاف کسی کارروائی میں حصہ لیا ہے اُس کو خدمتِ سلسلہ کے کام سے برطرف کر دیا جائے۔ اُسے کسی جماعت میں عہدیدار مقرر نہ کیا جائے اور نہ اس کو ممبر بنایا جائے، وہ کھڑے ہو جائیں۔‘‘

رائے شماری پر تمام نمائندگان نے اس تجویز کے حق میں رائے دی۔ حضور نے فرمایا:-

’’جماعت کی متفقہ رائے کی وجہ سے میں نظارتِ علیا کی اس تجویز کی منظوری دیتا ہوں۔‘‘

دوسرا دن

رپورٹ تعمیل فیصلہ جات پر تبصرہ

مجلس مشاورت کے دوسرے دن ۲۲؍ مارچ ۱۹۵۷ء کو محترم میاں غلام محمد اختر صاحب ناظر اعلیٰ ثانی و ناظر زراعت نے رپورٹ تعمیل فیصلہ جات پڑھ کر سنائی۔ اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

’’سب سے پہلے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کل جلسہ کی کارروائی میں پورا وقت شامل ہونے کے باوجود میری طبیعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی رہی لیکن صبح بارش کی وجہ سے خراب ہوگئی۔ جلسہ سالانہ کے بعد میں نے دیکھا ہے کہ اکثر بارش اور ہوا رہتی ہے جس کی وجہ سے میری طبیعت خراب ہو جاتی ہے لیکن رہی سہی کسر اختر صاحب نے نکال دی ہے۔

ناظر اعلیٰ کے فرائض

اوّل تو تعمیل فیصلہ جات کے متعلق یہ کوئی عقل کی بات نہیں کہ ناظر اعلیٰ خود رپورٹ پیش کرے۔ کیا صیغہ جات کے ناظروں

کی زبانوں کو تالا لگا ہوا ہے وہ کیوں نہیں باری باری رپورٹ پیش کرتے؟ ناظر صاحب اعلیٰ کے سپرد جو کام ہے وہ تو یہ ہے کہ وہ بتائیں کہ اُنہوں نے تعمیل فیصلہ جات کے سلسلہ میں اِتنے معائنے نظارت تعلیم کے کئے، اِتنے معائنے بیتُ المال کے کئے، اِتنے معائنے نظارت اصلاح وارشاد کے کئے اور اُن کو اِن اِن باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ پھر ناظر آتے اور اپنے اپنے صیغوں کا کام بتاتے۔ مگر اختر صاحب نے سارے صیغوں کا کام اپنی طرف منسوب کر لیا ہے اور اِس طرح اپنے عیب کو چُھپانے کی کوشش کی ہے۔

پھر اُنہوں نے رپورٹ کیا پیش کی ہے ایک ست ناجا[1] پکا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے جو شیعہ لوگ محرم کے موقع پر پکاتے تھے۔ ہماری دائیاں جو پرانے زمانہ کی عورتیں تھیں وہ بھی ست ناجا پکایا کرتی تھیں۔ اصل میں یہ ست ناجا شیعوں میں حضرت امام حسینؓ کی نیاز دی جاتی ہے۔ وہ دائیاں کبھی کبھی ایک تھالی ہمارے گھر میں بھی بھیج دیتی تھیں۔ ہم بچے تھے اور وہ ست ناجا کھا لیتے تھے۔ اُس کے اندر چاول بھی ہوتے تھے، گندم بھی ہوتی تھی، چنے بھی ہوتے تھے، ماش بھی ہوتے تھے، گوشت بھی ہوتا تھا اور اس کو ست ناجا کہتے تھے۔ اِسی طرح اختر صاحب نے کیا۔ بجائے اِس کے کہ وہ ناظر صاحب اصلاح وارشاد کے سپرد یہ کرتے کہ وہ اپنی رپورٹ پیش کریں، ناظر صاحب بیتُ المال کے سپرد یہ کرتے کہ وہ اپنے کام کی رپورٹ پیش کریں ناظر صاحب تعلیم کے سپرد یہ کرتے کہ وہ اپنے کام کی رپورٹ پیش کریں اور خود یہ بتاتے کہ میں نے شوریٰ کے فیصلہ جات کے سلسلہ میں اِتنے معائنے فلاں فلاں مہینہ میں نظارت تعلیم کے کئے ہیں۔ فلاں مہینہ میں مَیں نے پانچ معائنے کئے، فلاں مہینہ میں دس معائنے کئے اور فلاں مہینہ میں پندرہ معائنے کئے اور دیکھا کہ شوریٰ کے فیصلوں کی کیا تعمیل ہو رہی ہے۔ اُنہوں نے تمام صیغوں کا کام خود بیان کرنا شروع کر دیا۔ ناظر اعلیٰ ناظر نہیں بلکہ ناظر اعلیٰ کے معنے ہیں کہ وہ انسپکٹنگ ناظر ہے۔ انہیں بتانا چاہئے تھا کہ جنوری میں مَیں نے اصلاح وارشاد کے پانچ معائنے کئے۔ نظارت تعلیم کے میں نے سات معائنے کئے۔ نظارت بیتُ المال کے میں نے آٹھ معائنے کئے، پھر فروری میں مَیں نے اتنے کئے اِس طرح سارے سال میں اتنے اتنے معائنے ہر محکمہ کے ہو گئے۔ ان معائنوں میں مَیں نے نظارتوں کو توجہ دلائی کہ وہ ان باتوں کی تعمیل کریں

جو شوریٰ نے اُنہیں بتائی ہیں لیکن اُنہوں نے نظارتوں کے سب کام لے لئے اور بتانا شروع کر دیا کہ ہم نے یہ یہ کام کیا ہے۔

محکمہ زراعت کے متعلق ہدایات

صرف ایک محکمہ تھا جو اُن کا اپنا تھا اور وہ زراعت کا محکمہ ہے۔ اس کے متعلق وہ بے شک جائز طور پر بعض باتیں بیان کر سکتے تھے مگر اس وقت بھی ان کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ میں یہ باتیں بطور ناظر زراعت کے پیش کر رہا ہوں، ناظر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے نہیں کر رہا۔ چونکہ مجھے ناظر زراعت بھی مقرر کیا گیا ہے اِس لئے مَیں زراعت کے محکمہ کی چیزیں پیش کرتا ہوں۔ اِتنی بات ان کی معقول تھی لیکن غلطی یہ تھی کہ ناظر اعلیٰ کے عُہدہ کے ساتھ اُنہوں نے یہ باتیں پیش کیں حالانکہ وہ باتیں ناظر زراعت کے عُہدہ کے ماتحت آتی ہیں۔ اور اس محکمہ کا اپنا یہ حال ہے کہ تعریفیں تو اُنہوں نے بڑی کی ہیں لیکن جو انسپکٹر زراعت مقرر کیا گیا ہے پچھلے تین ماہ میں صرف چار یا پانچ دفعہ اس کا نام میرے سامنے آیا ہے مگر دوروں کے لئے نہیں بلکہ چونکہ وہ چوہدری فتح محمد صاحب کا بھتیجا ہے اُنہوں نے چار یا پانچ دفعہ مجھے آ کر یہ کہا کہ اِس کا ایکس رے کرانا ہے کیونکہ وہ بہت دیر سے بیمار چلا آ رہا ہے بلکہ ابھی چار پانچ دن ہوئے اُنہوں نے پھر کہا ہے کہ ہسپتال کی طرف سے رپورٹ آئی ہے کہ ایک دفعہ اور اِس کا ایکسرے کرنا ہے۔ سوائے چوہدری صاحب کے اس بیان کے اس کا نام میرے سامنے کبھی نہیں آیا۔ اب میں سندھ گیا تھا تو اختر صاحب اُسے بھی ساتھ لے گئے تھے۔ اس دَورہ کے سِوا اِس کے کسی دَورہ کا مجھے علم نہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ جو بیماری کی وجہ سے ہر تیسرے چوتھے دن ایکسرے کروا رہا ہے اُس نے زراعت کا کیا کام کرنا ہے۔ زراعت کے انسپکٹر کو تو سارے پنجاب میں پھرنا پڑے گا۔ گویا اُسے بیس ہزار مربع میل کا چکر کاٹنا پڑے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ جس آدمی کو ہر وقت ایکسرے کروانا پڑتا ہے اُس نے بیس ہزار مربع میل کا چکر کیسے لگانا ہے۔ پس نام کو تو اختر صاحب نے بتایا ہے کہ ہم نے ایک انسپکٹر زراعت رکھا ہوا ہے اور اِس طرح بڑا تیر مارا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اتنے وسیع علاقہ میں ایک معمولی زراعت انسپکٹر کر ہی کیا سکتا ہے۔ چوہدری سعد اللہ بی۔ ایس۔ سی ہیں اور زراعت کے بی۔ ایس۔ سی گورنمنٹ کی نگاہ میں ایک ادنیٰ افسر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اُس کے پاس زراعت کے وہ افسر ہیں جو اس محکمہ کا پچاس پچاس سالہ تجربہ رکھتے ہیں۔ اور وہ امریکہ سے ہو آئے ہیں یا جاپان سے ہو آئے ہیں اور اُن کی نظر بڑی وسیع ہے۔ پھر گورنمنٹ سارے مغربی پاکستان میں زراعت کے لئے کچھ نہ کچھ کر رہی ہے۔ اصل چیز یہ تھی کہ بجائے اِس کے کہ یہ کہا جاتا کہ انسپکٹر زراعت دَورے کر رہے ہیں اور دَورے کریں گے اور انشاء اللہ ایک ایسا تیر ماریں گے کہ اس سے آسمان بھی ہِل جائے گا۔ یہ کہتے کہ اس نے فلاں افسر سے مل کر فلاں فلاں معلومات حاصل کی ہیں جو جماعت کے لئے مفید ہوں گی۔ اگر وہ اخبار یں پڑھتے تو وہ جانتے کہ تھوڑے ہی دن ہوئے گورنمنٹ نے یہ اعلان کیا تھا کہ زراعت کی ایک سکیم بھلوال میں چلائی گئی ہے اور وہاں مختلف ٹیسٹ کئے جا رہے ہیں۔ بعض ٹیسٹ تو اس بات کے کئے جا رہے ہیں کہ بیج اگر اچھا استعمال کیا جائے تو کتنی فیصدی ترقی ہوسکتی ہے۔ بعض ٹیسٹ یہ کئے جا رہے ہیں کہ اگر مصنوعی کھاد ڈالی جائے تو اس سے کتنی ترقی ہوسکتی ہے۔ غرض زمینداروں کی ترقی سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں ہیں اُن کے ٹیسٹ وہاں کئے جا رہے ہیں۔ اب بجائے اِس کے کہ انسپکٹر زراعت ڈیرہ غازی خان، تھل یا پشاور جاتا وہ بھلوال میں جاتے اور دو تین دن ٹھہر کر دیکھتے کہ وہاں کیا کام ہو رہا ہے۔ گورنمنٹ یہ تو نہیں کرسکتی کہ اپنا منتخب علاقہ چھوڑ دے لیکن یہ تو ہوسکتا تھا کہ ہمارے انسپکٹر زراعت اُن سے کوئی سبق حاصل کرتے اور پھر زمینداروں کا بتاتے کہ میں گورنمنٹ کے ماہرین سے فلاں سبق لے کر آیا ہوں اُنہوں نے فلاں قسم کا بیج چُنا ہے، اُس کے بونے سے فصل میں ترقی ہوسکتی ہے۔ پھر اس بیج کا تجربہ کر کے بتاتے کہ فِی الْواقع یہ بیج زمینداروں کے لئے مفید ہے تم اِس بیج کو استعمال کرو اور فلاں فلاں ہدایت کو مدنظر رکھو۔

پھر ہر علاقہ کا الگ بیج ہوتا ہے۔ ہمارے زراعت کے افسر کو چاہئے تھا کہ وہ مثلاً سیالکوٹ جاتے اور وہاں ماہرین سے پوچھتے کہ آپ کے ہاں کپاس کے بیج کا کون سا تجربہ کامیاب رہا ہے؟ گندم کے بیج کا کون سا تجربہ کامیاب رہا ہے؟ گنّا کے بیج کا کون سا تجربہ کامیاب رہا ہے؟ اور پھر جماعتوں کو اس سے مطلع کرتے۔ ہم جب گورداسپور کے ضلع میں رہا کرتے تھے تو گورنمنٹ کے زراعت کے افسر مجھے ملا کرتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ گورنمنٹ نے اس علاقہ کے لئے گنّا کا فلاں بیج تجویز کیا ہے بلکہ اُنہیں اِتنا خیال ہوتا تھا

کہ وہاں زراعت کے صوبائی وزیر سردار جوگندر سنگھ خود قادیان چل کر آئے تھے صرف مجھے یہ بتانے کے لئے کہ اِس ضلع میں فلاں بیج کامیاب ثابت ہؤا ہے۔ پس ہمارے انسپکٹر زراعت کو چاہیئے تھا کہ وہ سیالکوٹ جاتے اور وہاں زراعت کے افسروں سے ملتے۔ پھر سیالکوٹ میں جتنی فصلیں ہوتی ہیں اُن کا اندازہ لگاتے۔ پھر وہ زمینداروں کے پاس آتے اور اُنہیں بتاتے کہ تم فلاں بیج لو لیکن بجائے اِس کے کہ اس طرح مفید طور پر کام کیا جاتا الفضل میں مضامین شائع کرنے پر اکتفا کر لیا گیا۔ حالانکہ میں نے خود ''نوائے وقت'' میں پڑھا تھا کہ گورنمنٹ نے بھلوال میں اِس قسم کے سیکشن مقرر کئے ہیں اور وہاں پانچ سات قسم کے تجربات کئے جا رہے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ ہمارے انسپکٹر وہاں جاتے اور اُن تجربات سے فائدہ اُٹھاتے۔ یہ ضروری نہیں کہ بھلوال کا تجربہ سیالکوٹ یا ڈیرہ غازی خاں میں بھی کامیاب ہو لیکن سائنس بنتی ہی اِس طرح ہے کہ ایک چیز کا تجربہ کیا جاتا ہے۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو اُس کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ مثلاً کئی تجربوں کے بعد کپاس کی کاشت کے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پنجاب میں دیر سے ہونی چاہیئے۔

ایک پارسی پروفیسر تھا جو لائل پور زراعتی کالج میں مقرر تھا۔ اصل میں وہ پونا کالج کا تھا۔ گورنمنٹ نے اُسے یہاں بُلوایا تھا اور اُسے سندھ کی زمینوں کا معائنہ کرنے کی ہدایت دی تھی۔ اُس کا ماتحت ایک سکھ تھا۔ ایک دفعہ میں نے اپنا ایک نوکر اُس کے ہاں بطور مینیجر بھیجا تھا اِس لئے میرے اُس سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ مجھے ملنے کے لئے آیا اور کہنے لگا مَیں ایک افسر کا سیکرٹری یا پرسنل اسٹنٹ بن کر یہاں آیا ہوں۔ وہ ایم۔ ایس۔ سی تھا۔ اُس نے بتایا کہ ہمارے افسر نے فیصلہ کیا ہے کہ یہاں کپاس بجائے موسم کے آخر میں بونے کے پہلے بوئی جائے۔ مَیں نے کہا یہ تمہارے افسر کی بیوقوفی ہے اِس لئے کہ تمہارے افسر نے صوبہ بمبئی کے موسم کو دیکھا ہؤا ہے اور اُس نے لائل پور کی رپورٹیں دیکھی ہیں۔ سندھ کا تعلق نہ لائل پور سے ہے اور نہ بمبئی سے ہے۔ اِس کی آب وہوا بالکل الگ ہے۔ یہاں سوئنگ سیزن (sowing season) بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اِس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے یہاں اِتنی فصلیں نہیں بوئی جا سکتیں جتنی پنجاب میں بوئی جا سکتی ہیں۔ پھر یہاں زمین کی تہیں پنجاب کی زمین کی تہوں سے مختلف ہیں۔ یہاں نیچے بڑی سخت زمین آ جاتی ہے۔

اُس نے واپس جا کر اپنے افسر سے بات کی تو وہ مجھے ملنے کے لئے آیا اور اُس نے شکریہ ادا کیا کہ آپ نے میری توجہ اس طرف پھرائی ہے، میں اپنی رپورٹ میں اِس بات کا خیال رکھوں گا۔

تو اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ بھلوال کی جو باتیں ہیں وہ سیالکوٹ پر چسپاں نہیں ہوں گی لیکن سیالکوٹ میں اِس کا تجربہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے پتہ لگ جائے گا کہ اس میں کیا کیا نقائص ہیں۔ پس انسپکٹر زراعت کو چاہئے تھا کہ وہ بھلوال کا دَورہ کرتے اور پھر جماعتوں میں جا کے کہتے کہ یہ یہ بیج استعمال کرو۔ اگلے سال وہ جاتے تو زمیندار کہتے ہماری فصل ماری گئی ہے یا دُگنی ہوگئی ہے اور یہ اس بات کو نوٹ کر لیتے کہ ضلع سیالکوٹ میں فلاں بیج اچھا ہے۔ پھر اگلی جماعتوں میں جاتے کہ کھاد اِتنے اِتنے وزن میں استعمال کرو۔ مثلاً میں نے قادیان میں بھی دیکھا ہے کہ میں نے ایک آم کو مصنوعی کھاد ڈلوائی اور وہ مر گیا۔ اسی طرح ہم نے یہاں بھی تجربہ کیا کہ مصنوعی کھاد ڈالنے سے ایک پودا مر گیا تو بعض جگہ مصنوعی کھاد ایک خاص مقدار میں مفید ہوتی ہے اس سے بڑھ جائے یا کم ہو جائے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پس انسپکٹر زراعت کو چاہئے تھا کہ وہ بھلوال جاتے اور وہاں کے تجربوں سے فائدہ اُٹھاتے اور پھر خود تجربے کرتے اور اگلے سال وہ کھاد کی نوعیت اور بیج بناتے۔ پھر وہ بتاتے کہ سبز کھاد استعمال کرو۔ آگے سبز کھاد کئی قسم کی ہے۔ وہ جماعتوں میں جاتے اور دیکھتے کہ وہاں بڑی بڑی فصلیں کون سی ہیں اور ان کے کاشت کے موسم کون کونسے ہیں۔ پھر دیکھتے کہ اُن کے درمیان میں کون سی سبز کھاد بوئی جا سکتی ہے۔ برسیم بوئی جا سکتی ہے یا گوارا بویا جا سکتا ہے تا کہ وہ پھر دفن ہو سکے اور دوبارہ فصل اچھی ہو سکے۔ پھر اس کھاد کے دبانے کا عرصہ مختلف علاقوں میں مختلف ہوتا ہے۔ بعض زمینیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بہت جلد کھاد کو کھا جاتی ہیں اور اس کو اس قابل بنا دیتی ہیں کہ اس سے اگلی فصل اچھی ہو اور بعض علاقوں میں اس کو قابلِ استعمال ہونے میں بہت دیر لگتی ہے۔ انسپکٹر زراعت جماعتوں میں جاتے اور کہتے کہ سبز کھاد کے طور پر فلاں فصل بونا اور پھر اُس کو دفن کر کے اتنی دیر تک زمین خالی پڑی رہنے دینا اور اس کے اتنے عرصہ بعد فلاں فصل بونا۔

پھر بعض عارضی طریقے سبز کھاد بنانے کے لوگوں نے ایجاد کئے ہوئے ہیں۔ مثلاً

ایک طریق یہ ہے کہ سبز کھاد دبا کر پانی دے دیا جائے اور اس طرح اُسے گلا دیا جائے۔ اس میں آگے یہ ہوتا ہے کہ پانی کی زیادتی اور کمی کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ پانی کم موزوں ہے یا زیادہ موزوں ہے۔ غرض مختلف طریقے تھے جن سے وہ فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ پھر دُور جانے کی ضرورت نہیں تھی یہیں ہمارے سامنے مغربی پاکستان کے انٹا مالوجسٹ بیٹھے ہیں اِن سے ملتے اور کہتے کہ فصلوں کو بِالعموم کیڑے کھا جاتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ اپنا کوئی افسر بھجوائیں جو ہمیں بتائے کہ کیڑوں کا کیا علاج کرنا چاہیئے اور کس وقت کرنا چاہیئے۔ مثلاً میں نے اُن سے کہا تھا کہ ہماری فصل کو کیڑا لگ گیا تھا، آپ کی تجویز کردہ دوائی چھڑکوائی بھی لیکن پھر بھی کیڑا فصل کھا گیا۔ اِس پر اُنہوں نے بتایا کہ آپ کے افسر جب فصل کو کیڑا لگ جاتا ہے تو پھر دوائی چھڑکنے والوں کو بُلواتے ہیں۔ حالانکہ دوائی کیڑا لگنے کے موسم سے پہلے چھڑکوانی چاہیئے۔ آپ انہیں ہدایت فرمائیں کہ کیڑا لگنے کے موسم سے پہلے دوائی چھڑکوا لیا کریں، ورنہ بعد میں دوائی چھڑکوانے کا زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ بہرحال اس قسم کی کئی باتیں ہیں جو اگر انسپکٹر زراعت جماعتوں میں جا کر بتاتے تو ہر ضلع میں اُن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا تھا۔

نظارت تعلیم کو ہدایات

اِسی طرح اختر صاحب نے تعلیم کے متعلق بھی جو باتیں کہی ہیں اگر وہ باتیں ناظر تعلیم پیش کرتے تو چونکہ وہ اس فن کے ماہر ہیں اس لئے ہم اُن سے پوچھتے کہ جو جو باتیں آپ نے کہی ہیں وہ عقلی بھی ہیں یا نہیں؟ مثلاً کیا ہمارے پاس اتنا روپیہ ہے کہ ہم ساری جماعت میں سکول کُھلوائیں۔ یا اگر ہم پانچ سکول کھول دیں تو ہماری ساری جماعت تعلیم یافتہ ہو سکتی ہے۔ ہم کو تو ایسا طریق اختیار کرنا چاہیئے کہ جس سے زیادہ سے زیادہ تعلیم ہماری جماعت میں پھیل سکے اور اس کے لئے ایک طریق تو یہ ہے کہ ہم گورنمنٹ سے اپیل کریں اور اُس کے افسروں سے تعاون لیں اور کہیں کہ جہاں جہاں ہماری جماعت زیادہ ہے وہاں آپ ایک سکول کھول دیں۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ مساجد کے ذریعہ سے تعلیم کو وسیع کیا جائے۔ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جو عالم باہر جاتا ہے وہ اپنے آپ کو مبلّغ کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارے پرانے بزرگ معلّم کہلانے میں فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی دِقّت ہے کہ امام الصلوٰۃ نہیں ملتے۔

میرے نزدیک اگر امام سے ہی معلّم کا کام لیا جائے تو ہماری مسجدیں بھی آباد ہو جائیں اور مدرسہ بھی قائم ہو جائے۔ پھر یہ سہولت بھی ہوگی کہ ہمیں مدرسہ کے لئے کسی عمارت کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ وقت مقرر کر دیا جائے کہ فلاں وقت بوڑھے پڑھنے کے لئے آئیں اور فلاں وقت بچے پڑھنے کو آئیں۔ اس سے تعلیم بڑی آسانی کے ساتھ وسیع ہوسکتی ہے۔ پھر جو تعلیم اپنی زبان میں دی جاتی ہے وہ تھوڑی سی محنت سے کامیاب ہو جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اِس سادہ طریق سے بچہ ایک سال میں ایسا سمجھدار ہو جائے گا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی کتابیں بھی پڑھ سکے گا اور ادھر ہر علاقہ میں ہمارا ایک آدمی بیٹھا ہوگا اور اس کے ذریعہ سے علاقہ میں تبلیغ بھی ہو جائے گی اور ہم بغیر کسی خرچ کے ساری جماعت میں تعلیم پھیلا سکیں گے۔

پھر ہمارے زمانہ میں تعلیم کا یہ طریق ہؤا کرتا تھا کہ مدرّسوں کے خلیفے ہوتے تھے اور وہ خلیفوں کو حکم دیتے تھے کہ اتنے لڑکے لے لو اور اُنہیں پڑھاؤ۔ مجھے یاد ہے جب ہم بچے ہوتے تھے اور ہماری والدہ دلّی جاتی تھیں تو وہ ہماری تعلیم کے حرج کے خیال سے پاس ہی ایک مدرسہ میں ہمیں داخل کر دیتی تھیں۔ اس سکول کی مدرّسہ ایک عورت تھی۔ ۱۹۴۰ء میں جب میں دلّی گیا تھا تو وہ گھر دیکھ کے آیا تھا جہاں وہ اُستانی رہا کرتی تھیں۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ اُستانی تو اَب چلی گئی ہیں لیکن یہ وہ مکان تھا جو اُنہوں نے خرید لیا تھا اور اِسی میں وہ پڑھایا کرتی تھیں۔ وہ پڑھانیوالی صرف ایک تھی۔ ۷۰، ۸۰ لڑکے لڑکیاں تھے۔ اس لئے اُس نے سہولت کی خاطر اپنے بعض خلیفے بنائے ہوئے تھے۔ وہ صبح اُنہیں بلاتی اور سبق دے دیتی اور پھر وہ آگے دوسرے لڑکے لڑکیوں کو پڑھانے لگ جاتے۔ اِسی طرح جو اُستاد اور علماء ہم جماعتوں میں مقرر کریں وہ ہوشیار طالب علموں کو چُن چُن کر خلیفے بناتے چلے جائیں اور اُن کے سپرد بعض طالب علم کرتے جائیں۔ اپنا کام اُن کا وہی ہو جو میں نے ناظر اعلیٰ کا بتایا ہے کہ وہ یہ دیکھتے رہیں کہ خلیفہ کیسا کام کر رہا ہے۔ اگر وہ ٹھیک پڑھا رہا ہے تو اُس کو شاباش دیں اور اگر وہ غلط پڑھا رہا ہو تو اُس کو تنبیہ کریں اس طرح تعلیم اچھی ہوسکتی ہے۔ ورنہ ہمارے پاس روپیہ نہیں۔ ہمارے باپ دادوں نے یہی کام کیا تھا اور سارے ملک کو تعلیم دے دی تھی۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھو کہ کتنی بڑی قوم اُن کے سپرد تھی لیکن تھوڑے عرصہ میں ہی آپ نے اُس سب قوم کو تعلیم دے دی اور وہ اِسی طرح تھی کہ

بہت سے آدمیوں کو کام سپرد کر دیا جاتا تھا اور لوگوں میں تعلیم کی تلقین کی جاتی تھی۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کی دو لڑکیاں ہوں اور اُن کی والدہ اُنہیں اچھی تعلیم دے، اُن کی تربیت کرے تو اُس کو جنت میں مقام ملتا ہے۔[۲] اب ہر عورت کو شوق آیا کہ وہ جنت میں مقام حاصل کرے اور اُس نے اپنی لڑکیوں کو تعلیم دینا شروع کی۔ اِسی طرح اگر ہر جگہ پر علماء ہوں اور وہ امام مسجد بھی ہوں اور مدرّس بھی ہوں تو کام بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے۔ انہیں بتایا جائے کہ نماز پڑھانا بھی تمہارے کورس میں شامل ہے۔ اگر علاقہ وسیع ہو جائے تو اس کے طالب علم دوسری جگہوں پر اس کام کو سنبھال لیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں صحابہؓ اِسی طرح تعلیم لے کر جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک گاؤں والوں نے آ کر کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہمارے ہاں کوئی قرآن کریم پڑھانے والا نہیں، آپؐ ہمیں ایک مدرّس دے دیں۔ آپؐ نے انہیں ایک لڑکا دے دیا جو کوئی گیارہ بارہ برس کا تھا اور فرمایا یہ تمہارا امام ہے۔ چنانچہ وہ اس کو ساتھ لے گئے۔ وہ لڑکا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا اور قرآن کریم پڑھنا سیکھتا تھا جب وہ اس گاؤں میں گیا تو چونکہ وہ ایک غریب گھرانہ کا ایک فرد تھا اس کے پاس تہہ بند یا پاجامہ نہیں تھا۔ وہ اس ملک کے رواج کے مطابق صرف کُرتہ پہن لیتا تھا لیکن چونکہ وہ کُرتہ لمبا نہیں تھا چھوٹا تھا اس لئے جب وہ سجدہ میں جاتا تو ننگا ہو جاتا۔ ایک دفعہ سجدہ کی حالت سے عورتوں نے سر اُٹھایا تو اُنہوں نے اُس کے ننگ کو دیکھ لیا۔ اُنہوں نے مردوں سے کہا مسلمانو! تم اپنے امام کا ننگ تو ڈھانکو۔ اب دیکھو اس طریق سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لوگوں کو نمازیں اور قرآن کریم پڑھنا سکھا دیا۔

پھر آپؐ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے ایک یہ طریق بھی اختیار فرماتے تھے کہ جنگ کے قیدی آتے تو انہیں فرماتے میں تمہیں چھوڑ دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ سال بھر مدینہ میں رہو اور یہاں کے رہنے والوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دو۔[۳] اس طرح آپؐ نے مدینہ کے سارے مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیا۔ ایک زمانہ تھا کہ سارے مکہ میں صرف اٹھارہ پڑھے لکھے آدمی تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے قریب زمانہ میں مدینہ میں ہر شخص پڑھا ہوُا تھا۔

آخر ہم نے ساری جماعت کو بیدار کرنا ہے صرف ایک آدمی کو بیدار نہیں کرنا اور جو طریق کار سوچا گیا ہے اس سے بجٹ پر ہی بوجھ پڑتا ہے اور بجٹ اس بوجھ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ ہمیں اس سلسلہ میں وہ طریق سوچنے چاہئیں جن کی وجہ سے بجٹ پر بوجھ نہ پڑے۔ ہمیں اپنے باپ دادوں کے پرانے طریق کو اختیار کر کے جو اُن کا آزمایا ہوا ہے ساری جماعت کو تعلیم دینی چاہیئے اور یہی وہ طریق ہے جس کے ذریعہ ہم اس کام میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

پھر افسر تعلیم کے علاوہ ناظر تعلیم کا یہ کام ہونا چاہئے کہ وہ دیہات میں دَورے کریں اور دیکھیں کہ مرکز کی ہدایات کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری ہے یا نہیں۔ اِس وقت محکمہ تعلیم میں تین آفیسر ہیں ایک تو ناظر تعلیم ہیں وہ تو بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ دو اُن کے نائب ہیں، ایک نائب اگرچہ بوڑھے ہیں ۵۷، ۵۸ سال کی عمر کے ہوں گے مگر اُن میں کام کرنے کی ہمت ہے۔ تیسرے شیخ مبارک احمد صاحب ہیں، وہ بالکل نوجوان ہیں۔ وہ دیہات کے دَورے کریں اور دیکھیں کہ کیا ہماری مسجدیں اس رنگ میں آباد ہیں یا نہیں۔ اور جو امام مقرر کیا گیا ہے وہ امامت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا کام بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اُس کو کہیں کہ ہم تمہیں دس روپے ماہوار دیں گے اور جماعت کچھ غلہ وغیرہ مہیا کر دے گی۔ تم امامت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا کام بھی کرو۔ پھر اس طرح قدم بقدم ضلعوار چلیں۔ پہلے ایک ضلع کو لے لیں پھر اگلے ضلع کو لے لیں۔ بجائے اس کے کہ ہم کہیں ہم نے سارے پنجاب میں یہ کام شروع کیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ بہتر ہے کہ ہم کہیں کہ ہم نے ضلع جہلم کی ساری جماعتوں کو پڑھا دیا ہے، ہم نے ضلع گوجرانوالہ کی سب جماعتوں کو پڑھا دیا ہے، ہم نے ضلع گجرات کی ساری جماعتوں کو پڑھا دیا ہے۔ پس تم جو امام رکھو اُس کے سپرد تعلیم کا کام بھی رکھو۔ دس روپے خود ماہوار دو اور جماعت کو تحریک کرو کہ وہ کچھ غلہ مقرر کر دے اور افراد کو کہہ دیا جائے کہ جب تمہارا غلہ نکلے تو اتنا غلہ تم اپنے امام اور مدرّس کو دے دیا کرو۔ اگر لوگوں کو اِس کی عادت پڑ جائے اور غلّہ سے وہ اپنے مولوی کی مدد کر دیا کریں تو دس روپیہ ماہوار میں اچھا تو نہیں مگر غریبانہ گزارہ ہو جاتا ہے اور اس ذریعہ سے ہم ہر جگہ سکول کھول سکتے ہیں۔ ایک ضلع میں اِس قسم کے

پندرہ بیس سکول کھول دیئے جائیں تو یہ ڈیڑھ دوسَو روپیہ فی مہینہ خرچ ہے اور بارہ چودہ لاکھ کے بجٹ سے کسی ایک ضلع میں احمدیوں کو تعلیم دلانے کے لئے دوسَو روپیہ ماہوار خرچ کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ پس امام مقرر کئے جائیں اس طرح مسجدیں بھی آباد ہوں گی اور مدرسے بھی بن جائیں گے۔ پھر ہر مدرّس کے آگے خلیفے ہوں گے جو کام کریں گے۔ پرانے زمانہ میں جو خلیفے ہوتے تھے وہ اس انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی مسجد ہمیں بھی مل جائے۔۱۹۱۲ء میں مَیں مدارس کا دَورہ کرنے کے لئے گیا تو میں نے رام پور کا مدرسہ بھی دیکھا۔ وہاں میں نے ایک طالب علم کو دیکھا جس کی بہت لمبی داڑھی تھی وہ بخاری پڑھ رہا تھا۔ میں نے اُسے کہا آپ ابھی پڑھ رہے ہیں، آپ کے پڑھانے کا وقت کب آئے گا؟ وہ اُٹھ کر ہمارے ساتھ آ گیا اور باہر آ کر کہنے لگا آپ کسی کو بتائیں نہیں مَیں اِس انتظار میں ہوں کہ میرا اُستاد مر جائے تو مَیں اِس کی جگہ لے لوں۔ ابھی تک وہ زندہ ہیں جب وہ مریں گے تو میں ان کی جگہ لے لوں گا۔ غرض شاگرد اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ ہمیں کوئی مدرسہ مل جائے۔ اگر کسی کا کوئی اچھا شاگرد ہو تو وہ اُسے دوسرے محلّہ کی مسجد میں بٹھا دے اور دفتر کو لکھ دے کہ آپ مجھے دس روپیہ دیتے ہیں اب پانچ روپے ماہوار اُسے بھیج دیا کریں، میں نے محلّہ والوں سے روٹیاں لگوا دی ہیں۔ اس طرح تھوڑے عرصہ میں ہی ایک ضلع کی تعلیم پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ پھر دوسرے ضلع کی تعلیم پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ مگر جو طریق ناظر صاحب تعلیم اختیار کر رہے ہیں کہ الفضل میں اعلان کرا دیا اس سے کچھ نہیں بنے گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ جو اثر ہے وہ بھی لوگوں کے دلوں سے زائل ہو جائے گا۔

تحریک جدید والوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہمیشہ یہی لکھتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے یوں فرمایا ہے۔ میں نے اُنہیں ڈانٹا اور کہا کہ تم خلیفۃ المسیح کا رُعب بھی مٹانا چاہتے ہو۔ تم میرا نام نہ لکھا کرو بلکہ یہ لکھا کرو کہ تمہارا فائدہ اِس میں ہے۔ اِس طرح ان کے دلوں میں چندہ دینے کی رغبت پیدا ہوگی۔ میرا نام بار بار چَھپنے سے پہلا اثر بھی زائل ہو جائے گا۔ کبھی لکھ دیا کہ ہم ۲۹ ؍ تاریخ کو چندہ پورا ادا کرنے والوں کی لسٹ خلیفۃ المسیح کے سامنے پیش کریں گے۔ پھر دو دن کے بعد چَھپا کہ اب ہم ۳۱ ؍ تاریخ کو لسٹ پیش کریں گے۔ پھر چَھپا اگلے مہینے کی دو تاریخ کو لسٹ پیش کریں گے۔ مَیں نے کہا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر

پڑھتے پڑھتے جماعت کے افراد سے اس کا اثر مٹ جائے گا۔ وہ سمجھیں گے کہ لِسٹ میں نام آئے یا نہ آئے ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ پس تم اِس بات کو رہنے دو اور یہ بات اُن کے ایمان پر چھوڑ و اور یہ کہو کہ اسلام کو تبلیغ کی ضرورت ہے اور مبلّغوں کو روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس طرح بڑی مشکل سے کہہ کہہ کر میں نے اِس میں کمی کرائی ہے۔

غرض ناظر صاحب اعلیٰ نے صیغہ جات کی طرف سے جو رپورٹ پیش کی ہے وہ اُن صیغہ جات کے ناظروں کو پیش کرنی چاہئے تھی اور خود اُن کو یہ بتانا چاہئے تھا کہ فلاں فلاں ماہ میں فلاں فلاں دفتر میں گیا ہوں اور دفاتر کا معائنہ کیا ہے۔ پھر ناظروں سے کہنا چاہئے تھا کہ وہ سٹیج پر آئیں اور بتائیں کہ اُنہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔‘‘

وصیت کے لئے عورت کی اصل جائداد اُس کا مہر ہے

مشاورت میں سب کمیٹی بہشتی مقبرہ کی رپورٹ پیش ہوئی کہ عورتوں کے لئے کم از کم جائداد جس پر وصیت ہو سکے پانچ سَو روپے ہونی چاہئے۔

چند ممبران نے اس بارہ میں اپنی آراء بیان کیں۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

’’چونکہ تجویز کی دونوں شِقیں الگ الگ پیش نہیں ہوئیں اِس لئے میں سمجھتا ہوں کہ بات واضح نہیں ہوئی۔ میرے نزدیک اِس وقت دو ہی تجویزیں غور کے قابل تھیں اور انہیں پر بات کو محدود رکھا جاتا تو کسی فیصلہ تک پہنچنے میں آسانی ہو سکتی تھی۔ ایک بات تو میاں عطاء اللہ صاحب نے بیان کی ہے کہ وصیت کے لئے کوئی حد بندی لگانا جائز نہیں۔ دوسرے ایک دوست نے کہا ہے کہ عورت کی اصل جائیداد اُس کا مہر ہے۔ میرے نزدیک بھی اگر مہر پر بنیاد رکھ دی جائے تو یہ سارے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ شریعت نے کہا ہے کہ مہر مرد کی حیثیت کے مطابق مقرر کیا جائے۔ پس میرے نزدیک اگر آپ سب مجھ سے متفق ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ قاعدہ بنا دیا جائے کہ ہر عورت کی وصیت پر اُس کے خاوند کے بھی دستخط لئے جائیں اور یہ شرط کر دی جائے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو مہر ادا کیا تو وصیت کا حصہ ہمیں ادا کرنا۔ مثلاً اگر پانچ سَو روپیہ مہر ہے تو پانچ سَو روپیہ دیتے وقت پچاس روپے ہمیں دینے ہوں گے۔ اگر تم نے اُس کی موت کے وقت کہہ دیا کہ اُس نے اپنا مہر مجھے

معاف کر دیا تھا تو ہم نہیں مانیں گے کیونکہ وصیت کی ادائیگی تمہارے ذمہ تھی۔ اگر تم نے مہر معاف کروالیا تھا تو تمہارا یہ حق نہیں تھا کہ ہمارا حصہ بھی معاف کرواؤ اور نہ اس کا حق تھا کہ ہمارا حصہ تمہیں معاف کرتی، اِس لئے پچاس روپے لازماً ہمیں ملنے چاہئیں اور اگر تم کہو کہ میں نے اُسے مہر دے دیا تھا تو اِس صورت میں بھی تمہارا کوئی حق نہیں تھا کہ اُسے ہمارے حصہ کے روپے دے دیتے۔ اگر پانچ سَو روپے مہر تھا تو ساڑھے چار سَو روپیہ اُسے دیتے اور پچاس روپے ہمیں دیتے کیونکہ وہ ہمارا حق تھا۔

پس میرے نزدیک ہر عورت کی وصیت پر حصہ وصیت ادا کرنے کا ذمہ دار اُس کے خاوند کو قرار دیا جائے۔ اگر عورت اپنا مہر معاف کر دے تو اس کا یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ہمارا حصہ معاف کرے۔ اسی طرح اگر خاوند اپنی بیوی سے مہر معاف کرواتا ہے تو اس کا یہ حق نہیں ہوگا کہ ہمارا حصہ معاف کرائے اور اگر وہ مہر ادا کرے تو ہمارا حصہ اُسے ادا نہ کرے بلکہ وصیت کا حصہ ہمیں دے باقی مہر اپنی بیوی کو ادا کرے۔ اگر مہر کو وصیت کے لئے معیار کر دیا جائے تو جہاں عورتوں کی یہ خواہش ہوگی کہ ان کا مہر بڑھے وہاں ہماری آمد میں بھی اضافہ ہوگا اور مہر کی زیادتی برکت کا موجب ہوگی۔

مَیں آپ لوگوں کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ آپ بے شک اپنے دوست کو احمدی نہ بنا سکے ہوں مگر وہ عورت جو وصیت کرے گی وہ اُس وقت تک اپنے خاوند کو چھوڑے گی نہیں جب تک اُسے احمدی نہیں کر لے گی۔ میں نے بیسیوں نہیں سینکڑوں ایسی عورتیں دیکھی ہیں کہ اُن کے خاوند کٹر غیر احمدی تھے اور اُنہوں نے اُن کو اُس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اُنہوں نے بیعت نہیں کر لی۔ حال ہی میں کراچی میں ایک افسر نے بیعت کی ہے۔ بعد میں مجھے پتہ لگا کہ افسر سے اس کی بیوی نے بیعت کرائی ہے۔ بلکہ دو ایک شیعہ بھی تھے اُن کے متعلق بھی معلوم ہوا کہ پہلے بیوی احمدیت کی طرف مائل ہوئی اور پھر اُس نے اپنے خاوند کو قرآن کریم پڑھایا اور بیعت کی تحریک کی۔''

ورثہ میں لڑکیوں کا حصہ

ایک سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا:-

''اصلاح وارشاد کے محکمہ کا فرض ہے کہ وہ جماعت کے تمام دوستوں کو اِس امر کی تحریک کرتا رہے کہ وہ اپنی جائیداد سے شریعت کے مطابق اپنی

لڑکیوں کو حصہ دیا کریں۔ اگر کسی نے اپنی لڑکی کو جائیداد سے حصہ دیا ہوگا تو وہ بیوہ بھی ہوگی تو صاحب جائیداد ہوگی اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو حصہ دیا ہوگا یا اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد نے اپنی ماں کو اپنے باپ کی جائیداد سے حصہ دیا ہوگا تب بھی وہ صاحبِ جائیداد ہوگی۔ بہرحال یہ جھگڑا ختم ہو جاتا ہے کہ ہم عورت کی وصیت کے لئے کوئی معیار مقرر کریں۔ جائیداد کی تعیین کے لئے ہمیں فکر نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ تعیّن وہی درست ہے جو خاوند نے کر دیا ہے اور جو خود عورت نے کر دیا ہے۔ اُسے خواہ مخواہ جھوٹا کرنے اور بات کے کریدنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً اگر ایک مرد ہمارے پاس آ کر کہتا ہے کہ میری سو روپیہ ماہوار تنخواہ ہے، میں دس روپے چندہ دیتا ہوں تو ہم اس بات کی تردید نہیں کیا کرتے کہ اس کی تنخواہ سَو روپیہ ماہوار نہیں بلکہ ڈیڑھ سَو روپیہ ماہوار ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ بعض لوگ عمداً سَو روپیہ آمد لکھواتے ہیں اور پھر ٹیوشن کرتے ہیں اور سَو سَو روپیہ اُن سے بھی کما لیتے ہیں اور اُس سے چندہ نہیں دیتے۔ ہم سمجھتے ہیں اُنہوں نے تو خدا تعالیٰ سے اپنے اخلاص کا بدلہ لینا ہے۔ آخر جنت ہمارے پاس تو نہیں جو ہم نے اُسے دے دینی ہے جنت تو خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ اگر وہ ہم سے دھوکا کرے گا تو اس کا بدلہ بھی کم ہو جائے گا۔ ہم نے صرف ظاہر پر عمل کرنا ہے۔ پس چاہئے کہ اصلاح وارشاد والے جماعت کے مردوں پر زور دیں کہ وہ اپنی جائیدادوں سے اپنی عورتوں کو بھی حصہ دیں یا اپنی اولاد کو وصیت کر جائیں کہ وہ اُن کے ترکہ سے اُن کی بیویوں کو حصہ دے۔ گورنمنٹ نے تو اِس قسم کا قانون بنا دیا ہوا ہے لیکن پہلو بچانے والے کسی نہ کسی طرح اپنا پہلو بچا ہی لیتے ہیں۔

بہرحال میری تجویز یہ ہے کہ اگر آپ لوگ متفق ہوں تو فِی الحال یہ تجویز کر دیا جائے کہ عورتوں کا مہر اُن کی جائیداد سمجھ لیا جائے۔ اِس کے علاوہ کسی عورت کی اگر کوئی اور جائیداد بھی ہو تو وہ بھی وصیت میں لکھوا دی جائے لیکن اگر وہ کہہ دے کہ اس کے علاوہ میری کوئی جائیداد نہیں تو ہمیں کُریدنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مہر وہ چیز ہے جو خدا تعالیٰ نے مقرر کی ہے۔ اگر وہ کہے کہ میرا مہر کوئی نہیں تو ہم کہیں گے کہ تیرا نکاح بھی کوئی نہیں۔ پس یا تو اُسے اپنا مہر بتانا پڑے گا یا خاوند سے بھی طلاق لینی پڑے گی۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہوگی۔ بہرحال جو چیز خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے آسان کر دی ہے اس کے لئے

ہمیں سرگرداں ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو بتا دیا ہے کہ مہر ضروری ہے اور مہر ایک ایسی جائیداد ہے جس کو کوئی چُھپا نہیں سکتا۔ اگر کوئی اُسے چُھپائے گا تو اس منافقت میں تین آدمی شامل ہوں گے۔ ایک تو قاضی ہوگا، ایک خود عورت ہوگی اور ایک اُس کا خاوند ہوگا۔ اب یہ کہنا کہ سارا کنبہ ہی منافقوں کا ہے یہ ناجائز بات ہے۔ اتنی بدظنی کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ عورت اپنا جو مہر بتائے وہ ہمیں تسلیم کر لینا چاہئے اور اُس کے خاوند سے وصیت فارم پر دستخط لینے چاہئیں اور تحریر لکھوا لینی چاہئے کہ مَیں اپنی عورت سے اُس کا مہر بخشواؤں گا نہیں اور اگر بخشواؤں گا تو وصیت کا حصہ خود ادا کر دوں گا اور اگر میری بیوی خود اپنا مہر معاف کرے گی تو میں اُسے بھی سمجھاؤں گا کہ بی بی! تیرا حق وصیت کا حصہ کاٹ کر باقی مہر معاف کرنے کا ہے اِس سے زیادہ نہیں۔ اور اگر بِالفرض وہ سمجھانے کے باوجود بھی معاف کر دے گی تب بھی میں اُسے معاف نہیں سمجھوں گا اور وصیت کا حصہ ادا کروں گا۔ اور اگر میں اپنی بیوی کو اُس کا مہر دوں گا تو میں خود اس بات کا ذمہ دار ہوں گا کہ مہر سے وصیت کا حصہ کاٹ کر اُسے دوں۔ پس اگر مہر کو محفوظ کر لیا جائے تو پھر میرے نزدیک عورتوں کا سوال حل ہو جاتا ہے۔ باقی ہمارے ملک میں بہت تھوڑی عورتیں ہیں جن کی کوئی جائیداد نہیں ہوتی۔ زمینداروں کو میں نے ایک دفعہ نصیحت کی تھی کہ وہ اپنی لڑکیوں اور بیویوں کو اپنی جائیداد سے حصہ دیا کریں اور مجھے یاد ہے کہ اُس وقت بعض دوستوں نے اس پر عمل بھی کیا تھا مگر پھر وہ بُھول گئے۔ اُنہوں نے سمجھا کہ شاید خدا تعالیٰ کی خوشنودی صرف ایک سال کے لئے ہی ضروری ہے پھر اس کی ضرورت نہیں۔

غیر شادی شُدہ عورتوں کی وصیت

ایک سوال لجنہ نے کیا ہے کہ اگر وصیت کے لئے مہر کی شرط کی گئی تو غیر شادی شُدہ عورتوں کی وصیت کے متعلق کیا ہوگا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ غیر شادی شدہ عورت جو بھی اپنی جائیداد بتائے گی ہم اُسے تسلیم کر لیں گے۔ اگر وہ کہے گی کہ میرے پاس ایک روپیہ ہے تو ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اُس ایک روپیہ کو ہی تسلیم کر لیں۔ کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ غیر شادی شُدہ رہنا منع ہے۔ آخر دو چار سال تک تو وہ غیر شادی شدہ رہے گی لیکن اس کے بعد وہ بہر حال شادی کرے گی اور جب وہ شادی کرے گی تو مہر والی صورت پیدا ہو جائے گی کیونکہ وصیت کی

ایک شق یہ بھی ہے کہ اگر کوئی جائیداد آئندہ ثابت ہوگی تو اس پر بھی میری وصیت حاوی ہو گی۔ ہاں اگر کوئی عورت یہ کہے کہ میں مرنے تک شادی نہیں کروں گی تو یہ درست نہیں ہو گا۔ بہر حال لجنہ کے سوال کا مَیں نے جواب دے دیا ہے کہ غیر شادی شدہ عورتیں ہمیشہ غیر شادی شُدہ نہیں رہیں گی بلکہ ہوسکتا ہے کہ ایک دو سال کے بعد ہی اُن کی شادی ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسا حادثہ پیش آجائے کہ کوئی لڑکی وصیت کرنے کے بعد بغیر شادی کے فوت ہو جائے تو وہ چاہے ایک روپیہ وصیت میں لکھوائے ہم بہرحال اُسے تسلیم کریں گے کیونکہ اُس نے اپنے اخلاص کا ثبوت دے دیا اور جس نے اپنا اخلاص ثابت کر دیا ہمارا کوئی حق نہیں کہ اُس کی وصیت کو ردّ کریں۔

ہماری لڑکیوں نے بچپن میں جب وصیت کی تو وہ ہم سے آ کر مطالبہ کرتی تھیں کہ کچھ روپے ہمیں دے دیں تا کہ اُن پر ہم وصیت کریں۔ اسی طرح میری لڑکیوں اور لڑکوں نے وصیت کی۔ وہ آ کر کچھ روپیہ مانگ لیتے تھے اور اُسے جائیداد شمار کر کے وصیت کر دیتے تھے۔

بیویوں کے حقوق

اب تو میں نے اپنی ساری جائیداد لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم کر دی ہے اور بیویوں کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق میں نے ایک ایک مکان بنا دیا ہے، بعض مکانات مکمل ہو چکے ہیں اور بعض ابھی بن رہے ہیں بچوں کو بھی میں نے اِسی طرح مکانات بنوا دیئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ ہر بیوی کو الگ الگ مکان بنوا دیا۔ مجھے بھی بیماری کے دوران سارا سال یہ وہم رہا کہ اگر مَیں مر گیا تو میری بیویوں کا کیا بنے گا کیونکہ میں نے یہ نظارہ دیکھا ہے کہ جب بھی کوئی ناظر فوت ہوتا ہے اُس کی بیوی دَوڑی دَوڑی میرے پاس آتی ہے کہ مجھے صدر انجمن احمدیہ موجودہ مکان سے باہر نکال دے گی مجھے اُس وقت بڑا رحم آتا ہے کہ اِدھر اُسے اپنے خاوند کی موت کا صدمہ ہے اور اُدھر انجمن بھی کیا کرے۔ اُس نے ایک نیا افسر لگانا ہے اور اُسے رہائش کے لئے کوارٹر مہیا کرنا ہے۔ بہرحال جب یہ نظارہ مجھے یاد آیا تو میرے دل پر سخت بوجھ پڑا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ یورپ سے واپس آ کر سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ اپنی ہر بیوی کے لئے ایک ایک مکان بنوا دوں گا تا کہ اُنہیں میری وفات کے بعد قصرِ خلافت استعمال نہ کرنا پڑے

کیونکہ وہ صدر انجمن احمدیہ کا ہے اور میری وفات کے بعد اُنہیں پتہ ہو کہ ہمارا ذاتی مکان ہے اور جس وقت ہم چاہیں گی اپنے مکان میں چلی جائیں گی۔‘‘

ایک اَور سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ:-

’’جس عورت نے مہر وصول کر لیا ہوگا وہ جب وصیت کرے گی اور کہے گی کہ میں مہر لے چکی ہوں تو ہم کہیں گے کہ وصیت کرنے آئی ہو تو اپنے مہر سے ہمارا حصہ اِدھر لاؤ۔ اور اگر وہ کہے کہ میں مہر وصول کر کے خرچ کر چکی ہوں تو ہمیں بہرحال اُس پر اعتبار کرنا پڑے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت اسامہؓ نے ایک جنگ کے دَوران ایک کافر کو قتل کرنے کے لئے اُس کے پیچھے گھوڑا دَوڑایا تو اُس نے کہا صَبَوْتُ مَیں صابی ہو گیا ہوں۔ مسلمانوں کو اُن دنوں عام طور پر چونکہ صابی کہا جاتا تھا اُس نے یہی سمجھا کہ مسلمان ہونے کے لئے صابی کے لفظ کا استعمال ہی کافی ہے، مگر حضرت اسامہؓ نے اُسے قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ حضرت اسامہؓ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تُو نے اسے کیوں قتل کیا۔ حضرت اسامہؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ ڈر کے مارے یہ الفاظ کہہ رہا تھا دل سے مسلمان نہیں تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے جوش سے فرمایا کہ اسامہ! کیا تُو نے اس شخص کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے جھوٹ ہے؟[4] ہم نے بھی کسی کا دل پھاڑ کر نہیں دیکھا اگر کوئی عورت کہتی ہے کہ میں نے مہر خرچ کر لیا ہے تو ہمیں اُس پر اعتبار کرنا چاہئے اور اگر وہ ہمارے ساتھ دھوکا کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں نے مہر وصول کر کے خرچ کر لیا ہے حالانکہ اُس نے خرچ نہیں کیا تو وہ جھوٹ بول کر اپنا نقصان آپ کرے گی۔ ہمارا اِس میں کیا نقصان ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی موجود ہے کہ مجھے یہ فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا۔ مجھے یہ فکر ہے کہ اِس روپیہ کو خرچ کرنے والے کہاں سے آئیں گے[5] سو روپیہ تو آتا ہی رہے گا چاہے دس لاکھ بھی ایسی عورت ہو جو مہر لے کر خرچ کر چکی ہو، روپیہ بہرحال آنا ہے اور اس مقدار میں آنا ہے کہ ہمیں یہ فکر ہوگی کہ ہم وہ آدمی کہاں سے لائیں جو اس روپیہ کو مناسب طور پر خرچ کریں۔ پس جو قانون بنتا ہے بناؤ اور باقی چیزیں خدا پر چھوڑ دو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض لوگ اُسے بھی دھوکا دینے کی

کوشش کرتے ہیں۔[6] پس اگر خدا تعالیٰ کو دھوکا دینے والے موجود ہیں تو کیا ہم خدا تعالیٰ سے بڑھ کر ہیں کہ ہمیں کوئی دھوکا نہ دے۔ اگر کوئی دھوکا دے گا تو اپنا انجام آپ خراب کرے گا۔ ہمیں اس کے فکر کی ضرورت نہیں اور اگر وہ اخلاص سے کام لے رہا ہے تو ایک مخلص پر بدظنی کر کے تم اپنا انجام کیوں خراب کرتے ہو۔

بہرحال جو دوست اِس تجویز کے حق میں ہوں کہ عورتوں کی وصیت کے لئے اُن کے مہر کو بنیاد رکھا جائے اور ان کے خاوندوں سے بھی حصہ وصیت کی ادائیگی کے لئے عہد لیا جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

حضور کے ارشاد پر ۲۵۹ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا۔

فیصلہ

''چونکہ اکثریت نے اس کی تائید کی ہے اس لئے میں بھی اکثریت کی رائے کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں۔

اگر کوئی اَور تجویز پیش ہوئی تو وہ اگلی شوریٰ میں آ جائے گی، یار زندہ صُحبت باقی۔ عورتوں نے تو بہرحال جنت میں ہمارے ساتھ رہنا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اگر کوئی مومن ہو گا تو خدا تعالیٰ اُس کی بیوی کو بھی جنت میں اس کے ساتھ رکھے گا۔ پس آپ لوگ اگر عورتوں کو مقبرہ سے نکال بھی دیں تب بھی اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں آپ لوگوں کے ساتھ رکھے گا بلکہ خاوند اگر بہشتی مقبرہ میں دفن ہے تو اس کی بیوی چاہے کسی روڑی میں دفن ہو خدا تعالیٰ پھر بھی اُسے جنت میں اپنے خاوند کے پاس پہنچا دے گا۔ پس زیادہ قیود اور پابندیاں عائد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

اس موقع پر مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی نے دریافت فرمایا کہ کیا ایک مومن عورت بھی اپنے خاوند کو اپنے ساتھ جنت میں لے جا سکتی ہے؟ حضور نے فرمایا۔

''خاوند اور بیوی دونوں ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر بیوی اچھی ہو گی تو وہ اپنے خاوند کو اپنے ساتھ لے جائے گی اور اگر خاوند مخلص اور مومن ہو گا تو وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔ اگر بیٹا بیٹی بھی اچھے ہوں گے تو وہ اپنے والدین کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور اگر والدین اچھے ہوں گے تو وہ اپنے بیٹے اور بیٹی کو اپنے ساتھ جنت میں

لے جائیں گے۔‘‘

وصیت کی آمد کا ۱/۱۰۰ حصہ مقبرہ بہشتی کی سجاوٹ پر خرچ کیا جائے

سب کمیٹی بہشتی مقبرہ کی طرف سے مجلس مشاورت میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ چندہ شرط اوّل کا معیار مقرر ہونا چاہئے تا کہ قبرستان کو خوشنما بنانے کے لئے معقول رقم وصول ہو سکے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

’’ترامیم کے متعلق قاعدہ ہے کہ وہ لکھ کر پیش کرنی چاہئیں۔ تقاریر میں ان کا ذکر کرنا اصول کے خلاف ہے۔ میں نے وصیت کی آمد کا اندازہ لگوایا ہے، دفتر والوں نے بتایا ہے کہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ وصیت کی آمد ہے۔ میرے نزدیک اگر وصیت کرنے والوں پر زور دینے کی بجائے وصیت کی آمد سے ہی ۱/۱۰۰ لے لیا جائے تو یہ پانچ ہزار روپیہ سالانہ بن جاتا ہے جس سے ساری تجویزیں پوری کی جاسکتی ہیں۔ کچھ نئے وصیت کرنے والوں سے مل جائے گا۔ پس آئندہ کے لئے یہ قانون بنا دیا جائے کہ وصیت کی آمد کا ۱/۱۰۰ بہشتی مقبرہ کی سجاوٹ اور اُس کو باغ کی شکل دینے کے لئے مخصوص کیا جائے۔ اِس طرح اگر وہ امانت سے پندرہ بیس ہزار روپیہ لے کر اپنی سکیموں پر خرچ بھی کر لیں تو پانچ ہزار سالانہ اس طرح آجائے گا اور کچھ نئے وصیت کرنے والوں سے آجائے گا اور وہ تین چار سال میں اپنا سارا قرض اُتار سکیں گے بلکہ میں سمجھتا ہوں اگر آمد کم ہوگئی تو ہماری انجمن کو توجہ ہوگی کہ وہ وصیتیں بڑھائے۔ مثلاً اگر دس لاکھ وصیت ہو جائے اور وہ ایک ایک روپیہ بھی چندہ چندہ شرطِ اوّل دیں تو دس لاکھ روپیہ آجاتا ہے۔ اب سالانہ ۲۸۸ وصیتیں ہو رہی ہیں جو بہت کم ہیں۔ اگر پانچ ہزار بھی ہر سال وصیت ہو تو پانچ ہزار روپیہ آجاتا ہے اور پانچ ہزار انجمن دے گی، دس ہزار روپیہ ہو جائے گا۔ اِس طرح دو تین سال کے اندر اندر ٹیوب ویل بھی لگ جاتا ہے باغ بھی لگ جاتا ہے اور دوسرے اخراجات بھی پورے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تک کام چلانے کے لئے امانت سے قرض لے لیا جائے اور پھر آمد سے ادا کر دیا جائے۔ پس میرے نزدیک بجائے سب کمیٹی کی تجویز منظور کرنے کے انجمن کو کہا جائے کہ وہ وصیت کی

آمد کا ۱۰۰/۱ مقبرہ بہشتی کی سجاوٹ وغیرہ کے لئے خرچ کرے اور پھر وصیتوں کو بھی بڑھانے کی کوشش کرے۔

اگر ان کی تعداد بڑھ جائے تو دس پندرہ ہزار کی آمد مشکل نہیں۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں دو تین سال میں اتنا چندہ جمع ہوسکتا ہے کہ اس سے ساری ضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔ فِی الحال امانت سے قرض لے لیا جائے اور اگلے سال بتایا جائے کہ صدر انجمن احمدیہ نے کس قدر دیا ہے اور نئے موصیوں سے کس قدر آمد ہوئی ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کے لئے بارہ تیرہ لاکھ کے بجٹ سے پانچ ہزار کی رقم نکالنا مشکل بات نہیں۔

اب جو دوست اس تجویز کے حق میں ہوں جو مَیں نے پیش کی ہے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اس پر ۳۹۲ دوست کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا:-

فیصلہ

''۳۹۲ نمائندگان کی رائے ہے کہ اس تجویز پر عمل کیا جائے۔ پس میں اِسے منظور کرتا ہوں۔ اگر انجمن توجہ کرے اور وہ ایک روپیہ سینکڑہ کی بجائے آٹھ آنے بھی دے تب بھی اڑھائی ہزار روپیہ ہو جاتا ہے اور پانچ لاکھ سے اڑھائی ہزار روپیہ نکالنا کوئی مشکل امر نہیں۔ آخر جو لوگ وصیت کا روپیہ دے رہے ہیں اُن کے روپیہ کا کچھ نہ کچھ خرچ تو مقبرہ بہشتی پر بھی ہونا چاہئے اور پھر سجاوٹ اور خوبصورتی کا طبعًا لوگوں پر اثر بھی پڑتا ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک سکھ رئیس قادیان آیا اور وہ بہشتی مقبرہ میں چلا گیا۔ واپس آ کر کہنے لگا ''ہیں تے مَیں سکھ۔ پر دل میرا کردا اے کہ جے مَیں مر جاواں تے مینوں ایتھے دفن کر دِتّا جائے۔'' یعنی ہوں تو میں سکھ پر میرا جی چاہتا ہے کہ اگر میں مر جاؤں تو مجھے اِس جگہ دفن کیا جائے۔

بہرحال اِس کے لئے کوئی نیا چندہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ کچھ صدر انجمن احمدیہ دیدے اور کچھ نئے لوگوں سے لے لیا جائے۔ اس طرح کسی پر بوجھ بھی نہیں پڑے گا اور کام بھی ہو جائے گا۔''

تیسرا دن

یوم جمہوریہ پاکستان کے موقع پر قراردادِ مبارکباد

۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء کو صبح آٹھ بجے مجلس مشاورت کا اجلاس حضور کی صدارت میں شروع ہوا تو حضور کی اجازت سے یوم جمہوریہ پاکستان کے سلسلہ میں مبارکباد کی ایک قرارداد پاس ہوئی جو کہ صدر اور وزیر اعظم پاکستان اور دونوں صوبائی گورنرز کو بھجوائی گئی۔ اِس موقع پر حضور نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

''آج پاکستان کی آزادی کا دن ہے اور جیسا کہ میں کل بتا چکا ہوں اس کو ہمیں دُنیوی بات نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ چونکہ پاکستان کی ترقی اور طاقت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کا بڑا گہرا تعلق ہے اِس لئے ہمیں اِس کو دین کا ہی ایک حصہ سمجھنا چاہئے۔ مثلاً پچھلے دنوں سپین کی حکومت نے ہمارے مبلّغ کو نوٹس دیا کہ وہ وہاں سے چلا جائے کیونکہ سپین میں اسلام کی تبلیغ منع ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جرأت اُن کو اِس لئے ہوئی ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کمزور ہے اور وہ ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

مَیں نے کئی دفعہ یہ واقعہ سُنایا ہے کہ جب صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائیوں نے مکہ کے قریب مسلمانوں کو شکست دے کر اپنی فوجیں فلسطین میں داخل کر دیں اور فلسطین کا وہ حصہ جو مکہ اور حیفا کے پاس ہے اُس کو فتح کرلیا اور تھوڑا سا حصہ مسلمانوں کے پاس رہ گیا تو اُس وقت ایک قافلہ بغداد سے شام اور فلسطین میں تجارت کے لئے آیا ہوا تھا۔ جب وہ قافلہ شام کی حدود میں سے گزر رہا تھا تو اُنہوں نے ایک عورت کی آواز سُنی جو چلّا چلّا کر کہہ رہی تھی یَا لَلْاَمِیرَ الْمومنین! جس کے معنے یہ ہیں کہ اے امیر المومنین! میری فریاد کو پہنچیو۔ وہ کوئی عورت تھی جس کو عیسائی پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ پاس ہی مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ عیسائی بعض اوقات اُن بستیوں پر ڈاکہ مارتے تھے اور مسلمانوں کو پکڑ لیتے تھے۔ چنانچہ عیسائی لوگ اُس عورت کو پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ اُس بیچاری کو پتہ نہیں تھا کہ آجکل امیر المومنین کی کوئی طاقت نہیں ہے، بغداد کے قلعہ سے باہر اُسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ مگر اس کی پُرانی شہرت ابھی باقی تھی اُس کی وجہ سے اُس نے یہ آواز دی کہ اے امیر المومنین!

میری فریاد کو پہنچیو۔ قافلہ والے پاس سے گزر گئے اور کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ وہ آپس میں یہ باتیں کرنے لگے کہ عجیب بے وقوف عورت ہے اِس کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ اب امیرالمومنین کی کوئی طاقت نہیں۔ جب قافلہ بغداد پہنچا تو کچھ لوگ سَودا وغیرہ خریدنے کے لئے آئے۔ تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ کوئی عجیب واقعہ آپ کے ساتھ گزرا ہو تو بتاؤ۔ اس پر قافلہ کے بعض لوگوں نے بتایا کہ ہم نے واپسی پر یہ عجیب واقعہ دیکھا کہ ایک عورت کو عیسائی پکڑے لئے جا رہے تھے اور وہ یَا لَلْاَمِیرَ الْمومنین! کے نعرے لگا رہی تھی۔ شاید اُس کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ ہمارے خلیفہ کی آجکل کوئی طاقت نہیں۔ کسی درباری نے بھی یہ بات سُن لی۔ وہ دربار میں گیا تو اس نے عباسی خلیفہ سے کہا کہ اے امیرالمومنین! آج ایک قافلہ شام سے واپس آیا ہے اور اُس نے یہ خبر سُنائی ہے کہ اِس اِس طرح شام کی ایک مسلمان عورت کو عیسائی پکڑ کے لئے جا رہے تھے اور اُس نے یہ نعرہ لگایا کہ اے امیرالمومنین! میری فریاد کو پہنچیو۔ حضور اس کو اِتنا بھی پتہ نہیں تھا کہ بغدادی حکومت اب اتنی کمزور ہو چکی ہے۔ جب خلیفہ نے یہ بات سُنی تو گو اُس کے پاس کوئی فوج نہیں تھی، سارے علاقے باغی ہو چکے تھے اور ہر صوبہ میں الگ حکومت قائم ہو چکی تھی، وہ اُسی وقت تخت سے نیچے اُتر آیا اور کہنے لگا خدا کی قسم! جب تک میں اِس مسلمان عورت کو چُھڑا کر نہیں لاؤں گا اُس وقت تک میں تخت پر نہیں بیٹھوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھا، تھا تو وہ ایک دکھاوے کا حکمران لیکن یہ خبر بجلی کی طرح سارے علاقوں میں پھیل گئی اور جس جس صوبہ میں گئی وہاں سے فوراً نیم بادشاہ اپنی فوجیں لے کر اسلامی خلافت کے ماتحت چل پڑے کہ جدھر خلیفہ جائے گا اُدھر ہی ہم جائیں گے اور آناً فاناً ایک بہت بڑا لشکر بغداد کے اردگرد جمع ہو گیا۔ یہ لشکر خلیفہ کی کمان میں آگے بڑھا اور اُس نے عیسائیوں کو شکست دی اور اس طرح خلیفہ اُس عورت کو چُھڑا کر واپس لے آنے میں کامیاب ہو گیا تو یہ طاقت کی بات تھی۔ گو اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ پھر بھی اس کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کہتے ہیں کہ ’’ہاتھی زندہ لاکھ کا مُردہ سَوا لاکھ کا‘‘۔ گو اُس وقت مسلمان گِر چکے تھے لیکن پھر بھی اُن میں اتنی طاقت تھی کہ یورپ کی فوجیں کانپتی ہوئی اُن کے آگے سے بھاگ جاتی تھیں۔ سپین تو یورپ کا ایک حصہ ہے مگر اس وقت مکہ میں سارے یورپ کی فوجیں تھیں جنہیں مسلمانوں نے شکست دی۔

تو یہ صرف طاقت کی بات ہوتی ہے اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو طاقت بخشے اور ساتھ ہی ایمان بھی بخشے تو سپین کیا یورپ کی ساری طاقتیں مل کر بھی مسلمانوں کے مبلّغوں کو نہیں نکال سکتیں۔ اگر وہ نکالیں گی تو اُن کو ایسی مشکلات کا سامنا پیش آئے گا اور مسلمان حکومتیں اِتنی جلدی اُن کا مقابلہ کریں گی کہ اُن کو فوراً اپنی شکست تسلیم کرنا پڑے گی۔ چنانچہ حکومت پاکستان تو الگ رہی ہماری جماعت اگرچہ ایک غریب جماعت ہے مگر چونکہ منظّم ہے اِس لئے ہماری جماعت کے ڈر کے مارے ہی سپین کے سفیر متعینہ پاکستان نے یہ اعلان کردیا کہ میری حکومت اسلامی مبلّغ کو ملک سے باہر نکالنا نہیں چاہتی، یہ خبر جو مشہور کی گئی ہے جھوٹ ہے لیکن ہمارا مبلّغ اِس بات پر مُصِر ہے کہ اُسے ملک سے باہر نکلنے کا نوٹس دیا گیا ہے۔ مگر سپین کے سفیر نے کہا ہے کہ آپ ہمیں خواہ مخواہ بدنام کر رہے ہیں ہم نے آپ کے مبلّغ کو باہر نہیں نکالا۔ یہ اثر صرف چند لاکھ غریب فقیروں کی جماعت کی تنظیم کی وجہ سے تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ اسلامی حکومتوں کو طاقت بخشے تو پھر لازمی بات ہے کہ ان چند لاکھ فقیروں کی جماعت سے بہت زیادہ یوروپین حکومتیں اسلامی حکومتوں سے ڈریں گی۔ کیونکہ اُن کے پاس تو طاقت بھی ہوگی اور ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں۔ اسلامی حکومتیں اگر آزاد ہوں اور ترقی کریں تو اُن کے پاس بیڑے بھی ہوں گے، توپیں بھی ہوں گی اور ہوائی جہاز بھی ہوں گے۔ ہمارے پاس تو سوٹیاں بھی مشکل سے ہوتی ہیں اِس لئے ہم سے کسی حکومت نے کیوں ڈرنا ہے مگر اسلامی حکومتیں اگر طاقت پکڑ جائیں تو دوسری حکومتیں اُن سے یقیناً ڈریں گی۔

یوم آزادی منانے کا جماعتی طریق

پس اپنی دُعاؤں میں ہمیں ملک کی آزادی اور ترقی کی دُعا بھی شامل کرنی چاہئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یوم آزادی کے لحاظ سے صدر انجمن احمدیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ یہاں شام کو روشنی بھی کرائیں اور غرباء میں کھانا بھی تقسیم کریں۔ اُن کا یہ فعل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں ہے۔ جب ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی ہوئی تھی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ خوب خوشی منائی جائے۔ چنانچہ قادیان میں منارۃ المسیح اور مکانوں کی چھتوں پر روشنی کا انتظام کیا گیا۔ اگر ایک عیسائی ملکہ کی جوبلی پر اتنی خوشی منانی جائز ہوسکتی ہے تو ایک اسلامی ملک کی آزادی پر اس سے ہزار گُنے خوشی منانی جائز ہوسکتی ہے۔

پس ان کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے اور ہماری جماعتوں کو بھی چاہئے کہ جہاں جہاں وہ ہیں اِس دن جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک کو آزادی بخشی ہے اور اسلامی حکومتوں میں ایک اَور اسلامی حکومت کا اضافہ ہوا ہے خوشی منائیں، چراغاں کریں اور غرباء میں کھانا تقسیم کریں۔ پاکستان گو چھوٹا ملک ہے لیکن اپنے جائے وقوع اور آبادی کے لحاظ سے باقی تمام اسلامی ملکوں سے طاقتور ہے۔ اس کی آبادی ۸ کروڑ سے زیادہ ہے اور پھر اسے ایسے سامان میسر ہیں کہ کوئی تعجب نہیں کہ دس پندرہ سال کے اندر ہمارے ملک کی آبادی بارہ تیرہ کروڑ ہو جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کشمیر کو اِدھر لے آیا اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو تو ایک دن میں ہی آبادی میں ایک کروڑ کی زیادتی ہو جائے گی اور کئی سامان ترقی کے پیدا ہو جائیں گے۔ بہرحال ہمارا ملک جو اِس وقت سارے اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ آباد ہے اور سب سے زیادہ ذرائع ترقی کے رکھتا ہے اگر ترقی کرے تو یقیناً دوسری اسلامی حکومتیں بھی اس کے ساتھ ساتھ ترقی کریں گی اور اِس کو اپنا لیڈر تسلیم کریں گی۔ ابھی ہندوستان سے بعض جھگڑوں کی وجہ سے بعض ہمسایہ اسلامی حکومتیں اپنے آپ کو پاکستان سے زیادہ طاقتور سمجھتی ہیں۔ مگر جس دن پاکستان اپنی مشکلات سے آزاد ہوا اِس کی صنعت وحرفت نے ترقی کی اور اس کی طاقت بڑھ گئی تو اِرد گرد کی اسلامی حکومتیں اِس بات پر مجبور ہوں گی کہ اسے اپنا لیڈر تسلیم کریں۔

پس احمدیوں کو اس تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وقار کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ دُعائیں کریں اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ اِس دن کو منائیں تا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے پاکستان کی طاقت کو بڑھائے اور پھر اسلامی رُوح کو بھی بڑھائے کیونکہ خالی پاکستان کی ترقی اُس وقت تک مفید نہیں ہوسکتی جب تک کہ اسلامی روح بھی ترقی نہ کرے۔ تاکہ ہم صرف اس پر خوش نہ ہوں کہ ہمیں ایک حکومت حاصل ہے بلکہ ہمیں وہ حکومت حاصل ہو جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی حصہ ہو کیونکہ پھر صرف چِھلکا ہی نہیں روح بھی ہمیں مل جائے گی۔‘‘

مقامی جماعتوں کو ضرورت کے مطابق گرانٹ دی جایا کرے فیصدی والا سسٹم نقصان دِہ ہے

سب کمیٹی بجٹ کی رپورٹ پر بحث کے دوران مکرم شیخ بشیر احمد صاحب لاہور نے یہ تجویز پیش کی کہ نئی ضروریات کے پیشِ نظر بڑی جماعتوں یعنی کراچی۔ لاہور۔ راولپنڈی۔ پشاور اور ڈھاکہ کو اپنی آمد کا ⅓ حصہ مقامی طور پر خرچ کرنے کی اجازت دی جائے۔

اِس تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''اصل تجویز تو شیخ بشیر احمد صاحب کی ہے کہ کراچی، لاہور اور راولپنڈی کو اُن کے چندوں کا ⅓ بطور گرانٹ دیا جائے۔ چندوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر اس تجویز کو منظور کر لیا جائے تو قریباً دو لاکھ روپیہ بجٹ کی آمد سے کم ہو جاتا ہے۔ ہمارا کُل بجٹ بارہ لاکھ ۹۹ ہزار کا ہے۔ اگر یہ دو لاکھ روپیہ اِس سے نکال لیا جائے تو آمد دس لاکھ ۹۹ ہزار بلکہ اس سے بھی کم رہ جاتی ہے اور اس دس لاکھ ۹۹ ہزار روپیہ کی آمد سے بارہ لاکھ ۹۹ ہزار کے اخراجات چلانا کسی انجمن کی طاقت سے باہر ہے۔ درحقیقت یہ بحث اخراجات کی کمیٹی کے سامنے اُٹھانی چاہئے تھی کہ اِس قدر اخراجات کم کر دیئے جائیں۔ کالج بند کر دو، زنانہ کالج بند کر دو، لنگر خانہ بند کر دو، نظارت امور عامہ بند کر دو، نظارت اصلاح وارشاد کے کارکنوں کو رُخصت کر دو اور اخراجات کے بجٹ کو دس لاکھ ننانوے ہزار روپیہ پر لے آؤ۔ ورنہ یہ کہ خرچ تو وہی رکھو اور آمد تقسیم کر دو۔ یہ وہی بات ہے جیسے کوئی شخص ایک ناممکن چیز کی خواہش کرے یا جیسے بچے روتے ہیں تو کہتے ہیں ستارے دے دو۔ دس لاکھ ۹۹ ہزار روپیہ میں بارہ لاکھ ننانوے ہزار کے اخراجات کا بجٹ پورا کرنا بھی ستارے لانے والی بات ہے۔ کُل بجٹ جو بارہ لاکھ ۹۹ ہزار روپے کا ہے اس میں سے دو لاکھ روپے کی رقم کاٹ کر یہ کہنا کہ اخراجات وہی بارہ لاکھ ۹۹ ہزار روپیہ کے رکھو ایک ناممکنُ العمل بات ہے۔ اس لئے اس تجویز پر رائے دیتے وقت جماعت کو اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ آیا اس بجٹ کو نامنظور کیا جائے یا رہنے دیا جائے کیونکہ دو لاکھ روپیہ کی تخفیف کے بعد خرچ نہیں چل سکتا۔ خرچ پر بحث کے وقت تو دو ہزار روپیہ پر بحث ہوتی رہی ہے اور اب یکدم تخفیف کی تجویز پیش

ہوگئی ہے اور کہا گیا ہے کہ بارہ لاکھ ۹۹ ہزار کے موجودہ بجٹ میں سے ۲ لاکھ روپیہ کاٹ لیا جائے۔

کہا گیا ہے کہ اِس کی ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے اِس کی ضرورت ہے لیکن اگر کوئی ضرورت ہو تو اُس کے لئے آمد بڑھائی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ضرورت ہے تو جماعت لاہور ۸۰ ہزار روپیہ چندہ کی بجائے تین لاکھ کی آمد پیدا کرے۔ راولپنڈی ۲۰ ہزار کی بجائے چار لاکھ پیدا کرے۔ کراچی دس لاکھ پیدا کرے اور جب ساٹھ ستّر لاکھ کی آمد ہو جائے تو یہ بات پیش کی جائے۔ ورنہ اگر ہم اِس طرح اِن شہروں میں آمد تقسیم کرنا شروع کر دیں تو پنجاب اور مغربی پاکستان کے گاؤں اور مشرقی پاکستان سارے کا سارا رہ جائے گا اور اُن کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہوگا بلکہ مرکزی دفاتر بھی اپنا خرچ نہیں چلا سکیں گے۔

شیخ بشیر احمد صاحب نے مشرقی پاکستان کو بھی اپنی تجویز میں شامل کرلیا ہے مگر انہیں معلوم نہیں کہ اُن کی تجویز تو یہ ہے کہ اُنہیں چندہ کا ۳۳ فیصدی دیا جائے مگر مشرقی پاکستان والوں نے پہلے تو تجویز پیش کی تھی کہ اُنہیں اُن کے چندہ کا ۷۰ فیصدی دیا جائے، چنانچہ صدر انجمن احمدیہ نے اُسے منظور کرلیا اور اب تک وہ ۷۰ فیصدی چندہ مقامی ضروریات کے لئے لیتے رہے ہیں اور یہ شرح ایسے مُلکوں کی ہے جہاں پاکستانی اور ہندوستانی نہیں بستے مثلاً ایسٹ افریقہ۔ مگر پچھلے دنوں پھر مشرقی پاکستان والوں نے شکایت کی تھی کہ اُن کا کام ۷۰ فیصدی میں بھی نہیں چلتا۔ انہیں ۲۵ ہزار کی مزید گرانٹ دی جائے۔ گویا اپنے چندہ کا ۷۰ فیصدی تو وہ پہلے لے رہے ہیں اور ۲۵ ہزار اُنہیں اَور دے دیا جائے۔ محاسب صاحب نے بتایا ہے کہ اس طرح جتنا چندہ اُن کا آتا ہے پچاس ہزار اُس سے زائد دینا پڑتا ہے تب جا کر ان کا گزارہ ہوتا ہے۔ پس اگر آمد اِس طرح تقسیم کر دی جائے اور ادھر مشرقی پاکستان کا مطالبہ بھی قائم رہے کہ ہمارے چندہ سے ۲۵ ہزار روپیہ زائد ہمیں دیا جائے تو پھر تمام اضلاع محروم رہ جائیں گے۔ اگر کراچی، لاہور، پشاور، راولپنڈی اور ڈھاکہ کا حق ہے کہ انہیں ۱/۳ حصہ اُن کی آمد کا دیا جائے تو ملتان، بہاولپور، لائل پور اور حیدر آباد والوں کا بھی حق ہے کہ اُنہیں اِس تجویز میں شامل کرلیا جائے۔ اور اگر ان شہروں کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ صورت ہو جاتی ہے کہ بارہ لاکھ ۹۹ ہزار کے اخراجات کا بجٹ ایک طرف اور آمد صفر

ایک طرف۔ مشرقی پاکستان پہلے ہی اپنے چندہ کا ۷۰ فیصدی لے رہا ہے اور پھر مطالبہ کرتا ہے کہ ۲۵ ہزار روپیہ اَور دیا جائے اس کے بغیر ہم گزارہ نہیں کر سکتے۔

تحریک جدید تو میں نے اب جاری کی ہے پہلے بیرونی مشن بھی صدر انجمن احمدیہ کے ہی سپرد تھے اور ہم غیر مُلکوں کو بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ دیکھو تمہارا سارا بوجھ پاکستانی برداشت کر رہے ہیں۔ یا یہ کہتے تھے کہ تمہارا سارا بوجھ ہندوستانی برداشت کر رہے ہیں اور اِس طرح شرمندہ کر کے اُن سے تھوڑا بہت چندہ لے لیتے تھے لیکن اگر شیخ بشیر احمد صاحب کی تجویز پاس ہوگئی تو وہ لوگ کہیں گے کہ یہ لوگ تو پاکستان میں ہیں اور مرکزی اداروں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مثلاً ربوہ کا لنگر خانہ راولپنڈی کو بھی کام دے رہا ہے، کراچی کو بھی کام دے رہا ہے۔ اِسی طرح کالج میں جو لڑکے آتے ہیں اُن میں کراچی کے بھی ہیں، لاہور کے بھی ہیں اور راولپنڈی کے بھی ہیں۔ گویا وہ سب کو فائدہ دے رہا ہے۔ اسی طرح لڑکیاں ہیں وہ کسی جگہ کی بھی ہوں، ربوہ کا زنانہ کالج اُنہیں فائدہ پہنچا رہا ہے۔ پس بیرونی جماعتیں کہیں گی کہ جب مقامی جماعتیں جو اِن اداروں سے فائدہ اُٹھا رہی ہیں اپنے چندے کا ۳۳ فیصدی لیتی ہیں تو ہمیں ۹۹ فیصدی دیا جائے۔ بلکہ ہمیں ۹۹ $\frac{3}{4}$ فیصدی چندہ مقامی ضروریات کے لئے دینا چاہئے۔ باقی $\frac{1}{400}$ مرکز والے لے لیں۔ غرض اس طرح چندہ کی تقسیم شروع ہوگئی تو بندر بانٹ ہو جائے گی۔ یعنی پنیر تو سارا بندر کھا جائے گا اور بلّیاں خالی ہاتھ رہ جائیں گی۔

پھر جب ساری رقوم سلسلہ کے کاموں پر ہی خرچ ہوتی ہیں تو کراچی، لاہور اور راولپنڈی کی کیا خصوصیت ہے کہ وہ اپنی آمد کا ۳/ ۱ حصہ مقامی ضروریات پر خرچ کریں، سب جماعتوں کو ۳/ ۱ حصہ خرچ کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ لاہور میں وفد آتے ہیں مگر جماعت کے دوست کیا کرتے ہیں؟ وہ یہ کرتے ہیں کہ اُنہیں سیدھا ربوہ بھیج دیتے ہیں اور جب وہ وفود ربوہ آتے ہیں تو ان کی مہمان نوازی وغیرہ پر جس قدر خرچ ہوتا ہے وہ مرکز ہی برداشت کرتا ہے۔ گویا جتنی اہمیت لاہور اور کراچی کی بڑھ رہی ہے، اُتنی اہمیت مرکز کی بھی بڑھ رہی ہے۔ کراچی میں کوئی باہر کا مہمان آتا ہے تو وہاں سے فون آجاتا ہے کہ فلاں جرمنی یا امریکہ کا مہمان آ رہا ہے، اس کے لئے قیام وطعام کا انتظام کرو۔

پس جس نسبت سے کراچی کی اہمیت بڑھ رہی ہے اُسی نسبت سے ربوہ کی اہمیت بھی بڑھ رہی ہے اور اُسی نسبت سے ربوہ کے اخراجات بھی بڑھ رہے ہیں۔ اگر ہم چندہ کی تقسیم شروع کر دیں تو لازمی طور پر یہ بات ہوگی کہ ربوہ کے کام ختم ہو جائیں گے پھر کراچی والوں کو کوئی حق نہیں ہوگا کہ وہ فون کریں کہ ربوہ میں فلاں مہمان آرہا ہے۔ اگر وہ مہمان یہاں آئے گا اور ہمارے پاس خرچ کرنے کے لئے کوئی روپیہ نہیں ہوگا تو وہ واپس جا کر کہے گا مَیں آپ کا سنٹر دیکھ آیا ہوں وہاں نہ کوئی تبلیغ کا انتظام ہے، نہ اصلاح وارشاد ہے، نہ تبشیر ہے، نہ کوئی کالج ہے نہ سکول۔ مثلاً خود کراچی کی جماعت نے لکھا کہ امریکن سفیر نے ربوہ سے واپس آ کر کہا کہ مجھے وہاں جا کر یہ محسوس ہؤا ہے کہ ربوہ ایک نہایت افسردہ مقام ہے۔ وہاں نہ باغات تھے، نہ سڑکیں تھیں، نہ کچھ اور تھا۔ جماعت کو وہاں اچھی سڑکیں بنانی چاہئیں اور شہر کو خوبصورت بنانے پر خرچ کرنا چاہئے۔ گویا کراچی کی حیثیت بڑھ جانے کا یہ نتیجہ ہؤا کہ ہم سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ یہاں باغات لگاؤ اور سڑکیں بناؤ لیکن جب روپیہ تقسیم ہو گیا بلکہ آمد سے بھی زیادہ خرچ ہونے لگا تو اِس قسم کے مطالبات کس طرح پورے ہوں گے۔ پس خالی نیچے سے اوپر ہی نہیں جانا چاہئے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مرکز میں آنے والا پھر کیا اثر لے گا۔ اگر اِن چیزوں پر سارا چندہ خرچ کر لیا گیا اور مرکز کو غیر آباد کر دیا گیا تو مرکز میں آنے والے کیا اثر لے کر جائیں گے۔

پس بے شک ہم جانتے ہیں کہ دوسرے شہروں کی اہمیت بڑھ گئی ہے مگر اس کا علاج یہ نہیں کہ جماعت کی آمد تقسیم کر دی جائے بلکہ اِس کا علاج یہ ہے کہ جماعت بڑھے اور چندے ترقی کریں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جماعت بڑھ رہی ہے اور چندہ بھی بڑھ رہا ہے مگر اخراجات کی نسبت آمد کم بڑھ رہی ہے۔ ہمیں زیادہ زور اِس بات پر دینا چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں کو احمدی کریں۔ عورتیں خاوندوں کو احمدی کریں اور خاوند بیویوں کو احمدی کریں۔ اِسی طرح اپنے قریبیوں اور عزیزوں کو مالی قربانی کی تحریک کریں۔ اس طرح چندے بڑھ جائیں گے۔ اگر ہم ایک ارب ہو جائیں تو ۲۵ ہزار اور ساٹھ ہزار کی رقوم کا سوال ہی کیا رہ جاتا ہے وہ تو آپ ہی آپ ادا ہو جائے گا۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہئے اور دُعا بھی کرنی چاہئے کہ ہماری آبادی بڑھے اور آمد بڑھے۔ آمد بڑھے گی تو راولپنڈی کی

ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ آخر جو روپیہ بچتا ہے وہ ناظر صاحب بیتُ المال اپنی جیب میں تو نہیں ڈالتے، سلسلہ پر ہی خرچ کرتے ہیں۔ پس جب آمد بڑھے گی تو لاہور، کراچی، راولپنڈی اور دوسرے شہروں کی ضروریات ۱/۳ سے نہیں صرف گرانٹ سے ہی پوری ہو جائیں گی۔

صحیح اصول یہی ہے کہ گرانٹ دی جائے مگر اِس کے لئے دس فیصدی کی تعیین درست نہیں۔ اصل طریق یہ تھا کہ مقامی جماعتوں کے حالات کے مطابق گرانٹ رکھی جاتی اور اس کے لئے کوئی فیصد رقم مقرر نہ کی جاتی تا کہ سلسلہ کے نمائندوں کو یہ حق حاصل رہتا کہ وہ اسے کم بھی کر سکتے۔ اب دس فیصدی کی تعیین کے نتیجہ میں ایک رقم مخصوص ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ بجٹ میں بارہ ہزار روپیہ گرانٹ کراچی کی رکھو یا اگر اُن کی آمد زیادہ ہے تو تیرہ ہزار، چودہ ہزار یا پندرہ سولہ ہزار رکھو تو پھر سلسلہ کے جو نمائندے ہیں ان کو یہ حق حاصل رہتا کہ وہ اسے کم بھی کر سکتے اور ہر سال بجٹ تیار ہونے سے پہلے مقامی جماعتوں کو اطلاع بھجوا دی جاتی کہ اُن کا ایک ایک نمائندہ آ جائے اور ہم سے براہ راست گفتگو کرے تا کہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ اُن کی آمد کے لحاظ سے اور سلسلہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے ہم اُن کو کتنی رقم دے سکتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں خود اُن کو بھی اپنے چندے بڑھانے کا خیال رہتا اور دفتر بیتُ المال کو بھی اپنی آمد بڑھانے کا خیال رہتا۔ اب بھی میں سمجھتا ہوں کہ اصل طریق یہی ہے کہ معیّن گرانٹ کا طریق جاری کیا جائے اور جماعتوں کے نمائندوں کو ہر سال اس پر رائے دینے کا موقع دیا جائے۔ یہ فیصدی جو ہے اِس نے سارا کام خراب کیا ہے اور اس دس فیصدی سے ۳۳ فیصدی کا مطالبہ شروع ہو گیا۔ پھر بنگال والوں نے ستّر فیصدی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ پھر کہہ دیا ہمارے چندہ کا ستّر فیصدی بھی کافی نہیں ہمیں ہمارے چندہ کا ستّر فیصدی بھی دے دو اور ۲۵ ہزار اور بھی دے دو۔ کل ہی آپ لوگ تجویز کر رہے تھے کہ سکول کھولے جائیں۔ مگر جب رقم ہی ساری خرچ کر لی جائے گی تو سکول کہاں سے کھولے جائیں گے۔ میرے نزدیک جس طرح مرکزی اخراجات کو دیکھ کر اُن کے لئے بجٹ مقرر کیا جاتا ہے اِسی طرح مقامی جماعتوں کی ضرورتوں کو دیکھ کر اُن کیلئے گرانٹ مقرر کرنی چاہیے۔ چاہے وہ دس فیصدی چھوڑ ۳۳ فیصدی سے بھی بڑھ جائے۔

فرض کرو لاہور یا کراچی کی ضرورت کسی وقت اِتنی بڑھ جائے کہ اگر مثلاً ۳۳ فیصدی کے لحاظ سے اُن کا حق صرف تیس ہزار روپیہ لینے کا ہے مگر ضرورت ان کو ۶۰ ہزار کی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُن کو ۶۰ ہزار نہ دیں۔ اِسی طرح اگر سلسلہ کی مرکزی ضرورتوں اور دوسرے علاقوں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کسی جماعت کو ۳۰ ہزار میں سے صرف پندرہ ہزار ہی دے سکتے ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس پر راضی نہ ہو۔ پس فیصدی والا سسٹم نقصان دِہ ہے اور اس سے جیلسی (JEALOUSY) بڑھنے کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ مشرقی بنگال میں یہ مرض بڑھ گیا ہے۔ اس نے پہلے اپنے چندہ کا ۷۰ فیصدی مانگا اور اس کے بعد مجھے لکھا کہ ہمارے چندہ کا ۷۰ فیصدی ہمارے لئے کافی نہیں، ۲۵ ہزار اَور دے دو۔ اس کے بعد ایک اَور امیر عارضی طور پر مقرر ہوئے تو اُنہوں نے مجھے لکھا کہ ۲۵ ہزار سے بھی ہمارا گزارہ نہیں ہوتا اُنہیں اَور رقم دی جائے۔ گویا مشرقی پاکستان اپنی آمد ہی نہیں مغربی پاکستان کی آمد بھی لینا چاہتا ہے اور جب مغربی پاکستان کی آمد بھی مشرقی پاکستان لے جائے گا تو کراچی، لاہور اور راولپنڈی کے لئے ۱/۳ کا کیا سوال باقی رہ جائے گا۔

اصل طریق جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہی ہے کہ ہر جماعت کی ضروریات کو دیکھ کر اس کو معیّن گرانٹ دی جائے اور ہر سال اس پر غور ہوتا رہے۔ اس طرح نئے نئے خیالات بھی سوجھتے رہیں گے اور جماعت کی ضرورتیں بھی سامنے آتی رہیں گی۔‘‘

حضور کے اس ارشاد پر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب نے اپنی ترمیم واپس لے لی۔

تحریک جدید کے دَورِ ثانی کے لئے نوجوانوں کو زیادہ حصہ لینے کی تحریک

سب کمیٹی مال تحریک جدید کی طرف سے بجٹ سال ۵۸۔۱۹۵۷ء برائے منظوری مجلس مشاورت میں پیش ہونے پر حضور نے فرمایا:-

’’کسی صاحب نے اگر اس کے متعلق کوئی ترمیم پیش کرنی ہو تو وہ پیش کر دیں۔ مگر بظاہر اِس بارہ میں کوئی ترمیم پیش کرنا درست نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بجٹ بیرونی جماعتوں کا ہے اور پھر جو آمد اُنہوں نے بتائی ہے وہ بھی ایک حد تک خیالی ہے کیونکہ تحریک جدید کا چندہ وصیت کے چندے کی طرح باقاعدہ وصول نہیں ہوتا اور اِس وجہ سے آمد میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اس کے لئے بنیادی طور پر سب سے اہم بات یہ ہے کہ تحریک جدید کے دَور ثانی میں نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی تحریک کی جائے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دَور ثانی کی آمد ہر سال اُس نسبت سے نہیں بڑھی جس نسبت سے دَور اوّل کی آمد بڑھتی رہی ہے۔ دَورِ اوّل والوں نے اِتنی جلدی ترقی کی تھی کہ بعض ایسے سال بھی آئے کہ اُن کا چندہ دس لاکھ تک پہنچ گیا مگر دورِ ثانی کے نوجوانوں کا چندہ دو لاکھ پر پہنچ کر گِرا اور پھر اس کے بعد چڑھنا شروع ہوا۔ اب وہ اپنی کمی پوری کر رہے ہیں لیکن ابھی وہ ایسی نہیں جو قابلِ ذکر ہو۔ حالانکہ نوجوانوں میں کام کرنے کی روح بوڑھوں سے زیادہ ہونی چاہئے۔ بوڑھے فوت ہو رہے ہیں اور جو زندہ ہیں وہ پنشنوں پر ریٹائر ہو جائیں گے۔ اس طرح ان کے چندوں میں بھی کمی آ جائے گی اور یہ کمی دَور ثانی نے پوری کرنی ہے یا ہمارے محکمہ زراعت نے پوری کرنی ہے۔ کئی سکیمیں اِنہوں نے بنائی ہیں جو معقول ہیں اور کئی سکیمیں میں نے بھی ان کو بتائی ہیں اور کئی تجاویز محکمہ زراعت نے پیش کی ہیں اگر وہ اُن پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ تحریک جدید کا نام غیر مُلکوں میں اور بھی بڑھ جائے گا اور وہاں جماعت پھیل جائے گی۔ مثلاً انڈونیشیا میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک لاکھ سے زیادہ جماعت ہوگئی ہے۔ اِسی طرح ویسٹ افریقہ میں کوئی ایک لاکھ کے قریب جماعت ہے۔

بیرونی مشنوں کی ترقی خوشکن ہے

آج سے بیس سال پہلے مولوی نذیر احمد علی صاحب مرحوم نے لکھا تھا کہ ہماری جماعت یہاں تیس ہزار ہے۔ اُس وقت انہوں نے لکھا تھا کہ سالانہ جلسہ پر ہمارے تین ہزار نمائندے آئے۔ وہ ملک بڑا وسیع ہے اگر مغربی اور مشرقی پاکستان دونوں کو ملا لیا جائے تو وہ اس سے بھی دوگُنا ہے۔ اِتنی دور سے لوگوں کا آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر وہاں اتنے سامانِ سفر بھی نہیں جتنے ہمارے ملک میں ہیں مگر پھر بھی تین ہزار نمائندہ آ گیا۔ تین ہزار نمائندوں کے متعلق میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ دس آدمیوں میں سے ایک آدمی آیا ہے۔ اس لئے ہماری تعداد وہاں تیس ہزار ہے۔ مگر اس سال جو رپورٹ ملک کے دو حصوں کی آئی ہے اُس میں مبلّغ انچارج نے لکھا ہے کہ اس سال جلسہ سالانہ پر پانچ ہزار آدمی آیا ہے اور ایک ملک نے لکھا ہے کہ بارہ سَو آیا ہے۔ اگر اس کو دس سے ضرب دیں تو یہ ۶۲،۰۰۰ کے قریب بن جاتا ہے

لیکن درحقیقت ہماری جماعت اس سے زیادہ ہے اور گولڈ کوسٹ، سیرالیون اور نائیجیریا وغیرہ کو ملا کر وہاں ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہماری جماعت کے افراد پائے جاتے ہیں۔ بہرحال جُوں جُوں جماعت بڑھے گی، وہاں کے چندے بھی انشاء اللہ بڑھتے جائیں گے لیکن ابھی تک ہم اُن کے چندوں کو سوائے خاص موقعوں کے اِدھر نہیں لائے۔ مثلاً پچھلے دنوں پونڈ ختم ہو گئے تھے تو ہم نے ان جماعتوں کو کہا کہ تم اپنے پونڈ فلاں ملک میں بھجوا دو، چنانچہ انہوں نے اپنے پونڈ وہاں بھیج دیئے۔ ان لوگوں کے چندہ اور عطیہ میں حکومتِ پاکستان کا کوئی قانون روک نہیں اِس لئے کہ وہ غیر ملک ہیں اور آزاد ہیں وہ جہاں چاہیں اپنا روپیہ خرچ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم آتی دفعہ ایک موٹر اپنے ساتھ لائے۔ گورنمنٹ نے ہم سے کہا کہ تم یہ کار اپنے ایکسچینج سے نہیں خرید سکتے تھے لیکن جب ہم نے اُن پر ثابت کر دیا کہ یہ موٹر ملک کے زرِ مبادلہ سے نہیں خریدی گئی بلکہ بنک کی رسید پیش کر دی کہ یہ روپیہ غیر ممالک سے آیا تھا تو حکومت پاکستان نے کہا کہ ہمیں اِس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ یوں بھی ایک دفعہ ہم نے گورنمنٹ سے اپنی بیرونی آمد کے متعلق دریافت کیا تھا کہ اُنہیں اِس پر کوئی اعتراض تو نہیں تو اُس نے کہا تھا کہ جو مدد آپ کو کسی باہر کے ملک سے آئے اُس پر ملک کے ایکسچینج کا کوئی قانون حاوی نہیں کیونکہ اُن کے پونڈ اپنے ہیں۔ مثلاً سیرالیون اب تک انگریزوں کے ماتحت ہے۔ گولڈ کوسٹ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے آزاد ہو گیا ہے اور سب سے زیادہ ہماری جماعت گولڈ کوسٹ میں ہی ہے۔ خیال ہے کہ دوسرے نمبر پر سیرالیون آزاد ہوگا پھر نائیجیریا آزاد ہوگا۔ لائبیریا میں بھی اب نئی جماعت قائم ہوئی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑھ رہی ہے۔ وہ پہلے سے آزاد ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ سیرالیون اور نائیجیریا بھی چند سال میں آزاد ہو جائیں۔ ان سب ممالک میں ہماری جماعت کی تعداد کافی زیادہ ہے۔

یوں تو پاکستان میں بھی ہماری جماعت باقی ممالک سے تعداد میں زیادہ ہے لیکن پاکستان اسمبلی میں ہمارا ایک بھی ممبر نہیں اور وہاں ہمارے پانچ چھ ممبر اسمبلی میں ہیں۔ گویا اُس جگہ پر جماعت کا اثر بڑھ رہا ہے اور جُوں جُوں وہ ملک آزاد ہوتے جائیں گے خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کی تعداد بھی بڑھتی جائے گی۔ یہاں یہ ہوتا ہے کہ

ڈپٹی کمشنر بھی ہمارے ہاں آ جائے تو وہ ڈرتا ہے کہ ملک والے کیا کہیں گے؟ لیکن وہاں یہ حالت ہے کہ ہماری مسجد کے افتتاح کے موقع پر خود وزیر اعظم جو عیسائی تھا آیا اور اُس نے کہا آپ لوگ جو کام اِس ملک میں کر رہے ہیں وہ بے نظیر ہے، ہم اِس کی قدر کرتے ہیں۔ آپ نے ہمارے ملک کو بہت اونچا کیا ہے اس لئے میں یہاں افتتاح کے لئے آیا ہوں۔ اِسی طرح یو۔این۔او کے نمائندے اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے نمائندے بھی گئے۔ امریکہ کا ایک مشہور رسالہ ''لائف'' ہے جو چالیس لاکھ کی تعداد میں چَھپتا ہے اس رسالہ میں ایک مضمون چھپا تھا جس میں لکھا تھا کہ افریقہ میں احمدیت کثرت کے ساتھ پھیل رہی ہے اور وہاں ۶۰ لاکھ احمدی ہو گیا ہے [۷] حالانکہ ہمارا اندازہ صرف ایک لاکھ سے اوپر کا ہے۔ پھر الفضل میں شائع ہو چکا ہے کہ ایک عیسائی پروفیسر نے اپنی ایک کتاب میں لکھا کہ آئندہ افریقہ کا مذہب اسلام ہو گا یا عیسائیت۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ پہلے یہ خیال تھا کہ افریقہ کا آئندہ مذہب عیسائیت ہو گا مگر اب یہ بات غلط ہو گئی ہے۔ احمدیہ جماعت نے ملک میں جو مشن کھولے ہیں ان کی وجہ سے یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ یہاں کا آئندہ مذہب عیسائیت ہو گا بلکہ بالکل ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہمیں یہ ماننا پڑے کہ اس ملک کا آئندہ مذہب اسلام ہو گا [۸]

تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں جماعت بڑھ رہی ہے اور جب جماعت کی تعداد زیادہ ہو جائے گی تو ہماری پونڈوں کی دِقّت بھی دور ہو جائے گی۔ ہمارا دو سَو کے قریب مبلّغ گولڈ کوسٹ میں کام کر رہا ہے۔ اُن کے سب اخراجات مقامی جماعت خود دیتی ہے۔ آنے جانے کے کرائے بھی وہی دیتے ہیں۔ لٹریچر بھی خود شائع کرتے ہیں۔ ہم بھی اُن کو گرانٹ دیتے ہیں مگر اس لئے کہ:-

اوّل تو وہ لوگ ابھی تہذیب میں بہت پیچھے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ اُن کی مدد کریں۔

دوسرے وہ تعداد میں ہم سے کم ہونے کے باوجود اس قدر قربانی کر رہے ہیں کہ سارے مبلّغوں کو وہ خرچ دے رہے ہیں حالانکہ وہاں تنخواہیں زیادہ ہیں۔ مثلاً میرا بھتیجا مرزا مجید احمد جو کالج کا پرنسپل ہو کر وہاں گیا ہے اُسے گورنمنٹ نے ۱۶۰۰ روپے تنخواہ دی ہے

حالانکہ ہم یہاں پرنسپل کو پانچ سَو روپیہ دیتے ہیں۔ بہرحال وہاں جو ترقی ہوگی اس کے ذریعہ جماعت کی حالت بھی مضبوط ہوگی۔ چنانچہ جب سیرالیون میں ایک پریس لگانے کی تجویز ہوئی تو جیسا کہ مَیں ایک خطبہ میں بیان کر چکا ہوں وہاں ایک دوست نے جو نیا نیا احمدی ہوا تھا ایک ہزار پونڈ چندہ دیا اور ایک اَور آیا اُس نے پندرہ سَو پونڈ دیا اور پندرہ سَو پونڈ کے معنے یہ ہیں کہ گویا اُس نے بائیس ہزار روپیہ بطور چندہ دیا اور تین چار مہینہ کے اندر اندر پچیس سَو پونڈ جمع ہوگیا۔ گویا چند ماہ کے اندر اندر اس جماعت نے ۳۳ ہزار روپیہ دیا۔

سیرالیون کی جماعت ابھی بہت تھوڑی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ یہ جماعت بھی بڑھے گی اور ترقی کرے گی مگر اُس وقت تک یہ بوجھ ہمیں ہی اُٹھانا پڑے گا وہاں کا ایک لڑکا بھی یہاں آیا ہوا ہے تاکہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جماعت کا مبلّغ بن سکے۔ اس کی تعلیم کا بوجھ بھی ہم برداشت کر رہے ہیں۔ اسی طرح جو مبلّغ وہاں جاتے ہیں اُن کے کرائے وغیرہ بھی ہمیں ادا کرنے پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ابھی ان لوگوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ پاکستانی ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ صرف ایک دفعہ نائیجیریا سے یہ آواز آئی تھی۔ مَیں نے اُنہیں کہا کہ اگر تمہیں یہ بات ناپسند ہے تو مَیں سارے پاکستانی مبلّغ واپس بُلا لیتا ہوں۔ میری اِس دھمکی کے بعد فوراً اُن کی مجلس شوریٰ ہوئی اور اُس نے فیصلہ کیا کہ ہم اس شخص کے سخت خلاف ہیں جس نے یہ بات کہی ہے۔ ہمارا امیر پاکستانی مبلّغ ہی مقرر کیا جائے ہم اس کے پیچھے چلیں گے۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے اگر اُن میں یہ روح قائم رہی بلکہ ترقی کرتی رہی تو شاید اس ملک کے چندے ہمارے ملک سے بھی بڑھ جائیں لیکن ابھی ان ملکوں کی موجودہ آبادی کے لحاظ سے ان کے چندے کم ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اگر گولڈ کوسٹ، نائیجیریا، سیرالیون اور لائبیریا ملایا جائے تو ان کی وسعت پاکستان سے بیس گُنے ہے لیکن آبادی تھوڑی ہے صرف تین کروڑ کے قریب ہے زیادہ تر جنگلات ہی ہیں۔

احمدیت مشرقی افریقہ میں

پھر ایسٹ افریقہ میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت پھیل رہی ہے۔ اس کا علاقہ بھی پاکستان سے دس پندرہ گُنا زیادہ ہے لیکن آبادی تھوڑی ہے یعنی تین چار کروڑ کے قریب ہے۔ پس

اِن علاقوں میں احمدیت کے بڑھنے سے جماعت کی آمد پر اثر پڑے گا لیکن ابھی ہمیں مصلحتاً اور ان کے ایمان کی تقویت کے لئے اُن کی آمد اُنہیں پر خرچ کرنی پڑے گی اور کہنا پڑے گا کہ مبلّغ ہم بھیجیں گے خرچ تم دیا کرو۔ اس سے بھی فائدہ ہو جاتا ہے کہ جو خرچ ہم نے وہاں بھیجنا ہوتا ہے وہ بچ جاتا ہے اور ہم اِسی کو غنیمت سمجھتے ہیں تا یہ اعتراض نہ ہو کہ چندہ ہم دیتے ہیں اور پاکستانی کھا جاتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ایمان میں اِتنے مضبوط ہو جائیں کہ پاکستانیوں سے کہیں کہ ایک پیسہ چندہ بھی نہ دو ہم وہاں روپیہ بھیجیں گے۔ اُس دن کا جب خود اُن کی طرف سے یہ تحریک ہو ہم انتظار کر رہے ہیں مگر جب تک وہ دن نہیں آتا ہمیں خوشی سے یہ خرچ برداشت کرنا پڑے گا اور ہمیں خوشی سے یہ بات منظور کرنا پڑے گی کہ مبلّغ ہم بھیجتے رہیں اور اُن کا خرچ وہ دیں پس یہ پس منظر ہے تحریک جدید کی آمد کا۔

اب اگر کوئی دوست بجٹ آمد کے متعلق کچھ کہنا چاہیں تو وہ اپنا نام لکھا دیں۔ اگرچہ اس بجٹ پر بولنے کا حق صرف غیر مُلکیوں کو ہے کیونکہ یہاں والوں کو کیا پتہ ہے کہ مثلاً گولڈ کوسٹ میں کون کونسی جماعت ہے اور وہ کیا چندہ دیتی ہے اور جو غیر مُلکی یہاں موجود ہیں وہ طالب علم ہیں۔ اُن کو معلوم نہیں کہ وہ کیا کہیں۔ لیکن اگر وہ کچھ کہنا چاہتے ہوں تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہاں والے تو کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔ ہاں اگر کسی کو یہ پتہ ہو کہ وہاں کیا ہو رہا ہے تو وہ بے شک کہے۔ جیسے کوئی امریکی پاکستان میں سات دن بھی رہ جائے تو واپس جا کر کہتا ہے کہ مَیں All about Pakistan جانتا ہوں۔ یعنی مجھے پاکستان کے متعلق ساری معلومات ہیں۔ حالانکہ اُسے کچھ بھی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ اسی طرح اگر کوئی پاکستانی بھی ایسا ہو جس نے ہمارے بجٹ سے All about Africa جان لیا ہو تو وہ بھی کچھ کہہ سکتا ہے۔ ورنہ جو باہر سے آئے ہیں وہ کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔‘‘

اِس موقع پر کراچی کے ایک نمائندے نے یہ ترمیم پیش کی کہ تحریک جدید والے بھی اپنے چندہ میں سے بڑی جماعتوں کو کچھ حصہ بطور گرانٹ دیا کریں۔

اِس پر حضور نے فرمایا:۔

’’اِس بات پر بھی تحریک جدید غور کرے وہ کہتے ہیں کہ تحریک جدید بھی اگر کچھ گرانٹ رکھے تو شاید اس ذریعہ سے ان علاقوں کے چندے بڑھ جائیں۔ یہ تحریک کراچی کے

ایک دوست نے کی ہے۔ میرے خیال میں بہتر ہے کہ محکمہ اس تجویز پر غور کرے۔ چاہے شروع میں بہت تھوڑی سی نسبت رکھیں مگر تھوڑی نسبت سے بھی آخر وہاں کی جماعتوں کی گرانٹ بڑھ جائے گی اور پھر انہیں زیادہ توجہ پیدا ہوگی کہ تحریک جدید کے چندے باقاعدگی سے وصول کیا کریں۔ مثلاً اب پتہ لگا ہے کہ یُوں تو تحریک جدید کی آمد ملا کر جماعت کراچی کی آمد ۲ لاکھ ۶۰ ہزار ہے لیکن صدر انجمن احمدیہ کی جو آمد تھی وہ ایک لاکھ اکتیس ہزار تھی۔ اگر باقی آمد کا اڑھائی فیصد بھی تحریک جدید دے تب بھی بارہ ہزار یہاں سے ملا تین چار ہزار تحریک جدید سے مل کر سولہ ہزار بن جاتا ہے۔ پھر تھوڑے دنوں تک یہ رقم پچیس تیس ہزار تک پہنچ جائے گی۔ تو تحریک جدید یہ امر زیر غور رکھے چاہے شروع میں Percentage بہت تھوڑی ہو اور چاہے میری تجویز کے مطابق Percentage نہ رکھے بلکہ گرانٹ رکھے بشرطیکہ تحریک جدید کا چندہ ۷۵ فیصدی وصول ہو جائے۔ پس یہ تجویز بڑی مفید ہے۔ تحریک جدید اسے نوٹ کرے اور آئندہ اسے مدّنظر رکھے۔

جو دوست اس بات کی تائید میں ہوں کہ تحریک جدید کا بجٹ آمد جس صورت میں بجٹ کمیٹی نے پیش کیا ہے منظور کر لیا جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔''

رائے شماری پر ۳۹۵ ممبروں نے اس کے حق میں رائے دی۔ حضور نے فرمایا:-

بجٹ آمد کی منظوری

''رائے شماری سے پتہ لگتا ہے کہ ۳۹۵ ممبر اس بات کے حق میں ہیں کہ تحریک جدید کے بجٹ آمد کو منظور کر لیا جائے۔ گویا پانچ ممبر اِس وقت غیر حاضر ہیں۔ میں کثرتِ رائے کے مطابق تحریک جدید کے بجٹ آمد کو منظور کرتا ہوں۔ اس سفارش کے ساتھ کہ آئندہ وہ گرانٹیں بھی مدّنظر رکھا کریں اور اپنے بجٹ میں گرانٹ کا حصہ شامل کیا کریں۔ وہ بے شک اپنی موجودہ دِقّت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ابھی باقاعدہ وصولیاں نہیں ہوتیں تھوڑی گرانٹ رکھیں مگر کچھ نہ کچھ ضرور رکھیں اور کہہ دیں کہ جو جماعت ۷۵ فیصدی وصول کرے گی اُس کو ہم گرانٹ دیں گے۔ وہ اندازہ لگالیں کہ کراچی سے اتنا آتا ہے، لاہور سے اتنا آتا ہے، ملتان سے اتنا آتا ہے، راولپنڈی سے اتنا آتا ہے، سیالکوٹ سے اتنا آتا ہے، ربوہ سے اتنا آتا ہے اور پھر اس چندہ کی نسبت سے ہر ایک کے لئے الگ الگ گرانٹ مقرر کر دیں۔''

اس موقع پر جناب حافظ عبدالسلام صاحب وکیل الاعلیٰ نے عرض کیا کہ ۷۵ فیصدی تو ہم خود وصول کر لیتے ہیں اِس پر حضور نے فرمایا:-

''بے شک آپ وعدوں میں سے ۷۵ فیصدی وصول کر لیتے ہیں لیکن جب آپ دیں گے تو وعدے بھی زیادہ کرائیں گے پھر ۷۵ فیصدی جو آپ وصول کر لیتے ہیں اِس سے بھی زیادہ آپ کو وصول ہوا کرے گا۔''

بجٹ اخراجات اور دو نئے مشن فلپائن اور فجی کھولنے کی تجویز

مجلس شوریٰ کا چوتھا اور آخری اجلاس ٹھیک تین بجے بعد دوپہر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی صدارت میں شروع ہوا۔ حضور نے کرسیٔ صدارت پر رونق افروز ہونے کے بعد جناب حافظ عبدالسلام صاحب وکیل الاعلیٰ تحریک جدید سے فرمایا کہ وہ تحریک جدید کا بجٹ اخراجات پیش کریں۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں جناب حافظ عبدالسلام صاحب نے تحریک جدید کا بجٹ اخراجات برائے سال ۵۸۔۱۹۵۷ء پیش کیا اور کہا کہ اِس سال تجویز ہے کہ فلپائن اور فجی میں دو نئے مشن کھولے جائیں اور اُن پر ۲۲۶ پونڈ فی مشن اخراجات کا اندازہ ہے۔ سب کمیٹی تحریک جدید سفارش کرتی ہے کہ ان نئے اخراجات کو منظور کر لیا جائے۔

اِس موقع پر حضور نے فرمایا:-

بیرونی مشنوں کیلئے ھدایات

''اِس وقت نئے مشنوں کے متعلق ایک تجویز پیش کی گئی ہے لیکن یہ کام خالص خلافت کا ہے اور ان کو چاہئے تھا کہ اِس بارہ میں پہلے مجھ سے مشورہ لے لیتے۔ کیونکہ چالیس سال سے برابر مَیں بیرونی مشنوں کو دیکھ رہا اور ان کی راہنمائی کر رہا ہوں۔ جب میں ان کے پاس موجود تھا تو وہ مجھ سے مشورہ لے لیتے۔ مثلاً ایک مشورہ مَیں برابر ان کو دیتا رہا ہوں لیکن اُنہوں نے بجٹ میں اِس کا خیال تک نہیں رکھا۔ میں ان کو کہتا رہا ہوں کہ جرمنی میں فوراً ایک اَور مشن کھولنا ضروری ہے ورنہ ہمارا جرمن مشن کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جرمنی کے بعض حصوں میں نئے احمدی ہوئے ہیں اور وہ ہیمبرگ سے کئی سَو میل کے فاصلہ پر ہیں۔ جس وقت میں وہاں

گیا تھا اُس وقت بھی وہاں کی جماعت نے میرے پاس درخواست کی تھی کہ یہاں ایک اَور مشنری رکھا جائے۔ اتفاقاً ہمیں ایک ٹیونیشین عرب مل گیا اور ہم نے اُس کو مشنری مقرر کر دیا۔ ہمارے آنے کے بعد وہ اپنے ملک چلا گیا۔ اب وہ وہاں سے واپس آ گیا ہے اُس نے کہا ہے کہ میں وہاں شادی بھی کر آیا ہوں اور وہاں جا کے تبلیغ بھی کر سکتا ہوں۔ میرے ذریعہ وہاں دو آدمی احمدی ہوئے ہیں اور اس علاقہ میں احمدیت کے پھیلنے کا امکان ہے۔

پس جرمنی اور ٹیونس ایسے تھے جن میں نئے مشن کھولنے ضروری تھے۔ ہم نے امریکہ سے اپنے مبلّغ کو جاپان بھجوایا تھا۔ واپس جاتے ہوئے وہ فلپائن ہو کے آیا تھا۔ وہاں بھی اِس وقت تک تقریباً ۳۸ احمدی ہو چکے ہیں اور یہ زیادہ تر یونیورسٹی کے طالب علم لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ وہاں سے ایک شخص نے زندگی بھی وقف کی ہے مگر ابھی تک وہ یہاں نہیں پہنچ سکا کیونکہ وہ ایک فرم کا ملازم ہے اور وہ ابھی اُس کو چھوڑ نہیں رہی۔ وہاں کیتھولک مذہب کا زیادہ اثر ہے اور کیتھولک مذہب والے بڑے متعصّب ہوتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی بہانہ سے ہمارے آدمی کو وہاں جانے سے روکتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ملایا سے بھی کوشش کی کہ ہمارا مبلّغ وہاں چلا جائے، وہ علاقہ قریب ہے مگر اس کے راستہ میں بھی روک پیدا ہوئی۔ آخر ایک انگریزی نمائندہ نے ہمیں بتایا کہ وہاں کی حکومت نہیں چاہتی کہ یہاں کوئی مسلمان آئے کیونکہ وہ سخت متعصب ہے۔

ڈچ گی آنا میں احمدیت کی ترقی

پھر ڈچ گی آنا سے اطلاعات آ رہی ہیں کہ وہاں ایک اَور مبلّغ کی ضرورت ہے کیونکہ وہاں کوئی چار سَو کے قریب احمدی ہو چکا ہے اور پچاس ساٹھ ہزار کے قریب وہاں مسلمان آباد ہیں اور امکان ہے کہ سارے کے سارے احمدیت میں داخل ہو جائیں۔ ایک خاص تعداد اُن میں انڈونیشی مسلمانوں کی ہے اور باقی ہندوستانی اور پاکستانی۔ اگر وہ احمدی ہو جائیں تو سارا مُلک ہی احمدی ہو جاتا ہے۔ وہاں سے بھی درخواست آئی ہے کہ ایک اَور آدمی بھیجا جائے تاکہ ہم یہاں مدرسہ کھولیں اور اِس طرح تبلیغ کو وسیع کریں۔

فجی میں بھی مشن کھولنا ضروری ہے کیونکہ وہاں احمدی زیادہ ہیں گو وہ پنجابی ہیں۔ اس جزیرہ کی دو چار لاکھ کی آبادی ہے اور یہ علاقہ اِس قابل ہے کہ اِس کی طرف

توجہ کی جائے۔ گویا فوری توجہ کے قابل علاقہ فجی اور ڈچ گی آنا ہے۔

پھر ڈچ اور فرنچ گی آنا کے درمیان برٹش گی آنا پڑا ہوا ہے، وہاں بھی کوئی مبلّغ جانا چاہئے۔ ایک طالب علم برٹش گی آنا کا یہاں سے پڑھ کر گیا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ میں وہاں جا کر تبلیغ کروں گا اگر وہ وہاں چلا گیا تو ممکن ہے یہاں سے مبلّغ بھیجنے کی ضرورت نہ رہے۔

پھر خود ڈچ گی آنا میں ایک ایسے مبلّغ کی ضرورت ہے جو کچھ تھوڑی سے ڈچ زبان بھی جانتا ہو یا پھر انڈونیشین جانتا ہو تاکہ انڈونیشین لوگوں میں جو وہاں بڑی تعداد میں ہیں تبلیغ کی جاسکے۔ غرض یہ علاقے جو میں نے بتائے ہیں ایسے ہیں کہ اگر وہاں تبلیغ کی جائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں احمدیت سارے ملک پر غالب آ سکتی ہے۔ یہ تجاویز میں نے دفتر والوں کو بتائی تھیں مگر اِن کا بجٹ میں کسی جگہ بھی ذکر نہیں کیا گیا۔"

پھر بجٹ تحریک جدید کے سلسلہ میں مختلف جدید اخراجات کی تجویز پیش ہونے پر حضور نے فرمایا:-

"حافظ صاحب نے مسجد لندن کی مرمت کا ذکر کرتے ہوئے "کچھ عرصہ" کہدیا ہے حالانکہ میں ۱۹۲۴ء میں لنڈن میں گیا تھا اور وہاں مسجد بنوائی تھی اور ۱۹۵۵ء میں وہاں گیا گویا ۳۱ سال کا عرصہ ہو چکا ہے مگر ابھی تک مسجد کی مرمت نہیں ہوئی تھی۔ اِن ۳۱ سالوں کا نام انہوں نے "کچھ عرصہ" رکھدیا ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا:-

"جدید اخراجات کے متعلق اگر کوئی دوست ترمیم پیش کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ غیر ممالک کا کام ہے اور آپ لوگ اس سے ناواقف ہیں، اس لئے لازمی طور پر مجھے اِس کی تشریح کرنی پڑتی ہے۔

کم خرچ سے زیادہ کام کریں

اُنہوں نے کہا ہے کہ جو مبلّغ باہر جائیں گے ان کو موٹر چلانی سکھائی جائے گی مگر میرے نزدیک اُنہوں نے اس سکیم پر عمل کرنا ہے تو انہیں کم سے کم ۷۵ ہزار کی رقم بجٹ میں بڑھانی چاہئے کیونکہ جس مبلّغ کو یہ موٹر ڈرائیوری سکھائیں گے اس نے باہر جاتے ہی لکھ دینا ہے کہ اس ملک میں

موٹر کے بغیر کام نہیں چل سکتا اور موٹر ۵۰۔۶۰ پونڈ میں آتی ہے۔ سفر یورپ کے دوران میرے بیٹے نے محنت کر کے وہاں ۵۰ پونڈ کی موٹر خریدی تھی لیکن مبلّغ نے یہ نہیں کرنا۔ اُس نے جہاز سے اُترتے ہی فوراً تاریں دینی شروع کر دینی ہیں کہ میرے لئے موٹر کا انتظام کریں کیونکہ یہاں موٹر کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا۔ آخر ہمیں سوچنا چاہئے کہ جب ہم تنگی کی حالت میں سے گزر رہے ہیں تو ایسی سکیمیں سوچنے کا فائدہ کیا ہے۔ جو بجٹ آگے ہی انتہائی تنگی سے بنایا گیا ہے اُس میں موٹر ڈرائیوری کی گنجائش رکھ کر نئے مبلّغ کو خراب کرنا ہے۔ وہ مبلّغ جو دس دس سال سے باہر بیٹھے ہیں اُن کے لئے تو کوئی موٹر نہیں لیکن جو ابھی جانے والے ہیں اِن کو پہلے سے ہی ڈرائیوری سکھا کے بھیجا جائے گا جس کے معنے یہ ہیں کہ جب تک تم انہیں سکھاؤ گے وہ اپنا سر پھوڑیں گے اور جب وہ سیکھ جائیں گے تو تحریک جدید کا سر پھوڑیں گے۔ یہ سکیمیں بچوں والی ہیں۔ ہمیں کم سے کم خرچ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کام کرنا چاہئے۔ ہم نے ساری دُنیا کو جو احمدیت کی پیاسی ہے تعلیم دینی ہے اور اس کے لئے ہمیں بجٹ میں زیادہ سے زیادہ کفایت کی ضرورت ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ مبلّغین کو موٹریں مت دو مگر میں کہتا ہوں کہ اُن کے اندر موٹر کی خواہش مت پیدا کرو۔ جب تم انہیں موٹر ڈرائیوری سکھاؤ گے تو تم اُن کے اندر موٹر کی خواہش پیدا کر دو گے اور یہ چیز ضرر رساں ہے۔

پس میرے نزدیک یہ تجاویز خطرات سے خالی نہیں۔ اوّل تو کئی علاقے جہاں مبلّغ بھجوانے کی ضرورت تھی چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ مثلاً ٹیونیشیا کا علاقہ چھوڑ دیا گیا ہے اور وہاں مبلّغ نہیں بھیجا جا رہا حالانکہ ہمارے آدمی نے وہاں سے لکھا ہے کہ ٹیونیشیا میں تبلیغ کے بہت سے مواقع ہیں اور ان لوگوں میں تعصّب بھی اِتنا نہیں جتنا دوسری جگہوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ ٹیونیشیا کا ایک بہت بڑا رئیس جو وہاں کے وزیر اعظم حبیب بورقیبہ کا نائب ہے مجھے یورپ میں ملا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کیسے آئے ہیں۔ اُس نے کہا مَیں نے سُنا ہوُا تھا کہ امام جماعت احمدیہ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ جب میں نے آپ کے ساتھ بہت سے آدمی دیکھے تو مجھے خیال آیا کہ آپ ہی امام جماعت احمدیہ معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں ملنے کے لئے آ گیا۔ میں ٹیونیشیا کے وزیر اعظم حبیب بورقیبہ کا نائب ہوں اور میں یہاں

ٹیونیشیا کی آزادی کے متعلق مشورہ کرنے آیا ہوں۔ تو ان لوگوں کو احمدیت کی طرف توجہ ہے۔ یہ تو نہیں کہ وہ احمدی ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اس بات کی طرف مائل ہیں کہ سلسلہ کی کتابیں پڑھیں۔ اگر ہمارے دوست وہاں جائیں تو احمدیت اُن علاقوں میں بھی پھیل سکتی ہے جیسے ہمارے ترک دوست محمود ہیں جو ٹیونیشیا کے رہنے والے ہیں پہلے نیورمبرگ میں ہمارے مبلّغ تھے۔ اب نیورمبرگ سے ٹیونیشیا گئے اور وہاں تبلیغ کی تو دو احمدی ہو گئے اور ساتھ ہی اُنہوں نے بتایا کہ ٹیونیشیا کے لوگ احمدیت کی طرف بہت توجہ رکھتے ہیں۔ اگر سمجھدار مبلّغ اُن علاقوں میں جائیں تو وہ لوگ احمدیت کی طرف جلد متوجہ ہو سکتے ہیں۔ پس ہمیں جزائر فجی۔ ٹرینیڈاڈ۔ ڈچ گی آنا۔ برٹش گی آنا۔ ٹیونیشیا اور جرمنی کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

جرمنی میں بعض جگہوں پر بڑے اچھے افراد احمدیت میں داخل ہوئے ہیں مثلاً پروفیسر ٹلٹاک جو بڑی اچھی حیثیت کے ہیں وہ یہاں آئے اور کچھ عرصہ رہے واپس جا کر اُنہوں نے منور احمد کو لکھا کہ یہاں مَیں منسٹر آف انڈسٹریز سے ملا تھا اور اُسے کہا تھا کہ ربوہ میں ہمارا ہسپتال بن رہا ہے اس لئے تم کوئی تحفہ بھجواؤ۔ چنانچہ اس نے وعدہ کیا ہے کہ میں اِس کا خیال رکھوں گا۔

بے شک احمدی ہونے والوں میں سے بعض کمزور بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً جرمنی میں جو شخص پہلے احمدی ہؤا تھا وہ انگلستان آ کے مرتد ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد ایسے لوگ احمدیت میں داخل ہوئے جو بہت مخلص ثابت ہوئے۔ مثلاً نیورمبرگ میں ایک مخلص نوجوان جس نے اپنی زندگی بھی وقف کی تھی اُس ہوٹل میں جہاں میں ٹھہرا ہؤا تھا روزانہ آ کر تعلیم حاصل کرتا تھا۔ اِس طرح نیورمبرگ میں گو صرف دس بارہ احمدی ہیں مگر روزانہ باری باری اُن میں سے دو آدمی ہوٹل میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن مَیں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک چارپائی بچھی ہے۔ میں نے عبداللطیف صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے تو اُنہوں نے کہا کہ یہاں کی جماعت نے آپس میں باریاں مقرر کی ہوئی ہیں اور وہ باری باری یہاں آ کر پہرہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کے ہوٹل کے دروازہ کے آگے چارپائیاں بچھا لیتے ہیں اور پہرہ دیتے ہیں۔ غرض ان لوگوں کے اندر پاکستانیوں کی طرح اخلاص پایا جاتا ہے۔

وہیں نیو رمبرگ میں ہم نے محمود ترکی مبلّغ مقرر کیا تھا۔ اگر وہاں کوشش کی جائے تو ایسے لوگ احمدیت میں داخل ہو سکتے ہیں جو اچھے پایہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

پس میں اضافہ بجٹ کے تو مخالف نہیں لیکن میرے نزدیک اضافہ کی جو تقسیم کی گئی ہے وہ غور کے ساتھ نہیں کی گئی حالانکہ اِن ساری باتوں کے متعلق میں نے خود وکیل التبشیر سے باتیں کی تھیں اور اُنہیں بتایا تھا کہ یہ تجاویز ضروری ہیں، لیکن ان پر کوئی عمل نہیں کیا گیا۔ اس لئے اگر جماعت اِس اضافہ کے حق میں رائے دینا چاہے تو بے شک دے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اِس اضافہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ جو ضروری جگہیں تھیں اُنہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔

اِن حالات میں مَیں تو نہیں سمجھتا کہ آپ لوگوں کے سامنے تحریک جدید کا بجٹ پیش کروں۔ اگر ہندوستان اور پاکستان کی بات ہوتی تو میں پیش کر دیتا لیکن یہ ہندوستان اور پاکستان کی بات نہیں کہ آپ اِسے سمجھتے ہوں اِس لئے آپ جو بھی رائے دیں گے محض رسمی ہوگی یا تو آپ سب کمیٹی کے حق میں ووٹ دے دیں گے کہ اُنہوں نے یہ تجویز پیش کی ہے یا یہ خیال کریں گے کہ خلیفۃ المسیح نے یہ باتیں بیان کی ہیں، میری تجاویز کے حق میں ووٹ دے دیں گے اور اِس طرح یہ ووٹ آزاد نہیں ہوں گے۔‘‘

اِس موقع پر مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ کراچی نے درخواست کی کہ چونکہ نمائندگان جماعت تحریک جدید کے اخراجات اور ضروریات کا علم نہیں رکھتے اِس لئے ہماری درخواست ہے کہ حضور خود ہی جس رنگ میں مناسب سمجھیں اس بجٹ کی منظوری دے دیں۔

حضور نے فرمایا:۔

’’یہ ذمہ داری تو بہت زیادہ ہے لیکن مجھے اِس کے سِوا اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

تحریک جدید کے وکلاء کو مشورہ کی ھدایت

تحریک جدید کے وکلاء کو چاہئے تھا کہ جس طرح صدر انجمن احمدیہ والے مجھ سے مشورہ لیتے رہتے ہیں وہ بھی مشورہ لیتے رہتے۔ اس کے نتیجہ میں کم سے کم مَیں اِس وقت جماعت کے سامنے بجٹ تو پیش کر سکتا تھا اور کہہ سکتا تھا کہ رائے دو، ہاں کہو یا نہ کہو۔ مگر اب یہ بجٹ ایسی شکل میں پیش کیا گیا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ نہ کہیں گے تو بھی

نقل ہوگی اور ہاں کہیں گے تو بھی نقل ہوگی۔ مَیں حافظ عبدالسلام صاحب کو کئی دفعہ توجہ دلا چکا ہوں کہ مجھ سے آ کر مشورہ لیا کریں لیکن وہ تین تین مہینہ تک مجھے شکل بھی نہیں دکھاتے اور صدر انجمن احمدیہ کے ناظر اعلیٰ میاں غلام محمد صاحب اختر مجھ سے کبھی اپنی شکل نہیں چُھپاتے۔ اُن کو دیکھ کر مجھے وہی بات یاد آ جاتی ہے کہ جب میں یورپ میں گیا تو ایک جرمن عورت میرے پاس آئی۔ اُس نے باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ جنرل نجیب نے مجھے ایک دفعہ سعودی عرب کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ میرے بیٹے سے شادی کر لو۔ میں نے کہا شکر کرو تم بچ گئیں کیونکہ اُن کی تو بہت سی بیویاں ہوتی ہیں۔ وہ کہنے لگی ساری بیویاں نہیں ہوتیں true wife ایک ہی ہوتی ہے باقی سب داشتہ ہوتی ہیں۔ پھر کہنے لگی جب اسلام نے مسلمانوں کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت دی ہے اور میں بھی مسلمان ہوگئی ہوں تو مجھے ایک سے زیادہ بیویوں پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ پھر وہ کہنے لگی میری کئی دفعہ پادریوں سے گفتگو ہوئی ہے۔ ایک دفعہ ایک پادری نے تعددِ ازدواج کے خلاف تقریر کی تو میں نے کہا تم بڑے بیوقوف ہو۔ عورت تو مَیں ہوں سوکن مجھ پر آنی ہے یا تم پر آنی ہے؟ مجھے تو سوکن آنے پر کوئی اعتراض نہیں اور تم خواہ مخواہ چِڑتے ہو۔ میں تو اسلام کے اِس حکم کو غنیمت سمجھتی ہوں کیونکہ اسلام نے گو مرد کو ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی ہے مگر ساتھ ہی کہا ہے اُنہیں ایک جیسا کھانا کھلاؤ، ایک جیسے کپڑے دو، ایک جیسا مکان دو۔ جب یہ چیز موجود ہے تو عورتوں کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم کورٹ شپ کے بعد شادی کرتے ہیں مگر دو سال تک کورٹ شپ کرنے کے باوجود پھر بھی لڑائی ہو جاتی ہے۔ اگر تعددِ ازدواج کی صورت میں میرا خاوند مجھ سے لڑے گا تو اِتنا تو ہوگا کہ ایک مکان میرا ہوگا اور اس کے ساتھ ہی ایک مکان میری سوکن کا ہوگا اور اس کے ساتھ ایک مکان میری تیسری سوکن کا ہوگا۔ میں خاوند کا بازو پکڑوں گی اور اُسے دوسرے گھر میں دھکیل دوں گی کہ سارا دن میں نے تیرا منحوس منہ دیکھا ہے، اب وہ تیرا منہ دیکھے۔ اگر یہ ہوتا کہ کورٹ شپ کی وجہ سے ہماری کبھی لڑائی نہ ہوتی تو پھر تو کوئی بات بھی تھی لیکن جب ہماری بھی لڑائیاں ہوتی ہیں تو پھر اسلام کی اس اجازت سے اتنا تو فائدہ ہو سکتا ہے کہ جب خاوند کی عورت سے لڑائی ہو تو وہ اُس کا بازو پکڑ کر اُسے دوسری بیوی کے گھر میں دھکیل دے اور خود اس کا

غصے والا چہرہ سارا دن نہ دیکھتی رہے۔ میں جب ولایت سے آیا تو کراچی میں میری ایک تقریر ہوئی۔ اُس میں مَیں نے یہ واقعہ سنایا۔ اس کا اثر یہ ہوُا کہ انڈونیشیا سے ہمارے مبلّغ کا خط آیا کہ یہاں پاکستانی ایمبیسی میں جو پریس اٹاچی تھا اس نے مجھے بتایا کہ میں نے مرزا صاحب کی ایک تقریر سُنی ہے مجھے تعددِ ازدواج کا مسئلہ کبھی سمجھ نہیں آیا کرتا تھا اب یہ مسئلہ سمجھ آ گیا ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ کوئی پرانی بات ہوگی اِس لئے مَیں نے اُسے لکھا کہ مجھے تو یاد نہیں کہ کبھی میں نے کراچی میں ایسی تقریر کی ہو۔ مگر اُس نے میری اِسی تقریر کا حوالہ دیا جس میں مَیں نے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔ اِس پر مجھے تعجب ہوُا کہ مَیں نے تو صرف ایک لطیفہ بیان کیا تھا مگر اُس افسر نے اس لطیفہ سے ہی ایک اہم مسئلہ سمجھ لیا۔ بہرحال اس سے اِتنا پتہ لگتا ہے کہ وہاں اسلام کی طرف توجہ پیدا ہوگئی ہے اور ہمیں اِس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

میں نے بتایا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کے آدمی ہمیشہ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے مشورہ کرتے ہیں لیکن تحریک والے ایسا نہیں کرتے۔ بار بار توجہ دلانے کے بعد اب اُنہیں اِس کا کچھ احساس ہونے لگا ہے۔ آخر انہیں اتنا تو سمجھنا چاہیئے کہ بیرون پاکستان میں جس ساری تبلیغ مَیں نے شروع کی ہے اس سے پہلے یورپ میں سوائے ووکنگ مشن کے اور کوئی تبلیغی مشن نہ تھا پھر میں نے پہلے انگلستان میں مشن قائم کیا اس کے بعد سیلون میں مشنری بھجوایا، پھر ماریشس میں بھجوایا، پھر جرمنی میں بھجوایا، پھر افریقہ میں مشنری بھجوایا، یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں بھجوایا، چین میں بھجوایا، ہانگ کانگ میں بھجوایا، انڈونیشیا میں بھجوایا۔ غرض سارے کے سارے تبلیغی مشن میرے ہی زمانہ میں قائم ہوئے ہیں۔ اگر تحریک والے آتے تو میرے مشورہ سے بہت فائدہ اُٹھا سکتے تھے لیکن چونکہ اُنہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے شیخ رحمت اللہ صاحب کی تجویز پر عمل کئے بغیر مجھے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ بجٹ کی موجودہ صورت روپیہ کے لحاظ سے بھی غلط ہے اور پھر بڑا سوال آدمیوں کے مہیا کرنے کا ہے۔ اس کے لحاظ سے بھی بہت کچھ مشورہ کی ضرورت ہے۔ جب میں بھی اتنے لمبے تجربہ کے باوجود دوسروں سے مشورہ لے لیتا ہوں تو اِن کو تو چاہیئے کہ وہ بیسیوں آدمیوں سے مشورہ کیا کریں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اگر تم کو خدا تعالیٰ سے محبت ہوتی

تو تم بار بار قرآن پڑھتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک اَن پڑھ آدمی کے پاس اُس کے کسی عزیز کا کارڈ آ جاتا ہے تو اُسے اس وقت تک تسلی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اُسے پندرہ بیس افراد سے پڑھوا نہ لے۔ قرآن بھی خدا تعالیٰ کا خط ہے اگر تمہیں خدا تعالیٰ سے محبت ہوتی تو تم بیسیوں افراد سے جا کر پوچھتے کہ اِس الٰہی خط میں کیا لکھا ہے۔ اِسی طرح اگر ان کے اندر بھی سچی تڑپ ہوتی تو وہ بار بار مجھ سے ملتے اور مشورہ لیتے۔

بہرحال مَیں دوستوں سے یہ پوچھتا ہوں کہ جو دوست اس رائے کے حق میں ہوں کہ جو بجٹ اس وقت پیش ہوُا ہے اسے مشروط طور پر اس رنگ میں منظور کر لیا جائے کہ روپیہ کی حد تو اتنی ہی رہے لیکن ایڈجسٹمنٹ مناسب مشورہ کے بعد میں خود کر لوں وہ کھڑے ہو جائیں۔''

اِس پر ۳۹۹ دوست کھڑے ہوئے۔

حضور نے فرمایا۔

''۳۹۹ دوستوں کی یہ رائے ہے کہ مشروط طور پر اس بجٹ کو منظور کر لیا جائے۔ اِس دفعہ ۴۰۰ ممبروں کو نمائندگی ٹکٹ جاری ہوئے ہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ ۳۹۹ ایسی اکثریت ہے جس پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اِس لئے مَیں کثرتِ رائے کے مطابق جو اتفاق رائے کے برابر ہے اس بجٹ کو مشروط طور پر منظور کرتا ہوں۔''

اِس موقع پر محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت کراچی نے حضور کی خدمت میں تحریراً گزارش کی کہ صحت کی بحالی کے لئے حضور ایک بار پھر ولایت تشریف لے جائیں۔

اِس کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''یہ بات تو ڈاکٹروں کی مرضی پر ہے۔ میں جب ولایت سے واپس آیا تھا تو چونکہ وہاں موسم ایک قسم کا رہتا ہے اور یہاں بدلتا رہتا ہے اس لئے مجھے وہاں یقیناً فائدہ ہوُا۔ اس سال جلسہ سالانہ پر میری طبیعت اچھی رہی لیکن بعد میں جنوری سے فروری تک جو بارشیں شروع ہوئیں اور پھر رُکی ہی نہیں روزانہ بارش ہوتی رہتی ہے، اس سے طبیعت خراب ہوگئی۔ کل خدا تعالیٰ کے فضل سے باوجود کام کرنے کے طبیعت بحال رہی۔ اسی طرح

آج بھی کچھ نہ کچھ کام کرنے کی توفیق مل گئی۔ اس قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی جس کے متعلق میں سمجھوں کہ کام میں روک پیدا ہوئی ہے لیکن جب تک ڈاکٹری مشورہ نہ ہو مَیں کہیں نہیں جا سکتا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر کہے تو پھر تو حکم ہو گیا اور اس صورت میں مجبوری ہوتی ہے۔ میں نے بعض ڈاکٹروں سے بات کی ہے اُنہوں نے ملک سے باہر جانے کا مشورہ نہیں دیا۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ اِس وقت حالت اَور ہے اور جب ہم نے یورپ جانے کا مشورہ دیا تھا اُس وقت حالت اور تھی۔ اُس وقت ضروری تھا کہ ہم آپ سے یورپ جانے کے لئے کہتے لیکن اب ہم نہیں کہہ سکتے۔ اگر ہمیں نظر آیا کہ آپ کو وہاں جانے سے فائدہ ہوگا تو ہم پھر کہیں گے کہ آپ یورپ چلے جائیں اس لئے اگر ڈاکٹر کہیں تو چوہدری عبداللہ خان صاحب کی اِس تجویز پر عمل ہو سکتا ہے۔

دوسرے میں جب پچھلی دفعہ یورپ گیا تھا تو گو اب اتنے قافلہ کی ضرورت نہیں ہو گی لیکن اُسوقت میں اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے گیا تھا اور اُن بچوں کو بھی ساتھ لے گیا تھا جن کی مائیں پیچھے نہیں تھیں۔ جماعت کے دوستوں نے جو چندہ جمع کیا تھا اُس کے علاوہ میرا ۳۸ ہزار روپیہ خرچ ہو گیا۔ واپس آ کر میں نے ۳۸ ہزار روپیہ میں سے ۳۲، ۳۳ ہزار روپیہ ادا کر دیا ہے، پانچ چھ ہزار روپیہ ابھی ادا کرنا باقی ہے، ابھی میں وہی ادا کر رہا ہوں اس لئے ابھی اس بات کا سوال پیدا نہیں ہوتا کہ مَیں کہیں باہر جاؤں کیونکہ ابھی پچھلے سفر کا قرضہ مجھ پر باقی ہے۔ جو چیزیں ایسی تھیں جو کہ لفظاً اس ریزولیوشن کے نیچے آتی تھیں جو جماعت نے پاس کیا تھا مثلاً میرا کرایہ یا میری ڈاکٹری فیس، وہ تو مَیں نے چندہ سے لے لیا باقی جو بیویوں اور بچوں کے اخراجات تھے وہ میں نے خود سارے کے سارے ادا کئے تا کہ جماعت پر بوجھ نہ ہو اور اُس وقت جو خرچ آیا اُس میں سے ابھی پانچ چھ ہزار روپیہ باقی ہے۔ چند دن ہوئے میں نے حساب منگوایا تھا تو دفتر والوں نے لکھا تھا کہ ۳۸ ہزار روپیہ کی رقم بنتی تھی۔ اس میں سے اِس وقت تک ۳۲ ہزار روپیہ ادا ہو چکا ہے ممکن ہے بعد میں اَور بھی کچھ ادا ہو گیا ہو۔ مگر بہرحال حالات کو دیکھنا پڑتا ہے جب مَیں یورپ گیا تھا تو میں اپنے پیچھے اپنے ایک داماد کو کام سپرد کر گیا تھا، اُسے کام کا تجربہ نہیں تھا اس لئے میری غیر حاضری میں اُس نے مجھے بہت مقروض کر دیا۔ پھر سارا سال خرچ میں تنگی کرنی پڑی۔

میرے ایک بیٹے کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور اُس نے کچھ کام کیا تو اِس جلسہ پر میں نے اعلان کیا کہ وہ قرضہ میں نے اِس حد تک ادا کر دیا ہے لیکن ابھی کچھ حصہ قرضہ کا ابھی باقی ہے جو مَیں چاہتا ہوں کہ اپنے سامنے ادا کر دوں۔ اِس طرح بچوں کو بھی توجہ رہتی ہے کہ وہ قرضہ ادا کریں۔ بہرحال خدا تعالیٰ میں سب طاقتیں ہیں جو خدا باہر جا کر صحت دے سکتا ہے وہ یہاں بھی ایسے سامان کر سکتا ہے کہ میری صحت میں ترقی ہو جائے۔

پچھلی دفعہ بھی میں باہر جانے پر راضی نہیں تھا مگر سامان ایسے ہو گئے کہ مجھے باہر جانا پڑا۔ میں یکدم ایسا بیمار ہو گیا کہ ڈاکٹروں نے رائے دی کہ مَیں باہر چلا جاؤں۔ مثلاً خود ڈاکٹر ملک صاحب جو ڈائریکٹر ہیلتھ تھے اُنہوں نے بھی یہ مشورہ دیا جب اُنہوں نے مجھے دیکھا تو کہا اب دوائیں ختم ہو چکی ہیں دوائیں اب آپ کو فائدہ نہیں دے سکتیں۔ اب ایک ہی علاج ہے کہ آپ فوراً باہر چلے جائیں یورپ کی جو آب وہوا ہے وہ آپ کو مفید پڑے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہاں کوئی دوائی نہیں جو دوائیں ان لوگوں کو معلوم ہیں وہ ہمیں بھی معلوم ہیں لیکن وہاں کی آب وہوا ایسی ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہاں جا کر آپ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو میں فوراً کچھ نہ کچھ چلنے پھرنے لگ گیا اور جسم میں طاقت آ گئی۔ واپس آ کر جو صحت میں پروگریس (Progress) ہوئی ہے وہ ظاہر ہی ہے۔

۱۹۵۴ء میں مَیں نے مجلس شوریٰ میں کچھ کام کیا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں مَیں بیمار ہو گیا اِس لئے اُس سال شوریٰ میں مَیں نہ آ سکا۔ ۱۹۵۶ء میں بھی میں صرف ایک دن اجلاس میں آیا تھا اور پھر واپس چلا گیا تھا، کوئی کام نہیں کیا تھا۔ آج ۱۹۵۷ء میں چار سال کے بعد پھر خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی ہے کہ میں شوریٰ میں تمام اجلاسوں میں شریک ہؤا ہوں اور کام بھی کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میری صحت میں ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں کوئی نمایاں فرق نہیں پڑا۔ مثلاً ہاتھوں میں جو بے حسی تھی وہ ابھی تک دُور نہیں ہوئی اِس سے بعض اوقات بڑی گھبراہٹ ہو جاتی ہے۔ پَیر کی انگلیاں اندر کو کھنچتی ہیں اور ہاتھ بے حِس ہو جاتا ہے۔ ہوتی تو یہ مذاق کی بات ہے لیکن گھر میں میرا کوئی چھوٹا پوتا یا نواسہ آ جائے تو وہ بیمار نہیں سمجھتا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ لے تو میں فوراً گھبرا جاتا ہوں

کہ کیا ہو گیا ہے اور میرا ہاتھ کِدھر چلا گیا ہے۔ غرض اِن چیزوں کو کوئی نمایاں فائدہ نہیں ہوُا۔ پس جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ یورپ میں کوئی نیا علاج نکل آیا ہے اُس وقت تک میرا وہاں جانا مشکل ہے۔ پچھلے دنوں اخباروں میں چھَپا تھا کہ فالج کا علاج نکل آیا ہے۔ مگر مَیں نے کراچی میں جا کر پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ ابھی وہ علاج پانچ چھ سال میں مکمل ہو گا۔ تو اگر یہ پتہ لگ جائے کہ وہاں علاج ہے جس سے مجھے فائدہ ہوسکتا ہے تو مَیں تو وہاں سے امریکہ بھی جانے کو تیار ہو گیا تھا مگر پھر وہاں سے پتہ لگا کہ امریکہ میں جو علاج ہے وہ وہی ہے جو یورپ میں ہے اور اس سے کوئی فائدہ آپ کو نہیں ہوسکتا اس لئے میں سوئٹیزرلینڈ چلا گیا اور وہاں دوبارہ ڈاکٹروں سے اپنا معائنہ کرایا تو اُنہوں نے بھی بتایا آپ کو امریکہ میں علاج سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔ امریکہ میں بوسٹن بڑی بھاری یونیورسٹی ہے۔ وہی ڈاکٹر جس سے میں علاج کرا رہا تھا اُس نے مجھے بتایا کہ میں وہیں سے آ رہا ہوں اور مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کو وہاں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ آپ کو خود زور لگانا چاہئے کہ آپ اچھے ہو جائیں۔ آپ جب تک یہ خیال نہ کریں کہ مَیں اچھا ہوں اُس وقت تک آپ کو کوئی دوائی فائدہ نہیں دے سکتی۔ مَیں نے کہا جب مجھے نظر آتا ہے کہ مَیں بیمار ہوں تو میں اپنے آپ کو تندرست کیسے خیال کرلوں؟ وہ کہنے لگا چاہے آپ کو یہی نظر آتا ہے کہ آپ بیمار ہیں لیکن جب تک آپ یہ خیال نہیں کریں گے کہ آپ تندرست ہیں، اُس وقت تک آپ تندرست نہیں ہو سکتے۔ میں نے کہا اچھا پھر آپ مجھے ایسی دوائی دیں جس کے استعمال سے میں بھُول جاؤں کہ مَیں بیمار ہوں تو وہ کہنے لگا یہی بات تو میں کہہ رہا ہوں کہ اس کا ہمیں پتہ نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر تو کوئی فائدہ نظر آتا ہو تو پھر تو مَیں وہاں جانے کی کوشش بھی کروں ورنہ خواہ مخواہ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے جُدا بھی ہوں اور کوئی فائدہ بھی نہ ہو تو وہاں جانے کا فائدہ کیا ہے۔ مَیں اِس ٹوہ میں لگا رہتا ہوں کہ اس بیماری کا کوئی علاج نکل آئے تو مَیں اُس سے فائدہ اُٹھاؤں۔ رسالوں اور اخباروں میں اِس بیماری کے متعلق جو مضامین چھپتے ہیں مَیں اُن کا خیال رکھتا ہوں۔ پچھلے دنوں امریکہ سے ایسی خبریں آئی تھیں کہ فالج کا بڑا یقینی علاج نکل آیا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ابھی زیرِ تجربہ ہے ابھی اِس پر مزید

چار پانچ سال لگ جائیں گے لیکن وہ کہتے ہیں کہ اِس کے جتنے تجربے ہوئے ہیں اس سے یقینی اور سَو فیصدی فائدہ ہوا ہے۔

ڈاکٹر حیران تھے اور کہتے تھے کہ آپ کا فالج عجیب ہے۔ فالج والوں کے ہاتھ ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔ میرے ہاتھ کی صرف حِس میں فرق ہے۔ ذرا سی گرم چیز بھی ہاتھ میں پکڑوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے آگ کا انگارہ ہاتھ میں پکڑ لیا ہے۔ بہرحال اگر حقیقی طور پر یورپ جانے سے فائدہ ہو تو مجھے اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بیماری کا علاج کراؤ لیکن پہلے مجھے بھی تو نظر آنا چاہئے کہ کوئی فائدہ ہوسکتا ہے۔ وہاں میں نے جتنے ڈاکٹروں سے پوچھا ہے اُن کا یہی جواب آیا ہے کہ آپ کو انہی دواؤں سے فائدہ ہوگا جو آپ اِس وقت استعمال کر رہے ہیں۔ پس اگر بیماری کا کچھ حصہ باقی ہے تو وہ دعاؤں کے ساتھ دور ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا اور سلسلہ کی خدمت کی توفیق دینا اُس کے مدنظر ہوگا تو وہ توفیق دے دے گا۔

میں تو ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات پڑھ کر حیران ہوا کرتا تھا کہ آپ کے اس الہام کا کیا مطلب ہے کہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا [11] اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ کا اس کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں کہ وہ رِجس کو تم سے اچھی طرح دُور کر دے۔ جب مجھ پر فالج کا حملہ ہوا تو میں نے سمجھا کہ یہ بیماری آئی ہی کئی قسم کے رِجس دور کرنے کے لئے ہے۔ مثلاً ایک رِجس تو یہ دور ہوا کہ پہلے احمدی سمجھتے تھے کہ مَیں نے پانچ چھ سَو سال زندہ رہنا ہے۔ بیماری آئی تو انہیں ہوش آ گیا کہ ہم بھی اپنے پَیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں۔ تو ایک رِجس تو یہ دُور ہوا کہ جماعت میں یہ غلط خیال پیدا ہو گیا تھا کہ خلیفۃ المسیح قیامت تک زندہ رہیں گے ہمیں کوئی فکر نہیں، یہ ہمارا کام کرتے رہیں گے۔ دوسرا رِجس یہ تھا کہ خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کو یہ خیال تھا کہ ہم خلیفہ بنیں گے۔ اگر مَیں بیمار نہ ہوتا اور اُن کو پتہ نہ لگتا کہ مَیں پاکستان سے باہر گیا ہوں تو وہ اِس طرح دلیری سے آگے نہ آتے۔ پس اس واقعہ نے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ والی بات کو پورا کر دیا۔ خدا تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ وہ اِن باتوں سے جماعت کو ہوشیار کرتا رہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب اخبار میں

چھپتا ہے کہ طبیعت اچھی نہیں تو جماعت میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور انہیں میری بیماری کا احساس ہوتا ہے۔ اِدھر کچھ دعائیں ہوتی ہیں اور کچھ منافقوں کی منافقت ظاہر ہوتی ہے۔ اب مثلاً ہماری جماعت کو اِس قسم کے اخلاص دکھانے کا جو موقع ملا ہے اور کل جو خلافت کے استحکام کے لئے ریزولیوشن پیش کئے گئے دراصل یہ وہی بات تھی کہ خدا تعالیٰ نے جماعت سے رِجس کو دُور کیا اور جماعت کے اندر یہ احساس پیدا کیا کہ ہم نے خلافت کا جھنڈا ہمیشہ کھڑا رکھنا ہے۔ اگر یہ بیماری نہ ہوتی تو یہ باتیں بھی پیدا نہ ہوتیں۔ پس مَیں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بیماری محض تطہیر کے لئے ہے۔ یہ بیماری اس لئے ہے کہ جماعت کی اصلاح ہو اور ہم سلسلہ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں۔ اس کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ سے بھی دُعائیں کرنی چاہئیں کوئی تعجب نہیں کہ خدا تعالیٰ موجودہ عارضوں کو بھی دور کر دے۔

ایک رؤیا پرسوں میں نے رؤیا میں دیکھا کہ کوئی شخص بیٹھا ہے جس کو میں پہچانتا نہیں۔ مَیں اُسے ایک نسخہ دے رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ ڈاکٹر فضل نے یہ لکھ کر دیا ہے۔ اس کے اوپر پیڈ پر اُس کا مونوگراف بھی چھپا ہوا ہے جو نہایت اعلیٰ اور خوبصورت ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک ڈاکٹر فضل کو میں جانتا ہوں۔ مَیں کوئٹہ گیا تو وہاں مجھے گاؤٹ کا دَورہ ہوا۔ ڈاکٹروں نے کہا دانت دکھائیں۔ جب ایک ڈاکٹر کو میں دانت دکھانے گیا تو اُس کے مکان پر بورڈ لگا ہوا تھا کہ ''ڈاکٹر فضل'' جب ہم فیس دینے لگے تو اُنہوں نے کہا میں تو سید محمود اللہ شاہ صاحب کا شاگرد ہوں۔ اُنہوں نے مجھے بچوں کی طرح پالا ہے اِس لئے میں آپ سے فیس نہیں لے سکتا۔ تو مَیں ایک ڈاکٹر فضل کو جانتا ہوں جو ڈینٹسٹ تھا لیکن خواب میں جو مَیں نے دیکھا کہ ڈاکٹر فضل نسخہ دیتا ہے درحقیقت اِس کے معنے صحت کے آثار کے تھے۔ چنانچہ میں نے یہ خواب پرسوں دیکھی تھی اِس کے بعد کل بھی مَیں نے سارا دن کام کیا اور آج بھی کام کیا۔ یہ وہ فضل ہے جو چل رہا ہے اور یہی خدا تعالیٰ نے میری پیدائش کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا تھا کہ اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ تو ہمارے کام تو خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اگر ولایت جانا مفید ہوگا تو خدا تعالیٰ وہاں جانے کے سامان کر دے گا اور اگر ولایت جانا مفید نہیں تو اللہ تعالیٰ میرے دل میں بھی انقباض رکھے گا اور ڈاکٹروں کو

بھی اِس طرف متوجہ نہیں کرے گا۔

اختتامی تقریر

چونکہ ایجنڈا ختم ہو گیا ہے اِس لئے اب دُعا کے ساتھ مَیں دوستوں کو رخصت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو دُعائیں کرنے اور قرآن کریم اور اسلام پر عمل کرنے کی توفیق بخشے اور خلافت احمدیہ کے قائم رکھنے کا جو عہد آپ نے کیا ہے اُس کے پورا کرنے کی آپ کو اور آپ کی اولاد کو ہمیشہ توفیق ملتی رہے اور قیامت تک اس کے ذریعہ اسلام دُنیا کے کناروں تک پھیلتا رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلّی طور پر ملتا ہے اصل میں یہ سب کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال ہے۔ اُنہی کے مال کی حفاظت کے لئے ہم لڑ رہے ہیں ورنہ ہمیں اپنی کسی عزت کی ضرورت نہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح ہو جائے تو ہمیں دُنیا کے تمام دُکھ اُٹھانے منظور ہیں۔ خواہش ہے تو صرف اِتنی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت دُنیا میں قائم ہو۔

پس یہ دُعائیں کرتے جائیں اور واپس جا کر کوشش کریں کہ جو بجٹ آپ نے منظور کئے ہیں وہ پورے بھی ہوں۔ ہم بھی کوشش کریں گے کہ جس طرح ہو سکے بجٹ کے اندر کام کریں لیکن آپ بھی کوشش کریں کہ آمد اِتنی زیادہ ہو کہ آئندہ فراغت کے ساتھ ہم لوکل جماعت کی ضرورتوں کو بھی پورا کر سکیں، مرکز کی ضرورتوں کو بھی پورا کر سکیں اور دُنیا کو جو اسلام کی پیاس ہے اُس کی پیاس کو بھی بُجھا سکیں۔‘‘

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۷ء)

۱؎ ست ناجا: نیاز کا کھانا

۲؎ ترمذی کتاب البر والصلة باب مَا جاء فی النفقة عَلَی البنات (الخ)

۳؎ زرقانی جلد۲ صفحہ ۳۲۴۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۶ء

۴؎ مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر (الخ)

۵؎ الوصیت صفحہ ۲۱۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۱۹

۶؎ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہ (البقرة:۱۰)

۷؎ تاریخ احمدیت جلد ۱۸ مصنفہ مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۷ میں

۶۰ ہزار کا ذکر ہے۔

۸ تذکرہ صفحہ ۶۹۲ ایڈیشن چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۸ء

(منعقدہ ۲۵، ۲۶ /اپریل ۱۹۵۸ء)

پہلا دن

دُعا

جماعت احمدیہ کی انتالیسویں مجلس مشاورت ۲۵، ۲۶ اپریل ۱۹۵۸ء کو تعلیم الاسلام کالج کے ہال میں منعقد ہوئی۔ اس کا پہلا اجلاس ۲۵۔ اپریل کو عصر کے بعد پانچ بج کر پچاس منٹ پر شروع ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد دُعا سے متعلق حضور نے فرمایا:-

’’دوست میرے ساتھ مل کر دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اِس اجتماع کو بابرکت فرمائے اور ہم سے ایسی سکیمیں منظور کروائے جو دُنیا بھر میں اسلام کو غلبہ اور عظمت دینے والی ہوں اور پھر وہ ہم سے ایسے وعدے کروائے جنہیں ہم پورا بھی کریں تاکہ اسلام کا خزانہ ہمیشہ بھرپور رہے اور وہ کفر کے آگے کبھی سرنگوں نہ ہو۔‘‘

افتتاحی تقریر

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:-

’’سب سے پہلے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ساری چیزوں کو اپنے قبضہ وتصرف میں سمجھتا ہے وہ کبھی سچا مومن نہیں کہلا سکتا۔ خدا تعالیٰ کا خانہ خالی رکھنا بہرحال ضروری ہوتا ہے مگر ہمارے کارکنان نے اس اصول کو قطعی طور پر نظرانداز کرتے ہوئے اِس دفعہ مجلس شوریٰ شدید گرمی کے موسم میں رکھ لی ہے۔ شاید صدر انجمن احمدیہ کے ناظروں نے یہ خیال کرلیا کہ گرمی بھی ان کے قبضہ میں ہے اور وہ اس کے اثر سے محفوظ رہیں گے حالانکہ اِس سال اتنی شدید گرمی پڑ رہی ہے کہ

میرے جیسے کمزور انسان کے لئے نا قابلِ برداشت ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے مجھے تنور میں دھکّا دے دیا ہے۔ صدر انجمن احمدیہ والوں نے سمجھ لیا کہ وہ موسم ہی کیا ہے جو اِن کے قبضہ میں نہ ہو۔ آخر وجہ کیا تھی کہ مجلس شوریٰ کو کچھ عرصہ پہلے نہ رکھ لیا گیا۔ اگر یہ اجلاس مہینہ بھر پہلے رکھ لیا جاتا تو لوگ گرمی کی شدت سے بچ جاتے اور نقصان بھی کوئی نہ ہوتا۔ پاکستان کے قیام سے پہلے یہ اجلاس اِن دنوں میں اس لئے رکھا جاتا تھا کہ اِن دنوں ایسٹر کی تعطیلات ہوتی تھیں اور ان کی وجہ سے یہاں آنے والے نمائندگان کو علیحدہ چھُٹیاں نہیں لینی پڑتی تھیں لیکن اب تو یہ تعطیلات نہیں ہوتیں اور نمائندگان کو اس موقع پر بہرحال چھُٹی لینی پڑتی ہے اس لئے اب یہ ضروری نہیں کہ مجلس مشاورت کا اجلاس ان دنوں کیا جائے اب ہم چاہیں تو اسے مارچ کے مہینہ میں بھی کر سکتے ہیں۔ بہرحال آئندہ مجلس شوریٰ کا اجلاس مارچ کے اوائل میں منعقد کرنا چاہیے تا کہ گرمی کی شدت سے بچا جا سکے۔ اگلے سال مارچ کے پہلے عشرہ میں رمضان شروع ہو رہا ہے۔ اگر ہم رمضان سے پہلے مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کر لیں تو میرے نزدیک زیادہ بہتر ہوگا ورنہ اِس قسم کی گرمی میں بیمار آدمی تو بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔ اس مجلس شوریٰ میں کشمیر کی جماعتوں کے نمائندے بھی آتے ہیں اور ان کے علاوہ بعض ایسی جماعتوں کے نمائندے بھی آتے ہیں جن کے علاقہ کی آب وہوا ہمارے علاقہ کی آب وہوا سے نسبتاً ٹھنڈی ہوتی ہے مثلاً سمندر کے کنارے کے لوگ ہیں اِسی طرح ملتان وغیرہ کے علاقوں میں بھی رات کو ٹھنڈ ہو جاتی ہے لیکن ربوہ میں شدید گرمی پڑتی ہے۔ نواب محمد دین صاحب مرحوم نے یہ زمین خریدی تھی جب وہ اس زمین کے حصول میں کامیاب ہو گئے تو وہ ہنستے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں نے سلسلہ کا پندرہ بیس ہزار روپیہ بچا لیا ہے۔ گورنمنٹ نے ہمیں پہاڑیاں دینے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے وہ حصہ خریدنے سے انکار کر دیا میں نے کہا آپ نے سلسلہ کا پندرہ بیس ہزار روپیہ بچایا نہیں بلکہ آئندہ جو لوگ یہاں آ کر بسیں گے اُنہیں آپ نے ان پہاڑوں میں قید کر دیا ہے۔ ان پہاڑوں پر جب دھوپ پڑے گی تو اس کی تپش کا اثر شہر والوں پر بھی پڑے گا اور وہ گرمی کی وجہ سے تکلیف اُٹھائیں گے۔ نواب صاحب نے کہا میں ابھی انتظام کر لیتا ہوں اور پہاڑیاں بھی خرید لیتا ہوں۔ میں نے کہا اب آپ ساری عمر بھی ان پہاڑیوں کو خریدنے کی

کوشش کریں گے تو کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ وہ کئی بار افسران کے پاس گئے لیکن وہ نہ مانے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جب گرمی کا دباؤ ان پہاڑیوں پر پڑتا ہے تو وہ تپنے لگ جاتی ہیں اور پھر اس کا اثر سارے شہر پر پڑتا ہے۔

بہرحال یہ ایک غلطی تھی جو نواب صاحب مرحوم سے ہوئی اگر پہاڑیاں بھی لے لی جاتیں اور وہاں درخت لگا دیئے جاتے تو یہ ایک اعلیٰ سیر گاہ بن جاتی جسے دیکھنے کے لئے لوگ دُور دُور سے یہاں آتے۔ بہرحال ہمیں شوریٰ کا اجلاس ایسے وقت میں رکھنا چاہئے جب خدائی قانون کے ماتحت گرمی کا امکان نہ ہو۔ ہم قانونِ قدرت کے تابع اور ماتحت ہیں، اس پر حاکم نہیں۔

توکّل کے ثمرات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سلطان عبدالحمید آف ٹرکی کی ایک بات بہت پسند ہے۔ جب یونان نے حملہ کیا تو سلطان عبدالحمید نے اپنے وزیروں کو بُلا کر مشورہ کیا وہ لوگ لڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے اُنہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے یہ انتظام بھی کر لیا ہے اور وہ انتظام بھی کر لیا ہے لیکن فلاں بات نہیں ہو سکی۔ وہ بادشاہ کو یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے اُنہوں نے کوئی بہانہ ہی بنانا تھا سو اُنہوں نے اس طرح سلطان عبدالحمید کے دل کو جنگ سے پھیرانے کی کوشش کی۔ سلطان عبدالحمید نے کہا اگر ایک بات نہیں ہوئی تو اُسے خدا پر چھوڑ دو، آخر ہمیں خدا کے لئے بھی تو کوئی خانہ خالی رکھنا چاہئے سارے خانے ہم نے ہی تو پُر نہیں کرنے۔ چنانچہ اس کے ایمان کا یہ نتیجہ ہوا کہ کُجا تو یہ حالت تھی کہ یورپ سمجھتا تھا ٹرکی فوجیں ایک قلعہ بھی فتح نہیں کر سکتیں اور کُجا یہ کہ اُنہوں نے چھ ماہ میں ہی وہ جنگ جیت لی اور یورپ کی فوجیں جن کا اُنہوں نے یونان سے وعدہ کیا تھا اُس کی مدد کو بھی نہ پہنچ سکیں۔ اسی جنگ میں ایک جرنیل کو کمانڈر انچیف نے حکم دیا کہ تم فلاں قلعہ فتح کرو اور اس مُہم کے لئے اُس نے تین دن کا عرصہ مقرر کیا۔ دو دن تک اُس جرنیل نے پوری کوشش کی لیکن وہ قلعہ فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تیسرے دن اُس نے اپنے سپاہیوں کو بلایا اور کہا کہ ہم نے اس قلعہ کو آج شام تک فتح کرنا ہے۔ میں اِس قلعہ پر چڑھتا ہوں تم سب میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ چنانچہ وہ قلعہ کی دیوار پر چڑھا، سپاہی بھی بہادری کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے

چڑھنے لگے۔ نصف فاصلہ پر پہنچے تو جرنیل نے کہا ہمیں دشمن تک اس کی بے خبری کے عالَم میں پہنچنا ہے اس لئے تم اپنے بُوٹ اُتار لو رستہ میں پتھروں کی وجہ سے پاؤں زخمی ہو گئے تو سپاہیوں نے بُوٹ پہننے کی اجازت چاہی مگر اُس نے اجازت نہ دی۔ نصف فاصلہ سے کچھ آگے گئے تو اچانک دشمن کی ایک گولی جرنیل کے سینہ میں آ لگی۔ سپاہیوں نے اُسے اُٹھا کر کسی امن کی جگہ میں لے جانا چاہا تو اُس نے کہا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھے یہیں پڑا رہنے دو اور اگر میں مر جاؤں تو شام کو مجھے اس قلعہ کی چوٹی پر دفن کرنا ورنہ میری لاش کو کُتّوں کے آگے پھینک دینا۔ سپاہی اپنے محبوب جرنیل کے اِس فقرہ کی وجہ سے مجنون ہو گئے اور اس کے ماتحت افسروں نے پاگلوں کی طرح آگے بڑھنا شروع کیا اور شام کو قلعہ کی چوٹی پر جھنڈا لہرا دیا۔ حالانکہ دشمن کا خیال تھا کہ ٹرکی اس قلعہ کی ابتدائی کڑیاں بھی چھ ماہ میں فتح نہیں کر سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ٹرکی کی مدد کی اور اُس نے نہ صرف ابتدائی کڑیاں ہی فتح کیں بلکہ تین دن میں قلعہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

اِسی طرح مسلمانوں میں اور بھی کئی غیور بادشاہ پیدا ہوئے ہیں مثلاً ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی اور سلطان ٹیپو جیسے غیور مسلمان پیدا ہوئے مگر ان غیور بادشاہوں کے ساتھ غدار بھی ہمیشہ پیدا ہوتے رہے۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں جب سمرنا میں دشمن نے فوجیں اُتاریں اور ایک اسلامی جرنیل کو اُن کا مقابلہ کرنے کیلئے کہا گیا اُن دنوں مَیں ''ڈیلی نیوز'' منگوایا کرتا تھا۔ اس کے نامہ نگار نے لکھا کہ میں نے میدان جنگ میں ایک ایسا دردناک نظارہ دیکھا ہے جسے میں کبھی بُھول نہیں سکتا۔ میں نے دیکھا کہ تُرک جرنیل جو دشمن کی فوجوں سے لڑ رہا تھا میدان سے ہٹ کر ایک پتھر پر بیٹھا ہے اور رو رہا ہے۔ میں نے اس کے رونے کا سبب دریافت کیا تو اُس نے کہا ان کارتوسوں کو دیکھو، ان میں بارود کی بجائے بُورا بھرا پڑا ہے میں دشمن کو مار نہیں سکتا۔ اگر ان کارتوسوں میں بارود ہوتا تو میں آج دشمن کو شکست دے دیتا لیکن اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔

غرض جہاں اسلام میں دلیر اور غیور افراد گزرے ہیں وہاں اس میں غدار بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کارتوسوں میں بارود کی بجائے بُورا بھرنے والا کوئی غدار ہی تھا جس نے ایسے لوگوں کو ٹھیکہ دے دیا جنہوں نے کارتوسوں میں بارود کی بجائے بُورا بھر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس قسم کے غداروں سے محفوظ رکھے اور ایسے وفادار لوگ عطا کرے جو اسلام کی خاطر ہمیشہ سینہ سپر رہنے والے ہوں اور جن کو اپنی اور اپنے بچوں کی جانوں کی پرواہ نہ ہو۔ وہ میدان میں جائیں اور اسلام کی خاطر اپنی جانیں لڑا دیں۔

صحابہؓ کا اخلاص وفدائیت

جنگِ اُحد میں جب یہ بات مشہور ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور شہادت کی خبر سُن کر مسلمان سپاہیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گڑھے میں سے نکالا گیا اور مسلمان پھر آپؐ کے اِرد گرد پروانہ وار جمع ہو گئے تو آپؐ نے ایک انصاری صحابی کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ ان کی تلاش میں نکل گئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ وہ ایک جگہ سر سے پَیر تک زخمی پڑے ہیں اور نزع کی حالت میں ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے اور اُنہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے اگر آپ نے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے نام کوئی پیغام دینا ہو تو دے دیں ہم پہنچا دیں گے۔ اُس صحابی میں قربانی کی ایسی عظیم الشان رُوح پائی جاتی تھی کہ اُنہوں نے کہا اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور اقرار کرو کہ تم میرا یہ پیغام میرے عزیزوں تک ضرور پہنچا دو گے۔ اُنہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور پیغام پہنچانے کا اقرار کیا۔ اس کے بعد اُس صحابی نے جبکہ وہ دم توڑ رہے تھے کہا میرے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور دامادوں کو کہہ دینا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ قیمتی چیز دُنیا میں اور کوئی نہیں جب تک ہم زندہ رہے ہم نے اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر بھی آپؐ کی حفاظت کی کوشش کی اور اب جبکہ میں مر رہا ہوں میری آخری نصیحت یہی ہے کہ تم اپنی زندگیوں کو قربان کر دو مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کسی دشمن کو نہ پہنچنے دو۔[۱]

اس طرح غزوۂ بدر کے موقع پر انصار نے جس فدائیت کا نمونہ دکھایا ہے وہ بھی ان کے عشق کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انصار کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر مدینہ پر کسی نے حملہ کیا تو انصار آپ کی حفاظت کریں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر حملہ کیا گیا تو وہ لڑائی میں شامل ہونے کے پابند نہیں ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگ بدر کے لئے تشریف لے گئے

تو چونکہ یہ مقام مدینہ سے فاصلہ پر تھا۔ آپؐ نے خیال فرمایا کہ اگر میں نے مدینہ والوں کو دشمن سے جنگ کرنے کا حکم دیا تو یہ ان سے بدعہدی ہوگی اس لئے آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا آپ لوگ مشورہ دیں کہ اب کیا کیا جائے؟ اب قافلہ کا سوال نہیں کفار کی مسلّح فوج سے مقابلہ ہے۔ اس پر ایک ایک کر کے مہاجرین اُٹھے اور اُنہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! ہم دُشمن سے ڈرتے نہیں ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں مگر جب کوئی مہاجر اپنے خیالات کا اظہار کر کے بیٹھ جاتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر فرماتے کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ جب بار بار آپؐ نے یہ فقرہ دُہرایا تو ایک انصاری سردار کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یَارَسُوْلَ اللہ! مشورہ تو آپؐ کو مل رہا ہے مگر پھر جو آپ بار بار مشورہ طلب فرما رہے ہیں تو شاید آپؐ کی مراد ہم انصار سے ہے آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس سردار نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! شاید آپؐ اس لئے ہمارا مشورہ طلب فرما رہے ہیں کہ آپؐ کے مدینہ آنے سے قبل ہمارے اور آپؐ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اور وہ معاہدہ یہ تھا کہ اگر کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے لیکن مدینہ سے باہر نکل کر اگر لڑائی کرنی پڑی تو ہم اس میں شامل ہونے کے پابند نہیں ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اِسی انصاری سردار نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! جب یہ معاہدہ ہوا تھا اُس وقت ہم پر آپؐ کی حقیقت پورے طور پر روشن نہیں ہوئی تھی لیکن اب آپؐ کی حقیقت ہم پر پورے طور پر واضح ہو چکی ہے اور آپؐ کی شان کا ہمیں پتہ لگ گیا ہے اِس لئے اب اُس معاہدہ کا کوئی سوال نہیں۔ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح آپؐ سے یہ نہیں کہیں گے کہ اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ[2] کہ تُو اور تیرا رب جاؤ اور دشمن سے لڑتے پھرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ یَارَسُوْلَ اللہ! ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپؐ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے[3] یَارَسُوْلَ اللہ! جنگ تو ایک معمولی بات ہے اگر آپؐ حکم دیں کہ ہم سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دیں تو خدا کی قسم ہم بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے گھوڑے بھی سمندر میں ڈال دیں گے۔[4]

ایک اور انصاری کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

کئی لڑائیوں میں شامل ہوا مگر میری ہمیشہ خواہش رہی کہ کاش! میں ان لڑائیوں میں شامل نہ ہوتا اور یہ فقرات میری زبان سے نکلتے۔ یہ فدائیت اور قربانی کا وہ عظیم الشان نمونہ تھا جو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے ہمارے سامنے پیش کیا اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اِسی قسم کا نمونہ دکھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں طاقت دے کہ ہم اسلام کے جھنڈے کے دائیں بھی لڑیں اور بائیں بھی لڑیں، آگے بھی لڑیں اور پیچھے بھی لڑیں اور اُس وقت تک دم نہ لیں جب تک کہ کفر کی چوٹی پر اسلام کا جھنڈا نہ گاڑ دیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کام بہت بڑا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاتھوں ہی انجام تک پہنچ سکتا ہے لیکن اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے اس کام کا ایک ذریعہ بنایا ہے ورنہ اِس کی تکمیل کے سامان وہ خود ہی کر سکتا ہے ہمارے بس کی یہ بات نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ

ے خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

اللہ تعالیٰ آپ ہی کوزہ ہے، آپ ہی اس کوزہ کو بنانے والا ہے اور آپ ہی کوزہ کی مٹی ہے اور پھر وہ کوزہ بازار میں فروخت کے لئے رکھتا ہے تو آپ ہی اس کا خریدار بن کر آ جاتا ہے اور اسے خرید لیتا ہے۔ پس حقیقت یہی ہے کہ صداقت بھی خدا کی ہے اور ہم جو اس صداقت کے علم بردار ہیں، ہمیں بھی خدا تعالیٰ نے ہی بنایا ہے اور پھر جس مٹی سے ہم بنے ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ اگر بازار میں ہماری کوئی قیمت پڑے گی تو تبھی پڑے گی جب خدا تعالیٰ ہمارا خریدار ہو۔ پھر چاہے تو ہمیں توڑ دے اور چاہے تو ہمیں پیمانہ بنالے یہ اُس کے فضل وکرم پر منحصر ہے۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار میں سے گزر رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا ایک صحابی کھڑے ہیں یہ صحابی سخت بدصورت تھے اور بازار میں مزدوری کا کام کرتے تھے۔ اُس وقت اُن کا جسم پسینہ سے شرابور تھا اور ان کے چہرہ پر حسرت برس رہی تھی۔ آپؐ نے اُنہیں دیکھا تو بچوں کی طرح پیچھے سے آ کر اُن کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ آپؐ کا جسم چونکہ نازک تھا اس صحابی نے اُنگلیوں کی نرمی اور ملائمت سے آپؐ کو پہچان لیا اور پیار سے اپنا میلا جسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن کے ساتھ ملنا شروع کر دیا۔ پھر آپؐ نے اس کی آنکھوں پر سے اپنے دونوں ہاتھ ہٹا لئے اور

فرمایا اے لوگو! میں ایک غلام بیچنا چاہتا ہوں کیا کوئی خریدار ہے؟ اس صحابی نے بڑی افسردگی سے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا اِس دُنیا میں میرا بھی کوئی خریدار ہوسکتا ہے؟ میں تو نہایت حقیر اور بدصورت ہوں، مجھے کون خریدے گا۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کہو تم بے شک دُنیا کی نظر میں حقیر ہو لیکن خدا تعالیٰ کی نگاہ میں تمہاری بڑی قیمت ہے۔[5] پس اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نظروں میں کوئی قیمت دیدے تو یہ کام جو ہمارے سپرد ہے ہوسکتا ہے ورنہ یہ کام نہایت بوجھل اور بھاری ہے اور اس کو سرانجام دینا ہماری اپنی طاقتوں کے لحاظ سے بڑا مشکل ہے۔''

اس کے بعد حضور نے مجلس شوریٰ کے ایجنڈے پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر فرمائی۔ جس میں ۲۹/افراد شریک کئے گئے۔ صرف نظارت تعلیم کی اُس تجویز کو حضور نے پیش کرنے کی اجازت نہ دی جس میں آئندہ سال کے لئے انسپکٹر کی آسامی جاری رکھنے کی استدعا کی گئی تھی۔ حضور نے فرمایا:-

''میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ جو چیز ہے ہی مشروط بآمد، اُس کو شوریٰ کے اجلاس میں پیش کرنا شوریٰ کا وقت ضائع کرنا ہے اگر کوئی اچھی چیز ہے اور جماعت کے دوست اس کے لئے چندہ دے رہے ہیں تو اس پر عمل کیا جائے اور اگر وہ چندہ نہیں دے رہے اور اس تجویز کو ناپسند کرتے ہیں تو جماعت اُس کی ذمہ داری کیوں لے۔ ایسی ہی ایک تجویز ناظر صاحب تعلیم نے یہ بھی پیش کی تھی جسے میں نے مسترد کر دیا کہ گھٹیالیاں کے ہائی سکول کو ہائر سیکنڈری سکول (Higher secondery school) بنایا جائے۔ جب شروع شروع میں یہ سکول جاری کیا گیا تو اِس علاقہ کی جماعتوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مدد دیں گی لیکن اُنہوں نے کوئی مدد نہ کی پھر وہ سکول مڈل ہوا پھر ہائی ہوا اور پھر بھی علاقہ کی جماعتوں نے کوئی مدد نہ کی لیکن ناظر صاحب نے تجویز پیش کر دی کہ اِس سکول کو ہائر سیکنڈری سکول بنا دیا جائے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ربوہ میں بھی ایک ہائی سکول موجود ہے جس کا بوجھ جماعت اُٹھا رہی ہے لیکن یہ مرکز ہے اور مرکزی ادارہ کے لئے چندہ دینا ساری جماعت کا فرض ہوتا ہے لیکن جو سکول ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں ہو اُس کے لئے چندہ دینا تمام جماعت کا فرض نہیں۔ ہاں اُس علاقہ کی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اُس کے سارے بوجھ کو اُٹھائیں۔ بے شک اگر ہم میں طاقت ہو تو ہم باہر کے علاقوں میں بھی

نئے سکول جاری کریں گے مگر یہ اُس وقت ہو سکتا ہے جب ہمارا بجٹ بڑھ جائے۔ جب ہمارا بجٹ لاکھوں سے نکل کر کروڑوں کا ہو جائے گا تو پھر ہم ڈھاکہ میں بھی ہائی سکول جاری کریں گے، کراچی میں بھی ہائی سکول جاری کریں گے، راولپنڈی، ملتان، ایبٹ آباد، لاہور، لائلپور اور سرگودھا میں بھی ہائی سکول جاری کریں گے لیکن بہرحال یہ بات مرکز کے اختیار میں ہو گی۔ ہم کسی ایک ضلع کی جماعت کو یہ اختیار نہیں دے سکتے کہ وہ اپنی مرضی سے ایک سکول کھولے اور مرکز پر اُس کے اخراجات کا بوجھ ڈال دے۔ آخر گھٹیالیاں، کراچی، لاہور یا لائلپور کی طرح نہیں کہ جماعت اپنے بچے وہاں تعلیم کیلئے بھیجے۔ ربوہ میں وہ اپنے بچے اس لئے بھیجتی ہے کہ یہ مرکز ہے اور یہاں سلسلہ کے علماء رہتے ہیں۔ ان سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے جماعت کے لوگ یہاں آتے ہیں لیکن کون پاگل ہے جو کراچی، ملتان یا کسی اَور شہر سے اپنے بچے گھٹیالیاں بھیجے گا۔

پس ایسی تجاویز پر نظارت یا صدر انجمن احمدیہ خود غور کر لیا کرے، ہمیں ان پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تجویز جو ایجنڈا میں تجویز نمبر ا کے طور پر دکھائی گئی ہے اس کی ابتدائی منظوری بھی اِس شرط پر دی گئی تھی کہ لوگ چندہ دیں گے تو بچوں کو وظیفہ دے دیا جائے گا۔ اب اس کے متعلق مزید منظوریاں لینا پائینچا پکڑنے والی بات ہے۔ پس میں اس کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔‘‘

دوسرا دن

احمدیت کی ترقی کے لئے دعاؤں کی ضرورت

۲۶۔اپریل ۱۹۵۸ء کو مجلس مشاورت کے دوسرے اجلاس میں حضور نے ابتدائی دعا سے قبل اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے دُعاؤں کی ضرورت واضح کرتے ہوئے فرمایا:-

’’اب تمام دوست میرے ساتھ مل کر دُعا کر لیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دُور فرمائے اور اپنے فضل سے اسلام اور احمدیت کی ترقی کے سامان پیدا کرے۔ یہاں تک کہ

عیسائیت اور دہریت دُنیا سے مٹ جائیں اور اسلام اور توحید ساری دُنیا پر غالب آ جائے۔ یہ کام تو اس کا ہے اور اُسی نے اپنے فضل سے اسے سرانجام دینا ہے۔ ہم تو صرف لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ہماری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے مائیں جب کوئی وزنی چیز اُٹھانے لگتی ہیں تو اپنے بچہ کی حوصلہ افزائی کے لئے اُسے کہتی ہیں کہ تم بھی اُنگلی لگا دو۔ بچہ اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ کام مَیں کر رہا ہوں حالانکہ ماں کر رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم سمجھ رہے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کا کام ہم کر رہے ہیں حالانکہ اصل میں یہ کام خدا تعالیٰ کر رہا ہے لیکن پھر بھی اس ثواب میں شریک ہونے کے لئے ہمیں دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو اور وہ اِس کام کو جلدی پورا کرے۔ کام تو ہماری دعاؤں کے بغیر بھی ہوسکتا ہے مگر اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ ہم نے اس کام میں کوئی حصہ نہیں لیا لیکن اگر ہم دُعائیں کریں گے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ہم نے بھی کام پورا کرنے میں حصہ لیا ہے۔ پس پہلے مَیں دعا کرتا ہوں پھر بقیہ کارروائی شروع کی جائے گی۔‘‘

ضرورت کے مطابق مناسب اور سَستا لٹریچر شائع کریں

مجلس مشاورت میں اشاعتِ لٹریچر پر بحث کے دوران میں مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب امیر جماعت کراچی نے شکایت کی کہ ضرورت کے وقت مرکز سے مناسب لٹریچر نہیں ملتا۔ شاہ افغانستان کی آمد کے اہم موقع پر ہمیں جو دعوۃ الامیر کا صرف ایک نسخہ بھجوایا گیا اس کے کئی صفحات دیمک خوردہ تھے۔ اِس پر حضور نے فرمایا:-

’’ہماری فارسی کتابیں ختم ہو چکی ہیں۔ دعوۃ الامیر کا فارسی ترجمہ مولوی عبیداللہ صاحب بسمل مرحوم نے کیا تھا مگر اب وہ نہیں ملتا اور نہ اس کو دوبارہ چھپوانے کی کوئی کوشش کی گئی ہے۔ میرے نزدیک ضروری ہے کہ ایک لِسٹ بنائی جائے اور دیکھا جائے کہ ہمارے پاس عربی زبان میں کون کون سی کتابیں ہیں اور کس کس مضمون پر مزید کتابیں شائع ہونی چاہئیں، اسی طرح بنگالی میں کون کون سی کتابیں ہیں اور کون کون سی کتابیں شائع ہونی ضروری ہیں، انگریزی میں کون کون سی کتابیں ہیں اور کون کون سی شائع کرنی ضروری ہیں،

فارسی زبان میں کون کون سی کتابیں ہیں اور کون کون سی شائع ہونی ضروری ہیں تا کہ تبلیغ کو وسیع کیا جاسکے۔ پاکستان میں اُردو اور بنگالی دو اہم زبانیں ہیں اور پاکستان سے باہر عربی، فارسی اور انگریزی اہم زبانیں ہیں۔

اِسی طرح نظارت علیا ہر تین ماہ کے بعد نظارت اصلاح وارشاد کے شائع کردہ لٹریچر کی پڑتال کیا کرے اور دیکھا کرے کہ وہ مناسب طور پر تقسیم ہوا ہے یا نہیں۔''

چند ممبران کے اظہارِ خیال کے بعد حضور نے مزید فرمایا:-

''لٹریچر کی دِقّت رفع کرنے کیلئے میرے نزدیک نظارت اصلاح وارشاد میں ایک مصنف ہونا چاہئے جو سارا مہینہ کتابیں اور اخبارات پڑھتا رہے اور ضروری اشتہارات اور پمفلٹ وغیرہ لکھتا رہے مگر لٹریچر ہمیشہ سَستا دینا چاہئے۔ شمس صاحب یہ بات نوٹ کر لیں کہ آئندہ کوئی کتاب آٹھ آنہ فی سَو صفحہ سے زیادہ قیمت پر نہ بیچی جائے۔ اگر آٹھ آنے فی سَو صفحہ کے لحاظ سے کتابیں فروخت کی جائیں تو ساری جماعتیں کتابیں خرید سکتی ہیں۔''

اِس موقع پر حضور نے اعلان فرمایا کہ

''اصلاح وارشاد والے کہتے ہیں کہ ''کفارہ کی حقیقت'' اور ''احمدیت کا مستقبل'' جن کے ۲۷، ۲۷ صفحات ہیں ہم ایک ایک آنہ میں فروخت کرتے ہیں۔ اِسی طرح ''ہماری تعلیم'' اور ''جماعت اسلامی پر تبصرہ'' بھی ایک ایک آنہ کو ملتے ہیں۔ ''احمدیت کا پیغام'' ۵۰ صفحات کا ہے وہ بھی ایک آنہ کو ملتا ہے۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جو مفید ہیں اور اِس قیمت پر سارے پاکستان بلکہ ہندوستان میں بھی نہیں مل سکتیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جماعتیں مبلّغ تو مانگ لیتی ہیں جن پر ہزاروں روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے لیکن لٹریچر نہیں منگواتیں۔ حالانکہ اگر وہ تھوڑی رقم سے بھی لٹریچر شائع کریں تو بہت فائدہ ہوسکتا ہے۔''

ہم اپنے غیر مُلکی بھائیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں

۲۶۔ اپریل ۱۹۵۸ء کو ہی مجلس مشاورت میں تحریک جدید کا بجٹ پیش ہوا اور بحث کے بعد کثرتِ رائے سے پاس ہوا۔ اس کی منظوری عطا کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''چونکہ ۴۱۵ دوست اس تجویز کے حق میں ہیں اور باقی صرف ۱۶ نمائندگان ایسے رہ جاتے ہیں جنہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا اس لئے میں کثرتِ رائے کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے بجٹ آمد تحریک جدید کو منظور کرتا ہوں۔ یہ غیر مُلکوں کا بجٹ ہے اور ان کے نمائندے اِس وقت یہاں موجود نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[6] مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اِس لئے بھائی کو بھائی کے حقوق کی نگرانی کرنی چاہیئے۔ نمائندگان یہ خیال نہ کریں کہ یہ بجٹ پاکستان کا نہیں اِس لئے ہمیں اِس کے متعلق غور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں نائیجیریا اور گولڈکوسٹ ایسا ہی پیارا ہے جیسے پاکستان۔ امریکہ کے نَومُسلم بھی ہمیں ویسے ہی پیارے ہیں جیسے پاکستان کے احمدی۔ لیبیا کے نَومُسلم بھائی بھی ہمیں ویسے ہی پیارے ہیں جیسے پاکستان کے احمدی۔ اسی طرح سیرالیون میں جو احمدی ہیں وہ بھی ہمیں ویسے ہی پیارے ہیں جیسے پاکستان کے احمدی۔ ہمارے نزدیک ان میں اور پاکستان کے احمدیوں میں کوئی فرق نہیں اِس لئے اُنہیں اس بات کی تسلی رکھنی چاہیئے کہ اُن کے پاکستانی بھائی ان کے حقوق کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جب پاکستان قائم نہیں ہوا تھا اُس وقت بھی ساری دُنیا تسلیم کرتی تھی کہ ہندوستان کے احمدی غیر مُلکی بھائیوں کے حقوق کو ادا کر رہے ہیں اور خود بُھوکے رہ کر ان کے لئے چندہ دیتے ہیں اور ان کے مُلکوں میں مبلّغ بھیج رہے ہیں۔''

اختتامی تقریر

مشاورت کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد ۲۶۔ اپریل ۱۹۵۸ء کو حضور نے احباب کو الوداعی خطاب سے نوازا۔ اپنی کمزوری اور گرمی کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

''میں چاہتا تھا کہ آج ہی دوست فارغ ہو جائیں تا کہ میں بھی واپس جاسکوں آجکل تو جابہ بھی بڑا سخت گرم ہے لیکن ربوہ کی نسبت ٹھنڈا ہے۔ پچھلی دفعہ جب ہم وہاں گئے تھے تو ہم لحاف اوڑھ کر کمروں کے اندر سوتے تھے لیکن اِس دفعہ اگرچہ ہم کمروں کے اندر ہی سوتے رہے لیکن کپڑا اوڑھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ پچھلی دفعہ اِن دنوں وہاں کا درجہ حرارت ۸۱ تھا، اِس دفعہ ۹۴ تھا۔ بہرحال وہاں ربوہ سے کم گرمی پڑتی ہے۔ مجھے یاد ہے میری جوانی

کے زمانہ میں ایک دفعہ جیکب آباد میں ۱۱۴ درجہ کی گرمی پڑی تو شور مچ گیا تھا کہ جیکب آباد کے لوگ مر گئے لیکن اِس دفعہ فورٹ عباس میں ۱۱۹ درجہ کی گرمی پڑی ہے۔ خانپور کا درجہ حرارت ۱۱۵ ہے۔ بہاولپور اور ملتان کا درجہ حرارت ۱۱۵ ہے اور یہاں کا درجہ حرارت ۱۱۳ ہے حالانکہ یہاں کا درجہ حرارت اِن دنوں میں ۱۰۸ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ پچھلے دنوں یہاں کی رپورٹ جو جابہ گئی تھی وہ یہ تھی کہ یہاں کا درجہ حرارت ۹۲ تھا۔ گویا میری جوانی کے زمانہ میں جس قدر گرمی کی خبر سن کر شور مچ گیا تھا کہ لوگ مر گئے، بعض جگہوں پر اس سے زیادہ گرمی پڑ رہی ہے۔ اِس گرمی کی شدت کی وجہ سے لوگ زیادہ عرصہ گھروں سے باہر نہیں رہ سکتے۔ آخر جتنا امن گھروں میں مل سکتا ہے باہر رہ کر نہیں مل سکتا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں بھی جلدی واپس چلا جاؤں تا کہ مجھے کوفت سے نجات مل جائے اور دوست بھی جلد گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اگلے سال کے لئے میں نے ہدایت دے دی ہے کہ شوریٰ رمضان سے پہلے رکھیں۔ جب شوریٰ کے لئے بہرحال چھٹی لینی پڑتی ہے تو رمضان سے پہلے چھٹی لے لی جائے یا رمضان کے بعد بات ایک ہی ہے۔ اگلے سال رمضان ۱۱؍ مارچ سے شروع ہے اِس تاریخ سے پہلے جو جمعہ آئے، شوریٰ اس دن سے شروع کر لی جائے۔ اس کے ساتھ ہفتہ، اتوار کے دن ملا لئے جائیں کیونکہ یہی دن مناسب ہوتے ہیں۔

بہرحال آئندہ سال تو یہ احتیاط انشاء اللہ ہو جائے گی کوئی تعجب نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فضل فرمائے تو اگلے سال اِتنی گرمی بھی نہ پڑے۔ اگر اس سال گرمی ۹۲ درجہ سے ترقی کر کے ۱۱۳ درجہ تک پہنچ گئی ہے تو جس خدا نے اسے اس حد تک پہنچایا ہے وہ اسے ۹۰ بھی کر سکتا ہے۔ ۸۰ بھی کر سکتا ہے۔ پس یہ فرق محض عارضی ہے لیکن بہرحال صحت یہ نہیں دیکھتی کہ یہ فرق عارضی ہے یا مستقل۔ صحت تو یہ دیکھتی ہے کہ حالت کیا ہے میری صحت چونکہ اس سال زیادہ خراب رہی ہے اس لئے میں گرمی کی اس شدت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ پہلے میں اجابت کے لئے چوکی پر بیٹھ سکتا تھا لیکن پھر چوکی چُھٹ گئی اور اب تک چُھٹی ہوئی ہے۔ بعد میں مَیں نے کموڈ پر بیٹھنا شروع کیا لیکن کموڈ پر بھی میں جُھک نہیں سکتا۔ اگر جُھکوں تو ٹانگ میں اتنی درد ہوتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹوٹ جائے گی۔ جو علاج لوگوں نے بتائے ہیں وہ سب گرم ہیں اور اِس گرمی کے موسم میں مَیں وہ علاج نہیں کروا سکتا۔

میں جب کراچی گیا تھا تو ڈاکٹر جمّاں صاحب نے بھی یہی کہا تھا۔ ہمارے ڈاکٹر عبدالحمید صاحب جو ریلوے میں بڑے افسر ہیں وہ بھی آئے تھے اور اُنہوں نے بھی کہا تھا کہ اس بیماری میں جو دوائیں مفید ہیں وہ لازماً گرم ہوں گی اِس لئے خیال یہی تھا کہ ہم جابہ جائیں گے تو وہاں چونکہ گرمی میں کمی ہوگی اِس لئے وہاں گرم دوائیں استعمال کر لیں گے تاکہ موسم کی ٹھنڈک کی وجہ سے دواؤں کا بُرا اثر نہ پڑے۔ اگر ان سے فائدہ ہوا تو ممکن ہے میں چوکی پر بیٹھنے لگ جاؤں اب یہ حال ہے کہ میں نماز میں جس طرح عورتیں پاؤں نکال کر بیٹھتی ہیں اس طرح بیٹھ سکتا ہوں حالانکہ پہلے میں تشہّد میں بائیں پاؤں پر پوری طرح بیٹھ جاتا تھا لیکن بہرحال جب صحت ہو جائے گی تو یہ چیز بھی حاصل ہو جائے گی۔ مجھے اب یہ فرق تو نظر آرہا ہے کہ میرا حافظہ پہلے سے اچھا ہو گیا ہے۔ پہلے میں نمازوں میں بہت بُھولنے لگ گیا تھا لیکن اب وہ حالت نہیں۔ گویا دماغی طور پر تو صحت میں بہت فرق پڑ گیا ہے لیکن جسمانی حرکت کرنے کے لحاظ سے میری صحت ابھی کمزور ہے۔ میں نے ایک لیڈی ڈاکٹر سے علاج کروایا تھا۔ وہ لیڈی ڈاکٹر ملک غلام محمد صاحب مرحوم سابق گورنر جنرل پاکستان کی معالجہ تھیں ملک صاحب مرحوم میرے اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے دوست تھے اُنہوں نے ہی اس لیڈی ڈاکٹر کو میرے علاج کے لئے بھجوایا تھا۔ اس نے مجھے بار بار اُٹھنے اور بیٹھنے کا مشورہ دیا تھا اور کہتی تھی کہ اس طرح پٹھوں کو نرم رہنے کی عادت پڑ جائے گی۔ اب کے مَیں کراچی گیا تو اُس نے مالش کے ساتھ ساتھ مجھے بعض ورزشیں بتائیں تاکہ پٹھے نرم رہیں لیکن گرمی کی وجہ سے مَیں مالش نہیں کروا سکتا۔ ڈاکٹر جمّاں صاحب جو نروز سسٹم (NERVES SYSTEM) کے ماہر ہیں اُنہوں نے بھی مجھے یہی بتایا تھا کہ تیل کی مالش کیا کرو لیکن تیل کی مالش سے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ چوہدری شکر الٰہی صاحب مبلغ امریکہ کی بہن بھی فالج کے عارضہ سے بیمار ہو گئی تھی۔ اُنہوں نے بھی یہی بتایا کہ مجھے فالج ہو گیا تو ڈاکٹروں نے مالش بتائی تھی جس کی وجہ سے مجھے آرام آ گیا لیکن یہاں ہوا بہت تیز چلتی ہے اور اس میں مالش کروانا مفید نہیں ہوتا۔ پھر مالش میں ایسی اَدویہ پڑتی ہیں جو گرم ہوتی ہیں اور ان کے استعمال سے گرمی محسوس ہوتی ہے مثلاً اس میں کُٹھ پڑتی ہے جو گرم ہوتی ہے، زعفران پڑتا ہے جو گرم ہوتا ہے، سونٹھ پڑتی ہے جو گرم ہوتی ہے اس لئے میں گرم علاقہ میں رہ کر یہ علاج

نہیں کروا سکتا۔ ٹیکے بھی یہاں رہ کر نہیں لگوا سکتا کیونکہ وہ بھی گرم ہیں اس لئے میرا ارادہ تھا کہ جابہ واپس چلا جاؤں۔ وہاں یہ آرام ہے کہ انسان کمرہ بند کر کے اندر بیٹھ سکتا ہے۔ یہاں گرمی کی وجہ سے ہوا لطیف ہو کر اوپر چڑھ جاتی ہے۔ نیچے ایک خلا رہ جاتا ہے جسے پُر کرنے کے لئے ارد گرد کے علاقوں کی ہوا تیز چل کر اس خلا کو پُر کرنے کے لئے آتی ہے اور پھر وہ ہوائیں چونکہ گرم علاقہ سے گزر کر آتی ہیں اس لئے وہ بھی گرم ہوتی ہیں لیکن جابہ چونکہ ٹھنڈا ہے اس لئے گرم علاقوں کی طرح ہوائیں خلا پُر کرنے کے لئے نہیں آتیں۔ پھر اِرد گرد کے علاقے ٹھنڈے ہیں اس لئے جو ہوا آتی ہے وہ بھی ٹھنڈی ہوتی ہے۔ یہاں تو ہوائیں اتنی گرم ہوتی ہیں کہ جسم کو جھلس دیتی ہیں۔ میں نے ایک آدمی مری میں کوٹھی لینے کے لئے بھی بھجوایا ہوا ہے۔ اگر کوٹھی مل گئی تو وہاں اور بھی ٹھنڈک ہو گی۔ پہلے یہ خیال تھا کہ ہم سکیسر چلے جائیں وہ بھی ٹھنڈی جگہ ہے اور پھر وہ جگہ جابہ سے بہت قریب ہے۔ ہم صبح کا ناشتہ کر کے دوپہر سے پہلے وہاں پہنچ سکتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے سکیسر میں گنٹھیا کا دَورہ ہو جاتا ہے اور اگر بیماری میں نئی بیماری پیدا ہو جائے تو اس کا علاج بڑا لمبا ہو جاتا ہے۔ پچھلے چار ماہ میں مجھے یہی شبہ رہا ہے کہ میری گنٹھیا کی بیماری بڑھ گئی ہے اس لئے ڈر آتا ہے کہ وہاں جانے سے اگر خدانخواستہ ''گاؤٹ'' ہو گیا تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔ ۱۹۵۲ء میں مَیں وہاں گیا تو مجھے ''گاؤٹ'' کی اتنی خطرناک تکلیف ہوئی تھی کہ مجھے سہارا دے کر موٹر میں بٹھا کر لایا گیا۔ پھر ایک ڈاکٹر لاہور سے بلایا گیا یعنی ڈاکٹر بلوچ صاحب کو بلایا گیا۔ اب تو وہ فوت ہو چکے ہیں ان کے دماغ میں رسولی ہو گئی تھی جس کا آپریشن ہوا تو وہ فوت ہو گئے۔ اُن کے علاج سے مجھے فائدہ ہوا۔ تو بیماری سے بچنے کیلئے احتیاط لازمی چیز ہے۔ اُن دنوں ہم سکیسر میں صرف سات دن رہے تھے اور گنٹھیا کی مرض ہو گئی تھی لیکن اس دفعہ یہ احتیاط کر لیں گے کہ صبح گئے اور شام کو واپس آ گئے۔ تا زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ سے بیماری کا دَورہ نہ ہو جائے۔ مری میں کوٹھی مل گئی تو وہاں چلے جائیں گے ورنہ جابہ میں رہیں گے اور روزانہ سکیسر چلے جایا کریں گے۔ سکیسر بھی ڈلہوزی کی طرح بہت ٹھنڈی جگہ ہے۔ تعجب آتا ہے کہ ریتلے علاقہ میں پانچ ہزار فٹ بلند جگہ ہے۔ مری اِس سے صرف ایک دو ہزار فٹ زیادہ بلند ہے۔ بہرحال سکیسر بڑی خوبصورت اور چھوٹی سی جگہ ہے جیسے بمبئی کے پاس

''ماتھے ران'' تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ہم پہلی بار وہاں گئے۔ ماموں جان بھی ساتھ تھے ہم دونوں بحث کرتے گئے کہ ریلوے والوں نے تو لکھا ہے کہ یہ ایک سیرگاہ ہے مگر ہے یہ جنگل اور ریتلا علاقہ۔ بہرحال چٹانوں سے ریل گزرتی چلی گئی اور جونہی ایک طرف مڑی تو وہ جگہ آ گئی۔ اِسی طرح سکیسر ہے۔ گویا یہ ہمارے علاقہ کی ''ماتھے ران'' ہے۔

بہرحال میں چاہتا تھا کہ شوریٰ کی کارروائی آج ختم ہو جائے تا دوست بھی واپس جا سکیں اور میں بھی کل صبح واپس چلا جاؤں۔ تا مجھے زیادہ گرمی کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ باقی دوست دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحت عطا فرمائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ لو۔ آپ نہ صرف خود نبی تھے بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا بھی تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ[ے] جب میں بیمار ہوتا ہوں تو صرف خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے۔ ۱۹۵۴ء میں میرے بچنے کی کیا اُمید تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ میں ایک دن کا مہمان ہوں۔ پھر میں یورپ گیا وہاں جا کر علاج سے اتنا فائدہ ہوا کہ میں نے سارے یورپ کا موٹر پر سفر کیا۔ پھر واپس آیا تو ۱۹۵۶ء میں مری گئے۔ وہاں بھی صحت اچھی رہی۔ ۱۹۵۷ء میں جابہ گئے۔ ابتدائی حصہ سال میں تو اچھا رہا لیکن بعد میں میری طبیعت خراب ہوگئی۔ ۱۹۵۸ء میں بھی خراب رہی۔ جولائی ۱۹۵۷ء تک میں کسی قدر اچھا تھا۔ جولائی تک میں اجابت کے لئے چوکی پر بیٹھ سکتا تھا۔ اب سات آٹھ ماہ سے طبیعت خراب ہے لیکن جس خدا نے پہلے شفا دی تھی وہ اب بھی شفا دے سکتا ہے اُس کے ہاتھ میں شفا ہے۔ ڈاکٹر ایک دوائی کے متعلق خاص طور پر زور دیتے ہیں کہ اگر میں اُس کے ٹیکے کروالوں تو اس سے فائدہ ہوگا لیکن میں نے ایک جرمن ڈاکٹر سے مشورہ کیا تھا تو اُس نے کہا تھا کہ آپ منہ کے راستہ دوائی کھا لیا کریں، ٹیکا نہ لگوایا کریں۔ اس سے فائدہ تو ہوا لیکن مرض ابھی تک گئی نہیں۔ اب ٹھنڈی جگہ جائیں گے تو وہاں ٹیکے بھی لگوالیں گے۔ یورپ میں میرا جو معالج تھا اُس کے کئی پیغام آ چکے ہیں کہ آپ وہ ٹیکے ضرور لگوائیں، آپ کا علاج وہی ہے، ہاں ڈوز (Dose) چھوٹی کرلیں اور روز ٹیکا لگوانے کی بجائے ہفتہ میں ایک دفعہ لگوالیں مگر لگوائیں ضرور۔ بہرحال خیال ہے کہ ٹھنڈی جگہ جا کر اس کا تجربہ بھی کرلیں گے۔ ایک دفعہ ناصر آباد میں مَیں نے یہ ٹیکا کروایا تھا، اس سے فائدہ ہوا تھا۔ واپسی پر سارے رستہ میں

دوست ملتے رہے میں نے اُن سے مصافحہ بھی کیا اور گفتگو بھی کرتا رہا لیکن مجھے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی لیکن بعد میں پتہ نہیں مجھے کیوں یہ وہم ہو گیا کہ اب جو صحت خراب ہوئی ہے تو وہ اُس ٹیکہ کی وجہ سے ہوئی ہے حالانکہ اِس کے بعد رمضان آیا تو میں اس میں بارہ بارہ تیرہ تیرہ بلکہ بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ پاروں کی تلاوت کرتا رہا ممکن ہے اس سے کوفت ہوگئی ہو۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تو ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ آپ زیادہ پاروں کی تلاوت نہ کیا کریں لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ قریباً تیرہ پارہ روزانہ اوسط تھی۔ ویسے میں نے بعض دنوں میں اس سے بھی زیادہ تلاوت کی ہے۔ اس کے علاوہ اور کام بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنا، کھانا، پیشاب اور پاخانہ میں بھی کچھ وقت لگتا تھا۔ اس کو نکال لیں تو باقی وقت میں نے کئی روز تک ۱۸، ۱۸ پارہ کی تلاوت کی۔ پھر دوسرے جماعتی کام بھی کرنے پڑتے تھے۔ تندرستی میں مَیں بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ پڑھ لیتا تھا۔ بعض دفعہ میں ایک دن میں قرآن کریم ختم کر لیتا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہم راجپورہ شکار کو گئے۔ میرے پندرہ پارے رہ گئے تھے، میں نے ظہر کے بعد بیٹھ کر شام تک پندرہ پاروں کی تلاوت کر لی۔ نماز تراویح میں حافظ ایک پارہ روز ختم کرتے ہیں لیکن میں بعض دفعہ ایک دن میں قرآن کریم ختم کر لیتا تھا۔ حافظ لوگ ایک پارہ روزانہ نماز تراویح میں پڑھتے ہیں اور وہ بھی اس طرح پڑھتے ہیں کہ معلوم نہیں ہوتا قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہے یا کچھ اور ہو رہا ہے۔ لیکن ہم تو بڑے آرام سے پڑھتے ہیں اور قرآن کریم کے معارف پر غور بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اِس دفعہ جہاں میں نے بارہ بارہ تیرہ تیرہ پاروں کی تلاوت کی وہاں میں نے تفسیر صغیر میں کئی نوٹ بھی لکھوائے جہاں کوئی ایسی آیت آتی جو اہم ہوتی تو میں اُس پر نوٹ لکھوا دیتا۔

بہرحال اب شوریٰ کی کارروائی ختم کی جاتی ہے۔ دوست دُعا کر لیں۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۸ء)

---

۱ سیرت ابن هشام جلد۳ صفحہ ۱۰۰۔۱۰۱ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲ تا ۴ السیرة الحلبیة جلد۲ صفحہ ۱۵۹۔۱۶۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۵ شمائل الترمذی باب مَا جاء فی صفة مزاح رَسُوْل اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسِلَّمَ

۶ الحجرات:۱۱　　　　۷ الشعراء :۸۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۵۹ء

(منعقدہ ۱۷، ۱۸/اپریل ۱۹۵۹ء)

پہلا دن

افتتاحی تقریر جماعت احمدیہ کی چالیسویں مجلس مشاورت ۱۷۔۱۸۔اپریل ۱۹۵۹ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ہال میں منعقد ہوئی۔ ۱۷۔ اپریل کو بعد نماز عصر حضور نے اس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:-

’’جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے موٹر کے حادثہ کی وجہ سے میری کمر اور باقی حصہ جسم میں دردیں شروع ہوگئی ہیں اور گو اس سے پہلے بھی مجھے وجع المفاصل کی تکلیف تھی لیکن اس حادثہ کی وجہ سے دردیں زیادہ ہوگئی تھیں۔ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے دو دن سے آرام آنا شروع ہؤا ہے ممکن ہے خدا تعالیٰ چاہے تو مکمل آرام ہی آجائے۔ چونکہ پہلے کسی دوائی سے فرق نہیں ہؤا تھا اس لئے مجھے ایک نئی دوائی کا خیال آیا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے بچپن میں دیا کرتے تھے۔ مَیں نے اس دوائی کا ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا تو اُنہوں نے بتایا کہ مَیں بھی اس دوائی کا استعمال کرتا ہوں اور یہ مفید ہے۔ چنانچہ اس دوائی کے استعمال کرنے سے کچھ فائدہ ہونا شروع ہؤا ہے۔ صرف اتنا نقص ہے کہ یہ دوائی قبض پیدا کرتی ہے، اس کے لئے کچھ جلاب لے لیا کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب یہ دوائی مجھے دیا کرتے تھے تو ساتھ کسٹر آئل ایملشن بھی دے دیا کرتے تھے اور اس کے ذریعہ سے قبض کا ازالہ ہو جاتا تھا۔ غرض اب ارادہ ہے کہ کچھ دن قبض کشا دوائیں کھالی جائیں تاکہ درد کو بھی آرام آجائے اور جو دماغی پریشانی رہتی ہے وہ بھی دور

ہو جائے۔

بہر حال میں آپ لوگوں کی تکلیف کی وجہ سے اوراس خیال سے کہ جماعت اس سال پھر جمع ہوئی ہے تا کہ دُنیا میں تبلیغ اور اشاعت اسلام کا کام وسیع کیا جائے اپنی بیماری اور کمزوری کے باوجود آ گیا ہوں تا کہ لہو لگا کر مَیں بھی شہیدوں میں شامل ہو جاؤں۔اب مجلس مشاورت کی کارروائی شروع کی جاتی ہے۔سیکرٹری صاحب مجلس مشاورت ایجنڈا کی تجاویز پڑھ کر سنائیں۔''

حضور کے ارشاد کی تعمیل میں ایجنڈا پڑھ کر سُنایا گیا اور پھر سب کمیٹیوں کا تقرر عمل میں لایا گیا اِس کے بعد حضور نے فرمایا:-

''ہر زمیندارہ جماعت اپنے اپنے ہاں زراعت کا ایک سیکرٹری مقرر کرے۔وہ سیکرٹری اِس بات کا ذمہ دار ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار فی ایکڑ کرائے۔میں نے بتایا تھا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۲۰ من فی ایکڑ پیداوار ہوسکتی ہے لیکن ہر سیکرٹری زراعت سے ہم یہ اُمید نہیں کر سکتے کہ وہ پہلے سال ہی ۵۲۰ من فی ایکڑ پیداوار کرائے۔وہ چاہے پانچ من فی ایکڑ ہی زیادہ پیداوار کرائے بہر حال کچھ نہ کچھ تو کوشش کرے گا۔ہم سب زمیندارہ جماعتوں کا آپس میں مقابلہ کریں گے اور پھر دیکھیں گے کہ کس کی پیداوار فی ایکڑ زیادہ ہوتی ہے۔اگست میں تمام جماعتوں کی طرف سے رپورٹ آجایا کرے کہ کس جماعت کی کتنی پیداوار ہوئی ہے اور پھر جس جماعت کی زیادہ پیداوار ہوگی اُس کا نام خاص طور پر مجلس شُوریٰ میں سنایا جائے گا اور اُسے جماعت کی طرف سے کوئی انعام یا خطاب بھی دیا جایا کرے گا۔''

دوسرا دن

یورپ میں مساجد کی تعمیر کا پروگرام

مجلس مشاورت ۱۹۵۹ء کے آخری دن تحریک جدید کا بجٹ پاس ہونے کے بعد حضور نے احباب جماعت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

''میں آئندہ کے لئے یورپ میں مساجد کا ایک پروگرام بنا دینا چاہتا ہوں جو مشروط بآمد

ہو گا۔ یعنی اگر گورنمنٹ ہمیں ایکسچینج دے دے یا باہر کی جماعتیں پونڈ مہیا کریں تو ایک مسجد پیرس میں بنائی جائے، ایک روم میں بنائی جائے، ایک نیورمبرگ (جرمنی) میں بنائی جائے، ایک اوسلو (ناروے) میں بنائی جائے اور ایک نیو یارک میں بنائی جائے۔ اس طرح یہ مسجدیں ملا کر ۹ مسجدیں ہو جائیں گی۔ پیرس میں مسجد بنانے کا یہ فائدہ ہے کہ اس کا تیونس اور مراکش پر بھی اثر پڑے گا۔ جو اسلامی ممالک ہیں۔ کسی زمانہ میں جب اسلام کمزور ہو گیا تھا تو مراکش اور تیونس نے ہی اسلام کا جھنڈا اونچا رکھا تھا۔ پس ان کا حق ہے کہ ہم ان کی مدد کریں۔ اگر اس جگہ ہماری مسجد بن جائے تو سپین میں بھی ہماری تبلیغ بڑھ جائے گی کیونکہ یہ مُلک سپین کے قریب ہے۔

تحریک جدید نے اعلان کیا ہے کہ جو دوست مسجد کے لئے ۱۵۰ روپیہ دیں گے اُن کے نام مسجد پر کندہ کرائے جائیں گے۔ میں نے اِس سلسلہ میں اپنے بہت سے رشتہ داروں کے نام لکھوائے ہیں مگر چونکہ مَیں اپنی زمین اُن میں تقسیم کر چکا ہوں، اس لئے یہ شرط ہو گی کہ اگر وہ بھی منظور کریں کہ اُن کی آمد میں سے یہ رقم دی جائے، تب مَیں یہ رقم دوں گا ورنہ میں تو اپنی سب جائیداد تقسیم کر چکا ہوں۔ بہرحال اگر اُنہوں نے منظور کیا تو ۶۶۰۰ روپیہ مَیں اِس مد میں دوں گا۔ ان میں سے ایک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، ایک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، ایک حضرت خلیفۃ المسیح الاول ہیں، ایک حضرت اماں جان ہیں، مَیں ہوں، میری بیویاں ہیں، لڑکے لڑکیاں ہیں مگر چونکہ مَیں جائداد سب رشتہ داروں میں تقسیم کر چکا ہوں اِس لئے اِس وعدہ کو اِس شرط کے ساتھ مشروط کرتا ہوں کہ وہ بھی اس کی منظوری دیں کیونکہ اب یہ زمین اُن کی ہے میری نہیں۔

دفتر دوم کے چندہ کے متعلق تحریک

افسوس ہے کہ تحریک جدید کے دفتر دوم میں حصہ لینے والے چندوں کی ادائیگی میں سُستی دکھا رہے ہیں حالانکہ دفتر اوّل میں شامل ہونے والے باوجود اِس کے کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور اُن کے خرچ بھی زیادہ ہیں پھر بھی زیادہ حصہ لے رہے ہیں۔ کل میں نے وکیل التبشیر سے پوچھا تو اُنہوں نے بھی اقرار کیا کہ دفتر دوم کے چندوں میں کمی ہے حالانکہ نوجوانوں پر بوجھ کم ہے۔ بُڈھوں پر تو بیویوں اور بچوں کا بوجھ ہوتا ہے مگر ان کے چندے پھر بھی زیادہ ہیں۔

میں سب دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ دفتر دوم میں زیادہ سے زیادہ احمدی نوجوان حصہ لیں اور پھر اپنے وعدوں کو پورا بھی کریں۔‘‘

اختتامی تقریر

مشاورت کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد حضور نے احباب سے الوداعی خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

’’شوریٰ کا کام ختم ہو چکا ہے۔ اب میں دُعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق دے کہ وہ ان فیصلوں پر پوری طرح عمل کرے۔ اس کے بعد دوستوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت ہوگی۔ آئندہ شوریٰ کی سب کمیٹیوں کے ممبر اپنی اپنی جماعتوں کی طرف سے مقرر ہو کر آیا کریں۔ اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مشورہ اچھا ہو سکے گا اور کام بھی جلدی ہوگا۔

اِس وقت صرف کراچی کی جماعت اچھا کام کر رہی ہے۔ اُنہوں نے ڈسپنسری بھی قائم کر لی ہے اور دو مسجدیں بھی بنالی ہیں۔ لاہور میں ایک مسجد بھی ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ آئندہ کے لئے میں جماعتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ علیحدہ علیحدہ زون بنالیں۔ مثلاً ایک زون ملتان ڈویژن ہو۔ ایک زون راولپنڈی ڈویژن ہو۔ ایک زون لاہور ڈویژن ہو۔ ایک زون پشاور ڈویژن ہو۔ ایک زون بہاولپور ڈویژن ہو اور ایک زون حیدرآباد ڈویژن ہو۔ اسی طرح کرنل عطاء اللہ صاحب کی تجویز پر عمل کیا جا سکتا ہے اور ہر حلقہ میں ہسپتال اور مساجد بنائی جا سکتی ہیں اور سکول اور کالج قائم کئے جا سکتے ہیں۔ گو بعض شہروں میں ہماری جماعت بہت قلیل تعداد میں ہے لیکن اگر زون بنالئے جائیں تو ان علاقوں کی جماعتیں باہم مل کر کراچی کی جماعت سے تعداد میں زیادہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ملتان میں ہماری جماعت بہت چھوٹی ہے لیکن اگر ملتان ڈویژن کا زون بنالیا جائے تو اس زون کی جماعت کراچی کی جماعت سے تعداد میں بڑھ جاتی ہے۔ اِسی طرح راولپنڈی میں ہماری جماعت کی تعداد ۱۴۰۰ کے قریب ہے لیکن راولپنڈی ڈویژن میں ہماری جماعت کے افراد چودہ ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ کراچی میں تو صرف چار ہزار کی جماعت ہے۔ اگر اِس طرح زون بنالئے جائیں تو سارے مغربی اور مشرقی پاکستان میں جماعت کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے اور ہر جگہ

ہسپتال، سکول، کالج اور مساجد بنائی جاسکتی ہیں۔ ہر شہر میں اس تجویز پر عمل کرنا مشکل ہے لیکن اگر ہر ڈویژن میں بھی بن جائیں تب بھی بڑی بات ہے۔ اور پھر خدا چاہے گا تو وہ وقت بھی آجائے گا کہ ہر شہر میں ہماری مسجد بھی ہو، ہسپتال بھی ہو، سکول بھی ہو اور کالج بھی ہو۔ پھر اگر تنظیم مضبوط ہو گی تو جماعت کی تعداد بھی بڑھ جائے گی اور حسبِ ضرورت مساجد میسر آتی رہیں گی اور آباد ہوتی رہیں گی مگر جماعتیں لاہور کی طرح نہ کریں۔ لاہور میں ہمیں گمٹی بازار والی مسجد مل رہی تھی لیکن خواجہ کمال الدین صاحب نے چار ہزار روپیہ لے کر حق تولیت فروخت کر دیا۔ پھر حکیم محمد حسین صاحب مفرح عنبری والوں نے میاں فیملی والوں سے زمین حاصل کر کے مسجد تعمیر کی اور وہی آج تک ہمارے کام آرہی ہے اگر لاہور والے مسجد کی تعمیر کا کام شروع کر دیں تو میرے خیال میں وہاں لاکھوں روپیہ جمع کیا جاسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے لوگوں میں اِس نیکی کا احساس ہے۔ مثلاً یورپ کی مساجد کے سلسلہ میں مَیں نے تحریک کی تو ایک زرگر کا لڑکا ایک دفعہ میرے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ یہ دو ہزار روپیہ میری والدہ نے دیا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ اِسے مسجد میں لگا دیا جائے۔ اب دیکھو وہ معمولی زرگر تھے لیکن اُنہوں نے دو ہزار روپیہ دے دیا۔ لاہور میں تو ہمارے بہت سے زرگر ہیں، وہاں چار پانچ لاکھ روپیہ آسانی سے جمع کیا جاسکتا ہے۔''

اس کے بعد حضور نے حاضرین سمیت دعا کروائی اور گیارہ بجے قبل دوپہر مجلس شوریٰ کا اجلاس برخواست ہوا۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۹ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۶۰ء

(منعقدہ ۸، ۹/ اپریل ۱۹۶۰ء)

پہلا دن

دُعا اور افتتاحی کلمات

جماعت احمدیہ کی اکتالیسویں مجلس مشاورت ۸، ۹۔ اپریل ۱۹۶۰ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ہال میں منعقد ہوئی۔ کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہؤا۔ اس کے بعد حضور نے تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ناسازیٔ طبع کے باعث صرف چند کلمات اور دعا سے اس کا افتتاح کیا۔ حضور نے فرمایا:-

’’پیشتر اِس کے کہ شوریٰ کی کارروائی شروع کی جائے سابق دستور کے مطابق میں کارروائی کے افتتاح سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کروں گا کہ وہ ہمارے غور اور مشورہ میں ہمارا ہادی و راہ نما ہو۔ وہ ہمیں صحیح راستہ پر چلنے اور درست فیصلوں تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایسا فضل نازل فرمائے کہ ہمارے مشورے ہمارے ایمان کی ترقی اور سلسلہ کی عظمت بڑھانے کا موجب ہوں، دلوں میں نِفاق اور شِقاق اور نفرت پیدا کرنے کا موجب نہ ہوں۔ اسی طرح یہ مشورے ہماری نیکی اور اخلاص کو تو بڑھانے والے ہوں لیکن کج بحثی اور غلط تنقید کا دروازہ کھولنے والے نہ ہوں اور یہ کہ ہم کسی ایسے فیصلہ پر نہ پہنچیں جس کو پورا کرنے کی ہم میں توفیق نہ ہو اور اُس مقام پر پہنچنے سے نہ رہیں جس مقام پر پہنچنے کا اللہ تعالیٰ ہمارے متعلق فیصلہ فرما چکا ہے۔ اب سب دوست میرے ساتھ مل کر دعا کر لیں۔ اس کے بعد ہم شوریٰ کی کارروائی شروع کریں گے۔‘‘

اس کے بعد حضور نے حاضرین سمیت لمبی دعا کروائی۔ دُعا کے بعد حضور نے فرمایا:-

''دوست یہ بھی دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے قادیان کا رستہ کھولے اور ہماری مشکلات کو دُور کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا
جو ہو گا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا
دکھاؤں گا کہ اک عالَم کو پھیرا

سو دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ عالم کو پھیرنے کے سامان پیدا کرے اور احمدیت کو ترقی بخشے۔''

اختتامی تقریر

مجلس مشاورت کی کارروائی مکمل ہونے پر حضور نے دوستوں سے الوداعی خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

''اب شوریٰ کی کارروائی چونکہ ختم ہو چکی ہے اس لئے میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے ان فیصلوں کے مطابق جو اِس وقت کئے گئے ہیں صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی مالی حالت کو مضبوط بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تقویٰ کے حصول کی کوشش کرو

تبلیغ پر زور دینا چاہئے اور نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ کے بغیر انسان کا کوئی عمل اُسے اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں بنا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر نماز میں بلکہ نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی الہام ہے کہ

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

پس دوستوں کو اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور بار بار قادیان

جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پس تقویٰ اللہ کے حصول کی کوشش کرو۔ اپنی آئندہ نسلوں میں دین کی محبت پیدا کرو۔ انہیں اسلام اور احمدیت کی خدمت کے لئے وقف کرو، اشاعتِ احمدیہ کے لئے ہر قسم کی مالی اور جانی قربانیوں میں حصہ لو اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہو کہ وہ ہماری ناچیز کوششوں میں برکت ڈالے اور ہمارے کاموں کو اپنے فضل اور رحم کے ساتھ نتیجہ خیز ثابت کرے تاکہ ہم نے یہاں جو وقت صَرف کیا ہے وہ ضائع نہ ہو اور ہم خدا تعالیٰ کے نزدیک جھگڑالو قرار نہ پائیں بلکہ اُس کے دین کے خدمت گزار اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ایمان، اخلاص اور تقویٰ پیدا کرے اور ہمارے قلوب میں ایسی محبت اور عشق بھر دے کہ بغیر اس کے مل جانے کے ہماری سوزش میں کمی واقع نہ ہو۔ ہماری گھبراہٹ دور نہ ہو، ہمارا جوش کم نہ ہو اور ہماری راحت اور ہمارا چین سوائے اس کے کسی اور چیز میں نہ ہو کہ ہمیں اُس کا قُرب حاصل ہو جائے اور ہم اُس کے وصال سے لُطف اندوز ہوں، ہماری ہر قسم کی خوشی اور امید اُس سے وابستہ ہو اور ہماری محبت اور چین اُس کے رسولوں خصوصاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے خلیفہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وابستگی اور ان کی تعلیموں اور منشاء کے مطابق چلنے میں ہو اور ہم اُن کے نام کو دُنیا میں پھیلانے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے اور ہماری زبانوں میں برکت ڈالے تاکہ ہم دوسرے لوگوں کو بھی خدائے واحد کے کلام کی طرف کھینچ سکیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم خدا تعالیٰ کے کلام سے محبت کرنے والے، اُس کی تعلیم سے پیار کرنے والے، اس کے حکموں کو پھیلانے والے اور اُس کے بندوں سے محبت کرنے والے ہوں۔

آپ لوگوں نے اِس وقت آمین تو کہا مگر آپ لوگوں کا فرض ہے کہ اپنی اپنی جگہوں پر جا کر تبلیغ پر زور دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک ایک سال میں تیس تیس ہزار احمدی ہوتا تھا۔ اب تو ۳۰، ۳۰، ۴۰، ۴۰ لاکھ سالانہ احمدی ہونے چاہئیں۔ حضرت مسیح ناصری کی اُمت نے ۱۹۰۰ سال کی عمر پائی ہے۔ ہم دُعا کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کو ۱۹۰۰۰ سال

سے بھی زیادہ عمر دے گا اور دُنیا کے چپہ چپہ پر کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئے گی جہاں احمدیت اور اسلام کا نام نہ لیا جاتا ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں خدا تعالیٰ اسلام اور احمدیت کو اِس قدر ترقی دے گا کہ حق کا انکار کرنے والے اس کے مقابلہ میں چوڑھوں چماروں کی طرح رہ جائیں گے[۴] پس دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کو ترقی دے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تکلیف آئے تو وہ ہماری تباہی کا موجب نہ ہو۔ ہم اس کے سلسلہ کے لئے عزت کا باعث ہوں۔ بدنامی اور رُسوائی کا باعث نہ ہوں۔ ہمیں خدا اپنے بھائیوں کی خدمت کی توفیق دے اور جو باتیں اچھی ہوں خواہ بظاہر وہ ناپسندیدہ اور بُری نظر آئیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو چیزیں بُری ہیں خواہ غلطی سے ہم ان کو اچھی ہی سمجھتے ہوں خدا تعالیٰ ہمیں اُن سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنی حفاظت کے سایہ کے نیچے رکھے اور ہمارا مرکز دائمی طور پر ہمیں دیدے۔‘‘

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۶۰ء)

---

[۱] الفاتحہ:۶،۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس مشاورت ۱۹۶۱ء

(منعقدہ ۲۴ تا ۲۶ ؍ مارچ ۱۹۶۱ء)

پہلا دن

تحریری پیغام برائے افتتاحی اجلاس

جماعت احمدیہ کی بیالیسویں مجلس مشاورت ۲۴ تا ۲۶ مارچ ۱۹۶۱ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ہال میں منعقد ہوئی۔ حضور بوجہ علالت اِس میں بنفسِ نفیس شمولیت نہ فرما سکے۔ حضور نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ مجلس مشاورت کی کارروائی سرانجام دیں۔ تلاوت قرآن کریم سے مجلس مشاورت کی کارروائی شروع ہوئی۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضور کا پیغام جو حضور نے اِس موقع کے لئے تحریر فرمایا تھا وہ پڑھ کر سنایا جو درج ذیل ہے:-

”اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِر

برادران!

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

مَیں جوان تھا جب مَیں نے مجلس مشاورت کی بنیاد رکھی اور اب

میں بیمار اور کمزور ہوں جس کی وجہ سے نہ تو مَیں مجلس شوریٰ میں زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہوں اور نہ ہی اس کی کارروائی میں اُس طرح حصہ لے سکتا ہوں جس طرح پہلے لیا کرتا تھا بلکہ اس مجلس مشاورت میں تو شرکت سے ہی معذور ہوں لیکن اِس لئے کہ میں دُعا کے ساتھ مجلس مشاورت کا افتتاح کردوں باوجود بیماری اور کمزوری کے عزیزم مرزا بشیر احمد کے ہاتھ یہ مختصر سا افتتاحی پیغام بھجوا رہا ہوں اور دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ

احتیاط اور غور وفکر سے مشورہ دیں

مشورے وہی بابرکت ہوتے ہیں جو صحتِ نیت اور اخلاص کے ساتھ جماعتی مفاد کی غرض سے دیئے جائیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قائم کردہ سلسلہ کی بہبودی کو مدنظر رکھا گیا ہو۔ اگر آپ لوگ اپنے مشوروں میں اس روح کو قائم رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں ہمیشہ برکت رکھے گا اور آپ کے مشوروں کے اچھے نتائج پیدا کرے گا لیکن اگر آپ لوگوں نے بھی کسی وقت یہ دیکھنا شروع کر دیا کہ زید یا بکر کی کیا رائے ہے اور یہ نہ دیکھا کہ سلسلہ کا مفاد کس امر میں ہے تو آپ کے کاموں میں برکت نہیں رہے گی اور آپ کے مشورے محض رسمی بن کر رہ جائیں گے اور خدائی نصرت کو کھو بیٹھیں گے۔ پس آپ لوگوں پر ایک بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہے۔ آپ لوگ جب مشورہ دینے کے لئے جمع ہوتے ہیں تو درحقیقت آپ ایک ایسے راستہ پر قدم مارتے ہیں جو تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز اور بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ پس آپ لوگ بڑی احتیاط اور غور وفکر کے ساتھ مشورہ دیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے رہیں کہ وہ حق آپ کی زبان پر جاری کرے اور آپ کو ایسے فیصلوں پر پہنچنے کی توفیق بخشے جو سلسلہ کے لئے مفید اور اس کی دینی اور روحانی اور تنظیمی اور مالی حالت کو

بہتر بنانے والے ہوں۔

بجٹ بڑھانے کا طریق

مجھے افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ متواتر کئی سال سے میں جماعت کو توجہ دلا رہا ہوں کہ اُسے اپنی آمد کا بجٹ پچیس لاکھ تک پہنچانا چاہئے، ابھی تک ہماری جماعت نے اس کی طرف پوری توجہ نہیں کی، حالانکہ ہمارے سپرد جو عظیم الشان کام کیا گیا ہے اُس کے لحاظ سے ۲۵ لاکھ ہی نہیں بلکہ ۲۵ کروڑ کا بجٹ بھی ہماری تبلیغی ضروریات کے لئے کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے ساری دُنیا کو اسلام اور احمدیت کے لئے فتح کرنا ہے اور ساری دُنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچانا اور اُسے خدائے واحد کے جھنڈے کے نیچے لانا ہے لیکن بہرحال جماعت کی موجودہ تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں اپنی آمد کا بجٹ کم از کم پچیس لاکھ تک پہنچانے کی جلد تر کوشش کرنی چاہئے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہمارے بجٹ کی کمی میں بڑا دخل اُن نادہندوں کا ہے جو سلسلہ میں شامل ہونے کے باوجود اخلاص کی کمی کی وجہ سے مالی قربانیوں میں حصہ نہیں لیتے، اِسی طرح وہ لوگ جو مقررہ شرح کے مطابق چندہ نہیں دیتے یا بقایوں کی ادائیگی میں سُستی سے کام لیتے ہیں۔ اُن کی غفلت بھی سلسلہ کے لئے نقصان کا موجب ہو رہی ہے۔ پس مَیں تمام امراء اور سیکرٹریان جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اُنہیں روحانی اور تربیتی اصلاح کے ساتھ ساتھ نادہندوں اور شرح سے کم چندہ دینے والوں کے بارہ میں اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہئے تاکہ ان میں بھی قربانی کا جذبہ پیدا ہو اور وہ بھی اپنے دوسرے بھائیوں کے دوش بدوش اسلام کو دُنیا کے کناروں تک پہنچانے کے ثواب میں شریک ہوسکیں۔

اِن مختصر کلمات کے ساتھ مَیں بیالیسویں مجلس مشاورت کا افتتاح کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے کاموں میں

برکت ڈالے اور ہمیں اخلاص اور تن دہی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے اور صحیح فیصلوں تک پہنچنے کی توفیق بخشے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ

خاکسار

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

۲۰۔۳۔۱۹۶۱ء''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۶۱ء)